بابا محمد یحییٰ خان

UrduPhoto.com

پیا رنگ کالا

© OneUrdu.com

اللہ کا بندہ جسے نماز میں حضوری کی نعمت حاصل ہو جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اُس کے چہرے پہ اللہ کی تجلی و تجمل کا ایک خاص نُور جھلملاتا ہے۔ اُس کا چہرہ ایسا شفاف، مسکراہٹ ایسی ملکوتی اور لہجہ ایسا پاکیزہ اور پُراثر ہوتا ہے کہ مخاطب وفورِ نیاز و تسلیم سے بھیگ جاتا ہے۔ اور وہ اس نُور کا سرمدی سا ظہور اپنے وجدان پر محسوس کرتا ہے۔

درویشوں کے دروں کے کالے کُتے بادشاہوں کے درباروں کے سفید ہاتھیوں سے لاکھ درجہ قیمتی اور عزت والے ہوتے ہیں۔

UrduPhoto.com

خالقِ ازل و ابد نے ایسے انسان بھی تخلیق فرمائے جنہیں عہدِ مادر میں ہی بہت سے علوم و فنون، کرامات و درجات اور قوتیں، صلاحیتیں ودیعت فرما دیں..... کسی کا باطن صیقل کر دیا تو کسی کی آنکھیں آئینہ کر دیں تو کہیں سینے وادیٔ سینا کر دیئے۔ دل گداز دیئے تو کہیں حوصلے فراخ دیئے۔ کسی کے طائرِ فکر کو آشنائے لاہوت کر دیا۔ کسی کو پروازِ تخیل دے کر مبہوت کر دیا۔ کسی کی خرد و بینش کو ارسطو کر دیا تو کسی کو بینائی و دیدہ وری کا حکیم الامت کر دیا۔

© OneUrdu.com

باہر ہیں حدِ فہم سے رِندوں کے مقامات
کیا تجھ کو خبر کون کہاں جھوم رہا ہے

© OneUrdu.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

UrduPhoto.com

پیا رنگ کالا

© OneUrdu.com

سپاس

بڑے باباجیؒ

حافظ قاری عنایت اللہ جلالپوریؒ

چاچی جموں والی • شاہ صاحب المعروف میاں جی سنگلاں والےؒ

بابا رحمت سائیں • رجل سیاہ پوش المعروف یا علی مدد • باباجی قاسم شہیدؒ

پیر سیّد قطب الدین جلالی افغانیؒ • باباذہین شاہ تاجیؒ

صوفی مستری نوردین المعروف نُور جہاںؒ • سوامی اُوم کارجی

حافظ مولوی سیّد قمرالدین شاہ اجمیریؒ • ڈاکٹر اسٹیفن رابرٹ

سیٹھ سلیمان علی بہادر خان بمبئی والے • ڈاکٹر فاسٹر اڈیمس

مرزا محمد یحییٰ علی خان المعروف صبح ازل • علی محمد شیرازی • چودھری محبوب عالم شکر گڑھوی

احمد دینار • عمر خیام • عمر مختار • میڈم آیرے ڈیوڈ

آغائے سلیمان ژندی • سینٹ ڈنگلس سیٹو • مولانا محمد یوسف المعروف قونیائی محبوبؒ

لامے گورڈے شیوا • پنڈت رام دھیان • مادام ٹی ایم زیڈ بائی ڈبل زیڈ

نصیبو بی بی • کستوری کی ''ا'' کی اجازت و معاونت

اور

''م'' • ن ط د و ن ک ط ن ک س ن ک ع

کی بھرپور استعانتوں کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

© OneUrdu.com

پیا رنگ کالا

UrduPhoto.com

بابا محمد یحییٰ خان

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

© OneUrdu.com

891.4393 Muhammad Yahya Khan, Baba
Piya Rang Kala / Baba Muhammad Yahya Khan.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2009.
722pp.
1. Urdu Literature - Novel.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے

2009
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔
بار دوم، جولائی 2009

UrduPoint.com

محمد یحییٰ خان
412-نرگس بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
فون: 042-7844838
موبائل: 0300-9417829, 0333-4231848
0322-4670170, 0346-6629995
piyarang_kala@hotmail.com
piyarang_kala@yahoo.com
www.piyarangkala.com

بوجوہ چند نام و مقامات اور واقعاتی کوائف و بیان میں چنداں ترمیم، تخریج و تخصیص ناگزیر تھی.....کوئی بھی مطابقت، مماثلت محض اتفاق ہوگی.....!

ISBN-10: 969-35-2225-7
ISBN-13: 978-969-35-2225-9

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall) Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حافظ حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

© OneUrdu.com

○

داستان سرائے

۱۲۱۔سی، ماڈل ٹاؤن،

لاہور۔

کے

UrduPhoto.com

مکینوں، رخشندہ جبینوں

کے

نام

○

© OneUrdu.com

- اَلف اللہ

جنب دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی

ھُو

UrduPhoto.com

© OneUrdu.com

حرفے چند

بحمداللہ، ''پیا رنگ کالا'' کا موجودہ ایڈیشن آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا مرحلہ بھی طے ہوا۔ اِس کتاب کے ''مضامینِ بارنگ جنوں'' اپنے بیاں و زباں، موضوع و مذاکرت اور انداز و انگ کے اعتبار سے جہاں مُہمل و اَدق سے لگتے ہیں وہیں یہ (بظاہر) بے رَبط و بے ضبط اور تحیّر خیز سے بھی محسوس ہوتے ہیں اور شاید یہی اِن کی ''نمایاں خرابی'' یا ''نہفتہ خُوبی'' بھی ہے۔ بااِیں ہمہ اِس کتاب کو ناول کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ سفرنامہ، افسانہ، اِنشائیہ یا قصّے کہانیوں کی ذیل میں آتی ہے۔ البتہ اسے کسی جہاں نوَرد دیوانے کی ڈائری یا کسی دَر دَر خوار و زبوں حال دَرویش پہ پڑنے والے ''ہاتھوں'' یا سَر پڑی ''وارداتوں'' کی اَجمالی تفصیل ضرور سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ ایسی پُر اَسرار اور عجیب و غریب ''وارداتیں'' ہیں جو میرے بطون اور قلب و نظر پر سے ہو گزری ہیں..... بچّوں کی سی باتیں، شرارتیں، جوانوں کی سی خوشیاں تَرنگیں اور بُوڑھوں مُجذوبوں سے اَونگیاں بَونگیاں..... فقیروں دَرویشوں کی پیش بینیاں، بوالعجبیاں اور نُکتہ آفرینیاں۔ فلک فلک، مُلک مُلک، شہر بہ شہر، قریہ قریہ، سمندر، پہاڑ اور صحرا..... میری چالاکی ملاحظہ فرمائیں، مَیں نے واقعہ دَر واقعہ، رَمز بہ رَمز، حروف و اِلفاظ کی ہر اوٹ اور حِیلہ، اپنی بے عِلمی اور جہالت اپنی سی حد تک چُھپانے کی ناکام کوشش بھی کی ہے۔ وہ بات کہ ہاتھی کے دانت، بارہ سِنگھے کے سینگ، کم سواد بے ظرف اور جہالت کی ہینگ کی بُو کو چُھپانا، لُکانا مشکل ہوتا ہے۔ یا جیسے ناکام گویّا یا مُنہ بگڑا موسیقار بالآخر قوّالوں کے سنگ گلے بازی پہ بیٹھ جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی مجھ ایسے بے عِلمے، بے اَدبے آخر وقت اَدب کے ساتھ یہی کچھ بے اَدبی کرتے ہیں یعنی یہ کتاب لکھ کر جو مجھ سے سَرزد ہوئی ہے ایک اور بات جو مَیں کہنا

OneUrdu.com

پیش لفظ

چاہوں گا کتاب کے حوالے سے ایک حادثہ یہ بھی ہوا کہ خوش عقیدہ قارئین کی ایک خاصی تعداد میرے ساتھ عقیدت و ارادت کے سلسلے بھی جوڑ بیٹھی..... الحمدللہ! کہ اس ''تعلق خاص'' کے حوالے سے مجھے بھی اللہ کی مخلوق کی چنداں فکری' ذہنی' نفسیاتی اور روحانی تناظر میں کچھ خدمت کا موقع نصیب ہوا۔

زیرِ نظر ایڈیشن میں جسامت و قدامت' سرورق و پس ورق..... طباعت و ضخامت..... کمپوزنگ' آرٹ ورک اور پیشکش میں بڑی جاذبِ نظر' جدید انداز کی خاطرخواہ تبدیلیاں لائی گئیں۔ اسی طرح از سرِ نو کمپوزنگ سے بہت سی خامیاں اور اغلاط بھی گرفت میں آئیں..... سوا یہی فکری اجلی تقطیع و تعدیل کے بعد کتاب مزید کالی شا کالی ہو کر آپ تک پہنچ پائی ہے۔

کسی بھی کتاب میں جو کچھ بھی بیان کیا جاتا ہے اس میں سہو کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سو یہ کتاب بھی بے شمار خامیوں کا مجموعہ دکھائی دے گی..... میں پڑھا لکھا یا کوئی مستند ادیب نہیں اس لئے زبان و بیان کے لاتعداد سقم و سہو بھی نظر آئیں گے اور اکثر و بیشتر الفاظ و استعارات' تشبیہات' تلمیحات اور کچھ اصطلاحی اسماء کی تکرار بھی کھٹکے گی۔ اسے آپ میری بے ہنری' بے علمی سمجھ لیں یا پھر مجبوری..... جیسا کہ ولایت و وصایت..... نقابت و وراثت..... حکمت و کیمیا یا اور جتنے بھی معقولات و منقولات' لاہوتی ملکوتی' علوی سفلی' خفی علوم ہیں سارے اسی لئے ادق اور پُر اسرار ہیں کہ ان کی علمی تشریحی اصطلاحیں' معارف و معنی عام فہم و ادراک سے بالاتر ہوتے ہیں۔ انہی علوم کا ایک ادنیٰ طالبعلم ہونے کے ناتے جو کچھ میں نے دیکھا' جانا' جانچا' برتا' محسوس ہوا اور حاصل کیا..... وہ من و عن لکھ دیا۔ اب مجھے اپنے بہت سارے کرم فرماؤں اور بچوں کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے میری معاونت و معاملت فرمائی..... اللہ کریم! انہیں جزائے خیر دے۔

بابا محمد یحییٰ خان

OneUrdu.com

اشفاق احمد

پیچیدہ اور ژولیدہ واقعات کی گتھا .....

اس کتاب کو میں نے تفریحاً پڑھنا شروع کیا کہ مجھے محمد یحییٰ خان کی تحریر اور اُس کا انداز بہت ہی پسند ہے۔ یہ قاری کو پکڑتا ہے اور گھم بیٹیاں دیتا ہوا ساتھ بھی گھسیٹے لئے جاتا ہے۔ نہ ہاتھ چھوڑتا ہے نہ سانس لینے دیتا ہے' نہ اپنے نظاروں اور تیرگیوں سے صرفِ نظر کرنے دیتا ہے۔ ایک بار اُس کے چنگل میں آ گئے تو پھر چل سو چل' آگا نزدیک پیچھا دُور' منزل در منزل سفر در سفر یا کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔

یہ کتاب چونکہ بڑی ضخیم ہے اور تحریر کے مقابلے میں شکم زیادہ ہے اس لئے میں نے پوری تیاری اور ہشیاری کے ساتھ اس پر ہاتھ ڈالا۔ کچھ دیر اور ذرا سی دُور تک تو میں اپنے پاؤں پہ چلا پھر اُچک لیا گیا۔ لیکن اس اُچک میں میں نے آنکھیں بند نہیں کیں اور کشادہ نظروں سے جو کچھ دیکھا وہ ایک نیا تجربہ اور انوکھی واردات تھی۔

یہ کتاب یوں تو "مے مائرز" کے ذیل میں آتی ہے اور جو کچھ مصنف کی ذات پر گزرا مجھ پر کبھی نہیں گزرا لیکن میں ان واقعات کا بطلان نہیں کر سکتا۔ بہت سے لوگوں پر بہت دیر تک ایسی کیفیات اور ایسی واردات وارد رہی ہیں۔ لیکن ان کی پکار کو کسی نے اہمیت نہیں دی اور اسے سچ نہیں جانا۔ اُردو کا جدید ادبی دَور ایسے واقعات' مشاہدات اور ایسی کیفیات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا کہ اس نے اپنی توجہ کا پورا پینڈل 180 ڈگری پر سائنس' منطق' کلام اور دلیل کی طرف موڑ رکھا ہے اور دوسری قسم کی ساری واردات کو تشکیک اور ضعیف الاعتقادی کے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔ ولائت والے ابھی تک اس پر بڑے زور و شور سے کام کر رہے ہیں مگر اُردو والے اسے اپنی "گہری تحقیق" کے بعد توہم پرستی کی مسل میں باندھ کر داخلِ دفتر کر چکے ہیں۔

www.UrduPoint.com

ـــــ اعترافات ادیبہ ماہیچہ

اس داخل دفتر کوٹھڑی کے کسی کونے سے ایک نیولا اُلجھے ہوئے کاغذوں کا ایک مُٹھا لے کر برآمد ہُوا ہے جس کے گرد "پیا رنگ کالا" کی ڈوری بندھی ہوئی ہے۔ یہ کاغذ کچھ ایسے پیچیدہ اور ژولیدہ واقعات کی کتھا سناتے ہیں کہ کبھی تو ان پہ فریزر کی "گولڈن بوغ" کا گمان ہوتا ہے۔ کبھی کولن ولسن کے تحریروں کا اور کبھی اس کے اندر گریف کی حرکی قوت روشن ہونے لگتی ہے۔

سیدھے سیدھے عام واقعات' کچھ پیش رو زن کچھ بس دیوار' آپ انہیں پڑھیں گے تو لڑیں گے اور جھگڑا کریں گے کہ ایسے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ مجھ پر ایسا کوئی واقعہ نہیں گزرا تو محمد یحییٰ خان پہ کیسے گزر گیا! سندھی ماہی یہ کیوں کہتا ہے کہ پلّہ مچھلی سب سے مزیدار ہوتی ہے۔ میں نہیں مانتا کیونکہ میں نے آج تک پلّہ مچھلی نہیں کھائی پھر میں کیسے مان لوں کہ وہ سب سے زیادہ مزیدار ہوتی ہے۔ سندھی ماہی جھوٹ کہتا ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

اُردو کے ذہین قاری چونکہ سائنسی زاویوں کے حامل ہیں اس لئے اس کتاب پر ہمیشہ بحث ہوتی رہے گی۔ مغرب کے محقق اس کا ترجمہ کروا کے اس پہ غور کرنا شروع کر دیں گے کہ "لامعلوم" کی دُنیا کس قدر وسیع ہے اور اس کے اندر کیا کچھ ہو رہا ہے۔

میں اس کتاب کو ایک مرتبہ پھر پڑھ رہا ہوں اور خوش ہو رہا ہوں کہ اُردو ادب میں ایک بہت بڑی بلکہ بہت ہی بڑی کتاب کا اضافہ ہوا ہے۔ مصنف کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں مگر نہیں دے سکتا کہ اُصولاً بڑے رائٹر ہمیشہ جونیئر اور نئے آنے والے ادیبوں کو مبارک باد دیا کرتے ہیں۔ یہاں معاملہ اُلٹ ہو گیا ہے۔

بانو قدسیہ

محمد یحییٰ خان کی کتاب "پیا رنگ کالا" شیش ناگ کی داستان ہے۔ سُنا ہے یہ دیو مالائی سانپ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کی رُوپا رنگت پر آنکھ نہیں ٹکتی۔ جُوں جُوں بڑھتا ہے اس کا رنگ لاکھا اور آنکھیں سفید ہوتی جاتی ہیں۔ پھر جہاں سے یہ گزرے وہیں اس کی چاندی اُتر کر جگہ کو کافوری کر جاتی ہیں۔ پورا قد آنے پر یہ پورے کا پورا ہوا میں مُعلّق ہو سکتا ہے۔ جو اس کی جانب دیکھ لے مسحور ہو جاتا ہے۔ سو سال کا شیش ناگ جون بدل کر انسان بن جاتا ہے پھر اس کی نت نئی کہانیاں' نئے نئے رُوپ' اَنت کی شعبدہ بازی اور بے انت قصّے ہیں۔

"پیا رنگ کالا" لکھ کر محمد یحییٰ خان نے اُردو فکشن پر بڑا احسان کیا ہے۔ انوکھا سائل' بے پناہ تجربہ و مشاہدہ دریا کی سی روانی..... جب جی چاہا جدھر چاہا قاری کو پیچھے لگانے کا فن و ہنر..... اس ناول میں دیو مالا قصّے بھی ہیں۔ انسانی سائیکی کے چُھپے ہوئے شعبدے بھی ہیں اور عام زندگی کی دانش بھی موجود ہے۔ ایسی کتاب لکھنے کے لئے جو تجربات اور جس سیلانی زندگی میں قلم ڈبونے کی ضرورت پیش آئی ہوگی' وہ صرف بے قرار' مضطرب' بے چین محمد یحییٰ خان کے حصّے میں آئی ہے۔

محمد یحییٰ خان وہ دَروازہ ہے جو کسی خانقاہ میں کُھلتا ہے' وہ کھڑکی ہے جو طوائف کے کمرے میں وَا ہوتی ہے' وہ جُھرّی ہے جس سے بچّے مندر کے اندر جھانکتے ہیں۔ اُس اندھی ماں کی آنکھ ہے جو لاٹھی ٹیک کر بازار میں اپنا گُم شدہ بیٹا ڈھونڈتی ہے۔ محمد یحییٰ خان قبر کے اندر سے پُھوٹنے والا میٹھا چشمہ ہے جو شہرِ خموشاں میں چُپ چاپ راستے بناتا ہے۔ وہ چق ہے جس کے پیچھے سے ہسٹریا زدہ لڑکی گلی میں زندگی کی تلاش کرتی ہے..... محمد یحییٰ خان زُوم لینز بھی ہے اور انٹرنیٹ کی سکرین بھی..... اگر آپ جاننا چاہیں کہ اُردو میں ناول کے کیا کیا امکانات ممکن ہیں تو "پیا رنگ کالا" کی وَرق گردانی کیجئے۔ محمد یحییٰ خان سے آپ کا تعارف بھی ان ہی صفحوں پر ہو جائے گا۔ سلامت رہو محمد یحییٰ خان' لکھتے رہو.....

دیدہ لنز اور اصلاح تعریف کی سکرین

OneUrdu.com

مظفر وارثی

علامہ اقبالؒ نے.....
گوشت کے ایک نوزائیدہ لوتھڑے کو اپنی
دُعاؤں میں لپیٹ کر زندگی کے حوالے کر دیا'
زندگی اسے کالکوں کے پاس لے گئی۔
.....اُسے زاغ بہت اچھا لگا
''صبح صادق کا پہلا مؤذن''
اُس نے اپنے رنگ ڈھانپنے کے لئے احرامِ زاغ پہن لیا۔
کالی چادر میں روشن باطن'
کوئلے کی کان میں ہیرا'
چمکیلی آنکھوں میں نرمے کی ڈوریاں.....
زاغ ہی زاغ اُس کے اندر اُڑنے لگے'
وہ اس سے مانوس ہو گئے ہیں۔
روشنیاں اس کا راستہ بن گئیں
راستے اسے آواز دیتے ہیں
لیکن وہ اَن سُنی کر دیتا ہے
وہ اندھیروں کا شوقین ہے
ذات کے اندھیروں کا
کوئی زاغ آئے گا جو اسے صبحِ نو کی خبر دے گا
اور اس کا اقبال دُعاؤں کی چادر میں لپٹ کر
اسے گھونٹ گھونٹ آبِ حیات پلائے گا۔

© OneUrdu.com

بابا محمد یحییٰ خان.. بندے کے رُوپ میں کسی عہدِ عمیق کا کوئی جن ہے۔ خدا جانے اسے بوتل سے کس نے نکالا ہے۔ جس نے بھی یہ حرکت کی ہے' اس نے سہمی ہوئی دُکھی دُھندلائی منزلوں کی انسان بستی میں اَمن کا بڑا سنگین مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ خُدا اور بندے کے رشتے کو اک نئے رنگ سے متعارف کرا دیا ہے۔ بندے کو اُٹھا کر خُدا کے سامنے ننگا کھڑا کر دیا ہے کہ لو جو تیرا خالق ہے تو اُسے دیکھ اور وہ تجھے دیکھے۔

زیرِ نظر یہ کتاب ہی انوکھی نہیں' اس کا مصنف بھی انوکھا ہے۔ اپنی کتاب لے کر وہ عکسی مُفتی کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اس کتاب پر ممتاز مُفتی سے کچھ سطریں لکھوا دیں۔" عکسی مُفتی' بابا محمد یحییٰ خان کی بات سن کر مسکراتا مسکراتا رُک گیا۔ حیرت سے آنکھیں پھیلائے بابا محمد یحییٰ خان کو دیکھتے ہوئے زیرِ لبی بولا۔ بابا محمد یحییٰ خان! ممتاز مُفتی کو گئے تو بارہ سال ہو گئے ہیں' تم اَب اُن سے کچھ لکھوانے آئے ہو!

بابا محمد یحییٰ خان' عکسی مُفتی کی حیرت زدہ آنکھوں میں اپنی بے نیازی کی پچکاری مارتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ عکسی جی! یہاں جسموں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ مَیں ممتاز مُفتی کے قلم سے کچھ لکھوانے آیا ہوں۔ مَیں جانتا ہوں بندے کا جسم مرتا ہے' اس کا قلم نہیں۔ خُدا سے عطا ہوئے قلم کو موت نہیں آتی۔ وہ زندہ اور قائم رہتا ہے۔ اس لئے کہ اس قلم نے خُدا کی عظمت اور اس کے رسول ﷺ کی بڑائی بیان کی ہوئی ہوتی ہے۔ اس نے اپنے قلم سے اپنی "میں" میں ہوا نہیں بھری ہوتی۔ اپنی "میں" کے غبارے میں سُوئیاں ماری ہوتی ہیں۔ دیکھنے میں وہ چُپ مُرجھا ہوا' بے ہوا کا غبارہ ہوتا ہے مگر ہوتا وہی قائم اور زمین سے بندھا ہوا ہے۔ اسے اندر یا باہر کی کوئی بھی آندھی بے وزن بنا کر اُڑا نہیں سکتی۔ آپ مجھے اُن کے بارہ سال پہلے چلے جانے کی خبر نہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

..... نوٹ بک

سُنائیں۔ اس کا پتہ بتائیں جس کے ہاتھ میں وہ اپنا قلم دے کر گئے ہیں۔

عکسی مُفتی کچھ دیر کھڑا بابا محمد یحییٰ خان کو ایسے دیکھتا رہا جیسے اس کے سامنے بندہ نہیں کوئی جن کھڑا ہو۔ عکسی مُفتی سمجھ گیا جو اس کے رُوبرُو کھڑا ہے' اُسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ اُس نے جیب سے اپنا موبائل فون نکالا اور مجھے ڈائل کر کے کہنے لگا۔

ابدال! تیرے بابے کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا ایک بابا آیا ہے..... اسے آتے آتے کچھ دیر ہو گئی ہے۔ بارہ سال بعد آ کے اُس نے ادھر دستک دی ہے۔ اب تُو دروازہ کھول..... "پیا رنگ کالا" تجھے بھیج رہا ہوں' تُو اسے اپنے بابے کو پڑھا اور اُن سے کچھ سطریں لکھوا کے مجھے فیکس کر دے۔

میرا فیوز اُڑ گیا..... یہ کون میرے بابے کو نیند سے جھنجھوڑنے آ گیا ہے۔ بارہ سال بعد اُن کی وفات کے انہیں اپنی کتاب پڑھانے' اُن کے تاثرات لکھوانے کی ضد پال لی ہے۔

کتاب مجھے مل گئی۔ میں اپنے بابے کو اوڑھ کے اسے پڑھنے بیٹھ گیا۔ چند صفحے پڑھے ہوں گے کہ میں زمین اور آسمان کے درمیان کہیں معلّق ہو گیا۔ اپنے بابے ممتاز مُفتی سے کہنے لگا۔ شکر کریں آپ رُخصت ہو چکے ہیں..... ورنہ آج رُخصتی ہو گئی ہوتی۔" ادھر میرے ساتھ زمین پر بیٹھے ہوتے تو میری طرح ہوا میں ناچتے۔

وہ مسکرا کر بولے۔" کملے! یہ کتاب لکھے جانے کا مقصد سمجھ۔ یہ لکھی گئی ہی پڑھنے کے لئے ہیں اور پڑھ تو صرف بے وزن' لطیف رُوحوں کے ہوتے ہیں۔ چاہے وہ رُوحیں اپنے اپنے جسم کے اندر ہوں یا باہر۔ رُوح کہانی ہر زندہ رُوح کے پڑھنے کی چیز ہے۔" دیکھ! اس کی داستان طرازی' کہانی کے اندر رکھی کہانیاں۔ سفر پہ نکلے مسافر کی مسافتوں کے سارے سفر..... وہ سفر بھی جو ابھی طے نہ ہوئے ہوں۔ وہ مسافتیں بھی جن پہ ابھی نکلنا ہو۔ زندگی کی کھٹی میٹھی ست رنگی اُن کہیاں' اَنوکھے قصّے بیتیوں کی بیتا' کچھ آپ بیتیاں کچھ جگ کی' پُراسرار دُنیا'

www.Oneurdu.com

بوتل کا جن .....

تصوف کے بھید' طلسمات' مکاشفات اور کرامات کی نان سٹاپ چاند ماری۔ طلسم ہوش ربا کا درویش ایڈیشن.....!

یہ بابا محمد یحییٰ خان' بڑا کھچرا ہے۔

سمندر کے کنارے کھڑا ہو کے یہ مچھلیاں نہیں پکڑتا۔ یہ بیچ سمندر لنگر ڈال کے جال پھینکتا ہے۔ پکڑتا بھی وہ مچھلی ہے جس کے پیٹ میں لعل و گوہر ہوں۔ انہی آبدار موتیوں کے یہ ہار بناتا ہے۔ مگر اسے کہہ..... تو لکھے موتیوں کی مالائیں یہ دو دو ڈمڑی میں پھیری لگا کے نہ بیچے۔ ہیرے' نیلم' لعل اور زمرد میں جڑی ہوئی انگوٹھیاں بندہ بندہ پرکھ کے دی جاتی ہیں۔ ان نگینوں کے چمکتے رنگ روپ تو سب کو ہی بھاتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ ان کے اثرات سب پہ ایک جیسے ہوں۔ پھر یہ دیکھ یہ محمد یحییٰ خان کسی کو نہیں بخشتا۔ دیکھ کدھر سے مجھے کھینچ کے اپنی کتاب پڑھانے پہنچ گیا ہے۔ یہ بندہ نہیں جن ہے۔

میں نے قلم ان کے ہاتھ میں دیا اور ہاتھ جوڑ کے کہا۔ سرکار! اس جن لکھاری پہ کچھ لکھنا بندے کے بس کی بات نہیں' آپ ہی کرپا کریں۔''

بولے' لکھ..... اصل فساد کی جڑ وہ ہے جس نے اس جن کو بوتل سے نکالا ہے۔ یہ شرارت اس کے پڑوسی چاچا کنگڑ کی دوسری بیوی روشن روح والی چاچی کی ہے' اوپر سے سیالکوٹ کے پیر مراد یاسمیت پرانے قلعے کے سب زور آور باباؤں نے اپنی بے پناہ توجہ اور محبت کے تمبو ڈال کے اس کے اندر قلعہ بندی کی ہوئی ہے۔

اصل میں اس جن کو نکلنا ہی تھا۔ اس لئے کہ ایسے جنات کے نکلنے کا اب سمے آ گیا ہے۔ انوکھی بیتیاں بیتوا کے انہیں بیتوانے کا وقت آ گیا ہے۔ بہت سی انہونیاں ہونیاں ہونے والی ہیں۔ ہزار ہا ایسے بھید جسے لوگ مغربی سائنس کی عینک پر چڑھا کے اپنے ادھورے علم کے ہنٹر مار مار کر دبائے رکھتے ہیں' اب وہ راز آشکاں ہونے والے ہیں۔ بڑے بڑے بھید' رازوں

OneUrdu.com

..... نکلنا

کے راز کھلنے والے ہیں۔

غور سے دیکھ' آسمان کی مقدس روشنی اور کائنات کے نور کا بادلوں کے ریلے میں گھرا "دروازہ کھلتا ہے"

انسانیت کے خستہ حال بخیرے پہ اب کاگ کی کائیں کائیں سننے کا وقت ہو گیا ہے۔ جانتے ہو دیوار پہ بیٹھ کے کوا بولنے لگے تو کون آتا ہے؟ ہاں' مہمان! کسی مہان مہمان کے آنے کا اعلان ہونے والا ہے۔

تو چھوڑ تبصرے۔ آنے والے مہمان کے سواگت کی تیاری کر۔ یہ بابا محمد یحییٰ خان جس مقصد کے لئے بوتل سے نکالا گیا ہے' اسے سمجھنے کی کوشش کر۔ یہ جو لکھ رہا ہے' اسے پڑھتا جا۔ بس اس سے ایک بنتی کر..... یہ اپنی تحریر کے موج در موج سمندر میں کبھی کبھار کوئی ٹاپو' کوئی ساحل بھی لے آیا کرے۔ ریگزاروں کے لامتناہی سفر میں کوئی پڑاؤ تو رکھے۔ کہیں تو انگلی چھوڑے..... کہیں تو قاری کو رک کے سانس لینے دے۔ کہیں اسے' کائنات سفر کی اپنی آپ بیتی کو جلد بازی میں یوں بے کنار نہ کرے۔ اپنی تحریر میں ذیلی عنوان دے۔ زیادہ نہ سہی' تھوڑے بہت ابواب میں تو کتاب کو تقسیم کرے۔ اسے بول' تقسیم کرنے کی دیگ پر بیٹھ کر اسے خود کو بھی بانٹنا ہے۔

بول! جن جی۔ تمہاری کتابوں کو جنوں کے علاوہ انسانوں نے بھی پڑھنا ہے۔ انسان کی آسانی کا خیال رکھنا ہر ذی روح پر لازم ہے۔ انسان کی سب سے بڑی آسانی' آسائش اور آرائش اس کی لنگوٹی ہوتی ہے۔ اسے کہہ..... سرِعام لنگوٹیاں نہ اُتارے۔ نہ اپنی' نہ دوسروں کی۔ اسے سمجھا کہ علی بابا چالیس چوروں میں بھی زور ہوتا ہے۔ بند گٹھڑیاں بیچ چوراہے میں بیٹھ کر نہیں کھولتے۔ "کھل جا سم سم" سے بڑا اسم "بند ہو جا سم سم" ہے۔ یہ اسم جو بھول جائے وہ پکڑا جاتا ہے _____

© OneUrdu.com

عطاء الحق قاسمی

تردن دیاسے ——

ایک یحییٰ خان تھا جس نے ملک وقوم کی لٹیا ڈبو دی تھی اور ایک بابا محمد یحییٰ خان وہ ہے جو ملک وقوم کا نام روشن کرنے میں لگا ہوا ہے۔ علم ودانش سے وابستہ لوگ اپنے انداز میں ملک وقوم کا نام روشن کرتے ہیں۔

بہت پہلے میں نے کالی چادر میں ملبوس بابا محمد یحییٰ خان کو جب اشفاق احمد کے قدموں میں بیٹھے دیکھا اور بعد میں اشفاق صاحب سے سنا کہ اس روز تم نے فقیری لباس میں جس شخص کو دیکھا تھا' وہ بہت اعلیٰ درجے کا رائٹر ہے میں نے اُن کی اس تحسین کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔ میں سمجھا شاید حسبِ عادت حوصلہ افزائی کے جملے ادا کر رہے ہیں لیکن بعد میں جب مجھے بابا محمد یحییٰ خان کو پڑھنے کا اتفاق ہوا' میرا اشارہ ان کی کتابوں کی طرف ہے تو مجھے جس چیز نے بے پناہ متاثر کیا وہ ان کی کردار نگاری تھی جو ان کی کتابوں میں متعدد جگہ نظر آتی ہے۔ یہ بلا کی کردار نگاری ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ منظر' ماحول اور کلچر کے مظاہر کا بیان بھی بابا محمد یحییٰ خان پر ختم ہے۔

میں نے چھپے ہوئے کچھ رستم دیکھے ضرور ہیں لیکن یہ رستم زمانے کی نگاہوں سے کچھ زیادہ ہی چھپا ہوا ہے' شاید اس لئے کہ وہ ظاہر ہونا ہی نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں میرے یہ لفظ بابا محمد یحییٰ خان کے لیے بہت کم ہیں مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اسے میرے لفظوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ خوبصورتی کو سراہنا سراہنے والے کی ضرورت ہے' خوبصورتی کی نہیں۔

www.UrduPhoto.com

ڈاکٹر یونس جاوید

وہبی لکھاری

بابا محمد یحییٰ خان ایک تخلیقی قوت کا نام ہے۔ ایسی تخلیقی قوت لکھاری میں علوم انسانی کی گہرائی اور مشاہدے کی سچائی کا باعث ہوتی ہے۔ اگر ریاضت کا نکھار جھلک دکھا دے تو فنی معراج تخلیق کار کا مقدر ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا وصف ہے جو قدرت اپنے منظور نظر اور منتخب لوگوں کے لئے وقف رکھتی ہے۔

محمد یحییٰ خان جنہیں میں بابا کہتا ہوں زندگی کو جس طریق سے برتا' دیکھا اور سمجھا ہے یہ اس کی حیران آنکھ کا کرشمہ تو ہے۔ اس کی فکشن اپنی' اس کی فکشن منفرد' اس کی ہنرمندی اور جزیات کی بنت کا انوکھا پن سبھی سچ جانیں تو فن کا پھل بالآخر مہکتا ہے۔

بابا محمد یحییٰ خان یوں بھی پیدائشی لکھاری ہے۔ اس پر قدرت کے اسرار نزول کرتے ہیں۔ جنہیں ترتیب دیتے ہوئے وہ زیادہ توانا اور جزئی ادیب کے روپ میں ڈھل جاتا ہے۔ اسے اپنے بڑے پن کا کم کم یقین اس لئے ہے کہ عجز ہر بڑے شخص کا وتیرہ ہے۔

میں اس وہبی لکھاری کی تحریریں پڑھ کر اکثر تحیر میں ڈوب جاتا ہوں اور یہی تحیر خود مجھے زندگی کو سمجھنے کے لئے نئی راہیں سجھاتا ہے۔

www.UrduPoint.com

اُوریا مقبول جان

اِک نُور بیش بے نظیر کی جدائی ـــــ

سحر کا کمال یہ ہے کہ اس کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب وہ سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے۔ بابا محمد یحییٰ خان کو میں نے ایک بار اشفاق احمد کے ہاں دیکھا۔ سارے عالم سے بے نیاز، اپنے ہی کسی عالم میں گم تھے۔ پھر مُدتوں میں اسی عالمِ حیرت میں رہا کہ جادو ان کی تحریر میں زیادہ ہے یا شخصیت اور سراپے میں ہے۔

میرے جیسے رَہ نَورد لاکھ ٹھوکریں کھانے کے بعد قلم کی جس اُٹھان پہ پہنچے اور تحریر کے جس اُسلوب کو اپنا کمال سمجھنے لگے ہیں۔ ان کی تحریریں پڑھنے کے بعد تو یُوں لگتا ہے کہ ابھی تو تحریر کے بڑے خوابناک محل کے باہر ہی ٹوک ٹویاں مارتے رہے ہیں۔ تحریر کے آسمان کو چُھوتے دروازے میں تو ابھی داخل ہی نہیں ہوئے جہاں بابا محمد یحییٰ خان رہتے، سوتے، جاگتے ہیں..... ہنستے اور بولتے ہیں۔

www.urdutube.com

ڈاکٹر اجمل نیازی

بابا محمد یحییٰ خان نے کالے رنگ میں سارے رنگوں کے جمال وجلال کی موجودگی اور آسودگی کو محسوس کیا..... وہ اندر کے آدمی ہیں۔ اُن کے وجود میں رعنائیاں' سچائیاں اور گہرائیاں وجد کرتی ہیں..... روحانیت ان کی ذات میں ٹھکانا بناتی ہے۔ انہوں نے اپنی تحریر میں روحانیت اور رومانیت کو یکجائی دے کر یکتائی حاصل کی ہے۔

انہیں کالے رنگ کے پرندے پسند ہیں جو ان دیکھی فضاؤں میں اُڑتے رہتے ہیں۔ وہ پرندے زیادہ خوبصورت اور شفاف ہوتے ہیں۔ کوّا اور کبوتر (ک) سے شروع ہوتے ہیں' کالا بھی (ک) سے۔ کبوتر صوفی پرندہ ہے' مزاروں پہ اپنا آشیانہ بناتا ہے۔ کبوتر کالے رنگ کا ہو تو سرمستی اُس کی آنکھوں میں زیادہ ہوتی ہے۔

بابا محمد یحییٰ خان نے اپنی کتابوں میں روشنیوں کو بھی کالے رنگ میں دیکھا ہے۔ اس لیے روشن لفظ لکھتے ہیں۔ انہیں پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ تحریر اور تقدیر ہم قافیہ ہی نہیں ہم معنی بھی ہیں۔

www.UrduPoint.com

فرحت عباس شاہ

طلسماتی بوڑھا.....

بابا جی محمد یحییٰ خان شاید الف لیلوی دور کی شخصیت ہیں اور یقیناً ان وقتوں میں یہ کوئی مہربان' نیک دل اور عبادت گزار جن ہوں گے کہ جو آج بھی ان کی زندگی طلسماتی واقعات اور پُر اسرار حالات سے بھری ہوئی ہے اور ان کا دل درباروں' مزاروں کی طرف کھنچتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''پیا رنگ کالا'' ان کی ذات کی پُر اسرار کائنات کا طلسم کدہ ہے۔ جس میں وہ ایک قدم دُنیا کے کسی موجود خطے میں اُٹھاتے ہیں تو دس قدم اپنے باطن کے اندر ہزار داستانی جزیرے میں سفر کرتے ہیں۔

یہ کتاب ان کی ظاہری اور باطنی زندگی کی ساحرانہ کیفیات کے امتزاج کا حُسن ہے۔ وہ پُرانے زمانے کے نئے انسان ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نئے زمانے کے ایک پُرانے آدمی ہوں۔ میرے خیال کے مطابق ان کے اندر ہر وقت ایک معصوم' لیکن شرارتی بچے اور صدیوں پُرانے بُڈھے کھوسٹ کے درمیان تصادم برپا رہتا ہے۔ وہ معصوم بچے کے انداز میں سوچتے..... اور ایک بوڑھے کے انداز میں تحریر کرتے ہیں۔ اب میں کیا کروں کہ مجھے کبھی کبھی ان کے اندر ایک نازک مزاج اور تنک الہڑ سی ناری بھی دکھائی دیتی ہے۔ میں کئی بار جھلا کے سوچتا ہوں کہ یہ پُر اسرار بوڑھا ہر بار اپنے بارے میں قائم کیے گئے میرے پچھلے نظریئے کو بُری طرح خاک میں کیوں ملا دیتا ہے اور مجھے اس کے بارے میں ہر دفعہ ایک نئی رائے قائم کرنا کیوں پڑتی ہے۔ لیکن میں بھی ایسا ہار ماننے والا نہیں ہوں کیوں کہ میں نے ان گرگٹ بابا جی کا ایک رنگ تو بہر حال پکڑ لیا ہے اور وہ ''پیا رنگ۔''

www.OneUrdu.com

خالد بن حامد

میرے اور آپ کے بابا جی ـــــ

''بھئی' آپ نے بہت تنگ کیا ہوا ہے..... آپ بہت خراب ہیں۔''

مُدت ہوگئی کہ ''السلام علیکم'' کے بعد میرے' آپ کے بابا جی محمد یحییٰ خان کا یہی جُملہ میرے نام ہوتا ہے۔ شروع شروع میں تو مجھے بہت اُلجھن ہوئی اور اپنی اس ''پہچان'' اور اُن کی جانب سے ''خراب'' ہونے کی سند پانے پر مَیں نے احتجاج بھی کیا لیکن پھر رفتہ رفتہ جیسے یقین آتا گیا کہ واقعی مَیں نے اُنہیں بہت تنگ کیا ہے اور مَیں بہت خراب ہوں۔ بہر حال ایک بات میرے بابا جی کو تسلیم کرنا پڑے گی آپ سب بھی تائید کیجیے گا کہ اگر مَیں نے اُنہیں ''بہت تنگ'' نہ کیا ہوتا اور مَیں واقعی ''خراب'' نہ ہوتا تو یہ ''پیار رنگ کالا'' وہ اپنے مَن میں چُھپائے بیٹھے رہتے اور سامنے نہ آتے۔

نہ جانے وہ کون سا لمحہ تھا جب مجھے احساس ہوا کہ بابا جی محمد یحییٰ خان وہ نہیں ہیں جو دکھائی دیتے ہیں اور کہیں اُن کے اندر ایک ایسا انسان چُھپا بیٹھا ہے جس نے اپنے آپ کو سدا آزمائشوں میں رکھا ہے' تجسس اور کھوج جس کی عادت ہے اور جو راستہ اپنی آنکھوں کی نہیں دِل کی بینائی سے ڈھونڈتا ہے۔ بظاہر دُنیا کے تمام وسائل اُن کی دسترس میں دکھائی دیتے ہیں' کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود ایک بے چینی اور بے قراری اُن کے وُجود میں ہر لمحہ دکھائی دیتی ہے۔

آج ہر پڑھا لکھا بلکہ جاہل آدمی بھی یہ بات یقین سے کہتا ہے کہ آج کی دُنیا بہت تیز رفتار ہے' فاصلے اپنی اہمیت کھو بیٹھے ہیں اور دُوریاں اب کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ دُنیا کے دوسرے کونے کی خبر لا سکتے ہیں' خیر خیریت دریافت کر سکتے ہیں لیکن سوچیے تو اس ادراک نے ہمیں ہماری اصل سے بھٹکا دیا ہے' ہم نے اب سوچنا کم کر دیا ہے اور ضروریات کا استعمال بڑھا دیا ہے۔ آج کے دَور کا یہی المیہ ہمیں انسان سے ایک ایسے رَوبوٹ میں تبدیل کرتا جا رہا ہے جس کا اپنا ایک ہی فنکشن ہوتا ہے حالانکہ انسان بہر حال رَوبوٹ نہیں۔ جتنی وُسعت اس کائنات کی ہے' اس سے زیادہ وُسعتیں رَبِّ کریم نے اس انسان میں رکھ دی ہیں۔ آسان راستوں کی طلب نے ہم سے لگن چھین لی ہے جو بندے کو رَبّ سے ملانے کے کام آتی ہے۔

آپ سے اتنا ہی کہنا ہے کہ اس کتاب میں بکھرے حرف حرف کو صرف پڑھیے گا نہیں بلکہ اپنے دِل پر نقش کرتے جائیے گا تو سب کچھ آپ پر عیاں ہوتا جائے گا۔

www.OneUrdu.com

طارق اسمٰعیل ساگر

دنیا ساگر سے چند بوندیں.....

اس عالم آب و خاک میں یوں تو ہمیشہ سے انسانی میلہ سجا رہا ہے لیکن معدودے چند لوگ ہیں جو غیر مشروط محبتیں تقسیم کرنے آتے ہیں جنہیں قدرت نے صرف ''دان پُن'' کے لئے دُنیا میں بھیجا۔

بابا جی محمد یحییٰ خان اس کی مثال ہیں۔ بابا جی ایک انجمن کا نام ہے۔ ایک طلسم ہوشربا ہے' الف لیلیٰ کی ہزار داستان ہیں۔ کلام کرتے ہیں تو جلتے اور دُکھتے کلیجوں پر برف پڑنے لگتی ہے۔ دلوں کو مسخر کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں بابا جی فاتح عالم ہیں کہ خون روتی آنکھوں اور زخمی دلوں پر محبت کا مرہم رکھتے ہیں۔ ایسا سحر پھونکتے ہیں کہ جو اُن کا ہُوا کسی اور کا نہ ہو سکا۔ جہاں بابا جی ہیں وہاں زندگی کی رعنائیاں اپنے مکمل حُسن کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

لوگو! جان لو کہ میرے بابا جی معاشرے کا تبرک ہیں' برکت ہیں' دُعا ہیں اور سب سے بڑھ کر کہ یہ ہمارے ہیں' ہمارے اپنے بابا جی.....!

www.OneUrdu.com

شکلِ مومناں کرشمہ دارد.....!

ڈاکٹر کنول فیروز'

بابا محمد یحییٰ خان سے میری پہلی ملاقات پچھلی صدی میں یارِ دیرینہ' بقول بانو قدسیہ بھگوان سنریت پرانی انارکلی کے ''کرشن کنہیا'' اظہر جاوید مدیر ''تخلیق'' کے دفتر میں ہوئی۔ ساغر صدیقی ایسے سیاہ لباس میں ملبوس باریش شخص' گویا بشکلِ مومناں میرے سامنے تھا۔ نہ جانے انہیں میری اور اظہر جاوید کی کون سی ''ادا'' پسند آ گئی کہ انہوں نے ہم دونوں کو اپنا اُستاد کہنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو عوامی سطح پر مشہور بھی کر دیا۔ مجھے تو اس میں اُن کی اپنی کوئی ''اُستادی'' نظر آتی ہے۔

بابا محمد یحییٰ خان خواتین سے ملاقات کرتے وقت شرعاً نظر جُھکا کر بات کرتے ہیں اور اگر کوئی اور دیکھ نہ رہا ہو تو گاہے بگاہے نظر اُٹھا کر دیکھ بھی لیتے ہیں۔ وہ خواتین سے مُلاقات کے دوران انہیں دوپٹہ سے سر ڈھانپنے کی ''بزرگانہ'' انداز سے تلقین کرتے ہیں اور اکثر خواتین اُن کی اس بات یا مطالبہ کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔

بابا محمد یحییٰ خان ناول نگار بھی ہیں' انہیں شعر کہنے کا بھی چسکا ہے جس کا انکشاف وہ باوجود کرنے سے مجتنب ہیں' علم و ادب اور فنونِ لطیفہ سے اُن کی آشفتہ سری کی حد تک دلچسپی نے انہیں اک جہاں گرد بنا دیا ہے۔ کثرتِ مطالعہ اور پیہم سیاحت نے اُن کے فکر و خیال کو جہاں وسعت و کشادگی عطا کی ہے وہاں انہیں روشن خیالی اور انسان دوستی کے جذبات سے بھی سرشار کیا ہے۔ لہٰذا بظاہر ''مولوی'' نظر آنے والا بابا محمد یحییٰ خان اپنے خیالوں اور سوچوں اور حُلیے سے صُوفی منش دُرویش نظر آتا ہے جسے بلا امتیاز مذہب و مسلک ہر ایک سے پیار ہے اور یہی جھلک اُس کے افکار اور نثر پاروں میں نظر آتی ہے۔ مجھے اپنے قلم قبیلے کے اس معتبر ساتھی سے دلی محبت ہے میں اُس کی تازہ تصنیفات ''پیا رنگ کالا'' اور ''کاجل کوٹھا'' کی اشاعت پہ اُسے مبارکباد دیتا ہوں اور اُس کے زورِ قلم کی زعنائی اور صحت و تندرستی کے ساتھ درازیٔ عمر کے لئے دُعا گو ہوں۔

www.iqbalurdu.com

سید مجاہد حسین کاظمی

چشمۂ آبِ حیواں اندر دلِ تاریکیست .....

"پیا رنگ کالا" بظاہر ایک ادبی کتاب ہے۔ جس میں کسی دینی کتب یا قرآن وحدیث کے حوالہ جات نہیں نہ ہی کوئی فقہی بحث ہے۔ ادبی تحریریں ہر دور میں دستیاب ہوتی ہیں ادب اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا رہتا ہے۔ لکھنے والے اپنی تحریر وتصانیف میں لطف اندوزی کے ساتھ ساتھ نصائح وتدریب کو بھی مقصود رکھتے ہیں۔

ادب کے ارتقاء نے ادب میں نئی نئی ادبی اصناف کو جنم دیا ہے۔ نسل نو کی دلچسپی کے پیش نظر باباجی نے "پیا رنگ کالا" میں پیا رنگ تو دکھایا ہی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ادب کی ہر صنف کا رنگ بھی بھرا ہے۔ الفاظ وتحریر کو جملوں کا لباس پہنا کر "باباجی" نے "پیا رنگ کالا" میں تابندہ گوہر سجائے ہیں۔

حیف در چشمِ زدن محفلِ یار آخر شد روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

"پیا رنگ کالا" دنیائے ادب میں ایسا شاہکار ہے جس پر صاحبانِ علم ودانش کی نگاہیں مرکوز رہیں گی اور جدید اُردو ادب میں ایک نادر کتاب کی حیثیت سے تاریخی حقیقت کا ثبوت رہے گی۔ اس میں کمال یہ ہے نہ تو متن ومعنی متاثر ہوئے اور نہ ہی مادۂ اشتقاق میں فرق آیا۔ یقیناً یہ ایک جدید اور انوکھا انداز ہے جس سے قاری متاثر ہی نہیں بے حد محظوظ بھی ہوتا ہے۔ اس کتاب میں مختلف تہذیبوں، ثقافتوں، مناظر، علوم اور طبقاتِ عالم کا تذکرہ ہوا ہے۔ جہاں واقعات کو روحانی تناظر میں پیش کیا گیا ہے اور محیر العقول داستان سنا دی گئی ہے۔ وہاں ہی منطقی اور سائنسی تطبیق بھی کی گئی ہے اور مؤثر سائنسی حقائق کو پیش کیا گیا ہے۔ اصحابِ علم ودانش اپنی اپنی منزل کی تلاش میں رہتے ہیں۔ عقلاء، علماء، فقراء، عرفاء کے لئے باباجی نے زادِ راہ چھوڑا ہے۔ بالواسطہ علم کے ہر شعبہ میں باب کھولے ہیں۔ "پیا رنگ کالا" میں پیا کی جستجو، پہچان، اکتسابِ فیض کے لئے اخلاص اور تسلیم ورضا کی روشنی فراہم کی گئی ہے۔ پیا رنگ سے مراد وہ خاص رنگ ہے جس کی نشاندہی صدیوں سے فقراء وعرفاء کرتے آئے ہیں۔ وہ رنگ جس کو قرآنی اصطلاح میں صبغۃ اللہ کہتے ہیں وہ رنگ فقر کا معرفت کا تقویٰ تسلیم ورضا کا ہے۔

علامہ شیخ سعدیؒ نے آبِ حیات کے لئے تاریکی یعنی سیاہ رنگ کی نشاندہی کی ہے کہ آبِ حیات سیاہ رنگ میں مستور ہوتا ہے۔ اُس کی تلاش کے لئے اس راز کو سمجھنا ہوگا کہ خزانہ سیاہی اور تاریکی میں چھپا ہوتا ہے۔ اُس کی تلاش کے لئے ایسے پیا کی ضرورت ہوتی ہے جو کالے رنگ کے راز سے واقف ہو۔ اس کے پاس وہ نورِ معرفت اور وہ روشنی ہو جو تاریکی میں آبِ حیات تلاش کر سکے۔

www.iqbalkalmati.com

LIVING SUFI ooooooo

تکسی مفتی

اسلام کا کمال یہ ہے کہ یہ وقت کے ساتھ سفر کرنے والا مذہب ہے۔ نماز اس کا ایک اہم رُکن ہے جو کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور ہیپر سونک جیٹ میں سفر کرتے ہوئے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک پروگریسو اور لبرل مذہب ہے۔

بابا محمد یحییٰ خان ایک (Living Sufi) ہیں جو صُوفی ازم اور اسلام کی جدید تصویر پیش کرتے ہیں۔ جن کے بہت سے عقیدتمند دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی کتابیں صُوفی ازم اور اسلام کا جدید تصوّر پیش کرتی ہیں۔

ممتاز مفتی کے سلوک و روش سے.....

OneUrdu.com

سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور

کتاب سے تعلق کو نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے۔ اس دوران سینکڑوں نہیں، ہزاروں کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ کیں، جو کتابیں زیرِ مطالعہ رہیں۔ اُن میں معدودے چند ایسی ہیں، جن کی ''پکڑ'' بڑی مضبوط تھی۔ ایسی کتابوں میں محمد یحییٰ خان صاحب کی کتابیں ''پیا رنگ کالا'' اور ''کاجل کوٹھا'' بھی ہیں۔ جُوں جُوں پڑھتا گیا، ان کتابوں کی موضوعاتی گرفت بڑھتی چلی گئی اور جب ان کو ختم کیا، تو خود کو ایک اَنوکھے عالمِ تحیّر میں پایا۔

نیاز احمد

عاشق چور فقیہ خدا ملے گیا میرا
اک لگاوے اک لے اک کہدے سب نج میرا

UrduPhoto.com

● میں نہیں تُو ہی تُو.....!

ڈگ ڈگا ڈگ ۔ ڈگا ڈگا ڈگ ۔۔۔ ڈھول پیٹنے کے وقفے میں ایک گونج دار آواز ابھری۔

"اٹھو ہے کہ مسلمانو! سحری کا وقت ہو گیا ہے" پیچھے والی گلی میں پاؤں کی ایڑیوں میں بھی ٹین کنستر کھڑکانے والا منہ پھاڑ پھاڑ کر ہری عید میں پڑے ہوئے لوگوں کو بیدار کر رہا تھا۔ اگلے دس پندرہ منٹوں میں اس محلے، علاقے کے قریب قریب ہر گھر میں چراغ اور چولہے روشن ہو چکے تھے لوگ حسب توفیق و استطاعت سحری کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ شہر یہاں بالیاں خصوصاً سحری کے وقت کھانے کی تیاری میں بڑی تکلف اور مہارت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ گرم گرم پراٹھے، رات کا بچا ہوا سالن، دہی اور چائے اکثر یہی کچھ ہوتا ہے۔ روزہ رکھنے والے جلدی جلدی کھانے پینے سے فارغ ہو کر نماز و تلاوت کی تیاری میں لگ جاتے ہیں لیکن جن گھروں میں افراد کی کمی ہوتی ہے یا جہاں صرف میاں بیوی ہی رہتے ہیں وہاں افطاری اور سحری بڑی پھیکی، بے رونق اور ادھوری ادھوری سی رہتی ہے۔ گھروں میں رونق اور ہما ہمی تو ہنستے مسکراتے، کھاتے پیتے، زندگی کی توانائیوں اور برکتوں سے معمور، بھرپور نعمتوں اور شاداب پھولوں سے تر و تازہ، کھل کھلاتے ہوئے بچوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کی باتیں، حرکتیں اور شرارتیں بڑی دلپذیر ہوتی ہیں اور جہاں سرے سے کوئی چھوٹا بڑا بچہ ہی نہ ہو وہاں کیا سحری اور کیا افطاری اور کیسی عید کی تیاری!!۔۔۔ وہاں کے تو در و دیوار پر نحوستوں کے سائے سے لہراتے دکھائی دیتے ہیں اندر باہر ایک بانجھ سی اداسی سی چھائی رہتی ہے۔ احساس محرومی کے داغ دھبے دکھتی آنکھوں کے نیچے جم کر رہ جاتے ہیں۔

بند پتی گلی کے سامنے ماتھے والے مکان کی یہی حالت تھی یہاں کوئی بھی پھول سا بچہ نہ تھا۔ اس گھر میں اپنی عمر کی نماز عشا کی تیاریوں میں مصروف ایک صابر و شاکر سا شخص اور زندگی کی شکر دوپہر میں سوا نیزے پہ اترے ہوئے سورج تلے کھڑی ایک سوہا گیہ سی عورت رہتے تھے اولاد کی نعمت سے محروم لیکن یہ میاں بیوی ابھی تک خدا کی ذات سے ناامید نہیں ہوئے تھے۔ انہیں یقین کامل تھا کہ وہ قادر مطلق ضرور ایک دن ان کی آرزوؤں کے گلشن میں اولاد نرینہ کا پھول کھلائے گا۔۔۔ ڈھول پیٹنے والا اب ان کی بند گلی میں کھڑا زور زور سے ڈھول پیٹ رہا تھا۔ خاتون خانہ تو بہت پہلے ہی سے جاگی ہوئی تھی۔ باورچی خانے کی کھڑکی اور روشن دان سے لالٹین کی ملگجی سی روشنی اور توے پہ دیکی تھی سے تڑتڑاتے ہوئے پراٹھے سے اٹھتا ہوا دھواں اور خوشبو باہر نکل رہی تھی اور قریب ہی اس کا بوڑھا شوہر ابھی تک چارپائی پہ ہی نیم دوم سا پڑا ہوا تھا۔ ویسے بھی سحری میں اکثر مردوں سے پہلے عورتیں ہی جاگتی ہیں۔ خاتون خانہ نے سوندھی سوندھی خوشبو اور سنہری رنگت والا پراٹھا توے سے اتارا اور ساتھ ہی ایک چھوٹی سی پراٹھی توے پہ پھیلا دی۔ پراٹھی اس کے اپنے لئے اور پراٹھا خاوند کے لئے تھا۔ ایسے میں باہر گلی کی سیاہ کوئلے جیسی اندھیرے والے فرش پہ ٹک ٹک کی آواز میں ایک ڈھول بجتا ہوا سنائی دیا۔ کئی ان سنی کرتے ہوئے وہ پراٹھی پہ گھی لگانے لگی تو گھی میں دست پناہ سے انگشت کرتے ہوئے دو چار کوئلے بھی چھونک دیئے کیونکہ توا اترتے ہی چائے کی دیگچی دھرنی تھی۔ بڑے لگے بندھے انداز میں وہ ساتھ ساتھ باورچی خانے کے دیگر کام بھی کر رہی تھی ابھی وہ کاسنی کے برتن سے دودھ نکال ہی رہی تھی کہ باہر دروازے سے ایک صدا آئی۔

"ہے کوئی مراد والا جو پیر مراد بیٹے کے فقیر کی مراد پوری کرے سحری کروائے۔۔۔"

خاتون نے یہ الفاظ سنے تو اپنے اردگرد نظر دوڑائی کہ اس وقت فقیر کو کیا دیا جا سکتا ہے؟ چنگیر میں پڑے ہوئے پراٹھے پہ نظر آ گئی اوپی پراٹھا اٹھایا سر کا پلو درست کرتے ہوئے دروازہ کھولا۔۔۔ کالے شاٹھ گھوڑے پہ ایک نیم ننگا فقیر کندھوں پہ جھولتی ہوئی الجھی جٹیں کھوڑے کی دونوں اطراف لٹکے ہوئے پوئے۔ وہ سواری پہ ایک ہی جانب دونوں ٹانگیں لٹکائے اس طرح بیٹھا تھا جیسے ابھی ابھی مڑ کر کہیں بھاگ لے گا۔ گلی کی مدھم سی روشنی میں یہ سب کچھ کسی خواب کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ کوئی اور عام سی گھریلو خاتون ہوتی تو چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی "یا اللہ والی بڑے گل اور عاجزی سے بولی۔

"لو بابا! یہ گرم گرم پراٹھا۔۔۔ بسم اللہ سحری کھا لو۔۔۔" وہ فقیر کو پراٹھا تھما کر مڑتے ہوئے بولی۔۔۔۔ "اگر ضرورت ہو تو ایک اور لا دوں۔۔۔۔؟"

UrduPhoto.com

"جی! ایک ہی بہت ہے ....!" فقیر نے کمال استغنا سے جواب دیا۔

بن سوچے سمجھے خاتون کے منہ سے نکل گیا۔

"ہاں بابا! ہمارے لئے ایک ہی پتر بہت ہے.... !"

فقیر نے ایک لمحہ خاتون کی جانب دیکھا پھر اسی پراٹھے سے دو لقمے توڑ کر خاتون کو دیتے ہوئے کہا۔

"ایک لقمہ اپنے میاں کو کھلا دو اور ایک خود کھا لو یہی رزق تم دونوں میاں بیوی کے لئے آج کی دعا ہے۔ آج انیسواں روزہ ہے اگلے برس اکیسویں روزے تک پیر مراد کے خانقاہ پہ ہر جمعرات تک پراٹھے لے جا کر بچوں میں تقسیم کر دیا کرنا!" خاتون ہاتھ میں پراٹھے کے لقمے لئے حیران و ششدر کھڑی تھی اور فقیر جا چکا تھا۔

ہم خوابیدہ خاوند کے نتھنوں میں جب توے پہ پڑی ہوئی پراٹھی کے جلنے کی بو اور کڑواہٹ گھسی تو وہ پوری طرح بیدار ہو گیا بلکہ اٹھ بیٹھا۔ ادھر اُدھر دیکھا بیوی تو کہیں نظر نہ آئی البتہ سامنے باورچی خانے میں توے پہ پڑی ہوئی پراٹھی جل کر کوئلہ ہوتے ہوئے ضرور دکھائی دی۔ خاوند نما [illegible] ہوئے بال پر ہاتھ پھیرتا ہوا بیوی کو پکارتا ہوا اور [illegible] ..... ان کے غصے کی حالت میں منہ کی بارگن سے نکلتے ہوئے فقروں کی تاب و سکت نہ لاتے ہوئے اکثر تھوڑدلی بیویاں [illegible] جاتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے میکے پہنچ کر ان کے منہ سے نکلے زیادہ ہی سنتی ہیں

[illegible] چارپائی سے اتر کر خاوند باورچی خانے میں گھسا تو [illegible] سے [illegible] تھا کہ وہ نیک بخت ہاتھ [illegible] سا پراٹھا دھرے اندر باورچی خانے میں آ گئی۔ خاوند کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر چارپائی پر اٹھایا [illegible] کی معذرت چاہتے ہوئے سارا ماجرا کہہ سنایا اور پھر وہی دو لقمے سامنے دھرتے ہوئے کہا۔

"اللہ کے بندے! آج یہی ایک آدھ لقمہ ہم دونوں کی سحری ہے۔ میرا اندر بول رہا ہے کہ یہ وقت اللہ کی طرف سے ہمارے لئے خوشخبری ہے....."

خاوند نے بسم اللہ پڑھ کر پراٹھے کا لقمہ منہ میں رکھا اور بیوی سے کہا۔

"نیک بخت! تو نے سچ کہا..... ابھی ابھی میں نے خواب دیکھا میں اور شیخ صاحب" دونوں اپنے [illegible] مولوی میر حسن کے قدموں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اچانک شیخ صاحب نے مولوی صاحب سے [illegible] کہا کہ حضور! ان کے ہاں اولاد نرینہ نہیں ہے یہ دعا کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب نے چند [illegible] غور سے میری جانب دیکھتے ہوئے فرمایا "آج تم مولوی ابراہیم کی مسجد میں تراویح پڑھو اور پھر کل سے

UrduPhoto.com

پیر فرید شہید کے پاس مسجد میں اعتکاف بیٹھ جاؤ..... دیکھو کیا ظہور پذیر ہوتا ہے ..... ؟"

اگلے برس اکیسویں رمضان تہجد کے وقت سجدے میں پڑے ہوئے اسی بوڑھے صابر و شاکر شخص کے پیچھے اس کی انتہائی ضعیف ماں گودڑی میں کچھ لپیٹے ہوئے بیٹھی اس کے سلام پھیرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ بوڑھے نے سلام پھیرا تو ضعیف ماں نے کپکپاتی نحیف سی آواز میں کہا۔

"پتر! ست ست مبارکاں سوہنے رب نے تیرے گھر نونا لایا اے ....."

بوڑھے شخص نے یہ مژدۂ جانفزا سننے کے بعد بھی مڑ کر دیکھنا یا کچھ کہنا گوارہ نہ کیا' وہیں سجدے میں گر گیا۔ کافی انتظار کے بعد جب اس کا سر سجدے سے نہ اٹھا اور "اوں آں' اوں آں" کی معصوم سی آواز ابھری تو ضعیف ماں نے دوبارہ آواز دی۔

"وے پتر! اپنے پیر دا ندھ تے تک لے' فیر نماز اں پڑھدا رہیں ....."

تشکر کے آنسوؤں سے دھلا ہوا چہرہ' بھیگی ہوئی سفید ریش' کپکپاتے ہوئے ہونٹ اور فرطِ جذبات سے لرزتے ہوئے سراپے کو لئے وہ شخص اٹھا اور اپنی ماں کے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ ماں نے بڑی آہستگی سے پرانی سی گودڑی بیٹے کی جھولی میں ڈھے دی۔ کانپتے ہاتھوں سے اس شخص نے گودڑی کو کھولا۔ نومولود اگر زہ رہا نہ ہوتا تو شاید وہ سمجھتا کہ گودڑی خالی ہے۔ بچہ کیا تھا' ایک چھوٹے سے خرگوش جیسا' ایک ہاتھ اور ایک پیر۔ وہ اسے دیکھ کر گھبرا سا گیا' اتنا چھوٹا اور خفیف و نحیف سا بچہ! اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا' وہ اسے چھوتے ہوئے ڈر سا رہا تھا ..... اچانک اس کی ضعیف ماں بولی۔

"پتر! جلدی سے اس کے کان میں اذان دے ..... دیکھتا نہیں' رو رہا اے ....."

بوڑھے نے نحیف سے پھول بچے کو یوں ہاتھ پہ رکھا جیسے وہ کسی کو دکھا رہا ہو کہ دیکھو یہ دیکھو خدا کی قدرت! مرد کی انگلی برابر بازو' ماچس کی تیلی جیسی انگلیاں' بڑے بیر جتنا سر' ننھی ننھی ٹانگیں ہلاتا' کانوں تک باچھیں کھولے بڑی طرح چیختا روتا ہوا نادر سا بچہ! کسی قلندر' درویش یا فقیر کی دعا یا بڑھاپے کے اس مقام پہ شاید یہی کچھ نصیب ہوتا ہے ..... اذان کے بعد بوڑھے باپ نے بچے کی پیشانی پہ ہلکا سا بوسہ دے کر ماں کو پوتا تھما دیا۔ ماں کی بجھتی ہوئی مندھی مندھی آنکھوں کے کونے بھیگے ہوئے تھے' وہ دل ہی دل خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس نے آج اس کے اس صابر و شاکر چوتھے بڑے بیٹے کے ہاں تین شادیوں کے بعد اس عمر میں اولاد نرینہ عطا کی۔ اس کی بوڑھی آنکھوں میں تشکر کے ساتھ کچھ تفکر بھی نمایاں تھا' شاید وہ یہ سوچ رہی تھی کہ الٰہی! میرا یہ بیٹا اب عمر کی اس منزل پہ ہے جہاں زندگی کا سفر بس دو چار قدم ہی ہوتا ہے۔ یہ ننھا سا کیڑا کب جسم و جان پکڑے گا' کب بڑا ہوگا؟ اس کا بوڑھا باپ اس کی جوانی' خوشیاں' شادی' کمائی

UrduPhoto.com

عورتیں جوان ہوں یا بوڑھی وہ اپنی اولاد کے بارے میں ہی کچھ سوچتی رہتی ہیں۔ وہ بوڑھی بھی بے بے بڑھے بیٹے اور اس کے آگے اس کے نومولود بیٹے کے بارے میں شاید یہی کچھ سوچ رہی تھی۔ اسے اس گم پا کر بیٹے نے پوچھا۔

"بے بے! کیا سوچ رہی ہو.....؟"

وہ اک نظر اپنے بیٹے اور پھر اپنے پوتے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"اللہ سوہنے کے رنگ دیکھ کر سوچ رہی ہوں کہ کب یہ تیرا بیٹا بڑا ہوگا' جوان ہوگا' تجھے اس کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں گی اور کب تو اس کی کمائی کھائے گا؟ ... اللہ نے تجھے اولاد کی خوشی بھی اس وقت دکھائی ہے جب کہ تو خود....."

بیٹے نے ماں کی بات کو اعتبار رکھنے کی خاطر اس کے پوپلے منہ پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ محلے کی مسجد سے درود پاک کا ورد بلند ہوا۔ اس مرد تسلیم و رضا نے درود شریف پڑھ کر بچے کے چہرے پر پھونکا اور پھر اک نظر اس کے نحیف و کمزور سراپے پہ ڈالتے ہوئے اوپر آسمان کی جانب' اس زبردست قوت و اختیار اور قدرت و حکمت والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بے بے جی! جس مالک و خالق نے مجھے یہ انعام بخشا ہے وہ اس کی پرورش' صحت' زندگی اور لمبی عمر و بڑھاپے کے بارے میں بھی بہتر جانتا ہے اور خوب اچھے فیصلے کرنے والا ہے۔ آپ جسے کمزور سا کیڑا کہہ رہی ہیں اور جس کی سلامتی اور زندگی کے بارے میں پریشان سی دکھائی دے رہی ہیں تو انشاء اللہ میں اس محمد یحییٰ خان کے کندھوں پہ سوار ہو کر اللہ کے گھر کے گرد چکر لگاؤں گا۔ دنیا گھوموں گا' زیارتیں کروں گا۔ اس کی ایک نہیں بلکہ کئی شادیاں کروں گا تاکہ یہ کثیر الاعیال ہو۔ اس کی اولاد میری کمر پہ سوار ہوگی اس کے سر پہ چاندی کا بال میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا۔"

پیدائش کے اگلے چار پانچ عشروں میں کئی ایسے سخت مقام بھی آئے کہ اس بچے نے گھر والوں کی نیندیں حرام کر دیں۔ پلوں ساعتوں میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لوٹ پوٹ کر دیتا۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ دو چار قطرے دودھ اگر حلق سے نیچے اتر بھی گیا تو پیٹ پتلا پڑ جاتا۔ ہاتھ پاؤں نیلے' آنکھیں کھنچ جاتیں اور اگر کہیں تھوڑا گرم ہوا کا جھونکا اس کے پالنے کے پاس سے گزر جاتا تو اسے چھینکیں اور انگڑائیاں آنے لگتیں۔ نزلہ بخار زکام گھیر لیتا۔ غرض کہ کوئی نہ کوئی اڑچن گھیرے ہی رہتی۔ ماں باپ کی جان ہر وقت پھٹے پرانے کپڑے کی مانند پریشانی اور فکرمندی کی انگنی پہ ٹنگی رہتی۔ جب ڈیڑھ دو ماہ کے بعد بھی اس کے پیدائشی ڈیڑھ پاؤ نرم بوٹی کے وزن میں ایک آدھ چھٹانک کا بھی اضافہ نہ ہوا تو بچے کی دادی اور ماں

نے اسے کسی سیانے سے ڈاکٹر کو دکھانے کا مشورہ دیا۔ بچے کے باپ نے کہا کہ میں تو صرف ایک ہی ڈاکٹر اور حکیم کو جانتا ہوں یوں بھی چھلا پورا ہونے اور اس کے قدرے سنبھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اب میں کل صبح ہی اسے لے کر لاہور روانہ ہوتا ہوں۔ بچے کی دادی بولی۔

"بچہ کمزور اور بیمار ہے۔ اتنی دور کا سفر ..... پتر! سیالکوٹ میں تمہیں کوئی حکیم ڈاکٹر دکھائی نہیں دیتا.....؟"

"سب ہے جی! میں اسے جس حکیم ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں وہ میرا یار بھی ہے اور آپ کے اس پوتے کا استاد بھی۔ یہ ان کی دعا برکت ہی سے ہمیں ملا ہے۔ آپ کو وہ میرا خواب تو یاد ہوگا جو میں نے آپ کو اس کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے سنایا تھا اور وہ پچھلے رمضان سحری والے فقیر کا واقعہ بھی۔ میرا خیال ہے آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ آپ کے پوتے کا نام بھی انہی ڈاکٹر صاحب کا تجویز کردہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا اوئے عمر خانا! اس آخری عمر میں پتر تو حضرت زکریا علیہ السلام کی سنت پہ عمل پیرا ہونے سے ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ تو صرف اس کا نام یحییٰ رکھنے کی نیت کر لے باقی دعا کے لئے ہم اپنے مولوی صاحب سے درخواست کریں گے۔ میرا خیال ہے آپ ساری بات سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ درویش بچہ اپنے بزرگوں کے قدموں کو پکڑ کر ہی چین پکڑے گا

عزیز محترم! یہ عاجز فقیر وہی بیمار لاغر ڈیڑھ پاؤ نرم روئی کا بچہ ہے۔ میرے والد جنت مکانی نے میری پیدائش کے وقت میرے بارے میں جو کچھ بھی فرمایا تھا وہ سب کچھ من و عن ظہور پذیر ہوا جیسے کہ یہ سب کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ صد شکر کہ میں بھی اللہ کی توفیق سے اپنے بزرگوں کی تعلیم اور خواہش کے مطابق عمل پیرا ہونے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہا مگر بہ تقاضۂ بشریت کہ میں بھی کسی طور لغزشوں، کوتاہیوں اور بشری کمزوریوں سے کبھی خالی نہیں رہا بلکہ اس عالم صد پیری میں بھی میرے اندر ہزاروں عیب ہیں اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کبھی بھی کوئی عار محسوس نہیں ہوتی کہ میرا سب سے بڑا عیب میری جہالت، بے علمی اور کوتاہ اندیشی ہے۔ میری بدقسمتی (یا خوش نصیبی) کہ میں اوائل عمری میں چھوٹی کلاس سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ سکول جانے، نصابی کتابیں پڑھنے سے کہیں زیادہ آوارہ گھومنے، مزاروں، مطلوں، درویشوں کی صحبت میں بیٹھنے اٹھنے کا چسکا رہتا تھا۔ ماں باپ کا اکلوتا لاڈلا بیٹا تھا۔ منتوں مرادوں، دعاؤں اور ماتھے رگڑ رگڑ کر حاصل کیا ہوا پیدائشی طور پہ ہی طبیعت میں جذب و وجد کی کچھ عجیب سی کیفیات بیدار تھیں۔ کچھ انسانی حسیات بھی سر اٹھاتی محسوس ہوتی تھیں۔ تخلیق و تخیل کی وادیاں بڑی شاداب و گل ریز تھیں۔ طبع کا میلان زہدیت اور روحانیت سے لگا کھاتا تھا۔ سیکھنے سکھانے کا جنون، حافظہ اور ذہن اتنا آب دار کہ

تھا۔ تب یہ ستارہ پت ورق ہائے اوہام کو کھنگال کر رکھ دے گا۔ نگاہ نگارش نہاں و نمود تک اتر جاتی تھی۔ اجنبی سائل چشم زدن میں نوک زبان ہو جاتیں۔ پردے بے پردہ ہو جاتے۔ گنگ اور لمن جو ہوتے وہ کھنکھناتے ہوتے تھے۔ سر پہ بادل پاؤں گرداب بازوؤں میں بجلیاں۔ آگے سامنے سمندر پیچھے ریگ زار۔ عجیب کیفیت تھی اور آج بھی یہی عالم وارفتگی و گرفتگی ہے۔ خدا جانے ناقہ جنوں کہاں جا ٹھہرے گا؟

یہ کوئی سا بچہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لئے اک کڑی آزمائش ہی تو بن گیا تھا کوئی دن بھی تو ایسا نہ گزرتا کہ جس دن یہ گھر بھر میں اک کہرام برپا کئے ہوئے نہ رکھتا۔ پتلا پیٹ ٹھیک ہوتا تو نرالہ بخار آن پہنچتا۔ خدا خدا کر کے ان سے جان چھوٹتی تو اٹھکھن اور مروڑ شروع ہو جاتے۔ آنکھوں کو ہوتی تو کبھی زبان پک کر کلچی ہو جاتی پھر جب دانت دھرتے تو گھر والوں کے علاوہ اردگرد پڑوس والوں کو بھی عذاب پہ دھر لیا۔ چوبیس گھنٹوں کی ریں ریں۔ بانکا اڑا اڑا کر باتیں کانوں تک چیر لیں۔ بہلاتے بہلاتے جب بیچاری ماں عاجز آ جاتی تو پھر بوڑھی دادی اپنے اس "نمونے" پوتے کو پوپلے منہ سے لوریاں سنانے بیٹھتی۔ مگر آفرین اس بچے پہ کہ دادی تو سو جاتی مگر یہ گلا پھاڑنے والا وظیفہ نہ بھولتا۔ تب اس کا حوصلہ شکن باپ اپنے کاندھے والے تولیے میں چھپائے گلی کے باہر نکل جاتا۔ چار گلی اور شریف کی پھولیں لگاتا اور رستہ اور دوں کے گھروں محلے گلیوں اور گلی گلی گھوم گھام کر اس کے رونے کے تحفے کرتا رہتا مگر یہ ریں ریں کا باجا کیا مجال جو کسی چکر میں پھنس کر اپنا چلن چھوڑتا۔ لیکن اس کا فیض یہ ہوا کہ پہلے گھر کے پاس پڑوس والے اس بچے کے رونے چیخنے سے عاجز تھے اب محلے دار اور بازار والے بھی "آشنائے راز" ہو گئے۔ آخر ایک دن محلے والوں نے مشورہ دیا (اسی نام نے اس بچے کا استرے سے ایک بوند خون نکال کر راکھ کی پٹی باندھی تھی کہ بچے کے ختنے پیدائشی طور پہ ہی ہوئے تھے) خان صاحب اس رونے بیٹے کو بیاول شہیدؒ (گھر سے نزدیک ایک بزرگ کا مزار) لے جا کر سلام کرواؤ۔ بوڑھا شخص بچے کو لے کر فوراً وہاں پہنچ گیا۔ مسلسل ہچکیوں سے روتے ہوئے بچے کو صاحب مزار کے قدموں میں فرش پہ ڈال دیا۔ اللہ کا کرنا اور اس بزرگ کا تصرف کہ بچہ فرش پہ پڑتے ہی سکون پکڑ گیا۔ ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے خوشی اور آسودگی کا اظہار کرنے لگا۔ اب کہاں کا رونا اور چیخنا چلانا ہمک ہمک کر چہکنے لگا۔

باپ حیران و ششدر کہ اک دم اسے کیا ہو گیا ہے وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگا کہ چلو اچھے ہی ہوا یہ چپ تو ہوا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا اصل رولا تو اب شروع ہوا!

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے بچہ پرسکون سو گیا تھا۔ بوڑھا بھی پچھلی دیوار سے ٹیک لگا کر اطمینان سے بیٹھ گیا کہ کچھ دیر بچہ بھی نیند لے لے اور وہ خود بھی تھوڑی دیر کمر سیدھی کر لے۔ بوڑھوں اور بچوں میں

UrduPhoto.com

یہی ایک خرابی ہوتی ہے کہ وہ جہاں ذرا سکون محسوس کرتے ہیں وہیں آنکھیں موند لیتے ہیں۔ یہاں بھی یہی کچھ ہوا کہ تھوڑی دیر بعد بچہ نیند میں شہد کی مکھیوں کی جیسی بھنبھناہٹ بکھیرنے لگا اور بوڑھا خراٹوں کے کاٹھے اخروٹ توڑنے لگا۔ آخری نیند کی لہوت میں بوڑھے کی کہنی کہیں پچھلی دیوار سے ٹکرائی تو بجلی کی سی کرنٹ سے وہ کانپ سا گیا۔ چہرے پہ جیسے ڈرست سے جماتے ہوئے سامنے فرش پہ اپنے بچے کی جانب دیکھا لیکن بچہ وہاں موجود نہ تھا۔ ہڑبڑا کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی مگر بچہ نہ پا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے دیکھا تو بچہ اونچے مزار کے تھڑے پہ صاحب مزار کے دائیں جانب پہلو میں پڑا خراٹے سے سو رہا ہے۔ کچھ دیر تک وہ متوحش نگاہوں سے بچے اور مزار کو دیکھتا رہا پھر وہ آگے بڑھا اور نرم ہاتھوں سے بچے کو اٹھا لیا پھر وہ جو گھر چلا تو گلی میں داخل ہوتے ہی بچے نے اپنا "راگ زوہاس" پھر سے الاپنا شروع کر دیا۔ اب جو وہ پہر تک اس کی راگ داری ختم نہ ہوئی تو بوڑھا اپنی بیوی سے کچھ کہے سنے بغیر ایک بار پھر باہر نکل گیا۔ ظاہر ہے اس کا رخ بہاول شہید کی جانب ہی تھا۔ بہاول شہید کی نجو میں داخل ہوتے ہی بچہ پھر شانت ہو گیا۔

عصر کی نماز ادا کرتے ہی بوڑھے نے [illegible] ہوئے بچے کو کاندھے سے لگاتے ہوئے بیوی سے آج کے دن کا پورا ماجرا [illegible] سنایا اور کہا ... "ایک بات [illegible] طرح جان لے کہ ہمارا یہ بچہ اب تیری میری گود سے نکل چکا ہے اس کا چین سکون گھر اور گود نہیں ... مزار اور گورستان ہیں۔ اس کا جنم ضرور ہمارے ہاں ہوا ہے مگر اس کی راہ اور منزل کہیں اور ہے ... آج کے بعد تو اسے بھول جا جو بھی یہ کرے اور جو چاہے اسے مت روک اور ٹوک اور نہ ہی کبھی اسے ڈانٹنا۔ پیروں فقیروں اور بزرگوں کی دعاؤں برکتوں سے حاصل ہوئی اولاد عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی ... آج مزار کے اندر خواب میں بابا بہاول شہید میرے پاس آئے اور اسے میرے سامنے سے اٹھا کر اپنے پہلو میں لٹاتے ہوئے فرمایا۔ اس کا چین اور قرار باپ اور ماں کے پاس نہیں اپنے باباؤں کے پاس ہے۔"

صاحبو! شیر خواری سے چھٹپن تک کے ماہ و سال انہی خرابوں اور "پٹ سیاپوں" میں گزرے کہ گھر، ازدواج، محلہ، بلکہ پورا شہر مجھ سے بیزار اور بدگمان تھا۔ میری شرارتیں، بغاوتیں اور ناقابل بیان و برداشت حرکتیں میری وجہ شہرت تھیں۔ مجھ سے ہر کوئی پناہ مانگتا تھا۔ اب جہاں سے عقل و شعور کا کچھ مضبوط دامن ہاتھ آیا وہیں سے کتھا شروع ہوتی ہے۔

UrduPhoto.com

● متاعِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں.....!

مشاہدے میں آیا ہے کہ کیمیا گری کے ٹھرکی بڑے جنونی' ارادے کے مضبوط' سخت کوش اور [illegible] ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ اگر گدھ' گدھے کو بھی شامل کر لیا جائے تو آسانی سے کہا جا سکتا ہے [illegible] تینوں سے زیادہ سخت جان' طویل عرصہ تک صبر برداشت کی ہمت و جرأت رکھنے والا راضی بہ رضا [illegible] ہو۔ شاید ہی اس روئے زمین پہ اور کوئی ہو۔ نیم مردہ لاش مہینہ بھر سانس کی فوری کے ساتھ بندھا [illegible] گدھ بھی بھوکا پیاسا جامد و ساکت محوِ انتظار رہے گا' جونہی سانس کی ڈوری ٹوٹی' وہ پھڑ پھڑاتا ہوا [illegible] کے پوسٹ مارٹم کے لئے آئے گا اور اپنا سر اس کے پیٹ میں ڈال دے گا اور گدھا تو گدھ کا بھی [illegible] ہے۔ گرمی' سردی' بارش' آندھی' پیٹھ پہ صدیوں کا بوجھ' بھوکا پیاسا سوٹے پہ سوٹا کھا رہا ہے۔ [illegible] بیوی کی گالیاں سن رہا ہے مگر کیا مجال جو کبھی حرفِ شکایت زبان پہ آ جائے۔ چنگیز خان سے لے [illegible] تک' ہر کسی کو اپنی پیٹھ پہ بٹھایا' منزل تک پہنچایا مگر یہ خود بے منزل اور بے مراد یعنی گدھے کا [illegible] رہا۔ اسی طرح مہوش یعنی کیمیا گر بھی اس شوق کی خاطر اپنی ہر چیز کو قربان کر دینے کا جگرا رکھتا ہے۔ گھر بار' بیوی بچے' مال جائیداد' صحت و محبت' سب کچھ اس جنون کے جہنم میں جھونک دے گا بس اس [illegible] پہ کہ اب کی بار کامیاب ہو جاؤں گا اور اگلے پچھلے سب دلدر دور ہو جائیں گے۔ کبھی رنگت' کبھی [illegible] اور کبھی بختی' ہمیشہ کوئی نہ کوئی اڑچن آڑے رہتی ہے۔ تاؤ کم رہا تو کبھی منزل چھوٹ گئی۔ تاؤ دلی [illegible] سخت ادھوری رہی' چاند اندر تھا تو کہیں سورج مکھ چھپا گیا' چاندی پکی رہ گئی تو کہیں زت جوت [illegible]۔ تو تیا اور کالا تیلیا کبھی وزن پی گیا' شنگرف اُٹھا تو ادھر تانبا تانت پکڑ بیٹھا' رانگ سست تھا اور کبھی [illegible]۔ غرض کوئی نہ کوئی معمولی سی غلطی' خامی' بے توجہی اور بے ہنری کامیابی کی منزل کو دھیرے [illegible] آگے آگے سرکاتی رہتی ہے اور عامل آج کل' آج کل کی امید میں زندگی کے بہترین ماہ و سال [illegible] کی بدترین صبح شامیں اسی شوقِ خانہ خراب اور جنونِ نامراد کی نذر کرتے ہوئے خاموشی سے دم [illegible] دیتے ہیں اور مکافات کا گدھ پھڑ پھڑاتا ہوا ان کے استخوانی ڈھانچے میں شگاف ڈال کر اپنی منحوس

UrduPhoto.com

چونچ سے ان کی ایک ایک آنت کی تانت کو کھینچ کھانچ کر نرم میں کر دیتا ہے۔

سو بابا نا میرا کبھی بھی مقصد و مقصود نہیں رہا صرف "جاننے" کا کیڑا تھا۔ ویسے "جاننا" تو ہر کسی کا بنیادی حق ہے انسانی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر آپ محض ایک کاٹھ کے پتلے ہیں۔ قادر مطلق نے بھی اپنے احکام و ارشادات میں "جاننے" پہ بہت شدت سے زور دیا ہے کہ اپنے رب کو جانو۔ اس کی نعمتوں اور عطاؤں میں زمین و آسمان چاند سورج ستاروں اور کہکشاؤں کی گردشیں ان کے تحیر مست محور خلاؤں کی لامحدود پراسرار خاموشیاں بحر و بر کی وسعتوں گہرائیوں کے ضم و دم۔ کوہ و دمن دشت و صحرا ہوائیں خوشبوئیں رنگ و نمو نغمے زمزمے آہنگ ترنگ چرند پرند علوم فنون زندگی موت انسانی دماغ اس کا قلب سماعت بصارت نطق احساسات جذبات یعنی جو کچھ بھی کائنات اور زندگی و حرکت سے وابستہ ہے سب "جاننے" اور "ماننے" سے عبارت ہے۔ ہر ذی نفس اپنی بساط اپنے مذاق و ظرف اور اہلیت ضرورت طبع کے مطابق "جاننے" کے عمل سے گزرتا ہے۔ میرے ایک استاد ریاض شاہد ہاشمی مرحوم میرے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے میاں تمہاری جھلی پوچھی۔ تم تو ازلی آوارہ اور پیدائشی گرو ہو۔ جو کچھ چالیس برس کی محنت شاقہ سے دنیا سے سیکھا ہے وہ تو تمہاں کے شکم سے لے کر آئے تھے

خیر یہ تو وہ محبت و مذاق میں فرمایا کرتے تھے لیکن اپنی جگہ پہ یہ بھی حقیقت ہے کہ کل اولاد کی طرح میری دنابندی بھی فطرت و قدرت نے اوائل عمری میں ہی کر دی تھی۔ گھر والے تو خیر گھر والے تھے میرے سکول کے اساتذہ مسجد کے مولوی محلے والے رشتہ دار دوست یار سب ہی مجھ سے نالاں اور بیزار تھے۔ نت نئی شرارتیں مرغیوں کی چوریاں ہمسایوں کی باڑیاں مسجد کی ٹونٹیوں ہاتھ ٹونٹے کا تیل امرودوں چاٹنوں اور خربوزوں تربوزوں کماد کے کھیتوں میں شب خون مزاروں درباروں کے "گلوں" سے ریوڑیوں کی چوریاں سینما کے پہلے شو کے دن بغیر ٹکٹ بھیڑ کے ساتھ اندر گھسنا ریل پہ بغیر ٹکٹ سفر چینکر سے ٹکٹ میں کھیلنا شہر بھر کے ہوٹلوں سے ادھار کھانا اور پلٹ کر شکل نہ دکھانا۔ ڈرامے مباحثے مشاعرے ڈانس گانے نعتیں لڑائیاں مار کٹائیاں۔ غرض کہ کوئی شعبہ حیات یا واہیات ایسا نہ تھا جس میں میں یکتا و بدنام نہ تھا۔ سڑک کنارے کسی مداری کو دیکھا کہ ایک سے دو روپے بنا رہا ہے انگوٹھی کسی کنویں میں پھینکوا کر پنجرے کے اندر سے برآمد کر رہا ہے تو اس کے پیچھے ہو لئے کہ یہ کیسے کرتا ہے۔ جیسے بھی بن پڑا یہ کرتب سمجھ اور سیکھ کر ہی چھوڑے۔ ہمارے سکول میں ایک بار ایک جادوگر تماشا دکھانے آیا۔ وہ بیلنے اور برچھی کے کیل منہ میں ڈال کر چنوں کی مانند چباتا تھا اور صرف چار روز بعد میں ہر عام گھر باہر سکول میں ہر جگہ کیل اور سیخوں اور کھڑکے کے بلیڈ ریوڑیوں کی طرح کڑکڑ مزے سے چباتا پھر رہا تھا۔ اسی طرح سینکڑوں اچھے برے کام محض

[illegible] کے ان کی وجہ سے میں نے جانے یعنی جاننے' سیکھنے سمجھنے کی قوت اور طلب اتنی زیادہ تھی کہ [illegible] کے مانند اک قمر قطعی سی لگی رہتی تھی' حافظہ کسی کمپیوٹر کی طرح کام کرتا تھا۔ آنکھوں دیکھی [illegible] کی حد تک ریکارڈ ہو جاتی۔ بس ہر وقت یہی لگا رہتا کہ یہ کیا ہے' کیوں ہے' کیسے ہے؟ پھر کوئی [illegible] تھی کہ یہ کام کرنے یا سیکھنے کا ہے کہ نہیں۔ میری عمر' تعلیم' حالت' حالات' طبع' طبیعت سے [illegible] ہے یا نہیں؟

- چاچا سونے دا سکلو کا' چاندی دا لاچا.....!

[illegible] سونے کی ہو رہی تھی۔ میں بچپن میں سونے سے بہت محبت کرتا تھا۔ ویسے بھی بچوں کو نیند [illegible] آتی ہے۔ جب دیکھو جہاں دیکھو ان کے نین کٹورے نیند سے جل تھل [illegible] ہیں اور یہ دوسرا سونا [illegible] بنتے ہیں۔ جو قیمتی دھاتوں میں سے ایک ہے۔ جس کی خاطر بہت کچھ ہو جاتا ہے' جو [illegible] ہے۔ پہلے پہل اس سونے کو میں نے "چاچا گکڑ" کے حوالے سے جانا تھا۔ اس سے [illegible] کی اہمیت اور قدر و قیمت سے میں اچھی طرح واقف نہیں تھا۔ دادی کے کانوں میں چاندی کی [illegible] تھیں اور بازوؤں میں چاندی کے کڑے' البتہ امی کے کانوں اور بانہوں میں سونا تھا یا پھر اس [illegible] کی بھی بازار میں سنار کی دوکان میں دیکھا کرتا تھا۔ یہ بھی ابھی نہیں جانتا تھا کہ یہ سونا کہاں سے [illegible] ہے یا نہیں بنتا ہے؟ اور سونے کی اصل اہمیت مجھے چاچا گکڑ کے ہاں معلوم ہوئی۔ اس سمت [illegible] کی جانب لے جانے والے یہی ذات شریف تھے' خدا جانے انہیں میرے اندر کیا جوہر نظر [illegible] انہوں نے مجھے اپنا شاگرد بنا لیا۔ جہاں تک میں نے دیکھا اور جہاں کہیں سے میں نے سنا' یہی سنا [illegible] انہوں نے ساری زندگی بس یہی ایک کام کیا ہے۔ خاندان کے افراد کے علاوہ اصلی نام شاید ہی کوئی [illegible] چاچا گکڑ کے نام سے یہ شہر بھر میں مشہور تھے۔ چپڑی ہوئی زلفیں' لمبا سا قد' پتلا کاٹھ۔ ہمیشہ [illegible] میں ملبوس دکھائی دیتے۔ حقہ پینے کے شوقین تھے۔ ہمارے گھر کے پچھواڑے دو بڑے [illegible] دو کمروں کے گھر میں رہتے تھے' صحن میں نیم' ناشپاتی اور آم کے درخت بھی تھے۔ ایک [illegible] اور دیوار کے ساتھ مرغیوں چوزوں کے بڑے بڑے ڈربے' ساتھ ہی انہوں نے بیٹھک [illegible] چھوٹا سا چھوٹا' اونچا کمرا بنا رکھا تھا۔ یہی چھوٹا سا جس کے دروازے پہ ہمیشہ مضبوط بھاری تالا چڑھا [illegible] کی پراسرار سی تجربہ گاہ بھی تھا۔ اس کے اندر کیا کاٹھ کباڑ تھا' اس کے متعلق ان کی بیوی یعنی

UrduPhoto.com

ہماری چاچی معراجاں بھی شاید کچھ نہ جانتی تھی کیونکہ اس "ریڈ ایریا" کی جانب کسی کو بھی جانے کی اجازت نہ تھی۔ اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس منحوس جھونپڑے کی جانب جانا تو درکنار کوئی دیکھنا بھی پسند نہ کرتا۔ آس پاس گلی محلوں کی مائیں اکثر اپنے شریر بچوں کو چاچے لکڑ کے جھونپڑے کا ڈراوا دے کر بہلایا اور دھمکایا کرتیں۔

میں پرائمری سکول کی عمر تک کوٹھے پہ اینٹوں کی سوراخوں والی منڈیر سے پہروں چاچا لکڑ کے طلسماتی جھونپڑے کو وحشت بھری آنکھوں سے تاکا کرتا۔ میری دانست میں وہاں بھوت اور جن قید تھے جنہیں چاچا سیاہ مرغوں کا کچا گوشت کھلایا کرتے تھے۔ جب بھی کبھی جھانکا چاچی معراجاں چولہے پہ مرغا پکاتی ہی دکھائی دی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ چاچا سونا بنانے کے نسخے میں اصیل کالے مرغ کا پوٹا استعمال کرتا تھا۔ پوٹا نکال کر وہ پورا مرغ چاچی کے حوالے کر دیتا وہ اسے کاٹ کر ہنڈیا میں ڈال دیتی۔ چاچا کی کوئی اولاد تو تھی نہیں جو مزے مزے لے کر کھاتی۔ چاچی چاچا کھا پی لیتے اور فالتو سالن ہمسایوں کے گھروں میں بھیج دیتے۔ جی چاہتا تو کوئی کھا لیتا ورنہ اکثر پھینک دیا جاتا یا مہترانی لے جاتی۔ ہمارے ہاں وہ سالن نہیں بھیجتے تھے والد صاحب نے سختی سے منع کر دیا ہوا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ان کے ہاں کی ہر چیز مکروہ ہے کیونکہ چاچا مرغ ذبح نہیں کرتا تھا بلکہ بیٹھے جاتے مرغ کا پیٹ چاک کر کے پوٹا کھینچ لیتا تھا۔ اکثر مرغ بیچارہ اس حالت میں بھی اٹھ کر بھاگ لیتا۔ پیچھے آنتیں لٹک رہی ہیں خون چھک رہا ہے اور وہ زندہ ادھر ادھر گھوم رہا ہے۔ جب کہیں ڈھے جاتا تو چاچی اسے کاٹ لیتی۔ پوچھنے پہ چاچا بتاتا کہ گردن کے مرغ کا پوٹا اس کے کام کا نہیں ہوتا۔ میں تکبیر پڑھ کر پیٹ چاک کرتا ہوں فرق کیا پڑتا ہے۔ گردن نہ سہی پیٹ سہی..... چاچا کا نسخہ ہی ایسا تھا جس کے لئے اصیل کالا مرغ جس کی آنکھیں عقربی نمر کی کلغی سرخ لال بوٹی چونچ نوکیلی پنجے تیز ہوں۔ ایک بھی سفید پر نہ ہو۔ وہ ایسے مرغوں کی تلاش میں رہتا۔ گلی محلے شہر کونے کونے گھومتا رہتا اور منہ مانگے داموں خرید لیتا۔ روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ باپ مرتے وقت اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے مکان زمین بہت کچھ چھوڑ گیا تھا جو آہستہ آہستہ بکتے جا رہے تھے۔ رشتہ دار اور جاننے والے بھی اسے خوب الو بناتے۔ وہ بھی مرغ ڈھونڈتے رہتے تھوڑے بہت جو سفید پر ہوتے وہ کھینچ نکالتے۔ بعض اوقات انہیں کالے رنگ سے رنگ کر اور چاچا کے ہاں بیچ کر اچھے دام کھرے کر لیتے ... چاچا مجھ سے بڑا پیار کرتا تھا۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس نے مجھے بنایا ہوا تھا۔ والد صاحب کے منع کرنے کے باوجود میں اکثر چھپ چھپا دیوار پھلانگ کر ان کے ہاں چلا جایا کرتا۔ میں نمک مرچ کا چٹورا چاچی مجھے خوب بھنے مرغ کی بوٹیاں کھلاتی۔ یہ آم جامن جو بھی موسم

UrduPhoto.com

[illegible] کھاتا رہتا۔ ڈھیلا پیسہ بھی میسر آ جاتا جو اموک' مونگ پھلی یا چنے ریوڑیوں کے کام [illegible] کے گھر اندر بیٹھا بیٹھا میں چاچا کے جھونپڑی کی جانب تجسس نگاہوں سے دیکھتا رہتا.... [illegible] بھی کہیں سونا بنانے کی خواہش تھی کہ اگر مجھے بھی یہ ہنر آ جائے تو ایک بار ہی ڈھیر سا [illegible] عمر آرام سے بیٹھ کر مونگ پھلیاں' ریوڑیاں کھاؤں اور دوستوں کو کھلاؤں۔ سکول [illegible] کا چکر۔ اس سے پیشتر بھی میں اور میرا دوست اسلم پیر شعلہ شہید کے مزار پہ [illegible] کے پیچھے اٹھنی رکھ کر سونے کی اشرفی میں تبدیلی کا چلہ کاٹ چکے تھے۔ سات روز [illegible] وہاں سے غائب ہوئی تو ہم دونوں میں ایک دوسرے پہ اٹھنی چرانے کے الزام میں ٹھن [illegible] دوستی بھی ختم کر دی۔ ہم دونوں چار چار آنے کے حصہ دار تھے۔ یہ نقصان ہم نے مزار [illegible] کے وہاں جانا ہی چھوڑ دیا' بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مجھے بدنام کرتا پھر رہا ہے کہ میں [illegible] جمعرات کے روز سرسوں کا تیل چرا کر خزانے پکوڑے والے کو دے کر پکوڑے کھاتا [illegible] نہیں بھی دیکھتا ہوں۔ وہ کم بخت یہاں بھی میرا پارٹنر ہوتا تھا مگر اپنا نام نکال کر اب [illegible] تھا۔ یہ بھی سچ کہ وہ اٹھنی میں نے ہی اوجھل خرا کر دی تھی جان کا دس کی فلم "ہنٹر والی" [illegible] میں کھیر اور چاول کھانے کے لئے ظاہر تو اوجھل تھا چوری تو نہ ہوئی [illegible] چاچا کنگر کے [illegible] پیسوں کا لالچ اور سونا بنانے کا تجسس لے کر جاتا تھا مگر چاچا کھلاتا پلاتا تو تھا' [illegible] نہیں آتا تھا بلکہ کام کے دوران اپنے قریب تک پھٹکنے بھی نہیں دیتا تھا۔

[illegible] روز موقع پا کر میں نے چاچا سے پوچھ ہی لیا۔

[illegible] ادھر گنڈا سنگھ کے کارخانے کے پاس میں نے ایک کالا شاہ مرغا دیکھا ہے۔ اگر حکم کرو [illegible] لے آؤں.....؟"

[illegible] نے پرے ہٹاتے ہوئے مجھے گھورا۔ پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ہولے سے کہا۔

[illegible] کا کا! کوئی چکر وکر تو نہیں چلا رہا.....؟"

[illegible] نے کانوں کی لوؤں کو پکڑ کر کہا۔

[illegible] چاچا! اللہ دی قسم' میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کالے شاہ مرغے کو دیکھا ہے۔"

[illegible] نے ادھر ادھر دیکھ کر جیب سے چمکتی ہوئی اٹھنی نکال کر مجھے پکڑاتے ہوئے کہا۔

[illegible] مرغ لے آئے تو ایک اور اٹھنی انعام ملے گی..... شاباش!"

[illegible] تمام کر باہر نکلے۔ خوب کھایا پیا' پھر فلم دیکھی..... فارغ ہوئے تو فکر ہوئی کہ اب چاچا کا

UrduPhoto.com

مرغ کہاں سے لائیں؟ — اسٹیشن کی جانب نکل آئے۔ ریلوے کوارٹروں کے پاس مجھے ایک کالا مرغا دکھائی دیا جس کے پنکھ پر سفید بھی تھے۔ بڑے جتنوں سے گھیر گھار کر اسے پکڑا۔ سفید پر کھینچ کھانے چھپاتے گھر کی طرف آ گئے اور پچھلی گلی سے چاچا کے گھر پہنچے۔ وہ اپنے مخصوص بنگلے میں تھا۔ باہر گلی میں چاچی نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا۔

''وے کاکا! تم یہ مرغا کہاں سے لائے ہو.....؟''

ہم نے جواب دیا کہ چاچا کے لئے خرید کر لائے ہیں۔

''خبردار جو آئندہ ایسی حرکت کی۔ اس مرجانے نے تمہیں بھی اس کام پہ لگا دیا۔ تمہارے باپ کو خبر ہو گئی تو تمہارے ساتھ وہ ہمیں بھی رگڑ دے گا۔ لا مجھے دے یہ مرغا اور بھاگ جا۔ آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔''

چوری کا مرغا ہاتھ سے خوب عیش کی تھی۔ چھوٹی موٹی چوریاں گھر اور باہر تو میں کرتا ہی رہتا تھا۔ یہ مرغے والی چوری ہمارا پہلا کارنامہ تھا۔ چاچا کو مرغا کیا ملا تھا جیسے منزل مراد مل گئی تھی۔ یہ ایسا مرغا تھا جس کی چاچا مدتوں سے تلاش تھی۔ کالا کلوٹا [illegible] سیاہ میں پھول تھا۔ گم بخت کا خون [illegible] چاچا نے مجھے بلایا۔ ایک [illegible] شاباشی کے طور پر دی اور ساتھ یہ بھی خوشخبری دی کہ اگر اس مرغے کے ذریعے سے وہ سونا بنانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ مجھے بھی یہ ترکیب بتانے کے بارے میں سوچے گا۔ میں نے کمال معصومیت سے چاچا سے پوچھا۔

''چاچا! سونے کا انڈا دینے والی مرغی کے بارے میں تو سنا تھا۔ تم مرغے سے سونا کیسے بناؤ گے.....؟''

چاچا حقے کا کش لیتے ہوئے نرمی سے مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔

''کاکا! بس دیکھتے جاؤ۔ میں سونا کیسے بناتا ہوں۔ یہ تمہاری چاچی اور ادھر ادھر کے لوگ جو میرے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے رہتے ہیں ایسی میری تعریفیں کیا کریں گے۔ مجھ سے آ کر سونا مانگا کریں گے۔ بس ذرا ایک مہینہ گزر لینے دو پھر دیکھنا.....''

''ایک مہینہ.....؟'' میں نے مہینے کو بہت لمبا کھینچتے ہوئے کہا۔

''ہاں.... سونا یوں ہی نہیں بن جاتا۔ بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔''

چاچا مجھے لے کر جھونپڑے کے اندر آ گیا۔ میرا رنگ فق تھا۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ ''کہاں میں اور کہاں یہ مقام اللہ اللہ.....'' چاچے مگر کا جھونپڑا۔ ڈرتا ڈرتا ساتھ اندر پہنچ گیا تھا۔

[illegible] سی ہوئی بدبو تھی اور پتھر کے عجیب و غریب برتن تھے۔ کہیں سنگ مرمر کے گھڑے [illegible] شیشے کے مرتبان جن میں شاید مختلف شراب تھے۔ لکڑیاں، کوئلے، گوبریاں، اپلے اور ایک [illegible] ہلدی۔ کسی جادوگر کی غار کی طرح منحوس، خوفناک اور تاریک۔ ایک طرف ریچھ اور شیر کی کھال [illegible] تیز نے دانت لگی ہوئی دکھائی پڑی تو مارے خوف میری گھگھی بندھ گئی۔ یا اللہ! میں [illegible] پھنس گیا۔ چاچا تو مجھے یہاں بھون کر کھا جائے گا۔ میں بھاگنے ہی والا تھا کہ چاچا بولا۔

"کاکا! گھبرانا نہیں، ذرا اندھیرا ہے۔ تم پہلے فرد ہو جسے میں یہاں اپنی مرضی سے لایا ہوں۔ [illegible] تو چاچی بھی کبھی یہاں نہیں آئی۔"

[illegible] کر وہ مجھے تاریک کونے میں پڑا ہوا ٹوٹے گھڑے کا پیندا دکھانے لگا جس میں ایک کالی [illegible] بڑی سی مرغی بیٹھی تھی جو بار بار آنکھوں سے [illegible] سرخ زبان چونچ کے [illegible] نکال رہی تھی۔ چاچا نے اسے پکارتے ہوئے ذرا پرے سرکایا۔ چوں چوں کرتے کالے [illegible] دکھائی دیئے۔ میں حیرت سے انہیں تکنے لگا۔ اس نے ایک ننھا سا چوزہ میری ہتھیلی پر رکھ دیا۔ میں [illegible] چاچا مرغی کو دانہ کھلاتے ہوئے [illegible] صاف کرتے رہا۔ میں نے دیکھا [illegible] پیندا چوزوں سے بھر گیا۔ [illegible] کرنے کے بعد چاچا مجھے لے کر باہر آ گیا۔ [illegible] چوزہ میری ہتھیلی پر چوں چوں کر رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا یہ چوزہ مجھے انعام کے طور پر دیا گیا ہے۔

"چاچا! میں یہ چوزہ لے جاؤں۔۔۔؟"

"کاکا! تو اسے لے کر کیا کرے گا۔۔۔ لا مجھے دے اور تو گھر بھاگ جا۔ شام سے پہلے آنا۔ میں نے تیرے والے گھر کو دوا کھلائی ہے تو میری مدد کرنا۔۔۔ خبردار کسی کو بتانا نہیں ورنہ تو سونا بنا نہیں [illegible]۔"

میں دو چار اللہ کی قسمیں کھا کر وعدہ کر کے باہر نکل آیا۔ طبیعت میں اتنا ہیجان تھا کہ گھر آتے [illegible] بستر پر پڑ گیا۔ دن کو میں کبھی نہیں سویا تھا مگر ایسی نیند اور دن کو ایسے خواب۔۔۔ میں نے سونے کی [illegible] کے کپڑے پہنے ہیں۔ سر پہ سونے کا تاج، سونے کے جوتے، میرا گھر خالص سونے کی اینٹوں [illegible] گھر کا ہر برتن چمکتے ہوئے سونے کا بنا ہوا۔ میری سائیکل اور چھروں والی بندوق [illegible] سونے کی۔۔۔ سو کر اٹھا تو سیدھا اوپر کوٹھے پہ چڑھ گیا۔ دیوار کے سوراخوں سے اس [illegible] جھانکا۔ چاچا حق دھرے گولیاں بٹ رہا تھا۔ میں دیوار پھلانگ کر ادھر کوٹھے پہ اتر گیا۔ چاچا مجھے [illegible] بہت خوش ہوا۔

UrduPhoto.com

''میں تیرا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' وہ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا۔'' تُو میرا بیٹا تو پہلے ہی تھا' آج سے شاگرد بھی ہو گیا ہے ..... لے ذرا مگر کو پکڑ۔ اس کو خوراک دے لیں ..... ''

مگر رسی سے بندھا ہوا تھا۔ رسی سے آزاد کر کے میں کسی بچے کی مانند اسے گود میں لے کر بیٹھ گیا۔ چاچا اس کی چونچ کھول کر موٹی موٹی گولیاں اس کے حلق میں اتارنے لگا۔ عجیب سی ناگوار بدبو میرے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ عجیب سی' کالی کالی گولیاں تھیں جیسے تارکول سے بنی ہوئی ہوں۔

''بیٹا! بدبو سے ہی خوشبو پھوٹے گی ..... '' راز دارانہ لہجے میں بتانے لگا۔'' جو چیزیں میں نے تجھے دیا تھا یہ اُسی کے گوشت' تانبے کے باریک ذرات کالا تیمیا' کچا شنگرف اور کشتہ پارا سے بنی ہیں' تو آہستہ آہستہ ان چیزوں کو جان جائے گا۔ فی الحال صرف دیکھتا جا ..... ''

گولیاں کھا کر مرغا بے سدھ پڑ گیا۔ چاچا نے مجھے بھی بھگا دیا کیونکہ چاچی نماز سے فارغ ہو کر باہر آنے والی تھی ..... بھاگم بھاگ گھر آیا۔ ایک پرانی ڈائری میں ان دواؤں کے اُلٹے سیدھے نام درج کئے۔ خوشی اور سنسنی انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ کسی نہ کسی طور دن گزرا' رات آئی۔ رات کیا تھی' خوابوں کی بارات تھی۔ ساری رات میں خواب دیکھتا رہا۔ عجیب خواب' ہم پہلے کبھی دیکھے نہ تھے۔ ہر طرف چم چم چمکتا ہوا سونا' میرا جسم بھی جیسے سونے کا بن گیا ہو۔ بیٹ بلا' ہاکی' کینڈ فٹ بال' اینٹ روڑے پتھر' بجلی کے کھمبے تاریں' تالے' گھر کے سارے برتن۔ ہر طرف سونا ہی سونا ..... عجیب سنہری دن تھے۔ میں ہر روز شام کے وقت وہاں پہنچ جاتا۔ چاچا نے گولیاں بٹ کر رکھی ہوتیں۔ میں مگر کو تھامتا کھا پی کر مگر کسی چرسی کی طرح ٹُن ہو جاتا۔ چند ہی دنوں میں وہ خوبصورت مرغے سے ایک عجیب الخلقت سی چیز بن گیا تھا' یوں دکھائی دیتا جیسے وہ مرغ سے فرار ہو کر سیدھا چاچے مگر کے گھر آ گیا ہو۔ گردن اور جسم خوبصورت پروں بالوں سے خالی' صرف بازوؤں اور دُم پہ چند ڈھیلے ڈھیلے ڈھنل ٹھنڈے رہ گئے تھے۔ کاٹی میں جیسے ہوا بھر گئی اور علیحدہ ہی سر پر ڈھری نظر آتی۔ آنکھیں چپٹے' سفید موتیے سے دھواں بھری۔ سبز نیلی غلاظت سے لتھڑی ہوئی سرخ پیٹھ' مقعد الٹ کر باہر نکل آئی تھی۔ چونچ ٹیڑھی' بالوں سے خالی سینے اور پیٹ پہ گوشت سے اُبھرے ہوئے۔ اسے کسی طور پر مرغا نہیں سمجھا جا سکتا تھا' مرغے کا بھوت اگر کوئی ہو سکتا ہے تو بالکل ایسا ہی ہوتا ہوگا ..... چاچا' ایک چمچ سے اس کی بدبودار بیٹ کرید کرید کر ایک شیشے کی برنی میں ڈال رہا تھا۔

''چاچا! اس غلاظت کا کیا کرو گے .....؟'' میں نے ناک پہ ہاتھ دھرتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

''کاکا! چپ ..... '' وہ ہونٹوں پہ اُنگلی دھرتے ہوئے' مہین سی آواز میں بتانے لگا۔'' یہی تو اصل مسالہ ہے۔ بس پندرہ روز تمہیں اور میری مدد کرنا پڑے گی۔ چاند کی آخری تاریخ' ہم سونا بنانے کا عمل

آباد کریں گے۔"

چار پانچ روز بعد جب چاچا اور میں نے ایک دوسرے کو اعتماد میں لے لیا تو چاچا نے اب مجھے مرغ بنانے میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ ادھر میرا یہ عالم کہ سکول سے آتے تو بہانے بہانے سیدھے چاچا کے گھر۔ ساتھی یاری موقوف' آوارہ گردی ختم' فلم بینی بند۔ بہانہ یہ بناتا کہ میں چاچا سے کتابوں کا بیوپار بندی سیکھ رہا ہوں۔ کاپیاں کتابیں میں ساتھ لے جاتا تھا' ایک کاپی نما ڈائری پہ نسخے بھی لکھتا تھا۔ جیسے جیسے چاند گھٹتا جا رہا تھا' مرغے کی نحوست اور نقاہت بڑھتی جا رہی تھی۔ یوں دکھائی دیتا جیسے وہ آخری مقررہ سے پہلے ہی کوئی عفریت بن کر معدوم ہو جائے گا۔ چپٹی سی لوتھ کی لوتھ' جیسے کسی ڈھیلے سے بوری میں تیل بھر کر الٹا لٹکا دیا ہو۔ آخری تاریخ اس کی آنکھیں پانی ہو کر بہہ گئیں' وہ نیم مردہ کشتہ بن کر کونے کی کھالی میں پڑا تھا۔ اس لمحے کے انتظار میں چاچا اور میں کے ہاتھ کشتہ جھوکا تھا۔ چاچی کو ایک حساب کے تحت میکے پکھووالا' فصل کے چاول لانے کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ ہم دونوں استاد شاگرد بڑی باریکی اور رازداری سے مصروف عمل ہو گئے۔ متعلقہ سامان تو کئی دنوں سے پیشگی تیار کیا ہوا تھا۔ تانبا' تیزاب' چاندی' سیسہ' ابرق کا ورق' ظرف' کچا تیلیا' کاسنی اونٹنی کی گوبریاں' پرانے کپڑے کی پٹیاں' بے حد باریک مٹی' بڑی سی ہانڈی' سادہ سی لیپی' تیلیا بھر سے اٹھا' چاچا جو اشیائے کے مرچان میں مرغ' دھنیا' تلسی کا کشتہ وغیرہ۔ چاچا نے بڑی بے دردی سے تیز چھری سے مرغ کے نیچے پیٹ پہ شگاف لگایا' آنتیں باہر نکال کر الگ علیحدہ کیا۔ پوٹہ چیر کر بیٹ نکالی' اسے پہلے والی بیٹوں کے مرچان میں ڈال کر ہلایا۔ پھر سب دھاتیں' کشتے اور تلسی مرغ کے پیٹ میں بھر کر اوپر کی کٹی سے نتھری ہوئی کپڑے کی پٹیاں لپیٹ دیں' بالکل ایسے جیسے قدیم مصری اپنے مُردوں پہ لپیٹا کرتے تھے۔ میں چاچا کی مدد کر رہا تھا' بے حس جیسے مُردہ نہلاتے وقت یا آپریشن کے دوران مددگار ساتھی کرتے ہیں۔ چاچا بڑی مستعدی سے پٹیاں لپیٹ رہا تھا' میں لمبی لمبی پٹیاں مٹی کے کیچڑ میں بھگو کر اسے دیتا جاتا۔

مرغا اچھا خاصا گھڑے کے سائز کا وزنی گولا بن گیا۔ سائیکل کے پہیئے کی گولائی کا ایک ٹکڑا پہلے ہی تیار تھا جس کے اندر بڑی ترتیب سے اونٹنی کی گوبریاں رکھی گئیں۔ گولا رکھ کر چاروں اطراف سے بند کر دیئے گئے۔ اوپر مٹی پہ مزید اپلوں کا ڈھیر رکھ کر آگ دکھا دی۔ اب چاچا ہاتھ منہ دھو کا تھکا ہارا سا ہو کر خفقہ بھر کے چارپائی پہ بیٹھ گیا۔

"کاکا! آج رات تم نے سونا نہیں ورنہ سونا کچا رہ جائے گا۔ گھر جاؤ' نہا دھو کر نماز پڑھو اور اللہ کو کہو کہ دعا مانگو۔ میں تو ادھر سے ساری رات بیٹھا آگ کا حساب کتاب کرتا رہوں گا۔ کاکا!

اس کیمیا گری میں آنچ کا حساب ہی ساری کاریگری ہوتی ہے۔ تمہارے باپ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں بھی یہاں بٹھاتا ۔۔۔ خیر اب تم جاؤ اور دیکھو لیفٹا اوپر کوٹھے پہ۔ ہو سکتا ہے تمہاری ضرورت پڑے۔"

میں بڑی بے دلی سے گھر چلا آیا۔ نہا کر اوپر کوٹھے پہ مصلیٰ بچھا کر سونے کی کامیابی کے لئے عمل پڑھنے لگا' گاہے گاہے دیوار کے سوراخوں سے چاچا کے صحن میں بھی جھانک لیتا۔ دھیمی آگ پہ پکتے ڈھول کے تکس میں چاچا کا چہرہ سونے کی طرح چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس بار وہ نکل چڑھ کر رات کسی پہر میں مصلے پہ ہی سو گیا۔ وہی چمکتے دمکتے سنہری خوابوں کا تانتا بندھ گیا۔

کوئی مجھے ہولے ہولے پکار رہا تھا۔ پہلے تو خواب ہی سمجھا مگر ایک چھوٹا سا کنکر جب میرے چہرے سے ٹکرایا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ادھر چاچا دکھائی دیا جو مجھے ہاتھ کے اشارے سے بلا رہا تھا۔ میرا پچھلا منگ مرا ادھر اتر گیا۔ چاچا بدحواس سا میرا ہاتھ تھامے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"سوہانی کیا ہوا چاچا ...؟" میں نے بے صبری سے پوچھ لیا۔

چاچا گھبرایا ہوا تھا' آدھی سیڑھیوں پہ رکتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم چلو جلدی سے تمہاری چاچی کے دور کے رشتے دار آنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ بڑی خبر دی ہے کہ تمہاری چاچی کو سانپ نے ڈس لیا ہے اس کی حالت بڑی خراب ہے۔ میرا فوری طور پہ وہاں پہنچنا ضروری ہے دوائیں میں ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ تم یہ چابی سنبھالو اور یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ میں پہنچتے ہی اسے ہر حالت میں یہاں لانے کی کوشش کروں گا ۔۔۔ الاؤ کی تپش جب تک ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ تم اس کے قریب مت جانا صرف اپنے کوٹھے سے نگہداری کرتے رہنا۔ دوپہر تک اگر میں واپس نہ پہنچا تو گڑھے کے اوپر مٹی ڈال کر برابر کر کے اوپر چارپائی بچھا دینا ۔۔۔ تمہیں پھر تاکید کر رہا ہوں کہ گلی کا دروازہ اندر سے بند کر لینا' گڑھے کی راکھ کو مت ہٹانا' اوپر مٹی ڈال کر چارپائی بچھانا اور خبردار کسی سے ذکر نہ کرنا ۔۔۔ یہ لو دو روپے پاس رکھو ...."

وہ جلدی جلدی اتر کر آدمیوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ میں نے اندر سے کنڈی لگا کر اک حسرت بھری نگاہ سلگتے ہوئے الاؤ پہ ڈالی' روپے اور چابی جیب میں ڈال کر واپس اپنے کوٹھے پہ پہنچ گیا۔ اس اچانک مصیبت پہ غور کرتے کرتے خدا جانے میں کب چارپائی پہ لڑھک گیا تھا۔ نور کا تڑکا لگ چکا تھا' دور نزدیک کے مرغوں نے بیدار ہو کر بانگ سرائی شروع کر دی تھی۔ ان دنیاوی مرغوں کو کیا خبر کہ ان کا ایک بھائی آگ میں کشتہ ہو کر دوسرے لئے سونا آرائی کر رہا ہے۔ نیند کا اب سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ چارپائی پہ رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کہ کیا اسی وقت سانپ ڈسوانا ضروری تھا' یہ کام آگے پیچھے بھی ہو سکتا تھا۔

UrduPhoto.com

[illegible] آنے لگے۔ مجھے یہ سانپ والا سانحہ بدشگونی محسوس ہونے لگا۔ کہیں پڑھا اور سنا بھی تھا [illegible] ہوتا ہے وہاں ایک نگران سانپ بھی موجود ہوتا ہے۔ میں خوف سے اٹھ کر بیٹھ گیا [illegible] آیتیں پڑھنے لگا۔ جب کسی پل چین نہ آیا تو اٹھ کر دیوار کے سوراخوں سے لگ گیا۔ دور [illegible] لہراتے کپکپاتے شعلے جیسے کالے ناگوں کی نوک زبانیں ہرا رہی ہوں بل کھاتے دھوئیں [illegible] دیتے سرسراتے شعلوں کا عکس آس پاس کا ماحول یوں جیسے سینکڑوں سانپ سپولیے الاؤ کے گرد [illegible] ہوں۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں پھر نیچے آ کر ماں جی کے پائنتی کی طرف لیٹ گیا۔ عجیب [illegible] کیفیت تھی جسم لرز رہا تھا۔ وہ فوراً مجھے اندر لے گئیں گرم چادر اوپر ڈالی اور دوا پلا کر لٹا دیا۔ [illegible] آنکھ کھلی تو گھر کی سوگوار فضا دیکھ کر مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر ہو [illegible] پوچھنے پر ماں جی نے بتایا کہ ابھی ابھی چاچا کلو کے گھر سے فوتگی کی خبر ملی ہے۔ چاچی جانبر نہ ہو سکی [illegible] میت لے کر آ گیا تھا۔ میں اٹھنے لگا تو ماں جی نے ڈانٹ پلا کر لیٹے رہنے کا حکم دیا۔

"خبردار جو تو چارپائی سے نیچے اترا۔ رات اوپر کھلے آسمان تلے اوس کھا گیا ہے۔"

[illegible] صاحب تو چاچا کے گھر تھے ماں جی بھی چلی گئیں تو میں کوٹھے پر [illegible] صحن میں بچھی [illegible] وہاں [illegible] چارپائی بچھی ہوئی تھی جس [illegible] کا سامان بھی پڑا ہوا تھا۔ [illegible] سے پہلے ہی چاچی کو دفن کر دیا گیا۔ ماں جی نے بتایا کہ [illegible] پڑ گیا تھا اور جگہ جگہ سے ٹوٹنے لگا تھا۔ میں نیچے پہنچ کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ سوچنے لگا کہ پتہ [illegible] کب کیا ہوگا۔ کتنے دن یہ مرگ کا سلسلہ چلے گا۔ [illegible] ہونا اندر دبا دبا خراب نہ ہو جائے؟ رو رو کر [illegible] چاچی پر غصہ آ رہا تھا جس نے بے وقت مر کر ہمارا کام اور ساری خواہشیں ملیامیٹ کر دی [illegible] ہر حال اب کیا ہو سکتا تھا۔ انتظار اور صبر تو کرنا ہی پڑے گا۔ چاچا کے کچھ رشتہ دار تھوں اور [illegible] سے بھی آئے تھے۔ دیہاتی قسم کے مجبول لوگ جنہیں سوائے کھانے پینے، حقے اور فضول باتوں [illegible] کام نہ تھا۔ رات ہوتی تو چارپائیوں پر پڑ جاتے۔ میرا بخار بھی اتر چکا تھا۔ ایک دو چکر ادھر کے [illegible] مگر چاچا سے بات کرنے کا موقع نہ ملا۔ جب بڑے قلوں کے بعد کچھ لوگ واپس چلے گئے [illegible] وقت چاچا سیڑھیوں پر چڑھتا نظر آیا۔ مجھے دیکھتے ہی میرے پاس آ گیا۔

"کاکا! گھبرانا مت..... بس دو چار دنوں کی بات ہے۔"

دو چار دن کیا ہفتہ بھر گزر گیا۔ آنے جانے والوں سے ہی فرصت نہ تھی۔ سارا دن دری پر حقے [illegible] چلتی رہتیں۔ کھانے کے وقت کھانا، چائے۔ بیکار بوڑھے بیکار میں ہم دونوں کا جی جلا رہے

تھے۔ منگل وار بدھ جمعرات کے روز بڑا ختم ہوا۔ وہ دیگیں چاولوں کی پکی تھیں۔ کھا کھا کر چاچا نے دری سمیت لی لوگ باگ بھی اپنے اپنے گھروں کو ہو لئے۔ شام کا اندھیرا ہوتے ہی ہم نے چارپائی ہٹا کر مٹی راکھ کریدی اور مٹی کا گولا اٹھا کر چھوٹے پرے میں پہنچ گئے۔ کپڑے کی پٹیاں خود بخود راکھ کی صورت اتر رہی تھیں۔ مرغے کی ہڈیوں کی راکھ سے ایک کنکر سا نمودار ہوا۔ یہ دو رنگت مٹی کوکوں سے اٹا ہوا۔ میں عالم محویت میں کبھی چاچا کبھی اس پتھر سے کنکر کو دیکھ رہا تھا جسے ہماری محنت شوق اور توقع کے مطابق سونا ہونا چاہئے تھا۔ جب مجھ سے نہ رہا گیا پوچھ ہی بیٹھا۔

"چاچا! سونا کدھر ہے...؟"

چاچا نے خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورا بولا۔

"یار کاکا! ایک تو تم بڑے بے صبرے ہو۔ جسے تم دیکھنا چاہتے ہو اسے میں بھی تلاش کر رہا ہوں۔ یہ دیکھو؟"

چھری کی نوک سے کھرچتے ہوئے وہ دکھانے لگا سنہری سونا چمک رہا تھا۔ چھری تو باچھیں کھل اٹھیں۔ چاچا نے پاؤ بھر ڈھیلے کو کھرچنا اور رگڑنا شروع کر دیا۔ جھاڑ پونچھ صفائی کے بعد ایک بڑی سی کٹھالی میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیا۔ چاچا شغل کرتے ہوئے اور میں کٹھالی کو کوئلوں کو دہکا رہا تھا۔ پھر چاچا نے قفل بند الماری سے تیزابوں کی بوتلیں اور پتا نہیں کیا کچھ نکالا چھوٹی بڑی پتھریلی کٹھالیاں بھی تھیں۔ بڑے انہماک اور لگن سے وہ ایک ایک چیز ترتیب سے رکھ رہا تھا۔ میں بار بار حوصلے سے اٹی ہوئی آنکھوں سے آگ پہ چڑھی ہوئی کٹھالی کے اندر جھانک رہا تھا۔ وہ کالا سیاہ پتھر کا ٹکڑا جس پہ شاید آگ کوئی اثر نہیں دکھا رہی تھی۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔

"چاچا! یہ تو ویسے کا ویسا ہے سونا...؟"

مجھے ایک بار پھر چاچا کی گھور کا سامنا کرنا پڑا اور ڈانٹ بھی پڑی۔

"کاکا! یہ اپنے مخصوص ٹمپریچر پہ پگھلے گا۔ تم ایسا کرو گھر جا کر سو جاؤ۔ صبح آنا تب دودھ کا دودھ پانی کا پانی تمہارے سامنے آ جائے گا۔ ابھی یہ کہیں جا کر پگھلے گا پھر میل کچیل ہو گی۔ پھر اسے تیزاب دیئے جائیں گے۔ بڑی ناگوار بدبو ہو گی تم بیزار اگر نہ ہوئے تو بیمار ضرور پڑ جاؤ گے... جاؤ شاباش!"

چاچا ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یہ تو منحوس الوؤں کا کام دکھائی دیا دنیا سے علیحدہ ہو کر اس کے پیچھے لگ جانا۔ ادھر گھر والوں کا ڈر بھی تھا کہ اگر والد صاحب کو خبر ہو گئی تو وہ مجھے بھی مرغا بنا کر صحن میں گاڑ دیں گے۔ وہ چاچا کو ان ہی حرکتوں کی وجہ سے سخت ناپسند کرتے تھے اور ادھر یہ سارا کچھ ان کی بے خبری میں

UrduPhoto.com

[illegible] میں ناچار اٹھ آیا۔ ماں جی نے میرا اوپر کوٹھے پہ سونا بند کر دیا ہوا تھا پھر بھی میں موقع [illegible] اوپر جا کر تاک جھانک کر لیتا تھا۔

[illegible] میں پھر وہیں دھرا ہوا تھا۔ چاچا کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں شب بھر کا رت جگا [illegible] چہرے پہ عیاں تھا۔ عجیب ناگواری بو [illegible] کہ سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ ناک پہ ہاتھ رکھے میں [illegible] گیا۔ صاف شفاف چمکتے ہوئے سونے کے ٹکڑے میرے سامنے موجود تھے۔ میں ہاتھ بڑھا کر [illegible] ٹکڑوں کو پکڑ کر دیکھنے لگا۔ چاچا خاموش [illegible] اس کا لہو ترا چہرہ دمکا ہوا تھا۔

"چاچا! مبارک ہو" میں نے سونے کے ٹکڑوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"کاکا! ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے....."

"کیا مطلب؟ سونا تو خالص ہے اصلی سونا [illegible] یہ ایک آنچ کی کسر کیا ہے؟"

میں نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کاکا یار! تم نے کبھی اصلی سونا دیکھا ہے؟"

"ہاں دیکھا ہے [illegible] بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"پتر! اصلی سونا [illegible] میں پڑا اور [illegible] ہوتا ہے۔ یہاں رنگ تو [illegible] یہ ہے وزن [illegible] پورے نہیں ہیں۔"

میں شک میں پڑ گیا کہ چاچا مجھے ٹال رہا ہے خود ہی سارا سونا ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ ہمت کر کے [illegible]

"چاچا! یہ وزن والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی ...؟"

"مجھے معلوم ہے کہ یہ باریک بات تم نہیں سمجھو گے [illegible] ایسا سونا تو میں کئی بار بنا چکا ہوں۔ یقین [illegible] پیتل کی قیمت کا بھی نہیں۔ تم چاہو تو یہ سارا لے جاؤ۔"

"چاچا! اتنی محنت اور خرچہ [illegible]؟" میں نے مایوس ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ تو سب کچھ ہے [illegible] پتر! شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا۔ اگر اتنی آسانی سے سونا بن جائے [illegible] اس کے زیور نہیں چھپتے اور برتن بنتے نہیں [illegible] خیر تمہاری چاچی کے مرنے کی وجہ سے کہیں چوک ہو گئی ہے۔ تم کہیں سے کالا مرغ تلاش....."

چاچا کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میں اس منحوس جھونپڑے کی دہلیز پار کر چکا تھا [illegible] لعنت ہے [illegible] چاچا سے میری پکی کٹی ہو چکی تھی۔ کوئی شرافت ہے؟ میں نے کیسے کیسے ارمان پال رکھے تھے۔

UrduPhoto.com

کیا کیا پروگرام تھے اور کتنا لوہا اس سونے کی امید پہ لے کر اکٹھا کر چکا تھا۔ اب میں اپنی نظر میں گر چکا تھا کہ خوامخواہ پیتل نما سونے کی امید پہ مجھ سے کیا کیا حماقتیں سرزد ہو گئیں۔ چاچا بھی جان گیا کہ میں اس سے پکا پکا ناراض ہو چکا ہوں۔

● چاچی' کوزہ مصری ہری الاچی.....!

بہت سے دن آگے سرک گئے' سکول کی تعطیلات پہ میں اپنی بڑی آپا کے پاس ڈسکہ چلا گیا' مہینہ بھر ادھر گزار کر آیا تو ایک نئی خبر میری منتظر تھی۔ چاچا نے نواں شہر جموں سے ایک ڈوگری عورت کو مسلمان کر کے نکاح کر لیا تھا۔ میرے لئے یہ واقعی ایک حیران کن خبر تھی' اس بڑھاپے میں چاچا کو کیا سوجھی؟..... شاید وہ بھی اپنی جگہ صحیح تھا۔ اولاد تو کوئی تھی نہیں جو اس کی خبر گیری کرتی۔ پھر اس کے شوق شغل بھی ایسے کہ کوئی قریب نہ پھٹکے۔ ان حالات میں کوئی نہ کوئی تو اسے چاہئے تھی جو اس کا مردہ سنبھالتی — میں نے اب اس کے متعلق سوچنا اور جاننا بھی چھوڑ دیا تھا کہ خبر سن کر میرے اندر کھد بھد ہوئی۔ میں دھڑکتے دل سے چاچا کے ہاں چاچی لے کر آیا۔ میں اوپر چلا گیا' دیواری جھریوں سے ادھر تاک جھانک کی مگر وہ چاچا نہ چاچی۔ دونوں کہیں دکھائی نہ دیئے۔ ایک آدھ دن مزید گزر گیا۔ ایک صبح ماں جی اوپر کوٹھے پہ کریلے دھوپ میں رکھنے آئیں تو میں نے ماں جی سے نوہ بیٹے کی خاطر پوچھا۔

''ہماری چاچی کیسی ہے.....؟''

''کاکا! میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ تمہارے لگتے چاچے نے ساری زندگی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا' بس الٹر بلٹر باوا ہی بنا رہا۔ اچھا ہوا اس مرنے والی نیک بخت کا پلہ پاک ہوا' اس کلموہے نے اسے زول کر رکھ دیا ہوا تھا۔ اب تمہارا یہ بھرا اونٹ چاچا پہاڑ تلے آیا ہے' کسی بلونگڑے کی طرح اس کے آگے بچھا رہتا ہے.....''

''ماں جی! چاچی کیا بہت خوبصورت ہے؟''

''وہ تو پریوں سے زیادہ خوبصورت ہے' بڑی نیک اور اللہ والی ہے۔ دیکھ لینا' نگر کو کیسا سیدھا کرتی ہے — ہندو رہتی تھی نواں شہر والے سائیں نیاز محمد کی ماننے والی۔ رب نے ایسی آنکھ کھولی کہ مسلمان ہو گئی' وہیں سائیں جی کے ڈیرے پڑی اللہ اللہ کرتی رہتی تھی۔ نگر بھی انہیں کا مرید ہے' نواں شہر گیا

[illegible] سرکار سے دعا کے لئے عرض گزاری اور اپنی بیوی کے مرنے کا بھی بتایا۔ سائیں جی نے دعا بھی [illegible] وہیں نکاح بھی پڑھا دیا۔ اب دیکھ لینا' یہ لنگر سب خراب دھندے چھوڑ کر پکا حاجی نمازی بن جائے گا۔"

"ہاں جی! اور تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن چاچا لنگر کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔"

"کاکا! ایسے نہ بول۔ رب سوہنا جسے چاہے' جب چاہے ہدایت دے دے۔ اس کو تو سائیں [illegible] نے یہ بھی بشارت دی ہے کہ رزق حلال کما' اللہ کی بندگی کر۔ اپنی بیوی کو خوش رکھ اسی کے بطن سے تیری نسل چلے گی۔" میں ماں جی کی باتیں سن کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی اتنی میں آیا کہ ابھی [illegible] پاس پہنچ کر اس سے صلح کر لوں' نئی چاچی کو دیکھوں۔

"ماں جی میں ذرا چاچی کو دیکھ آؤں۔ آپ نے اس کی اتنی تعریف کی ہے۔ دل چاہتا ہے [illegible] کہ وہ کون سی چاچی ہے جو چاچا لنگر جیسے سیڑھے انسان کو سیدھا کر سکتی ہے۔"

"وے ناشکرا ناولا نہ ہو۔ آج شام ہم نے تمہاری نئی چاچی کی دعوت کی ہے۔ وہ نہیں آ جائے [illegible] کر کے دیکھ لینا لیکن زیادہ چھیڑ چھیڑ مت کرنا۔"

مغرب [illegible] چاچا [illegible] ہاں [illegible] ساتھ تھی۔ چاچا [illegible] چاچی پر جب نگاہ پڑی تو میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ چاچی کا قد ایسا تھا کہ اسے دنیا کی کسی [illegible] سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی تھی نہ تو بونا قد کہا جا سکتا تھا اور نہ سرو قامت' ایک لمحے کے لئے تو مجھے یوں محسوس [illegible] جیسے چاچی کے پاؤں پاتال میں گڑے ہوں اور سر کہیں اوپر بادلوں اور فضاؤں کو چیرتا ہوا ساتویں [illegible] پر جا لگا ہو۔ دوسرے لمحے پھر وہ یوں دکھائی دی جیسے شمال جنوب کو اپنے بازوؤں سے علیحدہ [illegible] ہو پوری دنیا لمبائی چوڑائی اور اونچائی میں اس کے وجود سے بھری ہوئی ہو اور جسم تو وہ بھی کچھ [illegible] سے آسان اور عام لفظوں میں بیان نہ کیا جا سکے' جیسے اس کا پیکر گلیشیئر کے کسی شفاف سے ٹکڑے [illegible] ہو۔ دیکھو تو آر پار ہوتے ہوئے نگاہیں جم سی جائیں' ساتھ جڑے لمحے یہ احساس بھی ہوا کہ [illegible] قدرت نے سراپا جیسے کسی آتش فشاں کے گرم گرم لاوے کے آتشیں کرشمے سے ابھی ابھی جدا ہوا [illegible] ہو۔ [illegible] چہرہ عجیب سا ابھرتا ڈوبتا سیماب کی مانند سرسراتا ہوا کہیں سورنگا۔ چیچک کے سنہری داغ [illegible] نہ ہوتے تو شاید چہرے پہ چندرما کی یہ چم چم نہ ہوتی۔ سیاہ کالے لمبے بال' ایک آنکھ کول اور [illegible] قدرے لمبی جسے عام آنکھ رکھنے والا محسوس نہیں کر سکتا۔ اک عجیب سی شخصیت تھی جیسے وہ عورت نہ ہو [illegible] ہو اک جاقتور مقناطیس ہو۔ دیکھنے والا نگاہیں ہٹانا بھی چاہے تو ہٹا نہ سکے۔ عام انسانوں سے

UrduPhoto.com

ہٹ کر یقیناً اس میں کوئی خاص بات تھی جو مقابل کو مسحور کر دیتی تھی۔ اس سحر سے نکل کر چاچا کی جانب دیکھا تو وہ بھی اک عجیب سی شے دکھائی دیا۔ سر پہ نماز والی ٹوپی' شانے پہ تولیہ' مسکینوں کی سی صورت' چہرے پہ بڑا گہرا انکسار اور عاجزی جو چندہ مانگنے والوں کے چہروں پہ ہوتی ہے۔ اسے دیکھتے ہی میری ہنسی کھنک گئی۔ چاچا میری جانب اور میں اسے دیکھ رہا تھا..... جب وہ دونوں چارپائی پہ بیٹھ گئے تو چاچا نے آنکھ کے اشارے سے میری توجہ چاچی کی جانب مبذول کروائی' شاید اس کا مطلب یہ پوچھنا تھا کہ کیسی ہے تمہاری چاچی؟ تھوڑی دیر بعد چاچا وہاں سے اٹھ کر میرے پاس آ بیٹھا' موقع پاتے ہی میرے کانوں کے پاس ہونٹ لا کر ہولے سے کہنے لگا۔

''یار' کاکا! کوئی مار سونے دونے اور ناراضی کو... پھر سے دوستی کی۔''

چاچی میری جانب پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی مگر میں چاچی کی طرف دیکھنے سے اجتناب برت رہا تھا۔ شاید میری ظاہری آنکھ اس کی پُراسرار سحر انگیز شخصیت کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی تھی' لیکن میرے باطنی وجود کی اربوں کھربوں آنکھوں کا محور و مرکز وہی تھی۔ جیسے صدیوں پہلے کے ہم اک دوجے کو جانتے ہوں۔ ہماری ایک نہیں' کئی ایک قدریں مشترک ہوں۔ ہم دونوں کا کچھ سا کھانا چاچی کی جانب سے توجہ ہٹانے کے لیے چاچا نے یوں چاچے سوال کر دیا۔

''چاچا! شادی سے پہلے تم نے چاچی کی آنکھیں دیکھی تھیں؟''

''یار! آنکھیں تو ایک طرف' میں نے تو تمہاری چاچی کو بھی نہیں دیکھا... بس مرشد پاک کا حکم تھا' سر جھکا کر حکم کی تعمیل کی اور شادی ہو گئی۔''

میں نے چاچی کے صدقے چاچا سے اپنی جان چھڑا لی۔ میں بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ چاچی باتیں تو میری امی سے کر رہی ہے۔ لیکن بہانے بہانے چور نظروں سے مجھے بھی دیکھتی جا رہی ہے۔ ایک آدھ بار میری نظریں بھی اس کی فسوں بار نظروں سے ٹکراتے ٹکراتے بچیں' ہر بار میرا دل بلیوں اچھل کر حلق میں اٹکنے آ رہا تھا۔ بہرحال مجھے چاچی اچھی لگی تھی... کھانا کر فارغ ہوئے تو ابا جی اور چاچا حقہ لے کر پرے بیٹھ گئے' امی برتن سمیٹنے میں لگ گئیں۔ چاچی فوراً موقع محل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے پاس آ بیٹھی اور میرا دل تھا کہ حلق میں آ کر اٹک گیا۔ میں بھونچکا سا اٹھنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ چاچی نے موتیے کے پھول سا مومی ہاتھ میرے شانے پہ رکھ دیا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں قاقمہ سے بنی ہوئی عورت کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔ دودھ کھوئے' روح کیوڑہ' کوزہ مصری اور زعفران کی ملی جلی خوشبو میری روح میں اترنے لگی۔ مٹھاس' مہک اور ایک دل آویز سی لذت کے احساس سے میرا

UrduPhoto.com

[illegible] ہو گئیں۔ اب اس نے اپنی گھن سے پوٹے پوٹے ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں واضح طور پر [illegible] رہا تھا کہ جیسے غیر مرئی سی سرسراتی لہریں میرے جسم میں سرایت کر رہی ہیں۔

● کا کا کیا کیا کیوں کیوں دا راگا.....!

اچانک چاچی نے ڈھیر بھرے انداز میں میرا منہ چوما پیار کیا۔ کہیں دور سے آتی ہوئی مترنم [illegible] آواز۔

"کا کا! ہم سے بات نہیں کرو گے.....؟"

میں بوکھلایا گھبرایا ہوا پیچھے سے جیکا ہوا سچ سے سنا ہی نہیں تھا کہ اس نے مجھے "کا کا" کہا ہے [illegible] میں ہاتھ چھڑا کر اٹھنا چاہ رہا تھا کہ اس نے مجھے پکڑ اپنی گود میں بٹھا کر بازوؤں میں بھر [illegible] چیخ زور دار دو تین بوسے داغ دیئے بڑی دلربائی سے بولی۔

"کا کا! اب بھی اگر ہم سے بات نہیں کرو گے تو [illegible] رہو گی"

میں کیا بولتا [illegible] میری [illegible] ہی بند تھی [illegible] میں [illegible] ایسا بھی [illegible] وہ مجھے یوں [illegible] اٹھا کر گود میں بٹھا لیتی لیکن اس کا والہانہ انداز ہی ایسا تھا جیسے میں کوئی دودھ پیتا بچہ [illegible] اور باہر کہتے تو مجھے سب کا کا ہی تھے مگر میں اپنی عمر علم اور زمانے کے حساب سے بہت آگے کی [illegible] رہتا تھا۔ آگ کو صرف دیکھ کر محسوس کر کے ہی نہیں بلکہ آگ [illegible] ہاتھ دامن جلا کر جانے کا [illegible] تھا۔ طوطوں کے بچے اڑانے کے چکر میں کئی بار طوطوں سے انگلیاں کٹوائیں بھڑوں کے چھتے [illegible] ہوئے ناک منہ آنکھیں ڈنکوں سے برابر کرائے امرودوں جامنوں آموں کے درختوں سے گر کر [illegible] ٹانگیں۔ شیخ مولا بخش کے تالاب میں دو دفعہ ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ جن چڑیلیں دیکھنے قابو کرنے [illegible] میں قبرستانوں میں راتیں گزاریں۔ الو کی چونچ ہدہد کے پر اور ہما کی تلاش میں جنگلوں بیلوں [illegible] چھانی۔ اسم اعظم سیکھنے کے لئے حافظ صاحب اور شاہ صاحب کی معیت میں کئی کئی ہفتے جو شہد [illegible] کے گھونٹ پر روزے رکھ کر وظیفے کئے چلے کاٹے اور تو اور چاچا نکر سے قریب قریب کیمیا گری بھی [illegible] ہو جاتا اگر پرانی چاچی نہ مرتی۔ ایسے خرافات برفن مولا چاروں کھونٹ کے کھوچل اور رنگ باز بظاہر [illegible] کوئی دودھ ملائی سے بنی ہوئی عورت گود بٹھائے اور چوما چاٹی کرے تو دونوں کا اللہ حافظ ہے [illegible] کس خاموش اور سراسیمہ سا محسوس کرتے ہوئے اس نے حکمت عملی سے میرا منہ کھلوانے کی بڑی

UrduPhoto.com

خوبصورت کوشش کی کہنے لگی۔

"کلمہ شریف آتا ہے.....؟"

بسم اللہ شریف پڑھ کر میں نے پورے کلمے پوری صحت سے سنا دیئے۔ پھر اس نے مجھے سے دعائے قنوت آیت الکرسی سنی۔ میں تو اب شروع ہو چکا تھا سامنے مودب کھڑے ہو کر سورۃ یٰسین بھی بغیر کسی ہلکی غلطی یا لغزش سنا دی۔ سورۂ رحمٰن شروع کرنے سے پہلے ہی اس نے مجھے لپٹ کر پھر گود میں بھر لیا اور میری امی سے صاف کہہ دیا کہ بھابی جی! یہ آج سے میرا منہ بولا بیٹا ہے۔

اس دن کی آنے والی رات میرے لئے اک عجائبات کی بارات ہی تو تھی! چاچی تو جیسے میرے زوم زوم کا قبلہ سیدھا کرتی تھی۔ کھلی آنکھیں وہ سامنے بند آنکھوں میں وہ موجود۔ ہر پہلو ہر کروٹ ہی مستقل ہوتی۔ مکان وہی کائی کی کھنکھناتی مسجد۔ گدڑے کھدے ہاتھوں کا گداز بادلوں میں تحلیل ہوتا ہوا دودھیا نورانی ہاتھ پا۔ روح کے اندر دور تک جھانکتی ہوئی آنکھیں۔ نیند برف زاروں میں کافوری دھوئیں سے ابھرتے ادھے تیب و غریب معبد۔ اونچی نیچی گھاٹیوں کے اندر بنی ہوئی اندھیری گپھائیں بادلوں سے اترتے ہوئے معلق جھولے اور ان کھولے۔ چلتے کے پاؤں میں اودھے بنفشی ہرے پیلے [illegible] میں پاؤں [illegible] دیکھتا رہا۔ جسم تھکاوٹ اور بے آرامی سے چور چور تھا۔ آنکھوں کے تھروے تحیرات اور انبساط کی پروائی سے کبھی کھلے کبھی بند۔ گرد و پیش اور اس کے تمام سلسلے جیسے جشن نوروز منا رہے ہوں۔ ایسی چکاچوند میں صبح کاذب کے آغاز دو بیدار ہوئے تو میں اٹھ بیٹھا۔ کوچے پہ دیوار کے ساتھ ساتھ [illegible] دیکھتا رہا۔ ٹہلتے ٹہلتے اپنے ہی سوراخ سے چاچا گلو کے گھر کی جانب جھانکا تو صحن میں تخت پوش پہ سفید لباس میں ملبوس چاچی شاید نوافل پڑھ رہی تھی۔ اتنی دور سے وہ مجھے کوئی غیر مرئی آفاقی مخلوق دکھائی دی جو صبح دم زمین پہ اتر آئی ہو۔ میری جلتی ہوئی آنکھوں پہ جیسے کسی نے کافوری ڈال رکھ دی تھی۔ جسم جیسے جاگ پڑا اور تمام تر تھکن دور ہو گئی ہو۔ الٰہی! یہ چاچی کیا چیز ہے اس نے تو مجھے جادو کر رکھ دیا ہے۔ میرے باطن کے اندر کوئی چیز اسے پکار رہی ہے جیسے کوئی پرانی شناسائی ہو۔ کہیں کوئی سانجھا یا کوئی ناطہ رہا ہو۔ سوچتے سوچتے میرا ماتھا چھوا۔ کھلی سی کھانسی کی آواز ابھری۔ چاچا گلو اپنی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ شاید اس نے مجھے دیکھ بھی لیا تھا۔ دیوار کی دوسری جانب سے آہستہ سے بولا۔

"کاکا! صبح صبح کیا ادھر دیکھ رہے ہو.....؟"

"چاچی کو دیکھ رہا تھا چاچا!" میرے منہ سے بے ساختگی سے نکل گیا۔

[illegible] کے اوپر سے زرافے کی طرح سر اٹھا کر رازدارانہ لہجے میں آہستہ سے بولا۔

"چاچی تمہیں اچھی لگتی ہے.....؟"

"ہاں چاچا! بہت اچھی لگتی ہے۔ لیکن چاچا! اس کی آنکھیں.....؟"

وہ میری آنکھوں میں اپنی بڑی بڑی آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔

"کاکا! میں نے ابھی تک اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھا ہی نہیں۔ وہ جب سے میرے [illegible] ہے اسی سوچ میں ہوں کہ میں اسے کس طرح سے شروع کروں۔ مجھے تو اس کا کوئی اتا پتا سیدھا نظر [illegible] آتا۔ تم سے لے کر جو ابھی تک اسے پہچانا تک نہیں سوچتا ہوں کہ کہیں میلی نہ ہو جائے۔ بیوی کی نظر سے [illegible] میں تو دل ڈوبنے لگتا ہے کہ کہیں اس کی توہین نہ ہو جائے۔" وہ صبح کے تارے کو ٹھہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کاکا! یار! میں کئی راتوں سے سو نہیں سکا۔ اب دیکھو تمہاری چاچی [illegible] ہے۔ فارغ ہوتی ہے تو قرآن شریف کھول کر بیٹھ جاتی ہے۔ [illegible] سے تھکتی ہے تو ایک [illegible] سنبھال لیتی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ میں نے کسی بیوی یا مولویانی سے نکاح کر لیا ہے۔"

میرے یار کاکا!" وہ روہانسو ہو کر کہنے لگا۔ "تمہاری چاچی نے میرا سارا [illegible] بدلنے کے [illegible] تو باقی نہیں [illegible] تم تو جانتے ہو کہ سونے کی تیاری میں اس ایک آدھ آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ کل تو میں [illegible] ہی سوچتا رہا [illegible] مرشد سرکار کے پاس جا کر اسے واپس کرا آؤں۔" وہ میرا بازو دبا کر بکری کی طرح ممیاتے ہوئے [illegible] کرنے لگا۔ "یار کاکا! مجھے تو اسے [illegible] کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔"

میری ہنسی چھوٹ گئی۔ ہونٹ دبا کر بڑی مشکل سے ضبط کی۔ ابھی کہنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے چاچی [illegible] ہوئی دکھائی دی۔ چاچی اوپر کیا چڑھ رہی تھی ایک قیامت تھی جو بام بالا کی جانب مراجعت کر رہی [illegible] کی زہرہ نگاہ آئینہ بدن کا وفور شوق دید میں کوٹھے پہ چڑھنا اور کسی جوان رعنا کا جرم الفت و محبت [illegible] پہ چڑھنا اپنے اپنے مقام پہ بڑا مزہ دیتے ہیں۔ چاچی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی ہم دونوں پاگلوں [illegible] میں ہوتا تو ہم دوسری جانب کی بالکنی میں اتر جاتے۔ میں ہاں دیوار تھا اوپر پہنچ کر چاچی نے [illegible] اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولی۔

"السلام علیکم! یہ صبح صبح چاچے بھتیجے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں!" پھر چاچا سے مخاطب ہوئی۔ "آپ مسجد جا کر نماز پڑھیں۔ اذان ہونے والی ہے۔" میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "کاکا! تم اندر آؤ۔ [illegible] وضو کرو اور آج سے تم میرے ساتھ نماز پڑھا کرو گے....."

UrduPhoto.com

مجھے یاد پڑا کہ چاچی نے ہمارے گھر میں بھی مجھے "کاکا" کہنے کی بجائے "کاکا" کہا تھا۔ چاچی مجھے کاکا کی بجائے "کاکا" کیوں کہتی ہے میں کچھ سمجھ نہ سکا تھا۔ نماز تلاوت کے دوران بھی چاچی مجھے کاکا ہی کہہ کر مخاطب ہوتی رہی۔ چاچی کی پہلے اور کون سی بات تھی جو میری سمجھ میں آئی تھی کہ اب کاکا والی بات بھی سمجھ میں آتی۔ پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ میں صرف اتنی بات جانتا تھا کہ کاکا ہندی کا لفظ ہے اور اس کے معنی کوے کے ہیں فارغ ہوئے تو چاچی مجھے حسب حال گم صم پا کر خود ہی گویا ہوئی۔

"کاکا! میں تمہارے لئے چورما بناتی ہوں۔ آج اور آئندہ تم ناشتا میں میرے ساتھ کیا کرو۔"

"چورما۔" میں نے زیر لب دہرایا اور پوچھا "چاچی! یہ چورما کیسا ہوتا ہے؟"

چاچی مجھے چومتے ہوئے خوش خوش کہنے لگی "کاکا! یہ چورما ہوتی ہے۔ جو سوتی اپنے مٹھوال اور ہیر اپنے رانجھن کے لئے اپنے ہاتھوں سے بنا کر لے جاتی تھی۔ اس چورمی میں گھی شکر اور باجرے کی روٹی ہوتی ہے اور چورما میں گھی ملائی شکر تل چھوہارے پستہ بادام چار مغز سونف لچھل کھانے اور چوکا آتا ہوتا ہے۔" میں ٹکر ٹکر چاچی کے شہابی چہرے اور پراسرار آنکھوں کی بصری تلاوت میں مگن تھا۔ "چاچی! میں تمہارے لئے چورما میں تمہارے لئے اپنے ہاتھوں سے تیار کروں گی۔"

جواب میں مجھے کوئی اور بات تو نہ سوجھی یونہی بات چلانے کی غرض سے پوچھ لیا۔

"چاچی! تم مجھے کاکا کیوں نہیں کہتیں کاکا کیوں کہتی ہو۔ کیا تمہیں کاکا کہنا اچھا نہیں لگتا؟"

وہ مسکرائی جیسے کپاس کا شگوفہ چٹکا ہو۔ دھیرے سے بولی۔

"تم سب کے لئے کاکا ہو مگر تم میرے لئے کاگا ہو۔"

"میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔" میں یونہی اسے بٹ بٹ دیکھنے لگا۔

"اسی لئے تو ناشتے میں تمہیں چورما شروع کروا رہی ہوں کہ کاکا چورما بڑے شوق سے کھاتا ہے۔ اب ہر روز صبح ناشتے میں چورما کھاؤ گے تو پھر دھیرے دھیرے میری سب باتیں خود بخود ہی سمجھ جایا کرو گے۔"

"میری اچھی چاچی! ابھی صرف کاکا والی بات سمجھا دو باقی اور باتیں میں چورما کھا کر سمجھ لیا کروں گا۔" میں نے خوشامد کی۔

چاچی نے آنکھیں بند کر لیں صرف کول آنکھ تھوڑی سی نیم وا تھی۔ جیسے کنویں سے بول رہی ہو

UrduPhoto.com

"بسم اللہ الرحمن الرحیم ..... یہ انسان جو دنیا میں ہے وہ کسی نہ کسی چوپائے دو پائے رینگنے والے
اڑنے والے جانور کی جبلت پہ پیدا ہوا۔ جہاں یہ انسان اشرف المخلوقات ہے وہیں اپنی
حیوانی جبلت کی بنا پہ افضل اور اسفل درجات کا حامل بھی ہے۔ انسان تمام عمر اپنے اسی جبلی
تشخص کے مطابق عمل پیرا رہنے پہ مجبور ہے۔ اس کی یہ اچھی بری سعد نحس جبلی خصلت اس کی سوچ بچار
اور روزمرہ کے دیگر عوامل پہ اثر انداز ہوتی ہے۔ کوئی شیر ہے تو کوئی محض گیدڑ، کوئی لومڑی خصلت
ہے تو کوئی ہرن کی مانند بھولا بھالا ہے۔ کوئی شکرا تو کوئی کوا ہے اور بالکل اسی طرح کوئی مچھلی
جیسا گدھ الو اور کوئی بکری کی طرح بزدل....."

میں تو کوے یعنی "کاکا" میں پھنسا ہوا تھا۔ میں اپنے اندر کی اور اپنی کوئی کوے کی عادت
سے چھوٹنے کی کوشش کر رہا تھا جس کی وجہ سے چاچی مجھے کاکا کہتی تھی۔ چاچی کی بات ابھی ختم نہیں
ہوئی تھی کہ میں بول پڑا۔

"[illegible] میں کاکا [illegible] اور بدبو دار ہوتا ہے۔
[illegible] کوئی بھی چیز اڑا لی۔ یہ تو میرے ساتھ بہت زیادتی ہے۔" میں
[illegible] ہوئے منہ بنا لیا۔

"کاکا! میں ابھی تمہیں کچھ بھی بتانا نہیں چاہتی تھی یہ سب پورے ہونے کے بعد شروع ہوتا تھا۔ تم
نے [illegible] مجھے بتانے پہ مجبور کیا اور اب ناراض ہو رہے ہو۔ کیا یہ بہت زیادتی نہیں؟"

یہ سن کر میں بیٹھ گیا لیکن منہ سورے رہا۔ چاچی اب قدرے سنجیدہ ہو رہی تھی، کہنے لگی۔

"کوے ..... اور کاکا میں بھی زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کوا جب موت، ماس اناج، گندہ مندہ
[illegible] پیٹ میں اتار لیتا ہے۔ یہی کوا مزید ذہین اور چکر باز ہوتا ہے ..... کاکا تو پل کی خبر لاتا ہے۔ یہ
[illegible] تک سے تار ہلاتا ہے جانداروں میں سب سے لمبی عمر پاتا ہے۔ اس نے ہابیل قابیل والے
[illegible] معاملہ میں قبر کشائی کا طریقہ سمجھایا [illegible] نوح علیہ السلام کی رہبری کی، خضر علیہ السلام کی خبر دی۔
[illegible] آب حیات چکھا۔ کوہ قاف پہ اڑان بھری، سیف الملوک میں اٹکھیلیاں لگائیں۔ تن من کا
[illegible] موافق نہیں ہوتا ..... میرے بابا نے مجھے نصیحت کی کہ کاکا، کبوتر اور کتا جہاں ملیں
[illegible] بھی پاؤ انہیں محروم دو۔ اگر ان کی صرف ایک ایک خوبی خصلت بھی اپنا لو تو تمہارے
[illegible] پار ہو جاؤ گے۔ اس کی رضا، اور صبر صادق، توکل، قناعت کا مل جانا کیمیا"

میں گستاخی کرتے درمیان میں بول پڑا۔

"چاچی! میں یہ اونچی اونچی باتیں نہیں سمجھ سکتا۔ میں جا رہا ہوں میرا سر درد کرنے لگا ہے۔"

چاچی نے شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے درد کافور ہو گیا ہو۔ ان کی کہی ہوئی ادق ادق باتیں اپنے آسان ترین مفہوم کے ساتھ میری سمجھ میں آ رہی ہوں۔

"کاکا! آئندہ ایسا مت کہنا یہ سب ادبی ہے۔ ہم بابا جی کے سامنے ایسا نہیں کر سکتے تھے۔"

"یہ بابا کون ہوتے ہیں؟" میں نے نیا شوشا چھوڑ دیا۔

"بچے" کاکا" کو تو سمجھو۔ پھر خود بخود ہی پتہ چل جائے گا کہ بابا، مرشد، پیر یا استاد کون ہوتے ہیں۔ ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ ہر انسان کی زندگی میں ایک دبلت پہ ہوتا ہے۔ جو نظر والے ہیں، مقابل کو دیکھ کر اس کے "جاؤر" کو پہچان جاتے ہیں۔ وہ پھر اسی دبلت سے اس سے مذاکرات یا معاملات کرتے ہیں۔" وہ سمجھانے کے انداز کو آسان تر کرتے ہوئے بتانے لگی۔ "اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارے سامنے ایک سانپ یا بچھو بیٹھا ہوا ہے تو تم یقیناً اس کے آزار سے خود کو محفوظ بنا لو گے۔"

UrduPhoto.com

• بابا

"کاکا! ایک دو دن اور ایک پہر کم چالیس برس پیچھے جب میں سات برس کی چھوکری تھی اپنے ماتا پتا کے ساتھ ڈرکا مائی کے کھیت پہ آئی تھی۔ جہاں ایک ٹیلے کے پاس ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اس میں ستر گھر تھے سات مسلمانوں اور باقی ہم ہندوؤں کے تھے۔ ہم اونچی جات کے پنڈت برہمن تھے۔ پنا تی بستی کے کلیا تھے اور مندر کے پنڈت پروہت بھی۔ ہوں سے اشارہ کوس پچھم کی جانب پرم پوت ایک مسلمان فقیر کا استھان تھا جو ہماری راہ میں پڑا تھا۔ ہمارا پریوار ایک بیل گاڑی پہ سوار تھا۔ پہاڑی علاقوں میں شام اترتے ہی اندھیرا چھا جاتا ہے سردی یا بارش ہو جائے تو دھند بھی گہری چادر تان لیتی ہے اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ آڑے ترچھے اونچے نیچے پہاڑی راستوں پہ سفر جاری رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا ہے۔ میں تو ماتا کی گود میں دبکی نیند میں لچی سو رہی تھی۔ اچانک اندھیرے میں بیل کی چیخ کو دیکھ کر بدک گیا سرپٹ دوڑا بھاگا تو آگے موڑ پہ سیدھا کھائی میں گاڑی سمیت گر گیا۔ ماتا پتا اور گاڑی والا بیل سمیت سب جل بھسم ہو گئے۔ میں کے تیل کی لالٹین ہو گاڑی کے کھلے پہیوں پہ لٹک گئی تھی۔ تین دن چار گھنٹے جب ہوش پہ آمد رفت شروع ہوئی۔ تو لوگوں کو آدھا جلا ہوا بیل

[illegible] تھی منٹوں کی جلی ہوئی ہڈیاں تھیں۔ نہ کسی کو خبر کہ یہ کون لوگ تھے کہاں سے آئے اور کدھر جا رہے تھے؟ جانے موقع سے مشکل تھی چوراہے پر ایک فقیر نے اپنے بابے کے حکم پر فوراً ساری [illegible] کے ڈھیر پہ جا دو وہاں چیخ کے جھاڑ میں ایک کبوتری الجھی پڑی ہے اسے بچانا لازم ہے۔"

چاچی یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی۔ میں ایک جامد و ساکت بچے کی طرح بغیر پلکیں جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر سب واقعے کی فلم میرے سامنے چل رہی تھی۔ مجھے یہ تک محسوس ہوا کہ میں خود بھی اس [illegible] گاڑی میں سوار تھا۔ کرتے ہوئے جیسے میں خود بھی درخت کے جھاڑ میں الجھ گیا تھا۔ چلتے ہوئے بے [illegible] انسان ان کی آوازیں، بابا کا کرنا، پتھروں سے سر پھوڑنا اور پھر ہڈیوں اور گاڑی کی [illegible] چاچی کا جھاڑ جھنکاڑ کے جلنے کی آوازیں۔ [illegible] میں نے یہ بھی دیکھا کہ [illegible] سیاہ پوش ننگے سر ننگے پاؤں بے خوف و خطر آیا درخت پہ چڑھ کر اس نے مجھے اتارا۔ میں تکلیف سے [illegible] کیونکہ میری دائیں آنکھ کے پاس کسی جھاڑی کا کانٹا گھسا ہوا تھا۔ مجھے وہ سیاہ پوش بڑی حفاظت سے فقیر کے ڈیرے تک لایا۔ فقیر نے فوراً مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا۔ آنکھ سے کانٹا کھینچ کر انگلی سے [illegible] لگا کر میری آنکھ [illegible] بائیں آنکھ [illegible]

UrduPhoto.com

"کاکا! [illegible] تم بھی تو وہاں تھے تمہاری اسی آنکھ میں کانٹا گھسا تھا....."

آگے بڑھ کر چاچی نے میری زخمی آنکھ چوم لی مجھے عجیب سی ٹھنڈک اور تسکین کا احساس ہوا۔ یہ وہ شدید جھٹکے سے لگے جیسے آنکھ سے [illegible] کوئی [illegible] حرکت [illegible] ہو رہی ہے اور پھر ہلکا سا درد ابھرا۔ میں نے گھبرا کر آنکھ پہ ہتھیلی رکھ دی۔ چاچی نے نرمی سے لعاب لگا کر میری ہتھیلی اور آنکھ کے کونوں پہ [illegible] چار لمحوں بعد میں نے ہولے سے آنکھ کھولی۔ میرے سامنے کبوتری اور چاچی دونوں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بائیں میں کبوتری دائیں میں چاچی۔ اگلی دونوں آپس میں گڈمڈ ہو جاتیں۔

"چاچی! یہ کیا..... میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

"ہاں کاکا! تم ٹھیک دیکھ رہے ہو۔ میری کایا کا یہی ایک روپ ہے۔ بڑی اشرفی کبوتری! یہ وہاں تک بھی پرواز کر سکتی ہے جہاں یہ بھی اشرفی کی مانند [illegible] پر [illegible]"

"چاچی! کاکا تو وہاں تک پرواز نہیں کر سکتا نا.....؟"

"کاکا [illegible] پوچھو کہ کہاں تک پرواز نہیں کر سکتا۔ کاکا تو سیاہ پوش [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] کیا [illegible] چاچا [illegible] بے چین اور بے قرار رکھتی ہے [illegible] ہم "ماں کاں" کہتے ہیں۔ وہ "کیا کیا" کہیں

کیوں" ہے۔ وہ ہر شے کو جانتا رہتا ہے۔ یہ "موذن ازل" اسے ازل اور ابد کا گیان ملا۔ اسی نے اسے ہست اور مست کا فلسفہ سمجھایا۔ یہ چھین اور اچک لینا ہے نا کتا نہیں۔ یہ گھر در کا قاتل نہیں یہ رنگ روپ کا چولا نہیں بدلتا۔ کتا، کبوتر رنگ سنگ بدلے مگر کاکا کا کا رہا کبھی نہ بدلے۔ یہ زیرک درویش مرنے کے بعد دفن کیا جاتا ہے..... کتا روڑی، کبوتر شلجم اور کاکا گورکھورا....."

"وے کاکا !"

امی کی آواز مجھے جیسے کوہ قاف سے واپس کھینچ لائی تھی۔ صبح کا اجالا پھیل چکا تھا۔ امی ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلا رہی تھیں۔ چاچی نے آگے بڑھ کر سیڑھیوں پہ جا کر امی کو سلام کیا اور بتایا کہ کاکا نماز اور تسبیح میری ساتھ پڑھی ہے کل سے انشاء اللہ قرآن پاک بھی پڑھا کرے گا اور ہاں کاشتا تو یہ میرے ساتھ ہی کیا کرے گا۔ امی کو اور کیا چاہئے تھا وہ تو یہی چاہتی تھیں کہ میں ایک نیک دیندار بچہ بنوں اور کسی طرح سے میری آوارگیاں، بدمستیاں اور ناک میں دم کر دینے والی شرارتیں ختم ہوں۔ امی کے باوجود امی اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اللہ آپ کو خوش رکھے اور اسے نیک بنائے۔ یہ بات صاف صاف کہہ دینا اپنا فرض سمجھتی ہوں بعد میں مجھے کوئی گلہ نہ ہو۔ آپ بھی اسے ٹھیک سے جانتی ہیں یہ بڑا شرارتی، مکار اور ترفوں کا ماہر شیطان ہے۔ اکلوتا بچہ ہے ہمارے بے جا لاڈ پیار اور دلار نے اس کا دماغ بھی خراب کر دیا ہوا ہے۔ بچپن سے اسے چوری کی عادت بھی پڑ گئی ہوئی ہے۔ وقت زیادہ مندہ لگا کیں آپ کی مرضی۔ جیسا میرا خیال تھا....."

چاچی نے بات ہنسی میں ٹالتے ہوئے کہا۔ "بھابی جی! اس عمر میں بچے ایسے ہی ہوتے ہیں....." وہ مجھے پچکارتے ہوئی بولی۔ "آپ بالکل فکر نہ کریں..... یہ بچہ تو بہت اچھا اور بلا کا ذہین ہے۔ اسے پڑھنے لکھنے علم سیکھنے کا بہت شوق ہے۔ آپ اسے اللہ اور میرے سپرد کر دیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تمہاری زبان مبارک، اللہ کرے ایسا ہی ہو..... میں تو ہر وقت اللہ سے یہی فریاد کرتی رہتی ہوں بڑھاپے میں دیا ہے تو بس تو ہی اس کا نگہبان ہے تو ہی اسے اپنا نیک بندہ بنا دے۔ اسے اپنے ماں باپ اور خاندان کا نام روشن کرنے والا کر دے۔"

"آمین !" کہہ کر امی اپنے سر پہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے اٹھیں اور اپنے صحن میں اتر گئیں۔ چاچی زبردستی مجھے اپنی کمر پہ لاد کر واپسی تخت دراز پہ آ گئیں۔ میں کسمسا کر سامنے دیوار پہ نظریں جھکا

UrduPhoto.com

ہوا۔

"چاچی! تم نے امی سے سن لیا کہ میں کیا ہوں، کیسا ہوں ... اور چاچی! یہ تمہاری باتیں ایسی میں نے کبھی کسی سے نہیں سنیں۔ یہ کس طرح کی باتیں ہیں جنہیں سن کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ہی باتیں کر رہا ہوں۔ جیسے یہ ساری باتیں، یہ سب کچھ میرے اندر موجود ہوں ... چاچی! آپ کے پاس یہ سب کچھ کیسے آیا؟ کہاں سے ملا؟ عورتیں تو ایسی باتیں نہیں کرتیں۔ میری امی، میری دادی، نانی، ممانی، محلے کی عورتیں۔ ہزاروں عورتوں کی میں نے باتیں سنی ہیں۔ چغلیاں، بدگوئیاں، کوسنے، طعنے اور بیکار دنیا بھر کی باتیں ... تمہاری ایسی من موہنی، سوہنی سوہنی، دل و دماغ میں خوشبو کی طرح مہکنے والی باتیں اس دنیا سے پرے کسی اور جہان کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔"

چاچی دلفریب ملکوتی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری باتیں سن رہی تھی۔ پھر پیار سے میرے پھولے ہوئے گال پر چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔

"زیادہ کیا کیا، کیوں کیوں، کا کیں کا کیں نہ کر کا کا ...!"

چاچی گھر سے نہا دھو کر آئی تھی۔ چاچی جیسے نیا نیا مسلمان ہوا تھا۔ داڑھی کا فٹ بھی نکال لیا تھا۔ سر پر سفید براق ٹوپی، صاف ستھرا لباس، نہانے سے نکھرا ہوا چہرہ، اب ولیے اور چال ڈھال میں بھی ایک نمایاں فرق ظاہر تھا۔ پاس بیٹھتے ہوئے چاچی کی نظر بچا کر مجھے ایک آنکھ نکالی، پھر شرارتی لہجے میں کہا۔

"کا کا! بڑے خوش قسمت ہو چاچی تمہیں بہت چاہتے ہیں۔ اب سے تمہاری گھر سے ہو کر آئی ہے، تمہارے ہی گلے پڑتی رہتی ہے ..." قہقہہ لگاتے ہوئے کہنے لگا۔ "لو تمہاری چاچی اور تمہارے لئے حلوہ پوری اور قتلمے کا ناشتہ ... اور ہاں کا کا یار ..." چاچی پتا نہیں اور کیا کہنا چاہ رہا تھا کہ میں نے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

"چاچا! آئندہ تم مجھے "کا کا یار" نہیں کہو گے بلکہ بڑے احترام سے کا کا جی پکارو گے ورنہ مجھے بھی آنکھ مارنے لگے یہ بڑی نامناسب باتیں ہیں ..."

چاچا ایسے پھاڑے مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ یہ بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی اس لئے جھجکتے ہوئے بڑے کرب سے بولا۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کا کا ...؟"

"کا کا نہیں ... کا کا!" میں نے "کا کا" پہ پورا زور دیتے ہوئے تصحیح کی۔

چاچا نے مجھے طرح لگاتے ہوئے پوچھا۔ "بڑے میاں! یہ کاکے کی بجائے "کاکا" کیوں کہوں ہمیشہ ہم سب تمہیں کاکا ہی کہتے چلے آئے ہیں۔" پھر وہ اپنی چندی چندی آنکھیں میری آنکھوں میں گاڑتے ہوئے بولا۔ "اور بڑے بھائی! یہ احترام وترام کا کیا چکر ہے اور یہ احترام کہ میں تمہیں آنکھ مارتا ہوں تب بھی میری بائیں آنکھ ویسے ہی پھڑپھڑاتی رہتی ہے۔ تم وہ روز چاچی کی گود میں کیا بیٹھے کہ صاحبزادے کا دماغ ہی ساتویں آسمان پہ جا اٹکا!" وہ پیار سے میرا کان اینٹھ کر پوچھنے لگا۔ "پہلے تم مجھے کاکا کا بتاؤ کہ یہ کیا ہے؟"

"چاچا! تمہیں مگر کا تو پتا ہے کاکا کا پتا کیوں نہیں۔۔۔؟"

چاچا مجھے ناول سنانے کے لئے آگے بڑھا تو میں وہاں سے اڑنچھو ہو چکا تھا۔

چاچی تو اس گھر میں جیسے گھسی پڑتی اور آنکھ کی چھایا لے کر نکلی تھی۔ ایک آدھ مہینے میں تو ہاتھ پاؤں لگی مہندی بھی رنگ نہیں چھوڑتی۔ چاچی نے چاچا اور گھر کی ایسی کایا پلٹ کی تھی کہ ان گنت صدیوں کے پیچ و خم سب ٹوٹ گئے تھے۔ کہاں پہلے اس گھر کی ہر چیز سے بھسے کا گاڑھا دھوئیں کا پیچ پا رکھتے تھے [illegible] اس گھر کا پکا پیچ تو کوئی فتح نہیں [illegible] کی گڑگڑاہٹ [illegible] ایسی [illegible] کہ جیسے پورے کا مہمان بن گیا اور گھر والا جو سدا کا [illegible] تھا اور جو ہمہ وقت سوتا جاتے جاتے خود ہی چھلانگ مار کر گیا تھا اب چاچی کی جوتی کے صدقے گھر [illegible] کا سوکھا [illegible] کہتے ہیں کہ عورت چاہے تو سوئی کے ناکے سے گھر بنا لے اور چاہے تو اسی سوئی کے ناکے سے اسے اجاڑ دے۔ چاچی چاچے کے لئے ایسی بھاگوان عورت ثابت ہوئی کہ اب گھر کی ہر چیز میں اسے معتبر سمجھا جانے لگا۔ محلے بھر کی لڑکیاں بالیاں بچے بچیاں سگھڑاپے اور دین داری سیکھنے کے لئے یہاں آنے لگیں۔ چاچی کی دینداری، سمجھداری، عقل اور دل میں کھب جانے والی شخصیت، تہذیب کا شہر کی کافوری قندیل کی سحر کن دھیمی دھیمی روشنی کی مانند پھیل چکا تھا اور [illegible] خود شیطان کے ناخنوں سے [illegible] ہوا کہ بچے موتیے والا آنکھ میں رکھنے تو محسوس تک نہ ہو۔ میرا ناشتے والا چورما تو پہلے سے دوسرے روز ہی شروع ہو گیا تھا۔ چاچی اپنے کسی نسخہ خاص سے صبح نماز کے فوراً بعد تیار کرتی۔ چاچا اپنے ہاتھ سے کھاتا۔ چاچی اپنے پیارے ہاتھ سے پہلے مجھے کھلاتی پھر خود بھی کھاتی۔ چاچے کا حقہ توڑ پھوڑ کر پھینک دیا گیا تھا۔ چاچی کی ضد تھی کہ صاحب عالم صاحب عالم نہیں ہو سکتا۔ چورمے کا اثر یا چاچی کی شخصیت کا تصرف کہ چاچے نے پچاس سال کا حقہ چھوڑ دیا۔

ہے اور تاش کی بیٹھکیں بھی ختم ہو گئیں۔ چاچے کا سونا بنانے کا جنون بھی ایک عجیب واقعہ سے جڑا ہوا۔ یہ تو میں پہلے بتا ہی چکا ہوں کہ ہماری پہلی چاچی سانپ کے کاٹنے سے فوت ہو گئی تھی اور چاچا نے اس سانحہ کا کوئی خاص اثر بھی نہیں لیا تھا۔ بچہ نہ کوئی بالکا' جس کی پرورش کی فکر ہوتی۔ چاچا' چاچی دونوں ہی تنہا رہتے تھے' لنڈوری لڑکی تو لنڈورا اپنے مرشد کے پاس نواں شہر جوں پہنچ گیا۔ مرشد جانتے تھے کہ اس نے سونا بنانے کے چکر میں اپنی ساری زندگی برباد کر دی ہوئی ہے۔ چاچا کئی روز مرشد کے قدموں میں پڑے بیٹھے رہا۔ خدا جانے مرشد کے من میں کیا آئی' لہرا کے بولے ..... مورکھ! بول' اب کیا چاہتا ہے۔ دو تولہ اناج تیرے پیٹ کے لئے کافی ہے' ڈھیروں سونا چاہئے گا؟ پیتل' تنکھ دے تو سونے کی خواہش کس کارن .....؟ اپنی باکی چاچی کو بلایا' بیٹھے بیٹھے دو بول پڑھوا دیئے اور چاچا سے بولے کہ لے سونے کی کان لے جا۔ اب تجھے بے سود سونا بنانے کا کشٹ نہیں کرنا پڑے گا۔ پھر چاچی کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہنے لگے کبوتری لجا' اونٹ کے کوہان پہ بیٹھ جا ..... چاچا' چاچی کو ساتھ لے کر چپ چاپ چلا آیا۔ اب بیوی کے جانے اور دوسری بیوی کے آنے پہ کہیں بھی تو اس نے اپنے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نہ غم' نہ خوشی ..... شاید چاچا کا مزاج یا طبع ہی ایسی تھی۔ چاچا کے گھر یا کارخانے میں پہنچ کر چاچی نے ہر وہ چیز تلف کرا دی جو اس کی نظر میں بے کار تھی یا اس چیز کا تلف کرانا اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔ سیاہ مرغے' مرغیاں' چوزے' انڈے' شیر چیتے کی کھالیں' کھوپڑیاں' الو کی چونچیں۔ ہاتھی دانت' پتھر کے کھرل' گھونٹنے' جڑی بوٹیاں' مٹی' پتھر کی کٹالیاں' کشتوں کی بوتلیں' برنیاں' چاندی' قلعی' تانبے کے ٹکڑے' یہ سب الم غلم اکٹھا کر کے مٹی کے مہتر کو بخش دیا۔ چاچا چپ چاپ کھڑا گھر لٹنے کا تماشا دیکھتا رہا' نہ کوئی شکن ماتھے پہ ابھری اور نہ کوئی شبد منہ سے نکلا۔ چاچا کو ہکا بکا' خاموش دیکھ کر چاچی نے کہا۔

"سونا بنانے کے لئے ایسے کاٹھ کباڑ کی حاجت نہیں ہوتی' صرف نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے۔"

چاچے کی سمجھ میں یہ باریک بات نہ آئی' منہ اٹھائے اپنی عجوبہ سی پراسرار بیوی کو تکتا رہا جس کی اٹھائیس برس اس کے مرشد نے تربیت کی تھی۔ جو وہی کشمیری برہمن زادی تھی جس کے ماں باپ حادثے کا شکار ہو گئے تھے' جو ہری کی اشرفی کبوتری کا پران تھی ..... چاچی کو کوئی جواب نہ ملا تو وہ پھر بولی۔

"سونا پڑا رہے تو مٹی ہے' بندھ جائے تو سنکھار' پیٹ پڑے تو روٹی ہے۔ سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا' سونے کے پہاڑ پہ بھاری ہے اگر بھوک لگی ہو۔ سونے کی سلطنت ایک سانس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی اگر جان لٹتی ہو۔ فقیر کے فاقے کے سامنے سونے کی کانات بھی ہیچ ہے۔ ہمارے مرشد پاک کے لئے جو کے آٹے کی گوئی آگ میں سرخ کئے ہوئے پتھر پہ پکتی ہے۔ جو کے ستو پتھر پہ پتھر رکھ کے کوٹے

جاتے ہیں۔ اب آپ بولیں آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر تو آپ محض سونا چاہتے ہیں تو لائیں دس من کوئی دھات پیتل، چاندی، تانبا۔ اللہ کے امر سے میں سونا بنا دیتی ہوں خوب عیش کریں... سونا بنانا تو بچوں کا کھیل ہے اصل کام تو یہ جاننا ہے کہ ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے اور جب کوئی یہ جان لیتا ہے تو پھر وہ اللہ کے امر سے کائنات کی ہر چیز پہ حق اور اختیار حاصل کر کے بھی امر اور عملاً لاتعلق اور بے نیاز ہو جاتا ہے جیسے نبی پاک اگر چاہتے تو عرب کے سارے پہاڑ اور صحرا کے سب ذرے سونے میں تبدیل کر دیئے جاتے مگر سرکار مدینہ نے ہرگز ایسا نہیں چاہا۔ کائنات کے وارث ہوتے ہوئے بھی قناعت، صبر اور شکر پسند فرمایا، ادنیٰ سے ادنیٰ کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیئے۔ لباس، طعام، قیام میں میانہ روی اور عام لوگوں کا سا انداز پسند فرمایا۔ زعونت، تکبر اور شاہانہ رسم و رواج سے ہمیشہ اجتناب برتا... مرشد پاک کے حکم کے مطابق میں نے تمہیں نیکی، بدی، کھرا کھوٹا سمجھا دیا ہے۔ اب جو کہو میں حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔"

چاچے نے کھرانی زبان سے صرف اتنا کہا۔

"بیٹی بخت! میں نے آج سے ہر لعنت ترک کی... میں نے بھی صرف مرشد پاک کے حکم کی تعمیل کی تھی ورنہ میں کسی طور بھی تمہارے جیسی نیک عورت کا شوہر کہلانے کے قابل نہ تھا۔ اللہ میرے گناہ معاف کرے نہ وضو کے بغیر سے کے آتے ہیں اور نہ نماز روزہ قرآن پاک کو میں نے پڑھا ہی نہیں۔ اللہ اور مرشد سرکار نے اگر تمہیں میرے لئے نعمت کا سامان بنا کر یہاں بھیج دیا ہے تو میری عاقبت بھی سنوار دو۔ اس عمر اور حالت میں اگر کوئی ولی اللہ بننے سے تو رہا کم از کم موت تک کا تو راستہ آسان ہو جائے۔"

UrduPhoto.com

● مارِ سیاہ، حدِ ادب کا انتباہ.....!

میں ایک روز صبح نماز کی ادائیگی کے بعد انگلیوں پہ تسبیح کر رہا تھا۔ چاچی کا معمول تھا کہ وہ نماز سے فراغت کے بعد تسبیح و تہلیل اور قرآن پاک کی تلاوت کے لئے شکوہ چمن کے پیڑ تلے مٹی کے بنے ہوئے تھڑے پہ دوزانو ہو جاتی۔ میں اپنی جگہ تخت دراز پہ بیٹھا انہیں نرم نرم نظروں سے تلاوت کرتے دیکھ رہا تھا۔ صبح کی ملگجی میٹھی میٹھی سی روشنی میں چاچی کسی اور ہی جہاں کی مخلوق دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے آئینے کی طرح شفاف چہرے پہ کتنی پاکیزگی اور معصومیت تھی۔ ایسی محویت اور جذب جیسے دنیا جہان کے باقی سارے مسئلے دھندے محض ڈھنڈ اور غیر اہم ہیں۔ اصلی اور راسخ و روشن عمل محض یہی ہے جس میں وہ اس وقت مصروف تھی۔ وہ قرآن کی تلاوت کر رہی تھی اور میں اس کے چہرے کی تلاوت میں گم تھا۔

ہوئے میں بے ساختہ سا اٹھا اک عجیب سی وارفتگی کے عالم میں چاچی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہی
سوندھے سوندھے روح کیوڑہ اور زعفران کی دھیمی دھیمی مہک۔ اس عالم سرمستی میں میں نے اچانک چاچی کی
گود بھر لی۔ اچانک دھب سے کوئی نرم سی چیز میرے سر پہ آ گری۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا ایک
لمبے سیاہ سانپ نے میری گردن اپنی گرفت میں لے لی۔ چاچی نے قرآن پاک رحل پہ رکھ کر فوراً مجھے
اپنی گود میں بھر لیا۔ سانپ کو پرے ہٹا کر کچھ پڑھ کر مجھے دم کیا۔ یہ سب کچھ اتنی عجلت اور بے ساختگی
سے ہوا کہ مجھے کچھ سمجھنے یا سنبھلنے کا موقع تک نہ ملا۔ سانپ چاچی کے سامنے سر ڈالے ہوئے پڑا تھا چاچی
سے جیسے سرزنش کر رہی ہو۔ میں ابھی تک چاچی کی گود میں ہی تھا۔ سانپ ہولے سے سرکا اور میرے
پاؤں پہ آ کر سر رکھ دیا۔ میں نے اس وقت تک اپنی چھوٹی سی عمر میں سینکڑوں مختلف قسم کے سانپ
ہوتے دیکھے مارے اور پکڑے تھے۔ ٹرکے صورت کر انہیں دفن کیا۔ کئی بار اس کی کینچلی بلوں سے باہر کھینچ
کر اس کی تیزی کے لئے آنکھوں پہ رگڑی اور ایک دو بار سرمہ بنانے والوں کے ہاں بیچی بھی اس کی
قیمت دریافت کی اور ان کی مالائیں بنا کر دروگردہ والوں کو فروخت کیں۔ ایک دفعہ کینچلی نے ہمارے
گھر کے پاس کھیا سانپ گرایا تھا جسے میں چھڑی سے لٹکا کر محلے کے بچوں اور عورتوں کو ڈراتا پھرا۔ اب
سانپ والی واردات سے میں بالکل نہیں ڈرا تھا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سانپ کا وجود میرے لئے
نیا نہ تھا اور میں اسے محض ایک رینگنے والا کیڑا سمجھتا تھا۔ چاچی کی گود اور اس کی موجودگی بھی نہ ڈرنے کی
بڑی وجہ تھی۔ سرسراتے ہوئے کالے سانپ نے جب تختے سے اوپر ٹانگ کی جانب چڑھائی شروع کی تو
ڈر سا ڈر محسوس ہوا۔ چاچی دیکھ رہی تھی اور میں کبھی سانپ اور کبھی چاچی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ چاچی
کے ہونٹوں پہ ازلی مسکراہٹ سے جو اس کے چہرے پہ سجی رہتی تھی مجھے خاموش اور پرسکون رہنے کا اذن دیا۔
سانپ بڑے آرام سے میرے سارے جسم کا سروے کرنے کے بعد اتر کر شکھ چین کے پیڑ کی جانب کہیں
غائب ہو گیا۔ میں چاچی کی گود میں یوں پڑا تھا جیسے کوئی بچہ پالنے میں پڑا انگوٹھا چوس رہا ہو۔ چاچی نے
اس غیر معمولی واقعہ پہ کسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا تھا جیسے اس کے لئے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔ بڑی پرسکون
آواز سے قرآن پاک کی تلاوت میں مگن ہو گئی۔ چاچی نے اب تلاوت پاک میں قرأت شامل کر لی تھی۔
سوز سے مکوتی انداز صحرائی آہنگ یوں جیسے خدی خواں شب کے آخری پہر منزل کے قریب پہنچ کر اپنے لحن
کے بیچ میں ایک ٹھہراؤ کا انداز پیدا کر لیتے ہیں نوائے سروش کی طمانیت و تشفی عود کر آتی ہے۔ اب یہاں
پہ کیا بساط تھی؟ جب طالب و مطلوب عاشق و معشوق محب و محبوب الوہیت کے رنگ میں رنگے جائیں
اور کسی ایک کو دوسرے کی گود نصیب ہو جائے تو پھر گود کی بجائے گود میں سونے کو جی چاہتا ہے۔ کہتے ہیں

کہ ماں محبوب اور مرقد کی گود بڑی گداز ہوتی ہے سونے کا سواد آ جاتا ہے اور حشر تک پڑے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ میں بھی چاچی کی گود میں سکون کا انگوٹھا منہ میں لئے مزے سے ننھے ننھے خراٹے لے رہا تھا چاچی مجھے یوں گود میں سمیٹے چپکے میٹھی تلاوت کر رہی تھی جیسے اس کے مرشد پاک نے کہا ہو کہ اگر شکر چمن کے پیڑ پہ سورج کی پہلی کرن پڑنے تک تم سورۂ رحمٰن تلاوت کر لو تو گود پڑا گبر تمہارا شکر چمن پہ سورج کی بہت سی کرنیں پڑنے کے بعد محلے کے بچے پڑھنے کے لئے آنا شروع ہو جاتے تھے۔ چاچی نے پہلی دو چار کرنیں پڑتے ہی مجھے ناشتے کے لئے بیدار کر دیا۔ منہ پہ پانی کے دو چار چھپاکے مارنے کے بعد میں چاچی کی چارپائی پہ منہ خشک کر رہا تھا تو مجھے صحن میں گلاب کی کیاریوں کے پاس ایک اصیل مرغا بیٹھا دکھائی پڑا آنکھیں ملنے کے بعد دوبارہ دیکھا تو چاچا مگر تھا۔ عجیب تماشا کہ کبھی چاچا کبھی مرغا۔ پھر آنکھیں جھپکیں۔ ایک کھوپڑی دوبارہ دیکھی۔ معلوم ہوا کہ ایک آنکھ میں چاچا دکھائی دیتا ہے تو دوجی میں مرغا۔ اچانک باہر کے دروازے کی جانب نظر پڑی تو ادھر سے ایک گدھی اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ یا مظہر العجائب یہ میرے ساتھ صبح صبح کیا تماشے ہو رہے ہیں؟ میں چپ چپ چوپڑا کھا رہا تھا چاچی دزدیدہ نگاہی سے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی چاچی پاس بیٹھا باقر خانی اور چائے نوش جاں فرما رہا تھا۔ چاچی بڑی شان سے بولی۔

''کاکا! چھوٹے چھوٹے لقمے اور ہر لقمہ میں الحمدللہ کہنا رازق سے رزق وصول کرنے کی شکر گزاری ہے۔''

چاچی نے یہ الفاظ ایسے آہنگ سے کہے کہ چوپڑے بھی کن لئے میرے ساتھ چاچا کا انداز طعام بھی بدل گیا۔ چاچی نے ہم دونوں کو ''الحمدللہ'' کہتے ہوئے اور چھوٹے چھوٹے لقمے اٹھاتے دیکھ کر خود بھی ''الحمدللہ'' کہا۔ مجھ سے سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگی۔

''آج صبح صبح جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوا ہے اس کا کسی سے بھی ذکر نہیں ہونا چاہئے اور آئندہ کبھی کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس کی تمہیں میری جانب سے اجازت نہ ہو۔ تم ابھی بچے ہو ناسمجھی اور بے علمی سے اگر سرپٹ بھاگو گے تو ٹھوکر کھا کر گرنے کا اندیشہ رہے گا۔ میں بھی تو تیرے جتنی عمر کی بچی تھی جب میرے بابا جی نے مجھے گود لیا تھا۔ نادانی اور بے سمجھی میں بہت سی حرکتیں اور باتیں غلط سلط ہو جایا کرتی تھیں لیکن میرے بابا جی کبھی ناراض یا خفا نہیں ہوتے تھے ہمیشہ شفقت اور نرمی سے سمجھا دیا کرتے اور میں بھی تمہیں نرمی سے سمجھا دیا کروں گی۔'' چاچی چوپڑے کا پیالہ صاف کرتے ہوئے آخری لقمہ میرے منہ میں رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''کاکا! کاکا کو چوپڑا اس لئے کھلایا جاتا ہے کہ وہ ''پی'' کا سندیس

UrduPhoto.com

ہوتا ہے اور یہ فقیر کی طرح بے ٹھکانہ ہوتا ہے' یہ "کیا کیا" کیوں کیوں" الاپتا ہے یعنی سیکھتا رہتا ہے۔ کاگا ہی ہے جو سرّی علوم کا ادراک رکھتا ہے۔ یہ علامتی ہے' کتا اور یہ دونوں اس معاملے میں ملتے ہیں۔"

"چاچی! تم تو کبوتری ہو تم تو سب کچھ جانتی ہو۔ پھر تم اپنا ذکر کیوں نہیں کرتیں؟" ڈرتے ڈرتے میں نے سوال کیا۔

• بڑبکی کبوتر' بگ نہ موتر.....!

چاچی نے ہلکے سے میرے گال پہ چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"یہ کبوتر بڑے بھولے اور نادان ہوتے ہیں' ان کی بڑی کمزوری خود پسندی اور آرام طلبی کی ہے۔ ڈرپوک اور شرمیلے یہ اکثر مراقبے میں ڈوبے رہتے ہیں۔ مرقدوں' مزاروں' مقبروں' میناروں پہ تم نے ان کے غول دیکھے ہوں گے۔ مکے مدینے' بغداد شریف' اجمیر شریف' داتا دربار' کہیں بھی چلے جاؤ کبوتر ضرور ہاں [illegible] یہ الگ بات ہے کہ یہ بے ادبی کی وجہ سے بجلی کے کھمبے اور آندھی بارش' طوفان کی نذر ہو جاتا ہے... کاش! یہ سروں پہ بیٹھ کر غلاظت نہ پھیلائے۔"

"چاچی! کیا بڑبکی اشرفی کبوتر' ان کبوتروں سے مختلف ہوتا ہے؟"

"ہاں' یہ مختلف ہوتا ہے۔ جس طرح کاگا اگر غلاظت پہ پڑے تو کوا بن جاتا ہے۔ "کیا کیا" کا ورد "کاں کاں" میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ بڑبکی کبوتروں کی نسل کو ایک بزرگ بابا سرمد بڑبکی کی دعا ہے۔ یہ نہ تو غلاظت پھیلاتے ہیں اور نہ اپنی نسل بڑھانے کا رجحان رکھتے ہیں' ہر ولی ابدال کے مزار پہ ایک جوڑا ضرور موجود ہوتا ہے' دوسرے کبوتر بھی اس جوڑے کی خوشبو سے وہاں آ جاتے ہیں۔ خدا جانے یہ بڑبکی کہاں سے آتے ہیں.....؟"

• منش کا حیوانی روپ' بندر ابن میں چھپی دھوپ.....!

"چاچی! میں نے جب سے تیری آنکھ کو بوسہ دیا ہے' میری ایک آنکھ جیسے سامنے آنے والوں

کے دوسرے روپ کو بھی دیکھنے لگی ہے۔ چاچا مجھے مُرغ دکھائی دیا اور مجھ پر ہنسی گدھی ''

''تم نے صحیح دیکھا ہے واقعی تمہارے چاچا کا حیوانی روپ مُرغ ہی ہے اصیل مُرغ! ایک بات بتاؤ تمہارا چاچا ''چاچا مگر'' کے نام سے کیوں مشہور ہے؟'' چاچی نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں لیکن ہر کوئی انہیں اسی نام سے پکارتا ہے۔''

''میں بتاتی ہوں۔ کبھی کسی صاحب نظر بزرگ نے ان کا حیوانی روپ دیکھ کر انہیں مُرغا یا مگر کہہ دیا ہوگا وہیں سے یہ سلسلہ آگے بڑھ گیا۔ بیٹا! انسان کی ظاہری بصارت کے آگے چالیس روحانی حجاب یا پردے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں ان پردوں کی اوٹ سے دیکھتے ہیں۔ جس طرح آنکھ میں موتیا اتر آئے تو وہ منظر یا ہالکل دکھائی نہیں دیتا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آگے پردہ پڑ گیا ہے۔ آپریشن علاج سے وہ پردہ دور کر دیا جاتا ہے اور انسان پہلے کی مانند پھر دیکھنے لگتا ہے۔ بالکل ایسے ہی اللہ کے ولی اس کے برگزیدہ بندے اللہ پاک کے امر سے جس کے بھی چاہیں جب چاہیں اور جتنے چاہیں حجاب دور کر دیتے ہیں۔ یہ چالیس حجاب اس طرح ہیں۔ دس ذات کے دس کائنات کے دس ازل اور ابد کے بیچ دس حجاب ایسے بعد دیگر دوسرے روپ میں باقی حجاب اٹھ نہیں سکتے۔ ایک دو تین چار سے چالیس تک پہنچنا پڑتا ہے۔''

میں جیسے کسی تحیر کی گہرائی میں اترا ہوا چاچی کی تصوف میں ڈوبی ہوئی اور اسرار میں رچی ہوئی زندہ اور تابندہ باتیں سن رہا تھا۔ میرے دماغ کا کمپیوٹر کن وقت ایک ایک کیفیت اور ایک ایک لفظ اپنے اندر ''فیڈ'' کر رہا تھا اور میرے تصور اور تخیل کا کیمرہ کھٹ کھٹ ہر کیفیت کی تصویریں اتار رہا تھا۔ میں عالم تحیر میں ڈوبا ہوا سوچ رہا تھا کہ الٰہی! یہ چاچی کیا چیز ہے انسان یا جن؟ فرشتہ تو وہ ہو نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ ایک عورت تھی۔ جب سے میری ایک آنکھ کام کرنے لگی تھی میں اس جستجو میں تھا کہ چاچی کا کوئی اور رنگ یا روپ بھی دیکھوں مگر ہر بار وہ مجھے چاچی یا بڑکی ہی دکھائی دی۔

''چاچی! یہ بڑکی کیوں ...''

چاچی نے میرا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی میرے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔ چاچا ناشتے کا خالی پیالہ اٹھائے اس طرف آ رہا تھا۔ چاچا باہر چلا گیا تو چاچی درود شریف پڑھنے لگی۔

''چاچی جی! یہ سب کچھ آپ نے پڑھا ہے سیکھا ہے ... میرا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ اتنی علم اتنی عقل و دانش اتنی استقامت آپ نے کہاں سے حاصل ...؟''

UrduPhoto.com

چاچی نے پھر میرا جملہ چھین لیا' شہادت کی انگلی میرے لبوں پر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"کاکا! تم بہت ہی "کیوں کیوں" کیا کیا" کرنے لگے ہو؟ مجھے تم یہ سب کچھ کہہ رہے ہو تو کیسی کہ اس عمر اور اس ماحول میں جہاں بچے کو ڈھنگ سے اپنا نام بتانا اور لکھنا تک نہیں آتا' تم یہ سوال کہاں سے لاتے ہو اور میری یہ مشکل مشکل سب باتیں کیسے سمجھ لیتے ہو؟"

میں جواب میں آئیں بائیں شائیں کرنے لگا تو چاچی خود ہی بول پڑی۔

"تم شاید ڈھنگ سے جواب نہ دے سکو میں خود ہی تمہاری طرف سے جواب دیتی ہوں ... تم کہو گے کہ میں نے یہ چھوٹوں سے سیکھا' کتابوں سے جانا اور شاید یہ بھی کہو کہ یہ سب کچھ مجھے اللہ کی طرف سے ودیعت ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ آخری بات درست ہے ..." وہ خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولی۔ "تم میں جاننے کا تجسس بہت ہے اور مجھ کو سمجھ لینے اور پھر مناسب وقت پہ عمل میں لانے کی بے پناہ صلاحیت ہے۔ تم میں باہمی ربط پیدا کرنے کی قدرتی اہلیت ہے۔ کچھ عالموں اور خفی علوم کے ماہروں کی اصطلاح میں "سمبول" کہتے ہیں۔ اس بات کو یوں سمجھو کہ جیسے سونا کانوں سے مٹی پتھر اور دیگر اجزا ملے ڈلوں کی صورت میں نکلتا ہے جسے بعد میں بڑے طریقوں سے بتدریج صاف کر کے خالص سونا حاصل کیا جاتا ہے ... [illegible] ہیرے ترشے ہوئے بھی دستیاب ہو جاتے ہیں ... اب چند باتیں غور سے سنو۔ تم ایک فقیر کی دعا سے عالم وجود میں آئے۔ تم نے کوئی ٹھوس غذا لینے سے پہلے ایک قلندر کی آنکھ کا آنسو پیا۔ تم پیدائشی طور پہ مخنوں ہو۔ تمہارا نام ... ہے۔ تم چار ہستیوں کی نظر کا فیضان ہو۔ ایک قلندر' ایک ولی' ایک مجذوب اور ایک شہید۔ ایک ... ایک ڈھڑیاں والا' ایک گاؤں والا اور ایک قصے والا ... پیدائشی طور پہ تمہاری باطنی آنکھ سے کچھ حجاب ہٹے ہوئے تھے۔ کچھ اور کہوں کہ بہت ہے؟ کاکا! تمہیں رب العزت و حکمت نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے' اس کے کارخانۂ قدرت و ایجاد میں بے شمار شکلیں' ترکیبیں' ترمیمیں' ترقیاں جو ہمارے لئے ہوتی ہیں' ہمارے سامنے موجود ہوتی ہیں مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس کے لئے ہمیں کسی رہبر' استاد یا کوئی جو ہدایت یافتہ' کسی حد تک کامل اور صاحب فضیلت اور ذی وقار ہو' کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارے ظاہری کان میری بعض باتوں کو سمجھنے کی حاجت محسوس کرتے ہیں مگر تم باطنی طور پہ ہر بات کو سمجھتے ہو اور جو کچھ میں نے کہا' اس کو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔"

میں نے تو اب چاچی کی باتوں پہ حیران اور پریشان ہونا بھی چھوڑ دیا تھا کیونکہ اب میں خوب

UrduPhoto.com

جان چکا تھا کہ میں نے جس "وادیٔ حیرت و تحیر" میں قدم رکھا ہے وہاں اب مجھے بچ بچ کر نہیں بلکہ ایک پکا اور سچا بن کر گزرنا پڑے گا۔

"چاچی! جو کچھ آپ نے کہا وہ حرف بحرف درست ہے اب میں آپ سے یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ آپ یہ سب کچھ کیسے جانتی ہیں لیکن آپ مجھے کچھ چاچا اور اپنے مرشد پاک کے بارے میں ضرور بتائیں۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ نواں شہر جھوں میں کہیں رہتے ہیں۔"

"کاکا! وہ تمہارے چاچا کے مرشد پاک ہیں میرے تو وہ بابا ہیں۔"

"چاچی! مرشد پاک اور بابا میں کیا فرق ہوتا ہے...؟"

● مرشد شاہ تے بابا فقیر...!

مرشد رشد و ہدایت کرتا ہے ایک طریقہ اور ضابطہ بنا کر ہاتھ میں تھما دیتا ہے بس! کوئی عمل کرے نہ کرے مرشد اُنہیں مارتے اور نہ ہی کچھ کہتے ہیں۔ مرشد کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر سہلایا جا سکتا ہے معانقہ کیا جا سکتا ہے سینے سے لگا کر بھینچا جا سکتا۔ لیٹے ہوئے مرشد کے پاؤں دبائے جا سکتے ہیں چھلانگ مار کر ساتھ سویا نہیں جا سکتا ہے... بابا آپ کا دوست ہوتا ہے۔ اس کی دہشت نہیں بزرگی سے محبت ہوتی ہے اُسے چھوا جا سکتا ہے۔ اس سے زور لگایا جا سکتا ہے اُس سے ہنسی مذاق کیا جا سکتا ہے۔ اُس کے زانو پہ سر رکھ سویا جا سکتا ہے۔ وہ آپ کے اندر باہر بسا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ سے نہیں اپنے پیار کے ہاتھ سے کھاتا ہے۔ اُسے نہلاتا' کھلاتا پلاتا' سلاتا ہے۔ بس ایک بابا ہوتا ہے اور ایک بچہ جیسے میں تھی' میرے بابا تھے۔ میں اُن کے سینے سے لگ کر سوتی تھی' اُنہیں اپنے ہاتھوں سے کھلاتی پلاتی تھی۔ میری سانسیں اُن کی سانس سے چھن کر مجھ تک پہنچتی تھیں اور تم نے مجھ سے پوچھا چاہا کہ یہ سب کچھ میرے پاس کہاں سے آیا' مجھے کہاں سے ملا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ میرے مالک و خالق و محافظ کا کرم ہے جو رب العالمین ہے اُس کے بعد میرے بابا کی نظر کا فیضان ہے۔"

"چاچی! ایک بات کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے۔ یہ چاچا سے آپ کی شادی..."

میں پھر پکڑا گیا۔ چاچی نے میری فوراً بات پکڑ لی۔

"کاکا! خواہش' مرضی' تمنا' طلب اور حرص' ان سب چیزوں سے ہٹ کر راہ پکڑنے کا نام فقیری

[illegible] ہوتی ہے۔ جو حکم ہوتا ہے بلا چوں چراں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اندیشۂ سود و زیاں دُنیا کے بندوں [illegible] میں ہوتا ہے فقیروں کے ہاں محض تسلیم و رضا کی بات ہوتی ہے۔ بابا نے جو چاہا وہ کر دیا ہے۔ [illegible] ہو کہ تم "جاننے" والے ہو اور ہم "ماننے" والے ہیں۔"

میرے منہ سے خود بخود نکل گیا۔ "جاننا اور ماننا.....؟" اور آنکھیں آسمان کی جانب اٹھ گئیں۔

● جاننا علم کی جان..... ماننا علم کا ایمان.....!

"جان کر ماننا تو صرف بابا اور اگر ایمان سے مانا تو بہت خوب مانا..... مومن اسے کہتے ہیں جو [illegible] کو بغیر دیکھے بغیر جانے اس پر ایمان لائے اور کافر کہتا ہے کہ پہلے میرے سامنے آؤ مجھے اپنا آپ [illegible] جو بابا کی بات ہوتی تھی۔ بابا مرشد نہیں بلکہ مہربان اور مشفق ہوتا ہے۔ وہ پیر نہیں ہوتا وہ تو [illegible] پیاس بجھانے والا ہوتا ہے۔ لمبی داڑھی تسبیح مصلے منکے مجاہدے نخرے یہ سب کچھ اس [illegible] ضروری نہیں ہوتے۔ اس کے لئے رزق حلال کی جستجو کرنا اپنا محاسبہ اور خود پر ملامت کرتے رہنا [illegible] مخلوق کا [illegible] اللہ کے خوف سے [illegible] رہنا قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات پر عمل کرنے کی کوشش کرتے رہنا [illegible] ہوتا ہے۔ وہ عالم سا انسان دکھائی دیتا ہے اور ہوتا ہے۔ وہ تکبر تمول نمائش و آرائش سے بکسر [illegible] ہوتا ہے۔ وہ ڈاکیا ہو سکتا ہے موچی اور بڑھئی بھی ہو سکتا ہے سڑک پر جھاڑو پھیرتا ہوا بھی دکھائی [illegible] سکتا ہے۔ انجن اور رکشا ڈرائیور یا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی وہ اپنا رزق خود کماتا ہوگا پورا پورا دنیا کے [illegible] ہوگا۔ بابا اپنے بچوں سے نذرانہ کوئی قیمتی تحفہ مٹھائیاں پھل تحفے وصول نہیں کرتا بلکہ خود ان کی [illegible] کرتا ہے۔ پاؤں دبواتا نہیں دباتا ہے۔ نیچے سو جائیں تو پنکھا جھلتا ہے۔"

"چاچی! آپ کے بابا بھی ایسے ہی تھے.....؟"

"ہاں کاکا! ایسے ہی ہیں چلہ اس سے بھی کہیں زیادہ..... میرا بابا بکریوں کے دودھ سے پیر [illegible] رہتے ہیں۔ بکریاں پالی ہوئی تھیں خود ہی دودھ دوہتے تھے۔ سب سے پہلے بکریوں کے بچوں کو [illegible] پیٹ بھر کر دودھ پلاتے۔ پھر مجھے پلاتے اور جب دوسرے سب پل چکتے تو جو بچتا وہ پیر دبا لیتے جو [illegible] دودھ ہوتا۔ نہ بابا کے پاس کوئی کرامت تھی نہ کوئی معجزہ یا چمتکار۔ تعویذ دھاگہ جھاڑ پھونک [illegible] ہاں ان چیزوں کا کوئی تصور نہیں ہے....."

UrduPhoto.com

"چاچی! آپ نے کہا تھا کہ بابا کے پیچھے سارے پہاڑ پتھر ہونے لگے ہیں۔ کیا واقعی ایسا ہے یا آپ.....؟"

"ہاں کاکا! واقعی ایسا ہی ہے۔ کہتے ہیں کہ جہاں اللہ کا ولی چلا جائے وہ جگہ ہر اینٹ پتھر، مٹی کا ایک ایک ذرہ سونے سے زیادہ قیمتی بن جاتا ہے اور جہاں سے وہ گزرتا ہے وہ راہیں، راستے نفل و عنبر کی خوشبو سے معطر ہو جاتے ہیں۔ راستے کا ہر شجر، چرند پرند جانور اللہ کی ثنا میں مشغول ہو جاتا ہے۔"

"چاچی! سونے سے یاد آیا میری چاچے سے دوستی ہونے کی وجہ سے تھی۔ چاچا ساری عمر سونا بنانے کے چکر میں رہا مگر وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکا ایک آدھ آنچ کی کسر ہمیشہ باقی رہ جاتی تھی..... چاچی! برا نہ ماننا مجھے صرف یہ بتا دو کہ اصلی سونا بنایا جا سکتا ہے یا یہ بھی یہ ساری بیکار کی باتیں ہیں.....؟"

"کاکا! تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ اصلی سونا ضرور بنایا جا سکتا ہے اگر چاہو تو تم بھی بنا سکتے ہو....."

UrduPhoto.com

• سونے کا لوبھ

ایک بہت پہنچے ہوئے بزرگ تھے بہت دور دور تک ان کے علم و فضل اور فیض و برکات کا شہرہ تھا۔ دنیاوی لالچ اور طمع حرص کا ایک بندہ کسی طرح ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا ایک لمبا عرصہ ان کی خوب سیوا کرتا رہا۔ تن من دھن سے ان کی خدمت و اطاعت میں جتا رہا۔ ریاضتوں مجاہدوں کے اشغال سے بھی ہو گزرا لیکن اندر کا لوبھ لالچ جوں کا توں ہی تھا اس کا جھکاؤ دنیا کے لوازمات اور اس کی مکروہات کی جانب ہی رہا۔ اللہ کی حکمت کہ اس بندۂ حرص و ہوا سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو گیا یا اس کی کوئی ادا بھا گئی اس بزرگ کو ایسی بھلی ہوئی کہ منہ سے اچانک نکل گیا کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ یہ مرید تو شاید ایسے ہی کسی موقع کے لئے یہاں پڑا ہوا تھا جھٹ بولا کہ حضور مجھے سونا بنانے کا بہت شوق ہے کوئی ایسا عمل عطا ہو جائے کہ میں سونا بنا لیا کروں۔ یہ خواہش سن کر اس بزرگ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا کہ کسی نے کاسا طلب ہوا نہ عاقبت آخرت کی خیر چاہی نہ رزق ایمان میں برکت مانگی اور مانگا بھی تو کیا مانگا۔ دنیا کا میل گندگی اور نجاست..... دل میں سوچا کہ اس مورکھ کو سمجھانا فضول ہے اور زبان سے انکار کرنا فقیر کی شان نہیں۔ دل گرفتہ ہو کر بادل نخواستہ انہیں اس لالچی کو سونا بنانے کا عمل بتانا ہی پڑا

[illegible] یہ بھی کہہ دیا کہ اگر لالچ اور نمائش کے لئے سونا بنائے تو دین کے ساتھ دنیا بھی گنوا بیٹھو گے
[illegible] نمود کا بھوت سر پہ سوار ہو تو کون کس کی نصیحت پہ کان دھرتا ہے یا عاقبت اور آخرت کی
[illegible] سیکھ کر مرشد کا دوارہ چھوڑا۔ اب کہاں کی عبادت نماز روزہ اور ذکر اذکار۔ دانش
[illegible] اور لبادہ اتر گیا' فقر و فاقہ سے جان چھڑائی۔ پہلے پہلے بقدر ضرورت سونا بنا کر اپنی
[illegible] کرتے رہے پھر آہستہ آہستہ جائز و ناجائز ضرورتوں نے پاؤں پسارے تو ترقی ماشے سے تولے
[illegible] پہنچے۔ ضرورتوں اور نفس کی لت کی خواہشوں نے اپنے اپنے راستے نکالنے شروع کر دیئے۔
[illegible] ہاتھ میں تھا ڈلے کے ڈلے سونا اٹھائے صراف بازار میں جا پہنچتے اور دام کھرے
[illegible] اور لباس لبادہ شاہانہ سواری اور مؤدب خدام بھی آگے پیچھے نظریں جھکائے
[illegible] دینے لگے۔ جب کلی کھلے مقدر ان کی عظمت و دولت شہرت پکڑ گئی تو پھر شہر بھر کے چور
[illegible] پیشہ ان کے دوالے ہو گئے کہ اتنی دولت کہاں سے آتی ہے' کوئی خزانہ ہاتھ لگا ہے یا کوئی
[illegible] کے ڈلے نکالے جا رہے ہیں۔ ادھر صراف بازار میں سونے کا بھاؤ بیٹھ گیا۔
[illegible] آنے لگا آگے خریدار کم تھے۔ شہر کے ایک جرائم پیشہ ٹولے نے ڈکیتی کی خاطر اپنے ایک دو
[illegible] کے ساتھوں میں [illegible] دیئے۔ بہت جلد ہی ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ سونا بنانے
[illegible] جب حقیقت ظاہر ہوئی تو ان چوروں ڈاکوؤں نے ایک منصوبے کے تحت اس کیمیاگر کو اغوا کر لیا۔
[illegible] بازار کے سناروں نے بھی کوتوال شہر کو اطلاع دی کہ ایک شخص بالکل خالص سونے کے ڈلے
[illegible] روز انتہائی ارزاں کیمیوں پہ انہیں فروخت کر جاتا ہے اور بازار میں سونے کی فراوانی نے
[illegible] ارزانی کی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ ان بدقماشوں نے اس کیمیاگر کو پہلے تو منت و خوشامد سے
[illegible] نے کی کوشش کی کہ وہ کسی طرح سونا بنانے کا راز انہیں بھی بتا دے مگر وہ کسی طور بھی ان کے ہتھے نہ
[illegible] جب ہر طرح کا لالچ' دھمکی' دھونس بھی بے اثر ثابت ہوا تو انہوں نے انگلی ٹیڑھی کر کے گھی
[illegible] کا بندوبست کرتے ہوئے اسے بھاری زنجیروں سے جکڑ کر ایک اونچے مینار کے عقوبت خانے میں
[illegible] اور ایک بھاری آہنی تالا ڈالتے ہوئے کہا کہ ہم جا رہے ہیں اس قید خانے میں تمہاری کوئی فریاد
[illegible] کوئی نہیں اور نہ ہی یہاں کوئی کھانے پینے کا انتظام ہے۔ یہاں سڑو مرو۔ چند روز بعد ہم یہاں
[illegible] گے اور تمہارے مردار کو چیلوں کوؤں کے آگے پھینک دیں گے اور ہاں اگر تمہارا دماغ ٹھکانے آ
[illegible] یا بھوک پیاس ستائے تو اس لوہے کی زنجیر کا ایک حلقہ کھولو اور رسے سونے کا بنا کر رسی سے باندھ
[illegible] لٹکا دو۔ اس سونے کے وزن کے برابر تمہارے لئے کھانا پینا اسی رسی سے باندھ دیا جائے گا۔

تم اوپر کھینچ سکتے ہو۔ ایک آدھ روز تو اسی سوچ بچار اور دقت سستی میں بیت گیا۔ اپنے اردگرد نیچے اوپر کوئی راہ فرار نہ پا کر سر جھکا کر سوچنے لگا کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا جب غریب اور نادار تھا تو کم از کم روکھا سوکھا کچھ پیٹ تو پڑتا تھا سونا بنانا آیا تو پیٹ پوجا سے بھی گیا۔ اسی فکر و تردد اور بھوک پیاس میں ایک روز اور بیت گیا۔ ہاتھ پیر ہلانے مشکل ہو گئے نقاہت اور کمزوری نے بے حال کر دیا تھا۔ پیٹ کے گڑھے میں درد کی لہریں لہراتی ہوئی محسوس ہوئیں تو ناچار اٹھا آہنی زنجیر کا ایک حلقہ کھینچا اور عمل کر کے اسے سونے میں تبدیل کیا رسی سے باندھ کر نیچے لٹکایا۔ تھوڑی دیر بعد رسی کو جنبش ہوئی اوپر کھینچی تو ایک پوٹلی بندھی تھی۔ چند بھنی ہوئی بوٹیاں ایک چھوٹی ایک چوتھائی روٹی۔ ہیز ہیز دو چار لقمے پیٹ میں ڈالے تو محسوس ہوا کہ ان دو چار لقموں نے تو اصل بھوک کو اور بھی دو چند کر دیا ہے۔ بے اختیار ہو کر چار پانچ بڑے بڑے لوہے کے ٹکڑے اور سونے میں بدل کر نیچے بھیجے۔ اب کے نیچے سے مرغ مسلم گرم گرم شیرمال اور مچھلی کے کباب اوپر بھجوائے گئے۔ اس کے بعد ایسا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ دو چار پائیوں کے برابر گول کمرا تھا۔ چار قدم ادھر چار قدم ادھر کمرا ختم۔ گول چکر کاٹ کر سر گھومنے لگتا۔ مرغن اور دافع غذاؤں نے فربہی اور آرام طلبی پیدا کر دی تھی اب محض کھانا اور غنودگی میں لمبے لمبے جانا [illegible] ہو گئی تھی [illegible] ایک ایک کر کے کمرے میں لوہے پیتل کی ہر چھوٹی بڑی چیز ختم ہو گئی تو وہ بڑا پریشان ہوا۔ کسی نہ کسی طرح اس نے پیغام بھجوایا کہ سونا بنانے کے قابل اب کچھ نہیں رہا اب انہوں نے کئی من [illegible] لوہا [illegible] شفٹ [illegible] کباڑ اوپر بھجوا دیا۔ ایک مدت یوں ہی گزر گئی۔ پھر ایک عجیب سی تبدیلی آئی کہ اوپر سے سونا تو دس سیر نیچے آ رہا ہے لیکن نیچے سے غذا کی صورت میں بمشکل چند چھٹانک ہی اوپر جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ بازار میں سونا پیتل سے بھی زیادہ ارزاں ہو گیا ہے۔ پھر ایک وقت یہ بھی آ گیا کہ نیچے سے اوپر سونا بھجوایا گیا کہ اسے لوہے میں تبدیل کر دو کیونکہ گھوڑوں کے کھروں میں نعل لگانے کے لئے لوہا دستیاب نہیں ہے سونے کے نعل بڑے ناقص کمزور اور گھٹیا تصور ہونے لگے۔ اس کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں نوبت یہاں تک آ گئی کہ عورتیں لوہے کے زیورات اصرار کر کے پہننے لگیں۔ گھر کے برتن زراعت کا سامان تعمیراتی اوزار یعنی جہاں جہاں پہلے لوہے یا دیگر دھاتیں استعمال ہوتی تھیں وہاں اب سونے کا بے دریغ استعمال ہونے لگا۔ سونا بناتے بناتے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے جب یہ کیمیاگر انتہائی نڈھال اور ذہنی طور پر نیم معذور ہو گیا تو ان لوگوں نے اسے اس شرط پر وقتی طور پر رہا کیا کہ وہ اپنے استاد سے اب سونے کو لوہا بنانے کا نسخہ سیکھے۔ لہٰذا پاگل اور دیوانوں کی سی صورت حالت میں جب یہ اپنے پیر صاحب کے پاس

تو کوئی بھی اسے پہچان نہ سکا۔ اپنے مرشد کے پاس پہنچتے ہی اس نے پاؤں پکڑ لئے کہ میں وہی گناہگار ہوں جس نے آپ کو مجبور کر کے سونا بنانے کا نسخہ سیکھا تھا۔ اب میری جان بڑے ضیق میں ہے۔ سیہ روز مہنگا اور روپیہ پل پل ارزاں ہے۔ میرے اوپر رحم فرمائیں اور اب مجھے سونے کو لوہا بنانے کا عمل عطا کر دیں۔ بزرگ تبسم فرما کر کہنے لگے کہ مورکھ نادان! جب تمہیں سونے سے کچھ حاصل نہیں ہوا تو لوہے سے کیا ملے گا؟ لوہے تانبے کو سونا بنانا یا سونے کو لوہے میں تبدیل کرنا کوئی ایسا اہم یا کوئی بڑا کام نہیں۔ اصل کام تو مالک جس حال میں رکھنا پسند کرے اس پہ مطمئن رہنا اور اس پہ صبر و شکر کرنا ہے۔ حرص و لالچ کی آنکھ اور پیٹ سوائے قبر کی مٹی کے کسی اور چیز سے نہیں بھر سکتے۔ مال و زر کی ہوس تو ایسی ہے کہ جیسے جیسے بجھاتے جاؤ یہ آگ لگاتی جائے۔ لو اب اگر چاہو تو میں تمہیں سونے کو لوہے کا عمل بھی بتانے کے لئے تیار ہوں ویسے اگر تم نے میری اس وقت کی نصیحت پہ عمل کیا ہوتا اور تم حرص لالچ اور طمع میں نہ پڑتے اور اس عمل کو بھی اپنے عیش و آرام کے لئے استعمال نہ کرتے تو تمہیں دو جہانوں میں اپنی رسوائی کی ذلت نہ اٹھاتے۔ وہ بڑے پیار سے سمجھانے لگے بیٹا! کوئی علم سیکھنا برا نہیں ہے برائی تو اس علم کا غلط اور غیر متوازن استعمال ہے۔ جس علم و ہنر کا استعمال معاشرہ اثرات اور کسی طور خاص پہ بھی ذہن انسانی کے لئے طرز رہن اور معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتے ہوں یا نظام حیات کے کسی شعبے میں غیر متوازن طرز عمل اور نئی طرز فکر کو فروغ دینے میں مدد دیتے ہوں ایسے علم و ہنر کے اظہار سے اجتناب برتنا چاہئے تاکہ بندگان خدا کی عتاب نادیدہ افتاد سے اور ناپسندیدہ حالات کی صعوبت سے محفوظ رہ سکیں۔ وہ بندہ حرص و ہوا یہ ارشادات سن کر خاک میں رونے لگا کہ ناحق دنیا و طمع سے مغلوب ہو کر اتنے جوکھم جھیلے مگر اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے آہ و بکا فریاد اٹھائے کہیں نکل گیا۔"

چاچی یہ کہانی سنا کر میری جانب تکنے لگی۔ چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد پھر کہنے لگی۔

"کاکا! اللہ کے عاجز بندوں، فقیروں، درویشوں کی منزل سونا بنانا ہوا پانی پہ چلنا آگ پہ چلنا ہوا میں اڑنا یا کرامتیں دکھانا نہیں ہوتی۔ ایسی طرز فکر ایسی سوچ اور خواہشیں فقیر کی منزل کو کھوٹا کر دیتی ہیں۔"

"چاچی! میں خوب سمجھ گیا آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔ کسی علم و ہنر کو سیکھنا یا جاننا برا نہیں ہوتا برائی محض اس کے استعمال پہ منحصر ہے۔ میں محض علم کیمیا سے دلچسپی رکھتا ہوں اور اسے سیکھنے پڑھنے کی حد تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ آپ کے پاس بھی یہ علم ہے تو آپ کو ذاتی

طور پہ سونا بنانے سے دلچسپی ہے اور نہ ہی ضرورت.....؟"

"کاکا! میں جانتی ہوں کہ تجسس جتنا کاکا میں ہوتا ہے کسی اور میں نہیں ہوتا۔ میں تمہیں ضرور سکھاؤں گی بلکہ تم تو سیکھے سکھائے ہوئے ہو بس ذرا قدرے میں کا تھوڑا مزاج میں ماٹھ اور سوچ سمجھ میں بگاڑ ٹھاٹھ نکل آئے تو پھر شروع کریں گے۔"

• فقیری، بند مٹھی کا جگنو.....!

"کاکا! ایک بات یاد رکھنا اور کبھی مت بھولنا چھپانا فقیری ہے اور اظہار یا نمائش کرنا بادشاہی۔ فقیر بند مٹھی میں جگنو ہوتا ہے اور بادشاہ بھرے دربار میں جگنو کا ہوا آنکھوں کو خیرہ کرتا ہوا فانوس فانوس کو بندے بناتے ہیں اور جلاتے بجھاتے ہیں جبکہ جگنو کی ذات سمیت سارے اہتمام قدرت کرتی ہے۔ اپنے فقر اور ظرف کو مٹھی میں بند جگنو کی مانند چھپاؤ گے تو اس راہ پہ آگے بڑھو گے۔ جس دن تم نے سونا بنا کر استعمال کر لیا کسی کو دیکھ کر اس کا جیوان چاہا یا کسی کے متعلق کوئی فیصلہ کر دیا تو اس دن اس سے تم بڑے [illegible] کی جانب سے اترے ہوئے کسی امتحان سے ڈرتا ہے۔ میرا خیال ہے تم میرا اشارہ سمجھ گئے ہو گے۔"

اب تو جیسے یہ سب کچھ میرے روزمرہ میں شامل ہو چکا تھا۔ علی الصبح چاچی کو جا کر سلام کرنا وہیں نہانا، وضو کرنا، نماز کے بعد کچھ قرآن مجید پڑھنا پھر چاچی کے ساتھ پودوں پھولوں کو پانی لگانا۔ یہ پودوں والا کام میں اکیلا ہی کرتا۔ اس دوران چاچی میرے اور اپنے لئے پھلکا بنانے میں مصروف ہو جاتی۔ چاچا اپنا من پسند ناشتہ قرغلی اور کشمیری چائے لیتا۔ ہم ناشتے سے فارغ ہو کر تخت دراز پہ بیٹھ جاتے۔ یوں ہی کہیں سے ازلی پنڈاری کی طرح کوئی بات آ گرتی اور پھر سلسلہ تکلم شروع ہو جاتا۔ اس دوران میں چاچی کے پاؤں دباتا رہتا۔ سورج نکلنے پہ بچے بالے بھی آنا شروع ہو جاتے تو میں اجازت لے کر اپنے گھر آتا اور سکول جانے کی تیاری میں لگ جاتا۔ شام کھیل کود کے بعد پھر چاچی کے صحن اتر جاتا جہاں چاچی کو میں نے ہمیشہ نظریں اٹھائے ہوئے اپنا منتظر ہی پایا۔ چاچی بچوں کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ رات کے کھانے کی تیاری میں بھی لگی رہتی اور ساتھ ساتھ ہمارے اپنے من مرے کی باتیں بھی چلتی رہتیں۔ جب سے میری بائیں آنکھ کا کوئی پردہ ہٹا تھا میں اک عجیب سے تجسس میں پھنس گیا تھا۔ یہ آنکھ کچھ دیکھتی تو دوسری کچھ اور بالکل ایسے ہی جیسے ایک آنکھ پہ ہتھیلی رکھ کر دیکھیں تو منظر کچھ نظر آتا ہے۔

UrduPhoto.com

آنکھ پہ ہتھیلی رکھ کر دیکھیں تو کچھ اور منظر کا مرکز ایک ہی ہوتا مگر قدرے دائیں بائیں کی کچھ کمی بیشی تھی۔ بازار سے گزر رہا ہوں ایک دم یوں لگا کہ جنگلی جانوروں کا ایک ریوڑ گزر رہا ہے۔ کچھ بھیڑیں باگڑ بلے چوپائے مینڈک۔ دوسرے لمحے انسانوں کی بھیڑ۔ کبھی دونوں منظر ایک دوسرے پر "چھاپ" سے ہوتے دکھائی پڑتے۔ ایک دن چاچی سے ذکر کیا کہنے لگیں۔

"شروع شروع میں تو ایسا ہی ہوگا۔ تم اگر چاہو تو ایک طریقہ اختیار کر سکتے ہو کچھ دنوں بعد یہ مسئلہ پیدا نہ ہوگا۔ اپنی ڈرائنگ کی کاپی کے سائز کا ایک آئینہ لو لمبائی کی جانب سے دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بائیں حصہ پہ کالا کپڑا یا کالا کاغذ چڑھا کر اپنے قد کی اونچائی کے مطابق سامنے دیوار پہ لگا لو۔ پھر اس کے سامنے کھڑے ہو جاؤ لیکن یہ احتیاط رہے کہ سورج تمہارے پیچھے ہو یعنی سورج کی روشنی آئینے پہ پڑتی ہو اور اس کا عکس تمہاری آنکھوں پہ پڑے۔ اب دائیں آنکھ پہ ہتھیلی رکھ کر شیشے کی طرف دیکھو کہ تمہیں صرف کالا حصہ ہی دکھائی دے۔ ہتھیلی ہٹا کر پھر بھی سات مرتبہ ایسا کرو کہ کالا کاغذ نظر آئے اور چکا چوند والا حصہ دکھائی نہ دے۔ پھر سات بار بائیں آنکھ پہ ہتھیلی جما کر ایسا کرو کہ ہر بار چکا چوند والا حصہ دکھائی دے اور ہر بار ہتھیلی ہٹاتے اور جماتے وقت یہ چھوٹا سا ایک [illegible] تمہارا تحمل یا ہاتھ ہلا جائے کہ تم جس شخص کا روپ دیکھنا چاہو اسے دائیں آنکھ ایک لمحے کے لئے بند کر کے دیکھو اس کا حیوانی روپ تمہارے سامنے ہوگا ورنہ دونوں کھلی آنکھوں سے وہ اپنے انسانی روپ میں نظر آئے گا۔

اگلے سات روز میں اسی عمل کو کرتا رہا۔ میرے بس میں ہوتا تو میں ایک ہی روز میں ہی یہ سارا عمل کر لیتا۔ خیر سات دنوں بعد واقعی ایسا ہو گیا۔ دائیں آنکھ ایک لمحہ بند کر کے میں چند الفاظ زیر لب پڑھتا میں آنکھ کے آگے وہی آئینے والا کالا کاغذ سا آ جاتا پھر فوراً سامنے والے کا دوسرا روپ ابھر آتا۔ چاچی کی نصیحت یاد تھی کہ علم ہو یا اختیار ان کا استعمال کبھی بیجا نہ کرو۔ اس طرح یہ تمہارے سینے میں محفوظ رہے گا۔ تم اس کی حفاظت کرو گے تو یہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ ایک اور نشست میں چاچی نے مجھے کہا تھا کہ کاکا! کبھی کسی کو جاننے کی کوشش مت کرو تاوقت کہ جاننا تمہاری اشد ضرورت نہ بن جائے۔ ویسے سامنے ہو تو مت پیچھے پڑو کہ یہ کون ہے اس کا حیوان کون سا ہے۔ اس طرح خواہ مخواہ وقت ضائع کرو گے۔ سینکڑوں لوگ روز ملتے ہیں ان سب کو جاننا تمہارے لئے ضروری نہیں۔ ایک دو ملاقات یا موکلات سے کام لینے کا ہنر دخل جانتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ وہ ہر جگہ یہی کام کرتا رہے۔ تم اگر ہر کسی کا حیوانی روپ دیکھتے پھرو گے تو ہمیشہ بے چین اور متردد رہو گے اپنے اصلی کام سے

دور ہو جاؤ گے۔ کوئی کچھ اور کوئی کچھ نظر آئے گا۔ تمہارے لئے جینا مشکل ہو جائے گا۔ تم کسی کے گھر جاتے ہو وہاں تمہیں عورت کے روپ میں کوئی ناگن نظر آتی ہے۔ اب ہو سکتا ہے وہ تمہاری چچی ممانی یا کوئی اور عزیزہ ہے۔ اگر تم نے اس کا یہ روپ ظاہر کر دیا یا اسے بتا دیا تو تم ایک گناہ اور جرم کے مرتکب ہو گئے۔ یاد رکھو جہاں "جاننا" ایک نعمت ہے وہیں نہ جاننا بھی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ چاچی کی ان باتوں نے جہاں مجھے ایک "بچے" سے اٹھا کر "بڑا" کر دیا تھا وہیں میں اس معاملے میں بڑا سنجیدہ اور گم صم ہو گیا۔ غیر سنجیدہ رہتا تو میں آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ میں نے اپنے طور پر اپنا فیصلہ کر لیا تھا کہ میں جو کچھ بھی سیکھوں یا جانوں گا اس کا نہ تو کبھی غلط استعمال کروں گا اور نہ ہی کبھی کسی کے سامنے آؤں گا۔ ان علوم کو خفی اور سری اسی لئے ہی کہتے ہیں کہ یہ سات پردوں اور سات سمندروں کی تہہ میں چھپا کر رکھے جاتے ہیں۔

● شکر گڑھ میں کھیوڑے کے پہاڑ.....!

UrduPhoto.com

اپنی [illegible] بچوں [illegible] اپنی بڑی اہمیت کا حامل ہوتی ہیں۔ بہت پہلے ہی پروگرام بن جاتے ہیں کہ کہاں کہاں جانا ہے۔ پچھلی چھٹیوں میں ہم دسمبر میں اپنی بڑی آپا کے ہاں گئے تھے۔ اس مرتبہ ہمارا پروگرام شکر گڑھ جانے کا تھا۔ وہاں میرا ایک کلاس فیلو سرفراز رہتا تھا۔ سرفراز بہت [illegible] ہمارے گھر بھی رہا۔ وہ شکر گڑھ کے دور افتادہ گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس نے مجھے مذاق میں اسے چیلنج کیا کرتا تھا۔ ہمارے گھر رہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بیچارہ سادہ سا ایک چیلنج تھا اور سیالکوٹ میں اکیلا بڑا ذہین سمجھدار تعلیم حاصل کرنے کا شوقین۔ ہیڈ ماسٹر کی سفارش پر والد صاحب نے اسے گھر پر رکھ لیا۔ ثواب کے علاوہ شاید ان کے پیش نظر یہ بھی ہو کہ پڑھائی میں لائق اور شریف نمازی بچہ ہے مجھے اس کی صحبت صالح کے علاوہ نماز روزہ اور لکھائی پڑھائی میں بھی مدد ملے گی۔ چونکہ میں بھی اکلوتا بیٹا تھا میرا دل بھی لگا رہے گا۔ اس کا کپڑا لتا کھانا پینا کا پیاں کتابیں سب کچھ میرے ساتھ ہی تھا۔ جیسے میں ویسے ہی سرفراز۔ والدہ اور والد صاحب اس کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے۔ اکثر وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ہی اپنے گاؤں جایا کرتا تھا۔ اس کا گاؤں کوسوں دور تھا۔ پہلے ڈیرہ وال جاؤ پھر شکر گڑھ اور وہاں سے پیدل یا سواری پر ڈیڑھ دو گھنٹوں میں اس کے گاؤں پہنچو۔ دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں۔ دریا کی وجہ سے ہر سو سبزہ ہی سبزہ ہرے بھرے کھیت کھلیان درخت مویشی محبت کرنے والے

سے مرد ہے لوگ۔ شہر کی سہولتوں، مصروفیتوں اور گہما گہمیوں سے دور پرے ایسے مثالی گاؤں ایک
خواب کی حیثیت ہی تو ہیں۔ دو کچے کمروں، بڑے سے دالان اور وسیع سے صحن پہ مشتمل اس کا گھر تھا جسے گھر
کہنے سے گھروندا کہنا زیادہ بھلا لگتا ہے۔ صحن میں کیکر اور آم کے درخت، ایک کنواں، تنور، ایک کونے
میں بیت الخلاء، دوسری جانب ٹکا ہوا پرچی خانہ۔ ایک شتر بچہ، بیلوں کی جوڑی، گھوڑی، گدھے کا بچہ،
بھیڑیں، ایک کتے اور بے شمار مرغیاں چوزے۔ گھر کیا تھا ایک چھوٹا سا چڑیا گھر تھا۔ کیکر کے اوپر پھٹکوں
سے بنے ہوئے بیا کے گھونسلے، دروازے کی چوکھٹ سے لٹکے ہوئے کالے تیتر کا پنجرہ۔ سنی بلونے
کی مدھانی پہ بیٹھا ہوا ہریل طوطا۔ کمی تھی تو صرف ایک ہاتھی چیتے، ایک ہرن اور زرافے کی۔ میرے
لئے یہ گاؤں اور خاص طور پہ یہ گھر میرے خوابوں کا گھروندا تھا۔ یہاں پہنچنے کے لئے میں سارا سال خواب
میں بنتا رہتا۔ آٹھویں تک سرفراز اور میں ساتھ ساتھ رہے۔ امتحانوں کے بعد اچانک اس کے والد
انتقال ہو گیا۔ اسے نانی اپنے گاؤں سے اٹھا کر سیالکوٹ کے بڑے ہسپتال میں لائے۔ بہتیرا علاج معالجہ
کیا۔ وہ ہمارے گھر بھی رہا۔ آخر وہ جانبر نہ ہو سکا۔ باپ کی موت کے بعد سرفراز کے لئے سیالکوٹ
میں رہنا بڑے ٹوٹے ہوئے دل اور بیوی کے بعد میں مجھے چھوڑ کر اپنے گاؤں چلا گیا۔ اب وہ
سے بھی شکر گڑھ [illegible] پہلے اول وہ ایک روز کے لئے آیا تھا
[illegible] مجھے یہ کہنے کے لئے کہ میں ان چھٹیوں میں فوراً اس کے پاس پہنچوں۔ ابا جی اور امی سے بھی وہ
ملنے گیا تھا۔ میں نے اسے اپنی چاچی سے بھی ملوایا۔ وہ اس سے مل کر بہت خوش ہوئی اور کافی دیر
اس سے باتیں کرتی رہی۔ اگلی صبح اسے ناشتے پہ پھلورا کھلایا جس کے بعد سرفراز واپس شکر گڑھ چلا گیا۔
اسے کہنے پہ سرفراز نے چاچی سے بھی میرے شکر گڑھ جانے کی اجازت لی تھی کیونکہ میں چاچی کی
اجازت کے بغیر اب کہیں بھی نہیں جا سکتا تھا۔ میرے لئے چاچی سے جدا ہونے کا تصور بھی محال تھا، ادھر
چاچی کا بھی یہی حال تھا کہ وہ میرے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتی تھی مگر اس نے خوشی سے جانے کی
اجازت دے دی اور کہا کہ میں جب تک چاہوں وہاں قیام کر سکتا ہوں۔ میں چاچی کی اس شفقت پہ
قربان ہو گیا۔

دوسرے روز میں شکر گڑھ جانے کے لئے تیار تھا۔ میرے چند کپڑے، کچھ کتابیں رسالے ایک
تھیلے میں بند تھے۔ میں اپنے گھر سے فارغ ہو کر آیا تھا، اب صرف چاچی سے دعا اجازت لے کر سٹیشن
جانا تھا جہاں سارے نو بجے والی گاڑی پہ سوار ہونا تھا۔ چاچی نے پھلورا تو مجھے صبح اپنے وقت پہ ہی کھلا دیا
تھا۔ ایک پوٹلی اور کچھ روپے مجھے تھماتے ہوئے بولی۔

UrduPhoto.com

"یہ چور مار راستے میں جب بھوک لگے کھا لینا۔ یہ کچھ روپے ہیں دوست کے گھر جاتے ہوئے کچھ پھل خرید لینا اور باقی پیسے جہاں تم دونوں دوستوں کو ضرورت پڑے خرچ کر لینا۔ وہاں پہنچتے ہی دوست کے مرحوم والد کی قبر پہ جانا فاتحہ پڑھ کر ان کی اگلے جہان میں آسانی کے لئے دعا مانگنا۔ رات اندھیرے میں باہر مت نکلنا اور نہ ہی رات کے اندھیرے میں بہتے پانی سے گزرنا۔" مجھے چومتے ہوئے کہا۔ "جاؤ اللہ تمہارا نگہبان....."

● تخت سلیمان کا پایہ' خواج خضر کی بکری.....!

ظہر کی نماز سے بہت پہلے میں ضلع کوٹ پہنچ چکا تھا۔ سرفراز اور اس کا چچازاد بھائی مجھے لینے آئے تھے' خوب چھیڑیں ڈال کر ملے۔ تھوڑی دیر بعد ہم تینوں دو سائیکلوں پہ گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچ کر پہلے تو ہم نہائے دھوئے' کھانے سے فارغ ہو کر مسجد کی جانب ہو لئے۔ نماز پڑھنے کے بعد کھیتوں کھلیانوں کی سیر کرتے کرتے دریا کی جانب نکل گئے۔ کنارے سے کافی اندر ٹیلے میں درختوں کے ایک گھنے جھنڈ کے پاس بہت سے مرد و زن جمع تھے۔ پہلے تو یہ لوگ ذرا گھبرائے کہ کوئی قبرستان سے لوگ باگ میت دفنانے آئے ہیں مگر میرے دریافت کرنے پہ سرفراز کہنے لگا۔

"نہیں یار یہاں کوئی قبرستان نہیں۔ یہاں خواج خضر کی بکری اور منڈا ہے۔ آج جمعرات کے روز لوگ یہاں خواج خضر کا منڈا اچھے جانے آتے ہیں۔"

"بکری..... منڈا..... خواج خضر.....؟" میں نے زیر لب دہرایا۔ "بھئی یہ خواج خضر' بکری اور منڈا کیا چیزیں ہیں.....؟"

سرفراز کچھ جواب دینے کی بجائے میرا ہاتھ پکڑ کر ادھر درختوں کے جھنڈ کی جانب ہو لیا' آم کے ایک درخت کے نیچے پہنچ کر کہنے لگا۔

"خان یار! دراصل میں یہ بھول گیا کہ آج جمعرات ہے ورنہ میں تمہیں اس طرف ہرگز نہ لاتا۔ یہ توہم پرست دیہاتی لوگ ہیں' یہ جہاں مطمئن ہیں ان کو وہیں رہنے دو۔" وہ مجھے ذرا اور قریب لے جا کر روکتے ہوئے کہنے لگا۔ "بس یہیں سے تم ان لوگوں کو دیکھ لو' قریب جانے کی ضرورت نہیں ویسے بھی دیر ہو رہی ہے' ہمیں واپس بھی جانا ہے۔"

"یار سرفراز! میں نے صرف یہ پوچھا ہے کہ یہ منڈا' خواج خضر اور یہ بکری' یہ سب کچھ کیا ہے

[illegible] ہے ہو کہ یہ توہم پرست دیہاتی بے وقوف ہیں میں ان کے قریب نہ جاؤں بلکہ دور سے ہی [illegible] کے واپس لوٹ جاؤں ۔۔۔ آخر کیوں؟" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ادھر لوگوں کی جانب کھینچتے ہوئے کہا۔ "مائی ڈیئر بینڈو! میں ان سے زیادہ توہم پرست ہوں۔ مجھے یہ سب کچھ نہیں بتا دو [illegible] میں جا رہا ہوں خواجہ خضر کو ملنے۔"

سرفراز زچ ہو کر میرے سامنے ہاتھ جوڑنے لگا مجھے تھسیٹ کر ایک طرف لے جا کر ایک لمبے درخت کے تنے پر بٹھاتے ہوئے بتانے لگا۔

"آج سے کچھ عرصہ پیشتر اس جگہ انہی درختوں کے جھنڈ میں ایک اجنبی ملنگ نے کہیں سے وارد ہونا شروع کیا تھا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ دریا کا کنارہ بالکل سنسان ہے آباد سا ہے اور بارڈر بھی نزدیک ہے یہاں یا تو چرواہے اپنے ریوڑ مویشیوں کے ساتھ آتے ہیں یا کوئی [illegible] کا کسان جنہوں نے تربوز [illegible] یہاں بارکھے ہوتے ہیں ۔۔۔ ملنگ نے چپکے سے یہاں ڈیرہ جما لیا۔ نہ وہ کسی سے کچھ مانگتا تھا اور نہ [illegible] سے کوئی بات چیت کرتا تھا۔ جب بھی اسے کسی نے دیکھا خاموش اور دھیان میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ [illegible] سردیاں وہ ایک ہی لنگوٹ رہتا تھا۔"

میں نے [illegible] ملنگ کا بقول تمہارے کہنے [illegible] ضرورت نہیں تھی۔ سردی گرمی سے بھی بے نیاز تھا تو میرا خیال ہے کہ اسے لنگوٹ کی بھی کوئی [illegible] نہیں تھی ۔۔۔ میری چاچی نے مجھے بتایا ہے کہ فقیری چھپانے کا نام ہے اور میں نے اپنی طرف سے [illegible] کیا ہے کہ ملنگی ہونگی کے کم معنی ہے اسے ننگا ہونا چاہئے جیسے ننگا پربت ہے اس نے تو کوئی لنگوٹی [illegible] نہیں پہنی ہوئی یا جیسے ننگا منڈی ہے۔"

"ننگا منڈی نہیں نانکا منڈی ۔۔۔" سرفراز نے میری تصحیح کی۔

"میری غلطی درست کرنے کا شکریہ! ویسے میں بھی اپنی جگہ پر درست ہوں کہ جس نے [illegible] کو سمجھوتا نکالا۔ جس نے دست طلب بڑھا کر مانگ لیا وہ سمجھوتا ہو گیا ۔۔۔ ہاں تم اس ملنگ کے [illegible] کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے ۔۔۔؟"

"یار خان! تم سے کوئی کیا بات کرے تم تو بات کا نسف مار کے رکھ دیتے ہو۔ پچھلے سال جو تم [illegible] کے مسافر خانے والے سائیں ڈھونیں شاہ کا "بزادہ" باندھا تھا وہ تب سے کہیں غائب ہے۔ [illegible] تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں خدا کے لئے اس دفعہ تو بھینسوں کو زیادہ مت کرو۔ چھوڑو ان کو ہم نے [illegible] کے ٹھیکے لے رکھے ہیں۔ اکھو بھینس کا دودھ بھی دوہتا ہے اور چرا پٹھے بھی کاٹتے ہیں۔"

UrduPhoto.com

میں نے اس کا ہاتھ پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میاں گوالے! تمہارے یہ کام دھندے تو ہوتے ہی رہیں گے میں تو یہ ملنگ والا ڈرامہ دیکھ کر ہی جاؤں گا..... ہاں تم آگے بڑھو۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بتانے لگا۔ "پھر یہ ملنگ تھوڑا تھوڑا بولنے لگا۔"

میں نے یکدم پھر اسے ٹوک دیا۔ "تم نے لنگوٹ والا سین کاٹ دیا ہے۔ قسم کو وہیں سے چلاؤ جہاں لنگوٹ ہے۔"

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے گھگھیایا۔ "خدا دے واسطے خان! ایس لنگوٹ نوں تے مینوں بخش دے....."

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پینڈو یار! دراصل یہ ہندی لفظ اپنے صوتی اور صوری اعتبار سے بڑا ہی ذلیل اور گندا ہے۔ کہتے ہیں نا مارنے سے کھینچنا زیادہ برا ہوتا ہے تو میں بھی اس لنگوٹ کو گھسیٹ رہا ہوں..... تم مجھے اس ملنگ کے پاس لے چلو میں یہ لنگوٹ والا کام اپنے مبارک ہاتھوں سے ہی کر دوں....."

وہ فٹ سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ "ایسا کرو تم وہاں ملنگ کا لنگوٹ اتارو۔ میں تو جا رہا ہوں گھر۔ مجھے خواہ مخواہ لنگوٹ پہننے میں ملنگ پھنسوانے کا کوئی شوق نہیں۔"

میں نے اس کی پتلی سی ٹانگ ناپتے ہوئے اسے پھر پکڑ کر بٹھا دیا۔

"اچھا لنگوٹے کو گولی مارو..... ہاں تو تم کہہ رہے تھے کہ وہ ملنگ اب تھوڑی بہت بات چیت کرنے لگا مگر کس سے..... وہاں تو وہ اکیلا تھا۔"

"بھائی لوگ اس کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ گوالے ڈھور ڈنگروں کے رکھوالے آتے جاتے مسافر شکاری کسان وغیرہ۔ پھر ان ہی لوگوں نے مل ملا کر اسے ایک جھونپڑی بھی بنا دی۔ آس پاس رہ چار پانی کے مٹکے اور چٹائیاں بھی رکھ دیں۔ اب کیا ہوا کہ پہلے ایک آدھ پھر دو چار مختلف سا حوقسم کے لوگ مستقل اس کے ڈیرے پر رہنے لگے اکا دکا منت مرادوں والا بھی پہنچنے لگا۔ پھر یہ روز روز کا دھندا ہوا اردگرد کے بیسیوں گاؤں تک ہو گئے۔ خواجہ خضر نے اس ملنگ کو اپنی زیارت کروائی اور اشارہ دیا کہ جس جگہ وہ بیٹھا ہے عین اس کے نیچے میری پرانی کشتی کا ایک ٹکڑا دبا پڑا ہے وہی کشتی جس کو خواجہ خضر نے اپنے ہاتھوں سے دو نیم کیا تھا۔"

میری تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں غصے سے میں لرزنے لگا۔ مٹھیاں بھنچ گئیں۔ "استغفر اللہ" میرے منہ سے نکلا اور کچھ کہنا چاہ رہا تھا کہ سرفراز اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

UrduPhoto.com

"اگر تم نے ایک لفظ بھی اور کہا تو میں گھر چلا جاؤں گا۔ اگر تم نے کچھ سننا ہے تو جو بھی ہے سنو اور سننے کے بعد تم نے جو بھی تو پ چلانی ہے وہ چلا لینا لیکن میرے گھر جانے کے بعد کیونکہ تمہاری طرح ذلیل و خوار ہونے اور "کٹ" کھانے کا کوئی ارمان نہیں۔"

میں نے اس کی خوشامد کرتے ہوئے اسے بٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرے برادر محترم عزیز من! معذرت آپ نے میرے جذبات کا غلط اندازہ فرمایا ہے۔ دراصل اتنے بڑے انکشاف پہ میں اپنے حواس قابو میں نہیں رکھ سکا۔ آپ بلا احتمال اپنا بیان جاری رکھیں۔"

وہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "خواجہ خضر کی کشتی کا ظاہر ہونا تھا کہ خلق خدا زیارت کے لئے ٹوٹ پڑی....."

میں نے بڑی عاجزی سے اسے پھر ٹوکا۔ جگہ ہاتھ باندھ کر پوچھا۔ "جان کی امان پاؤں تو عرض کروں کہ واقعی منگ کے ڈیرے پہ خواجہ خضر کی کشتی موجود ہے؟"

"اس بھی ہے۔ صدیوں پرانی سیاہ کالی بکری کی کشتی کا ایک بڑا سا ٹکڑا جو بیٹھے میں دھنسا ہوا ہر کسی کو بھی نظر آتا ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کی زیارت کی ہے بلکہ بوسہ بھی دیا ہے۔"

UrduPhoto.com

"شاباش۔ آگے ارشاد فرمائیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ جھنجھلاتے ہوئے سڑا سا بولا۔ "اچھا اچھا مجھے زیادہ لیسیاں لگانے کی ضرورت نہیں۔ خواجہ خضر کی بیڑی میں نے کئی بار دیکھی اور چومی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں اللہ کی قدرت کا ایک اور نشان موجود ہے وہ ایک چھوٹی سی بکری ہے جس کے ایک طرف پیٹ پہ "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس بکری کا تعلق یا اس کی نسل اس بکریوں کے ریوڑ سے ہے جنہیں حضرت موسیٰ چرایا کرتے تھے۔"

"لاحول ولاقوۃ الا باللہ....." میں نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے پھر کوئی بات کی.....؟" وہ خشمگیں نظروں سے مجھے تولتے ہوئے بولا۔

"توبہ بھئی میں تو قرآن شریف کی ایک آیت مبارکہ پڑھ رہا تھا۔" میں نے صحت جان کی غرض سے کہا۔ "یار! تم نے پھر یہ محترمہ بلی مبارکہ بھی دیکھی ہوئی ہوگی.....؟"

"بلی نہیں بابا! بکری بکری..... ب بکری..... سمجھے؟"

"یار! ناراض کیوں ہوتے ہو۔ بلی نہ سہی بکری سہی۔ ان دونوں کے درمیان بھلا فرق ہی کتنا

ہے صرف یہ کہ بکری سے دودھ لگانا پڑتا ہے اور بلی سے زبردستی چھوڑنا پڑتا ہے۔ ایک "میں میں" کرتی ہے تو دوسری "میاؤں میاؤں" جیسے ایک پنجابی بول رہی ہو دوسری سرائیکی ۔۔۔ اچھا بھائی آگے بڑھو تم نے بکری کو چوما بھی ہوگا اس کی مینگنیں.....؟"

"دیکھو خان! ۔۔۔ میں شرافت سے کہہ رہا ہوں ۔۔۔ اٹھو چلو دیر ہو رہی ہے۔"

میں اسے آماد کا پیکار دیکھتے ہوئے واقعی شرافت سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یار! جانے سے پیشتر ذرا ان متبرک چیزوں کی زیارت ہی کر چلیں۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر التجا کی۔

"چلا چلتا ہوں مگر خیال رہے کوئی بدتمیزی وغیرہ نہ کرنا۔ یہ دیہاتی کام پہلے ڈال دیتے ہیں سوچتے بعد میں ہیں۔"

وہاں تو مرد و زن کی قطار لگی ہوئی تھی۔ عورتیں سروں پہ المونیم کے بڑے بڑے دیگچے دھرے آ رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ یہ مقدس بکری کے لئے دیسی گھی تھوں کے تیل میں گندھا ہوا چورہ اور تازہ مکھن لاتی ہیں۔ کچھ دیہاتی بزرگ سفید لنگ اور سفید داڑھیوں کے ڈھیر کے ڈھیر پہلو میں دبائے بیٹھے تھے۔ بچے، بوڑھے، جوان عورتیں بڑی ہی مودبی اور عقیدت سے سر شار سائیں جی کی پاشاہی کے آگے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ کالی لمبی لٹیں، سیاہ سفید بھرپور بے تحاشا داڑھی لٹکے سے چڑھی ہوئی مخمور آنکھیں، نیچے ٹانگوں پہ تہبند اوپر تنگ پنڈے پہ کالے بھینس باندھنے والے لوہے کے سنگل، میل چیکل سے اٹا ہوا مفرور سا سائیں اپنے سامنے لکڑی کے چھوٹے کالے پالنے میں بے سدھ لیٹے ہوئے بکری کے ایک گلوٹھے سے بچے کو مورچھل سے ہوا دے رہا تھا۔ ہر کوئی آنے والا پہلے سائیں جی کو بڑے ادب سے سلام کرتا پھر پاؤں چومتا نذر نیاز گزار کر پھر وہ بکری کے بچے کو سلام اور اس پہ پھول پتی نچھاور کرتا۔ اس کے پاس پڑے ہوئے آہنی صندوق میں حسب توفیق نقدی کی صورت میں نذرانہ ڈال دیتا۔ عورتیں باری باری بکری کے پالنے کو جھلانے کی سعادت بھی حاصل کر رہی تھیں۔ میں نے بھی اندر آ کر یہی کچھ کیا۔ فارغ ہو کر میں اور سرفراز سائیں جی کے سامنے بیٹھ گئے۔ گو یہاں عورتوں کی بھرمار تھی مرد لوگ صرف سلام و زیارت کے بعد باہر نکل جاتے مگر ہم تو بچے والے تھے عورتوں سے جڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ یہاں بیٹھتے ہی میرے اندر جیسے کوئی کھد بھد شروع ہو گئی تھی بار بار دائیں بائیں جھکنے لگتے محسوس ہو رہے تھے اور کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ سرفراز نے مجھے کہنی سے ٹہوکا دے کر کان میں کہا۔

"خان! کشتی شریف کی زیارت بھی کر لو پھر یہاں سے کھسکیں ۔۔۔ یہاں صرف عورتیں ہی ہیں

مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ یہاں کوئی کشتی بھی ہے۔ سائیں صاحب کے دائیں جانب ایک [illegible] ہوئی تھی' بالکل جیسے بچے عید میلاد النبیؐ کے موقع پہ چندہ جمع کرنے کے بعد گلی کوچوں میں [illegible] ہیں۔ ذرا آگے جھک کر دیکھا' زمین کے اندر سے ایک پرانی لکڑی کا کنڈ سا باہر نکلا ہوا تھا۔ ارد گرد [illegible] کی شکل میں مٹی نکال کر زمین ذرا گہری کر دی گئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی پلاسٹک کی رنگین موٹر کاریں' [illegible] کرنسی نوٹ' مٹی کے کھلونے' بے شمار بچوں والی کی پرانی چیزیں پڑی تھیں۔ لکڑی کا باہر [illegible] ایسا ہی تھا جیسے کسی پرانی مل یا کولہو کے ہتھے کو زمین میں دفن کر دیا گیا ہو۔ عقیدت مندوں نے [illegible] کے کنڈ کو کئی چیڑ چیڑ کر بڑا چمکیلا اور ملائم کر دیا ہوا تھا۔ میں نے بھی آگے بڑھ کر زیارت کی' بلکہ [illegible] کی سعادت بابرکات سے مستفیض بھی ہوا۔ اللہ اللہ کہاں میں اور کہاں یہ مقام! ایک [illegible] تمہی کی چٹکی بھر کر سرفراز نے مجھے باہر کھینچ لایا۔

"یار! کیا جلدی ہے۔ گھر ہی تو جانا ہے' مجھے جی بھر کر زیارت تو کر لینے دو۔"

"خان صاحب! اندر زیادہ دیر رکنے کی شاہ جی کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔" سرفراز نے [illegible] کرتے ہوئے کہا۔

UrduPhoto.com

"عورتیں اور لڑکیاں تو بڑی جم جما کر شاہ جی کے گرد بیٹھی ہیں' شاہ جی انہیں کچھ نہیں کہتے [illegible] یہ تو بتاؤ' یہ بکری کا بچہ زندہ ہے یا کسی مردہ بچے کے کلیوت میں بھوسا بھرا ہوا ہے۔ مجھے تو وہ کوئی [illegible] حرکت کرتا دکھائی نہیں دیا۔"

"کانوں کو ہاتھ لگاؤ' یار! وہ اکثر سویا رہتا ہے اس لئے حرکت نہیں کرتا۔ سائیں جی رات [illegible] اپنے ساتھ سلاتے ہیں' فیڈر سے دودھ پلاتے ہیں۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی میگنیاں بھی کرتا ہے۔ [illegible] کی ایک میگنی ملتی ہے۔ عورتیں سکھا کر منکے کی مانند دھاگے میں پرو کر بیمار بچوں کے گلے میں [illegible] ہیں' کالی کھانسی اور دمے کے مریض کو کچے ادرک اور شہد کے ساتھ گھوٹ کر چٹائی جاتی ہیں اور تو [illegible] جوڑوں کے درد اور پتے کے ورم والے مریض اس مینگنی کو میٹھے تیل میں جلا کر استعمال کرتے [illegible] پاتے ہیں۔ اسی طرح یہی یادداشت' کور نظری' کانوں کی بہتی پیپ کے امراض میں اسے [illegible] ستورہ میں یک وزن' ایک جان کر کے آنکھ کان' کھوپڑی میں لگایا اور چکایا جاتا ہے۔ اخراج کے [illegible] ایک دھرکونہ ایک مینگنی' ایک دھرکونہ کی مالا پرو کر مریض کے گلے میں ڈالی جاتی ہے۔ [illegible] یہ قوت باہ' امساک کے امراض میں بھی شافی پائی گئی ہے۔ کہو تو ایک دو مینگنیاں تمہیں بھی دلوا

دوں؟" وہ ایک بچے کے ملنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ سائیں برکتا مخنثیوں کا ٹھیکیدار ہے۔"

میں سرفراز کی اوٹ پٹانگ سے بے زار ہو چکا تھا اسے دھکیلتے ہوئے گاؤں کی راہ پہ لگا لیا۔ گاؤں کچھ زیادہ دور نہ تھا مگر میں بڑی دور کی سوچ رہا تھا۔ میرے اندر ایک جھنجھل سی مچی ہوئی تھی۔ دکھ یہ نہیں تھا کہ یہ لوگ کیا ڈرامہ لگائے ہوئے ہیں اذیت یہ تھی کہ بھولے بھالے سیدھے دیہاتی لوگ اپنی کم علمی اور توہم پرستی کی وجہ سے ان کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ ایسے دھوکے بازوں، جعلسازوں اور نام نہاد پیروں ملنگوں کی چیرہ دستیوں سے بھولے بھالے عوام کو بچانے کی ذمہ داری کن اداروں، لوگوں یا محکموں پہ عائد ہوتی ہے؟ ان اردگرد کے گاؤں دیہوں میں یقیناً ایسے علم والے، عالم، مولوی یا پڑھے لکھے موجود ہوں گے۔ وہ بھی جانتے ہوں گے، ان کے علم میں بھی یہ کچھ ہوگا جو آج میرے علم اور مشاہدے میں آیا ہے پھر یہ لوگ ایسے دھوکے بازوں کا سدباب کیوں نہیں کرتے؟ سرکاری محکمے ان فراڈیوں کو کیوں نہیں پکڑتے؟ میں انہی سوچوں میں گم ایک پتھر سے ٹھوکر کھاتے کھاتے بچا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" سرفراز نے مجھے گم صم سا دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"[illegible]"

"[illegible] ان چوکھٹ حضرت کی ان کے اور ان جیسوں سے بھی عقیدت مند زیارت کرنے اور منت چڑھانے چلے آتے ہیں ورنہ باقی دنوں میں تو نارمل سا ہی معاملہ رہتا ہے۔"

میں نے فوراً ایک سوال داغ دیا۔ "یہ بتاؤ کہ بکری کے بچے پہ "محمد رسول اللہ" قدرتی طور پہ لکھا ہوا ہے تم نے خود لکھا ہوا دیکھا ہے اور یہ بکری کا بچہ شاہ صاحب کو کہاں سے ملا ہے۔۔۔؟"

"خان! بکری کے بچے پہ "محمد رسول اللہ" صاف اور واضح طور پہ لکھا ہوا میں نے خود کئی بار دیکھا ہے۔ باقی رہا کہ بچہ کہاں سے آیا تو اس کے بارے میں میں کچھ زیادہ نہیں جانتا چاہو تو شاہ صاحب سے خود ہی پوچھ لینا۔"

"میں نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے جوش سے کہا۔

"دوست! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔۔۔ کل صبح صبح ہم پھر یہاں آئیں گے۔"

● پنڈ کا چینڈو رامکس.....!

گھر پہنچتے پہنچتے شام کے سائے جنوں کے سایوں کی طرح ہاون ہاون گز کے ہو گئے تھے۔

UrduPhoto.com

[illegible] بے نے مندیر کی اوٹ سے ہمیں دور سے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ صحن کا بڑا سا ہاتھی دروازہ [illegible] داخل ہوئے تو ایک نواری پلنگ پہ چارخانہ کھیس ڈال رکھے اور سبز پھولوں کی کڑھائی والے [illegible] سے منتظر تھے۔ صحن کے بڑے حصے میں پانی کا چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ آلوؤں کا ہلکا ہلکا کڑوا دھواں [illegible] پرندوں کا شور عجیب سا سماں تھا۔ ایک ٹوٹے ہوئے شیشے والی اندھی سی لالٹین دالان کے [illegible] سے لٹک رہی تھی۔ ہم دونوں چارپائی پہ بیٹھ گئے تو سرفراز کی بے بے نے ہلکی سی سرزنش کی کہ [illegible] وقت دریا کی طرف نہیں جانا چاہئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد سرفراز کا چچیرا بھائی سلیمان بھی آ گیا۔ [illegible] آتے ہی کہا کہ کھانے سے پہلے نہا دھو لو۔ پاس ہی گلی میں مسجد تھی۔ سلیمان کنویں سے پانی کھینچ کھینچ [illegible] ڈالتا رہا۔ ہم دونوں باری باری خوب مزے سے نہائے۔ مسجد کے بغیر دروازے کے غسل [illegible] کنویں کے پانی سے نہانے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ کئی بار پانی کے ساتھ ننھے ننھے دادو بھی سر پہ [illegible] آ جاتے تھے۔ مغرب کی نماز مسجد میں ادا کر کے ہم تینوں گھر پہنچ گئے۔ اب چارپائی کے پاس ایک [illegible] بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ شیشے کا جگ، تین چار شیشے کے گلاس، موتی چھل وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ [illegible] بے بے نے مرغی کا سالن، تندور کی روٹیاں، ہاتھ کی بنی میٹھی سویاں اور مچھلی پھلتی ہوئی تھی۔ [illegible] ہمارے گاؤں میں ہر کھانے کا ذائقہ ہی کچھ اور ہے۔ ہر کھانے میں دھوئیں کا سواد کیسے رچ بس جاتا ہے۔ دودھ پیو تو جیسے چینی کی [illegible] دھواں ملایا گیا ہے۔ لسی پیو تو یہی مزہ۔ سالن روٹی، میٹھا پھل پھول بھی کھاؤ تو یہی فلیور۔ حتیٰ کہ [illegible] باتوں سے بھی کوئلوں کی دھونی سی آتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر گاؤں کے [illegible] کی زوڑیاں ہوتی ہیں۔ ہر صحن اور گھر میں دودھ کی دونی کے نیچے دھواں اٹھتا رہتا ہے۔ [illegible] پھوں پھاں جھاڑ جھنکار کاٹنے اپلے۔ یہاں ہر قابل آتش زدنی چیز جلتی کم ہے اور دھواں زیادہ [illegible] کھا پی کر ڈکارنے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ گاؤں کا دادا (میراثی) اس کے دو بیٹے جو [illegible] قریب ہمارے ہم عمر تھے، ایک چھوٹی سی دھونک لئے بڑی سی "سلاما علیکم" کے ساتھ اندر داخل [illegible] ابھی وہ نیچے چارپائی کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ سرفراز کے دو اور دوست عمران اور دلاور بھی آ گئے [illegible] سے غلام رسول فوجی بھی دیوار پھاند کر آ گیا۔ ذرا ہی دیر میں چھ سات اور لڑکے آ براجے جیسے [illegible] باہر کھڑے ہمارے کھانے پینے سے فارغ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ گاؤں دیہاتوں کے [illegible] میں بہت سی اچھائیوں اور چند ایک برائیوں میں ایک اچھی یا بری روایت یہ بھی ہے کہ گاؤں [illegible] کے گھر میں مہمان اتر آئے تو سارا گاؤں فرداً فرداً اس سے جا کر ملے گا۔ بڑی سی "سلاما علیکم" کے بعد

انگلیاں تو زمصافحہ ہوگا پھر پہلی کھسکا قسم کا معانقہ ہوگا اور پھر "سناؤ ہور کی حال اے" کی گردان ہوگی۔ مجھے ان ترکیبوں سے بڑی الجھن اور گدگدی ہوتی ہے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو سرفراز کی بے بے بہن سمیت کر صحن کے "اس پار" باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ "اس پار" کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ صحن کیا تھا پانی پت کا میدان تھا۔ چاند اوپر اٹھ آیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ ہم کسی گھر کے صحن میں نہیں پہاڑوں کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہلکے ہلکے ڈھوکیں کی دھند ہمارے اردگرد پھیلی ہوئی تھی۔ دیواریں، منڈیریں، درخت وغیرہ بڑے پُراسرار سے لگ رہے تھے۔ کوئی لفظ بھی اٹھا لایا تھا، دادا اور فوجی اس سے شغل کرنے لگے۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی ہوائی باتیں چلتی رہیں۔ پھر یوں ہی سرفراز نے دریائے خواجہ خضر کی زیارت کا ذکر چھیڑ دیا کہ آج ہم ادھر گئے تھے۔ خان صاحب بھی خواجہ خضر کی بڑی زیارت کرآئے ہیں اور کلے والا بکری کا بچہ بھی دیکھا ہے۔ دادا اچانک بول پڑا۔

"بچوں کو ساتھ لے کر آیا ہوں سرکار! یہ بشیرا ہے بڑی اچھی ڈھولکی بجاتا ہے اور یہ نذیرا گاتا ہے۔ مولا خوش رکھے یہ بچے بڑے گرنر ہیں۔ فلمی گانے، غزلیں، بچے، ماہیا، مرزا جو فرماؤ گے بچے سناؤں گے۔ موتیوں والیو! ذرا ادھر دھیان کرو۔"

اس کے بعد دادا بشیرا اور نذیرا کو ہدایات دینے لگا۔ میں نے اسے تھوڑا سا ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"دیکھو بھئی دادا! آج بڑا تھکے ہوئے ہیں اور ایک ضروری مسئلے پر بات بھی کرنی ہے لہٰذا آج یہ پروگرام رہنے دو، پھر کسی وقت۔ اس وقت یہ بتاؤ کہ وہ کلے والا ملنگ کون ہے، اس کا اصل نام کیا ہے۔ کیا یہ واقعی سیّد ہے یا کوئی اٹھ بھگر ہے اور اگر تم وہ خواجہ خضر کی کشتی اور کلے والی بکری کی اصل حقیقت کی پوری تفصیلات سے مجھے آگاہ کرو تو تب مانو کہ تم گاؤں کے اصلی دادا ہو....."

وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "خان جی! آپ کن بکھیڑوں میں پڑ گئے ہیں، یہ سارے پیٹ پوجا کے چکر ہیں۔ وہ ملنگ اور اس کے چیلے سب چکرباز اور فوسرباز ہیں، سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنا حلوہ مانڈہ سیدھا کرتے ہیں۔ ایک دو کو میں ذاتی طور پہ جانتا ہوں لیکن جو بڑا ملنگ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تین چار سال سے وہ کہیں سے آ کر ادھر ٹیلے میں بیٹھا ہوا ہے بالکل خاموش، نہ کسی سے بات چیت کرتا ہے نہ کچھ مانگتا ہے۔ کوئی ایسا عمر رسیدہ بھی نہیں، داڑھی مونچھ بال وغیرہ صاف کروا دیئے جائیں تو اندر سے بالکل آلو بخارا نکل آئے۔" وہ حقے کا دم لگاتے ہوئے پوچھنے لگا۔ "ویسے آپ اس کے متعلق یہ ساری معلومات کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

UrduPhoto.com

دادا! مجھے وہاں کی ہر چیز فراڈ، دو نمبر دکھائی دیتی ہے۔ فراڈ دھوکہ تو ہر جگہ ہوتا ہے ہم کس کس
سے لڑیں گے مگر مقدس ہستیوں کے نام پہ فراڈ ہو یہ برداشت نہیں ہوتا۔ دادا! میرے دماغ میں ایک
بات آئی ہے۔ اگر تم لوگ میرا ساتھ دو اور بڑی رازداری سے کام کرو تو تین چار فائدے ہو سکتے
ہیں۔

دادا جھٹ پوچھنے لگا۔ "مثلاً.....؟"

"مثلاً نمبر ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ جو انہوں نے غلط چیزیں منسوب کی ہوئی ہیں ان کی حقیقت
سامنے آ جائے گی۔ ہم جھوٹے بھالے لوگوں کے ایمان کو بچائیں گے۔ یہ بہت ثواب کا کام ہے۔ دوسرا فائدہ یہ کہ
سچے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوگی اور یہ لوگ اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس
دھندے سے پاکھنڈ ختم ہو جائے گا۔"

یہ سوکھے خشک فائدے سن کر کچھ زیادہ خوش نہ ہوا بس خاموش سا ہو گیا۔

"خاموش ہو گئے ہو دادا! ..... کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے پوچھ لیا۔

وہ کہنے لگا۔ "سوچنا کیا ہے موتیا! ہم بھاگ بھرنی لوگ ہیں ہمارے ہم سوچنے کی گراریاں
نہیں ہوتیں۔ ہمارا کام اللہ کے بندوں کو خوش رکھنا ہے۔ دادا آپ کو خوش رکھنے میں آج گلوکار بچے
آپ کے قدموں میں حاضر ہوا تھا کہ خان صاحب ماشاء اللہ خود بھی بڑے کرنیلے ہیں کرنیلے بچوں
کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ سرکار کے قدم برکت سے کل ہمارے گھر بھی پڑ گئے تھے تو کم از کم کوئی
سوہنی مہنی میں پک جائے گا۔ کل پنڈ میں بھر تو کے کے گوشت کی کھا کھا کر پیٹ دی پڑا ہے
سرکار! اور وہ جب سے پنڈ میں وارد ہوا ہے ہمارے گھروں میں اب فاقے ہی رہ گئے ہیں۔"

"وہ کون.....؟" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"وہی تی ..... گورو جہاں دے پنجے چیلے جان شریف ..... وہی بیڑی تے بکری والا۔ ایک بزرگ بچہ
سے وہی گھی کے پھوڑے۔ بادام پستہ کشمش گری کھوپا سوتی تے چھوہارے ..... ہم بھی کس طرح
کے مسلمان اور انسان ہیں۔ دھوکے باز بے ایمان فراڈیوں کے لئے ست ست نعمتیں پکا کر سر پہ اٹھا کر
ان کے در پہ پہنچاتے ہیں اور پاس پڑوس میں کسی غریب فاقہ مست کو سوکھی روٹی اور مٹھی بھر اناج نہیں
دیتے۔"

غلام رسول فوجی بھائی نے بھی لقمہ دیا' کہنے لگا۔

"ہم کو خدا کا خوف نہیں دادا! اسی لئے تو خدا نے ہم پہ ایسے چور اٹھ دھوکے باز مسلط کر دیئے

UrduPhoto.com

ہیں جو ہماری سادگی اور توہم پرستی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ہمیں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔"

میں نے دادا کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بڑی ہمدردی سے کہا۔

"تم نے مجھے غلط سمجھا۔ تم مرغی کے چوچے کی بات کرتے ہو میں تمہارے لئے بہت بڑے شتر مرغ کا انتظام کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہوں۔ بس ذرا خاموش ہو کر سنتے جاؤ۔" اب میں نے بھائی فوجی کو اپنی دائیں طرف بٹھایا اور پوچھا۔ "فوجی بھائی! تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"خان صاحب! فوج میں تھا اچھی کارکردگی پہ میرا چناؤ کمانڈو کے لئے ہو گیا۔ وہاں بھی میں بہادری، محنت اور اپنی اچھی صحت کی بنا پہ بڑا اچھا جا رہا تھا۔ بس آخری امتحان باقی رہ گیا تھا۔ بدقسمتی سے ٹریننگ کے دوران ایک منجنیق چلاتے ہوئے ذرا سا اندازہ غلط ہو گیا بس اسی غلطی سے ایک ٹانگ ٹوٹ بیٹھا۔ چار مہینے تک فوجی ہسپتال میں علاج کرتا رہا مگر ٹانگ میں نقص رہ گیا۔ اب سرکار نے میڈیکل بنیاد پہ مجھے پنشن کے ساتھ ریٹائر کر دیا ہے۔ یہ دیکھیں میری ٹانگ بالکل ٹھیک ہے بس ہلکا سا لنگ ہے۔ سرکار کی طرف سے پنشن مل جاتی ہے اپنی چھوٹی سی کھیتی باڑی بھی ہے اور ساتھ کوشش کرتا ہوں کہ اللہ کی مخلوق کی خدمت اور بھائی کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کرتا رہوں۔ اردگرد کے پانچ چھ دیہاتوں کی رفاہی فلاحی تنظیم کا رکن بھی ہوں۔ آپ میں کام کرنے کا جذبہ ہو تو ہم ملکر کام کریں گے۔"

میں نے فوجی بھائی کو سراہتے ہوئے کہا۔ "آپ تو بڑے کام کے بڑے مخلص اور جذبے والے مجاہد انسان ہیں۔" میں نے دادا اور فوجی بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ جیسے مخلص اور درد مند لوگوں کی وجہ سے تو ابھی تک یہ دنیا قائم ہے ورنہ کب کے چراغ گل ہو چکے ہوتے۔"

سرفراز کے دونوں دست عمران اور دلاور بھی بڑے حوصلہ مند مخلص لڑکے تھے۔ سرفراز کا چچا زاد بھائی سلیمان بڑے کھلے ہاتھ پاؤں کا جیالا سا جوان تھا۔ کچھ کر گزرنے کا شوق اور حوصلہ رکھتا تھا۔ ہم سب کافی دیر تک اس مسئلے پہ اپنی اپنی رائے اور معلومات کے مطابق گفتگو کرتے رہے لیکن جو کچھ میرے اندر تھا وہ میں نے ابھی کسی پہ ظاہر نہیں کیا تھا۔ گلوکار بچوں کو نیند آ رہی تھی باہر چوکیدار گھنگھروؤں والی بڑی سی ڈانگ کے ساتھ چکر لگا رہا تھا۔ دادا اور بچوں کو کل پھر ملنے کے وعدے پر بھیج دیا گیا۔ کچھ دیر بعد عمران اور دلاور بھی نیند کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ غلام رسول فوجی، سرفراز اور میں ہم تینوں نے آنے والی صبح اذان سے بہت پہلے دریا پہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر غلام رسول فوجی بھی دیوار پھلانگ گیا تو میں اور سرفراز جہاں جہاں کرتے ہوئے پانی پت کے میدان میں اکیلے رہ گئے دھوڑ نگروں کے گلوں سے بندھی گھنٹیوں کی آواز یا کسی بلی، بکری کے ممیانے اور میاؤں سے احساس ہوتا تھا

UrduPhoto.com

[illegible] بھی یہاں کوئی مخلوق ہے۔ تاروں بھرا آسمان، نیلے بادلوں کے ٹکڑوں سے آنکھ مچولی [illegible] چاند، ابابیلوں کی سائیں سائیں پروازیں، پکی منڈیروں کے پاس اکا دکا [illegible] سا پینڈو ماحول جس کی اپنی ایک الگ ہی شان اور خوبصورتی تھی۔ سرفراز بیٹھا بیٹھا ہی [illegible] کی جانب لڑھک گیا تھا۔ ہائے ایسی پینڈو، سائل فینڈ مصنوعی زندگی بسر کرنے والے شہر [illegible] کہاں نصیب ہوتی ہوگی۔ رات اور نیند تو از خود جادو ہیں اور یہ جادو کسی دیہاتی ماحول [illegible] ہی کر پاتا ہے۔

بیت الخلاء، صلائے عام، پیٹ برداروں کے لئے ...!

[illegible] دیہاتوں میں انسانوں سے بہت پہلے چرند پرند اور دیگر جانور جاگ جاتے ہیں۔ سورج ابھی [illegible] کے ہنڈولے میں آنکھیں مل رہے ہوتے ہیں اور ادھر کسان کھیتوں کی طرف چل چلاؤ [illegible] ہوتے ہیں۔ عورتیں لڑکیاں دودھ دوہنے کی تیاری کر رہی ہوتی ہیں، اذان بعد [illegible] ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں تو [illegible] رات کب اور [illegible] نیند کی دیوی سے ملا تھا۔ کچھ بھی تو یاد نہیں تھا بس اتنا یاد تھا کہ جب آنکھ کھلی تو شب اپنی بکھری [illegible] سمیٹ رہی تھی۔ دیہاتوں میں لاکھ اچھائیاں سہی مگر ایک برائی سب پہ بھاری ہے اور وہ ہے [illegible] میں باہر کھیتوں میں فارغ نہیں ہو سکتا میں جب بھی کسی دیہات سے بھاگا ہوں تو اس کی [illegible] "بیت الخلاء" تھے اور اگر کسی گاؤں یا دیہات میں جملہ سہولتوں سے آراستہ باتھ روم ہیں تو [illegible] گاؤں ہی نہیں بلکہ گاؤں کے نام پہ کاؤری ہے، تہمت ہے، الزام ہے۔ کئی بار اس بارے میں [illegible] کیا وجہ ہے، دیہاتی لوگ اپنے گھروں کے اندر بیت الخلاء کیوں نہیں بناتے؟ میری ناقص [illegible] وجہ آئی کہ یہاں لوگ سبزیاں ترکاریاں مثلاً گوبھی، باتھو، میتھی، پالک، کچھ، مچھ، پیلی کو [illegible] اور گنے کا جوس بھی استعمال کرتے ہیں اور ان سے فراغت حاصل کرنے کے لئے انہیں [illegible] بیت الخلاء کی ضرورت ہوتی ہے ... سرفراز الموسوم کا لوٹا پکڑے میرے سر پہ آ کھڑا ہوا۔

"اٹھو بادشاہ! فارغ ہو لو....."

میں اس کور ذوق پینڈو کا منہ تکنے لگا جو میرے منہ پہ مجھے بادشاہ بھی کہہ رہا تھا اور باہر کھیتوں [illegible] فراغت" کا اذان بھی دے رہا ہے۔ میں سوچنے لگا کہ میں بادشاہ ہوں یا گدھا؟ چونکہ

صبح صبح میں اس سے کوئی پنگا نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں نے چندی کھجاتے ہوئے اس سے کہا۔

"فاضل اجل وزیر اعظم! یہ فراخدلی اونا میں رکھ دیا جائے۔ کیونکہ آپ خود جنس نہیں بے چندے کے لوٹے ہیں لہٰذا آپ آگے آگے ہراول دستے کی ذمہ داری سرانجام دیں۔ مابدولت آپ کے نقش کفش پہ قدم بہ قدم، قدم رنجہ فرماتے ہیں۔"

وہ میرا منہ تکنے لگا شاید سوچ رہا تھا کہ صبح صبح مجھے کوئی مغل اعظمی قسم کا دورہ پڑا ہے۔ وہ مجھے اس جواب دینے کی بجائے لوٹے سمیت باہر نکل گیا۔ زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اس نے کوئی عقلمندی دکھائی تھی۔ اگر وہ کوئی اچھا سا جواب دے دیتا تو پھر ہم دونوں میں فارغ تھے باہر کھیتوں کی جانب جانے کی حاجت نہ رہتی ... بہرحال میں نے بھی عقلمندی دکھائی کہ چند منٹوں بعد اسے جا لیا۔

"ہوئے تیز گام بنے ہوئے ہو... رات کو کوئی ہوئی مرگی معدے میں پہنچ مار رہی ہے یا پیٹ پتلا پڑ گیا ہے؟"

میں نے اسے تیز تیز جاتے ہوئے دیکھ کر پیچھے سے کہا مگر مجھے پھر ایک بار پیچھے کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ پھر غائب تھا۔ وہ پھنڈیا اندر قدرت سے زیادہ آگے کا حصہ تھا۔ اوپر نیچے راستے' پانی بالائی کھیتوں کے کنارے ہے۔ کوارہ کے درختیاں راستے راہاں ہر چیز وہ چھلانگ لگاتا' گراتا ہوا "مدقہ سنڈاس" تک آ پہنچا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں بڑے بڑوں کے ناک جلتے ہیں جہاں قریب کے علاقے کا ہر مرد و زن "اخراج معدنیات" پیش کرنے قریباں خراباں کھنچا چلا آتا ہے۔ چادر سے منہ ڈھانپے ہاتھوں سے تہبند کا پلو اٹھائے ایک دوسرے سے آنکھیں کتراتے ہوئے کہ جیسے دیکھا ہی نہیں۔ جہاں سے آڑ اونچ نیچ دیکھی وہیں تہبند کا تنبو تان دیا۔ عام تعجیل یا اور کسی وجہ سے بعض پارٹیاں اتنا قریب فروکش ہو جاتی ہیں کہ بن پوچھے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے ہاں گزری رات گوبھی پکی تھی یا گوشت ہو تھا سالک!! ہر ضرورت مند یہاں ڈیرہ جمانے سے پہلے "کھنکھورہ" ضرور مارتا ہے۔ "گند مارنگ" کے علاوہ اس کا مقصد پاس قریب دو چار فٹ کے فاصلے پہ براجمان پارٹی کو اپنی آمد سے خبردار کرنا بھی ہوتا ہے۔ پھنڈ ولیڈیز ذرا نخرے اور جم کے بیٹھتی ہیں۔ رات کا کھایا پیا' گھر خاوند کی تازہ رپورٹس' ساس کی بیماری' دیورانی جیٹھانی کی آوارگی' رشتے ناتوں کی بات' تعویذ دھاگے' زیورات' کمیٹیوں کی تاریخیں ادھر ادھر کی ہوتی ہیں۔ اکثر وہیں پہ "آن ڈیوٹی" باقاعدہ لڑائیاں' کوسنے اور ناقابل شنید الزام تراشیاں بھی کی جاتی ہیں۔ ذرا ساتھ پرے مرد حضرات ذمہ سادھے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ کئی اپنے متعلق غلط سلط الزام سن کر برداشت نہ کرتے ہوئے وہیں ایک دوسرے سے دست و گریباں بھی ہو جاتے ہیں۔ یہاں

UrduPhoto.com

[illegible] آنے کی ہم اللہ کرتے ہیں باقاعدہ جنگ و جدل واپس گھر آ کر ذاتی معاملوں سے ہوتی ہے [illegible] کے بعد طہارت کے لئے قدرت اور کسانوں کی جانب سے وافر انتظام ہوتا ہے۔ مٹی کی [illegible] کھیت گھاس پتے راجباہوں آبپاشی اور نالوں میں بہتا ہوا تازہ پانی۔ اسی طرح قدرت نے [illegible] کا بندوبست بھی ادھر ہی کیا ہوتا ہے ادھر فارغ ہوئے تو اٹھتے ہوئے ایک آدھ مونی کا جڑ [illegible] مونی کڑی اکھاڑی۔ پاس بہتے ہوئے پانی پہ بیٹھ کر "سب کچھ" دھویا۔ پتے وغیرہ ادھر پھینکے [illegible] ہوئے واپسی پہ کنویں پہ غسل کیا اور گھر آ گئے۔ میں بھی بالکل اسی طرح فارغ ہو کر سرفراز کے پیچھے نہ موٹی سے گھر واپس پہنچ گیا۔ ہم نے باہر ہی سے دیکھ لیا تھا کہ فوجی غلام رسول، دلاور خان اور [illegible] چچا زاد بھائی سلیمان صحن میں بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ اندر داخل ہونے سے پہلے سرفراز نے [illegible] کے پاس روک کر کہا۔

● چچا چھوندر اور کروڈیا سانپ.....!

UrduPhoto.com

"خان مجھے پتا ہے تم میرے لئے ایک چیلنج ہو۔"

میں نے اس کی بات پہ ذرا سا غور کرتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے یہ تو پتا نہیں کہ میں تمہارے [illegible] چھوندر ہوں یا نہیں البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ میں اپنی چوٹی کا کاگا ہوں۔ چلو مان لیا کہ میں اک [illegible] ہوں مگر یہ بتاؤ تم کیا ہو؟"

سرفراز نے سہما کر فوراً جواب دیا۔ "میں ایک کروڈیا سانپ ہوں اور تم میری دوستی کے حلق [illegible] پھنسے ہوئے ہو۔ میں نہ تو تمہارے بغیر رہ سکتا ہوں اور نہ تمہاری ان پھنڈے بازیوں کی وجہ سے تمہیں [illegible] کر سکتا ہوں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" مجھے غصہ آ گیا تھا۔

"میں کیا کہوں تم نے اپنی حرکتوں سے باز تو آنا نہیں۔ ابھی مشکل سے ایک دن ہی تمہیں [illegible] ہوئے نہیں ہوا کہ تم نے آتے ہی ملک والا محاذ کھول دیا ہے۔ خدا کے بندے! تم نے دنیا [illegible] کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ تم اپنی نیچر دوسروں سے واسطہ کم رکھو۔ دیکھو یہ سب اول تمہارے [illegible] پہ بیٹھے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ پوچھ کرنے سے پیشتر مجھے ضرور بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ یہ [illegible] ہے شہر نہیں۔ یہاں کے طور طریقے....."

میں نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"یار بس! میں کوئی ایسا کام کرنے نہیں جا رہا جو غلط اور تمہارے لئے باعث بے عزتی ہو۔ میں تو وہ اہم آپریشن کرنے جا رہا ہوں جو تم مقامی لوگوں کو بہت پہلے کرنا چاہئے تھا لیکن تم لوگ تو صرف اپنے درد اپنے گھر کے مسائل اپنی ذات کے ساتھ دلچسپی رکھتے ہو۔ دین کے ساتھ کیا ہو رہا ہے معاشرہ عوام الناس کس کھڈے میں گر رہے ہیں اس سے تمہیں کوئی سروکار نہیں..... یار! ہم کیسے بے حس خود غرض اور ظالم لوگ ہیں۔ ہم میں سے ہر مسلمان ایک دوسرے کا بھائی ہے۔ یہ ہمارا اپنا ملک ہے ہماری سوچ نہیں ہونی چاہئے کہ کوئی غلط ہے تو ہوا کرے ہمیں کیا؟ ہمیں ملک دشمن سماج دشمن اخلاق اور قانون شکن اور اپنے دین کے دشمنوں پہ گہری نظر اور گرفت رکھنی پڑے گی۔ اب آؤ اس ملک کی جانب ہمیں اللہ کے فضل سے یقین سے کہتا ہوں کہ یہ مسلمان [illegible] چہ جائیکہ تم لوگ اسے سیکھتے ہو۔ اگر یہ مسلمان ہوتے تو کم از کم متبرک نام اور حوالہ ایسی دیدہ دلیری سے استعمال نہ کرتا۔ تم نے بھی کبھی نہ کچھ پڑھا ہے تاریخ کا مطالعہ اور دین کی کتابیں بزرگوں کے حالات پڑھتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ خواجہ خضر علیہ السلام کی کون سی کشتی تھی جو یہاں انڈیا کی سرحد کے قریب اس ملک کے ڈیرے کے طور ظاہر ہوگی ہے [illegible] بکریوں پر [illegible] بکری کے بچے کی کھال پہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے اور اس بچے کو شیش یعنی بھٹ کے سپنے کھلا کر نیم خوابیدگی کے عالم میں رکھا جاتا ہے [illegible] کے سارے پیلے چاولے فراد یہ اور منشیات کے عادی ہیں۔"

"تم یہ سب کچھ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو تم نے تو یہ لوگوں کو آج ہی دیکھا ہے؟"

"مائی ڈیئر گھامڑ [illegible]" میں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم میں اور مجھ میں یہی ایک فرق ہے کہ تم اوپر کے پانی کی تہہ میں مچھلی ہو اور میں اتھلے پانی میں تیرتا ہی نہیں ڈکتا مچھلی کی مانند تہہ سے مونچھ کی نوک مار کر رکھتا ہوں۔ بس دو چار روز کی بات ہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی تمہارے سامنے آ جائے گا۔" میں نے اسے مزید دلاسا دینے کی خاطر اس کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یار! کیا تیری اور میری عزت نفس تو الگ الگ ہیں اور پھر جو کام نیکی کی خاطر اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کیا جائے اس میں کیا ڈرنا؟"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دادا امیر الٰہی بھی آ پہنچا۔ ہم تینوں اندر آ گئے۔ لسی شربت پراٹھے ناشتے کے بعد ہم سب اکٹھے دریا کی جانب چل دیئے۔ راستے میں ساری بات میں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا دی اپنے پلان کے مطابق دادا عمران اور [illegible] کو ہم نے آدھے راستے پہ اغوانوں کے ڈیرے سے

UrduPhoto.com

کھلا رہا۔ میں، سرفراز اور سلیمان ابھی ملک کے ڈیرے سے کوئی آدھ فرلانگ دور ہوں گے کہ
ہم نے وہی نغمۂ الوہیت شروع کر دیا جس میں اللہ سبحان و تعالیٰ کی شان و ربوبیت، ختم المرسلین کے
ختم نبوت کی گواہی، راہِ فلاح و بہبودی کی نشاندہی اور اس اکبر و برتر کے حضور سجدہ ریز ہونے کی دعوت دی
گئی ہے۔ ملک کے ڈیرے تک پہنچتے پہنچتے اذان اپنے اختتام تک پہنچ گئی تھی۔ ڈیرے کے باہر ایک طرف
تھڑا بنا ہوا تھا جس پر مٹی کے دو گھڑے الٹ کر رکھے ہوئے تھے، ان پر سفیدی سی بچھی ہوئی تھی۔
مٹی کے لوٹے اور ایک آدھ پھٹی پرانی پرالی کی چٹائی بھی لپٹی ہوئی دھری تھی۔ ہم چٹائی تھڑے پر
نماز ادا کر کے بیٹھ گئے تھے کہ اب ادھر ڈیرے سے بھی کوئی نماز کے لئے آئے۔ ہم تینوں بار بار
درختوں کے جھنڈ کی جانب دیکھ رہے تھے جدھر خواجہ خضر کی کشتی اور مقدس بکری کا بچہ اور ان کے
ساتھی ابھی تک نیند یا کسی نشے کی ترنگ میں مدہوش پڑے تھے۔ فرض کی ادائیگی کے لئے ابھی خاصا
وقت تھا۔ سب دریا ہونے کی وجہ سے فضا میں قدرے خنکی اور تازگی کی مہک رچی ہوئی تھی۔ دریا کنارے
پر بسنے والے پاک پلید جانوروں، پرندوں کی مدھم بلند مسحور آوازوں سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہاں
زندگی بیدار ہو چکی ہے مگر "شاہ جی" کے ڈیرے میں ابھی تک مرگ طاری تھا۔ کچھ وقت اور اسی
طرح گزرا اور ہم ڈیرے کی جانب چل دیئے۔

"بہتر ہے کہ نماز ادا کر لی جائے۔"

● یغار، اغیار اور بکری کے بچے کی پکار.....!

نماز کے بعد دعا میں اللہ کریم سے التجا کی کہ اے مالک ظاہر و باطن! ہم تیرے عاجز، کمزور اور
گناہ گار بندے ہیں، ہم میں سے ابھی تک کسی کی شادی بھی نہیں ہوئی۔ ہم بے آسرا اور تیرے کرم کے محتاج
ہیں۔ تو بہتر جانتا ہے کہ ہم یہاں کیوں آئے، یہ لوگ تیری برگزیدہ ہستیوں کی توہین کے مرتکب ہو رہے
ہیں۔ مولا کریم! ان کو ان کے عزائم سمیت نیست و نابود فرما اور اپنے بندگان کو ان کے شر، کذب اور فجور
سے نجات دلا..... اب کیا کرتے؟ نماز، دعا، تسبیح کے بعد وہیں بیٹھے رہے۔ ہلکی ہلکی روشنی نے اندھیرے کی
سیاہی میں حلاوت گھول دی۔ جھاڑیوں، جھاڑوں اور درختوں سے صبح خیز پرندے دانے دنکے کے لئے
اڑنے لگے۔ بادِ نسیم کی نکہت بیزی نے مشامِ جاں کو تراوت و تازگی سے سرشار کر دیا۔ مشرق کی شمسہ
نے گھونگھٹ سرکا دیا تھا، گل میں عارضوں کی حیا کی تمازت سے ہلکی ہلکی لرزش ابھر رہی تھی۔ سبحان اللہ!

UrduPhoto.com

فطرت کے حسن و جمال اس سحر آفرینی اور فسوں کاری کو سمجھنے جاننے اور صحیح لطف و جذب حاصل کرنے کے لئے سحر خیزی بڑی ضروری ہے۔ میٹھے میٹھے سورج کچھ اور اوپر آ گیا تھا' روشنی میں دور نزدیک تھوڑا بہت نظر آنے لگا۔ اب طبیعت میں ہلکا ہلکا اضطرار پیدا ہونے لگا' رہ رہ کر یہی سوچ رہا تھا کہ یہ ڈیرے والے انسان ہیں یا کاٹھ کے بنے ہوئے ڈھانچے؟ گھنٹہ بھر سے یہاں بیٹھے ہیں' ادھر سے کوئی خیر خبر کوئی ہلچل ہی نہیں۔ اگر کوئی بدقسمت انسان نماز روزے کے لئے نہیں اٹھتا تو کم از کم نہانے دھونے یا بیٹھ واجبی ضرورتوں کے لئے ہی صبح صبح بیدار ہو جاتا ہے۔ اب ساتھی بھی کھدبد کرنے لگے' اب ہم سب نے سوچ کر اٹھے کہ ذرا ڈیرے کے قریب جا کر صورت حال کا جائزہ تو لیں۔ زیارت گاہ کے نزدیک پہنچے تو یہاں سارے کا سارا میدان ہی کھیت پڑا ہوا تھا' دین و دنیا سے بے خبر سب ہی سوئے پڑے تھے۔ راکھ آلودہ جنٹیں چہروں پہ نحوست پھنکار رہیں۔ "شاہ صاحب" اپنے گدھے میں خوردہ پاؤں "مقدس کتے" پہ ٹکائے' ہم بدن سے اٹا فیل تھے۔ دیگر ملنگ بھی جیسے کسی گہرے نشے کی کیفیت میں ہوں' صرف ایک جاندار ایسا تھا جو نیم وا آنکھوں تلے ہماری جانب حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے خاموشیوں کی زبان سے کہہ رہا ہو کہ خدا کے لئے مجھے ان قصائیوں سے بچاؤ۔ تمہارے گھروں میں بھی کتے بھیڑ بکریاں ہوں گی۔ ماں بچوں کا ہوں تو تمہارے بچے تو ہوں گے اور اگر ان کی ابھی نوبت نہ آئی ہو تو تم خود بھی کبھی معصوم بچے رہے ہو گے۔ بس تمہارے کبھی بچے ہونے کا واسطہ مجھے یہاں سے رہائی دلا دو۔ میرے کاکاریاں بھرنے' تتلیوں' مینڈکوں اور چڑیوں کوؤں کے پیچھے لپکنے کے دن تھے مگر ان ظالموں نے اپنے ہاتھ پوست بھنگ پلا پلا کر مجھے "جہاز" بنا دیا ہے میری سدھ بدھ ماری گئی ہے۔ یہ لوگ نرم نرم پتوں اور دودھ کی بجائے چورما کے لڈو مٹھائیاں' جو بھی الم غلم زیادت کرنے والے لاتے ہیں' زبردستی میرے حلق میں ٹھونستے ہیں۔ یہ نامناسب غذا ہر وقت پالنے میں پڑے رہنے کی وجہ سے میں ہضم نہیں کر پاتا' دائمی قبض کی بنا پر میرا پیٹ بوجھل طبیعت میں اضمحلال سا رہتا ہے۔ اجابت نہ ہونے کے برابر۔ کاروباری مقاصد کے لئے چونکہ کو میری "مقدس بیٹھکیوں" کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی خاطر یہ ظلم میری معصوم اور معدوم کی جان پہ ظلم توڑتے ہیں کہ جس کا آپ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کیسا ملک ہے جہاں کوئی ادارہ یا محکمہ انسان و بے زبان حیوانات نہیں جہاں جا کر کوئی داد فریاد لگوا سکے۔ ستم بالائے ستم یہ پاکھنڈی ہر دوسرے تیسرے دن میری دائیں جانب کھال پہ ڈبک سوئیوں کو نیل' نرمے اور تیزاب کے آمیزے میں ڈبو کر محمد رسول اللہ کے مصنوعی طور پہ بنائے الفاظ و حروف کو مزید گہرا اور نمایاں کرتے ہیں جس سے میرا

ہیں، اسم میں آگ سی لگ جاتی ہے۔ میری ماں موضع میانی خورد کے پیراں دتہ جوڈات کا بھانڈ اور وقتی بیٹے سب کے کاٹا سے بہرہ پیا ہے کے پاس رہتی ہے۔ میرے دو بھائی بھی ماں جی کے پاس رہتے ہیں۔ ماں کا ایک مٹک مولا موچھا میری بیٹیوں کا ٹھیکیدار ہے اس نے مجھے پیراں دتے سے چادر و پڑا دلی گئی ہے دوا کے عوض خریدا تھا۔ مجھے خریدنے کی وجہ یہ تھی کہ میرے پیٹ کی کھال پہ قدرتی طور پر کچھ سیدھی لکیریں اس طرح سے تھے کہ انہیں اگر کوئی چاہے تو لفظ بنائے جا سکتے تھے چنانچہ ان مٹکوں نے ان لکیروں کو سوئی تکلی اور سرخ تیزاب سے بڑھا بنا کر محمد رسول اللہ بنا دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی قدرت اور معجزاتی طور پہ لکھا ہوا ہے۔ بے وقوف جاہل لوگ میری بیٹیوں کے علاوہ میرے "گھی گھی" سے لتھڑے ہوئے کپڑے بھی تبرک کے طور پہ لے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ کثرت البول کا مریض اس کپڑے کا لنگوٹ پہنے تو پہلے دن ہی افاقہ ہو جاتا ہے اور اگر پیشاب بند کا مریض اس کپڑے کو بچھا کر اس پہ پیشاب کرنے کے متعلق محض خیال ہی کرے تو اس کے بند ہوتے پرنالے کی طرح کھل جاتے ہیں۔ پھر ایسے لکھتے ہیں کہ اسے پھر اس کپڑے کا لنگوٹ باندھنا پڑتا ہے۔ سرفراز نے مجھے جھنجھوڑ کر مجھے جگایا۔

"خیر ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ میں نے چائے کے تاثرات سے حضار کی تسلی سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی تم سے باتیں کر رہا ہے اور تم بڑی محویت سے اس کی باتیں سن رہے ہو۔"

"ہاں سرفراز! ایسا ہی تھا۔ یہ معصوم اور مظلوم بکری کا بچہ مجھے اپنی بپتا سنا رہا تھا۔ تم نے مجھے اذیت کر کے بہت برا کیا۔ مجھے اس کی ساری رام کہانی تو سن لینے دیتے۔ خیر اب سارا پروگرام بدل گیا ہے۔ اس سے قبل کہ کوئی ان میں سے ہمیں دیکھے فوراً یہاں سے نو دو گیارہ ہو جانا چاہئے۔ باقی باتیں گھر پہ جا کر ہوں گی۔"

راستے سے ہم نے دادا، بلا اور عمران کو ساتھ لیا اور بھاگم بھاگ گھر پہنچ گئے۔ ساری پارٹی پریشان تھی کہ ہم کیا کرنے گئے تھے اور اس طرح سے بے نیل و مرام واپس آ گئے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا نہ کسی کی ہمت تھی کہ وہ مجھ سے پوچھتا کہ ہم ایسے واپس کیوں آ گئے ہیں؟..... دادا حقے کی چلم تازہ کرنے کے لئے اٹھ گیا۔ سرفراز کو میں نے چائے بنوانے کے لئے بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد چائے پیتے ہوئے میں نے دادا سے پوچھا۔

"دادا! یہ میانی خورد کس طرف ہے اور یہاں سے کتنے فاصلے پہ ہے؟"

UrduPhoto.com

دادا نے حقے کی منہال پرے ہٹاتے ہوئے بتایا۔

''للیانی کلاں اور خورد دونوں چک امروے چند کوس کی مسافت پہ ہیں۔ للیانی کلاں میں میرے ننھیال ہیں اور للیانی خورد میں میرا ساڈو رہتا ہے۔ قسم کریں میں دونوں گاؤں کے بچے بچے سے واقف ہوں۔ مولا خوش رکھے.....''

میں دادا کو بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی میرا اس طرح سے دیکھنا محسوس کر رہا تھا قدرے گھبرا کر پوچھنے لگا۔

''مولا خیر کرے خیریت ہے نا! آپ للیانی کا کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''دادا! تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر آج اسی وقت تمہیں چھوٹی للیانی روانہ کیا جائے تو جلد سے جلد تم کب واپس آ سکتے ہو؟''

وہ حقے کا پلکا سا کش لے کر انگلیوں اور آنکھوں میں حساب لگا کر بولا۔

''لگ بھگ گئے رہن تے دشمناں دے منہ کالے تے نیلے پیر..... سرکار مجھے میں آج تے دن میرا مطلب اے کہ میں اگر آج ابھی للیانی جاؤں تو میرا خیال ہے کہ میں رات تک بخوشی واپس آ سکتا ہوں۔''

میں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اور اگر وہاں سے ایک آدمی اور ایک عدد بکری ساتھ لانی پڑے تو پھر کب واپس آ سکتے ہو؟''

وہ حقہ پرے کرتے ہوئے حیرانی سے پوچھنے لگا۔

''مولا! خیر خان صاحب دی۔ اُچے شملے تے سردار یاں قائم..... بکری اتنی دور سے اور قصبہ للیانی سے..... نمونیاں والیو! منٹوں پہلے سوا لکھ بکری تے پلٹن قصائیاں دی یہاں پر حاضر کر دیتے ہیں۔''

''نہیں دادا! مجھے بکری وہ چاہئے جو تیرے ہم زلف یعنی ساڈو پیراں دتے کے گھر پہ ہے۔''

دادا تو چارپائی سے گرتے گرتے بچا۔ دریائی گھوڑے کی طرح آنکھیں چہرے سے باہر نکال مجھے تکنے لگا۔ باقی ساتھی بھی حیران ششدر کہ میں کیا کہہ رہا ہوں کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سلیمان ہمت کر کے بولا۔

''دادا! تمہارے ساڈو کا نام پیراں دتہ ہے اور کیا واقعی اس کے ہاں کوئی بکری ہے.....؟''

''باؤ سلیمان! رب تیری حیاتی کرے..... یار! خان صاحب یہ سب کچھ کیسے جانتے ہیں۔ مجھے

UrduPhoto.com

تم تک پہنچ گئے ہیں اور میرا سانڈو پیراں دتہ اُسے تو مجھے بھی ملے ہوئے ڈیڑھ دو برس ہو چکے ہیں۔ جناب صاحب اُسے کیسے.....؟"

"دیکھو دادا! حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال اس بات کو چھوڑو پھر کسی وقت بتاؤں گا کہ مجھے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔ یہ روپے پکڑو اپنے دونوں بیٹوں کو ساتھ لو اور ابھی لمبانی چلے جاؤ۔ وہاں جا کر اپنے سانڈو کو ملو۔ اس کے پاس ایک بکری ہے جس کی سفید کھال پہ کالے کالے داغ دھبے ہیں۔ اس بکری کے تین بچے پیدا ہوئے تھے ایک مادہ اور دو نر۔ مادہ بچہ وہی ہے جو تم نے ملنگ کے ہاں دیکھا ہوا ہے دو نر بچے پیراں دتہ کے پاس موجود ہیں۔ تم پیراں دتہ کو بکری سمیت کسی نہ کسی طور پر رات تک یہاں لے کر آ جاؤ۔ تم اس سے یہاں ڈیرے کے متعلق کوئی بات نہیں کرو گے۔ اب اصل کام پیراں دتے اور بکری کے یہاں آنے پہ شروع ہوگا..... ایک وعدہ کرتا ہوں۔ اگر تم سب دوستوں نے ہماری ہمت اور صبر سے کام لیا تو نہ صرف یہ ملنگوں والا گند ختم ہو جائے بلکہ دادا اور پیراں دتے کی موت بھی ختم ہو جائے گی اور ہم سب کو ثواب بھی ملے گا۔"

دادا اور اس کے بیٹوں کو روانہ کر کے ہم پانچوں سوار لمبانی میں ڈیرے سے غلام رسول، فوجی، دلاور اور [illegible] باہر نکل آئے۔ عمران جانتا تھا کہ اپنے کسی ضروری کام چلا گیا تھا۔ گاؤں سے باہر آ کر اب [illegible] دریا کی مخالف سمت پہ تھا۔ یہاں ایک پرانا قبرستان تھا۔ اس کے ساتھ ایک مختلف فاصلے پہ ایک کھڈ تھا شاید کسی وقت یہ کسی نالے کی گزرگاہ رہا ہوگا۔ کھڈ کے دوسرے کنارے ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا جو نیا سا اُبھرا ہوا تھا۔ تین اطراف سے ڈھلوان تھا اور ایک جانب سے عمودی۔ ہم سارے یونہی [illegible] کے انداز میں بندروں کی طرح پھلانگتے ہوئے کھڈ کراس کر کے ٹیلے پہ چڑھ آئے۔ یہاں سے گاؤں بہت نیچے اور دور سا دکھائی دے رہا تھا۔ ٹیلے کے تین اطراف میں بھی کھیت ہی تھے لیکن جیسے کئی [illegible] سے یہاں کھیتی باڑی نہ کی گئی ہو جبکہ ذرا پرے دوسرے کھیتوں میں موسم کی فصل کھڑی تھی۔ [illegible] نے سرسری انداز میں سرفراز سے پوچھا۔

"یار! یہ ٹیلا بہت عجیب سی پوزیشن پہ ہے۔ اگر میں اسی گاؤں میں رہتا ہوتا تو ہر روز یہاں اوپر نیچے اترنے چڑھنے کا شغل کرتا۔"

اس نے جواب دیا۔ "مہربان قدردان! اگر تم اس گاؤں میں مستقل رہتے ہوتے تو ہماری طرح تم بھی اس ٹیلے کی طرف نہ آتے۔ ہم تو آج صرف تمہاری وجہ سے یہاں تک آ گئے ہیں کہ کہیں تم ہمیں [illegible] اور توہم پرست نہ سمجھو۔"

''میاں مداری! ذرا کھل کر بات کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم یقیناً کوئی ڈرفٹی چھوڑو گے۔ ضرور چھوڑو۔ میں بھی کچھ تو تم سے نمٹنے کے لئے ہر سال یہاں آتا ہوں۔ چلو شاباش کہو۔ میرے پیسے کھرے کرو۔''

''پہلے میں تمہاری ''ڈرفٹی منٹ'' تو سن لوں پھر اگر گنجائش رہی تو میں بھی کوئی ڈرفٹی چھوڑوں گا۔'' سرفراز نے جلا کٹا سا جواب دیا تھا۔

''شاباش۔'' میں نے اسے تھپکی دی۔ ''مجھے تمہاری ذہنی اوقات کا پتہ تھا۔ مکھی پہ مکھی مارے بغیر تم رہ ہی نہیں سکتے۔ کیا مجال کوئی تمہیں کچھ کہے اور تم اسے برداشت یا ہضم کر سکو۔ خیر یہ بتاؤ۔ یہ ٹیلا اور اس کے گرد یہ کھیت وغیرہ اس طرح ویران سے کیوں ہیں جبکہ ذرا پرے سب کھیتوں میں فصلیں کھڑی ہیں۔۔۔؟''

● کستوری، اضطراب عشق حضوری.....!

UrduPhoto.com

''دراصل یہاں سے ساتھ ہی ایک ہندو بستی تھی۔ چھ سات سال قبل یہاں بھی معمول کی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ پھر کرنا خدا کا کیا ہوا کہ دس پندرہ افراد پہ مشتمل خانہ بدوشوں کا ایک خاندان ٹیلے پہ آ کر بیٹھ گیا۔ میرے دادا نے انہیں سردیوں کا موسم یہاں بسر کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس خانہ بدوشوں کے خاندان میں عورتیں زیادہ اور مرد کم تھے۔ یہاں پڑاؤ کے بعد یہ وہی کچھ کرنے لگے جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں۔ مرد جھونپڑوں میں نشہ پانی کرتے، تاش پتے کھیلتے یا پھر ہوئے پڑے رہتے اور عورتیں اردگرد کے گاؤں میں چھوٹے موٹے کاشتکاری محنت کے کام یا پھر بھیک مانگتی پھرتیں۔ ان عورتوں میں ایک نوعمر سی لڑکی کستوری بھی تھی جو اس قبیلے کے سربراہ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جس کسی نے اس کا نام رکھا تھا، وہ کوئی بڑا مردم شناس اور گیانی ہوگا۔ وہ بالکل اپنے نام کی طرح تھی۔ خالص کستوری کی ایک چٹکی سی۔ خوشنما قامت، بوٹی کے نشے جیسی فضا میں جھونکے سے مارتی ہوئی جوانی۔ دھیمے ہونٹوں سے تنیوں میں ایسی چمک جیسے کسی نے سچے موتی کوٹ کر بھر دیئے ہوں۔ ناک جیسے کٹار کی دھار۔ ابرو ہلالی خنجر۔ لانبے لانبے نخوں کو چومتے ہوئے چمکیلے شاکالے بال، موتیے کی کلیوں کو شرمندہ کرتے ہوئے سپید دانت۔ سراپا ایسا دلکش اور من موہنا کہ جیسے کسی نیم دیوانے صنم تراش نے کسی لہک میں آ کر چندن کاٹھ سے اپنی تصوراتی محبوبہ کو تخلیق کیا ہو۔ اس گہری صندلی ملیح رنگت میں ایک ایسا جادو تھا کہ جو کوئی

[illegible] بیٹھتا' وہ دنیا بھر کے کھلے' صاف اور گورے رنگ والوں پہ تین حرف بھیج کر اسی "شیام کو پالی" [illegible] جیسے لگتا۔ اس فتنہ کی طبیعت طبع میں ایک پُراسرار سا رکھ رکھاؤ اور اک پُروقاری تمکنت تھی۔ [illegible] میں ایک قدرتی لہریا اور نرت جو مصوّر کی مثالی ترکیبوں میں ہوتا ہے اور [illegible]

میں ہاتھ جوڑ کر سامنے آ گیا' سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"[illegible] سلیمان! میری توبہ۔ میری خطا معاف جو میں نے ٹیلے کی بابت پوچھ کر گستاخی کر بیٹھا [illegible] یہ کہیں نہ ہو تو میں یاد دلا دوں کہ میں نے ٹیلے کے بارے میں کچھ جاننا چاہا تھا اور آپ نے شاید [illegible] سے وعظ سمجھتے ہوئے مجھے داستان الف لیلیٰ کا کوئی باب سنانا شروع کر دیا ہے۔" میں نے اسے [illegible] نظروں سے جانچتے ہوئے بڑھاوا دیا۔ "ماشاء اللہ الفاظ کے طوطے میاں خوب اُڑا لیتے ہو۔ تم [illegible] داستان گو ثابت ہو سکتے ہو۔ تمہارے [illegible] کو ہوں۔" میں نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے [illegible] کہا۔ "یار! چند لمحوں کے لئے تو میں واقعی کہیں گم ہو گیا تھا۔ اس گلعذار جمال' ناہید خصائل اور [illegible] نے الفاظ سے جو پینٹ کیا ہے اور تمہاری جادو بیانی سے جو میں نے اثر لیا ہے اس کا فی الفور [illegible] ہے کہ تم بکری دکری اور مٹکے وغیرہ کے قصے کو مؤخر کیجئے اور جلدی سے مجھے یہ بتاؤ کہ محترمہ کستوری [illegible] تیا اور اس [illegible] ہو سکتی ہے [illegible] اس وقت اپنے [illegible] اپنے اطراف میں بھی کستوری کی بھینی بھینی باس محسوس کر رہا ہوں۔"

[illegible] شاید سرفراز کی باری تھی' بولا۔

"[illegible] خان! خدا کے لئے یہ رنگ بازیاں چھوڑو اور جو مقصد ہے کہ ہم سب ادھر آئے ہیں' اس کی [illegible] دو۔"

"بھائی! میرا دھیان تو اسی طرف تھا۔ میں نے صرف اس سے اس ٹیلے کی بابت کچھ جاننا چاہا [illegible] تو اس حسن و جمال نے مجھے کوہ قاف پہ چڑھا دیا۔ ویسے آپس کی بات ہے' یہ میڈم کستوری اب [illegible] ہے۔۔۔؟"

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ٹیلے کی جانب کھینچتا ہوا لے گیا' مٹی کے ایک ڈھیر کے پاس لے جا کر [illegible]

"یہ میڈم کستوری اور مسٹر کستوری یعنی میرے چچازاد اور سلیمان کے سگے بھائی محبوب عالم کی [illegible] ہے۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میڈم کستوری سے کہاں ملا جا سکتا ہے؟"

میرے کانوں میں جیسے کسی نے سویٹر بننے والی ملائم سی سلائیاں گھسا دی ہوں اور سر پہ پورا ڈبا

UrduPhoto.com

کا فور کا اثر دیا ہو۔ مذاق اور شگفتگی کے موڈ میں چلتی ہوئی بات کس قدر سنجیدہ اور رنجیدہ ہو گئی تھی۔ میں اپنے تئیں خفت محسوس کر رہا تھا۔ سرفراز نے مجھے احساس دلایا کہ ہر وقت کا مذاق بھی اچھا نہیں ہوتا۔

وقت کے سرپٹ بھاگتے افق کی لگام اس زور سے کھینچی گئی کہ وہ پچھلے پیروں پہ الف ہو گیا۔ بلوئی بصارت کا ہرہا بڑی سرعت سے قبر کے ڈھیر کے درمیان اتر گیا۔

محبوب عالم کے دادا سے اجازت ملتے ہی یہ خانہ بدوش ٹیلے پہ فروکش ہو گئے تھے۔ قریہ قریہ گھومنے والے بنجارے، فقیروں، پرندوں، ہواؤں، بادلوں اور قافلوں کی طرح کہیں جم کر نہیں رہتے۔ ان کے مزاج، جذبے، ارادے، خواہشیں، چاہتیں اور دشمنیاں بھی موسموں، رتوں، سمتوں، منزلوں، جگہوں اور ضرورتوں کی ہم نوا ہوتی ہیں۔ یہ اہل کی طرح ازلی ترنگ کی مانند کڑیل، غصیلے، جابر و جار، خرحدار، مزاحمت جیسے کیدتو ز ہوتے ہیں۔ ظہور صاحب کہتے ہیں ان کی وقتی ضرورتوں اور حالات کے منت ہوتے ہیں۔ روپے پیسے کی خاطر کچھ بھی کر گزرتے ہیں۔ غیرت، اخلاق، مذہب، حلال، جائز، ناجائز، یہ کسی کے معنی و مطلب نہیں جانتا چاہتے۔ اکثر مرد، سیاہ چہرے، مہرے سے ملتے ہوتے ہیں اور بیشتر زندگی، مشکل، چھلی، مزاجار، تیز، ذائقے میں نمکین اور بعض تیز ہوتی ہیں۔ ان کی اکثریت کے پاس تین دھار مہلک ہتھیار ہوتے ہیں۔ ان کے بچے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ان میں بیش پیشہ شاہ زجولیت پسند مخصوص قسم کی طرز تعلق کے دیسی یا پھر انتہائی پست طبقہ جو چوٹی اٹھتی یا محض زبانی کلامی راضی کر لیتے ہیں۔ یہ خانہ بدوش اپنی فطرت و ضرورت کے مطابق میلہ لگا کر کسی کے جزیرے کھوج میں آ کے بڑھ جاتے ہیں۔ قیام کے دوران اگر کوئی ٹھوکر لگ جائے تو یہ بغیر کسی شور شرابے آہ و بکا، خاموشی سے معمولی سی تعمیر کر کے مرنے کو کسی بے آبادی سی جگہ یا جھونپڑی جہاں ان کے مخصوص بچے ہوتے ہیں، گڑھا کھود کر گاڑ دیتے ہیں۔ نہ کہیں اطلاع نہ اندراج، نہ پولیس اور نہ میونسپلٹی کا دفتر۔ کسی نومولود کی پیدائش بھی ایسے ہی ہوتی ہے۔ ان کی عورتوں میں زچگی کی حالت میں احتیاط برتنے کا کوئی تصور نہیں اور نہ ہی کسی خاص اہتمام کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ آخری دنوں تک عمل اٹھاتے ہوئے بھی محنت و مشقت یا بھیک مانگتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ مستانہ آنکھوں میں دھبل سے ہونٹوں پہ مسی کا لاکھا، چھلے والا نگینہ پرانی ناک میں دونوں اطراف سونے یا چاندی کے بالے بڑے ناز و ادا سے ہتھیلی پھیلائے اٹھا کر آپ سے بھیک مانگیں گی۔ ان کے مانگنے کا انداز ایسا ہوتا ہے جیسے وہ دان مانگ کر آپ پہ دیا کر رہی ہیں۔ اکثر دو چار انگلی ہوتی ہیں تاکہ کوئی "ہتھ چھڑا" ہاتھ نہ دے۔

UrduPhoto.com

کستوری دوسری عورتوں اور لڑکیوں بالیوں کی طرح بھیک مانگنا یا عشوے نخرے اٹھا کر "لوٹے" پسند نہیں کرتی تھی اس کے باوجود وہ باپ کے کہنے یا شکت کی دوسری لڑکیوں کے اصرار پر کبھی کبھی بازار میں نکل جاتی۔ شکت والیاں تو گانا بجانا بھی کر لیتی تھیں مگر یہ جگہ جگہ گردن ہلا کر ناچنے کو بھی پسند نہ کرتی تھی۔ بھولیاں دن ڈھلے جب ڈیرے پر لوٹتیں تو ان کے پلو چادریں اجناس اور دوسری کھانے پینے برتنے کی اشیاء سے بھاری ہوتیں۔ ایک آدھ دونی اٹھنی بھی پلو کی گانٹھ میں بندھی ہوتی۔ کستوری جب جاتی تھی تب بھی کستوری ہی ہوتی اور جب واپس پلٹتی تب بھی خاص طور پر معصوم سی بھینی بھینی خوشبو والی کستوری ہوتی۔ اس کا بوڑھا مگر تنومند باپ اسے دیکھ کر باچھیں کھل جاتیں۔ وہ جانتا ہوتا کہ یہ ہمیشہ کی طرح خالی ہاتھ آئی ہے۔ بھیک تو وہ مانگے جو بھکاری ہو جس کا دماغ ہو اس کی سوچ اور خیالات بھکاریوں جیسے ہوں سراپا خدوخال ایک ایک بھکاریوں سا ہو۔ اس کے دل میں بھوک اور طبیعت میں یبوست اور یاست ہو اور جو سراپا کستوری ہو اس کا ان تک خیالوں سے واسطہ؟ بوڑھا باپ اس کی اقبال مند پیشانی کو آگے بڑھ کر چوم لیتا پھر سوچتا کہ کوئی ہرا اس کی ہرے ہرے کو اور تھیسیر کر دیتی۔ کہاں سے اس کے لئے اس کستوری کی [illegible] چھپا کر رکھوں گا۔ کستوری کو سائے پہاڑوں سے نکال کر اپنی حفاظت کر دیتی ہے۔ اس کے لئے شہزادہ کہاں سے آئے گا اس کے اپنے کوٹ قلعے میں تو کہیں دور دور تک اس کی جوتیوں کے بھی قابل کوئی نہیں تھا؟ ... اجانے خدشے خیالات اس کو دبا کر رکھ دیتے۔ وہ بازو بڑھا کر اسے اپنی گود میں بھر لیتا جیسے کوئی اسے اپنی حفاظت میں لے کر زمانے سے چھپا لینا چاہتا ہو پر توبہ کریں۔ اس سے پہلے اس کے جسم بڑھنے میں ہوں۔ بھینگی ادھی کانی لولی لنگڑی یا اپاہج ہی کیوں نہ ہو کوئی نہ کوئی زیادہ کر لے ہی جاتا ہے۔ یہ تو وہ چنگاری ہے جسے جھوٹے گھر میں زیادہ دیر رکھا ہی نہیں جا سکتا۔ اس چنگاری کے متعلق سوچ و بچار کر اگر جلد عملی جامہ نہ پہنایا جائے تو پھر ذرا سی کوتاہی و غفلت سے گھر کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ کستوری کی نہ تو ماں زندہ تھی اور نہ کوئی بھائی بہن جو اس کے باپ کو سہارا دیتے۔ روتے تو اس کے آنسو پونچھتے اس کی ڈھارس بندھاتے ... بیٹی کا پھولوں سے بوجھ بڑے بڑے شہزوروں اور شہنشاہوں کی کمر توڑ دیتا ہے۔ یہ بوجھ تو دنیا کا سب سے بھاری بوجھ ہوتا ہے۔ کستوری کا باپ جیسا تو پھر بھی بوڑھا شخص تھا۔ اس کی مرنے والی جورو مرتے بھی کستوری کی طرح خوبصورت اور طرح دار تھی۔ کستوری کو جنم دینے کے دوسرے دن مر گئی تھی دایہ کی بے خبری سے اس کے جسم میں زہریلا مادہ پھیل گیا تھا۔ دم توڑتے سمے اس نے جیونے کو پاس بٹھا کر کان میں کہا تھا

UrduPhoto.com

جیونے! میری بچی سے بھیک نہ منگوانا اور نہ اسے کسی دھندے پہ لگانا۔ بڑی ہو جائے تو کسی اچھے مرد سے اس کا بیاہ کر دینا جو اس کی قدر کرے۔ پھر نومولود بچی کی پیشانی پہ بوسہ ثبت کرتے ہی مرتیو مر گئی۔ بچی کو اوپر سے دودھ پہ ڈال دیا گیا۔ دودھ کا اثر یا جنم میں کوئی پھیر تھا کہ بچی کے سر کے بال جھڑنا شروع ہو گئے۔ بڑی بوڑھیوں نے بتایا کہ یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں اکثر اوپر سے دودھ کے بچوں سے ایسا ہو جاتا ہے۔ جوانی کے سن کو پہنچے گی تو سر پہ بال گھنے ہو جائیں گے۔

● گنجی تن پاویویاں دی منجی.....!

برس دو تین چار گزر گئے۔ بچی کا سر مرغی کے انڈے کی طرح شفاف نظر آتا تھا جبکہ بھویں، پلکیں بالوں سے پاک تھیں۔ ٹانگوں بازوؤں پہ بھی ہلکی ہلکی روئیں موجود تھیں۔ ایسی پیاری بچی اور سر بالوں سے خالی ہو، یہ تصور افسوس کرتا۔ بعض بچوں یا بڑوں کو بال چڑ کی بیماری ہوتی ہے لیکن اس نامراد بیماری میں سارے جسم سے بال ختم ہو جاتے ہیں لیکن یہ بیماری کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی جو صرف اور صرف سر پہ حملہ آور ہوئی تھی۔ ہر طرح کی دوا دارو کیا جا رہا تھا۔ [illegible] بچی کا نام جیون جوتی رکھا گیا جو بعد میں گنجی منجی میں بدل گیا۔ گیارہواں برس جب لگا تو گنجی منجی کے فکر مند باپ سے نہ رہا گیا۔ وہ اسے سلام کرانے کی غرض سے سرکار شہباز قلندرؒ کے قدموں میں سہون شریف لے آیا۔ یہاں دریا کے کنارے لوہرون سندھ کے خانہ بدوشوں کا ایک قبیلہ ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ بچی کی ملاقات ایک عمر رسیدہ ملنگ سی بابا سے ہوئی۔ جیونے نے بچی کو دھکیل کر ملنگ سی بابا کی گود میں پھینک دیا۔ بچی اس وقت بچے کے بھیس تھی۔ جیونے نے بابا کے پاؤں پکڑ لئے رو رو کر کہا۔

''بابا! یہ بچہ نہیں بچی ہے۔ میری اکلوتی بن ماں کی بچی..... میرا اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ یہ میری مرنے والی بیوی کی نشانی ہے۔ اس کا صرف سر بالوں سے خالی ہے۔ بڑے جتن کئے مگر کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ میں اسے اس ارادے سے یہاں لایا ہوں کہ یا تو قلندر پاک اسے ناری کا مکمل روپ دے دیں یا پھر اسے مجھ سے لے لیں..... میں اس کے ساتھ تین روز سے سرکار کے قدموں میں پڑا رہا مگر میرا مراد مجھے پوری ہوتے ہوئے دکھائی نہیں دی۔ مایوس ہو کر میں اسے یہاں دریا بد کرنے کے ارادے سے آیا ہوں۔ آپ کو دیکھا تو آخری امید کی غرض سے ساری مشکل بیان کر دی ہے۔ اس کے سر کے بالوں کا کوئی جتن بتائیں یا پھر اسے اپنے ہاتھوں دریا میں دھکیل دیں۔ قبیلے والے سارے بچے بڑے اسے

UrduPhoto.com

[illegible] ہے ہیں۔ یہ جنم جلی خاموشی سے نسوے بہاتی رہتی ہے [illegible] سے کسی کو کچھ بھی تو نہیں کہتی۔"

[illegible] میں بیٹھے سنیاسی بابا خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے۔ [illegible] کے خاموش ہونے پر انہوں [illegible] مسکراتے ہوئے ایک نظر بچی پر ڈالی اور اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ پھر آنکھیں میچ [illegible] ہو گئے ہاتھ بچی کے سر پر ہی رہا۔ وقت جیسے ٹھہر گیا۔ بابا پران چھوڑ گئے ہوں بچی بھی [illegible] کی مثل بنی بیٹھی تھی۔ آخر بابا کی مراقبہ یا مراقبہ ختم ہوئے تو انہوں نے بڑی آہستگی سے [illegible] سے کہنے لگا۔

[illegible] کو ناامید نہیں ہونا چاہئے مالک کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی راز چھپا ہوا ہوتا ہے۔ جہاں [illegible] بیماریاں آتی ہیں وہیں ان کے لئے شفا بھی اتار دی گئی ہے لیکن کچھ بیماریاں ایسی بھی [illegible] سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہے۔ ان بیماریوں میں ایک یہ [illegible] ہے جنم سے اناڑی عورتوں [illegible] ہو جاتی ہے۔ بچہ جب عورت کے پیٹ سے چھٹکارہ پاتا ہے تو اس وقت تین طاقتیں [illegible] ہوتی ہیں۔ پہلی طاقت قدرت یا فطرت دوسری جنم دینے والی عورت جو زندگی اور موت کے [illegible] قوتوں کو ہمارے کارِ تخلیق کے مرحلے سے گزرتی ہے۔ تیسری کوشش [illegible] مددگار عورت [illegible] دائیاں پکڑ [illegible] غلطی کر بیٹھتی ہیں۔ اس سے بچے کا سر بالکل پھوٹک بھرے غبارے کی مانند [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] کی انگلیوں سے بعض اوقات سر کرون کی ان نسوں پر زور پڑ جاتا ہے جو سر دماغ [illegible] پہنچاتی ہیں۔ سر دماغ میں لاکھوں خلیے ہیں اور ہر خلیے کو مخصوص انداز اور توازن سے خون اور [illegible] ہے۔ جب کسی غلطی سے ایسا ہو جائے تو پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ بینائی سماعتی دماغی بیماریاں [illegible] وغیرہ۔"

"بابا! کچھ اس بیماری کا علاج.....؟"

بابا اسی لہجے میں بولے۔ "بیٹا! ہر وہ مشکل بیماری جس کا کوئی بھی علاج ممکن نہ ہو ایسی بیماری کا [illegible] علاج ہوتا ہے اور وہ علاج بڑی مشکل قربانی مانگتا ہے قربانی مانگتا ہے۔"

"میں اپنی بچی کی زندگی اور خوشی کے لئے اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں" جیوتے نے [illegible] سے پوچھتے ہوئے کہا۔

بابا پھر بولے۔ "تمہیں اپنی جان قربان کرنے کی ضرورت نہیں یہ قربانی بھی اس بچی کو دینی [illegible]

"میں کچھ سمجھا نہیں بابا.....؟"

"میں سمجھاتا ہوں ... دیکھو یا تو اس کو یوں ہی رہنے دو سر کے بالوں کے علاوہ یہ مکمل عورت ہے۔ یہ شادی بھی کر سکے گی۔ گھر ہوگا بال بچے داری ہوگی نہ ہوں گے تو صرف سر کے بال نہ ہوں گے۔"

چھوٹے نے بڑے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بابا! جس ناری کے سر کے بال نہ ہوں اس سے کون مورکھ بیاہ کرے گا؟ عورت اپنے اعضاء اور سر کے بالوں سے ہی تو عورت ہوتی ہے۔ پھر دنیا کے خدمند عورت کو کیسے جینے دیتی ہے اور ایسی عورت بھی تمام زندگی احساس کمتری کا شکار ہو کر اذیت میں مبتلا رہتی ہے۔"

بابا بولے۔ "تم ٹھیک کہتے ہو ... اب دوسرا راستہ ہے ... آ جائیں گے بہت لمبے لمبے خوبصورت گھنے خوشبودار بال لیکن ..."

بابا رک گئے۔ چھوٹے نے بابا کے چرن پکڑ لئے۔ "لیکن کیا بابا؟"

"ہاں پا کر پھر یہ شادی نہ کرے تو بہتر ہوگا۔ جو مرد اس سے ہمکنار ہوگا وہ فوراً مر جائے گا۔"

"مر جائے گا۔" چھوٹے کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"ہاں وہ پھر زندہ نہیں رہ سکے گا ... اب یا تو اس کے بال چھین کر اس عورت سے عورت لے کر بال دے دو ... یا اس سے بال چھین کر اس عورت سے عورت لے کر بال دے دو..... فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"بابا! کوئی بھی باپ اپنی بیٹی سے اس کی "عورت" چھیننے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ دنیا میں ایسی عورتیں ہیں جن کے خاوند نہیں ہوتے مر جاتے ہیں یا وہ شادی نہیں کرنا چاہتیں لیکن انہیں یہ احساس تو اعتماد اور سکون دیتا ہے کہ وہ مکمل عورت ہیں اور ایسی ایک چیز جو بظاہر اندر سے عورت ہی ہو مگر دیکھنے میں مرد اور پیچھے سے عورت یہ تو میں ایک عورت کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ اس کے لئے تمام عمر کی ذلت ہے ... بابا! تم میری بیٹی کو بال دے دو۔ اس کی آنکھیں اس کا ماتھا۔ ہونٹ دانت اس کا بھولا بھالا بالوں کے بغیر یہ سب کچھ کتنا عجیب اور تماشا سا لگتا ہے ... پیارا تھا کہ لمبا سبز جھولا پہنا کر بازار سے جائیں تو لوگ ڈولے شاہ کا چوہا جان کر خیرات دینی شروع کر دیں۔"

بابا نے چھوٹے سے نسخے کی رازداری کا حلف لے کر تمام نسخہ سمجھایا تو چھوٹے کی آنکھیں چمک گئیں۔ ایسا جوکھن والا کام ... اولاد تو بڑے بڑے امتحانوں سے گزارتی ہے ان کی خاطر ماں باپ بہت کچھ کرتا اور جھیلنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے طور پر بامراد ہو کر واپس آ گیا۔ آتے سمے بابا نے اسے ذہن دیتے اس کا نام کستوری تجویز کیا اور کہا کہ اس کی مہک ایک زمانے کو مسحور کرے گی۔ چھوٹے کے

UrduPhoto.com

[illegible] تیسرے روز اس کے قبیلے نے اپنا تمام سامان سمیٹ کر کالا خطائی کے نواح ایک کھلے سے بے آباد [illegible] میدان میں چھولداریاں نصب کر دیں۔ کستوری اب کوئی ایسی بچی بھی نہ تھی جو اپنے بھلے برے [illegible] اور اس کے جذبات کو نہ سمجھ پاتی۔ وہ اوپر سے بہت کچھ اور اندر سے سب کچھ سمجھتی جا رہی [illegible] سوون شریف میں بھی اس نے سنیاسی بابا اور اپنے بابا کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سنی [illegible] یہ نام اور زندگی کا ایک نیا پیام پا کر وہ بہت خوش تھی۔ وہ اپنی سمجھ کے مطابق اس امر سے بھی آگاہ [illegible] وہاں پانے کے بعد بیاہ کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو سکے گا اور وہ جس مرد کو بیوی یا عورت کی [illegible] سے چھوئے گی وہ فوراً مر جائے گا۔ شادی بیاہ، مرد خاوند، پیار محبت وغیرہ یہ سب کچھ اس کے لئے [illegible] ہم اور ضرورت کی چیزیں بھی نہیں تھیں یا پھر وہ اس وقت ہی کی عمر میں ان کچی کچی باتوں [illegible] صورت سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ بہرحال اس نے بھی بابوں کی خاطر ہر قسم کے امتحان [illegible] سے گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جبکہ اس کو کچھ کی ہولناکی کا بھی علم تھا۔ [illegible] آنے والے چند دن [illegible] کے بارے معروف گزارے۔ اسے ایک قریبی قسم کا "مارسیاہ" یعنی کالا ناگ دانتوں کے بغیر زندہ دیا [illegible] تھا جو اسے شاہدرے کے ایک سپیرے سے مل گیا۔ کالی سرسوں کے بیج اور دیگر ضروری سامان [illegible] تھا۔ [illegible] زمین کھود [illegible] اب حسب منشا زمین کھد چکی تو اس نے بابا کی ہدایت کے مطابق ان دانتوں کے کالے ناگ کو [illegible] سے پکڑ کر باہر نکالا۔ بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے جبڑے دبا کر منہ کھولا۔ دائیں ہاتھ سے [illegible] ہی جہر نسوار کی چٹکی اس کے حلق میں اتاری اور پھر اسے ڈوری مل بند کر دیا۔ دو چار منٹ میں [illegible] سیدھا مر چکا تھا۔ پٹھانوں کی جہر نسوار ہلاکت آفرینی کا اسے پکی بار پتا چلا تھا۔ جو نسوار انسان [illegible] خوفناک دشمن کو دو چار منٹوں میں ہی موت کے گھاٹ اتار سکتی ہے وہ انسان کے لئے کتنی سودمند [illegible] کیا ہے؟ چھوٹے نے ڈیڑھ بالشت بھر زمین کھود کر اندر مردہ سانپ اطلبی کی شکل میں پھیلا کر [illegible] ہل کے دانے چھڑک دیئے۔ پھر مٹی کا بنا ہوا پانی انڈیل کر گڑھے کو گردن تک مٹی سے بھر [illegible] سرسوں کے بیج بکھیر کے اب مزید مٹی کے پانی سے سینچائی کر دی۔ اوپر بنا ٹوکرا رکھتے ہوئے [illegible] تاکید کی۔ دیکھو کستوری یہ تیرے بابوں کے لئے تریاق بنے گا۔ اب تو ہر وقت اس پہ نظر رکھنا [illegible] یہ رکھا ہوا ٹوکرا نہ اٹھانے نہ کوئی جناور دھر آئے۔ تین دن جب پورے ہوں گے تو یہاں اگی [illegible] کاٹیں گے۔ ان کے بیج دانوں سے پھر تیرے لئے بابوں کا تیل تیار ہوگا۔ ہر روز صبح شام [illegible] اوپر سے ہی پانی سے ترائی کرتی رہنا۔ ٹوکرے کے اردگرد اس نے بانس کی تیلیاں ٹھونک کر

UrduPhoto.com

رسی کی مدد سے ٹوکرے کو مضبوط کر دیا تھا تاکہ کوئی اسے ہٹا یا اٹھا نہ سکے۔

● کالی سرسوں' اگے مہینوں پھولے برسوں.....!

وقت کی چکی چل پڑے تو صبح' دوپہر' شام' رات۔ ایک روز' پھر دو' بات ہفتوں عشروں اور پھر سے سال' صدیوں' نسلوں تک سب کچھ پیس کر رکھ دیتی ہے۔ یہ تو پھر ایک چاند کا اترتا چڑھتا چند نیچی پیلی راتوں' ایک آدھ بارش' کچھ حبس کی راتوں اور پھنکتی دوپہروں کے آنے جانے سے کالی سرسوں کے پھول پتوں سے ٹوکرا بھر گیا بلکہ پھول پتے ٹوکرے کے چھدرے سوراخوں سے باہر بھی جھانکنے لگے تھے۔ کستوری' عود' عنبر اور سرسوں کی خوشبو نے ارد گرد کے ماحول کو معطر سا کر دیا تھا..... وہ چودھویں چاند کی آخری رات تھی۔ یہ وہی سماں اور وقت تھا جب اس کالی سرسوں کے پتوں والے پھولوں کو چاند جیسی روشنی میں علیحدہ کر کے محفوظ کرنا تھا۔ باپ بیٹی ایک کھلے منہ والا شیشے کا مرتبان لے کر ٹوکرے کے پاس پہنچ گئے۔ رات کا دوسرا پہر لگتے ہی چھوٹے چھوٹے ٹوکرے کی ملتانیں کا ناشر شروع کر دیں۔ ... کی جھاڑیوں میں پھنسے ہوا کو ابھی مشکل سے علیحدہ کیا۔ چاندنی کو ویسے بھی سراب کہتے ہیں' اس کی روشنی میں بھی بھید اسرار ہوتے ہیں۔ یہ ایک وقت مختلف کیفیتوں اور اثرات کی حامل ہوتی ہے' کہیں ... کیفیت پیدا کر دیتی ہے تو کہیں منفی جذبات ابھارتی ہے' کہیں سوچ و بچار اور تفکرات کی فضا پیدا ہے اور کہیں خودکشی کا رجحان ... کہیں سرخوشی' ترنگ اور مستی تو کہیں ذہنی اور دماغی ہیجان' ڈر' خوف چاندنی میں بڑے بڑے چکر ہوتے ہیں۔ یہ عام انسانوں کے لئے محض چاند کی ملگجی سی روشنی ہے مگر ... جس' شاعر' موسیقار' مفکر' عرفان و آگہی کے طالبعلم' مایا گت اور انگ وڈیا والے' عشق کی آگ ... جلے ہوئے' مہ شب میں مخصوص وظیفہ کرنے والوں کے لئے یہ ایک نعمت' ایک نغمہ سرمدی' دریائے ... اور ایک وقفہ جودت و کمال ہے..... چاندنی اپنے شباب پہ تھی' زمین کا ایک ایک ذرہ نگینوں کی مانند ... رہا تھا۔ ٹوکرا کیا علیحدہ کیا' جیسے کسی نگینے' حیرت سماں سے پردہ اٹھا لیا ہو۔ عجیب سی پراسرار ... جو انسانوں کے سونگھنے کے لئے نہ ہو' پریوں اور پری زادوں کے پروں کے پسینے جیسی ہے اگر ذرا ... تک سونگھا جائے تو انسان ایک عنصر لطیف میں تبدیل ہو کر فضا میں تحلیل ہو جائے۔ چمکتے ہوئے سبز ... نیلگوں پتوں' پھولوں اور ڈنٹھلوں کا ایک چھوٹا سا جنگل' ہرا جنگل..... کالی ہاک بوٹی کی طرح دل ... پیدا کر دینے والا..... باپ بیٹی آنکھیں پھاڑے اس کارخانۂ حیرت کو دیکھ رہے تھے۔ نیولے نے ...

[illegible] اس کو اٹھا لیا' پھر فوراً ہی اسے واپس پھینک دیا کہ ڈھکن کے ساتھ ایک چھوٹا سا نیلے رنگ کا [illegible] ہوا تھا۔ پہلے تو وہ اسے کیچوا سمجھا جو مچھلیاں پکڑنے کے لئے بطور چارہ استعمال ہوتا ہے لیکن وہ [illegible] کافی دیر دونوں باپ بیٹی بیٹھے حیرت سے اس سانپوں کی کھیتی کو دیکھتے رہے۔ پھر کچھ سوچتے [illegible] اس نے ایک ٹکڑے سے کیڑے کو چھیڑا تو کیڑا علیحدہ ہو کر نیچے زمین پر گر پڑا تو کیڑے نے کوئی [illegible] کوئی مزاحمت۔ جیسے نے پھر اسے ٹکڑے سے الٹ پلٹ کیا معلوم ہوا کہ یہ جیسے کسی [illegible] کے عالم میں ہے۔ اب اس نے ہمت کر کے ڈھکن اٹھانے شروع کر دیئے۔ جس کے [illegible] ہوتا وہ اسے ٹکڑے سے علیحدہ کر دیتا۔ اس طرح اس نے سارے ڈھکن اٹھا لئے۔ کیڑوں کا بھی [illegible] سارے ہی بے حس و حرکت جیسے زندہ نہ ہوں سب ہی نے نسوار چاٹ لی ہو۔ باپ بیٹی [illegible] اٹھا کر اندر [illegible] آگے آگے ایک ٹکڑے میں دونوں نے مل کر بچوں والے [illegible] کے شیشے کے مرتبان میں ڈال لئے تھے بے کار ڈھکن اور پتے وغیرہ [illegible] کر باہر آ گئے تاکہ [illegible] اسی جگہ پر گاڑ دیا جائے۔ حیرت سے ان کی آنکھیں پھٹ گئیں کہ وہاں سارے کیڑے [illegible] پانی میں تحلیل ہو چکے تھے کچھ کیڑے ابھی تک [illegible] موجود تھے جو آدھے پانی تھے اور آدھے [illegible] پانی میں بدل [illegible] جگہ کی مٹا کر انہوں نے ڈھکن اور پتے بھی اسی جگہ دفن کر دیئے۔

UrduPhoto.com

اس رات وہ دونوں باپ بیٹی بیدار رہے۔ مدھم سی بتی کی روشنی میں وہ مرغیوں کے پھولوں سے [illegible] کے بیج جھاڑتے رہے۔ اگلی صبح [illegible] کالی سرسوں کے دو [illegible] بچے بچوں کو لے کر پاس کے گاؤں [illegible] کے پاس پہنچا' ان بچوں میں یہ سانپ والے بیج بھی شامل تھے۔ ایک بڑی بوتل میں تیل [illegible] سے پہلے ڈیرے پہنچ گیا تھا۔ ایک علیحدہ بوتل میں دو بچوں کا بچا ہوا فضلہ بھی موجود تھا جسے [illegible] تھے۔ وہ اس نے واپسی پر ایک محفوظ جگہ پر دبا دی تاکہ کوئی جانور منہ مار کر ہلاک نہ ہو [illegible] اس تریاق یا تیل کو پورا مہینہ دھوپ دکھائی تھی پھر کہیں جا کر یہ استعمال کرنے کے قابل ہوتا۔ [illegible] بھی انگڑائی لے لی تھی اور اب یہ جگہ بھی کچھ خوفناک سی دکھائی دینے لگی تھی خاص طور پر وہ کیڑوں [illegible] اگانے والی جگہ جہاں اب بھی کیڑے سے کلبلاتے دکھائی دیتے تھے۔ ٹھیک تین دن بعد یہ [illegible] "اپنی کسی نامعلوم منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ [illegible] دوال جنگشن کے صنعتی [illegible] جو [illegible] کے پاس پہلے سے موجود ایک خانہ بدوشوں کی بستی کے پاس انہوں نے بھی ڈیرے ڈال [illegible] پہلے بھی وہ یہاں ایک دو بار ایک لمبا عرصہ گزار چکے تھے۔ ان کے پیشے سب کے لحاظ سے بھی یہ

جگہ یہ شہر بڑا سودمند تھا۔ عورتوں کی ریلوے سٹیشن پہ اچھی خاصی دیہاڑی لگ جاتی اور نیچے بالے بوڑھے بھی آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ کر ہی بہلاتے رہتے۔ پھر یہاں جیونے کی مرنے والی بیوی کے بھن بھی موجود تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ کستوری کے علاج کے لئے جس احتیاط اور رازداری کی ضرورت تھی وہ صرف اسی جگہ ہی میسر آ سکتی تھی۔ کستوری بھی یہاں پہنچ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے ماموں گھانیاں اور ان کے نیچے بڑا سا جوہڑ درخت آتی جاتی گاڑیاں دھواں اگلتا ہوا کالا سیاہ انجن ڈاؤن نہ ہونے پہ پھاٹک کے پرے کھڑی ٹرین کھڑکیوں سے جھانکتے مسافر بچے اور بار بار انجن کی سیٹی کا بجنا یہ سب کچھ اسے بہت بھلا لگتا تھا۔ جیونے نے یہاں نکلتے ہی سب سے پہلے اپنے سالوں کستوری کے علاج کے معاملے میں اعتماد میں لیا۔ سیوان شریف کے سنیاسی بابا سے لے کر کالا خطائی میں سرسوں کی بوائی تک ایک ایک مرحلے کی کتھا کہانی تفصیل سے سنائی۔ پھر انہی کے مشورے سے نئی سرسوں کے تیل والی بوتل اچھی طرح بند کر کے مضبوط رسی کے ساتھ شیشم کے درخت کے اوپر والی ٹہنی پہ باندھ دی تاکہ مہینہ بھر تیل خوب دھوپ کھائے۔ یہ شیشم کا درخت اس کی جھونپڑی کے بالکل ساتھ تھا۔ اب یہ تیل اگلی چودھویں کے چاند کی رات کو اتارنا تھا۔ یہ دن بھی کسی تیز گام ٹرین کی طرح شوں شاں سے گزر گئے۔ [illegible] بوتل اتار لیا جاتا۔ دوسرے پہر جیونے کا سالا بوتل اتارنے کے لئے ایک مضبوط سی رسی لے کر اوپر چڑھا۔ رسی اس لئے تھی کہ بوتل کو باندھ کر احتیاط سے نیچے لٹکا دیا جائے۔ آشو نامی اس کا سالا آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ چاندنی رات کا سحر گرد و پیش پر چھایا ہوا تھا۔ آسمان کے سمندر میں بادبانی کشتیوں کی طرح تیرتے ہوئے سرمئی بادلوں کے ٹکڑے۔ بوتل والی ٹہنی ابھی چند قدم آگے تھی کہ آشو نے گھبرائی ہوئی آواز میں اوپر سے "ہپ ہپ" کی ہنکار لگائی۔ "وہ "سپ سپ" کہہ رہا تھا لیکن گھبراہٹ کے عالم میں منہ سے "ہپ ہپ" نکل رہا تھا۔ یہ سنتے ہی جیونا گھبرا گیا کہ کہیں اسے سانپ ڈس نہ لے یا گھبراہٹ میں یہ نیچے نہ گر پڑے۔ اس نے نیچے سے آواز دی۔

"آشو! گھبرانا مت۔ یہ سانپ کا سایہ ہے اصلی سانپ نہیں ہے۔ یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جہاں بیٹھے ہو وہیں تنے کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھے رہو۔ میں بھی اوپر آ رہا ہوں۔"

جیونا بھی اوپر چڑھ گیا۔ پاس پہنچ کر آشو کو تسلی دی پھر ایک بڑی سی ٹہنی توڑی۔ آگے بڑھ کر سانپ کے سامنے لہرائی تو سانپ جو بوتل سے لپٹا ہوا تھا بالکل بے حس و بے حرکت رہا۔ اب جیونے نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر ذرا زور سے سانپ کی بوتل کے گرد گرفت کو ڈھیلا کر کے ایک جھٹکا دیا۔ سانپ

UrduPhoto.com

[illegible] بیوقوف نے جلدی سے بوتل اتاری رسی سے باندھ کر نیچے لٹکا دی اور خود بھی گھبرائے ہوئے [illegible] نیچے اتر آیا۔ سانپ جس جگہ کراہ رہا تھا وہاں ایک کالے رنگ کے مردار کو دیکھ کر [illegible] آتی ہوئی تعجب نہ ہوا اس نے فوراً اس جگہ پہ لحاف بچھا دال کر آگ لگا دی۔ رات کا باقی [illegible] اور اسی موضوع پہ بات چیت کرتے گزر گیا۔ اگلے روز بیوقوف نے سب سے پہلے تیل کو [illegible] صاف کیا پھر دو تین چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں بھر کر محفوظ کر لیا۔ تیل کی خوشبو سے پوری [illegible] ایسی نادر اور پراسرار خوشبو جسے کوئی بھی اندر سے محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔ سیون شریف [illegible] ہوئی ہدایت کے مطابق اس چور تیل کی ایک چھوٹی شیشی کو خالص سرسوں کے تیل میں ایک [illegible] سے ملا کر استعمال کیا جاتا تھا باقی ماندہ تریاق مضبوط شیشیوں میں بند کر کے [illegible] کے پانی [illegible] ہوئے مٹکے میں ڈبو کر محفوظ [illegible] کستوری [illegible] خوب اچھی طرح رگڑ رگڑ کر [illegible] کے بعد اسی تیل سے اچھی طرح مالش کر کے اچھی طرح پکا لپیٹ دیا گیا۔ [illegible] ہو چکا تھا۔ کستوری علاج کے معاملے میں بڑی دلچسپی دکھا رہی تھی۔ بس ایک قباحت [illegible] تھی۔ خوشبو اسے ناگوار۔ بلی بلی کیفیتوں کی طرح جیسے چھٹتے ہوئے بچے کو کوئی پہ ہوا کا فور [illegible] کے بعد وہ اپنے [illegible] بچوں کے ساتھ کھیلتی ہاتھ اپنے بھی وہ خاموش تنہائی پسند یا شاید احساس کمتری کی شکار [illegible] تین چار دن بعد اسے اپنے سر میں شدید کھجلی سی ہوئی پھر ہلکا ہلکا درد سا رہنے لگا۔ ایک آدھ [illegible] کی کیفیت بھی طاری ہوئی مگر وہ بڑی سخت جان اور صابر تھی کسی پہ اپنی تکلیف ظاہر کیے [illegible] جان پہ جھیل جاتی۔ ساتویں روز آدھی رات اسے یوں لگا جیسے اس کی کھوپڑی کا پیالا جھک [illegible] ہو۔ خود بخود اس کے دونوں ہاتھ سر پہ آ گئے بالوں کا ایک انبوہ اس کی ہتھیلیوں تلے تھا۔ [illegible] اور گوناگوں مسرت کے مارے اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ بیوقوف گھبرا کر [illegible] کی روشنی یہ سالی [illegible] ایک خوفناک کالا سانپ کستوری کے سرہانے پھن پھیلائے کھڑا ہے [illegible] کستوری کی نظر نہیں پڑی تھی۔ بیوقوف نے فوراً اپنی پگڑی کے پلو سے اسے ہٹانا چاہا سانپ بغیر [illegible] حرکت وہیں ڈٹا رہا۔ کستوری کو دیکھا وہ مرتے بچتی بچتی آنکھوں سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ بیوقوف نے سانپ کو دامن سے پکڑ کر باہر پھینک دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے باپ بیٹی [illegible] پہ سانپوں والا خوف و دہشت بن چکا تھا۔

"بابا! تم نے میرے بال دیکھے؟" آخر وہ سر پہ سے ہتھیلیاں ہٹاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

UrduPhoto.com

ہونا مسرت اور حیرت کے ملے جلے اظہار کے ساتھ کستوری کے ماہ و روزگار بال دیکھ رہا تھا۔ یہ بال تو عام انسانی بالوں سے بہت مختلف گھنگھریالے اور کالے سیاہ تھے۔ ناخنوں کی چمکدار نرم جسم نرماہٹ اور چمک لئے ہوئے جیسے ننھے ننھے ہزاروں لاکھوں سیاہ کالے سنپولئے کستوری کے سر کے بال سے اُبل پڑے ہوں اور وہی مانوس سی خوشبو ہو اب شاید ان کی روزمرہ کی زندگی کا لازمہ ہی کر رہ گئی تھی۔

دن اور رات پیچھے صبح پیچھے شام اور پھر زندگی پھر چل دوڑی۔ بال جیسے سر کی کھوپڑی سے کافی دیر تک سیدھی اُگتی سیدھیاں اُگتی چلی جا رہی ہوں۔ کچھ ہی دنوں میں خوشبودار بانس کے پودوں کی مانند بالوں کا ایک آنچل اب تو یوں دکھائی دینے لگا کہ اگر انہیں ابھی سے کنٹرول نہ کیا گیا تو ممکن ہے بالوں کا یہ سلسلہ نارہ وال سے آگے نارنگ منڈی سے ہوتا ہوا الحمد صاحب کے ہاں سلام کرتا ہوا نانکا پرت تک دراز ہو جائے۔ بال شانے سے اتر کر جب کمر تک آئے تو جیسے ہی نے ظلم ریک لگا دیئے یعنی تیل، ملش مہندی کر دی۔ تیل ریک لگی گاڑی کی طرح یہ بال بھی کمر سے اترتے اترتے کمر تک آ پہنچے۔ پھر اپنے زور وزن سے گھسٹتے گھسٹتے ہوئے اس کے پاؤں کے ٹخنوں تک پہنچ آئے۔ بال کیا تھے کالی سیاہ گھٹاؤں کا ایک اُمڈا ہوا طوفان اُسے گھنے بھرپور گنجان جیسے سندربن کا جنگل۔ آپس میں الجھے ہوئے گلڈ جنہیں کرنا یا سلجھانا ناممکن تھا۔ [illegible] پیچھے چھوڑتی تو بالوں کے بادلوں میں چھپ سی جاتی اگر کسی طرح لپیٹ لپاٹ کر جوڑے کی شکل میں لاتی تو یوں لگتا کوئی اونٹ کا بڑا سا گٹھڑ پیٹھ پر لادے کہیں دھنکنے کے لئے جا رہی ہے۔ گنجی سی جان ایک عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی بات کسی نہ کسی سانپ کیڑے سے جو آزمائی ایک الگ اذیت اور پریشانی تھی۔ گو کسی کیڑے نے اسے یا اس کے کسی فرد کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا پھر بھی دہشت دہشت ہی ہوتی ہے ہونے کے علاوہ کوئی اور اس کے چھوٹے سے میں سوتا بھی نہیں تھا۔ ہونے کا اپنا خیال تھا کہ یہ کیڑے سانپ وغیرہ اس خوشبو تیل کی مہک سے کھنچے چلے آتے ہیں اور پھر اس سے اپنے مست ہو جاتے ہیں کہ ان کی ٹھکا ٹھکا ماری جاتی ہے۔ وہ کسی کو نقصان یا فائدہ پہنچانے کے قابل نہیں رہتے اور یہ کہ اس خوشبو میں کچھ ایسی سرنی اور کیمیاوی اثرات ہیں جن کے زیر اثر رہنے سے کچھ دیر بعد ان کے اندر ہڈی گوشت پگھل جاتا ہے صرف ظاہری جسم کھڑا رہتا ہے جیسے کیکڑا کا خول کو جلایا جائے تو جل جانے کے باوجود بھی وہ کچھ دیر کے لئے پہلی والی حالت میں قائم رہتے ہیں ہوا تیز بہاؤ یا انہیں چھیڑنے ہلانے سے یہ راکھ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ کیڑے سانپ بھی ذرا سا ہوا سے گاڑھے نیلے سے سیال مادے میں بدل جاتے ہیں۔ اپنی اس قیاس آرائی کو اس نے کستوری کو

[illegible] سے [illegible] میں سمجھا دیا تاکہ وہ آئندہ کے لئے اس قسم کی صورت حال میں ڈر اور خوف سے اپنے [illegible] بچ سکے۔

■ رواں دواں زندگی کا کارواں.....!

وقت گزرتا گیا کھاتے پیتے رہے۔ زندگی سن و سال کے چند سنگ میل چھانگتے ہوئے کچھ [illegible] ہو گئی تھی۔ جیونے کی جوان جوگی بیٹی اب اس منزل پر آ گئی تھی جہاں لڑکیاں کھلے کھلے پیٹ [illegible] آمد شباب کی روندگی آنکھ آنکھ بند بند اور رگیں رگیں سے چھلکنے لگتی ہے۔ [illegible] پانی پہ جھک کر اپنا [illegible] دیکھنا پھر ہاتھوں کی حرکت سے پانی کو گندہ کر دینا آئینہ دیکھنے کو [illegible] کی مستیاں ہیں۔ باقی عمر میں جب بال ہٹ در آتی ہے تو یہی سمجھو چاہے کہ بال اب بال [illegible] ہو گیا ہے۔ جب ہنڈیا کناروں تک ابل جائے جوش نکل جائے تو [illegible] پڑ جاتی ہے۔ [illegible] بالوں کو سنبھالنا اور ان کی بال ہٹ سے تنہا سیکھ گئی تھی۔ اب تو یہ عالم تھا کہ سو کر اٹھی [illegible] اپنے بالوں کو [illegible] جھک کر [illegible] پیچھے جھٹک دیتے ہیں۔ بال بزرگ کی داڑھی کی مانند ٹخنوں تک اتر آئے تھے اگر ساتھ [illegible] کی ضرورت نہ ہوتی تو یہ زلف بنگال خدا جانے کہاں تک دراز ہوتی۔ کنگھی کرنے کا تو [illegible] نہیں تھا۔ کنگھی تو بالوں میں ہوتی ہے سنپولیوں میں نہیں۔ اب اسے اپنی مخصوص خوشبو بھی محسوس [illegible] تھی ویسے بھی جوانی کی اپنی اک خوشبو ہوتی ہے جس کے سامنے کوئی اور خوشبو نہیں ٹھہرتی۔ [illegible] اپنی خوشبوؤں میں مست و مگن تھی اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اس کا جہاندیدہ بوڑھا باپ کس چنتا میں [illegible] ہے کن سوچوں میں ڈوبا ہوا ہے؟ وہ اس کی چرتھی جوانی کی بپھرتی ندی کے تھپیڑے تیز محسوس کر رہا [illegible] یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتا کہ وہ کس طرح اس کے منہ زور بہاؤ کے آگے کوئی بند باندھ سکے گا۔ [illegible] کے قابل ہی نہیں تھی۔ اس نے بیٹی کا عورت پن مانگا جو اس کو مل گیا تھا اب اس کے نصیب!

[illegible] کے نین نقش ایسے تیکھے نکل آئے تھے کہ دیکھنے والی نگاہ دیکھ کر خود ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی تھی [illegible] کے لڑکے یہ جاننے کے باوجود کہ اس سے بیوہ کرنے کا عذاب سہا کے رات اپنی میت اٹھانا ہے [illegible] اسے اپنی نظروں سے تکتے کہ تیری قربت و وصال کے چند لمحے بھی اگر پوری زندگی کے عوض میسر [illegible] تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ مصر والی کلوپیٹرا تو محض اک چاند تھی وہ اگر موجودہ زمانے میں مصر کی

جانے کا کامنڈی میں ہوتی اور کہیں اپنی کستوری کو دیکھ لیتی تو کبھی کی سانپ چھوڑا ہوا کو اکر قبضہ پا کے
کی ہوتی ۔ لیکن عادت اور خدشات کی نگی تلوار پہ کھڑا تھا۔ کبھی کبھی اسے یہ بھی خیال آتا کہ اگر
بالوں کے چکر میں نہ پڑا ہوتا تو وہ اسے آج کہیں بیاہ کر سکھ کا سانس لیتا۔ قبیلے کا کوئی نہ کوئی لڑکا بیاہ کرنے
پہ تیار ہو ہی جاتا۔ پھر خود ہی اپنی سوچ پہ لعنت بھیجنے لگتا کہ وقت تو گزر چکا ہے اب پچھتانے سے کیا ہو
گا۔ وہ شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ ایک کنواری جوان بیٹی کا باپ ہونا اور پھر اس کا بیٹی کو نہ بیاہنے پہ
مجبور ہونا کتنا بڑا عذاب ہے۔ وہ کس طرح اس اذیت و عذاب کو سہار سکے گا۔ اپنی سوچوں کی اذیت سے
چھٹکارا پانے کے لئے اب اس نے ایک اور راستہ تلاش کر لیا تھا۔ وہ اب جلد از جلد اپنے پڑاؤ ٹھکانے
بدلنے لگا تھا۔ چار پانچ مقاموں سے زیادہ کہیں ٹھکانہ نہ کرتا۔ قبیلے والے اس کے ڈکیتوں اور پریشانی کو سمجھتے
لیکن اس کے ڈکیتوں کا دریا تو شاید کسی کے پاس نہیں تھا۔ وہ بیلوں کے قصبوں شہروں کی خاک زدہ
فاصلے ناپتا ناپتا وہ دور فلاں کے گاؤں اور سلیمان کے باپ دادا کے کھیتوں اور کھیتوں کی جانب آ گیا۔ اس نے
اجازت سے کھیتوں پہ ڈیرہ جما دیا۔ دراصل اس کے یہاں ڈیرہ ڈالنے کی ایک وجہ بھی تھی۔ سانپوں
کیڑوں نے اس کی زندگی اجیرن کر دی ہوئی تھی۔ قبیلے کے لوگ بھی بہت تنگ آ چکے تھے اور اس
ڈر سے کہ کہیں کوئی اور رات کی تاریکی میں تمام ہو نہ جائیں۔ کستوری کو اس سے علیحدہ کر دیا
تھی۔ وہ اس کا کوئی حل تلاش کر رہا تھا۔ اچانک اس کی ملاقات ایک پرانے تجربہ کار بھیجے سے ہوئی۔
اس بھیجے نے جھاڑ پھونک کے بعد اسے چار عدد لونگ دیئے پھر ایک منتر بتاتے ہوئے کہا کہ یہ
مٹی یا پتھر کا ایسا چھوٹا سا ٹیلا تلاش کرو جو زمین سے کم از کم چار انگل اونچا ہو اور اس کی کھوہ یا دراڑ
سوراخوں میں چھوٹے جانور یا پرند رہتے ہوں۔ یہ چار لونگ ذرا دور ہٹ کر چاروں کونوں میں گاڑ دو۔
اس حصار کے اندر کبھی کوئی کیڑا سانپ یا موذی جانور داخل نہیں ہو سکے گا۔ بڑی تلاش کے بعد چھوٹے
یہ جلد تلاش اس کی مرضی اور مقصد کے مطابق نظر آئی۔ یہ چھوٹا سا ٹیلہ دراصل مٹی کا ایک تودہ تھا۔ خدا جانے
یہ کس طرح معرض وجود میں آیا تھا کہ اس کی مغربی دیوار بالکل آفتی سیدھی کھڑی تھی۔ صرف اس جانب
ہی کوئی ابابیلوں شارکوں کے سوراخ تھے۔ ناہموار چھوٹا سا ٹیلہ جس پہ کبھی کبھی ارد گرد کے گاؤں کے
بچے بالے ہوا خوری کے لئے آ جاتے یا خوش فکرے یا پاگل دھچلے ٹیلے پہ چڑھ کر پتنگ بازی
والے بھی گڈیاں اڑانے پہنچ جاتے۔ اطراف کے کھیتوں میں خوب فصلیں ہوتی تھیں۔ ٹیلے کے دوسری
طرف کھیتوں کے درمیان سلیمان اور محبوب عالم نے باغوں اور تھار چھوٹی سے ایک مچان سی بنا رکھی تھی۔
یہاں ان کے ایک دو ملازم ان کی کالے بھینسوں کا چارہ وغیرہ کاٹتے رہتے۔ صبح و شام دودھ دوہتے

[illegible] کھیتوں کی رکھوالی بھی کرتے۔ سلیمان تو طالب علم تھا سکول سے فارغ ہونے کے بعد وہ اکثر [illegible] کھیتوں کی جانب ہی نکل آتا۔ اس کے ہم عمر دوست اکثر [illegible] پر چڑھ کر شام کا منظر اور [illegible] دیکھا کرتے۔

محبوب عالم سلیمان سے دس برس بڑا تھا۔ دسویں جماعت میں چھوڑ کر اپنے باپ کے ساتھ [illegible] بیٹھنے لگا تھا۔ بڑا ہی پُروجاہت چیتے کی طرح خوبصورت، تنومند اور [illegible] تھا۔ کام کاج کے علاوہ اس کا واحد شغل یا مشغلہ بانسری بجانا اور ہیر گانا تھا۔ اکثر وہ کام [illegible] ہو کر چھتے کے اوپر آ کر بیٹھ جاتا۔ شام کا سماں ہو یا رات کا کوئی پہر، گاؤں کی فضائیں اگر [illegible] ہوئی ہے تو صورو گھر اور سانسیں روکے جامد کھڑے ہیں اور بچے گھروں، کھیتوں، تنوروں [illegible] چھتوں پر بیٹھی ملیاریں اگر بوتری کی ہیں تو سمجھیں کہ محبوب عالم نے یہ بانسری الاپ [illegible] پائیزہ اور سحر کن ہوتی تھیں کہ دلوں میں سرور اور سرمدی مستی سی پیدا کرتی [illegible] کسی کو شکایت پیدا نہیں ہوتی تھی اور وہ تو گاؤں کی گلیوں میں بھی بہت کم دکھائی [illegible] تھے [illegible] پیاری کے ساتھ [illegible] تھا۔ وہ جب سر [illegible] تو ستاروں کا بھی لگانے کے بیچ وسط میں پہنچ چکا تھا۔ [illegible] منظر [illegible] ہو گیا ہو فضا اور ہوا میں اک انجانی سی مہکار تھی جسے کوئی نام [illegible] دے سکتا تھا۔ اس پُراسرار سی تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے گھر جانے کی بجائے کھیتوں میں اپنے [illegible] گیا۔ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے محبوب عالم نے اپنے کاکے سے پوچھا۔

"تمہارے ابا آج کچھ موج میں ہوئی ہے یوں لگتا ہے کہ جیسے یہاں سے جنگل پریوں کی بارات [illegible] یا رات بھی آج کچھ بدلا بدلا سا دکھائی دیتا ہے یہ بھکا بھکا ام اتا ہوا دھواں اور گنگناتے [illegible]

تمہارے نے اس کو دودھ کا پیالہ پکڑاتے ہوئے بتایا کہ اک پنچھی راہوں کا ڈیرہ آ گیا ہے [illegible] صاحب نے انہیں سامان پر وہیں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ دودھ پی کر وہ [illegible] کرنے کی غرض سے چارپائی پر لیٹ گیا۔ تمہارے نے اسے یوں لیٹتے دیکھ کر پوچھا۔

"محبوب بابو! حکم ہو تو گھر سے کھانا یہیں لے آؤں [illegible] یا گھر جاؤ گے؟"

محبوب اک عجیب شان محبوبیت سے بیٹے کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

UrduPhoto.com

''شکر دین! کیا تمہاری آنکھیں اور ناک کام کرتے ہیں؟''

شکر دین بڑبڑا کر بولا۔ ''باؤ! ... کی مطلب میں کچھ سمجھا نہیں ...؟''

''شکر دین! نہ تو میں نے عربی بولی اور نہ ہی فارسی ... اک سیدھا سادا سوال کیا ہے کہ تمہاری آنکھیں اور ناک کام کرتے ہیں یا نہیں؟''

''باؤ! اللہ دا شکر ہے، دونوں بالکل صحیح صحیح کام کرتے ہیں۔'' شکر دین نے جلد جلد جواب دیا۔

محبوب نے اسی سنجیدگی لہجے میں کہا ... ''اچھا! یہ بتاؤ کہ تمہیں صرف وہی کچھ نظر آ رہا ہے جو روز نظر آتا تھا یا آج کچھ علیحدہ سا مختلف دکھائی دے رہا ہے اور ہاں یہ بھی بتاؤ کہ آج تم کوئی عجیب سی خوشبو بھی محسوس کر رہے ہو یا صرف میرا وہم ہی ہے؟''

شکر دین فوت ہوتے سانس لیتے اٹھائے اور ناک کے نتھنے مچھلی کے گلپھڑوں کی مانند پھیلاتے ہوئے کہنے لگا ... ''کچھ کچھ محسوس تو مجھے بھی ہو رہا ہے لیکن آپ کہتے ہیں تو میں کچھ زیادہ ہی محسوس کرتا ہوں ... دیکھئے باؤ! محبوب! ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ ہم گنوں کو کرچا کروں گی، دیکھنے، سننے، سوچنے کی طاقتیں وقتیں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ ہم یہ سب کچھ اپنے بزرگوں کی طاقتوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ ہمیں دکھاتے ہیں، ہم ان کی پیروی کرتے ہیں۔''

محبوب ہلکا سا چونکا بولا۔ ''شکر دین! آج تو بڑی سیانی باتیں کر رہا ہے۔ لگتا ہے یہاں کی مٹی کی طرح تو بھی کچھ عجیب سا ہو گیا ہے ...''

UrduPhoto.com

● اُچے چبے دا یار.....!

بچے کی امت سے چاند ابھر رہا تھا۔ ہلکے ہلکے دودھیائی اجالے کا ہالہ بچے کو اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ وقت کو بھی جیسے کسی نے ہاتھ پکڑ کر تھام لیا ہو۔ محبوب اسی کروٹ لیٹا ہوا گہری محویت میں لت پت آنکھوں تک ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اس سحر انگیز سے نیل تھل میں بھیگ چکا تھا۔ شکر دین اجازت لے کر دیا لگانے کے لئے کھیتوں کی جانب نکل گیا تو محبوب نے اپنی جان سے محبوب بانسری کالی بانسری کو وہ ریشمی رومال میں لپیٹ کر رکھتا تھا ... کہتے ہیں کہ جو ساز بے سانس سے زندہ ہوتے ہیں ان کا پہلو چاہے وہ کسی لے یا انگ رنگ سے ہو سرمدی ہوتا ہے۔ وہ آہنگ، ملوثیت رنگ ہوتا ہے۔ سانس کا تعلق دم سے ہوتا ہے۔ دم، دم صنعت بانسری کے سروں میں ایسا بانکپن، لوک، لہک، کسک، کرب اور کشش ہے

[illegible] میں کہاں؟" محبوب نے اپنی محبوبہ کے کان میں ہلکی سی سرگوشی کی پھر اپنے نفس کا فسوں [illegible] دن اور رات کا جگر کاٹتا ہوا ایک مضطرب سا سر کسی ستارے کی طرح ٹوٹ کر کستوری کے [illegible] پر گرا تو اسے گھائل کر گیا۔ کونج کی طرح کراتی بانسری نے اس کا "اندر" زندہ کر دیا تھا اور [illegible] زندہ ہو جائے تو پھر انسان کا باہر مردہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بانسری کے سُروں نے ایک [illegible] سے تمام بھید کھول دیئے تھے۔ جیسے کستوری کو اپنے بھیتر کی خوشبو کا سراغ مل گیا اور محبوب کو بھی [illegible] کا جواب ملنے لگا تھا۔

کئی برسوں بعد آج پھر سورج طلوع ہوا تھا کہ کستوری وہ والے کوئی سانپ کیڑا نہیں تھا اور [illegible] جیسے اک نیا سروپ سراپا مل گیا ہو۔ کستوری وہ کستوری ہی نہیں تھی جو پچھلی رات ہوئی تھی۔ یہ [illegible] تو کوئی مادھوری تھی۔ سرشار بے قرار ظہور کی تاروں کی طرح کھلی ہوئی جیسے کسی راجواڑے کی [illegible] راج ہنس کے پروں پہ سوار ہو کر کسی راج محل سے آئی ہو۔ رعب و تمکنت سے دمکتا ہوا [illegible] جیسے ابھی ابھی پریوں نے اسے غسل صحت دے کر خوشبوؤں میں بسا کر سنگھاسن پہ لا بٹھایا [illegible] ہو۔ [illegible] سہاگ کا [illegible] ہوئی ہیں۔ جیونا بھی حیرت و خوف میں ڈوبا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی اس سے کچھ [illegible] کی جرأت بھی نہیں رہی تھی۔ باپ بیٹی سے کیا پوچھے کہ تو اس قدر خوبصورت کیوں لگ رہی ہے [illegible] خوش کیوں ہے؟ بس وہ اسے بٹ بٹ تکے جا رہا تھا۔ تب کستوری خود ہی اٹھلا کر پوچھنے [illegible]

"بابا! تو مجھے اس طرح کیوں دیکھے ہے؟ میرے سینگ نکل آئے کیا...؟"

جیونا دُلار سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا میں اپنی بچی کو دیکھ بھی نہیں سکتا؟ بس تو آج بہت پیاری دکھے ہے۔ ذرا تجھے نظر [illegible] جائے..."

کستوری اٹھ کر باپ کے چھدرے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"بابا! اب تو میری فکر نہ کیا کر اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ اب تو اور بیٹھا آرام کیا کر میں خود [illegible] سنبھال لوں گی۔"

جیونا زہر خندہ سا ہو کر کہنے لگا۔ "تو بڑی ہو گئی ہے اور اب میں تیری فکر نہ کروں؟ پگلی! [illegible] ہونے کی چنتا ہی تو مجھے کھائے جا رہی ہے اور تو کہے ہے کہ میں تیری فکر نہ کروں..." چند

تالیے خاموش رہ کر پھر روہانسو سا ہو کر کہنے لگا۔ "میں کیسا بدنصیب اور مجبور باپ ہوں کہ کہیں تیرا بیاہ بھی نہیں کر سکتا۔ تو تو سب کچھ جانتی ہے۔ بتا میں کیا کروں! تجھے دیکھتا ہوں تو ہونے گھونٹ پی کر صبر کر لیتا ہوں۔ کستوری! تو میرے لئے وہ زہر اور ایسا امرت ہے جسے میں نہ پی سکتا ہوں اور نہ پھینک سکتا ہوں۔"

کستوری یوں مسکرا رہی تھی جیسے اس کا بابا اس سے کوئی بڑی فضول کی بات کر رہا ہو۔

"بابا! میں نے کہہ دیا نا! اب تو میری فکر چھوڑ اور یونہی اپنا جی میلا نہ کیا کر۔۔۔ تجھے میرا کرنے اور اس بارے کوئی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنا بر چن لیا ہے۔ میرا انت مجھے پتا ہے۔" کستوری نے اتنی بڑی بات بڑی آسانی سے کہہ دی۔

"کیا کہہ رہی ہے کستوری۔۔۔؟" بیٹی کے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بابا! بیاہ کے لئے اور کچھ ضروری نہیں اسے کچھ نا ضروری ہوتا ہے۔ میرے بیاہ کے لئے کسی ضرورت نہیں صرف بانسری کی ضرورت ہے۔" وہ جھونپڑے سے باہر محبوب کے ڈیرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "رات ایک بانسری چھری ہوئی تھی۔ اس میں کسی کی نیند کے بھیدوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے سب کچھ کہہ دیا۔ میں نے اپنا بر پا لیا ہے بابا! مجھے سب کچھ مل گیا۔"

"کستوری! تو یہ سب کچھ کیا کہہ رہی ہے۔ بانسری کا کان لپکے بھید۔۔۔؟"

"بابا! بس یہی ایک بھید ہے۔ جو کچھ نے وہ بھید ہی ہے۔ بابا! ایک بھید یہ بھی ہے کہ بندہ کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ تو نے اپنی ساری زندگی یوں ہی اگلی منزل میں گزار دی۔ چار دن جہاں بیٹھا دیے وہیں ہونے لگی پھر اگلی کھوج نکل پڑے۔ پھر اگلی اس سے اگلی۔ بابا! یہ زندگی کی کھوجیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ بس یہی بھید ہے کہ جس حال میں رہو راضی رہو۔ تجھے اتنی بڑی زندگی نے اک چھوٹا سا بھید دیا تھا تو اک عمر کی ٹوک نے سارے بھید دے دیے۔ بابا! میں آج اس طرف جا سکتی ہوں؟" کستوری نے محبوب کے ڈیرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ایسے پوچھا جیسے کوئی بازی اچانک باپ سے کہے کہ ابا! میں یہ کھلونا لے سکتی ہوں!

"کستوری! جہاں تی چاہے ضرور جا پر اکیلی کہیں مت جا نیو سکھیوں سنگت جانیو۔۔۔" کچھ کچھ سوچتے ہوئے پوچھنے لگا۔ "گاؤں تو اس طرف ہے اور جدھر کا تو بول رہی ہے ادھر تو کھیت ہی کھیت ہیں بری۔۔۔؟"

"ہاں بابا! ادھر کھیت ہی کھیت ہیں مگر ان کھیتوں میں بھی تو لوگ رہتے ہیں اور جس نے کھیت

[illegible] بھید سمجھانے وہ بھی تو انہیں تختوں میں رہتا ہوگا۔

[illegible] کے بھید عاشق جانے یا کوئی وید ——!

[illegible] کاؤں یا کسی مضافاتی بستیوں میں سورج صبح سویرے ہی درشن دے دیتا ہے اور شام کو [illegible] بھی جلدی ڈال دیتا ہے۔ آج اس نئی بستی میں ان نئے لوگوں کے نئے دن کا آغاز ہو [illegible] سے پہلے یہ خانہ بدوش اس جگہ پر نہیں آئے تھے۔ یہاں کے رہنے والوں کو ان کے مزاج [illegible] کے اصل کاروبار سے واقفیت نہیں تھی۔ ان لوگوں کا کاروبار حیات ہی مانگے تانگے یا نہیں [illegible] مزدوری سے چلتا ہے۔ صبح سویرے ہی ان کی عورتیں لڑکیاں روزی چلے کے لئے گاؤں کی [illegible] مرد لوگ کاریگروں کے باقی ماندہ کام میں جٹ گئے اور جیونا ایک بڑے کولے کر شہر کی [illegible] اس کے رہنے کے دھرے کا پہیہ خراب ہو گیا تھا۔ کستوری کو وہ [illegible] چھوڑ کر [illegible] ہوا تو ورکشاپ والے نے تو آج کے لئے [illegible] کو تک نہیں پہنچی تھی اور [illegible] پوری کرنے [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] سے نکالنے لے رہی تھی۔ پیاری ہی ہاں نکلے تھے تختوں پہ سانس بھرتے ہی [illegible] وقت سے [illegible] ہونٹوں پہ اب پاکیزہ ہی خلوتی [illegible] ہو کسی [illegible] میں تھوڑی ہوئی [illegible] لطف [illegible] ہو۔ بانسری اپنے [illegible] میں [illegible] ہے۔ یہ [illegible] [illegible] اور [illegible] جھانی [illegible] ہیں۔ یہ بانسری تو ہاتھوں کے لمس سے بھی [illegible] شرافت [illegible] کا احساس دلیل مانگتی ہے۔ یہ تو ایک ایسا معشوق ہے جسے چوم چوم کر منایا اور [illegible] میں [illegible] دوسرے ساز بنے انہیں تو کسی کو نہیں کرنے کے لئے اس کے کان مروڑنے پڑتے ہیں [illegible] پتھر یا ہتھوڑی سے مرمت کرنی پڑتی ہے کسی کی طنابیں کھینچنے کے لئے باقاعدہ زور آزمائی [illegible] آتی ہے کسی کے کھرچن پہ چھانے مارنے پڑتے ہیں کسی کو آہ اور کسی کو سسکی..... اور بانسری یہ تو [illegible] کے سازوں کی بدیع الجمال ہے۔ سیف الملوک اپنی بدیع الجمال کو اپنے سینے پہ لگائے [illegible] کی [illegible] سے [illegible] رہا تھا یہ بند تو اب اس نے لئے سلسلہ وہ [illegible] ہی کر رہا تھا۔ پچھلی رات کے [illegible] تو اب کے کہیں جا کر سوئے پڑے تھے اگر مسلسل جاگ رہی تھی تو وہ اس کی آنکھیں [illegible] موہنی خوشبو کی رات تھی وہ پچھلی رات کا شہر سے واپس لوٹا ہوا تھا۔ رات کو کھانا پینا اور [illegible]

خوابِ خرگوش میں ہو؟" معلوم ہوا کہ وادی کی ڈھلان کی طرح جب اندر کی ایک جاگ پڑے تو پھر دوبارہ کچھ
دیر نہیں ہوتا۔ کھیتوں کا رکھوالا رات کھیتوں کو پانی دکھا کر نیند آرام کے بعد دوبارہ نکال کر گھر پہنچا کر واپس
بھی پہنچ گیا مگر محبوب ایسا خوشبو کے سنگ بے پہ پہنچا کہ ابھی تک واپسی کی کوئی خبر نہیں تھی۔ آوارگی
خوابی، مادرنی خوشبوئیں دیوانوں، مستانوں کے خوابوں کی مانند ہوتی ہیں اور جب خواب اور خوشبو
آپس میں گڈمڈ ہو جائیں تو پھر دیوانوں کی نیند کہاں؟ بانسری کی نوائے غم تھی کا آہنگ رنگ
تک فضا میں رنگ گھولے ہوئے تھا کہ شمردین نے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔

"بابا! محبوب! طبیعت ٹھیک ہے نا؟" لالہ نے بے بے پوچھ رہے تھے کہ محبوب رات کو
کہاں نہیں آیا۔ "جا بابا! گھر جا کر تھوڑا سا آرام کر لے۔"

"ہوں" محبوب یوں چونکا جیسے شمردین نے اسے کوئی نہ سمجھ میں آنے والی بات کہہ دی
ہو۔ "ہاں آں" جیسے اسے کچھ بھولا ہوا یاد آ گیا ہو بانسری کو رومال میں لپیٹتے ہوئے ہولے سے کہا۔

"شمو آدی! اب تو بھی کچھ آرام کر لے....."

دھلوات کا تھیلا اور بانسری سنبھالے وہ گاؤں کی راہ پہ ہو لیا۔ گاؤں کی جانب نکلتے ہوئے
پگڈنڈی کو لی [illegible] کے پاس سے گزرا پہلے معمول کی
گہرائی سے گزرنا پڑتا تھا۔ دراصل یہ ایک برساتی پانی کی گزرگاہ تھی۔ جیسے جیسے محبوب آگے بڑھتا گیا اسے
یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی خوشبو فشاں پہاڑ کی جانب رواں ہے اور وہ پہاڑ اسے مقناطیس کی طرح اپنی
جانب کھینچ رہا ہے۔ اس کے پاؤں [illegible] تھے بلکہ [illegible] میں اس کے اپنے کسی ارادے
دخل نہ تھا وہ کسی مجبور و انسان کی طرح بے سدھ سا آگے بڑھ رہا تھا۔ سورج اس کے پیچھے اور سایہ اس کے
قدم آگے۔ وہ اپنے سائے کی خوابیدہ وضعیت کذائی پہ غور کرنے پہ مجبور ہو گیا۔ سایہ تو جسم کا مقابل ہے
یہ کیسا سایہ ہے؟ وہ کچھ سوچ کر رک گیا بلکہ اپنے قدموں پہ بیٹھ گیا۔ مگر سایہ نہ رکا اور نہ ہی بیٹھا۔
اپنی راہ پہ چلتا اور بڑھتا رہا۔ آگے برساتی نالے کے کنارے ایک گھنے آم کا چھوٹا سا درخت تھا سایہ
درخت کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ یہ امر اس کی سمجھ میں نہ آیا اچانک اس کی نظر آم کے درخت کی
جانب اٹھی وہاں کستوری کھڑی اسے کاٹ کھانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی ساتھ ہی مست کر دینے والی
خوشبو کا ایک زبردست جھونکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا۔ کستوری جیسے سامنے کے قالین پہ پگ دھرتی
اس کی جانب آ رہی تھی بالوں کی ایک سیاہ پانیوں کی ساکت آبشار اس کی جلو میں تھی اور سایہ تھا کہ سمٹ
اس کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا۔ وہ محبوب کے سامنے قریب آ کر رک گئی۔ کئی صدیاں وہ ایک دوسرے

UrduPhoto.com

[illegible] سے دیکھتے رہے۔

"تم وہی خوشبو ہو جس نے یہاں ہر زندہ چیز کو بے خود و دیوانہ سا بنا دیا ہے۔۔۔؟" محبوب نے بغیر کستوری سے پوچھا۔

کستوری کے نازک لبوں میں جنبش ہوئی۔ "اور۔۔۔ اور تم بھی وہی بانسری ہو جس کی نغموں نے وہ سارے بھید کھول دیئے جو ابھی تک میرے سپنوں کی دھند میں لپٹے ہوئے تھے۔"

"کیا مجھے پہ رہنے کو آئی ہو نا۔۔۔۔؟"

"میں تجھ سے آئی ہوں اور اب ہمیشہ وہیں رہوں گی۔ تمہاری بانسری کی میٹھی میٹھی بھید [illegible] کرتی رہوں گی۔۔۔ تمہاری کھوج میں کیسی کیسی مشکلیں اور مصیبتیں جھیلیں بڑے بڑے [illegible] سے گزری تب کہیں جا کے تم مجھے ملے ہو۔۔۔"

[illegible] نے اسی خواب آگیں لہجے میں جواب دیا۔

"[illegible] میرے سپنوں اور خیالوں کی خوشبو ہو۔ میں نے جب سے بانسری بجائی ہے میں [illegible] تو ناچتا رہا ہوں۔۔۔ میں اپنے اسی [illegible] چاندنی راتوں میں [illegible] دیکھتے ہوئے [illegible] تمہاری خوشبو [illegible] نہیں ہے۔ یہ تو سدا میرے ساتھ رہی مجھے جینے کا حوصلہ دیتی رہی اور جانتی ہو [illegible]"

"کستوری ہو گی [illegible] تم میرے محبوب ہو۔۔۔"

[illegible] تھا اور اوپر چڑھ آیا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے ایک سیدھ میں کھڑے تھے اور دونوں کا [illegible]

کستوری کے بالوں اور خوشبو کا گاؤں بھر میں چرچا پھیل گیا تھا۔ وہ اپنی ہمجولیوں کے ساتھ [illegible] پانی کی مانند ذقندیں بھرتی پھرتی تھی۔ ایک گھر سے دوسرے تیسرے جہاں جاتی صحن [illegible] بالیوں سے بھر جاتے۔ جو کوئی اس کے نین نقش سانولی سی دل کو چھو کے گانے والی [illegible] سے بے خبر اور بے نیاز کر دینے والی مہک اور رات کا کالا جادو بھری گھنگھور گھٹاؤں جیسی [illegible] سی بل کھاتی لہراتی زلفیں دیکھتا جن کو چھو کے پہ دل گرم جانے کو چاہے۔ لڑکیاں [illegible] بالوں کو بالشتوں سے ناپ ناپ کر پریشان ہو جاتیں۔ ناک دھر کر سوچتیں اپنے بالوں [illegible] کرتیں۔ اکثر لڑکیاں عورتیں اس سے ایسے لمبے مہکتے سیاہ کالے چمکدار بالوں کا راز پوچھتیں

تا دو جلے سے منتر کر کے پہلے جتنی کی عورتوں نے اپنے پیٹے کے اثر سے یہ بالوں کا جیسے جانے کی
وشش کی۔ کستوری کے باپ جیسے کو بھی یہ خیال تھا کہ اس بالوں والے کتے سے تو بہت سا
صیا جا سکتا ہے کیوں نہ کسی اچھے دام پر فروخت کیا جائے؟ تین چار تیل کی بوتلیں تو اس کے پاس محفوظ تھیں
اس نے ایک بوتل اصلی تیل اور پچاس بوتلیں سرسوں کا تیل کے حساب سے تیل تیار کر کے فروخت کر دیا
اس کا دل اور اس کے گاؤں کی لڑکی کو دیکھ کر اس تیل سے مالش کر رہی ہے۔ اس تیل نے
کام دکھایا۔ گنجیاں اور چھوٹے بالوں والیاں زلف والیاں بن گئیں۔ اب تو اور تیل ہی اس تیل کے
کاروبار میں لگ گیا۔ دو چار اصلی تیل کی شیشیاں تو کب کی ختم ہو چکی تھیں اب تیل بے اثر تھیں کتے
تیل بھی مطرا رہا۔ جیسے کا دل اب یہاں سے بھی اچاٹ ہو گیا تھا۔ اور وہ رہنے کی مہلت تھی اب تو
مہینہ بھی ختم ہو رہا تھا۔ اور کستوری اور محبوب اپنی دنیا میں مست تھے۔ کبھی کستوری کھیتوں والے ڈیرے
پہنچ جاتی اور کبھی محبوب کے اوپر چلا جاتا لیکن اس خبر اور خوشبو کے ملن کی خبر ابھی تک زبان زد
نہیں ہوئی تھی۔ کبھی کبھی کے تو کر یا پھر ملیمان جاتا تھا۔ کستوری کے قبیلے والے تو جانتے تھے کہ یہ
وقت گزاری [illegible] کی جانب
رہا وہ تو یہاں سے [illegible] رہ جائیں گے اور ہمارے اپنے [illegible] اور وہ
جائیں گے۔ جانے سے پہلے جیسے نے بالوں والے [illegible] کو بھی بتا دیا
اسے بتا اور مال پیدا کر رہا تھا۔ ایک دن پہلے جیسے نے کستوری کو بتایا کہ بیٹی کل صبح سویرے
یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ محبوب کے باپ نے کہا یہاں خوف ہے بیٹے رہنے کی اجازت دے دو
اور اب تیرا [illegible] ختم ہونے کو ہے۔ اب کچھ پیسے بھی مندار بننے لگا ہے پھر ورنہ کسی کے
گاؤں کا۔ کستوری باپ کی یہ بات سن کر بڑی مطمئن سی بولی۔

"بابا تم نے بالکل ٹھیک سوچا اور یہاں سے جانے کا صحیح فیصلہ کیا۔ تم تو پورے قبیلے کے کھیر
تمہارا تم یا فیصلہ ہر کوئی سنتا ہے۔ کل اس قبیلے کو روانہ ہو جانا چاہئے مگر بابا! اس قبیلے کا ایک فرد
وہ دان میں شامل نہیں ہوگا اور وہ تمہاری بیٹی کستوری ہوگی۔ یہ میرے مقدر کے کھیا کا حکم ہے اور میرے
مقدر کے جیدوں کا فیصلہ ہے۔ جس طرح تم اپنی دکھن کی دوا دارو بیٹے کے پاس جانا
سوچ رہے ہو اسی طرح میری اندرونی دکھن کا دارو یہاں میرے سیانے کے پاس ہے۔" پھر وہ قدرے
سنجیدہ ہو کر کہنے لگی۔ "میں جانتی ہوں میری یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی لیکن ایک حقیقت
تم بھی جانتے ہو کہ میں کسی مرد کو چھو نہیں سکتی میرا ایسا کوئی ہو نہیں سکتا میں وہ چیز نہیں ہوں کہ [illegible]

[illegible] سے [illegible] جوایا جا سکے اور نہ [illegible] موقعے کی [illegible] ہوں [illegible] کی کھونے کے ساتھ [illegible] جا سکے۔ [illegible] تو [illegible] پہنچا ہوں۔ ایک آوارہ [illegible] خوش ہوں۔ [illegible] ای کی ہوں [illegible] کے [illegible] میں [illegible] تھی

[illegible] ادھے [illegible] اس بچی کا [illegible] سمجھ میں آنے والا [illegible] کہ جب پیدا ہوئی تھی تو [illegible] طوفان نے ایک قیامت اٹھا رکھی تھی۔ مشکلات سے [illegible] ہاری دایہ نے اسے ایک [illegible] سے [illegible] کر [illegible] کی [illegible] والے [illegible] سے باندھ کر [illegible] دیا تھا تاکہ یہ طوفان [illegible] آندھی اور بارش [illegible] سے محفوظ رہے۔ قبیلے والے [illegible] مرد [illegible] اپنے [illegible] اور سامان کی فکر میں [illegible] ہوئے [illegible] کھوڑے [illegible] توڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ اسی افراتفری اور [illegible] میں ایک [illegible] [illegible] قبیلے والے [illegible] بچی اور [illegible] کی ماں اور دایہ [illegible] کے [illegible] کسی مدد کی [illegible] [illegible] قبیلے والوں کے ساتھ اس طوفان سے مقابلہ کر رہا تھا۔ دایہ اسے باندھ [illegible] تھی جس کی حالت [illegible] ہوتی جا رہی تھی۔ اسی دوران آندھی کا ایک [illegible] میں [illegible] طوفان کے ساتھ [illegible] سے [illegible] تھی [illegible] ساتھ [illegible] تھی۔ اسی [illegible] اور [illegible] آندھی میں [illegible] ہونے کے [illegible] ہونے کی [illegible] جوت [illegible] جواب دے گئی۔ طوفان [illegible] ایک جوان [illegible] ایک [illegible] دو [illegible] ایک [illegible] اور [illegible] سلامت مل گئے۔ [illegible] کستوری [illegible] بانس [illegible] قریب دو [illegible] اور بانسوں کے ایک چھوٹے سے [illegible] میں [illegible] تک بارہ گھنٹے بعد [illegible] پوئی [illegible] کی تو [illegible] صحیح سلامت [illegible] میں [illegible] کی [illegible] کر رہی [illegible] کے تصور میں [illegible] یہ فلم چل رہی تھی کستوری [illegible] باتیں کر رہی تھی۔ کستوری نے اور [illegible] نے [illegible] کی تھیں۔ کستوری [illegible] ہوئی تو جیونا دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے جھک کر بیٹھ گیا۔ [illegible] کے درمیان ایک بھیانک سی خاموشی [illegible] تھی اور جیسے [illegible] خاموشی کے بعد ایک [illegible] کا [illegible] [illegible] اسی طرح [illegible] کھوب آ گیا۔ ایک [illegible] باپ بیٹی [illegible] کی نظریں [illegible] اور [illegible] پر [illegible] گئیں۔

[illegible] میں قسمت کستوری کا ہاتھ مانگنے آیا ہوں۔ مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ آپ سب کل یہاں [illegible] رہے تھے۔ [illegible] یہ کام [illegible] میرے والدین کا تھا [illegible] نے اپنے بزرگوں سے [illegible] کی [illegible] آپ کے پاس اس مقصد کے لئے آئیں [illegible] انہوں نے میری اس گستاخی پر [illegible] مجھے [illegible]

UrduPhoto.com

کے لیے تعلقات ختم کر لیے بلکہ سوائے اس بچے کے اپنی تمام جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

تھوڑی توقف کے بعد کہنے لگا۔

"بول بابا! اب تو کیا کہتا ہے.....؟"

جیونے نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ اکثر یہ ہوتا رہتا ہے۔ عیاش اور دل پھینک قسم کے لوگ اکثر ان کی چھوکریوں کے پیچھے شادی یا اپنی محبت کے چکر میں ان کی جھونپڑی تک پہنچ جاتے ہیں روپے پیسے کا لالچ بھی دیتے ہیں مگر یہ خانہ بدوش لوگ بڑی خوبصورتی سے کھا پی کر طرح دے جاتے ہیں اور اگر یہ بڑے اپنی چھوکریوں کے عاشقوں کی مرادیں ان کی خواہش کے مطابق پوری کرتے رہیں تو پھر یہ کرتے کرتے ساری چھوکریاں پھنس جاتی ہیں اور یہ خانہ بدوش مرد انگلیاں چھیل کر رہ جاتے ہیں مگر اس معاملے میں جیونے نے اپنے طور طریقوں سے کافی ہٹ کر حقیقت پسندی اور سچائی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"میں اس وقت یہ بحث چھیڑ کر تمہارا اور اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا کہ تم خانہ بدوش لڑکیوں کے بارے میں کیا سوچتے ہو۔ میں اس وقت صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے میں یہ چاہتا ہوں کہ کستوری خاص وجوہ کی بنا پر تم سے کیا کسی سے بھی بیاہ کرنے کے قابل نہیں۔ اس کو تم اسے بیوی بنانا بالکل اپنی موت کو دعوت دینے والی بات ہے۔ تم اس بات کی تصدیق کستوری اور قبیلے کے کسی فرد سے بھی کر سکتے ہو۔"

"بابا! کستوری تو پھر کستوری ہے عورت تو ہاتھ پاؤں سے اچھوری بھی ہو تو وہ بھی موت کا فرشتہ بن سکتی ہے اگر اس کو محض کھلونا سمجھ کر اسے اپنی ہوس اور نفسانی خواہشات کے لئے استعمال کیا جائے بابا! جو کچھ تم نے مجھے بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے وہ سب کچھ مجھے جاننے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے قبیلے کے رسم و رواجوں سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ جو کستوری کی خوشبوؤں اور میری باتوں کی مدھر لہروں کا بھید کھل رہا ہے یہ یہاں کی مہربانی ہے اور میں اس کا محبوب ہے بالکل یہی باتیں میں نے ماں باپ کے روبرو بھی کھری کھری کر کے آیا ہوں۔ میرا فرض تھا کہ کستوری کے بابا ہونے کی حیثیت سے میں تم سے کستوری کا ہاتھ مانگوں سو میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ یہ کستوری موجود ہے۔ باپ بیٹی آپس میں کوئی فیصلہ کر لو۔"

کستوری تو یوں بے نیازی کھڑی باتیں سن رہی تھی جیسے یہ باتیں اس کے بارے میں نہ ہو

[illegible] بھینس کے اوسے ہوئے کا کوئی معاملہ زیر بحث ہو۔ [illegible] جیسا عجیب سی شش و پنج میں پھنس گیا [illegible] پرچھائیاں اس کے چہرے پہ لہرا رہی تھیں۔ اس نے [illegible] کے عالم میں کستوری [illegible] دیکھتے ہوئے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

کستوری! تو بھی تو کچھ بول [illegible] اپنے آپ [illegible] اپنا اور [illegible] باپ اپنا [illegible] ریت روایت [illegible] مگر ایک بات یاد رکھ فیصلہ یا بات [illegible] کرنا جو تیری من بھاوے [illegible] میں نے تیری [illegible] سفید کر لی۔ اب [illegible] کر [illegible] سفید بالوں پہ [illegible] کالک نہ لگ جائے۔"

کستوری باپ کی جانب دیکھتے ہوئے [illegible] انداز میں مسکرائی۔ اسی [illegible] مسکراہٹ [illegible] جہاد پہ شہادت کی آرزو لے کر جانے والوں [illegible] کا [illegible] پر رکھنے والوں [illegible] کے لئے قربان ہونے والوں کے ہونٹوں پہ آخری بار [illegible] ہے۔ بولی۔

"ابا! میرے بالوں کی خاطر تم نے اپنی بال چاندی کر لیے [illegible] اپنی [illegible] جوانی [illegible] کر لی [illegible] کے لئے تم نے کیا کچھ نہیں کیا مگر بابا! تم [illegible] اور بھی [illegible] کچھ کر [illegible] تم [illegible] کر سکتے۔ اب [illegible] آ [illegible] جہاں [illegible] تم [illegible] ہیں۔ میں [illegible] ہوں۔ [illegible] ایک دن [illegible] وہاں [illegible] پڑتا ہے۔ بابا اپنے [illegible] اور [illegible] اپنے [illegible]

[illegible] موت [illegible] بابا [illegible] مرنا [illegible]

[illegible] جاؤں"

- [illegible] تن لگیا عشق کمال.....!

[illegible] ہیں کہ اسی رات کستوری اور محبوب کا بیاہ کر دیا گیا۔ [illegible] کا جھونپڑا [illegible] کے [illegible] سجا دیا گیا۔ محبوب ساری رات اندر جھونپڑے میں اپنی [illegible] تک [illegible] رہا اور [illegible] جھونپڑے [illegible] کر [illegible] کھیتے رہے۔ ساری رات اسی کشمکش اور تک و دو میں گزر گئی۔ صبح [illegible] پہلے چھوٹا آہستہ سے اپنے جھونپڑے کے اندر داخل ہوا [illegible] کستوری اور محبوب دونوں ایک [illegible] میں ایک دوسرے میں سمائے ہوئے مرے پڑے ہیں۔ کستوری کے سینے پر ایک [illegible] ہوئے بیٹھا تھا اور محبوب کے سینے پہ بانسری دھری تھی۔ خوشبو اور [illegible] کا ایسا [illegible] کیا کسی نے دیکھا

UrduPhoto.com

ہوگا؟ چھوٹے نے اوپر کھڑے ہو کر چند لمحے دونوں کو دیکھا، اپنے آپ وہ آنسو پونچھ کر دونوں پر گرے۔ ایک پنجہ اٹھایا، اردگرد کی مٹی سمیٹ کر قبر برابر کر دی۔ پھر چند لمحے قبر کو دیکھا، الٹے پاؤں واپس پلٹ آیا۔ اس کے پہنچتے ہی بنجاروں کا یہ کارواں اپنی کسی نئی منزل کی جانب رواں دواں ہو گیا۔

● وہ بنجارے آئے چلتوں کے بنجارے ۔۔۔ !

میں عالمِ تصور میں صبح کے دھندلے سے اجالے میں آخر دن ریچھوں پہ مشتمل کارواں کو مجھے اور سلیمان کے باپ کی رہبری سے نکلتے دیکھ رہا تھا۔ جانوروں کے گلوں میں بندھے گھنگرو اور گھنٹیاں پاؤں سے باندھ دی گئی تھیں تاکہ شور نہ ہو اور ریچھوں کے پیچھے بندھی ہوئی زنجیریں بھی کھل گئیں۔ قافلہ اپنی کستوری کی خوشبو اس کے آخر کے پاس چھوڑے جا رہا تھا۔ ریچھوں کے چہروں کی ویرانی چھوٹے کے آنسوؤں کی فراوانی مجھ سے بھی دیکھی نہ گئی۔ میں وقت کی چلمن کو ذرا سرکا کر پیچھے کا منظر دیکھنے لگا۔ یہ تینوں چوروں ایک ڈھیری کے پاس کھڑے ہاتھ اٹھائے فاتحہ شریف پڑھ رہے تھے۔ میں بھی [illegible] کسی نے مجھے بھاری پتھر بھاری چٹانوں سے باندھ دیئے ہوں۔ پکڑ لی گئی تو سلیمان بتا رہا تھا

"[illegible] صبح ہی چلے گئے تھے۔ اس رات نہ تھے اور پریشانی سے کوئی بھی ہمارے گھر نہ اور نہ کسی نے کھانا کھایا۔ ساری رات اسی کشمکش اور پریشانی میں کٹی۔ آج لوگوں نے اطلاع دی کہ وہ نالے سے صرف ایک جھونپڑا ابھی تک وہاں کھڑا ہے۔ والد صاحب اور دادا نے تو رات ہی کو محبوب اور اس کی شدید لعنت بھیج کر اس کی آخری خواہش کے طور پر اسے بخش کر باقی تمام جائیداد اور خاندان سے عاق کر دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ اب اس نے یہ کہہ دیا تھا کہ کوئی بھی اس گھر اور گاؤں میں محبوب کستوری کا ذکر نہ کرے۔ میں اور سرفراز اپنے ساتھ چند دوستوں کو لے کر والدین کو بتائے بغیر وہاں پہنچے۔ وہاں وہی عالم تھا جو اکثر میلہ اجڑ جانے کے بعد خیمہ کھلیان یا میدان کا ہوتا ہے۔ ہر طرف گندگی اور اشیاء کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مشرقی کنارے پہ ایک جھونپڑا ابھی تک ثابت سالم اپنے ڈھلے پاؤں پہ تنا کھڑا تھا۔ پردہ ہٹا کر اندر دیکھا تو جھونپڑی کی ہر چیز اس کے اندر موجود تھی۔ ایک قبر نظر آئی تازہ تازہ کھدی ہوئی تھی۔ یہ قبر دیکھ کر تو ہماری [illegible] محبوب کے بارے میں برے برے خیال آنے لگے۔ الٹے پاؤں واپس گھر آئے۔ ساری بات والدین کو بتائی۔ ماں باپ تو آخر ماں باپ

UrduPhoto.com

[illegible] ہے کیسی ہی ہو وہ دم اس کی تھم جاتے ہیں اور اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے [illegible] نے فوراً گاؤں کے گورکن کو بلایا اور قبر کشائی کا حکم دیا۔ پورا گاؤں بچے کے اوپر پہنچ گیا [illegible] نے کھودے کھول کے کہ خانہ بدوشوں کا پیچھا کر کے ان کو پکڑتے ہیں مگر دادا نے منع کر [illegible] تو بھلا دیکھو کہ اندر کیا ہے؟ قبر اتنی گہری نہیں تھی۔ یہ تو ایک عاشق نے کھودی تھی جس نے [illegible] کی خوشبو پہنچا تھا اسے دبایا تھا اور اپنے سروں کے بھیدوں کو دنیا سے لگایا تھا۔ چند ہاتھ [illegible] نے تو خوشبو مارتے ہوئے باہر آ گئی ساتھ ہی ٹوٹی ہوئی بانسری بھی سامنے آ گئی۔ [illegible] نے کی صاف کی تو دونوں آسودگی سے کان لگے ہوئے پڑے تھے۔ دادا کے حکم کے مطابق [illegible] دیئے گئے نکالی ہوئی مٹی واپس ڈال دی گئی۔ قبر برابر کر کے دو بھاری پتھر اوپر رکھ دیئے [illegible] کے حکم پر تو اپنے گھر اور نہ ہی گاؤں سے کسی کو ہمیں سوگ منانے کی اجازت ملی نہ کوئی [illegible] قل نہ چہلم نہ جنازہ اور نہ ہی ماتم کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ ان کو یہ خبر کہ یہ سب کچھ [illegible] ایک نماز شریعت کے پابند انسانوں کے لئے ہوتا ہے اور جنہیں عشق کے مارا ہوتا ہے [illegible] کچھ ضروری نہیں ہوتا۔ بچے کے دوسری طرف کی کیت کی اسے بانجھ ہو گئے۔ اس واقعے [illegible] کے بعد سے یہ گاؤں اب تک ویران پڑا ہے کیت ویران [illegible] میں ہیں۔ اب کبھی کوئی اس طرف آتا ہے تو ہم ہی ہیں ہو دن میں ایک آدھ بار ادھر [illegible] کر جاتے ہیں۔"

UrduPhoto.com

ٹھیک [illegible] اب ایک بات اور [illegible] اس بچے کو اپنے کسی جائز مقصد [illegible] استعمال کر لیں تو آپ کے والدین کی جانب سے کوئی پابندی تو نہیں ہوگی یا ان کی اجازت [illegible] نے کی ضرورت تو نہیں پڑے گی؟"

سلیمان نے فوراً مجھے جواب دیا۔ "بالکل نہیں ہم بچے کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ [illegible] ہماری ملکیت ہے باقی رہی والدین سے اجازت کی بات تو ان کی طرف سے اب اجازت ہی [illegible] ہے۔ محبوب کے اس واقعے کے بعد انہوں نے تقریباً دنیا کے ہر کام سے منہ موڑ لیا ہے۔ اب تو وہ [illegible] ہمیں مفت بالی کے لئے دینے کے لئے تیار ہیں مگر کوئی بھی لینے کی حامی نہیں بھرتا۔ اکثر [illegible] کو یہاں بانسری کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور سانپ تو جیسے یہاں اگتے ہیں۔ ہر سال [illegible] سے ادھر آتے ہیں اور سانپوں سے لڑکیاں بھر بھر لے جاتے ہیں لیکن ایک بات ہے کہ [illegible] سانپ کاٹنے کی واردات نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی موت واقع ہوئی ہے۔ ادھر دوسری طرف کیتوں

میں جانا تو وہ چار سانپ ضرور دکھائی دے جائیں گے اور ادھر ہٹے پہ بھی نہیں دیکھ سکتے ہو۔"

میں نے فوراً ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ یہ جگہ اس لحاظ سے بڑی خطرناک اور منحوس تھی کہ میں بھی جو کام کرنے جا رہا تھا اس کے لئے تو اس سے بھی زیادہ خوفناک اور منحوس ترین جگہ درکار تھی۔ خیر واپسی کا راستہ ایسی ہی ڈراؤنی اور انہونی سی باتیں سنتے سناتے کٹ گیا۔ گھر پہنچ کر بھی ہم سب نے مسئلے کے مختلف پہلوؤں پہ غور کرنے کے ساتھ ساتھ طے پہ پیش کئے جانے والے ڈرامے کے لئے ہوم ورک بھی کرتے رہے۔ دوپہر تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد کھانا کھا کر ہم پھر سارے کھیتوں کی جانب روانہ ہو گئے اس دفعہ ہمارے ساتھ کچھ سامان اور اوزار بھی تھے۔ سب سے پہلے ہم نے کھیتوں میں سوکھے ڈنٹھل کی اک عرصے سے بند کوٹھڑی کھولی۔ وہاں کاٹھ کباڑ میں بانس اور بنے والی جھونپڑی کے نیچے ترپال پڑی ہوئی تھی ہم سب سامان اور ضرورت کی دیگر چیزیں اٹھا کر نیچے لے آئے۔ کستوری اور محبوب کے مرقد سے ذرا پرے ہم نے غلام رسول فوقی کا کھدالی پہ لگا دیا باقی سارے بانس اور ستون گاڑنے پہ جت گئے۔ ڈیڑھ گھنٹے کی مشقت کے بعد ہم نے اپنا مطلوبہ جھونپڑا اور دو فٹ اونچا تھڑا تیار کر لیا۔ پرانے ہل کا ایک ٹکڑا اور کھیتوں کی جوتا کرنے والی [illegible] کی دونوں [illegible] زمین میں طرح سے گاڑ [illegible] پہ لٹکا دیا گیا۔ [illegible] کا پرانا دو آوز [illegible] بھی سوت کر لٹکا دیا گیا۔ سہ پہر تک ہم نے قریب قریب تمام کام جو ہونا تھا مکمل کر لیا۔ عصر کی نماز ہم نے کھیتوں والے ڈیرے پہ پڑھی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ہم نے کا ایک اور چکر لگایا اور پھر گاؤں آ گئے۔ گھر پہنچتے ہی سرفراز کی بے سبب خوب ڈانٹ پلائی کہ ہم سارا دن پتہ نہیں کہاں کہاں آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں۔ کھانے پینے کا ہوش نہ کپڑے لتے کا پتہ مغرب کی نماز کے بعد پھر ہم گھر سے باہر نہیں نکلے۔ آج ہم نے گھر والوں کو خوش رکھنے کا پروگرام بنایا تھا کیونکہ آنے والے دنوں میں ہم نے انہیں پھر پریشان بھی تو کرنا تھا۔ سرفراز کی بے سبب ڈانٹ نے رات خدا جانے ہمیں دودھ میں کیا گھول کر پلا دیا تھا جو ہوش ہی نہ رہا کہ زمین پہ ہیں یا آسمان پہ۔ رات خوب گھوڑے بیچ کر سوئے۔ صبح اٹھ کر پھر روانہ کھیتوں کی جانب۔ فراغت و حاجت سے نبٹ کر وضو کئے۔ ہلکے سے ناشتے کے بعد ہوا خوری اور آوارہ گردی کے لئے دریا کی طرف رخ کر لیا۔ نہر کے راستے میں مقدس ڈیرہ خواجہ خضر والا بھی پڑتا تھا۔ وہاں بھی پہنچ گئے۔ ابھی ہم ڈیرے سے باہر نکلے تھے کہ ہماری آہٹ پا کر ایک مادہ خنزیر اور اس کے چھ سات بچے خوم خوم کرتے ہوئے ملحقہ ڈیرے سے نکلے اور ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے دریا کی جانب بھاگ گئے۔ صبح صبح یہ منحوس

UrduPhoto.com

[illegible] میری تو طبیعت مکدر ہو گئی۔ پھر خیال آیا کہ جس جگہ نماز ہو رہی ہو وہ مقدس نامون اور [illegible] بندوں کی توہین ہوتی ہے اللہ کی بھولی بھالی مخلوق کو اللہ کے نام پر لوٹا جا رہا ہو وہاں خوف [illegible] کے خیال اور طاقت رقص فرما نہیں ہوں گے۔ ایک قہقہہ میرے منہ سے نکل گیا [illegible] ہنسی [illegible] سے نکلا۔

"خوش و بدن کے جانے والے! اپنے شک و تنقید اور ہدایت تیرے ہی ورثے تھی ہے۔ مجھ [illegible] اپنے وسائل اور میرے ساتھیوں کو یہ توفیق عطا فرما کہ ہم ان بے ہدایتوں اور دھوکے بازوں [illegible] سے معصوم سادہ لوح بندوں کو بچا سکیں اب تک تو ہمیں کا حال خوب جانتا ہے۔"

■ [illegible] اپنے لسوڑیاں دی کھیر ...!

[illegible] واپس آتے ہوئے میں نے پوچھا سلیمان سے ان کے والد اور دادا سے ملاقات کرنے کا [illegible]

[illegible] ہی آپ کے لئے [illegible] یوں ہمت نہ پڑی۔ جب تم آپ چلیں [illegible] سرفراز کا گھر ایسا ہی سلیمان کا گھر۔ ایسے ہی بات ہے۔ کل ابا جی کہہ رہے تھے کہ [illegible] کے بارے میں بتا رہے تھے کہ بڑا قابل آدمی ہے۔ کسی دن ساتھ کھانے پر بلاؤ اور ہم [illegible] سے مل لیں گے۔ ویسے ایسا کرتے ہیں کہ آج رات آپ سب ہمارے گھر کھانا کھائیں [illegible] سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور بات چیت بھی۔"

[illegible] چاہتا ہی یہی تھا کہ میں سلیمان اور محبوب مرحوم کے والدین سے ملوں۔ محبوب کے طرز عمل [illegible] نے دلوں میں جو میل بیٹھ گئی ہے اسے صاف کرنے کی کوشش کروں۔ جب اور دگر ہونے جیسی [illegible] دل کی قیمتی زمینیں جو محض کم فہمی اور فضول ضد کی وجہ سے بیم و تحیر میں تیزی کے ساتھ تبدیل ہو [illegible] کے بارے میں ان کے خیالات اور ارادے بدلنے کا کوئی جتن کروں۔ ان کے دل و دماغ [illegible] زمینوں کے اندر مخوف خطرناک سانپوں کی موجودگی ہی سمجھی ہوئی تھی اسی وجہ سے کوئی مزارع [illegible] کھیتی باڑی کرنے پر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ مستوری کی خوشبو کی وجہ سے سانپ کیڑے مست ہو کر اس کا رخ کرتے تھے۔ مستوری کو مرے ہوئے کئی برس گزر گئے [illegible] اندر زندہ تھی۔ بیج کے قرب و جوار میں کیڑے مکوڑے اور سانپ جب پہنچ جاتے تھے تو

بے خود و بے ہوش سے ہو جاتے کسی کو ضرر پہنچانے کی ان میں ضد بد ہی نہیں رہتی تھی اور اگر وہ کے مخصوص وقت کے اندر اندر وہاں سے نہ ہٹتے تو پھر وہ یہیں پہ پانی پیتے ہو کر ختم ہو جاتے۔ میرے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ کسی طرح سلیمان کے والدین اور گاؤں والوں کے دلوں سے یہ خلا قسم کے مخروطات اور خوف اور سانپوں کی دہشت نکلے یہاں پھر وہی خوشگوار سا ماحول اور خیر و برکت کی فضا قائم ہو اور وہ وقت لوٹ آئے تو انہی بنجاروں کی آمد سے پہلے تھا۔ سلیمان کی دعوت دی طور پہ تھوڑی سی رد و کد کے بعد قبول کر لی گئی اس قسم کی باتیں کرتے کرتے ہم گاؤں کے سرحد سے پہ پہنچے تو میں نے بریک لگاتے ہوئے کہا۔

"بھائی لوگو! آج گاؤں کے ٹھاکر کی طرف سے ہوتے ہوئے بنے تک وہاں سے کھیتوں والے ڈیرے اور پھر واپسی۔"

دراصل مجھے اندر ہی اندر بڑی شدت سے میرانی کا انتظار تھا جو میں نے اپنے بھروسے پہ سارا میراں دتے کو مع بکریاں لینے گیا ہوا تھا۔ یہ اپنے گاؤں کا واحد یعنی میرانی اس کا ساندھ پہ بس دتا اس کی بکریاں سارے گاؤں والوں کی تھیں اور کتنے اجل سے مدتوں کی آ رہا تھے۔ وہ وقت نہ ملے ہوتی تھیں مرتب یا اس نہ ہوتی ہوں گے پتے نہیں کب بھاگ گئے ہوں؟ اس قسم کے حالات میں بے شمار اچھے برے خیالات خود بخود ہی چلے آتے ہیں اور انسان امید و بیم کے سمندر میں ابھرتا ڈوبتا رہتا ہے۔ سرحد سے بائیں جانب مڑے تو سرفراز نے اپنی ٹانگ اڑانے کی عادت سے مجبور ہو کر مجھ سے آج روٹ بدلنے کی وجہ دریافت کی میں نے مڑتے ہو کر فوراً سے آڑے ہاتھوں لیا۔

"تمہاری معلومات میں اضافہ اور تمہارے علم میں برکت ڈالنے کی خاطر عرض کروں گا کہ ٹانگ اڑانا، ٹانگ مارنے یا ٹانگ پھنسانے سے زیادہ خطرناک اور معیوب ہوتا ہے۔ لہٰذا براہ کرم آئندہ کبھی بھی میں جب تک ایک سو ایک قدم چل نہ لوں مجھ سے کوئی سوال جواب نہ کرنا۔"

وہ میرے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بڑی گستاخی سے بولا۔

"اچھا گورو جی مہاراج! ہم تنے کیتے کون ہوتے ہیں جو آپ سے کچھ پوچھ سکیں۔ چلئے"

"اب تو ہمیں اس گاؤں کے مہاجنت تک پہنچانے میں تمہاری مدد کرو گے۔ وہ دور مینار دیکھ رہے ہو وہ یقیناً ان کے کہیں قریب ہی رہتا ہوگا۔"

وہ دور سے اٹھتے ہوئے نظر آتے ہوئے میناروں کو تکنے لگا پھر مشکوک نظروں سے مجھے تاڑنے لگا

UrduPhoto.com

[illegible]

"وہ گاؤں کی جامع مسجد کے امام ہیں اور وہاں اس کے قریب کوئی مہامہت نہیں رہتا۔ وہاں کے حجرے میں جو ابوالسلطان نوید الرحمٰن شکر گڑھی رہتے ہیں وہ استغفر اللہ مہامہت نہیں بلکہ [illegible] صاحب ہیں۔"

[illegible] ذیشان بے وقوف اور جاہل انسان! مہامہت کا مطلب بھی بڑے مولوی صاحب ہی ہے۔ [illegible] بھی وہ مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ [illegible] جس علاقے کا عالم فاضل خطیب مولوی جو بھی وہ ہو اپنے علاقے میں خوش خطری کی کشتی اور حضرت موسیٰ کی مقدس کمری جیسے فرادیوں کا قلع قمع [illegible] اگر اپنے میں وہ جرأت ایمانی نہیں پاتا تو پھر مہامہت ہی کہلانے کا مستحق ہے۔ جب فوج [illegible] عسکری جرأت و جذبے سے جدا ہو اور ملک و ریاست کا فرمانروا علم و قوت فراست اور [illegible] میں پوری طرح ہو خوف خدا سے بے خوف مصلحت کوشی تن آسانی ہو اور پھر جب اللہ کے [illegible] گھروں کے رکھوالے اپنی ناک کے ایسی بے دینی اور مقدس ہستیوں کی ایسی اہانت کو [illegible] تو پھر جان لو کہ وہ قوت [illegible] اور وہ ہم آواز [illegible] ضرور اپنے [illegible] ہم [illegible] کے [illegible] بھی پیدا [illegible]

مرزا نے پھر ناگواری سے میرے سامنے ہاتھ ہلا دیئے۔

"بھائی! خدا کے واسطے [illegible] خطا کے ساتھ ساتھ میری پچھلی اگلی ساری خطاؤں کو [illegible] کر دو۔"

"بچو! تمہاری اگلی پچھلی تمام خطاؤں کو معاف کیا۔ اب ذرا تم بابا کی رہنمائی کرتے ہوئے ہمیں [illegible] بتایا تھا؟ ہاں بیٹے عبدالقربان شکر گڑھی کے پاس لے چلو۔"

"ان کا نام ابوالسلطان نوید الرحمٰن شکر گڑھی ہے عبدالقربان شکر گڑھی نہیں۔ خدا کے لئے ان [illegible] پتہ کہہ دیا۔ وہ مولوی ذرا دکھری ٹائپ کا ہے۔ میرا مطلب خاص شکر گڑھیا ہے۔"

"سبحان اللہ۔ بھئی! ویسے اللہ کا بندہ تو جو وقت خوف الٰہی سے لرزتا رہتا ہے رزق حلال کی [illegible] سے ہڈیوں کی مٹھ ہوتا ہے۔ اس کا نام دو لفظوں میں ختم ہو جاتا ہے جیسے محمد دین غلام رسول محمد [illegible] جس میں خدا کا خوف نہ ہو جس کی کمر اخلاص اخلاق سے ہری ہو۔ گردن تنی ہوئی پیٹ [illegible] صبر اور مرغا شوق سے کھاتا ہو تو جان لو یہ شخص قابل از مکتب و مسجد نہیں۔"

UrduPhoto.com

سرفراز نے میرے منہ پہ اپنا دیہاتی سا ہاتھ رکھ دیا۔

"خاموش۔ اب پیر صاحب کے تجرے تک ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالنا..... خدا کی قسم تم جیسے جاہل ہوا پایا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ وہاں پہنچو تو سہی وہ ہی تمہاری پوچ نکالیں گے۔"

ابھی پوچھاں پوچھیں میں پیر صاحب کے تجرے پہنچے جو مسجد کے ساتھ ہی ایک بے ڈھنگے کمرے پہ مشتمل تھا۔ باہر دیوار پہ ایک بڑے سے بورڈ پہ بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ پڑھ کر طبیعت بڑی ہشاش بشاش ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت صاحب محض اس مسجد کے خطیب ہی نہیں بلکہ ایک حاذق طبیب بھی ہیں۔ نمایاں طور پہ ان کی طبی اشیاء اور حسب کے میدان میں ان کی "کارہائے خدمات" کا ذکر بھی تھا۔ بورڈ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ آپ طبابت کے علاوہ فن جراحت میں بھی یکتا ہیں۔ کھسکی ہوئی ہڈیاں، پرانے درد، اندرونی پھٹے پرانے پھوڑے، کٹی پھٹی چری ہوئی کھال، جملہ امراض اعضا، درد شقیقہ، بواسیر، اخراج دل، ہیضہ، معدے کے سڑے، نوطوں کا پانی اترنا۔ بچوں کا پیٹ پھولنے کے کالے علاج اور ہر قسم کی روحانیت تو وہ تھے ہی۔ کئی ایک جن ان کے قابو میں تھے، ہمزاد اور موکلات کو بلا کر اپنی ذہنی بندوں کی خدمت کروانا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ [illegible] کوئی کام کرنے، [illegible] مطلوبات اور تو کرنی دبایا ہوا خزانہ یا چلہ جو اس کے لئے جو حکم کا یا جن کا خطرہ ہو تو مناسب ہدیہ لے کر خود ہی سرانجام دے لیتے۔ بورڈ پہ تحریر ایک جگہ کی رو سے یہ بھی تھا کہ کان پڑھوانے کے علاوہ مناسب رشتے کروانے میں بھی ان کی خدمات سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔ نومولود بچوں کے نام قرآن پاک اور زچہ و بچہ کے مفادات کی روشنی میں اور علم الاعداد کے حساب سے تجویز کئے جاتے ہیں۔ بورڈ پڑھتے پڑھتے میں ادھ موا سا ہو گیا مگر بورڈ ختم ہونے پہ پتہ چلا کہ خالی کونے بھی پڑھتے۔ ہوا الشافی شک کرنا ایمان کی کمزوری ہے پورے اعتماد اور یقین سے تشریف لائیں۔ بندے کا کام پانی دینا ہے پھل پھول لگانا مالک کا کام ہے۔ سرفراز نے ہی مجھے دھکا دے کر آگے بڑھایا ورنہ بورڈ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ میں نے سرفراز سے کہا۔

"یار! یہ شخص بڑا ہی موذی ہے یا مکار و عیار ہے۔ اس کی طلسماتی زنبیل میں تو ہر دکھ کا درماں ہر مشکل کا حل موجود ہے....."

دروازہ کیا کھلا تھا وہ تو کسی حریص مذبے کی آنکھ کی طرح پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا۔ اس بات کا پتہ دیتا ہوا۔ ناگاہ میری نگاہ سامنے بیٹھے ہوئے ایک گرانڈیل شخص پہ پڑی۔ عجیب خلجا پھولا ہوا ماتھا، موٹی موٹی آب دار باہر پھیلی ہوئی مکاری آنکھیں۔ پیلی نیلی اور سیاہی رنگت لیے ہوئی

[illegible] سرخ داڑھی، موٹے موٹے ہونٹوں کی اوٹ میں ہاں خوفناک سے دانت۔ وہ [illegible] آدھے چند کے بچوں کو اپنے حصار میں لئے بیٹھا تھا۔ تھیلے کے اوپر صرف ایک میلا سا شوکر [illegible] کا غلاف کیا ہوا تھا۔ مارے خوف و دہشت کے ہماری "السلام علیکم" ہمارے سامنے کے مطابق خاصی [illegible] نکلی مگر اس جانب سے جیسے مارٹر کا فائر ہوا۔

"وعلیکم السلام" ایسا لفظ اور داخلی کہ ہماری گھگھی بندھ گئی۔ "آؤ بچو! ادھر میرے پاس بیٹھو۔" وہ پانچ سات بچوں کو بھیڑ بکری کے بچوں کی طرح دیوار کی جانب ہنکارتے ہوئے ہمارے بیٹھنے [illegible] جگہ بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں اس بارے میں سوچ کر واقعی پچھتا رہا تھا لیکن اب کیا ہو سکتا [illegible] سب سے پہلے سرفراز اور سلیمان نے باری باری اپنے اپنے انداز میں میرا تعارف کرایا۔ اس [illegible] صاحب "ماشاء اللہ، اللہ برکت دے" کہہ کر مجھے ایسی تحسین بھری نظروں سے تولتے رہے جیسے سوچ [illegible] میں کہ یہ باشے [illegible] کا اور ہو گزرا شکل مرے تو ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ بہرحال تعارف کے بعد [illegible] نے کمال محبت و عزت سے پیچھے رکھے ہوئے بڑے برتن سے بسا ندھی بلوی ہوئی لسی پلائی۔ [illegible] سلسلۂ کلمات جاری رکھتے ہوئے الماری سے تھوڑا [illegible] چھوٹے چھوٹے کتابچے نکلوا کر ہمیں [illegible] فرماتے ہوئے فرمایا۔

"[illegible] ان کا ہدیہ شریف آخر لے آنے ہے مگر آپ کے تشریف لانے کی خوشی میں آپ کے [illegible] ہیں۔"

یہ بھی جنتری نما قسم کی کوئی چیز تھی۔ [illegible] کے روزے کی تصویر، چاند ستاروں، برجوں کے نقشے، اندر [illegible] ایک نعت کے بعد ان کی مجرب ادویات "صدری نسخے" تو تھے ہی۔ علم رمل جفر کی روشنی میں [illegible] اپنے عملیات اور وظیفوں کی تفصیل اور عمل طریقے، چاہلوں کی نسبری سری لیکھیں، گھر کے چوہے [illegible] بلیوں سے نجات کے طریقے۔ مرغیوں کی رانی کھیت اور دافر انڈے حاصل کرنے کا طریقہ، اپنی [illegible] مسجد کے امام کا احترام و اکرام اور اس کی خدمت کرنے کا اجر عظیم... کتابچہ کیا تھا کسی [illegible] انسائیکلوپیڈیا کا مارکیٹ والا ایڈیشن تھا۔ کتابچوں کو بڑے احترام سے وصول کرنے کے بعد میں نے عرض [illegible] میں ایک ضروری مسئلے پر آپ کے قیمتی مشورے کا خواہاں ہوں اس وقت تو آپ مصروف ہیں اور [illegible] خاص طور پر ان نوجوانوں کا قیمتی وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ پیر صاحب نے مجھے بڑی گہری [illegible] نظروں سے تولتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی خاص یا کوئی بہت ہی ضروری بات ہو تو ابھی باہر چل کر سن لیتے ہیں دوسری صورت میں

UrduPhoto.com

آپ ظہر کی اذان سے پہلے یہاں آ جائیں تفصیل سے بات ہو جائے گی۔"

میں فوراً سے پہلے پہنچنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔ ہم باہر نکلے تو سرفراز نے پوچھا۔

"یار خان! تم ان سے کیا مشورہ چاہتے ہو؟"

میں نے اپنے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا۔

"تم گاؤں والوں نے مفت دودھ اور لسیاں پلا پلا کر اسے بندے سے بھوت بنا دیا ہوا ہے۔ آخر اس سے بھی تو کوئی کام لینا چاہیے....."

"مثلاً ....؟" سرفراز نے پوچھا۔

"تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ ہیر اصلاً کیا چیز ہے میرا مطلب ہے یہ واقعی کوئی جن وغیرہ ہے یا ویسے ہی۔ ہاں یاد رکھو اسے سچ مچ بھوت کہنا۔ کیونکہ یہ اور بھی برا ہو سکتا ہے لیکن سچ نہیں ہو سکتا۔ یہ دیکھ کر اس پہ قربان ہونے کو جی چاہتا ہے مگر اسے دیکھ کر بڑی حد تک قربان کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

سرفراز سر جھٹک کر بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے پوچھا ہے تم اس سے کیا مشورہ چاہتے ہو؟"

"حق میں جو بھی پوچھوں گا تمہارے سامنے ہی پوچھوں گا۔ اسے اتنا بتا دینا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ یہ اپنی اصلی شکل میں بکری اور اپنے سائز والے کرنیں آیا کل کا کیا ہوا ہے۔ میں نے موضوع تبدیل کرنے کی غرض سے اسے نئی بحث پہ چھیڑ دیا۔

"کوئی وجہ تو ہوگی ہوگی۔ ویسے گھبرانے کی کوئی بات نہیں انشاء اللہ شام سے پہلے وہ واپس آ جائے گا۔ محض سائز والی لانا ہوتا تو وہ کب کا پہنچ گیا ہوتا۔ بکری بھی تو ساتھ ہوگی۔ بکری کو کہیں نئی جگہ پہ لے جانا ایک مصیبت سے کم نہیں ہوتا۔ ایک قدم آگے گھسیٹو تو وہ چار قدم پیچھے کھسک کر پیشاب کر دیتی ہے۔"

"بس بس یہ حوالہ اگر وہ بھی ہو گئے ہو تو بکری کے دماغ میں۔ اچھا یہ تو بتاؤ کوئی اندازہ ہے میرا کہ سیدھا ہمارے گھر آنے کا یا پہلے پہلے گا؟" دراصل میں اسے اس کے سائز والے اور بکری والے کا اس اور گھر والوں کی نظر سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں انہیں ایک خاص وقت پہ ہی سامنے آنا چاہیے۔

سرفراز کاندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ "کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ کدھر لینڈ کرتا ہے؟ یہ تمہارے کہہ دینے کہ وہاں پہنچ کر اسے فلاں جگہ پہ ملنا۔ اب تو یہ اس کی اپنی صوابدید اور صوابدید

[illegible] کی واپسی کا راستہ وہی ہے جو شہر سے گاؤں کی طرف آتا ہے یا کوئی اور بھی ہے ؟"
"سیدھا اور مختصر راستہ تو یہی ہے۔ انسان کا دماغ خراب ہو یا کوئی اور نامعقول سی وجہ ہو تو اور [illegible] ہیں....." سرفراز نے روکھا سا جواب دیا۔
[illegible] تم یوں کرو کہ کسی ذمہ دار سے ساتھی کی ڈیوٹی لگا دو۔ وہ گاؤں سے باہر راستے پر نظر [illegible] اینڈ کمپنی نظر آئیں تو ان کو لے کر سیدھا حویلی والے ڈیرے پر پہنچ جائے اور ہمیں خبر [illegible]

[illegible] کے باہر بڑے ہوٹل کے پاس برگد کے نیچے کوئی دیہاتی قسم کا مداری دس بیس بچے بوڑھے [illegible] تماشا دکھا رہا تھا۔ ہم بھی [illegible] وہیں پہنچ گئے۔ وہیں پہ گاؤں کے چوکیدار سے ملاقات [illegible] چوکیدار کا داماد تھا۔ دونوں بڑے تپاک سے ملے۔ [illegible] نے دونوں کو رات [illegible] دیا۔ آج رات ہمیں سلیمان کے [illegible] اور والد صاحب سے کھانے پر ملاقات کرنی تھی [illegible] ڈاک خانہ مویشی کے [illegible] اور آ جانے کی [illegible] اور بھی تھی جبکہ [illegible] اپنی [illegible] کی چٹھیاں وصول [illegible] بیٹھک میں [illegible] پر گئے۔ گزشتہ رات بے آرامی سے کٹی تھی لہٰذا سوچا دو [illegible] کر لیں کیونکہ ظہر سے پہلے پیر صاحب سے بھی تو ملنا تھا۔ [illegible] اور بدمعاش [illegible] اور اگر کسی [illegible] سے [illegible] کوئی [illegible] کہ ان کا سویا پڑا [illegible] بدرجہا بہتر اور افضل ہوتا ہے۔ اس میں بہت سوں کے لئے امن چین سکون اور [illegible] ہے۔ ہم تاکید بھی کر کے لیٹے تھے کہ ظہر سے پہلے ہمیں زبردستی بیدار کر دیا جائے مگر پیچیدہ قسم [illegible] ہوتی ہیں وہ ایسی تاکیدیں وغیرہ اہمیت نہیں سمجھتیں۔ ان کی اپنی ایک علیحدہ ہی [illegible] ہوتی ہے اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ پیر صاحب نے اپنے دو مدد شاگرد پیغام دے کر بھیجے کہ اگر [illegible] ملنا ہے تو فوراً آ جائیے ظہر کے بعد مجھے ایک مریض کو دیکھنے کسی دوسرے گاؤں جانا ہے۔
[illegible] پانی کے چھپاکے مار کر [illegible] کی طرح مسجد کی طرف بھاگے۔ ناک کا پردہ اٹھا کر اندر [illegible] تو پیر صاحب [illegible] سب ساتھیوں کے [illegible] سے [illegible] اور [illegible] ہوئے ہیں۔ [illegible] خوشبو اور پیر صاحب کی [illegible] قسم کی [illegible] زیب [illegible] سے ہمارا استقبال [illegible] کی [illegible] سے [illegible] ہوئی تھیں [illegible] زیب [illegible]۔ پیر صاحب [illegible]

UrduPhoto.com

کا ایک نمونہ بنے ہوئے تھے۔ مجھے انہوں نے بطور خاص کمال شفقت و محبت اپنے دائیں پہلو میں جگہ مرحمت فرمائی جہاں ایک نرم سی تو شک بچھی ہوئی تھی۔ سرفراز ظفری اور سلیمان سامنے بیٹھ گئے تھے۔ سب کا مجموعی طور پہ حال چال پوچھنے کے بعد انہوں نے بڑے تحکمانہ انداز میں اپنے ایک بھتیجے سے کچھ کا اشارہ فرمایا وہ جھٹ شکر کا شربت بنا لایا۔ دو چار منٹ پھر قسم کے ذکار لینے کے بعد "شکر الحمد للہ" کر فرمایا۔ کہئے مجھ سے کس قسم کا مشورہ آپ چاہتے ہیں؟ میں نے مناسب سے تامل کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں آیا تو یہاں چوہدری سرفراز اور چوہدری سلیمان کے پاس چھٹیاں گزارنے تھا سوچا تھا دو تین ہفتے یہاں خوب گزریں گے مگر یہاں آتے ہی صورت حال کچھ ایسی سامنے آئی کہ اب یہ سامنے صرف دو راستے ہیں یا تو میں فوراً یہاں سے جوانہ ہو جاؤں یا پھر [illegible] کے لئے یہیں پہ رہ جاؤں۔"

پیر صاحب نے اپنی موٹی موٹی ابلی ہوئی عجیب سی بے قرار آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے میں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے احتراز کر رہا تھا انہوں نے میری بات [illegible] میں ہی قطع [illegible] فرمایا۔

"خود [illegible] ہو بھی کہنا ہے بلا تمہید کو جا کر میں بھی کچھ جان سکوں کہ تم دراصل مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

سرفراز ظفری درمیان میں کرتے ہوئے بولا "مولوی صاحب! اسے دو راتوں سے ایک عجیب و غریب قسم کا خواب پریشان کر رہا ہے۔ یہ خواب چونکہ روحانی کیفیات کا حامل ہے اس لئے تعبیر کے سلسلے میں ہمیں آپ کی رہبری کی اشد ضرورت ہے۔"

سرفراز نے یہ پھلجھڑی خدا جانے کس مصلحت کے تحت چھوڑی تھی ورنہ میرا ارادہ سیدھے سیدھے خواجہ خضر والے قرآن کے سلسلے میں ان کا تعاون اور مشورہ حاصل کرنے کا تھا۔ ایک دم جیسے میرے دماغ کا بلب روشن ہو گیا ہو مجھے ایک نیا آئیڈیا اور ایک اچھوتا طریقہ سوجھا ساتھ ہی ابھی کی گفتگو آئندہ کے لائحہ عمل کی تمام تر جزئیات اور تانے بانے بھی سامنے آ گئے۔

پیر صاحب قدرے خوش ہوئے کہ ہم اس روحانی کیفیات والے خواب کی خاطر خواہ تعبیر کے سلسلے میں ان سے رجوع ہوئے ہیں۔

"سبحان اللہ" کہتے ہوئے گویا ہوئے "برخوردار! بسم اللہ پڑھ کر خواب بیان کرو۔"

UrduPhoto.com

[illegible] کہتے ہوئے وہ بمشکل اٹھے اور پیچھے والی چوبی الماری سے ایک بوسیدہ سا ہار جس میں [illegible] پروئے ہوئے تھے نکالا اور میرے گلے میں ڈال دیا۔۔۔ فرمایا۔

یہ صفت اور لیتھ کے مخصوص خوابوں کی تعبیر کے دکھنے والا بارکت ہار ہے۔ میں صرف ان [illegible] خواب دیدوں کے گلے میں ڈالتا ہوں جن کے خواب معدے کی خرابی اور بیت کے فتور سے [illegible] کیفیات کے حامل ہوتے ہیں۔ اس ہار میں ایک اور کرامت بھی ہے وہ یہ کہ خواب دیکھنے [illegible] سارا خواب یاد آ جاتا ہے۔ اس ہار کو صرف گلے میں ڈالنے کا ہدیہ ہی پانچ روپے [illegible] ہوتا ہے۔ ہاں بسم اللہ۔۔۔

[illegible] تعبیر کر دیتی کوشش ہو گئے۔ میں نے عجیب سی بے بسی اور جھنجلاتے ہوئے انداز میں [illegible] جواب دیکھا۔ اس کم بخت نے مجھے [illegible] شروع ہو جاؤ۔ پیر صاحب [illegible] کے یا مراقبے کی حالت میں کرسی کے پہلو کی طرح دائیں بائیں جھومتے [illegible] رہے تھے [illegible] میں کہہ رہا تھا۔

UrduPhoto.com

• [illegible] خواب کا باب

ایک بڑا سا [illegible] پرندہ ہے۔ اس کی لمبی لمبی ٹانگیں جس کی طرح گردن کے گرد میں [illegible] کئے ہوئے ہوں۔ اس پر بیٹھنے کی کاٹھی [illegible] کی مانند اور سر میں جسم [illegible] فرغ کے لمبے لمبے پروں کے نقش و نگار کسی کی طرح غنودہ اور اور دیدہ ہے۔ وہ مجھے [illegible] سبک خرامی سے خلاؤں میں محو پرواز ہے۔ اور ہلکے اور نرم نرم بادلوں کے گالے [illegible] کو گدگداتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ اوپر تا حد نظر نیلا نیلا آسمان جیسے کسی نیلم پری نے نیل کلغی [illegible] پر چھا نیلم نیل پاش سب کچھ لٹا کر سمیٹ دیکھا اس کو میرے کر دیا ہو۔ پاؤں تلے بہت [illegible] کا بہت بڑا قالین بچھا ہوا ہے۔ جو حد نظر سے [illegible] تھیں جھرنے آبشاریں [illegible] [illegible] میں ہر اک سے لطف و نیاز لیتا ہوا [illegible] ہوں۔ اچانک میرے مرکب [illegible] [illegible] میں نے مضبوطی سے صراحی دار گردن پکڑ لی۔ منظر تیزی سے بدلنے لگے۔ ہم نیچے بہت نیچے [illegible] صبح کا وقت فضا میں کالے بھنبھوں کے گلوں میں بندھی گھنٹیوں کا ترنم اور ہوا میں کستوری اور [illegible] خاص عطر کی باس رچی ہوئی تھی۔ [illegible] نے بڑی نرمی سے مجھے [illegible] کر نیچے اتارا [illegible]

ہٹ کر اپنے پنجوں سے زمین کریدنا شروع کر دی۔ تھوڑی سی مشقت کے بعد ایک پرانی سی دبی ہوئی کھوپڑی برآمد ہوئی۔ اپنے سب پروں کی ہوا سے اسے صاف کیا۔ پھر ایک اچھی ہوا میری تو کھلی بند ہو گئی۔ اس کی کلام کرنے لگا۔ میں ہٹ ہٹ اس کی جانب دیکھ رہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ ایک مقدس جگہ ہے یہاں جنوں کے سردار سلیمان کے آزاد تخت کا بیٹھک گیز مدفن ہے۔ میں نے اس کی نشاندہی کر دی ہے اب تو اس مقدس ٹیلے کا متولی ہے۔ پھر اس مقدس سیمرغ نے مجھے ایک اور شکل جو آپ کی شکل سے ملتی جلتی تھی اختیار کر لیا کہ باقی رہائی تو ان سے حاصل کر۔ یہ کہہ کر سیمرغ نے مزید کچھ کہے بغیر اڑان بھری تو میں جا وہ جا۔ میں بھی اس کو اور بھی اپنے بچے کو دیکھتا رہ گیا۔"

یہاں تک خواب سنا کر میں نے جو آنکھ کھولی تو پیر صاحب جیسے ستو اور بھنگ پیئے ہوئے لگ رہے تھے۔ باقی میرے ساتھی تو تھے وہ تینوں بھی بے حد مطمئن طرح خاموش بیٹھے تھے۔ پیر صاحب مجھے مسلسل گھورے جا رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے تو مجھے احساس ہوا کہ وہ ابھی چیخ کر اچھل کر میری گردن دبوچ لیں گے اور اگر وہ اپنے وزن اور بے حجم وجودی بنا پر ایسا نہ کرنے کا سوچ رہے ہوں تو مجھے پھر وہ اپنے کسی نہ کسی موکل سے ضرور [illegible] ہونٹوں پر [illegible]

UrduPhoto.com

"تو [illegible] میں پڑھا مقدس ہوا تار دو"

میں نے ایک نظر چھوہاروں والے ہار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو میرا خواب [illegible]"

"یہ خواب میرے خیال میں کسی جادوئی فلم کی سفاری ہے [illegible] اچھا یہ بتاؤ یہ تمہارے [illegible] کہاں واقع ہے؟"

میں نے فوراً گھڑا گھڑایا جواب دیا۔ "جی یہی اپنے گاؤں والا ٹیلا۔ اب میں آگے کا خواب سناتا ہوں۔"

"میں حیران و پریشان ٹیلے پہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ میں کس چکر میں پھنس گیا ہوں۔ اچانک کسی پرندے کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی اور دیکھا کہ وہی سیمرغ ایک بکری جیسا جانور میرے قریب چھوڑ کر پھر اڑ گیا ہے۔"

پیر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے آگے بڑھ کر میرے گلے سے چھوہاروں والا ہار اتارتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ کا خواب محض بوجھل معدے کی کارستانی ہے اپنا ہاضمہ درست کریں اور

[illegible] دعا کریں اور ایسے بیہودہ خواب سنا سنا کر لوگوں کا ایمان اور دھیان خراب نہ کریں۔ علامتی
[illegible] لمحوں سے پرہیز کریں یہی آپ کے خواب کی تعبیر ہے....."

وہ اٹھ کر جانے لگے تو میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"جی وہ جو خواب میں اشارہ ہوا کہ میں آپ سے رہنمائی حاصل کروں....؟"

وہ غذا اٹھانے کے لئے ہوتے لیکن ہم لوگوں کی دسترس سے باہر نکل چکے تھے۔ واپس ہوتے
[illegible] میں سب ہی خاموش خاموش تھے جیسے کوئی بار بار پٹ رہے ہیں یا کوئی ایسا فرد فوت ہو گیا
[illegible] ان کا کچھ لیکن لگتا تھا میں بھی دانستہ چپ رہا کیونکہ اس سے انہیں چھیڑنے کا مقصد
[illegible] مجھے مارنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر وہ پھر سورج سر پہ چڑھا قوالی کر رہا تھا۔
[illegible] دم لینے کی خاطر ایک جوہڑ کے کنارے پہ پہنچے تو یہاں بھی سب نے منہ میں گھگھیاں
[illegible] تھیں۔ جیسے سب نے ایک کیا ہوا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو لے آج بات نہیں کرنی۔

"اچھا بھئی! خدا حافظ! ہمارے تو چلے..... کہا سنا معاف کر دینا۔"

[illegible] خاموشی سے [illegible] اور گاؤں سے [illegible] دیر تک چلتے
[illegible] میں [illegible] طبیعت پاؤں
[illegible] بے وفا اور چشم طوطا دوست کہ جو [illegible] کسی نے تقاضا بار بار [illegible] پوچھا کہ
[illegible] اور کہاں جا رہے ہو؟ [illegible] آج [illegible] قدرے [illegible] ہوئی۔ کچھ دور آگے
[illegible] میں نے بڑی ہوشیاری سے پیچھے دیکھا تو تینوں کو [illegible] اپنوں کی طرح پیچھے پیچھے چلے
[illegible] میں ٹھٹک کر رک گیا وہ بھی وہیں پہ تھم گئے۔ دو چار قدم میں نے اور آگے بڑھائے [illegible]
[illegible] کیا۔ بڑی طبیعت جھنجھلائی کہ یہ کیا حرکت کر رہے ہیں؟ ..... آخر کار میں نے انہیں ایک
[illegible] گالی دے کر پاس بلایا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ تم سب نے اگر منہ بند کر لیا ہے تو پھر میرے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں
[illegible] تم لوگ اپنے گھر جاؤ اور مجھے بھی جانے دو۔"

"ہم تینوں بھی تمہارے ساتھ ہی جائیں گے۔" سرفراز نے بے رخی سے جواب دیا۔

"کیوں..... تم لوگوں نے مجھ سے نکاح پڑھوایا ہوا ہے.....؟"

"نکاح پڑھوانے والی ہی بات سمجھو..... تم نے گاؤں پہنچتے ہی ہو ہلڑ مچایا ہے اور جس طرح
[illegible] بندے کے سامنے ہماری نکاحی کرائی ہے خدا لگتی کہو کہ کیا اب ہم اس گاؤں میں کسی کو منہ

UrduPhoto.com

دکھانے کے قابل ہیں؟ ایک آخری مفلوج بندہ مولوی صاحب رہ گئے تھے انہیں بھی ہمیں کالے لئے ڈنڈا اٹھانا پڑا اور.....''

''اس اور کچھ آگے مت کہو۔ میں ہی بڑا اور فساد ہوں اسی لئے تو میں جا رہا ہوں''

میں نے یہ کہہ کر پھر چلنا شروع کر دیا۔

''وہیں رک جاؤ'' ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو فوجی ان ایکشن آ جائے گا۔ سیدھی طرح واپس گاؤں چلو۔ دادا کی دعوت تو ہمارے حوالے سے قبول کر لی تھی۔ اب وہاں مرغے نہیں اور دیا تازہ مچھلی ہو تیار ہو رہی ہے وہ کون کھائے گا۔ اگر تم دعوت پر نہ پہنچے تو دادا ہمیں بھون کر کھا جائیں گے۔''

ان کی یہ دھمکی واقعی کارگر ثابت ہوئی۔

- بہروپیا بہروپ نگر کا کروپیا ...!

UrduPhoto.com

وہ چلتے چلتے رہے تھے۔ دور سے ایک سائیکل دھول اڑاتی آتی دکھائی پڑی۔ سلیمان نے سوکھے لگا کر دکھایا کہ آنے والا ہمارے لئے کوئی پیغام لے کر آ رہا ہے۔ واقعی وہ خورشید تھا۔ میرا اس کے ساتھ کوئی آمد کی خبر دینے پر معمور کیا گیا تھا۔ ہمارے پہنچتے ہی اس کی آنکھیں خوشی کی مارے روشن ہو گئیں۔ ایک تیز دوڑتی ہوئی ٹرین وسفید داڑھی پٹے دار کاٹھیں اوپر ہوا۔ پکڑ موٹی موٹی انگلیوں میں کی ایک انگوٹھیاں اور بڑی سی تسبیح ہاتھ میں لے رہے تھے۔ پاس ہی ایک بکری بندھی جگالی کر رہی تھی۔ بکری ویسی ہی سیاہ سفید دھبوں والی تھی۔ ان کے پاس ایک ملک بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارا اپنا میرا اور اس کے دو بیٹے چارپائی پر بیٹھے بزرگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ سلام میں پہل میں نے کی۔ بزرگ نے بڑی بڑی کاٹ دار آنکھیں کھول کر دیکھا پھر بڑی بے نیازی سے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اوہو! کر بیٹھ جاؤ۔ بچو! بڑوں کے آگے اس طرح ڈھٹائی سے کھڑے نہیں ہوتے.....''

میں دائیں جانب کھسک کر بیٹھ گیا۔

''یہ کیا چیز ہیں؟'' میں نے آہستہ سے سرفراز کے کان میں کہا۔ ''یہ بزرگ بھی مجھے کوئی صاحب کے چیلے دکھائی دیتے ہیں۔'' پھر میں نے سلیمان کے کان میں ہولے سے کہا۔ ''یار دادا تو تمہیں

[illegible] کہ آج صبح ہم نے کون سی شے الاٹ کی تھی کہ جس کی پاداش میں ہمیں آج ایسی ایسی ہوائی [illegible] رہی ہیں۔۔۔"

[illegible] کانا پھوسی کی ہلکی سی بھنک بزرگ کے کانوں میں پڑ گئی تھی۔ انہوں نے [illegible] اور حکم دیا کہ ان بدتمیزوں کو فوراً سے پہلے یہاں سے بھگا دیا جائے۔ میرا تو خون [illegible] سے پہلے کہ میں کسی کارروائی کے لئے اختیار میرا ہی نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے [illegible] کان میں پھسفسا [illegible] بزرگ کو تو جیسے کسی نے بجلی کی ننگی تار چھوا دی تھی۔ اک [illegible] میرا دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے [illegible] بڑا سا [illegible] جو اتارا تو جیسے وہ [illegible] ہو گیا۔ [illegible] شانوں تک لہراتی ہوئی زلفیں [illegible] چشم زدن میں اس نے اتار کر میرے قدموں [illegible] وہ اور [illegible]

[illegible] میں کی کہ میرا ہی ہو گیا۔ تباہ کی [illegible] ہی غائب تباہ [illegible] خان صاحب [illegible] "وہ ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سرکار آپ نے [illegible] کا پل دیکھا [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] زبان کی [illegible] سے ہاں کا جواب دیا۔ وہ پھر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگا۔ [illegible] بات [illegible] نہیں ہوتے [illegible] بھی گندے ہے [illegible] دل ہی گندی

[illegible] نے جلدی سے کہا۔ "ہاں ہاں دیکھا ہے جلدی بار دیکھا ہے۔"

"شاندار بھئی شاندار [illegible] خان صاحب نے راوی کا پل دیکھا ہے بلکہ کئی بار دیکھا [illegible] پل کے سینگ نکل آئے تھے پل کی مونچھیں اگ آئی تھیں۔ آپ نے بار بار کیوں [illegible] چلو اچھا کچھ لیا تو دیکھ لیا۔ مولا خوش رکھے۔ اب بتائیں کہ پل اندر کتنا ہوتا ہے اور [illegible] میں تو ہمیں کوئی امتحان نہیں لے رہا۔ اس لیے ہی پوچھ لیا ہے۔"

[illegible] نے بھی اس کی جگتوں کا لطف لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی کوئی دو گز اندر اور ایک [illegible]"

[illegible] والو! [illegible] کہ آپ اندر کتنے اور کتنے باہر ہیں۔"

[illegible] بات پر سب ہی لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ [illegible] مذاق کی [illegible] تو میں نے سب سے پہلے

[illegible] کے ساتھ کو بزرگ کے بہروپ کی دل تحول کر دادا دی اور کہا کہ میں خود بھی دھوکا کھا گیا [illegible] کہ کوئی بہت بڑا پیر ہوا ہے۔ پھر میں نے اس کی مصنوعی داڑھی نوچی اور لمبی زلفیں [illegible] تھیں جو سر کے بکھر کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ پکڑ کر پھاڑ دیا تو ایک [illegible] میں چھپا ہوا [illegible] اپ تھی اس کا خود ساختہ [illegible] تھا۔ بڑا ہی ذہین تھا اور بڑا فنکار بلکہ اداکار تھا۔ میں نے [illegible] کھلے کا کر اپنے پروگرام کی [illegible] بات چھوٹی سے چھوٹی جزئیات کے ساتھ اس کے دماغ میں [illegible] تھی۔ پھر اسے ساتھ لیا [illegible] پہنچ کر سیمان کا [illegible] محبوب اور کستوری نے [illegible] اس کی [illegible] ماپوں کا [illegible] کی قوتیں محبوب کے والدین کا [illegible] اور فرحت سب کچھ اس کو سمجھا دیا [illegible] سب کچھ کے دیوانے ہو گئے۔ یہ وہی بکری تھی جس کا ایک بچہ ان فرازیوں کے ذریعے پر مقدس [illegible] ہوا تھا جس پر قلم پاک کا آیا [illegible] رسول اللہ [illegible] تھے [illegible] ہوا تھا۔ اب ہم نے [illegible] پیادہ جنوں کو [illegible] اور تیز اب کی مدد سے بڑھا کر [illegible] اللہ [illegible] تھا اس ہنرمندی سے کہ [illegible] محسوس ہو کہ یہ قدرتی طور پر ہی ایسا لکھا ہوا ہے۔ گھنٹے میں یہ کام بھی مکمل ہو گیا۔ اب ہم نے [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کر دیا اس [illegible] پارٹی کو [illegible] پھر [illegible] پر [illegible] کے [illegible] ہال [illegible] پہنچ [illegible] کے فرائض [illegible] بعد ہم نے [illegible] پر واپس آنا تھا اور دن بھر کی کارروائی کو [illegible] اور [illegible] کرنے سے پہلے [illegible] پر [illegible] رہنا [illegible] تھی۔ ہر کارکن کو اس کی ڈیوٹی اور [illegible] اس کا [illegible] سمجھا [illegible] کے بعد سلیمان کے گھر [illegible] تیاری میں لگ گئے۔

● دادا! [illegible] کیر مادو [illegible]!

محبوب مرحوم اور سلیمان کے دادا اور دادا ویسے ہی تھے جیسے عام [illegible] باتوں میں باپ [illegible] ہوتے ہیں۔ ایک جیسے [illegible] ایک جیسے [illegible] لکڑیاں [illegible] داڑھیاں باتیں [illegible] بڑھا [illegible] سندھ سے دوسرا بلوچستان سے تیسرا پنجاب اور چوتھا [illegible] لے لیں۔ سب اپنے [illegible] دلچسپیوں تکلم زبان بیان اور فکری اعتبار کی معمولی سی کمی بیشی کی رعایت کے ساتھ ایک جیسے [illegible] کشادہ صحن میں خوب چہل پہل کا [illegible] ہوا تھا۔ چارپائی چارپائیوں پر صاف اجلے [illegible] اور تکیے [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] کی آرام دہ کرسیاں اور ایک بڑی سی چارپائی بھی تھی۔ مہمان کے دادا ایک چلغوزے پر نظر [illegible] سے جھاڑتے ہوئے گفتگو فرما رہے تھے۔ ایک نوجوان سا لڑکا [illegible] پر انگوٹھا چلغوزے پر [illegible] کے خارش زدہ پاؤں داب رہا تھا۔ ادھر جب ہم گھر سے چلے تھے تو ہمیں چوہدری [illegible] کے پیچھے پیچھے بجو فاصلے پر آ رہے تھے۔ دیہاتیوں کی طرح پیچھا کرتے ہوئے اپنے کاموں کے بہانوں [illegible] پر ٹالتے ہیں۔ ہم حویلی کے بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوئے تو باہر کے [illegible] سے ہم بلا بلا کر بجو پہلوانی کا اظہار کر رہے تھے۔ اب ہم [illegible] کی حاضری میں تھے [illegible] اندر دروازے سے داخل ہوئے اور دادا جان کے پاس پہنچ کر چارپائی پر بیٹھ کر خود [illegible] کے پاس بیٹھ کر نظروں سے [illegible] ہمارے [illegible] کے باپ [illegible] ایک [illegible] آس پاس بیٹھے ہوئے [illegible] ہیں یا [illegible] کے [illegible] پر ان کی [illegible] ہوں [illegible] پر [illegible] سے [illegible] ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا [illegible] ان کی [illegible] ہیں یا [illegible] ہوا [illegible] ہوتوں کی [illegible] ہاتھوں سے [illegible] ہوا [illegible] سوچتی رہے [illegible] ہوتا [illegible] ہے [illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible] ہیں

ہے؟" میں نے کی اس فلسفیانہ فراست پہ غور ہی کر رہا تھا کہ اندر برآمدے میں سے سلیمان کے والد محترم برآمد ہوئے۔ بڑے وجیہہ لمبے تڑنگے اور بارعب۔ وہ بڑی لمبی خراٹی سے ہمارے پاس آئے تو میں نے بڑے ادب سے انہیں سلام کیا۔ جواب کے بعد انہوں نے ایک نظر والد صاحب پہ ڈالی مسکراتے ہوئے ہمیں چارپائی پہ بٹھایا۔ حال چال پڑھائی اور مصروفیات کے متعلق پوچھتے رہے۔ دادا میاں نے بھی کروٹ لی شاید ایک جانب پڑے پڑے کوئی نس پھنسا گیا تھا "ہائے ہائے" کرتے وہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور قہر آلود نظروں سے ہمیں دیکھا۔ سلیمان کے والد نے بتایا یہی مہمان ہیں جو آج رات ہمارے ہاں ٹھہریں گے۔ دادا پھر ہم تینوں کو گھورنے لگے۔

"مہمان... کہاں ہیں؟ کدھر ہیں؟ یہ تینوں بلوگڑے... یہ اپنا سلیمان یہ سرفراز اور یہ بچہ.....؟"

سلیمان نے آگے پاس جا کر ذرا بلند آواز میں بتایا۔

"دادا! یہی میرا دوست خان ہے جو سیالکوٹ سے آیا ہوا ہے۔ اپنا سرفراز ان ہی کے سیالکوٹ رہتا تھا۔"

انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے قریب بلایا پھر ہاتھوں کو تولتے ہوئے فرمانے لگے۔

"خان ہو کر اتنے کمزور؟ ارے تم میں تو ماہ ست ہی نہیں۔"

"دادا! ان کی ساری طاقت جسم کی بجائے دماغ میں ہے۔ دادا ہو جانے یار رہو بیا جانے"

یہ باتیں سن کر دادا کی آنکھیں جیسے کھل سی گئی ہوں وہ ہاتھ کے انگوٹھے سے حقے کی چلم کو دباتے ہوئے کاسے سے بولے۔ "اٹھ اوئے گلیا چلم تے پھاکے لے آ..." پھر مجھے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولے۔ "شاہ جی شاہ... خان پتر! مجھے سیانے سے فلسفے بچے بڑے پسند ہیں۔" پھر وہ سلیمان کو اپنے دوسری جانب بٹھاتے ہوئے کہنے لگے۔ "یار! تم نے ابھی کہا ہے کہ خان کے جسم کی طاقت کم ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ جو کام جسمانی طاقت سے ہو خان وہ کام دماغی قوت سے سرانجام دے سکتا ہے...؟"

"ہاں دادا! قریب قریب ایسا ہی ہے۔ تماندرہ تیز ہے جیسے کا نام لگاتے ہی ذکیا ہو جاتے"

گرم گرم چلم حقے کے سینے پہ آ پڑی تھی۔ دادا نے دو چار بھرپور کش لگائے۔ اب دادا کے پچاس برس پیچھے کی جانب جوان ہو گیا ہو۔ آنکھیں شعلے کی آنکھوں کی مانند دہکنے لگیں تھیں۔ چہرے

UrduPhoto.com

[illegible] خون نے یلغاری کر دی ہو اک بڑی سی "ہوں" کرتے ہوئے مجھے تیوری نظروں سے دیکھنے لگے۔

● بچہ شیر کے کچھار میں.....!

"بچے خان! پہلے اور اب بھی تیری بڑی بلبلے بلبلے کی ہے۔ میرے تجھ سے تین سوال ہیں۔ [illegible] جواب گلا تر کرنے کے بعد دینا۔ شرط اس کو۔ پہلے سوال کے صحیح جواب پہ انعام [illegible] دوسرے دو سوالوں کے جواب اگر درست ٹھہرے تو ہر جواب پہ انعام تمہاری مرضی کا۔ بولو [illegible]....؟"

میں حیرت زدہ سا اس بزرگ کو دیکھ رہا تھا جنہوں نے مجھے چاری کی رفت ڈالی تھی کہ میں چاروں [illegible] پڑا تھا۔ کہاں یہ زمانہ دیدہ شنیدہ چشیدہ بزرگ اور کہاں میں [illegible] ہاتھ جوڑ کر عرض [illegible]۔

"دادا! میں بچہ کیا ہوں اور آپ دادا! پہلے تو مجھے کسی امتحان میں نہ ڈالیے۔ یہ میرے [illegible] ہے۔"

"نا خورد! اب ایسے جان نہ چھوٹے گی۔" انہوں نے ایک شیری دھاڑ کے ساتھ کھانا [illegible] کا حکم دیا اور پھر میری جانب متوجہ ہوئے۔ "سوال نمبر ایک۔

ایک اور ایک کتنے ہوتے ہیں؟" پھر خود ہی کہنے لگے۔ "دیکھنا کتنا آسان سا سوال ہے۔ [illegible] آج سے پچاس برس پہلے مجھ سے میرے مرشد نے پوچھا تھا اور فرمایا تھا کہ کرم الٰہی! اگر تم [illegible] کا جواب درست دے دیا تو پھر تم میرے بچے مرید اور اگر غلط دیا تو پھر رن مرید۔ سوال نمبر [illegible] کیا ہے؟ سوال نمبر تین۔ ایک گاؤں کے باہر ایک بورڈ آویزاں ہے اس پہ لکھا ہے کہ [illegible] پورا ہے۔" اس تحریر میں کیا خوبی ہے جس نے اس کو باکمال اور لاجواب بنا دیا ہے۔"

دادا نے ایک بھرپور کش کھینچ کر اپنی متجسس سی بے قرار آنکھیں مجھ پہ گاڑ دیں۔ شاید وہ اپنے [illegible] کا کوئی ردعمل میرے چہرے پہ دیکھنا چاہ رہے تھے اور ادھر میں تو بنا ہوا ہی چھٹی ملتانی مٹی کا تھا [illegible] کیا کچھ بھی نہیں نکلا۔ پھسل کر ادھر ادھر ڈھک جاتا ہے۔ کھانا آ گیا تھا۔ ہم دن بھر کے [illegible] ایسے بھرے پیٹ سے کھانے پہ ٹوٹے کہ توبہ بھلی۔ میرے خیال میں دادا کے دانت [illegible] تھے۔ مرغ کی ران بیچارے کی کیا بساط؟ مچھلی کانٹے سمیت سب کچھ جوف میں پہنچتا وہ

UrduPhoto.com

سیدھا پیٹ میں اُتر جاتا ہڈی تک نہ کھینچی جاتی۔ کسی سفاری ہوٹل کی طرح گوشت ہڈی کا ہے
اندر۔ سلیمان کے والد صاحب نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"میاں جی! آپ کس شغل میں پڑ گئے۔ چھوڑیے ان بچوں کو یہ ابھی نادان اور نیچے ہیں۔"

"یہ فضل کریما امیں اس بچے خان کو نہیں چھوڑ سکتا باقی رہے یہ دونوں سلیمان اور سرفراز
ان دونوں کو تو ہاری عدالت پہ چھوڑ دیا۔" دادا کھانے کے بعد پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ "ہاں
میرے جواب کیا ہوئے؟"

"دادا! کہتے ہیں کہ ہر سوال کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور ہوتا ہے ضروری نہیں کہ وہ درست
ہو مگر ہوتا ضرور ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے سوالوں کا بھی کوئی نہ کوئی جواب ضرور ہوگا۔ ایک بات
نے فرمائی کہ آپ کے فرشتے نے آپ سے "ایک اور ایک کتنے ہوتے ہیں" کا سوال پوچھا۔ یہ
پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آپ نے کیا جواب دیا تھا؟"

دادا ذرا سا اکڑ کر جیسے جواب دینے میں تامل کر رہے ہوں آخر بولے۔

"[illegible] ایک ہوتے ہیں۔"

"جیسے آپ نے پہلے والے کو جواب سمجھا دیا ہوگا۔" میں نے اسی محل پہ پوچھا۔

دادا بولے۔ "ہاں میں نے وہی جواب دیا جو اس سوال کا جواب ہے کہ ایک اور ایک
دو ہوتے ہیں۔ ایک ہی دو کا بھی ہے کہ ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔"

میں نے ان کی بات [illegible] کہ علم ریاضی میں ایک اور ایک
دو ہوتے ہیں۔ علم تجارت میں یہ گیارہ اور علم منطق میں یہ ایک سے دو پھر سے ایک اور بالآخر یہ ایک سے
زیادہ ہونے کے باوجود کچھ نہیں رہتا۔ یہ ذات کی نفی ہی منطق ہے اس ذریعہ کوشش جہات میں سے بھی
یہ نفی یعنی ذریعہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کو سمجھتے ہوئے جو ذات بالآخر ایک معدوم سا نقطہ رہ جاتا ہے۔ [illegible]
ہر قلم سیدھے قرطاس پہ قدرتی طور پہ پہلے نقطہ ہی بناتا ہے اسی نقطے سے پھر علم الاسماء کے سارے
ابھرتے ہیں۔ "یہ روپ پورے" اس عنوان تحریر میں بھی اسی نقطے کا ذکر ہے۔ اسے نفی کے نقطے
طرح سمجھ لیجیے یا "انا پرستی" یہ روپ پورے نفی پا جائے گا۔"

"دادا نے ایک بھرپور ٹھوکر سے نقطے کو پرے پھینکا دیا ہوں کی مانند اٹھے۔ نقطے پا
دادا نے کو اچھالتے ہوئے ایک کمرے میں گھس گئے۔ سلیمان کے والد بھی اٹھے اور دادا کے بعد کمرے
باہر خاموشی سے نکلتے ہو گئے۔ سلیمان اور سرفراز احمد بھی وہیں کھڑے رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں کہ

[illegible] کے اندر مرغابیوں کا شکار کرنے والی بندوق لے خودکشی کر لی تو تمہیں بھی اس بندوق [illegible]

[illegible] آپ کے دادا کو ٹخنے توڑنے کا دورہ پڑتا ہے۔ حد ہو گئی اتنا غصہ؟ میرا خیال ہے کہ [illegible] دینے کا بہانہ یا کوئی ہوا ز تلاش کرنے کمرے کے اندر گئے ہیں۔"

[illegible] دوران عشاء کی اذان بلند ہوئی ہوا ز ہاتھ آ گیا تھا۔ نماز کے بہانے ہم محفل سے مر بچا کر [illegible] گھر جانے کی بجائے بڑی مسجد کی جانب چل دیئے۔ سرفراز نے خدشہ ظاہر کیا کہ وہاں تا [illegible] ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ وہاں پہ اللہ بھی تو ہوگا۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی مجھے [illegible] دکھائی دیئے جو بڑے اہتمام سے وضو کر رہے تھے۔ وہ شاگرد مٹی کے لوٹے تھے پانی ڈال [illegible] محفل کے غرارے انتہائی [illegible] پانی کا [illegible] ہوئے بازوؤں بستوں پہ پانی کا [illegible] میں ہوتی رہا تھا کہ کسی معجزے نظیر کے لئے تو ایک آدمی کو پانی کی بہت بڑی نعمت [illegible] ہے وہ اس سے بات بات کر وضو کر لیتا ہے۔ یہ بھی میسر نہ ہو تو وہ اللہ کا بندہ اپنے ایک آدمی [illegible] کی انگلیوں کے وضو کا اہتمام کر لیتا ہے۔ پھر صاحب [illegible] انداز [illegible] مجھے ایک آنکھ نہ بھایا۔ اندر [illegible] ہی [illegible] بلا لیا۔ [illegible] جیسے ہوتا ہے کہ [illegible] جرأت سے سلام کر رہا ہے؟" انہوں نے مجھے کچا کھا جانے والی نظروں سے دیکھا [illegible] اول بھی چڑ گئی [illegible] نماز سے فارغ ہونے کے عام مساجد خاص طور پر [illegible] مساجد کی روایت روایت کے مطابق [illegible] کے بعد قطار بنا کر امام صاحب سے مصافحہ [illegible] بعض تو باقاعدہ معانقہ بھی فرماتے ہیں۔ یہاں بھی یہ سلسلہ چل نکلا۔ میں اپنے ساتھیوں [illegible] طور پہ سب سے آخر میں کھڑا ہو گیا۔ قطار آہستہ آہستہ آگے کی جانب کھسک رہی تھی اور [illegible] کے مطابق ادھر پیر صاحب کی ہوا بھی کھسک رہی ہوگی کیونکہ وہ بار بار قبر بارگاہوں سے [illegible] کر رہے تھے۔ آگے وہ زحمتی مت ملی میں ان کے زیر تھا۔ وہ مجھ سے شاید ہاتھ نہ [illegible] صورت حال ہی ایسی تھی کہ ہاتھ ملائے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ جیسے ہی قبر انہوں نے ہاتھ کی [illegible] آگے بڑھایا جیسے خدشہ ہو کہ پورا ہاتھ ملانے سے کہیں ہاتھ ہی سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔ [illegible] ہاتھ بڑھانے میں بڑی گرم جوشی کا اظہار کیا تھا ساتھ ہی میں نے مٹھی بھی ڈال دی اور یہ [illegible] ہوئے مجھے اپنے پیروں کے بچوں پہ اٹھنا پڑا۔ اسی دوران میں نے ان کے کان میں آہستہ

UrduPhoto.com

"آپ نے میرا خواب ابھی پورا نہیں سنا' مہربانی فرما کر باقی حصہ بھی سن ..."

وہ تو شاید غبارے کے مانند گردن تک بھرے ہوئے تھے۔ میری اس خواب والی سوئی کے نکلنے کی دیر تھی کہ مجھے وہ کچھ سننا پڑا جسے کم از کم لکھا نہیں جا سکتا' اگر کسی طرح لکھ بھی دیا جائے تو طبع نہیں ہو سکتا اور اگر چھپ چھپا کر چھپ بھی جائے تو پڑھا نہیں جا سکتا۔ خدا کا صد شکر کہ ہم بالکل آخری ہاتھ ملنے والے تھے' میں نے یہ آخری والا اہتمام اسی خدشے کے پیش نظر کیا تھا۔ مسجد سے باہر نکلتے نکلتے میں نے پیر صاحب کو دعوت دے ہی ڈالی کہ پرسوں جمعرات کے روز بمقام ٹیلا چوہدریاں پہ مائی کستوری کا فاتحہ منایا جا رہا ہے۔ اس مبارک موقع پر حضرت سلیمانؑ کے تخت کا ایک حصہ اور خدا کی قدرت کا زندہ ثبوت پاکیزہ بکری' جس پر "لا الہ الا اللہ" لکھا ہوا ہے' زیارت کروائی جائے گی۔ جادوئی کھیل تماشے' کتوں اور مرغوں کی لڑائیاں مقابلے' دنگل' اور مویشیوں کی منڈی کا خاطر خواہ انتظام ہوگا۔ تین روزہ میلے کا افتتاح پیر صاحب خطیب جامع مسجد اپنے دست مبارک سے فرمائیں گے۔ پھر ہم منہ اٹھائے ہوئے بھاگے تو گھر پہنچ کر ہی دم لیا مگر وہاں تو دم قبض کرنے والا ایک جن ہمارے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تھے سلیمان کے چچا زاد دادا جی کے والد محترم' ایک ڈنڈ ہاتھ میں اور ایک ہونٹ دار کا سا ساتھ "وعلیکم السلام" [illegible] ہوئے ان کے اس رویے کو کوئی معنی پہنانے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ پھر قدرے کھلے ہوئے لہجے میں بولے۔

"فوراً سے پیشتر دادا کے حضور پیش ہو جاؤ۔ اسی میں تمہاری خیر ہے بچو!"

ہم سر جھکائے اپنے اعمال اور ماضی قریب میں سرزد ہونے والی کسی کوتاہی و حرکت کو تلاش کرنے لگے جس کی پاداش میں ہمیں اس طرح دادا حضور کے باڑے کی جانب بزور ڈانگ ہانکا جا رہا ہے۔ ہے کہ رات کا وقت تھا' گلیاں آمد و رفت سے خالی تھیں ورنہ بڑی سبکی ہوتی۔ حویلی کے پاس پہنچے تو صدر دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ صحن کے پار برآمدے کے ستون سے بندھا ہوا بڑا سا گیس ہنڈ والا جل رہا تھا جس کی روشنی میں پورا صحن بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ دادا اکبر اعظم — پشت پہ ہاتھ باندھے بڑے جاہ و جلال اور اکبری تمکنت و تمکین کی تصویر بنے' اپنے ایوان خاص میں تکیہ خصوصی کے ساتھ ٹہل رہے تھے۔ آپ کے کاموں کی صورت میں درجن سنگھ اور بیرم خان بھی قدم قائم' قلب اطاعت آمادہ' نگاہ زیر و بم' نفس نفس بنے قربان ہونے کو تیار کھڑے ہیں۔ میں دہلیز پہ رک گیا' دادا سامنے دور والان کے پاس گیس ہنڈ والے کے سامنے کھڑے اور ان کے سائے کا بھوت میرے پاؤں سے لپٹا ہوا تھا۔ انہیں ہمارے آنے کی اطلاع مل چکی تھی' وہیں کھڑے کھڑے ہمیں گھورتے ہوئے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کا سایہ ہمارے

[illegible] کر دروازے سے باہر نکل گیا اب وہ میرے سر پہ کھڑے تھے۔ اس اندھیرے میں ان کی [illegible] دیکھنا تو میرے لئے ممکن نہ تھا۔ وہ میری کلائی پکڑ کر کھینچتے ہوئے اندر لے گئے۔ سرفراز [illegible] صدقے کے بکروں کی طرح میرے ساتھ تھے۔ مجھے ایک خوبصورت پلنگ پہ بٹھایا خود [illegible] پلنگ پہ بیٹھ گئے ... ذرا طلب کر کے مجھ سے مخاطب ہوئے۔

"تم میری اجازت کے بغیر یہاں سے کیوں گئے ...؟"

"آپ غصہ کی حالت میں ذرا توڑ کر" اپنے اندر" کہیں چلے گئے۔ میں سمجھا کہ آپ" باہر [illegible] بندوق لینے کمرے میں گئے ہیں اس لئے میں جان بچا کر بھاگ گیا۔"

انہوں نے بڑی سی "ہوں" کرتے ہوئے مجھے اس طرح گھورا جیسے کہہ رہے ہیں کہ اب تجھے [illegible] کمرے میں نہیں جانے کا تجھے اسکین کا دوبارہ ان کا۔

"یہ بات سچ کی تاؤ ... تم نے جو میرے تین سوالوں کے جواب دیئے ہیں ان کے جواب [illegible]"

"گستاخی معاف یہ بالکل وہی بات ہوئی کہ میں آپ سے پوچھوں کہ آپ نے یہ تین [illegible]"

UrduPhoto.com

آپ قدرے غضب میں بولے "تم ہر بات کا جواب اس طرح آگے بڑھ کر کیوں دیتے [illegible] ہو مگر قد و قامت اور مقام و اوقات سے بڑھ کر بات نہیں کرنی چاہئے۔"

"یہ سوال پیچھے ہے اور اس کا جواب آگے ہوتا ہے۔ دوسری بات رہی قد اور مقام کی تو [illegible] وقار تو بات دلیل اور حقیقت پسندی کا ہوتا ہے۔ جہاں یہ تین چیزیں ہوں گی وہیں وزن [illegible] بندے سے نہیں بات سے ہوتا ہے۔ لمبی لمبی داڑھیوں والے موٹے پاٹل کر رہے ہوتے [illegible] تخت کی کرسی پہ بیٹھا ہوتا ہے۔ بات ساری بات کی تاب کی ہوتی ہے اور تاب بات کی بھی [illegible] ہوتی ہے۔ جب دونوں چیزیں مل جائیں تو پھر وزن بن جاتی ہیں۔ بات کو اٹھا پڑھو تاب ہی [illegible]"

[illegible] پھر بڈھے شیر کی طرح دھاڑے اور سلیمان کے والد کو بلایا ... ذرا میں آپ کو بتا دوں کہ [illegible] شیر کی دھاڑ میں کیا فرق ہوتا ہے۔ جوان شیر ہمیشہ سینے کے زور پہ دھاڑتا ہے جیسے اچھے [illegible] گانے والے ہمیشہ بزور سینہ گاتے ہیں۔ گلے سے گانے والے لڑکی اور روی کہلاتے ہیں [illegible] محمد خان جیسے گاتے ہوئے اکثر ایسی ہی دھاڑ لگاتے تھے مگر بڑھاپے میں پہنچ کر انہوں نے

یہ چلن چھوڑ دیا تھا۔ بڑے ڈکار تھے' بڑے تیز کی دھار سے نکلیں تھے۔ بڑے تیز کی دھار دھار نکلتی ہوتی' ڈکار ہوتی ہے جو جینے کی بجائے نچلی آنتوں سے شروع ہو کر پورے جسم کو لرزتی ہوئی جینے سے بمشکل گزر کر حلقوم سے بآواز کر کر خارج ہوتی ہے۔ جنگل کے باسی یعنی کہ کمی کمین لگڑ بچے' جنگلی کتے' اور بلا' لومڑ باگڑ بلے تک یہ نام نہاد "دھاڑ" سن کر ہنس دیتے ہیں "پاگل ای اوئے" کہہ کر حال مست رہتے ہیں۔

دادا نے سلیمان کے والد کو اپنی بندوق لانے کا حکم دیا..... حکم حاکم مرگ مفاجات' ان کا حکم کیسے ٹالتے؟ ... وہ الٹے قدموں سے بندوق لانے چلے گئے' اور سلیمان اور میں دادا کے قدموں سے لپٹ گئے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"دادا! خودکشی کرنا بزدلی اور اللہ کام خداوندی کے خلاف ہے یہ حرام موت ہے۔"

"میں خود کو نہیں تمہیں گولی ماروں گا۔" دادا نے 'مخیوں' کے لفظ کو زور دیتے ہوئے کہا۔

"دادا جی! میرے کہنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ مجھے گولی ماریں گے۔ میں بظاہر مر جاؤں گا لیکن میں شہادت کی موت مروں گا۔ آپ [illegible] روز جیتے ہیں۔ محبوب [illegible] نے آپ کی روح پر اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے کیوں مارنا چاہتے ہیں؟ بقول آپ کے [illegible] جو آپ کے ذہن میں ہے کوئی [illegible] نہیں دے سکتا تھا۔ آپ کسی سے ہارنا نہیں چاہتے' آپ کو ہار سے نفرت ہے۔ ایک ایسا شخص [illegible] ایسا مدلل اور سچے پرانے تجربہ کار عمر رسیدہ بندے کو ایسے جواب دے جو اس نے کبھی زندگی میں نہ سنے ہوں اور وہ بھی سننے کی توقع ہو تو اس انسان کا اس بچے کو گولی مار دینا واقعی بنتا ہے۔"

اتنے میں سلیمان کے والد بندوق لے کر آ گئے۔ دادا نے بندوق پکڑی اور میری طرف [illegible] کے کاندھے پہ اکالی نشست باندھنے لگے تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دادا جانی! بندوق میں چار ہوا کارتوس پڑے ہوا ہے اندر سے آٹھ نمبر کا ایک کارتوس نکلوا لیں۔"

دادا نے کارتوس چیک کیا' وہ واقعی استعمال شدہ کارتوس کا خول تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر بندوق لے لی۔

"دادا! آپ تشریف رکھیں اور وعدے کے مطابق میرا انعام دیں۔"

UrduPhoto.com

نے مجھے نصیحت کرنے سے انکار کیا۔ اپنے کاندھے کو لیا کہ ساتھ والے گھر میں مطالعہ پٹواری
[illegible] دو منٹ میں پٹواری پہنچ گیا۔ دادا نے اسے حکم دیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں دو گھنٹے
[illegible] کرو۔ پٹواری نے اپنے بستے سے ایک کاغذ نکال کر پڑھنا شروع کیا۔

"[illegible] چودھری صاحب نے دو کلے زمین سیالکوٹ والے خان کو بطور انعام دی ہے۔ وہ اپنی
[illegible] جس حصے سے چاہیں یہ زمین لے سکتے ہیں۔"

[illegible] دادا بولے۔ "[illegible] یہ سب بندوق وندوق ڈرامہ تھا۔ میں نے جیسا سنا تھا ویسے ہی
[illegible] سلیمان کے والد سے پہلے ہی [illegible] دیا تھا کہ اگر اس بچے نے میرے حوالوں کا [illegible]
[illegible] ہی میں ہے تو اسے یہ انعام دیا جائے گا۔ [illegible] سب ہی یاد رکھیں گے۔ اب
[illegible] وعدہ پورا کر دیا [illegible] چیزیں [illegible] مانگنی ہیں۔"

"[illegible] میں نے آپ کی دی زمین قبول کی مگر مجھے صرف اور صرف نیلا چاہئے۔"

"[illegible]" دادا بولے۔ "اس منحوس [illegible] اور بے [illegible] نیلا کو لے کر کیا کرو گے۔ اس پر تو
[illegible] کو دے
[illegible] مجھے صرف یہی نیلا چاہئے..... باقی رہیں وہ دو چیزیں تو دادا ایک دفعہ پھر آپ
[illegible] آپ کا [illegible] کریں گے۔" میں نے دادا سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔
"میں وعدہ کرتا ہوں [illegible] کے دل سے [illegible] کا۔"

"سب سے پہلے آپ اپنے پوتے محبوب عالم مرحوم کو صدق دل سے معاف کر دیں اور اپنا
[illegible] میں آپ نے اسے اپنی جائیداد، خاندان اور اپنے نام سے بے دخل کر دیا تھا اور
[illegible] وہ اراضی جو ٹیلے کی دوسری جانب بے آباد اور منحوس آسیب زدہ قرار دے کر بیکار کر دی
[illegible] ایک چوتھائی حصے پر سکول یا کوئی ہسپتال قیام کروا کر اسے محبوب عالم کے نام وقف کر دیں اور
[illegible] پر خود اپنی کاشت کریں۔ پھر قدرت کا تماشا دیکھیں....."

[illegible] میرے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ زبان تک آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ [illegible]
[illegible] کے واقعات [illegible] میرے سب تیر نشانے پر لگ رہے تھے۔ [illegible] اس کے آدھ گھنٹے بعد
[illegible] سے نکلنے لگا تو میں نے دادا کا منہ چومتے ہوئے کہا۔

"[illegible] ایک چھوٹی سی خواہش اور ہے۔ پرسوں تعزیت کو ہم محبوب اور کستوری کا ٹیلے پر [illegible]

UrduPhoto.com

رہے ہیں اور ساتھ ہی آپ کی زمین پر میلہ بھی ہوگا۔ آپ ان دو دنوں میں سب انتظام کروا دیں۔ میلے کے سب لوازمات ہونے چاہئیں۔ کبڈی، کھیل تماشے، مقابلے وغیرہ وغیرہ۔"

تین روزہ اس میلے کی تمام تفصیلات بتا کر میں نے ایک اور درخواست بھی داغ دی کہ میلے پر لوس کی تقریبات کے افتتاح کے لئے اپنے بڑے پیر صاحب کی خدمات حاصل کی جائیں۔ اس سے پہلے انہیں ان کی شمولیت کا ذہن بنایا جائے اور ہر قیمت پر انہیں وہاں لایا جائے۔ جسمانی اور ذہنی طور پر تھکے ہارے گھر آئے تو گاؤں کا میراثی اور ملیانی والا اس کا ساتھی بھروپیا اور غلام رسول فوجی ایک آدمی کے ساتھ بڑی شدت سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے خواجہ خضر ڈیرے کی پوری رپورٹ ذہنی تفصیل سے ایک ایک بات بتائی۔ ملیانی والے بھروپیے نے کہا۔

"اللہ جوڑیاں سلامت رکھے ڈاکٹر صاحب! وہ فرمایا تو میرا اصلی باپ ہے۔ میں اس کو ہڈیوں سے پہچانتا ہوں۔ وہ ڈالو والا کا پنگڑا سلامتا ہے۔ اشتہاری مجرم اور منشیات فروش ہے۔ کوئی تین چار برس پہلے اس نے اپنی سالی کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے یہ مفرور ہے۔ اس کے دو بچے اور ایک بیوی بھی ہے۔ گاؤں میں بہت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس کی قتل ہونے والی سالی بڑی خوش شکل اور طرح دار تھی۔ اپنی بیوی کو [illegible] اور کے ساتھ [illegible] حالت میں دیکھ لیا تو اسی وقت اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد سے یہ مفرور ہے۔"

"تم اسے کیسے جانتے ہو اور خاص طور پر یہ تمام باتیں اتنی تفصیل سے۔۔۔؟"

"سرکار! [illegible] ضلع سیالکوٹ تو اپنی جگہ ہے۔ ایک ایک پنڈ، ایک ایک قصبہ دیکھا ہوا ہے۔ یہ بھائی میراثی، پنگڑا، ملیانی والا، لٹ پٹ، بھروپیا، [illegible] یہ ساری قومیں قریب قریب چھوٹی موٹی جرائم پیشہ ہوتی ہیں۔ پولیس، ضلع کچہری کے مخبر بھی یہی ہوتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی کرتوتوں سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ ہر ضلعے میں کہیں بھی کوئی واردات ہو جاتی ہے تو فٹ دوسروں کو علم ہو جاتا ہے کہ یہ کام کس نے کیا ہے اور جب پولیس کسی کیس میں ناکام ہو جاتی ہے تو آخری حربے کے طور پر ان ہی لوگوں کو پکڑ کر اندر کر دیتی ہے۔ مال انعام یا کسی بھی ذریعے سے وہ ان سے اپنے کام کی بات اگلوا لیتی ہے۔ میں اس کے باپ شاہے پنگڑا سے چھتروں کا کاروبار بھی کرتا رہا ہوں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم ڈیرے پر گئے تو اس نے تم لوگوں کو دیکھا۔ کہیں تمہیں پہچانا تو نہیں۔۔۔؟"

"سرکار! تمہاری خیر کرے۔۔۔ ایک تو معمولی سا اندھیرا تھا، دوسرے موٹے شیشے میں لگی آنکھیں

[illegible] باقی سرکار! میں بھروسا دوں۔ توے کی کالک مٹی اور چند منٹوں کی تنہائی [illegible] خدام کو آپ بھی پہچان جائیں تو سو کھوٹا آپ کا اور ایک میرا [illegible] دادا! ہم تو اپنی [illegible] بچوں کو بھی چھوڑ دیتے جاتے ہیں۔ اپنے ہی گاؤں علاقے میں افسر بن کر آتے ہیں اور مال [illegible] ہو جاتے ہیں بلکہ تھانوں میں اچانک پہنچ کر تھرتھلی مچا دیتے ہیں۔ کھاپی خدمت کروا رعب [illegible] طاقت ظاہر کرتے ہوئے پاؤں چڑھ جاتے ہیں۔ پھر جوتے کانیوں کھا کر واپس آ جاتے ہیں۔ [illegible] بن جانے کچھ بھی کرنے اس کی سلامتی اپنا آپ ظاہر کرانے میں ہوتی ہے۔ اپنے [illegible] پیشہ بنا کر وہ اپنی جان بچاتا ہے اور مال بناتا ہے۔ میں نے بھی وہاں جانے سے پہلے [illegible] کر لیا تھا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

[illegible] میں نے اسے اس گاؤں کے پیر صاحب کے متعلق تمام معلومات بہم پہنچائیں اس سے اپنی [illegible] کی تفصیلی ذکر کیا اور ساتھ ہی اپنا سارا پلان اس کے کانوں سے نکال کیا کہ ہم نے کیا کیا کرنا [illegible] ہم خواہ مخواہ ختم والے ڈیرے کے فراڈ کو اسی گاؤں کے پیر صاحب کے ہاتھوں ختم کروانا [illegible] دین کے ان ذمہ دار لوگوں کا ہی فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کو اپنے دھوکا بازوں [illegible] سے بچائیں [illegible] اور ہم [illegible] وقت بڑے موثر انداز میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ہم تو لونڈے موٹے تھے ہم بچوں کی [illegible] کے میں کون سنتا؟ میں نے اسے صبح کی نماز میں شامل ہو کر پیر کی زیارت کرنے [illegible] والے ڈیرے بھجوا دیا۔

صبح صبح ہی کاکے نے آ کر جگایا اور دادا میاں کا حکم سنایا کہ سب بچے لوگ ناشتہ ادھر آ کر [illegible] پہنچے تو ناشتے کا اہتمام دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ لسی مکھن باجرے کا ملیدہ ترتراتے ہوئے [illegible] کا اچار لہسن تیز اور تیکھے روے کا حلوہ گاجروں کا مربہ۔۔۔ دادا بڑے خوشگوار موڈ میں [illegible] تھے۔

[illegible] زمانے کے بعد پرسکون نیند سویا ہوں۔ رات ایک عجیب سا خواب دیکھا ہے۔ مجھے کبھی [illegible] خواب یاد نہیں رہتا رات خواب دیکھا صبح آنکھ کھلتے ہی سب کچھ بھول گیا لیکن یہ خواب شاید [illegible] کا پہلا خواب ہے جو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ حرف حرف اور منظر منظر مجھے یاد ہے۔ صبح [illegible] اس خواب کے سلسلے میں بتایا ہے کہ تمہیں بھی سناؤں۔"

"دادا! معاف کیجئے گا میرا خیال ہے کہ خواب کی تعبیر کے معاملے میں اگر آپ مسجد والے پیر

صاحب سے رجوع کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"نہیں یار! یہ اتنا نازک، نفیس اور خوبصورت خواب ہے کہ اسے سوال جیسے تند و تلخ، کثیف و شیخ عنصر فضولیات قسم کی شے کے سامنے رکھنا خواب کا ہتک کروانے کے برابر ہے۔ مجھے یقین ہے اس خواب کے متعلق تم مجھے بہتر طور پہ کچھ بتا سکو گے۔"

"دادا جی! یہ خواب آپ کے لئے بڑا سعد اور مبارک ہے۔ آپ نے محبوب عالم اور کستوری کو معاف کر کے ان کی ارواح کو خوش کر دیا ہے۔ آپ کے سامنے چاندی کی طشتری میں پھول اور کستوری کے ہاتھ کی تھیلی والی پوٹ جس کی سوکھی ہوئی آنت کی تانت آپ کی ٹانگوں سے الجھ جاتی ہے۔ کھینچتے کھینچتے آپ ایک اونچے ٹیلے پہ پہنچ جاتے ہیں۔ جلاوطنی کی جگہ کا سبز چاندی کی کرنوں کا نور اور کی خوش رنگ و خوش بیان [illegible] سے آپ بہت مسرور اور خوش ہوتے ہیں۔ اچانک ایک اور سے ایک [illegible] رنگ پرندہ مثل مرغ زریں پھڑپھڑاتا ہوا آتا ہے اور آپ کے قدموں میں گر جاتا ہے۔ جب آپ دیکھتے ہیں تو زخمی خوبصورت پرندے کا چہرہ آپ کے پوتے محبوب عالم کے چہرے سا دکھائی دیتا ہے۔ آپ پریشان سے ہو کر اس پرندے کو [illegible] میں بھر لیتے ہیں۔ [illegible] ازلتا ہوا حشت [illegible] ہوتا ہے [illegible] کی باری اور پان کے پتے پہ کستوری رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر آپ [illegible]

"اس [illegible] اب آگے جو کچھ ہوا [illegible] اپنے تک ہی محدود رکھو۔ یہ خواب تو میں نے دیکھا مگر لگتا تم رہے ہو جیسے تم نے بھی یہی دیکھا ہو۔؟"

"آپ یوں ہی سمجھ لیں۔ ویسے میں نے یہ خواب نہیں دیکھا۔ مجھے ابھی ابھی یہ خیال سا آیا ہے جس کو میں نے من عن آپ کو سنا دیا۔"

دادا نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ "میرا خواب، تمہارا خیال۔۔۔ ایک سے دونوں۔۔۔ کچھ سمجھا نہیں؟"

"دادا جی! خیال جب جم جاتا ہے، منجمد ہو جاتا ہے تو خواب بن جاتا ہے۔ ایسے ہی جیسے دودھ، ملائی، مکھن اور شکر یخ بستہ کر دیئے جائیں تو آئس کریم بن جاتی ہے۔ تحت الشعور اپنی لاتوں اور ہاتھ ہلاتا ہے تو وہ خیالات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ انسان سویا ہوا ہو تو یہی خیال خواب میں بدل جاتا ہے۔ بہرحال اللہ آپ کو سلامت رکھے آپ کے دل پہ بنا ہوا غبار اتر گیا۔ جیسے لاکھوں پرندوں میں کہیں ایک آدھ ہی ہوتا ہے۔ لاکھوں پرندوں کے رنگ، ان کی خوبصورتیاں، بانکپن، ان کی چہچہاہٹ، یہ سب

UrduPhoto.com

[illegible] جب پودے میں سما جاتا ہے تو اس طرح کھل کر روحانی انسانوں میں کئی صدیوں کے بعد ایک [illegible] انسان پیدا ہوتا ہے۔ وہ عاشق صادق ہوتا ہے اس میں کروڑوں انسانوں کی اچھائیاں ان [illegible] جذب و جذبات کی کہ انہوں نے پیارہ چاہت کی پہنائیاں پہچانیں کیا کیا بہار رچا ہوتا ہے۔ [illegible] جوان رہنا تو صدیوں بعد کہیں دکھائی دیتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے جو پایا وہ کا [illegible] کہ یہ سب کچھ ہم سب کی سمجھ میں آ جائے بعض خوش رنگ خوشبودار پھول پھل ایسے [illegible] ہوتے ہیں جو نہ تو کھائی جاتے ہیں نہ کسی کے کام آتے ہیں اور نہ کسی کی دسترس میں ہوتے ہیں۔ [illegible] کوئی نہ کوئی کسی الجھن کا شکار ہو جاتا ہے ضرور آتا ہے۔ کوئی نہ کوئی دیوار گرانے ضرور آتا ہے۔ [illegible] کوئی پردہ ہٹانے ضرور آتا ہے۔ اسی طرح کوئی دیا جلانے آتا ہے کوئی بچھڑے ملانے آتا [illegible] جوڑنے آتا ہے اور کوئی کوئی بیج بونے آتا ہے [illegible] کستوری اور محبوب کے [illegible] یہ پودا لگایا گیا ہے۔ یہ پودا جب تناور درخت بنے گا تو ہوا [illegible] پھل اور پھول [illegible] آئے گا۔ آپ کم از کم اس کی آبیاری کا بندوبست تو کر سکتے ہیں [illegible]

[illegible] اپنے شکوے سے ایک بھائی کی تسلی [illegible] اور کہا [illegible] نے تمہارے [illegible] ہوئے ہیں [illegible] تمہارے ساتھ ہیں۔ [illegible] جو خرچ کرو [illegible] پیر صاحب کو اس وقت پہنچا دیا جائے گا۔"

[illegible] نے اپنے کارندوں اور گماشتوں کے ذریعے بڑے شاندار انتظامات کروائے۔ دو روز کے [illegible] کے روز کی تمام رسمیں [illegible] انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔ [illegible] کھیل تماشے دوکانیں پکوان مٹھائیاں کھلونے [illegible] میلے میدان تو لگتے ہی رہتے ہیں [illegible] دو نمایاں خصوصیات تھیں۔ ایک تو مالی کستوری کا عرس تھا جو پہلی بار شروع ہوا تھا۔ دوسرے [illegible] کا آزاد تخت اور مقدس کلے والی بکری کی زیارت تھی۔ دیہاتی لوگ بڑے سیدھے سادے [illegible] ہوتے ہیں اکثریت کم علموں اور شرپسندوں کی ہوتی ہے۔ کوئی بھی دھوکے باز دین دنیا کسی بھی [illegible] کو کس آسانی سے اپنے شکنجے میں اتار سکتا ہے۔ یہ بھولے بھالے معصوم لوگ خاص طور پر دین [illegible] میں اکثر و بیشتر بلیک میل ہوتے رہتے ہیں۔ توہمات جادو کی تعویذ گنڈے جادو ٹونے [illegible] وہمات چیزیں ان پر بڑی اثر انداز ہوتی ہیں۔ خواجہ خضر کی شکل اور مقدس بکری کا فرد اس کی [illegible] تھی۔ کوئی بھی پڑھا لکھا شخص دین کے بارے میں معمولی سی شد بد بھی رکھتا ہو اس فراڈ کی [illegible] بخوبی سمجھ سکتا ہے مگر اس کے باوجود یہ لوگ یہ چیز یہ مولوی۔ اس گاؤں اور گرد و پیش کے لوگ اس

UrduPhoto.com

فراڈ کی حوصلہ افزائی کرتے نظر آتے تھے۔ کوئی بھی تو نہ تھا جو یہ کہتا کہ ان فراڈیوں کا پول کھول کر جوتے لگا کر ان کا منہ کالا کر کے گدھے پہ گھمایا جائے۔ یہ بچے ہوئے سارا دارومدار ان فراڈیوں کو ان ہی کی گھناؤنی کرتوتوں کے پہاڑ تلے دفن کرنے کے لئے رچایا گیا تھا۔ ہم ان کے لئے ایسا ماحول تیار کر رہے تھے کہ خود بخود ان کا ان کے منطقی انجام تک پہنچا دے۔

لوبان اور دھونی مسلسل جلایا جا رہا تھا۔ مسلسل دھوئیں سے آگ کا الاؤ روشن تھا۔ خاص کستوری عود عنبر اور صندل کا بُرادہ ایک خاص مقدار میں الاؤ پہ ڈالا جا رہا تھا۔ اردگرد کوسوں دور تک کا ماحول ایک خاص سرمدی خوشبو سے مہکا ہوا۔ ایسی مہک جو مشام جاں کو پاکیزگی اور روح و وجدان کو بالیدگی عطا کرتی ہو۔ تال تھاپ پہ دھمالیں ڈالنے والے ملنگوں اور دیہاتیوں نے مائی کستوری اور محبوب سائیں کے مزار پہ خوب دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ ساتھ ہی ذرا پرے ایک جھونپڑے میں صوفیوں کی ایک ٹولی بیٹھی رہی تھی۔ مقدس بکری کی کھال کے ویٹ پہ "لا الہ الا اللہ" لکھا ہوا صاف پڑھا جا رہا تھا۔ ایک محفل کی مسند لیلیٰ بنائی گئی تھی۔ بکری کے ستر کے ساتھ ہی حضرت سلیمانؑ کے اڑن کھٹولے کے تختے کی زیارت تھی۔ عورتیں سر جھکائے بیٹھے قطار در قطار کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر اک کی زبان پہ سبحان اللہ سبحان اللہ کی گردان جاری تھی۔ پھر قدرت اللہ شاہ اپنی ہی وارفتگی اور نورانی چہرہ لئے ہوئے ملبوس زیارت کے قریب مجاورت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ باقاعدہ افتتاح ان کے ہاتھوں سے پیر صاحب کے ہاتھوں سرانجام پاتا تھا اور اس کی ساتھ ہی پورے میلے کا آغاز ہوتا تھا۔ اس کا اہتمام دادا جی کی زمینوں میں کیا گیا تھا۔

ادھر دادا صاحب نے بڑے پیر صاحب کو اپنی حویلی طلب کیا ہوا تھا۔ یہ میلے اور عرس والے پروگرام اتنی عجلت اور طوفانی انداز میں طے ہوا تھا کہ گاؤں والے بھی حیران و ششدر تھے کہ یہ بچے چوہدریوں کی زمینوں پہ کیا ہو رہا ہے؟ ڈھنڈورچی کی زبانی جب زیارتوں اور محبوب سائیں کے عرس کا تو ہم سننے والا سوچتا رہ گیا کہ اتنے برسوں بعد یہ عرس کیسے یاد آ گیا؟ اور یہ زیارتیں کہاں سے دریافت کیں؟ ظاہر ہے کہ ان باتوں کا کسی کے پاس بھی کوئی ٹھوس جواب نہیں تھا۔ ہر شخص خود اپنی آنکھوں سے ان انہونیوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ تجسس بھی اس میلے کی رونق دوبالا کرنے کا بڑا سبب بنا اور جب یہ پتا لگا کہ یہ سب کچھ بڑے چوہدری خود کروا رہے ہیں تو یہ سوال خود بخود ہی دفن ہو گیا کہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔ دادا صاحب نے پیر صاحب کو بڑے احترام و ادب سے بٹھایا ہوا تھا۔ کھلا پکا کر ان کی خدمت میں عرض کی کہ جناب آپ آج محبوب سائیں اور مائی کستوری کے عرس مبارک زیارت میں

[illegible] اپنے دست مبارک سے کر کے اہل علاقہ پر احسان فرمائیں۔ پیر صاحب نے اپنی داڑھی [illegible] ہوئے فرمایا۔

"چودھری صاحب! آپ نے مجھے عزت بخشی اس کے لئے شکریہ۔ میں یہ دریافت کرنے [illegible] ہوں کہ یہ عرض اور میلہ کن وجوہ کی بنا پر منعقد کئے جا رہے ہیں جبکہ ماضی قریب یا بعید میں [illegible] نہیں ہوا البتہ ایک مسئلہ پر مجھے کچھ جاننے کا یقیناً حق ملتا ہے اور وہ مسئلہ ہے زیارتوں [illegible] کی دریافت ہونے والی زیارتوں کے متعلق کچھ آپ کی زبان مبارک سے جاننا چاہوں گا [illegible] دریافت ہوئیں۔ یہ آدھے گلے والی بکری یہ حضرت سلیمانؑ کے اڑن تخت کا تختہ یہ سب کچھ کیا [illegible] صاف کرنے یہ چیزیں یہاں کدھر سے آ گئیں اور کیا ثبوت ہے کہ یہ سب مقدس چیزیں اصلی

[illegible] مسکرائے اور بولے۔ "حضرت صاحب! میں تو خود ان چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں [illegible] ہونے کا ایک دوست سیالکوٹ سے آیا ہوا ہے اسی نے یہ سب کچھ دریافت کیا ہے۔ میں [illegible] کے لئے کہا بھی کہ برخوردار پہلے جا کر حضرت صاحب سے بات کرو [illegible] مطمئن کرو [illegible] اجازت سے [illegible] کی ہو رہی ہے....."

[illegible] صاحب نے مجھے بے تحقیق نشانی شروع کر دیں۔" چودھری صاحب [illegible] کا شیطان کا [illegible] ہوں کہ اس کا یہ کلوٹی ہونا ہی کافی ہے....."

[illegible] کی لوؤں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولے۔ "خدا جانے اس نے انہیں کے ہاتھوں [illegible] ہوئے ہیں یا یہ بارہ ہی الوپ پڑھا ہوا ہے۔ مجھے خود اس نے دو روز ایسا دق کیا ہے کہ توبہ آپ کس لپاٹے کے چکر میں آ گئے۔ یقین فرمائیں یہ بالشت کا چھوکرا آپ سے بھی دو ہاتھ [illegible] سے باز نہیں آئے گا....."

[illegible] صاحب کو تو میں نے ساری پٹی پڑھائی ہوئی تھی لیکن وہ بھی اس ڈرامے کے ایک [illegible] کیرکٹر تھے۔ انہوں نے اپنا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کرتے ہوئے پیر صاحب سے کہا۔

"حضرت! اب کیا کریں اس بے ہودہ چھوکرے نے تو مجھے بھی چکرا کر رکھ دیا ہے۔ بہرحال [illegible] کریں کہ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں اس رنگ باز کو خود ہی ٹھیک کرتا ہوں۔ میں آپ کی خدمت [illegible] آنے دوں گا۔" [illegible] دراصل اسے نفسیاتی طور پر مزید کمزور کیا تھا کہ وہ خود ہی آگے بڑھے۔

UrduPhoto.com

"چوہدری صاحب! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو اب دین کا مسئلہ بن گیا ہے۔ ایسے دھوکہ باز دین اور اپنے اسلاف کے تقدس کو اپنے مذموم مقاصد کی خاطر پامال کرتے ہیں، ان کی سرکوبی کے لیے ان مقام اور آنحضرت ہم پوری تندہی سے متحد ہیں۔ اس حقیقت سے میرا اتحاد ہے کہ میں خود آگے بڑھ کر اس شر کی سرکوبی کروں البتہ آپ کی معاونت بھی قابل صد ستائش ہوگی۔" وہ اپنا بھاری سر اٹھاتے ہوئے دادا سے کہنے لگے۔ "اٹھیے بسم اللہ ... نیک کام میں دیر مت کریں۔"

● پیر بے پیر آف للیانی شریف ...!

ایک بڑے سے ہال میں [illegible] صاحب اور [illegible] بیٹھے [illegible] اور اللہ اکبر کی صدا سے فضا گونج رہی تھی۔ [illegible] بارہ سے چند [illegible] کے [illegible] کے ہجوم میں [illegible] محبوب سائیں کے مزار پر آنے والی [illegible] سے فاتحہ پڑھی [illegible]۔ پھر [illegible] پڑھتے ہی [illegible] اور میلے کا اختتام ہو گیا۔

UrduPhoto.com

[illegible] ایک بہت بڑے بزرگ کے [illegible] میں بیٹھا ہوا تھا۔ دیگر [illegible] بھی پاس [illegible] کے [illegible] ہوئے [illegible] صاحب کے [illegible] بار [illegible] صاحب نے بڑی [illegible] سے اس حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی۔ ایک [illegible] کی ہوئی [illegible] اور اس [illegible] ہوئے [illegible] کو دیکھا [illegible] پاس [illegible] کے پرانے [illegible] کو دیکھ [illegible] حضرت سلیمانؑ [illegible] تخت کے ایک [illegible] کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ اب پیر صاحب نے [illegible] سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کا اسم شریف، آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں اور یہ سب [illegible] ہے؟"

وہ [illegible] ایک زمانے [illegible] تھا اور [illegible] ہوا اس نے [illegible] سے ہاتھ باندھے اور تلاوت شروع کر دی۔ اب پیر صاحب کی [illegible] کہ وہ [illegible] میں [illegible] بھی اللہ کا بندہ [illegible] صاف [illegible] قرأت کر رہا تھا کہ ایمان تازہ ہو گیا۔ قرأت کے بعد اس نے [illegible] شروع کر دیا۔ وہ لوگوں کو حق کا ساتھ دینے اور باطل کو برباد کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔ اپنے دین [illegible] اس [illegible] کی خدمت اطاعت کے فوائد گنوا رہا تھا۔

[illegible] آدھ مرتبہ پیر صاحب نے آنکھ پڑی پہچاننے کی کوشش کی مگر ہم سب انہیں خوب پہچانتے تھے کوئی ان کی نظر ہی نہیں رہا تھا۔ اسی وقت سے پیر صاحب کو موقع مل گیا۔ ہمارے [illegible] میں پڑا کوچہ تک کہ کسی اٹھی اسی دوران پیر صاحب نے انہیں دبوچ لیا۔

"ہاں جی حضرت! پہلے تو آپ اپنا تعارف کروائیں اور پھر یہ بتائیں کہ یہ زیارتوں کا کیا سلسلہ [illegible] یہ سب کچھ کہاں سے دریافت ہو گیا ہے اور آپ کے پاس ان چیزوں کی اصلیت کی کیا [illegible] ویسے آپ کو خبردار رہنا چاہئے کہ دین، شریعت اور اپنے اکابرین اور ان سے متعلقہ کسی بھی [illegible] کو عوام تک لانے سے پہلے بڑی تحقیق، احتیاط اور سند و ثبوت کی ضرورت پیش آتی ہے اب [illegible] پاس ان چیزوں کے اصلی ہونے کی کیا تاویل اور سند ہے۔ ؟"

پیر آف ملیانی صاحب نے کمال [illegible] سے جواب دیا۔

"مجھے مسلسل خوابوں میں بشارت ہوئی ہے جبکہ یہ مقدس بکری خود چل کر میرے پاس آئی اور [illegible] کی زبان کھول کر مجھے بتایا کہ میں اللہ کی قدرت کی نشانی ہوں، آدھا کلمہ میری کھال پر اور [illegible] کی کھال پر تحریر ہے۔ مجھے میری بہن کے پاس لے جا کر کلمے کو مکمل کرو۔ اس [illegible] جن [illegible] کر یہاں لا [illegible] مقدس زیارت کی مجاوری میری پہرداری میں دی اور اس سے بڑی کیا تاویل اور ثبوت [illegible] مزید جن کے لئے یہ بھی کہا ہے کہ جو کوئی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا وہ خود ہی برباد [illegible] جبکہ کوئی آگاہ ہو کوئی مجھے ضرر پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔"

پیر صاحب نے قہر آلود نگاہوں سے "پیر آف ملیانی" کو دیکھا اور واپس گھوم کر دادا جی سے [illegible]

"ان دنوں میرے غیرے کو روحانی اور مقدس خوابوں کے تجربے ہونے لگے ہیں....." پھر [illegible] ساہیرا اور میرے خواب کا ذکر بھی کیا اور فرمایا "دراصل بے کار اور شرارتی قسم کے [illegible] دماغ و اعصاب پہ شیطان مردود بڑی رغبت و آسانی سے قبضہ جما لیتا ہے پھر مختلف قسم کے [illegible] انہیں بہکاتا رہتا ہے۔ وہ سیالکوٹ والا جن اور یہ شیطان ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے [illegible] آپ کو اس کا ثبوت بھی دیتا ہوں" "پیر صاحب" "پیر آف ملیانی" سے مخاطب ہوئے۔

"حضرت! کیا میں اس مقدس بکری کی زیارت سے مستفیض ہو سکتا ہوں۔ ؟"

"ضرور ضرور... یہ مقدس بکری اسی لئے یہاں لائی گئی ہے کہ لوگ اس کی زیارت کریں"

UrduPhoto.com

وہ جھنگ کے نشے میں نئی بکری کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

پیر صاحب نے آدھے گلے والے حصے کو بغور دیکھا' پھر دادا جی کے کان میں کچھ کہا۔ دادا نے ایک کارندے سے پانی کا پیالہ منگوایا' کارندے کا پرنا بھگو کر کھال پر رگڑا۔ بکری بلبلا اٹھی تو بکری کو مضبوطی سے پکڑ کر پھر کپڑا رگڑا۔ اب جو دیکھا تو بکری کے پیٹ پہ اصلی سیاہ دھبے داغ ہی رہ گئے' گلے کا آدھا حصہ غائب ہو گیا۔ "پیر آف ملیانی" کے ہوش اڑ گئے وہ سیدھا دادا کے پاؤں پڑ گیا۔ دادا نے اسے اٹھا کر جو ایک ہاتھ گھمایا تو اس کی مصنوعی داڑھی' مونچھیں' زلفیں' پگڑ سمیت پیر صاحب کے قدموں میں آ گرے۔ اب جو جوتے' تھپڑ' لاتیں' گھونسے چلے اللہ ہی بھلی۔ "پیر آف ملیانی" اپنے مخصوص حربے کو بروئے جان بوجھ کر بے ہوش ہو چکا تھا' دادا صاحب نے بمشکل اس کی جان چھڑائی اور حکم دیا کہ سیاہ شیطان کو بھی پکڑ لاؤ" لگے ہاتھوں اس کی قانونی بھی ہو جائے۔ مجرموں کا پیچھے پیچھے تھے' ہوا کسی ذرے کا ہدایتکار بھی غائب ہو گیا ہے جبکہ اس کا کھیل سٹیج پر ہو رہا ہو! سین کی ڈیمانڈ کے مطابق چند لمحوں میں انہیں ڈھونڈ ڈھانڈ کر کے دو لڑکوں نے دادا اور پیر صاحب کے سامنے ڈال دیا۔ پیر صاحب نے انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"[illegible] ہاتھ لگتے ہیں۔ تمہارے ساتھی کو تو اس کے خواب کی اچھی طرح تعبیر مل چکی ہے اور اب تمہاری باری ہے۔" پھر وہ دادا جی کی جانب مخاطب ہوئے "چوہدری صاحب! اس مکار کو بھی کڑی سزا دیں تاکہ آئندہ کسی کو علماء حضرات سے گستاخی کرنے کی جرأت نہ ہو اور نہ ہی کسی کو مذہبی معاملات میں اس قسم کا فراڈ کرنے کا حوصلہ ہو۔"

دادا بولے۔ "پیر صاحب! اس شخص نے چونکہ آپ کی بے ادبی کی تھی لہٰذا اسے آپ خود ہی سزا دیں۔"

پیر صاحب نے چند لمحے سوچا' پھر بڑی تمکنت سے بولے۔

"ہاں جی خان صاحب! آپ ذرا ہمیں حضرت سلیمانؑ کے تخت کا ٹوٹا ہوا وہ حصہ تو دکھائیں جو آپ کو خواب میں نظر آیا تھا.....؟"

میں نے چند لمحے مذبذب سرا ایکٹنگ کی اداکاری کی جیسے میں پیر صاحب کے ڈر اور خوف سے بے حال ہو رہا ہوں۔ پھر میں جیسے سمت کر کے اٹھا اور مقدس تخت کے ٹکڑے کے پاس پہنچا اور کانپتے ہاتھ کے اشارے سے بتانے لگا کہ یہ ہے وہ مقدس ٹکڑا۔ پیر صاحب استہزائیہ ہنسی کے ساتھ دادا جی کو مقدس ٹکڑے کے پاس آ کر اس کا معائنہ کرنے لگے۔ دائیں بائیں' اوپر نیچے اسے خوب دیکھا۔ ہاتھ سے

نے جوتے لگے پھر یک دم ایک بھرپور جھٹکے سے باہر کھینچا۔ تین چار فٹ پرانے پل کا ٹکڑا مکمل
آ نکلا لیکن اپنی جگہ چھوڑ گیا تھا۔ پیر صاحب نے ایک دو مضبوط قسم کے جوانوں کو اشارہ کیا۔
محنت میں بلا جلا کر باہر نکال کر دادا صاحب کے قدموں میں رکھ دیا۔ پیر صاحب بولے۔
"یہ حضرت سلیمانؑ کے اڑن تخت کا مقدس ٹکڑا.....!"
دادا جی نے میری جانب غصے سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا ہے.....؟"
میں نے نظریں جھکا کر کہا۔ "یہ پل کا ایک حصہ ہے۔"
دادا نے دوسرا سوال کیا۔ "یہ کس کی حرکت ہے' میرا مطلب ہے کہ اسے یہاں کس نے گاڑا اور
اس سے کیا مقصد تھا.....؟"
میں نے اسی پہلے والے لہجے میں کہا۔
"یہ پرانے پل کے ٹکڑے کو میں نے یہاں گڑوایا اور اس کا مقصد اللہ کی مخلوق کی بھلائی
تھا۔ بھلے لوگوں کی آنکھیں کھولنا تھا۔ اس بکری کے بیٹے دھبوں کو بھی ہم نے یہی نعرے اور
نعرے لگے کے انداز میں بولا تھا' ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی لوگوں کے ایمان و یقین کی حفاظت کرنا
تھا۔"

UrduPhoto.com

پیر صاحب جیسے اچھل پڑے۔ "دیکھی آپ نے اس شیطان کی چرب زبانی' وہ سب بے خوفی' سب
کچھ کا خوف اور آپ کا ڈر؟ کس ڈھٹائی سے آپ کے منہ پر اقبال جرم کر کے اپنی جعلسازیوں کی
تاویل کر رہا ہے۔"
دادا جان' پیر صاحب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولے۔
"آپ بالکل درست فرماتے ہیں۔ مجھے ذرا اس سے معلوم تو کر لینے دیں کہ اصل میں یہ
سب چاہتے کیا تھے۔ ہاں جی خان صاحب! آپ زحمت کر کے یہ بتائیں کہ اس سب ڈرامے کا
مقصد کیا تھا.....؟"
"دادا حضور! میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہمارا مقصد اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنا ہے اور زیادہ
سے زیادہ روحانی فیوض و برکات سے انہیں نوازنا ہے' بس....."
اب پیر صاحب نے میری گردن ناپی۔
"اب شیطان! اس جعلسازی' دھوکہ دہی اور کذب و کراہت میں اللہ کی مخلوق کو فیض پہنچانے اور
اس کی خدمت کرنے کا کون سا پہلو نکلتا ہے؟"

"دیکھئے پیر صاحب! اگر آپ کسی کو کلمہ پڑھاتے یا سکھاتے ہیں تو اسے کس طرح پڑھنے سکھاتے ہیں؟"

پیر صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ مجھے چوہے کی طرح دبوچ کر جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"گستاخ! تو مجھ سے دین کے مسئلے پہ سوال و جواب کرے گا۔ میرے بس میں ہو تو میں تجھے لٹکا دوں ..."

"ٹھیک ہے" میں نے دادا جان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "آپ اگر میری کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتے اور یک طرفہ کوئی فیصلہ دینا چاہتے ہیں تو مجھ سے کوئی سوال و جواب نہ کریں اپنا فیصلہ سنا دیں اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ دوسری پارٹی ہونے کی حیثیت سے مجھے بھی اپنی صفائی میں بولنے کا کوئی حق حاصل ہے تو پھر تحمل سے میری بات بھی سنیں اور پیر صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ مجھ پہ کوئی فرد جرم عائد ہونے سے پہلے انہوں نے مجھ پہ جو حملہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ قابل مذمت غیر اخلاقی و غیر قانونی حرکت ہے۔"

پیر صاحب کی غیظ و غضب کی حالت دیدنی تھی وہ کسی وحشی درندے کی طرح غرا غرا کر مٹھیاں بھینچ رہے تھے۔ دادا جان نے پیر صاحب کو [illegible] اور کہا۔

"پیر صاحب! ادب ادب ہے۔ اس نے یہ سب کچھ جو کیا ہے وہ دھوکہ دہی کی ذیل میں آتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے اپنی صفائی میں بولنے کا پورا پورا حق ہے۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔ "تم نے جو بھی کرنا ہے مختصراً مختصراً اپنا مدعا بیان کرو ..."

● آدھا کلمہ، صبغت اللہ نہ سکھے .....!

"میں پیر صاحب سے بصد ادب و احترام پوچھتا ہوں کہ وہ کسی کو جب کلمہ سکھاتے یا پڑھاتے ہیں تو وہ پورا ہوتا ہے یا آدھا اور پھر اس کلمے کی ترتیب کیا ہوتی ہے ...؟"

پیر صاحب نے مجھے کچا چبا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس سوال کا جواب ہر کوئی جانتا ہے مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔"

"ضرورت ہے دادا جان! میں درخواست کروں گا کہ پیر صاحب مہمل جواب دینے سے پرہیز فرمائیں اور صاف صاف جواب دیں .....؟"

میں نے دادا کے وسیلے سے پیر صاحب سے بات کی۔ دادا جان نے فوراً ایکشن لے کر فرمایا۔

"مولانا! قانون قاعدے کی رو سے دونوں فریق برابر ہیں۔ جب تک کسی ایک فریق پر فرد جرم عائد نہ ہو جائے وہ ایک دوسرے پر بھرپور جرح کر سکتے ہیں لہٰذا آپ اپنی حیثیت کا احساس و خیال رکھتے ہوئے کسی غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکت و فعل سے اجتناب کریں اور جو کچھ پوچھا جا رہا ہے اس کا جواب دیں۔"

پیر صاحب نے طوعاً کرہاً جواب دیا کہ کلمہ پاک پورا لکھنا اور پڑھنا چاہئے اور یہی اس کی حقیقی شکل و ترتیب ہے۔

"بل ذرمت ... یہاں ایک مقدس بکری عرصہ سال ڈیڑھ سال سے صرف "محمد رسول اللہ" لکھ رہی ہے جبکہ یہ کلمے کی اصلی اور صحیح ترتیب نہیں۔ "محمد رسول اللہ" پڑھنے سے پہلے "لا الٰہ" پڑھنا ضروری ہے۔ کیا آپ نے کبھی اس بدعت اور دھوکہ دہی کے خلاف کوئی اقدام اٹھایا۔ اس بکری کو کیا کھلایا جاتا ہے کہ اس کے جسم کو نقصان اس کے اصلی یا نقلی ہونے کے بارے میں تحقیق کی۔ کیا ایک ذمہ دار عالم دین اور طالب کو جامع مسجد کے خطیب اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض نہیں بنتا کہ آپ اس کے اور غریب بکری کو رحم کرنے اور اللہ کی جیسی بھلی مخلوق کی حفاظت کرتے ..... ؟"

"اگر میں نہ ہوتے تو پیر صاحب مجھے اپنی آنکھیں غضب سے کبھی کا خاکستر کر چکے ہوتے ..... مگر وہ مصلحت سے گزر گئے۔ آخر فرض ہی ٹھہرا۔

"حضرت! جواب عطا فرمائیں ... جن شریف اور نیک لوگوں نے آپ کو منبر رسولؐ پہ کھڑا کیا ہے جو آپ کی مالی خدمت کے علاوہ مکھن لسی، دودھ، انڈے، اناج، پھل، ترکاریاں آپ کے حجرے میں دانہ پہنچاتے ہیں اور بقول آپ کے اس خدمت کے بدلے انہیں جنت میں دودھ، شراب طہورا، حوریں ملیں گی۔ کیا کبھی آپ نے سوچا یا کبھی منبر پہ کھڑے ہو کر یہ کہا کہ لوگو! اللہ کے خوف سے ڈرو کیوں اپنا ایمان اور یقین خراب کرتے ہو۔ یہ خواجہ خضر کی کشتی اور مقدس بکری سب کچھ جعلی ہے آپ کے ایمان کو خراب اور جیبوں کو خالی کرانے کا مکروہ منصوبہ ہے؟ میرا خیال ہے کہ آپ نے اپنے پھندے میں اپنی ناک پھنسانا ازروئے مصلحت مناسب نہیں سمجھا کیونکہ وہ لوگ اشتہاری، بدمعاش اور جرائم پیشہ تھے۔ وہ کسی نہ کسی رنگ اور طریقے سے آپ کا حصہ آپ تک پہنچا دیا کرتے تھے۔

اب میں ذرا آپ کا موڈ بدلنے کے لئے ایک واقعہ سناؤں۔

UrduPhoto.com

● جج' ججمانہ بے جج.....!

آپ کی طرح ایک جج صاحب بڑے سچے نمازی پرہیزگار اور رزق حلال پہ ایمان رکھنے والے تھے۔ دور دور تک ان کی شرافت اور امانت کا شہرہ تھا۔ رشوت تو کجا وہ کسی سے شکریہ تک وصول نہیں کرتے تھے۔ بڑی بڑی مقدمے باز پارٹیاں انہیں خریدنے یا رشوت دینے کی کوشش میں ناکام ہو چکی تھیں۔ اتفاق سے ایک ایسا مقدمہ ان کی عدالت میں آ پھنسا جس کی ایک پارٹی ہر قیمت پہ مقدمے کا فیصلہ اپنے حق میں چاہتی تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ یہ جج رشوت قبول نہیں کرتا پھر بھی انہوں نے مختلف طریقوں سے اسے رشوت پہ لگانے کی کوششیں جاری رکھیں اور آخر وہ کامیاب ہو ہی گئے۔ پارٹی نے کسی نہ کسی طریقے سے جج صاحب کے بیت الخلاء تک رسائی حاصل کی اور جج صاحب کے لوٹے میں اچھی خاصی رقم باندھ کر رکھ دی۔ جج صاحب جب بیت الخلاء گئے تو لوٹا پانی کے بجائے دولت سے بھرا ہوا تھا۔ حیران پریشان کہ کیا کریں؟ رقم بھی اتنی کہ کئی تنخواہوں کے برابر۔ انسان کمزور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری غیب سے مدد ہو رہی ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ میں رشوت نہیں لیتا۔ میری ضروریات میری آمدن سے کئی زیادہ ہیں۔ مکان بھی کرائے کا ہے۔ بچوں کی بیماری ہے۔ غیر ضروریات بشری ضروریات معاشی مجبوریوں کے درمیان اچھا خاصا دنگل شروع ہو گیا۔ پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔ آخر لوٹا بیت کیا۔ پھر مقدمے کے فیصلے تک ہر روز کچھ نہ کچھ لوٹا اتارتا رہا۔ جج صاحب "ہذا من فضل ربی" سمجھ کر لوٹا خالی کرتے رہے۔ آخر وہ دن آ گیا جب فیصلہ ہونا تھا۔ کچہری کچھ عدالت بھری ہوئی تھی سب کو امید تھی کہ ایماندار جج انصاف کرے گا لوٹے والی پارٹی مقدمہ ہارے گی کیونکہ یہ ظالم تاوجند اور جرائم پیشہ لوگ تھے۔ ہر شہادت' گواہی و ثبوت ان کے خلاف تھا۔ فیصلے کی گھڑی آئی لوٹے والا کھڑا ہو گیا اور بولا سرکار! میں غریب مظلوم بندہ گندی موری کا کیڑا آپ کے پاؤں کی جوتی اور آپ کے بیت الخلاء کا لوٹا ہوں..... "لوٹے" پہ زور تھا۔ جج کو لوٹے پہ زور کا جھٹکا سا لگا ایک ایک کر کے پانچ دس رشوت سے بھرے ہوئے لوٹے نظروں کے سامنے گھومنے لگے آنکھیں چندھیا گئیں سر چکرا گیا انگلیوں کو جنبش ہوئی اور فیصلہ لوٹے کے حق میں ہو گیا۔ دادا جانی! انسان بڑا کمزور ہے وہ کتنی اونچی ایماندار اور پاک صاف رہنا چاہتا ہے مگر اس کی مجبوریاں اس کی ضرورتیں اس کا گرد و پیش اس کی اندر کا فطری حق والا بچہ اسے کہیں نہ کہیں چاروں شانے چت کر دیتا ہے۔ اتنا پڑھا لکھا باوقار عہدے پر متمکن جج جس کا عہدہ ہی عقل و ذہانت کی اعلیٰ قدروں کا حامل ہوتا ہے ایک شاطر و مکار ہوشیار و عیار شخص کے بچھائے ہوئے ایک معمولی سے دام میں موسے کی

[illegible] رہ گیا۔ اس کی شرافت' ایمانداری اور اکل حلال کھانے کمانے کی کوشش و خواہش ساری [illegible] رہ گئی ۔۔۔ اگر آپ کو تہجد کی نماز کے بعد مصلے سمیٹتے وقت مصلے کے نیچے سے ایک معقول سی [illegible] جائے تو آپ کیا کریں گے۔ غریبوں کو بانٹ دیں گے' مسجد کی مرمت پہ خرچ کریں گے' وہیں [illegible] دیں گے یا اپنی جیب خاص میں "ہذا من فضل ربی" جان کر ڈال لیں گے؟"

[illegible] صاحب کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا' ایک رنگ جا رہا تھا' زبان گنگ' رنگ فق۔ میری [illegible] نے ان کی پیری فقیری کے چھوٹے ہوئے غبارے کی ساری ہوا خارج کر دی تھی ۔۔۔ اب [illegible] صاحب دادا تھے۔

[illegible] اگر کسی بکری پہ "محمد رسول اللہ" لکھا ہو سکتا ہے تو کسی اور بکری پہ "لا الہ الا اللہ" بھی تو ہو [illegible] اگر خواجہ خضر کی کشتی کا کوئی حصہ اس گاؤں کی سرزمین پہ ظاہر ہو سکتا ہے تو حضرت سلیمانؑ کے [illegible] کا کوئی تختہ بھی تو ظاہر ہو سکتا ہے اور اگر کوئی اشتہاری مفرور قاتل اس گاؤں میں اس مقدس [illegible] و مجاور بن کر توجہ' مہربانی' عزت و دولت حاصل کر سکتا ہے تو اس گاؤں کے میراثی دادا کا [illegible] کا [illegible] اس سے خواجہ خضر والے [illegible] کی مقدس بکری حاصل کی گئی تھی اس کو [illegible] کا مجاور کیوں نہیں بنایا جا سکتا جبکہ بے والی مفرور مقدس بکری کو خواجہ خضر والے ڈیرے [illegible] کی مشیرہ صاحبہ ہے۔ دونوں ڈیروں کی کہانی ایک ہے' کردار ایک سے ہیں مگر قدرے جدا الگ [illegible] خواجہ خضر کے ڈیرے کے منظر سے آنکھیں بند کر لی گئیں ہیں مگر بیٹے کے منظر کو اجاگر کر دیا گیا [illegible] جان! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ [illegible] پیر صاحب اور گاؤں والوں کو ساتھ لے لیں اور وہاں [illegible] کو پکڑیں' نہلائیں' دھوئیں' رگڑیں۔ بیٹے والے مل کی طرح وہاں بھی ایک رہت کی آنتھی دبی [illegible] سے بلائیں' کھینچیں' باہر نکالیں۔ وہاں کے مجاور کو پکڑیں' اس کے ساتھیوں کو گرفت میں لیں [illegible] کہ وہاں سے کیا کچھ برآمد نہیں ہوتا ۔۔۔ اسلحہ' منشیات' اغوا شدہ عورتیں اور بہت کچھ جو آپ کو [illegible] کر دینے کے لئے کافی ہوگا ۔۔۔ دادا جی! یہ سب کچھ ہم نے جان بوجھ کر کیا تاکہ اس [illegible] ہم آپ کی اور قبلہ پیر صاحب کی توجہ اس بڑے فراڈ کی جانب مبذول کروا سکیں ۔۔۔ اب [illegible] جو کچھ کہنا تھا' کہہ دیا۔ اب فیصلہ آپ اور قبلہ پیر صاحب کے ہاتھوں میں ہے ۔۔۔"

[illegible] جان نے پیر صاحب کی جانب دیکھا' پیر صاحب تاسف و ندامت کی تصویر بنے کھڑے [illegible] دادا جی نے ان سے پوچھا۔

"ہاں جی مولانا! اس گستاخ اور بے ہودہ لڑکے کو اس کے اس جرم کی کیا سزا دی جائے ۔۔۔؟"

پیر صاحب بڑی دبی دبی آواز میں بولے۔ "ناچیز کی رائے میں پہلے دریا پہ چل کر فوج کے ڈیرے کی خبر لی جائے پھر اس لڑکے کو بھی دیکھیں گے۔"

دادا جی اور پیر صاحب آگے آگے اور پورا میلہ پیچھے پیچھے۔ کسی کے ہاتھ میں ڈانگ کسی کے پاس سوٹا۔ کوئی بالکی بردار اور کوئی کلہاڑی۔ جو کسی کے ہاتھ لگا لے کر نعرے لگاتے ہوئے چل پڑے۔ کتوں کی ایک فوج ظفر موج آگے پیچھے دائیں بائیں بھونکتی ہوئی ساتھ تھی۔ کوئی گھنٹے بھر میں سارے وہاں پہ پہنچے تو ایک ان ہونی ان کی منتظر تھی۔ سارے کا سارا ڈیرہ اجڑا پڑا تھا۔ دادا جی نے تمام لوگوں کو ڈیرے سے باہر کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ دادا، دو چار معززین اور پیر صاحب کے ہمراہ ڈیرے میں داخل ہوئے تو بساط الٹی ہوئی تھی اور جیسے ابھی ابھی تازہ تازہ کوئی طوفان پھیر کر گیا ہو۔ پرانی تو خیر کپڑے سامان اناج کی بوریاں اور دیگر کھانے پینے کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ تازہ تازہ زیت کھدی تھی۔ لکڑی کی پیٹیاں اور شراب کی بوتلیں سگریٹ کے بکھرے ہوئے پیکٹ۔ ایک کونے سے کوئی نحیف سی آواز ابھری۔ وہ بیچاری شراب کی ایک ٹوٹی ہوئی بوتل سے شراب چاٹ رہی تھی۔ اتنے میں ایک آدمی ہانپتا ہوا آیا اور دادا جان سے کہا کہ ہم پکڑ لئے ہیں۔ عورتیں اور ایک بچہ بندھا ہوا ہے۔ ہم سب فوری طور پر ادھر گئے۔ دیکھا کہ دو جوان عورتیں اور ایک معصوم بچہ منہ پہ پٹیاں بندھی ہوئیں ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئی نیم بیہوشی کی حالت میں بندھے ہوئے تھے۔ دادا نے فوراً دو چار گھوڑوں والوں کو بدمعاشوں کی تلاش میں بھگایا۔ واپس پھر اجڑے ہوئے ڈیرے پہ پہنچے۔ ایک بکری دوہ رہے تھے۔ دودھ ابلنے کے بعد صاف سنہری نکل آئی۔ ایک دو آدمیوں نے خواجہ خضر کی کشتی کا کالا واقعی دو رہت پہ گھومنے والی بکری کا ٹکڑا نکالا۔ دادا کے حکم سے اردگرد کی جگہ کو کدالوں سے کھودا گیا۔ شراب اور چوری کا مختلف سامان برآمد ہوا۔ اتنے میں گھڑ سوار بھی واپس آ گئے اور اطلاع دی کہ وہ تو سارے اسی وقت بھاگ کر دریا پار کر گئے تھے جب آپ نے یہ بکری کو زنگر رہے تھے اور حضرت سلیمانؑ کے تخت کی بکری نکلوا رہے تھے۔

تین روز بعد عرس اور میلے کے اختتام پہ دادا نے گاؤں کے میراثی دادا اور اس کے ساتھ ہی آف میاں کو یہ دونوں مقدس بکریاں برآمد ہونے والا بہت سا سامان ایک جوڑی نقل اور کچھ نقد دے کر رخصت کیا۔ گاؤں کے چند نوجوانوں پہ مشتمل ایک میلہ اور عرس کمیٹی تشکیل دی جو ہر سال یہاں عرس اور میلے کے اہتمام کی ذمہ دار تھی۔ محبوب سائیں اور کستوری مائی کی مشترکہ قبر پہ کالے پتھر سے ایک بغیر چھت کے مزار کی تعمیر شروع کروا دی۔ قبر کے ساتھ خالی جگہ پہ چھوٹی سی مسجد اور دو کمرے بھی قبر

[illegible] کو تو [illegible] کرنے اور [illegible] کی [illegible] بھی منصوبے میں شامل تھی۔

- [illegible] ٹھوکے ڈھکے.....!

[illegible] کا ڈراپ سین ہوتے ہی میں وہاں سے یوں بھاگا تھا جیسے کوئی چوری وچاری کرتے [illegible] میں نے تو اپنے دوست سلیمان اور سرفراز کو بھی اپنے یوں نکلنے کی بھنک پڑنے [illegible] جانتا تھا کہ انہوں نے مجھے ابھی جانے نہیں دینا۔ لیکن جو کچھ مجھ سے اچھا اور زرد ہو چکا [illegible] کا تقاضا یہی تھا کہ میں جتنی جلدی ہو سکے فوراً یہاں سے غائب ہو جاؤں۔ [illegible] پیر صاحب کو [illegible] کہ میں نے نوٹی [illegible] اور گاؤں والوں کے سامنے [illegible] خوب بھد اڑ چکی تھی [illegible] خوانے مصلی میراثی اور ادنی ملازم اپنی تقریر بھی فراموش نہیں [illegible] حساب چکا دیتے ہیں ظاہر تھا کہ اب پیر صاحب اور خواجہ خضر [illegible] بکری والوں [illegible] کی نظر میں میں ان کا دشمن نمبر ایک ہو چکا تھا..... [illegible] کے سارے [illegible] اور فراڈ کو [illegible] اب [illegible] پہنچ چکے تھے۔ ایسے [illegible] میرا وہاں سے نکل لینا ہی بنتا تھا۔ آخر دس روز خوب شغل میلہ کر لیا تھا۔ مستوری محبوب [illegible] تو جیسے میرے بڑگوں میں بیٹھ گئے تھے۔ میں ان سے دور جا کر انہیں ذہن [illegible] چاہتا تھا لہٰذا دو [illegible] میں بیٹھ کر سمبڑیال چلا آیا۔ وہاں [illegible] اور ڈسکہ ہسپتال سامنے [illegible] کر اتر گیا۔ یہاں میری سوتیلی بڑی آپا رہتی تھی اور بہنوئی [illegible] آنکھوں کے ہسپتال میں ڈاکٹر تھے۔ ظاہر کہ ان کا یہاں اچھا اثر رسوخ تھا۔ کافی آسودگی [illegible] والا کشادہ سرکاری مکان۔ نوکر چاکر۔ [illegible] مرغیاں انڈے۔ طرح طرح کے پھل [illegible] تھے..... جو مریض یا دوست لاتے تھے۔ میرے لئے تو ڈسکہ ایک محفوظ ٹھکانا اور [illegible] تھا۔ آپا نے پہنچتے ہی میری کلاس لی کہ میں امی ابا سے پوچھ کر آیا ہوں یا حسب عادت [illegible] کر کے بھاگا ہوں۔ میں نے من و عن تمام واقعات اور اپنی کرتوتیں ان کے سامنے بیان کر [illegible] درخواست کی کہ سیالکوٹ کسی کو نہ بتایا جائے کہ میں یہاں ڈسکہ میں ہوں۔ آپا چونکہ مجھے [illegible] جانتی تھی اس لئے میرے حلفیہ بیان کلام سے ان کی تسلی نہ ہوئی صرف اتنا کہا۔ [illegible] ہدایت دے اور تیری حفاظت کرے۔ پتہ نہیں کیسے [illegible] چڑھا کے آیا ہوں گا۔ اب اگر یہاں کچھ

UrduPhoto.com

سے باہر نکلے تو ٹانگیں توڑ دوں گی ۔۔۔ دراصل میں نے بھی ہی خطا بیانی کر کے ان کے دل میں یہ
ڈال دیا تھا کہ چونکہ میں نے فرار کرنے والے گروہ کو طشت از بام کیا ہے اس لئے وہ غنڈے میرے پیچھے
لگے ہوئے ہیں۔ جبکہ میں سلیمان کے دادا سے جان چھپاتا پھر رہا تھا۔ علاقے کا چوہدری، آدھے گاؤں کی
زمینوں کا مالک، ستر برس کا زمانہ دیدہ چشیدہ بوڑھا، پرانا عربی فارسی خواں، دین و دنیا اور تصوف و تصرف
سمجھنے جاننے والا، اگر ڈیڑھ بالشت کے چھوکرے کو اپنا بابا بنانے اور اس کے قدموں میں اپنا سب کچھ لٹانے
پر مصر ہو تو خدا کی قسم کون روکے ۔۔۔ بھاگے گا نہیں تو اور کیا کرے گا ۔۔۔ لیکن وہ بات کہ "موسیٰ دریا موت
توں تے اگے کھڑی موت ۔۔۔"

دو ڈھائی روز تو میں بالکل باہر نہیں نکلا بلکہ آپا نے مجھے نکلنے ہی نہیں دیا۔ بڑا سخت پہرہ لگا دیا۔
اگر دروازہ ذرا کھٹکا تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔ میں بھی بڑی سعادت مندی سے سر جھکائے صحن میں دھریک کی چھاؤں
تلے چارپائی ڈالے کبھی کبھار رسالہ "نقاد" پڑھتا اور منے عمل کرتا رہتا۔ کھانا پینا اور نماز روزہ بھی وہیں
کہ ہسپتال کی مسجد تک جانے کی پابندی تھی ۔۔۔ تاہم اس عشق ممنوع ۔۔۔ موسموں اور رویوں پر
کوئی پابندی نہیں ہے۔ تیسرے دن ایک ہوتے کچھ منصوبے کے تحت کمرے والا نمبر پکڑ کر اور مریض
سے حساب کر کے آپا نے میں ہسپتال جانے کی اجازت دے دی۔ میں اجازت ملتے ہی
ہسپتال جا کر بھائی جان سے دارو والا لوں ۔۔۔ آپا نے انکار کرتے ہوئے کہا ۔۔۔ دارو گھر میں بھی موجود
ہے تم لیٹو میں ڈال دیتی ہوں ۔۔۔ ناچار لیٹ گیا ۔۔۔ آپا نے پہلے بورک سے پھر آنکھیں دھونا چاہیں تو
میں نے واویلا شروع کر دیا کہ تکلیف ہو رہی ہے ۔۔۔ پھر خود دینے لگیں ۔۔۔ اچھا تو اپنے بھائی جان سے
پاس ہی جاؤ اور دارو والا کر فوراً واپس آؤ ۔۔۔ بھائی جان کے پاس پہنچا۔ انہوں نے آنکھیں دیکھیں
پھر دارو دوائے کے لئے کہا ۔۔۔ دارو والا میں سیدھا واپس آ گیا ۔۔۔ آپا بڑی خوش ہوئیں اور چارپائی
پر لیٹ کر آرام کرنے کو کہا ۔۔۔ دو چار بار ایسی شرافت دکھا کر دراصل میں نے آپا کے اعتماد کو بحال کیا
تھا ۔۔۔ آنکھیں تو اسی روز ٹھیک ہو گئی تھیں ۔۔۔ بس ہم اب آزاد تھے ہسپتال کے باغ، کینٹین، مریضوں
کے وارڈ، مسجد اور باہر بازار تک آنا جانا لگ گیا ۔۔۔ ہسپتال کا سارا عملہ، باہر بازار والے دوکاندار
ہوں یا گاہک سب مجھے جانتے تھے کہ ہم ڈاکٹر خان صاحب کے سالے ہیں۔ دنیا ساری ایک طرف
جورو کا بھائی ایک طرف والی بات تھی ۔۔۔ ہسپتال میں جہاں جی چاہتا اندر جاتا پھرتا، کوئی روک ٹوک نہیں
تھی۔ اسی دوران سیالکوٹ گھر والوں اور چاچی کو بھی پتا چل گیا تھا کہ میں ڈسکہ پہنچ گیا ہوا ہوں۔ خطوں
سے پتا چلیں تھیں ۔۔۔ لمبی لمبی فرمائشیں اور مومنیں ۔۔۔ اسی بے فکری اور موجا موجی میں پندرہ بیس روز بیت

UrduPhoto.com

[illegible] روز میں مریضوں کے وارڈ کے برآمدے سے گزر رہا تھا تو اچانک کھلی کھڑکی سے میری [illegible] پر بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے شیر پہ پڑی۔ یہ بھی آنکھ والے مریضوں کا وارڈ تھا۔ [illegible] نے آنکھ میں ایک دو روز دارو ڈال کر آپریشن کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ ایک بیڈ پہ شکر گڑھ [illegible] شیر چت لیٹا ہوا ہے اس کی آنکھوں پہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پاس سرفراز سلیمان اور [illegible] صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ یا اللہ! جن سے جان بچا کر یہاں چھپا بیٹھا ہوں وہ یہاں بھی پہنچ [illegible] تو پاؤں کانپنے لگے۔ لہٰذا سر چھپا کر فوراً وہاں سے نکل آیا۔ دوسرے روز صبح ہی صبح [illegible] کے لئے بس پہ بیٹھ چکا تھا۔ گھر والوں نے میرے پہنچتے ہی مجھے آڑے ہاتھوں لیا کہ میں [illegible] موت کی بجائے ڈنکا کیوں چلا گیا تھا۔ میرے شکر گڑھ سے بھاگنے کے بعد دادا نے فوراً [illegible] اور سلیمان کو میری تلاش کرنے کے لئے بھیجا تھا اس طرح گھر والوں کو بھی فکر پڑ گئی تھی کہ میں [illegible] ہو گیا ہوں۔ سب کو خدشہ تھا کہ کہیں خوانخواہ والے بدمعاشوں نے مجھے اغوا نہ کر لیا [illegible] پوچھ کر گھر والوں سے جان چھڑائی تو پھر چاچی نے بھی کلاس لی۔ میری زبانی ساری [illegible] محفوظ ہوئی۔ ساتھ ہی مجھے [illegible] کا کام صاف [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] کی گرمی پھلاں دا گلوں سجری.....!

[illegible] کی گرمی کو ایک شرف یہ بھی حاصل ہے کہ اس کے تاریخی عظیم الشان ریلوے سٹیشن کے [illegible] طور پہ کلمہ طیبہ کی مقدس مرثیت ہے۔ اس عرشاں والے شہر کے اس کرماں والے ریلوے [illegible] میں وسط سے ایک آہنی پل گزرتا ہے جو زیادہ تر سٹیشن کی دوسرے جانب رہنے والوں کے [illegible] کے کام آتا ہے۔ پل پہ سے گزرتے ہوئے پورا ریلوے سٹیشن آپ کے پاؤں تلے ہوتا ہے۔ تمام [illegible] آنے جانے والی گاڑیاں اترتے چڑھتے ہوئے مسافر سرخ قمیضوں والے قلی ریڑھوں ٹھیلوں [illegible] ان عجیب سی افراتفری نفسا نفسی بھاگم بھاگ کا عالم ہوتا ہے اور اس پل سے گزرتے ہوئے [illegible] نظاروں سے بھی لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ انگریزوں کے وقتوں کا بنا ہوا یہ پرانا طرز حال [illegible] سخت جان مضبوط اور کسی گیت دار و رسن کی مانند اپنے آپ میں ڈوبا ہوا ہے۔ نیچے سے آگ [illegible] کی مار اور اوپر چوبیس گھنٹے ہو تم بیزار۔ یہاں کوئی لمحہ یا وقت ایسا نہیں ہوتا جب یہ پل کسی کے

وجہ یا کسی کے جوتوں تلے دبا ہوا نہ ہو۔ آنے جانے والے تو آتے اور گزر گئے مگر ان کا کیا کہنے جو یہ بھی اسی پل پہ ہوئے اور ان کے کفن دفن کا چندہ بھی اسی پل پہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ فقیر، ملنگ، لولے لنگڑے اپاہج، اندھے، مجذوب، ایم پاگل، دوکاندار، تعویذ گنڈے والے، پھانسنے اور پھنسنے والے، یعنی ہر قسم کے فنکار اور اسٹرا کار آپ کو اس پل پہ دھرے ملیں گے۔

ایک زمانہ تھا کہ میں اکثر اس پل پہ جا کھڑا ہوتا تھا۔ آتی جاتی گاڑیاں، مسافروں کا اژدھام، کاسے کاٹنے والے دیوہیکل انجنوں کے دھوئیں اور ان کی چھک چھک، بھک بھک میری دلچسپی کا باعث ہوتی۔ میں لوہے کی ریلنگ پہ ٹھوڑی ٹکائے پہروں محو نظارہ رہتا تھا۔ پھر جب جی بھر جاتا تو اپنی پنگا لینے والی عادت سے مجبور ہو کر پل کے کھمبوں کو سونگھنے لگ جاتا، اٹ پٹ حرکتیں کرتا۔ کبھی اس کو گھورتا، کبھی اس کی تاڑ لیتا، کسی چھبڑی والے سے فالودہ کھاتا، وہ بھر اندھوں کو کھوٹی چونی اٹھنی دے کر باقی ریزگاری بھکاری ہوئے کوڑھیوں اور جذامیوں کے مصنوعی زخموں کو کھرچتا، حوالاتیوں اور مجرموں سے اٹ پٹے سوال کر کے دل بہلاتا، فراڈیے ملنگوں کو دق کرتا، غرض ہر وہ اٹ پٹا کام کرتا جس کی کم سے کم اجرت گالیاں اور بددعائیں ہوتیں اور زیادہ سے زیادہ مزا مجھے اٹھا کر نیچے پٹریوں پہ پھینک دیا جاتا ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ میں بھلا کی بلا ہو کر نکل جاتا تھا۔ بچپنا تھا ہی لیکن شرارتیں کچھ زیادہ ہی کھل کھیل پہ اتری ہوئی تھیں۔ ہر وقت بانسوں پہ چڑھ کر اندھے دینے کی سوجھتی رہتی تھی۔ خاص کر جعلی اور فراڈی لوگوں کو تو میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ستاتا تھا۔ خیر ان خرابوں سے گزر کر میں کبھی کبھی پل کی دوسری جانب اتر جاتا۔ سامنے پتلے سے بازار سے گزرتا۔ کبھی اک عذاب سا کچے چمڑے کے گودوں سے اٹھتی ہوئی بدبو کے بھبکے میرے دماغ کو بھک سے اڑا دیتے اور میں سرکار گھوڑے شاہ کے دربار تک ناک منہ پہ ہاتھ رکھے ہوئے پہنچتا۔ ہر سڑک پہ ہی کھڑے کھڑے عرض کرتا اور وہاں سے تقریباً فراٹے بھرتا ایک بزرگ بابا رحمت سائیں کی دوکان پہ پہنچتا۔

● بابا رحمت سائیں اللہ میاں کی گائیں.....!

سائیں جی صوفی تھے، حکیم یا کوئی اللہ کے ولی یہ کبھی کسی کی سمجھ میں نہ آ سکا تھا۔ بظاہر ایک دیہات سے دکھائی پڑتے جو کسی مجبوری سے شہر آ گیا ہو۔ اکہرا بدن، اچکی سی داڑھی، شانوں پہ لٹکتے بے ترتیب سے گاڑھے کا کام کرتے بچے گچھوں سے اوپر کالی چادر کا تہبند، پاؤں میں کھلے ہوئے چمڑے کا دیسی جوتا۔

[illegible] کے ہی جیسے حال میں مسکراتے ہوئے نظر آتے۔ وہ صرف جلیبیاں بناتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے [illegible] کڑاہی پاس پڑی مٹی کی ناند میں گلابی رنگ گھلا ہوا میدہ تھی اور ایک برتن میں شکر کا [illegible] وہ غنڈہ میں کیا کچھ پڑھتے رہتے تھے شاید یہی وجہ تھی کہ وہ بہت کم کسی سے بات چیت [illegible] وہ کوئی مریض یا مریضہ کچھ بھی کہہ لیں کے آنے پہ اس کا مرض جانتے جاتے یا کچھ بات [illegible] کے بعد ہی تشخیص کے مطابق پہلے چند لمحے آنکھیں بند کرتے زیر لب کچھ پڑھتے۔ کچھ کی [illegible] کا مفہوم ڈالتے دبا کر میدے کی دھار کو رواں کرتے کہ گلابی گلابی خستہ جلیبی کی اشکل کا [illegible] مریض یا حاجت مند کو کھانے کو دیتے یہ جلیبی کے پتے پہ گرم گرم رکھ کر تھما دیتے اور ساتھ ہی [illegible] شاہ کے نعرے سائیں مل جائیں انہیں یہ جلیبی کھلا دو تھوڑی بہت یا ساری جلیبی جتنی بھی [illegible] کھا لو۔ اگر دوبارہ کل پھر یہاں سے اور لے جانا [illegible] آنے جانے والے زیادہ [illegible] تک دیہات کے لوگ ہی ہوتے۔ دعا کے بیماریوں والے آتے اچھا [illegible] مست عقیدت مند [illegible] آتے جاتے تھے اور میرے جیسے فقرے بھی جو محض ملنے کی میٹھی میٹھی جلیبی کھانے کے لالچ [illegible] ایک لمبا چکر لگاتے۔ [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] ایک دن ان کا [illegible]

[illegible] تم نے بھی امرتی کھائی ہے؟"

[illegible] ہاں ... کیوں کھلانا چاہتے ہو.....؟" میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

کھلا سکتا ہوں مگر اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے کہ میں کھلاتا ہوں یا کوئی اور ...؟"

بات صاف کرو امرتی کی بات کی ہے تو بات کو الجھاؤ مت ... صاف صاف بتاؤ کہیں یہ [illegible] کسی حلوائی کی دوکان پہ [illegible] کی فاتحہ ہے یا کوئی مال وال ہاتھ لگا ہے ...؟" میں نے بے وقت تین نشانوں کی زد میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے لئے کوئی بات نہیں ... میرے علم میں بھی یہ بات تھوڑا عرصہ پہلے آئی ہے کہ [illegible] شاہ کے پاس کوئی صوفی یا سائیں صاحب ہیں جو ہر روز ظہر سے عصر تک بڑی خستہ گرم گرم [illegible] مفت تقسیم کرتے ہیں۔ لطف اور مزید لطف یہ کہ امرتی بڑی دلکش مصور خطاطی کا نمونہ بھی ہوتی [illegible]

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"اچھا ... یار یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ آج تو وقت نہیں مگر کل دل ادھر کا ضرور پھیرا لگائیں گے۔"

وہ قدرے غصے سے لہجے میں بولا۔ ”ایک بات تو میں بتانا بھول ہی گیا۔۔۔ امرتی اور کھٹے والے کے منہ کے درمیان ایک سا کیس نوٹ حاصل ہوتا ہے۔“

میں نے اس کی گردن ناپتے ہوئے کہا۔ ”الو کی دم! ایسی آرٹسٹک لذیذ اور میٹھی خبر میں پتہ کہاں گھس آیا؟۔۔۔ اور امرتی کے ساتھ مکھی چھوٹنے کی بات تو فٹتی ہے نوٹ کی نہیں۔“

وہ گردن چھڑاتے ہوئے مسکرایا۔ ”ایک تو تم پوری بات سننے سے پہلے ہی اپنا فیصلہ سنا دیتے ہو بندۂ خدا! پہلے پوری بات تو سن لو۔۔۔؟“

● گھوڑے شاہ کا نوٹ، مجذوبوں کا نظر بٹو۔۔۔!

میری بڑی بہن کے شوہر ایک مدت سے فالج کے مرض میں مبتلا تھے۔ ہر طرح کا علاج، تجربہ، آزمایا کسی طور افاقہ نہ ہوا بلکہ روز بروز مرض میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔ جہاں کسی نے امید دلائی بلا سوچے سمجھے منہ اٹھائے ادھر چل دیتے۔ بالآخر ایک ساتھی سے بھی اسی ضمن میں ملاقات ہوئی۔ [illegible] ہمشیرہ نے مشورہ دیا کہ بابا جی سے ملنے میں کیا حرج ہے شاید ان کے لئے بابا صاحب کے ہاتھ میں ہی ہو۔۔۔ تیسرے روز جمعرات کے دن ہم مریض کو تانگے میں لٹا کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ گلی کی نکڑ پر چھوٹی سی دکان کے اندر دو کرسیاں دھری تھی جنہیں یا امرتیاں تھی رہے تھے۔ آٹھ دس مرد و زن نیچے باہر بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ باری باری آگے بڑھ کر وہ اپنا حال کہتے بابا جی بڑی میٹھی مسکراہٹ اور تسلی سے ان کی بات سنتے۔ پھر کپڑے کی رومال میں بڑے حساب و کتاب سے تھوڑا سا میدہ ڈالتے اور تڑ تڑاتے ہوئے گھی میں وہ رومال کو ہاتھ کی مٹھی میں دبا کر خدا جانے کیا لکھتے کہ جھٹ امرتی کی خوبصورت سے لکھے ہوئے تعویذ کی صورت ابھر آتی۔ یوں سمجھو کہ جیسے کوئی ذمہ دار بڑا افسر فائلوں پر بڑی مشاقی سے دستخط کرتا چلا جاتا ہے بالکل ایسے ہی وہ مریض کے مرض کے لئے امرتی تیار کرتے۔ دو چار پیسے اگر کوئی وہاں از خود ڈال گیا تو انکار نہ کرتے لیکن کسی سے کچھ طلب کرنے کا وہاں کوئی چلن نہ تھا۔۔۔ باری ہماری بھی آئی۔ مریض تو چل نہیں سکتا تھا۔ بابا جی کمال محبت سے اٹھ کر مریض کے پاس تانگے تک آئے۔ السلام علیکم کہا اور وہی میٹھی سی مسکراہٹ سے مریض سے حال پوچھا۔ مریض تو منہ بولنے کا یارا نہ تھا۔ آدھ مرنے کی سکت، حسرت اور آنسو بھری فالج کے اثر سے پھیلی ہوئی

[illegible] کھوں سے اپنے مقیم سے مسیحا کو تک رہا تھا۔ بابا جی نے سر سے پاؤں تک اس کے بے حس وحرکت
[illegible] کو دیکھا اور اس دکان پر آئے اور ایک مخصوص سی جیبی تیار کی جیسے خاص کتوں کا بڑا سا کٹ ہو
[illegible] میں "خوانشانی" لکھا ہوا تھا۔ پان جیسے پتے پر وہ جیبی رکھ کر میرے بہنوئی سے بولے کہ آپ
[illegible] سے یہ گھوڑے شاہ چلے جائیں۔ وہیں باہر یا قبرستان میں کہیں "گھوڑے شاہ کے نوٹ" جیسے
[illegible] یہ جیبی انہیں دے دیں۔ اگر وہ جیبی لے کر کھا جائیں اور مریض کو نہ دیں تو کل پھر یہاں
[illegible] آنے کا اور اگر وہ مریض کو کھلا دیں تو پھر یہاں میرے پاس آنے کی تکلیف نہ کریں بلکہ
[illegible] صحت یاب ہونے تک گھوڑے شاہ کے نوٹ کے پاس ہی جایا کریں۔ ہم چلنے لگے تو مزید فرمایا
[illegible] گھوڑے شاہ کے نوٹ تلاش کرنے کے باوجود وہاں نہ ملیں تو وہاں کسی سے بھی پوچھ لیں کہ گھوڑے شاہ
[illegible] ہیں گے۔ وہ کبھی کبھی ریلوے سٹیشن یا ریلوے کراسنگ یا پھر کسی جانب بھی نکل جاتے ہیں
[illegible] یہاں رہے کہ یہ جیبی گھوڑے شاہ کے نوٹ کے علاوہ اور کسی کو نہیں دینی لیکن [illegible] دینی ہو تو کیا کرنا
[illegible] جناب! اب ہم جیبی سر پر رکھے پیدا ہوئے مریض کو تھامے حضرت گھوڑے شاہ کے نوٹ کی تلاش
[illegible] ہوئے [illegible] کے کھوا
[illegible] دربار کے باہر ٹرک [illegible] کے گھوڑے بیچنے والے دو کاندار ایک خانہ بدوش عورت
[illegible] کھلا کھلا کے گھوڑے فروخت کر رہا ہے۔ اب سمجھ میں آیا کہ یہ صاحب جو لوگ گھوڑے
[illegible] کہتے ہیں۔ اب [illegible] گھوڑے شاہ کے نوٹ کی بات بھی سمجھ آ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ گھوڑے شاہ
[illegible] پیچھے اُن کا نوٹ ہی ہوگا یا گھوڑے شاہ [illegible] اپنے [illegible] ہوں گے جیسے استاد بزرگ پیار
[illegible] شاگرد کو کہہ دیتے ہیں "اوئے کھوتیا!" جبکہ وہ بیچارہ انسان کا بچہ ہوتا ہے لیکن پیار ہی پیار اور
[illegible] سب کچھ روا ہوتا ہے۔ دربار شریف کے قریب ہی ایک گلی میں ہم نے اپنے گھوڑے تانگے کو
[illegible] کھڑا کیا اور بہنوئی صاحب مریض کے پاس ٹھہر گئے اور میں اکیلا گھوڑے شاہ کے نوٹ کی تلاش میں
[illegible] جناب بڑھ آیا۔ دربار کے باہر ایک معقول سا مالک وکمائی پڑا۔ میں نے بڑے ادب سے گھوڑے
[illegible] کے بارے میں دریافت کیا تو وہ مجھے ایسی نظروں سے گھورنے لگا جیسے میں نے اس کی بیوی
[illegible] پوچھ لیا ہو کہ وہ مجھے کہاں ملے گی؟ ایک آدھ منٹ جب اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ مسلسل
[illegible] والی نظروں سے مجھے گھورتا ہی رہا تو میں نے وہاں سے کھسکنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ ذرا
[illegible] اور بزرگ دکھائی پڑے۔ اب میں ذرا محتاط تھا کہ کہیں پوچھنے میں کوئی گستاخی سرزد نہ ہو گئی ہو۔
"السلام علیکم۔ حضور! یہاں کوئی بزرگ حضرت گھوڑے شاہ کے نوٹ ..."

UrduPhoto.com

کاور جیسی مرتی ہوئی آنکھوں سے ان بزرگوں نے مجھے جو دیکھا تو میری جیسے جان نکل گئی۔ انہوں نے مجھے کوئی جواب ضرور دیا جس کی کوئی توکیلی سی کرچی میری سماعت سے ٹکرائی ضرور تھی مگر میں جب تک ان کی حواس سے باہر نکل چکا تھا۔ الٰہی! اب کیا کروں کس سے پوچھوں؟ بار بار دھیان بٹر پتے پہ پڑی ہوئی امرتی کی جانب نکل جاتا جو تانگے کی اگلی سیٹ پہ رومال سے ڈھانپ کر رکھی ہوئی تھی۔ اسے گھوڑے شاہ کے لئے کے روبرو پیش کرنا ضروری تھا۔ سامنے تانگے کا کرایہ بھی سر پہ اور لی بھیجے کی طرح بھاری ہو رہا تھا۔ خیر میں اسی شش و پنج میں آگے بڑھا۔ اب یہاں سے قبرستان شروع ہو گیا تھا۔ اماں کے ایک بھاری سے بھاری سے بچے ڈھولے اور چھنکوں والے دھمال کا سماں باندھے ہوئے تھے۔ اچھا خاصا مجمع لگا ہوا تھا۔ ڈھول کی تھاپ اور دھمال کی تال دونوں ہم آہنگ ہو چکی تھی۔ یہ حال وجود میں آتا ہے جو صاحب حال کا ہو رہا ہو۔ ہے یہ کیفیت وجدان کے ساتھ جوڑ کی ہے۔ یہاں صاحب حال صرف ایک تھا مگر یہ کیسا حال تھا کہ دیکھنے والے سر کا پھکلا گردن کے بل ڈھلکنے لگے۔ پھر گھنگھرو چھنکنے کی ضرورت کے تو رہے بلکہ صرف دائیں ہاتھ انگلیوں پہ ڈھول کی تھاپ کا انگلی تو نہ تھا۔ کمر پر کھنوں کے درمیان ایک مکمل چیکٹ سی آ گئی ہوئی چوڑی کرسیوں میں لپٹے ہوئے خیمے آنے کی طرح [illegible] ہوئی چھاتیاں آنکھیں بازو ہاتھ پیر ڈول اور بے اٹھنے لگے ہوئے موٹے موٹے ہونٹ اندھی مندھی کی آنکھیں اجلی پیشانی چھدرا چہرے کے ہوئے بال۔ ذرا ہٹے کر اگر قدرے آنکھیں میچ کر دیکھا جائے تو یوں لگے جیسے کسی بلند بزی سنگ تراش نے کسی غار کے کسی بہت بڑے کھردرے ایک ناکمل بے ہنگم بے توازن مجسمہ گھڑ کر میدان میں گاڑ دیا ہو۔ دائرے کی صورت میں کھڑے ہوئے لوگ بھی جیسے صرف اسی راستے راہ راضی کرنے کے لئے ہی موجود ہوں۔ نگاہ اسی پہ جمی ہوئی تھی۔ ڈھولیوں کو نذرانے دینے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ ڈھولیں دھیان ہوتا ہے اور ڈھول سراپا گیان۔ جتنے دھیان سے گیان بٹے گا اتنا ہی گہرا گھاؤ لگے گا۔ اللہ جانے سوئی کہاں پہ اٹکی ہوئی تھی۔ لوگ جیسے کسی خاص کیفیت یا کسی انوکھے رنگ سنگ کے منتظر ہوں۔ آہنگ کا ترنگ تلوار کی کاٹ بنا ہوا تھا مگر کیا کیجئے "رنگ تیرے سنگ" والی کرہ نہیں کھل رہی تھی۔ تماشائی ہاتھ کے اشاروں اور داد و ادا سے ڈھولیوں کی لوچ دار لوؤں میں تبدیل کرنے کی جستجو کر رہے تھے۔ ڈھول کے چہرے اور کرسیوں ڈھولیوں کے بازوؤں کی مچھلیوں اور ہاتھوں کی پوروں انگلیوں کی پوریں جیسے دم بخت ہو کر دھواں چھوڑنے لگی تھیں۔ پیسے کے نوٹوں کی آبشاریں چھوٹی ہوئی تھیں کہ یہاں کا پورا عالم ہی اس اکیلے بالم کو آمادہ ہو رہا تھا کہ

[illegible] میں بھی اس تماشا گر ضرب وزدہ کا ایک حصہ ہی گویا ہو گیا۔ شاید سے کی کوئی کرو بھی تھی یا
[illegible] تھی ہاتھ تک سے ٹوٹی تھی۔ حلقے کے بیچ برگدی مانند [illegible] مجذوب کی حلق کے غار سے
[illegible] باطل سی ڈھرش چیخ کے ساتھ پھڑپھڑاتی ہوئی نکلی۔ آسمان کی جانب کھلا ہوا منہ دوسرے
[illegible] جھکا تھوڑی تک سینے تک گئی۔ آہ نکل جائے تو سیتان آرزو نکل جائے تو ہل اور آہ نکل
[illegible] ہو جاتے ہیں [illegible] کافی دیر تک یہ آنگ وحال کا مدار چلتا رہا۔ اب آیا بھیجا بھر
[illegible] محدود سے بظاہر ہونے سے پانچ دس باقی بچے۔ مجذوب وہیں پہ ہی نیم دراز سے پڑ گئے۔ کچھ
[illegible] پتوں پہ جلیبیاں جانے قریب آ گئے۔ کہیں مجھے معلوم ہوا کہ میں تو گھوڑے شاہ کے ٹوٹے
[illegible] ہوں۔ میں جھٹ واپس پلٹا جلیبی اور مریض دونوں کو لا کر ٹوٹ سائیں کے حضور پیش کر دیا۔
[illegible] زمین پہ ڈھیر سے پڑے ہوئے بلند آہنگ خراٹے [illegible] تھے۔ اب انہیں دیکھنے
[illegible] میں بھی شامل تھا۔ انہیں بازو دبا رہے تھے۔ دبانا بھی کیا آٹا گوندھ رہے تھے۔
[illegible] پاؤں پہ گوشت ہی گوشت جاپانی سومو پہلوانوں کی طرح نرم نرم گدھے
[illegible] ہاتھوں میں تھامی جلیبیاں [illegible] اور [illegible] سے لتھڑے ہوئے تھیں۔ ہر
[illegible] بھی چلائیں [illegible]
[illegible] آ گئی۔ ٹوٹ سائیں نے کسی معصوم بچے کی مانند موتیے کی ڈوڈی سی گول گول آنکھیں
[illegible] اور اٹھنے کا جتن کرنے لگے۔ زمین میں کشش ثقل [illegible] ہو پھر بھی [illegible] کو ان کے وزن کے
[illegible] اٹھانے کے لئے زمین سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان انسانوں کے بس کی بات تو
[illegible] وہ محض گوشت و پوست یا من چار من کی صورت میں محض وزن ہی نہیں تھے بلکہ وہ تو وہ کچھ بھی
[illegible] اور اک گرفت وہ تو باطل و عقدے کہیں [illegible] ہوتا ہے انہیں تو شاید کہیں اور سے اٹھایا بٹھایا
[illegible] دوسرے جلیبی برداروں کے ساتھ میں بھی آگے بڑھ کر پیش ہو گیا۔ جلیبیاں سامنے بندے سامنے
[illegible] اور "آمنے سامنے" تھے۔ اتفاق یا میری شامت کہ پہلے میری جانب ہی رجوع فرمایا۔ جلیبی
[illegible] ہاتھوں پہ اور مریض میرے دائیں جانب بڑھتے ہوئے مرغے کی مانند اینٹھا ہوا پڑا تھا۔ ٹوٹ سائیں
[illegible] کی مانند جھپٹ کر میرے ہاتھ سے جلیبی اچکی مٹھی میں دبا کر مریض کے چہرے پہ نچوڑی۔
[illegible] شیرے کی چند بوندیں مریض کے ہونٹوں ناک ماتھے پہ چپکنے کی مانند چپکنے لگیں۔ بچی ہوئی
[illegible] زبان نکال کر چاٹی پھر منہ بناتے ہوئے ہاتھ مریض کے بدن پہ جھاڑ دیے۔ ہم واپس چلے آئے۔
[illegible] مریض نے کئی مہینوں کے بعد پہلی مرتبہ اپنے ہونٹوں اور آنکھوں کو ہلانے کی کامیاب کوشش

UrduPhoto.com

کی اور پھر آنے والے چند ہفتوں میں وہ اپنے پاؤں پہ چلنے لگا تھا۔

اپنے فقیر دوست کی اس ساری کہانی میں میری دلچسپی صرف بابا رحمت سائیں اور ان کی ملت امرتی تھی۔ وہی تھی سے تیار کردہ گرما گرم سخت امرتیاں جن پہ ہوئی خرمندی سے اٹھائے خرچ کیے جاتے ہیں۔ بابا رحمت کا تو سائیں سے کیسا رشتہ ہے۔ جلیبیاں یہ تیار کرتا ہے شفا تو سائیں کے دینے سے ملتی ہے۔ دونوں بے غرض اور بغیر کچھ مانگے طلب کے دکھی انسانیت کی خدمت میں گم ...!

● کتے میٹھوں اُتے ...!

دوسرے دن میں اکیلا ہی بابا رحمت کی دوکان کے سامنے ایک تھڑے پہ براجمان تھا کیونکہ دوکان ابھی بند تھی اور ایک بہت سا موٹا سا کالے رنگ کا کتا باہر بیٹھا تھا۔ وہ کبھی کبھی زبان نکالے مجھے تک رہا تھا اور میں بھی کبھی کبھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کتے کا وہاں بیٹھنا بھی کچھ عجیب سا لگا خوانچوں، قلفیوں، دودھ دہی کی دوکانوں کے آس پاس کتے بلے منڈلاتے ہی رہتے ہیں۔ دوکان بند ہو بھی وہاں کی اچھے کرنے کے اوپر پائے پھیلا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اپنے لئے بڑے بازاری رذیل قسم کے ہوتے ہیں ذرا سی آہٹ یا کنکری لگنے سے چوں چوں کرتے دم سمیٹے ادھر ادھر بھاگ جاتے ہیں۔ میرا کتوں کتوں سے بڑا پرانا پیار اور رابطہ رہا ہے۔ یار دوست بھی ایسے کہ ہر ایک چار کتے کتورے سنبھالے پالے ہوئے ہے پالی پلوسی کا فیض مفت کی عزت کا احساس۔ کتوں کے ساتھ جیسے ہم بھی سب کتے بنے ہوئے تھے۔ جو خود کھا رہے ہیں انہیں بھی کھلا رہے ہیں۔ نہلا رہے ہیں نہلا رہی ہے۔ کیندھی سے انہیں ورزش کروا رہے ہیں۔ اگلی ٹانگیں پکڑ کر انہیں پچھلی ٹانگوں پہ چلنے کی ٹریننگ دے رہے ہیں۔ جپ لگانا آنکھوں پہ پٹی باندھ کر اپنے مالک کو تلاش کرنا۔ کیا کچھ نہ ہوتا جو ہم نہ کرتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ کتا ایک بہترین وفادار ساتھی بننے کی خداداد اہلیت رکھتا ہے۔ اسے دوست دشمن کو جاننے پہچاننے اور سمجھنے کی خداداد صلاحیتوں سے بہرہ مند کیا جن سے عمومی طور پر دیگر مخلوق کو محروم رکھا۔ یہ وہ کچھ بھی دیکھ لیتا ہے جو عام انسان نہیں دیکھ پاتا۔ اس کے اندر کا مخفی سسٹم اتنا حساس ہے درست اور معتبر ہے کہ آنے جانے والا ہر حادثہ حشر نشر ہر بلا اور آفت دور سے محسوس کر لیتا ہے بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ جنات بدروحیں بھوت پریت حشرات الارض ناری مخلوق سب کچھ اسے دکھائی دیتا ہے۔ اکثر اندھی راتوں کو یہ جو گلے پھاڑتے اور خوامخواہ ادھر ادھر بھاگتا دکھائی دیتا ہے یہ سب کچھ

[illegible] نہیں ہوتا۔ یہ آسمان سے اترتی اور فرش سے اٹھتی ہوئی بلاؤں' مصیبتوں اور شرارت سے اپنی [illegible] اور اپنے مالک کو خبردار کرنے کی حفاظت کرتا ہے۔ لوگ بھوک کو ان بلیات کو بھگانا [illegible] سمجھتے ہیں کہ یہ کتے کا پیٹ پاگل ہو گیا ہے۔ قاتلوں' کارواؤں کے آگے پیچھے دائیں بائیں۔ [illegible] درندوں کی گھاتیں' بھیتوں' بازوں' اخبروں کی گھاتیں' اندھیری' سنسان ٹھٹھرتی ہوئی [illegible] آپ کے اسباب' اموال اور جان کی خبرداری یعنی انسان کی بے بسی کے بعد اس کا بس ہوتا ہے۔

[illegible] وہ مجھے گھورے جا رہا تھا اور میں اسے جیسے پچھلے کسی جنم کی کوئی شناسائی جنم لے رہی ہو۔ وہ [illegible] عام بازاری قسم کا کتا نہیں تھا اور میں بھی شاید اس کے لئے کوئی معمولی سا کتا نہیں تھا جو [illegible] کر محض پیٹ کی بھوک کا وقت گزارنے کے لئے کسی تھڑے پر پریشان سا بیٹھا ہو۔ آپ [illegible] کہ کتا بھی ریچھ اور بندر بالکل انسانوں کی طرح آنکھوں کی زبان میں آپ سے بات [illegible] کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اپنے حلق کا ذریعہ ہم سے مختلف ہونے کی بنا پر وہ اپنا پیغام یا مدعا [illegible] سے عاجز ہوتے ہیں۔ تب وہ دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں اپنی مخصوص قوتوں کو بروئے کار [illegible] اپنی آنکھوں سے ہمیں پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاص طور پر کتا ہماری آنکھوں [illegible] اپنا پیغام [illegible] اور پھر وہ آپ [illegible] کے حساب سے پیش آتا ہے۔ یعنی وہ اپنے ذہنی لیول کے مطابق اپنی مخصوص حسوں اور [illegible] سے کام لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں جو کام انسان اور پیغمبر نہیں کر سکتے وہ کتے [illegible] ..... وہ مجھے گھورتے گھورتے شاید بوریت محسوس کرنے لگا تھا۔ چوری باچھوں کے سیدھی [illegible] سے لعاب کی موٹی دھار لٹکی رہی کبھی اور سپید نوکدار دانتوں کے درمیان لمبی [illegible] لٹکی ہوئی زبان جو ہر چند منٹ بعد منہ کے اندر چلی جاتی اور پھر لعاب سے تر ہو کر واپس باہر [illegible] تھی۔ اب میں نے ذرا اسے لگانا چاہا۔ آنکھیں تو ایک دوسرے پر لگی ہوئی تھیں میں نے ایک [illegible] پیغام چھوڑا کہ دوست! اپنے سائیں سے کب آئیں گے؟ میں تو آج ان کے درشن کرنے اور تازہ [illegible] لینے پہنچنے آیا تھا۔ ایک بار پھر اس کی زبان اندر چلی گئی۔ "ہف ہف" کرتا ہوا وہ اٹھا۔ [illegible] چند لمحے مجھے گھورا۔ سر اٹھاتی ہوئی انگڑائی توڑی اور پھر پھرتی سے دائیں جانب کی پتلی سی گلی [illegible] یعنی اس نے میرا پیغام وصول کر لیا تھا۔ سچ ہے کہ درویشوں کے درکے کالے کتے بادشاہوں [illegible] کے سفید ہاتھیوں سے لاکھ درجہ قیمتی اور عزت والے ہوتے ہیں۔ ایک چلا گیا دوسرا [illegible] تھڑے پر بیٹھا تھا۔ انتظار بھی کیا چیز ہے۔ اس میں بڑی عجیب سی لذت اور بڑی غریب سی

UrduPhoto.com

کیفیت ہوتی ہے۔ کسی کی دید کا انتظار ہو امید ہو یا کوئی توقع ہو انتظار کی کیفیت بڑی شدید ہوتی ہے۔ میں یہاں انتظار کی جس کیفیت سے دوچار تھا وہ امرتی کی تھی یا کسی چھوٹی کی۔ میں ابھی اس کیفیت کو کچھ سمجھ نہیں پایا تھا کہ اس بغلی پتلی گلی سے وہی "نابغۂ روزگار" کالا شاہ کالا کتا زبان لٹکائے ہانپتا بھاگتا چلا آ رہا ہے۔ وہ آتے ہی اپنے پچھلے پیروں پہ میرے سامنے بیٹھ گیا اور جیسے اپنی زبان میں مجھے بتانے لگا کہ بابا رحمت سائیں کو اطلاع کر دی ہے بس وہ اب آیا ہی چاہتے ہیں۔ ابھی کتے سے "گفت گو" ہو ہی رہی تھی کہ ایک ایک دو دو کر کے کچھ اور لوگ بھی آ جمع ہوئے۔ ان کی شکل حلیے سے ہی پتا چلتا تھا کہ بیچارے غرض مند دیوانے ہیں۔ کتا بھی جیسے ہر ایک آنے والے کو چیک کر رہا تھا۔ ایک ایک کو سونگھ کر زبان اندر اور باہر آ جا رہی تھی۔ اسے پھر اک دم جیسے دورہ پڑا وہ دوبارہ اسی پتلی گلی میں کہیں غائب ہو گیا۔ میں اب اپنی جگہ سے اٹھ کر دور اپنے کھلے کمرے میں بیٹھ گیا تھا یہاں سے مجھے وہ پتلی گلی دور تک دکھائی دے رہی تھی۔ میری چھوڑی ہوئی جگہ پہ دو تین مریض آ کر بیٹھ گئے تھے۔ چند اپنی باری کے لئے اور گزر گئے ہوں گے میں مسلسل ادھر گلی کے آخری دکھائی دینے والے حصے تک نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اچانک مجھے اسی گلی میں کالے لمبے کرتے اور لنگی سے اوپر تہبند میں تہہ بند لپیٹے دھان پان سے بابا رحمت سائیں دکھائی دیے۔ وہ اپنی دھن میں راہ میں پڑے ہوئے اخباری ردی ٹکڑوں کو اٹھاتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ سر پہ سیاہ رنگ کی بے ڈھنگی سی پگڑی جس کا لمبا سا پلو آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ یہ بابا رحمت سائیں ہی ہو سکتے ہیں میں سوچ میں پڑ گیا اور اگر یہ نہیں ہیں تو پھر جو بھی ہیں مگر ایک عام انسان نہیں ہیں میرے اندر بیٹھے کتے نے ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا تھا۔ میں پاس ہی کھڑے ایک ریڑھے کی اوٹ میں دبک گیا شاید میں انہیں دیکھ کر ڈر سا گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اک جاں فزا جھونکے کی مانند میرے سامنے سے گزر کر دوکان کی جانب بڑھ گئے اک جیسی سی نظر سے اپنے منتظر مریضوں یا مریدوں کی جانب دیکھتے ہوئے دوکان کھولی اور اپنے معمول کے کاموں میں لگ گئے۔ اسی دوران ایک سات آٹھ برس کا بچہ بھی دوکان پہ آ گیا اور ان کا ہاتھ بٹانے لگا تھا۔ اگلے آدھ گھنٹے میں وہ امرتیاں چوڑ کر رہے تھے۔ میں ریڑھے کے پیچھے کی آڑ سے ان کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا وہ چوبی چوکی پہ بیٹھے امرتیاں بناتے ہوئے مجھے یوں لگے جیسے وہ امرتیاں نہیں تقدیریں بنا رہے ہوں۔ جیسے وہ انسانوں سے ہٹ کر کوئی اور ماورائی قسم کی مخلوق ہوں اور ان کا کام اللہ کی مخلوق کو آسانیاں دینا اور ان کی خدمت کرنا ہو۔ منتظر لوگ اب اپنی اپنی آمد کے حساب سے ایک قطار بنا کر پاس کے تھڑے پہ بیٹھ گئے تھے۔ بابا رحمت سائیں نے امرتیوں کی بسم اللہ خالص گھی

[illegible] امرتی سے کی تھی۔ اُن کے پتلے پتلے سُرخ ہونٹوں پہ کوئی دعا تھی جاری تھی۔ موسم اور سامنے [illegible] چہرے کی تمازت سے اُن کا چہرہ ایک شمع کی مانند روشن تھا۔ میں ذرا دور سامنے بیٹھا وہ نظارہ [illegible] تھا۔ اُن کے پاکیزہ چہرے کی تمازت میں ایسا منظر [illegible] کہ گردوپیش کا کچھ ہوش ہی نہ رہا۔ پھر [illegible] کی متوجہ کر رہا تھا۔ میں اپنے آپ میں واپس آیا تو سامنے وہی دوکان والا چھوٹا لڑکا ہاتھ میں [illegible] کے پتے پہ بڑی سی گرم گرم امرتی رکھے میرے سامنے کھڑا تھا۔

- امرتی "بازیچہ اطفال کی روپ متی .....!

"السلام علیکم ..... بابا جی نے امرتی دی ہے کھائیں"

"امرتی" لڑکا اور بابا جی!" زیرِ لب بڑبڑاتے ہوئے میں نے حیرانگی سے باری باری [illegible] اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا لڑکا وہ دونا میرے ہاتھ میں تھما کر واپس دوکان پہ [illegible] تھا۔ [illegible] ہوئی [illegible] ہاتھ پہ پڑی کی۔ پڑھا ہوا نظر آیا غور سے دیکھا تو امرتی پہ "یا حی" لکھا ہوا تھا [illegible] لڑکے کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے کہ بابا جی نے امرتی دی ہے کھائیں۔ میں [illegible] رحمت سائیں کی جانب دیکھا وہ کسی ضرورت مند یا شاید کسی بیمار کی بپتا سن رہے تھے۔ [illegible] امرتی کو بڑے غور سے دیکھا اسے بالکل ویسے چھوٹے چھوٹے دانوں کے تھے "یا حی" ایسی [illegible] خوبصورتی سے بنا ہوا تھا کہ ایمان تازہ ہو گیا۔ سوچا ایسی نادر خطاطی والی اور ایسے نیک [illegible] بزرگ کے ہاتھوں تیار کردہ بابرکت امرتی کو بھوکے پیٹ میں اتارنا بدذوقی ہی نہیں توہین [illegible] ہے۔ پھر خیال آیا کہ حکم ہوا ہے اسے کھا لیا جائے۔ بسم اللہ پڑھ کر کنارہ توڑ کر منہ میں رکھ لیا [illegible] کیا لطف و حلاوت تھی جیسے رگ و جان میں فرحت بخش تازگی قوت اور انجانی سی روحانیت بجلی [illegible] سرایت کر گئی ہو۔ امرتی کا دوسرا کنارہ بھی توڑ کھایا۔ تیسرا اور چوتھا کنارہ بھی جب حلق میں سے [illegible] تو اب ہاتھ میں "یا حی" ہی رہ گیا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے کسی ماہر تراش نے کسی نایاب سے [illegible] سے اسم الٰہی تراشا ہو۔ میں گم صم سا نظریں جمائے دیکھ رہا تھا دیکھتا ہی چلا گیا۔ میری محویت [illegible] اسی پُراسرار سے لڑکے نے توڑی جو ایک اور امرتی اٹھائے میرے سر پہ کھڑا تھا

"السلام علیکم ..... یہ ایک اور امرتی بابا جی نے بھیجی ہے۔ کہتے ہیں گرم گرم کھاتے جائیں

اور جو یہ بھی کہا ہے کہ امرتی اور قلاقند میں اگر کرم ہوتی ختم ہو جائے تو دونوں میں پھر مزہ نہیں رہتا

ایک نہ شد دو شد والی بات درپیش تھی۔ قدرے تحقیق پر ایک اور کرم کرم "پاکی" "پارشید" بھی آ گئی اور ساتھ یہ علم بھی کہ کرم کرم کھاتے جاؤ مگر یہاں تو ابھی پہلی بھی ادھوری ہوئی تھی۔ ہمت کر کے میں نے "پاکی" والی امرتی بیچ سے نکالی اور دو قسطوں میں اسے کھا گیا۔ یوں لگا کہ جہاں کی نعمتیں میرے اندر اتر گئی ہوں۔ دوسری امرتی ابھی آدھی ہی کھائی تھی کہ "پارتیم" والی تیسری بھی آ گئی اس پیغام کے ساتھ کہ بہت اچھے ہو۔ شاباش کھاتے جاؤ۔ آدھی "پارشید" اور پوری "پاکی" اٹھانے میں جو بھاگا مزا آیا نہیں دیکھا۔ سیدھا مزار گھوڑے شاہ کے دربار پہنچ کر سانس لیا۔ بھاگم بھاگ میں امرتیاں سبز پتوں کے دونے میں پیک سی کی تھیں اور انگلیاں بھی کارتے کارتے گلابی شیرے سے لتھڑی ہوئی تھیں۔ سوچا کہ پہلے یہ امرتیاں کھا لوں پھر شیرے سے بھرے ہوئے ہاتھ دھوؤں گا۔ دربار کے اندر اصلی کے ٹھنگے گھوڑوں والی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پہلے تو انگلیوں سے لپٹا ہوا شیرہ زبان سے چاٹا پھر پتوں کے دونے کو جھولی میں رکھ کر مزے مزے سے امرتیاں کھانے لگا۔ کھا کر پانی پی کر پھر ہاتھ دھونے کے لئے [illegible] کہ غیر ارادی طور پر درباری دیوار سے ٹیک لگا کر پاؤں پسارے تو نیم دراز سا ہو گیا۔ ظہر کی نماز میں ابھی کافی وقت تھا۔ جمائی اور نیند نے انگڑائی توڑ کر دل خواہ مخواہ اٹھا کہ یہاں کی بجائے پاس مسجد میں جا لیٹ کر کمر سیدھی کر لوں اور پھر نماز ادا کر کے واپسی کی راہ پکڑوں گا۔ ویسے بھی امرتیاں کھا کر پیٹ کی چولیں ہلی جا رہا تھا کہ کہیں [illegible] سے ٹیکنوں تباہی ہو اور جو [illegible] پر ذرا دھیان دوں [illegible] کی بات تو یہ ہے کہ میں [illegible] دیسی گھی میں تلی ہوئی گرم گرم مٹھائی کی امرتیوں کے لالچ میں آیا تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اندر سے میری یہ خواہش تھی کہ میں ان دونوں بزرگ ہستیوں کی زیارت کروں۔ میرے جیسے فقیر دوست نے مجھے جو کچھ بھی ان دونوں ہستیوں کے بارے میں بتایا تھا وہ سب کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور قریب ہو کر محسوس کرنا چاہتا تھا۔ بابا رحمت سائیں کی زیارت اور امرتیوں والی تواضع و خلوص سے تو میں کامیاب ہو چکا تھا اب گھوڑے شاہ سرکار کے نورانی سائیں کی زیارت باقی تھی۔ انہی کے بارے میں سوچتے میں مسجد کے دروازے کے پاس ہی ذرا کمر سیدھی کرنے کی غرض سے نیم دراز سا ہو گیا۔ پھر اللہ جانے میں کب نماز کی ٹھوکر سے اٹھا یا موذن کی اذان نے مجھے بیدار کر دیا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی میں خالی [illegible] ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کچھ نمازی سنتیں پڑھنے میں مصروف تھے۔ سستی اور جماہی میں کچھ اور وقت گزرا۔ آخر ایک جھرجھری لے کر انگڑائی توڑ کر اٹھا۔ طہارت اور وضو سے فارغ ہو کر سنتیں ادا کرنے کی غرض سے

UrduPhoto.com

[illegible] مخلوق کے ختم ہوتے ہوتے جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ آخری تیسری صف میں ایک بچہ اور ایک [illegible] کھڑے تھے میں بھی جلدی سے "اللہ اکبر" کہہ کر ساتھ کھڑا ہو گیا۔ یہ عجیب سی نماز تھی۔ کچھ یاد [illegible] ہوش۔ کہاں قیام رکوع اور سجود کیا پڑھنا اور کیا کرنا ہے کچھ بھی تو یاد نہیں تھا۔ جیسے میں پہلی بار [illegible] کھڑا ہوں۔ عجیب سی حالت ۔۔۔ میں نے اپنے آپ کو ساتھ والے نمازی پہ چھوڑ دیا۔ وہ جو کچھ [illegible] میں اس کی نقل کر رہا تھا ۔۔۔ نماز ختم ہوئی سلام پھیرا تو دائیں جانب بابا رحمت سائیں اور وہی دوکان [illegible] تھا۔ پھر بائیں جانب سلام پھیرا تو ادھر تو پوری صف ہی خالی تھی۔ آخری سرے پہ کوئی عجیب الخلقت [illegible] انسان سجدے میں پڑا یوں سویا ہوا تھا۔ دائیں جانب بابا رحمت سائیں کو دیکھنے سے جو جھٹکا لگا تھا [illegible] بائیں جانب دیکھنے سے اس کا اثر جیسے مدھم سا پڑ گیا تھا۔ بھلا کوہستان کے پہاڑ سا لحیم شحیم بچے مٹر پٹی کے [illegible] سا تھیلا۔ کٹا ہوا سر عجیب سا تھک دھڑ تک سا انسان! ۔۔۔ مجھے جانے اور دیکھنے میں یہاں بھی کوئی [illegible] کہ یہ مجذوب بابا رحمت سائیں جو نے شاہ کے نوکر ہیں جو نو سائیں بھی کہلاتے تھے۔ امام صاحب تسبیح کے [illegible] فرما رہے تھے اور میں بے خبر سا نو بادشاہ کو دیکھ رہا تھا جو بے سدھ سی حالت سجدہ میں پڑے [illegible] تھے۔ تسبیح [illegible] کان میں شیریں سی آواز کا [illegible]

"اسلام علیکم" ۔۔۔ بابا رحمت سائیں جو نے مخاطب تھے۔ اللہ نے بڑی اچھی چیزیاں کھائے اور [illegible] تھے آپ کے تو تم نے پیٹ بھر کر چیزیں امرتیاں کھائیں اور نہ ہی مجھے ملے اور ادھر بھاگ [illegible] وہ مجھے امرتیوں کا لالچ دیتے ہوئے بولے۔ "لو کھا تمہارے لئے اور امرتیاں لایا ہوں۔ [illegible] کھا ۔۔۔ اور میں بس تمہارے پاس بیٹھا ہوں تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔"

وہ ذرا کھسک کر میرے سامنے ہو گئے ۔۔۔ اللہ کا بندہ جب نماز میں حضوری کی نعمت حاصل ہو [illegible] سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے چہرے پہ اللہ کی تجلی و تجلی کا ایک خاص نور جھلملاتا ہے۔ اس کا [illegible] شفاف، مسکراہٹ ایسی ملکوتی اور لہجہ ایسا پاکیزہ اور پر اثر ہوتا ہے کہ مخاطب وفور نیاز و تسلیم سے [illegible] جاتا ہے اور وہ اس نورانی سرمدی سا ظہور اپنے وجدان پہ محسوس کرتا ہے ایسی ہی کچھ کیفیت میری [illegible] تھی۔ میں بڑے عجز انداز سے ان کے دمکتے ہوئے نورانی روشن کی تنویر اور لہجے کی پاکیزگی کی تاثیر [illegible] سے اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔ یقین مجھے حکیم الامت کے اس شعر کا صحیح مفہوم سمجھ میں آیا [illegible] جس نے ایک مسلمان کے حسن اخلاق کی اساس کی نشاندہی فرمائی ۔

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا

UrduPhoto.com

میں نے اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے عرض کی۔

"بابا جی! کیا میرے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ میں امرتیاں کھانے سے پہلے لفظ سائیں کی خدمت میں بھی پیش کرتا.....؟"

بابا جی نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "اللہ کے ولی! یہ شرط صرف پیاروں کے لئے ہے پیاروں کے پیاروں کے لئے نہیں....."

"بابا جی! اجازت دیں تو ایک اور بات پوچھوں.....؟" میں نے ڈرتے ڈرتے دوسرا سوال داغ دیا۔

"بسم اللہ....." بابا جی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے فرمایا۔

"بابا جی! آپ نے ایک امرتی پہ "یا کریم" دوسری پہ "یا رحیم" اور تیسری پہ "یا رحیم" رقم فرمایا اور حکم دیا تھا کہ میں فوراً کھاؤں۔ اب آپ میرے لئے مزید امرتیاں لے آئے ہیں۔ مجھ ایسے نالائق کے لئے....."

[illegible] ایک کمرا میرے سامنے رکھتے ہوئے اسی نام سے بھرے میں فرمایا۔

"اللہ کے ولی! چھوڑو ان باتوں کو۔ یہی ختم ختم امرتیاں کھاؤ۔ جب تم یہاں آئے امرتیاں کھانے اور مجھے دیکھنے کے لئے ہو تو پھر پیٹ بھر کر کھاؤ اور جی بھر کر مجھے دیکھو۔ اور ہاں آئندہ خود کو نکما اور نالائق مت کہنا تم تو اللہ کے ولی ہو....."

"بابا جی....." میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "آپ بار بار مجھے اللہ کا ولی کہتے ہیں۔ میں آپ کے قدموں کی خاک اور بہت ہی....."

"اللہ کے ولی! اللہ کا مطلب اللہ کا بندہ اور دوست بھی ہوتا ہے۔ ویسے یہ تکیہ کلام ہے۔ میں تو محمد یحییٰ کو بھی اللہ کا ولی کہتا ہوں۔" وہ پاس بیٹھے ہوئے بچے کو چھوتے ہوئے بولے۔

"جی..... اس کا نام بھی محمد یحییٰ ہے؟" یکایک میرے منہ سے نکلا۔

"اللہ کے ولی! ایک تم ہی تو نہیں اور بھی بہت سے محمد یحییٰ ہیں..... چلو سب سے پہلے بات کا بھی جواب لو جو تم نے پوچھی تھی کہ امرتیوں پہ یا کریم، یا رشید اور یا رحیم کیوں ہوا تھا۔ یہ اسماء "محمد یحییٰ خان" کے اعداد سے ترتیب پاتے ہیں جو جسمانی، روحانی عوارض میں اسم شفا ہیں..... اللہ نے کچھ سمجھ میں آیا؟ میں تو ہر طلب کرنے والے کو اس کے نام کے اعداد کے مطابق اسماء الٰہی کا امرتی

[illegible] ہوں اللہ کے فضل سے یہی اسم اس کا اسم اعظم بن جاتا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہ امرتی اور [illegible] کرنا پھر سائیں نور سرکار کو امرتی پیش کرنا اس سوچنے سے اس کی رحمت اور فضل [illegible] بن جاتا ہے اور مریض اللہ کے کرم سے صحت یاب ہو جاتا ہے۔"

[illegible] سن کر میری قوت ماری گئی کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا ہمت کر کے پوچھنے کی جرأت کر بیٹھا۔ [illegible] میں نے امتیں نہ کبھی آپ کے سامنے آیا نہ ہی کبھی ملا پھر آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا اور [illegible] ریاستے کی اوٹ میں تھا آپ نے یہ سب کچھ کیسے جانا کہ کوئی محمد یحییٰ خان آپ سے [illegible] آیا ہوا ہے اور آپ کو ملنا بھی چاہتا ہے ؟"

[illegible] کے ولی! تم کس الجھن میں پڑ گئے ہو ایسی باتوں پر غور اور سرگرمی کرنا محض وقت ضائع [illegible] بات ہے۔ ہمیں کوئی کام کی بات کرنی چاہئے جس سے اللہ کی مخلوق کی بھلائی اور بہتری نوع [illegible] کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ ویسے جو باتیں تم نے پوچھی ہیں [illegible] تو میرا [illegible] بھی جانتا

UrduPhoto.com

[illegible] کیا تھا۔

[illegible] اللہ کے ولی! یہ ظاہری باتیں ہیں بالکل ظاہر کی باتیں [illegible] کے ماتھے پر رقم ہوتا ہے۔ دل و دماغ کی کیفیات اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہیں اس [illegible] دماغ اس کے سراپا سے بھی ہویدا ہوتے ہیں۔ بھوک پیاس حرص و ہوس طمع لالچ [illegible] مکاری بہادری بزدلی اس کا حسب اس کی نسل اخلاق ظرف مقام وزن سب کچھ اس [illegible] سے پسینے کی طرح نکلتے چھلکتے اور چھوٹتے رہتے ہیں بس دیکھنے سمجھنے اور محسوس کرنے کے [illegible] دل و دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ غالب [illegible] پردے اوٹ اور وقت کے آگے پیچھے [illegible] صرف مالک ازل و ابد حکمت و حق ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ جب چاہے جتنا چاہے اور جتنے [illegible] بے شک وہ علم و قدرت کی نعمت اور بہترین رزق عطا کرنے والا ہے۔"

سبحان اللہ ! میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "سائیں جی! میں بے علم اور کچا ہوں [illegible] کوئی اوٹ پٹانگ غلط سلط بات نکل گئی ہو تو مجھے معاف کر دیجئے گا میں تو [illegible]"

وہ پھر میری بات پکڑتے ہوئے فرمانے لگے۔ "اللہ کے ولی! تم یہ کیوں سوچتے ہو؟ تم نے [illegible] بات نہیں کی اور نہ ہی تم بے علم اور کچے ہو۔ تم تو راہ حق و معرفت کے مقصود سے طالب علم ہو [illegible] تمہاری ذات کا طالب ہوں۔ میرے لئے دعا کرو کہ اللہ کریم مجھ گنہگار عاجز کو نور ہدایت سے

فرمایا ۔ ”پھر وہ خود سائیں کی جانب دیکھتے ہوئے بولے ۔“ ..... اور میرے بابا جی مجھ سے راضی ہیں ۔“

یہ کہتے ہوئے وہ ہچکیاں لیتے ہوئے رونے لگے ۔ انہوں نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا ۔ میری بھی عجیب سی کیفیت ..... ایک بزرگ جو خود سلوک و معرفت کے بحر کے پرانے شناور ہوں ۔ جیسے شرابی کا باقی آوارہ مفلس کا ہاتھ تھامے بچوں کی مانند بلک بلک کر رو رہے ہیں اور وہ جنہیں اور خوش رہنا چاہتے ہیں جن کی نظر کائنات کے متقی اور منتظر ہیں یعنی خود سائیں ! وہ ایک ٹوٹے ہوئے پیڑ کی صورت کی بے حس سے بے حس پڑے بے خبر سے سوئے ہوئے تھے ۔ کوئی حرکت نہ تھی ۔ قبر پر قبر قبل قبل جسم جیسے کوئی وہیل سمندر کے کنارے پڑی ہو ۔ مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں ۔ یا ایسی ماں کے بزرگ کو دیکھا ہے کہ وہ روتے ہوئے بچے کو بہلا پھسلا کر چپ کرواتے ہیں ۔ کی بزرگ کو بچوں کی مانند بلک بلک کر روتے ہوئے پہلی مرتبہ دیکھا ہوا ایک بچے کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے اس سے دعا کی التجا کر رہا ہے ۔ جس کے پاس روزانہ سینکڑوں حاجت مند آتے ہیں ہوں ۔ اللہ کا ولی [illegible] جس نے اپنے قدموں پر [illegible] ان بچوں کے پاس ہی پیدا ہوتا ہے ۔ بچے رہتے ہیں اور روتے رہتے ہیں اور اس سے اپنی جان نہ چھوٹے تو پھر خاموشی سے اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دیتے ہیں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ بچہ اپنا سر ساتھی کے لئے رکھتا ہے اور ولی اپنا سر انکار کر کے رکھتا ہے ۔ سائیں کی [illegible] پاؤں پر رکھا پاؤں پر انگلیوں سے چیونٹی سی چلانے لگے ۔ سر کے تلوے پاؤں کے انگوٹھے تک ایک کافوری لہر سی دوڑ گئی ۔ اللہ کے ولی کی انگلیوں اور انگلیوں کی پوروں میں ایک عجیب سی مہکار ہوتی ہے ۔ آنکھیں خود بخود بند ہو رہی تھیں ۔ اپنے میں لہو کی جگہ جیسے کافوری دھواں دوڑنے لگا تھا ۔ کہاں کا ہوش ۔ کدھر کی عقل ۔ عذاب و ثواب اور اندیشہ ہائے سود و زیاں سب کچھ جیسے گڈمڈ سا ہو کر رہ گیا تھا ۔ میں ہوتے نہ ہوتے کی درمیانی حالت میں بہت چاہا تھا کہ جیسے میرا وجود میرے جسم کے خول سے نکل کر ان لطیف سے سالموں کی شکل میں تبدیل ہو کر کائنات کی تنہائیوں میں آہستہ آہستہ تحلیل ہو رہا ہے ۔ ہر چند کہ اس کیفیت کی کوئی صحیح سے تشریح تو توضیح نہیں کی جا سکتی تھی اور نہ ہی ہونی ممکن تھی ۔ خود تحریر و تصویر میں نہ آ سکتی تھی لیکن اس کے باوجود میرے اندر کوئی دریچہ کوئی آنکھ ایسی ضرور کھلی تھی جو مجھے اس عالم استغراق میں بھی قدرے ہوش و شعور کا ادراک بخشتے ہوئے

UrduPhoto.com

[illegible] محسوس کر رہا تھا کہ عالم بالا سے آہستہ آہستہ نیچے آ رہا ہوں بادلوں کے نرم نرم گالوں سے گزرتا [illegible] رحمت سائیں کے گداز زانوؤں پر آ گرا ہوں جہاں سکون اور روحانی طمانیت کا ایک جان فزا [illegible] تھا جو اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوا۔ جب جسم و جان سکون پکڑ لیں۔ فہم و ادراک احساس و [illegible] کی مانند ہم سے جا ملیں تو وجدان عالم وجد میں گنگنانے لگتا ہے۔ بندہ چاروں طبقات [illegible] رہتا ہے جیسے تو سائیں پاسے ہوئے تھے۔ آنکھ کھلی تو صبح کا وقت لگ چکا تھا۔ بابا رحمت [illegible] مسکراتے ہوئے پوچھنے لگے اور فرمایا۔

"بیٹا! خوب سکون لے لیا۔ اب اٹھو عبادت و ذکر سے فارغ ہو لو۔ جماعت کھڑی ہونے والی [illegible]

[illegible] واحد میری نگاہ [illegible] سائیں کی جانب اٹھی تو وہ اسی طرح [illegible] پاسے ہوئے تھے جیسے [illegible] اچانک میرے منہ سے نکل گیا۔

"سائیں جی! آپ سائیں نماز نہیں پڑھتے؟"

[illegible] ان کے [illegible]

"بیٹا! تم صرف اپنی نماز کی طرف دھیان رکھو۔ ہماری نماز پہ دھیان رکھنا تمہارا کام نہیں۔"

- ابی! یہ کس نگر کے دھیک ہوتے ہیں.....!

نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب سائیں کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ بابا رحمت سائیں نے بڑے [illegible] سے سلام کیا اور پہلے پاؤں دابنے لگے اور کوئی [illegible] نہ ہوئی۔ علم اسلام کی برکت جیسے [illegible] ہوا ہے اور اندر جان [illegible] موجود نہ ہو۔ میرے دل میں بھی آیا کہ میں بھی پاؤں دابوں مگر [illegible] کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی [illegible] سوچ رہا تھا کہ یہ بابا جی ایک بھاری سا پاؤں میرے ننھے پیروں [illegible] جیسے کسی نے پوری دھرتی کا بوجھ میری ٹانگ پہ ڈال دیا ہو۔ میں نے کسی کی صورت [illegible] کر بابا رحمت [illegible] جانب دیکھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے سائیں کا پاؤں دابنے کا حکم دیا۔ پاؤں [illegible] پاؤں ایسا [illegible] تھے جیسے [illegible] ہوئے ہوں۔ [illegible] سے بھرے ہوئے [illegible] جیسے کئی برسوں سے نہائے دھوئے کا تکلف نہ کیا ہو۔ [illegible]

میں ایک عجیب سا منظر دیکھا ہوا۔ پاؤں سے نظر ہٹائی تو بابا رحمت سائیں کی جانب دیکھا تو وہ دوسرا منظر تھا
سے جدا ہوا پاؤں اپنی گود میں رکھے ہوئے بڑے خشوع کے ساتھ نرم پوروں سے داب رہے تھے
چہرے پر انتہائی طمانیت اور انبساط کے نشانات ہیں آج یہ خدمت کی نعمت ہاتھ آئی۔ آنکھوں سے
گرتے ہوئے آنسوؤں سے جیسے وہ ان کے پاؤں اجلا رہے ہوں میں اس دید تماشے میں گم
رہا تھا کہ مالک اپنی بستی کے دستیک ہیں یہ کیسے سلسلے اور منزلیں ہیں؟ تیرے ان پراسرار بندوں سے
قول و فعل کی یہ حالتیں کم از کم ہماری سمجھ عقل سے بالا ہیں۔ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ہوتا نہیں اور جو
ہے وہ نہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ نظر میں جو ظاہر نماز پڑھتا ہے وہ پاؤں داب رہا ہے اور جو بظاہر غافل
ہوتا ہے اور نماز پڑھتا نظر نہیں آتا وہ پاؤں بھی دبا رہا ہے۔ یہ کیسا تماشا عقیدت اور یقین ہے

جانے والے کو محروم دو عالم رکھا
سونے والے سے کہا جا ساری خدائی تیری

بابا رحمت سائیں جس انہماک عقیدت اور سرشاری سے انشوں کے نذرانوں کے ساتھ نوازتے
کے پاؤں [illegible] پاؤں پر میں جھکا
میں بھی اپنی سعادت اور اوقات سے [illegible] جو بابا رحمت سائیں کر رہے تھے۔ وہ اندر باہر سے
دھلے ہوئے تھے۔ ان کے ہاں تمنا کی اجلی اور سرشاری تھی جس سے میں خالی اور اندر باہر سے خشک تھا
زردی زرد زیف کی کیف اور میرے ہاں کدورت اور بے کیفی [illegible] پاؤں تھے
میل کی تہیں جلد جو شاید [illegible] پاؤں اور جو جھڑنے کی حد تک ہو گئی تھی۔ ٹوٹے ہوئے پتے
میلے ناخن ناکارہ کی مانند سخت تھا [illegible] بات یہ تھی کہ میری طبیعت متاثر ہوئی تھی بے دلی سے لگا
کہ ماحول ہی کچھ ایسا بن گیا تھا اور پھر بابا رحمت سائیں نے بھی تو پاؤں دابنے کا اشارہ کیا تھا۔ یہ
اس طرح سے کسی چیز کو کرنے میں کچھ میرا قصور نہ تھا میری طبع ہی ایسی تھی کہ پل میں پارا اور اگلے
لمحے تارا۔ مزاج میں تلون دو دھاری تلوار کی طرح دھرا ہوا تھا۔ جان سے عزیز دوست کو دشمن بنا لیتے
صرف اور صرف دو وقت درکار ہوتے تھے اور پھر ایسی ہی کیفیت دکھنت اس آج کے بھی در آئی تھی
بابا رحمت سائیں نے بھی چپ کی سادھی تھی۔ میں رخصتی کا ارادہ باندھنے کی سوچنے لگا کہ کہیں ذرا سا موقع
ملے تو میں رفو چکر ہو جاؤں۔ اس وقت تو نہیں لیکن بعد میں آگے جا کر یہ احوال بات اور باریک نکتہ سمجھ میں
آیا کہ اس قسم کی روحانی کیفیات میں جب طالب مادیت اور ظاہریت کے حصار سے نکل کر روحانی
کیفیت واقعات سے متاثر ہونے لگتا ہے تو شیطان اسے بیزاری کی کیفیت میں دھکیلنے کی کوشش میں

[illegible] کر دیتا ہے۔ میرے ساتھ تو یہ ناکامی رہتا ہے شاید آپ بھی کبھی اس کیفیت سے گزرے
[illegible] کی حالت نماز میں کچھ لطف اور حضوری کی خوشبو آنے لگتی ہے تو فوراً ہی کسی فاسد خیال وصال کی
[illegible] جاتی ہے۔ یہی باتیں، گزرے واقعات، بھولی بسری صورتیں، ناکام عشق، لیلیٰ دیتا ذہن سے
[illegible] شعر۔ شیطان اس وقت دماغ کی سکرین پر ایسے ایسے "ٹوٹے" چلاتا ہے کہ ٹاری کی تجوید کا
[illegible] مارتا رہ جاتا ہے۔ قرآن الحکیم کی تلاوت "تسبیح" اذکار، نوافل یا کوئی روحانی مجلس جو
[illegible] ہو آپ کے لئے ہر لمحہ ثواب اور خیر و خوبی کا موجب بن سکتا ہو اللہ کی خوشنودی یا
[illegible] تک وفیض سے کچھ حاصل ہوتا ہو وہاں پر ابلیس رجیم ضرور اپنی شیطانی کارروائی ڈال کر آپ
[illegible] کی بھرپور کوشش کرے گا۔ اگر دیکھے کہ مقابلہ دشوار ہے تو پھر اپنا ترپ کا پتا پھینکتا ہے
[illegible] کے ایسے ایسے [illegible] کرنے والے کے رونگٹے کھڑے
[illegible] اور وہ بیچارہ تلملا کر رہ جاتا ہے۔ اور راستے سے ہٹانے کے لئے پاس کی رنگ دھنک
[illegible] آزماتا ہے۔ کبھی دہشت ڈالتا ہے تو کبھی وحشت آزماتا ہے کبھی سستی پیدا
[illegible] کبھی نیند کا غلبہ وارد کر دیتا ہے۔ غرضیکہ وہ روز نت نئے اس کے آزمودہ حربے ہیں۔ مجھے بھی
[illegible] شیطان [illegible] کے پاؤں
[illegible] لباس سے اٹھنے والی بدبو سے طبیعت میں تعفن سا پیدا ہو گیا اور دل میں یہ خیال جاگزیں
[illegible] ان کا پاؤں چھوڑ کر فوراً یہاں سے بھاگ لوں [illegible] اچانک میرے ہاتھوں کے نیچے جلی کی
[illegible] ہوئی [illegible] ہاتھوں کی رفعت [illegible] کر رہا بابا رحمت سائیں کی تو
[illegible] جیسے قابو آئی ہوئی مچھلی [illegible] مچلتی ہوئی واپس دریا میں اتر جاتی ہے اور کنارے پر
[illegible] اپنی ناکامی کے احساس سے اپنے خالی ہاتھوں کو محض دیکھتا رہ جاتا ہے۔ میں بھی اپنے
[illegible] ان کے پاؤں کو دیکھتا رہ گیا [illegible] ہاتھ پھسلی ہوئی مچھلی کے تعاقب میں
[illegible] بابا رحمت سائیں نے ہلکی پیاری معصومانہ سی مسکراہٹ اور چہرے کی خفیف سی جنبش سے مجھے روک دیا
[illegible] میں اتر چکی تھی۔ اسی کشمکش نے مجھے اپنی حماقت اور بدنصیبی کا شدید احساس ہوا [illegible] اب یہ ہو سکتا
[illegible] کی حدود سے وقت ہاتھوں کی رفعت سے مچھلی [illegible] ہے اور منہ سے بات نکل جائے تو اس کی
[illegible] نہیں ہوتی۔ تب [illegible] بتاتے ہوئے میں نے انتہائی بے چارگی سے بابا جی کی جانب دیکھا
[illegible] نظریں ملتے ہی انہوں نے اپنی آنکھوں کو جھکا دیا۔ میرا تو جیسے کلیجہ کٹ کر رہ گیا۔
[illegible] میں نے بابا رحمت سائیں سے عرض کی۔

UrduPhoto.com

"سرکار! میرے لئے کیا حکم ہے؟"

پھر کافی دیر تک میں ان کے جواب کا منتظر رہا لیکن وہاں اک خاموشی تھی ہر اک کے ہونٹ میں [illegible] خود پہ فخر میں بھیگتا ہوا وہاں سے اٹھ آیا۔

● وہ کاغذی کشتی وہ بارش کا پانی ...!

یہ میرے لڑکپن کے غم و خوشی کا زمانہ تھا۔

میں اپنے بچپنوں میں پاؤں پھیلانے والی بری عادت خواہ مخواہ اپنا لینے والی بدعت [illegible] خوبیوں اور فاق العقل [illegible] تھا۔ اسلامیہ [illegible] کی انتظامیہ نے ہمیں [illegible] "عزت" سے فارغ التحصیل کر دیا [illegible] سکول اس [illegible] سے بچ گئے [illegible]۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر علم دین صاحب کے خیال کے مطابق [illegible] شیطانی [illegible] مولوی جن کے [illegible] "رومانی" [illegible] کا خطاب دیا ہوا تھا [illegible] سکول میں [illegible] مشہور تھے [illegible] علم دین صاحب [illegible] کے علم کے مطابق فحش و عریاں کی بیدرسگاہیں ہم ایسی [illegible] "دانش شیطانی" [illegible] کے لئے چند مولوی [illegible] انہوں نے ہمیں اپنی اصل علم [illegible] سے محروم [illegible] خلق نوش تھے [illegible] اک کٹی پتنگ کی مانند ڈانواں ڈول بھٹک رہے تھے۔

دراصل یہی درس گاہ [illegible] "جوان کالا" تھی جس کے عین سامنے [illegible] درختوں [illegible] میں [illegible] ہمارے [illegible] اس سے ذرا آگے [illegible] سے ذرا ہی پرے بازار حسن تھا۔ ایسے "علم و عرفان اور عاقبت پرور" ماحول سے [illegible] سماجی اور جذباتی [illegible] سکول کے قرب و جوار سے [illegible] کے دکانداروں [illegible] والوں سے کوئی پھڈا [illegible] دنیا کا پرانا طریقہ ہے کہ [illegible] والوں کی [illegible] بدخواہوں بدخلقوں کے [illegible] نکل آتے ہیں اور آپ کو یہ بھی پتا ہوگا کہ

[illegible] سے نوکری اور دل سے نکالے جانے والوں کے نامۂ اعمال میں وہ کچھ بھی لکھ دیا جاتا ہے جس کا [illegible] کو بھی نہیں ہوتا۔ فرد سکینڈل لینے دینے کے حساب کتاب پر اپنے بل اگلے شکوے [illegible] میں کیے گئے کوئی ناجائز دیوی چیز وغیرہ وغیرہ۔

[illegible] ساتھ بھی یہی کچھ ہوا کوئی دفتر حکایات کھولے آ رہا ہے تو کوئی شکوہ کے ابواب [illegible] اور کچھ دیوں کے سوا تین روپے بقایا تار رہا ہے اور کوئی ساڑھے سات روپے نقد واپس [illegible] ہے۔ کوئی ایک بے ایمان مکار جھوٹے اپنی کتابوں کی شکایت لے کر گھر پہنچے کہ ہم نے [illegible] نہیں لوٹائیں انہیں [illegible] یقین تھا کہ وہ کتابیں ہم نے بیچ کر کھا پی لی [illegible] (جھوٹے کہیں کے!) سکول کی جانب سے امام دین چپڑاسی کئی بار گھر بھیجا جا چکا تھا [illegible] چارٹ [illegible] ہم [illegible] کے پاس گئے تھے کہ وہ [illegible] تو مرحوم حسین چیلنجر کہتا ہے کہ میں الٹا اس سے دو روپے اس مد میں وصول کر چکا ہوں کہ میں [illegible] کا کام لے کر دوں گا۔ امام دین چپڑاسی پچھلا حساب یعنی سکول کی [illegible] کی [illegible] وزن [illegible] کو ہم اپنے بچپن کی ورکشاپ میں [illegible] کہ [illegible] برتی [illegible] نیا [illegible] [illegible] اور [illegible] کا [illegible] چلا رہا [illegible] کی چٹھیوں کے فوراً بعد کا تھا۔ سکول والوں کو پکا یقین تھا کہ ہم وہ [illegible] کھو کی [illegible] بازار کی کھوکھوں کے ہاں [illegible] کے بجائے فروخت کر کے کھا پی چکے ہیں۔ اسی قسم کے [illegible] ایک دو مرغیوں کی [illegible] کے [illegible] کک [illegible] صاحب کا نام لے کر [illegible] آیا تھا۔ رحیم [illegible] والے [illegible] آنے کی [illegible] اور [illegible] والوں کی شکایتیں۔

[illegible] کہ ہم نے سوہا بیچنے والی آٹھ نمبر کی [illegible] سے دادی ماں کے صندوق کا [illegible] کھولا [illegible] کے بھرے ہوئے کفن کے اندر تہہ در تہہ لپٹے ہوئے بیس روپے کے کرنسی نوٹ سرقہ کر [illegible] کے طور پر [illegible] کفن کے اندر رکھے ہوئے تھے۔ اس [illegible] اشتعال آمیز باتیں [illegible] جو چڑھا تو اگلی صبح چاچی کی اجازت سے اندر جانے والی باؤلڑی پہ چڑھ گیا۔ جس باپ [illegible] "چرخ آتا ہوا" جس شخص کے لوگ [illegible] کو اپنا [illegible] چھوٹی چھوٹی باتوں [illegible] پائیں۔ مرغیوں کو انسانوں پہ فوقیت دینا مذاق میں [illegible] کے [illegible] پہ [illegible] بات کہ گھر والے اپنے لخت جگر کی بجائے باہر بازار والوں کی [illegible] باتوں پہ کان دھرنے لگیں [illegible] شروع کر دیں تو ایسے گھر ایسے بے قدر شخص اور اس کے

UrduPhoto.com

بے مروت باتوں سے تو اکو درجہ بہتر ہے کہ بندہ دن بات لے لے۔

● لاہور شریف، نہیں جس کا کوئی حریف ... !

یہ اخبار ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سیالکوٹ سے لاہور کے نواحی سٹیشن بادامی باغ تک سفر کرنے والے زیادہ تر یہیں اترتے ہیں۔ تک جھرنی لی ہے اور وہ ہم سے کسی رہنمائی آ گئے اور "لک چھپ جا مکئی دا دانہ" کھیلتے ہوئے پہنچے تھے۔ بادامی باغ سے پیدل آتے ہوئے سیدھے داتا سرکار رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں پہنچے فاتحہ اور نظر دانستہ کے بعد دم کر سیدھی کی حضرت کا روضہ تھا پیچھے صحن میں قوال بیٹھے تھے۔ تھکے ہوئے تھے تو میں اٹھ کر وہاں چلا آیا۔ تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر وہاں سے چوکھٹ کی سیڑھیوں تک آیا۔ اب میری نظریں کسی اچھے جوتے کی تلاش میں تھیں۔ میرا پہنا ہوا چپل جس کو پہن کر چلا نہیں بلکہ پاؤں کو صرف گھسیٹا جا سکتا تھا اب میں اس سے پاؤں چھڑا رہا تھا۔ ہائی ہیل اور کڑھائی والے جوتے تھے مقام میں چوکھٹ کے اندر کھڑا پڑھ رہا تھا۔ میں اپنے پیچھے ہوتے ہاتھوں کی انگلیوں کے اشاروں سے اتارے ہوئے جوتوں کو نظروں سے تول رہا تھا لیکن ابھی کوئی جوڑا نظروں میں جچا نہیں تھا۔ یہ تو داتا سرکار کا ہے، جو جس نیت، نگاہ سے آتا ہے اسے وہی عطا کرتے ہیں تو میں کیسے محروم رہتا۔ اچانک ایک جنٹلمین آیا۔ شکل صورت لباس جوتے سے کسی کھاتے پیتے گھرانے کا دکھائی دیتا تھا میرے قریب ہی کھڑے اس نے اپنی قیمتی مصنوعی آتاری جرابیں نکال کر جوتوں میں رکھیں اور سر پر رومال باندھ کر روضہ مبارک کی جانب بڑھ گیا ... واہ داتا سرکار! میرا ہی سارا سیاہ چمکدار پالش کی ہوئی زیرو میٹر مصنوعی اور وہ بھی میرے پاؤں سے بالشت بھر کے فاصلے پر۔ کچھ اور بھی مانگتا تو مل جاتا۔ میں نے زمانے سے دیکھا "وہ" کہیں نظر نہ آیا اور اس لمحے وہ مطلوب لمحہ تھا۔ فرنٹی چور جوتا چور دراصل اس زرین لمحے کی قدر و قیمت سے خوب آشنا ہوتے ہیں۔ میں اگلی چند ساعتوں میں سیڑھیوں سے نیچے تھا اور میرے تیز تیز قدم بھاٹی چوک کی جانب اٹھ رہے تھے۔ میری مست خرامی قابل دید تھی۔ یہ سرکار کے جوتوں کا اعجاز تھا یا لاہور پہنچنے کی خوشی؟ ... بھاٹی چوک تک پہنچتے پہنچتے میں فراموش کر بیٹھا میرے پاؤں کے نیچے جو چیزیں ہیں وہ "سرقہ بالخواص" ہیں اور لاہور میں یہ میری پہلی "بالضرورت" تھی۔ ابتلائے ضرورت یا حاجت میں ایک حد تک تو یہ کچھ جائز ہو جاتا ہے۔ کسی کی

[illegible] بجلی کے سامنے مسلم مسجد کے نیچے پہنچ گیا۔ یہاں سیالکوٹ سٹیشن کے سامنے ملک نیوز ایجنسی [illegible] تھی' اس کا نام بھی ملک بک ڈپو تھا جس کے مالک سیالکوٹ کے مشہور صحافی ملک محمد اسلم [illegible] تھے۔ کئی بار میں پہلے بھی یہاں والد صاحب کے ساتھ آیا تھا۔ اس دوکان کا انچارج فرید نامی [illegible] تھا۔ مجیب ملک سا[illegible] ادب لطیف کے مرزا ادیب کے دفتر والی بلڈنگ کے ایک کمرے میں اس [illegible] تھی۔ واجبی سی واقفیت کی بنیاد پہ میں اسے دوکان پہ بیٹھے دیکھ کر رک گیا۔ اس نے بھی مجھے دیکھ [illegible] مسکرایا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے دوکان پہ بلایا۔ تپاک سے ملا' اندر کاؤنٹر کے پیچھے سٹول [illegible] حال چال پوچھا' بتایا کہ ابھی ابھی پہنچا ہی ہوں۔ میرے انکار کے باوجود اس نے میرے لئے [illegible] سے فالودے کا جل تھل پیالہ منگوایا اور پوچھنے لگا کہ لاہور کیسے آنا ہوا؟

"اس بھائی! کیا کہوں کہ کیسے اور کن حالات میں آیا ہوں [illegible] اگر کر سکو تو میرے لئے کسی چھوٹی [illegible] رات سونے کا کہیں بندوبست کر دو....."

وہ میری جانب دیکھے بغیر کمال ناپروائی سے بولا۔ "بچے! بندوبست تو سارا ہو جائے گا' مگر یہ بتاؤ [illegible] بھاگ کر آئے ہو یا....؟"

"فرید بھائی! آپ سے تو بھوت نہیں بولنا چاہئے۔ آپ کو پتا ہے کہ میرے والد صاحب بڑے [illegible] کے دوست ہیں....."

"ہاں ہاں' کا کا مجھے پتا ہے' اسی لئے تو میں پوچھ رہا ہوں کہ گھر سے بھاگ کر آئے ہو یا واقعی [illegible] کرنے.....؟"

"فرید بھائی! میں سیالکوٹ سے تنگ آ گیا ہوں۔ سیالکوٹ کا کوئی سکول مجھے قبول نہیں کرتا۔ [illegible] مجھ سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔ مجھ پہ نہ تو کوئی اعتبار کرتا ہے اور نہ ہی کوئی اُدھار دیتا [illegible] چاچی کے علاوہ کوئی مجھ سے پیار کرتا ہے۔ ان حالات میں سوائے گھر سے بھاگنے کے اور [illegible] نہیں تھا۔"

وہ بدستور حساب کتاب کرتے ہوئے' مجھے دیکھے بغیر زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"یہ چاچی کون ہے.....؟"

"اس وہ میری چاچی ہے' دنیا میں واحد ہستی جو میری ایک لاکھ برائی کے باوجود بھی مجھے سوا لاکھ [illegible] سمجھتی ہے۔ میری چاچی کا ہر فلسفہ اور ہر معاملہ عجیب و غریب سا اور اُلٹا ہے۔"

فرید نے انوائس بک دراز میں پھینکتے ہوئے بھاری شیشوں والی عینک کے پیچھے سے مجھے گھورا'

گول گول آنکھوں میں عجیب سی حماقت کے علاوہ حیرت بھی تھی۔ موٹے موٹے بھدے ہونٹوں کے پیچھے سے پانی کی پچکاری سی سرکتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"..... مثلاً ہر فلسفۂ معاملہ کیسے اُلٹا ہے.....؟"

"مثلاً ایسے کہ وہ کہتی ہے نیک پارسا لاکھ کا اور گنہگار خطا کار سوا لاکھ کا ... اچھے کو مت چھیڑ لیکن بُرے کو چھیڑ سے لگا کر اتنا بھینچو کہ وہ بھنڈی کا بیج بن کر رہ جائے ..... فرید بھائی! آپ کچھ سمجھے؟"

● دریائی گھوڑا' کچی اینٹ پکا روڑا.....!

موٹے شیشوں اور بھاری فریم کی عینک پہننے والے بڑے گاؤدی سے دکھائی دیتے ہیں' ایسے لوگوں کے کان ہاتھیوں جیسے' ہونٹ سرخ موٹے بھدے' ہونٹوں اور مسوڑھوں کی درمیانی خندق میں پچ پچ پانی بھرا رہتا ہے۔ آنکھیں جنوں کی طرح گول اور کسی بھی تاثر سے یکسر خالی' پیشانی تنگ' گردن گینڈے سی ہوتی ہے مگر ایسے لوگ بڑے ہمدرد' مخلص اور اچھے بُرے وقت ساتھ دینے والے ہوتے ہیں۔ فرید بھائی بھی سراپا خلوص تھے۔ صبح پینے کی بوند نہیں پڑی تھی کہ ہیدر لبو کر چار پانچ گھٹیا قسم کی سگریٹوں کا ناشتہ کرتے۔ پھر بیت الخلاء میں تسلی سے بیٹھ کر بسیط خلاؤں کو گھورتے ہوئے مزید ایک آدھ سگریٹ سے خلال کرتے۔ بڑی تگ و دو اور پہلو بدل بدل کر "حاجت بھاری" سے فارغ ہو کر پیشاب بغل میں دابے کر کچھ اخبار میں اپنی دوکان پہ بیٹھ جاتے۔ ملک بھر کے اخبار رسالے کھنگالتے ادھر اُدھر کرتے۔ گلاسوں پہ گلاس چائے' سگریٹ کے پیچھے سگریٹ کی چین۔ ابھرتے سورج کی زرد کرنوں میں سپیدی کی پھٹکی پڑتے ہی یہ تام جھام سمیٹ کر ذرا سامنے دوکان پہ آ براجتے۔ پھر سارا دن سوئے سوئے کھوئے کھوئے' روئے روئے رہتے۔ ایسے ضدائی مارے دین کے ہوتے ہیں نہ دنیا سے لگائی سے لگا کھاتے ہیں نہ بھرجائی کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ وقت سے پہلے گنجے تو ہو جاتے اور اندھرائے شکار ہو جاتے ہیں۔ چند لمحے مجھے گھورنے کے بعد فرمانے لگے۔

"تمہاری یہ عجیب و غریب فلاسفری چاچی کہاں رہتی ہے اور کیا تم مجھے اس سے ملا سکتے ہو؟"

"نہیں' یہ نہیں ہو سکتا....."

"کیوں ...؟" وہ آنکھوں میں حیرت کی کرچیاں دکھاتے ہوئے بولا۔

"— اس لئے کہ وہ صرف میری اپنی پیاری' اکلوتی چاچی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ کہ

تمہارے سے نہیں ملتی۔۔۔"

یہ سوچ کے مجھے میرے منہ سے اچانک نکل گیا تھا۔ فرید کے لٹکے ہوئے ہونٹ کے کنارے سے ایک باریک پانی قطرہ قطرہ ٹپکنے لگا تھا' آستین سے پونچھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کہیں تم نے مجھے دریائی گھوڑا تو نہیں کہا۔۔۔؟"

شکل سے چاپلوسی کی ٹھوکتی ہوئی آنکھیں میرے سامنے آ گئیں' مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا' وہی مکینکس والا لڑکا اچانک سامنے پہنچ کر دوکان کے تھڑے پہ بیٹھا اسے دیکھ کر میری تو ہوا سرک گئی۔ پاؤں میں پڑی مکینکس جیسے کسی فولادی شکنجے میں تبدیل ہو گئی۔ یہ تو وہی داتا صاحب والا لڑکا تھا' وہ آتے ہی سلام دعا لئے بغیر بولا۔

"فرید صاحب! آج کوئی انتہائی شریف آدمی میرا نیا جوتا اٹھا کے لے گیا ہے۔۔۔" وہ اپنے ننگے پاؤں کو دیکھتے ہوئے پھر کہنے لگا۔ "فرید جی! میں نے ابھی اس کے پیسے بھی نہیں دیئے تھے۔ پرسوں ہفتے کا دیوٹے کے لئے جانا تھا۔ آج جمعرات تھی' سوچا کہ چلو داتا صاحب جا کر اپنی کامیابی کے لئے التجا کرتے ہیں۔ نئے کپڑے' نیا جوتا پہن کر گیا تھا کہ داتا صاحب دیکھ کر خوش ہو جائیں گے کہ اپنے بندے رئیس ہیں نئے کپڑے' نیا جوتا پہنا ہے۔ چلو اس خوشی میں اسے ڈبل روٹی دلوا دیتے ہیں۔۔۔ یار فرید! اب کیا کروں۔۔۔"

فرید سے کوئی جواب لئے بغیر وہ پھر بولا۔۔۔ "یار! اس دنیا میں کیسے کیسے لوگ ہیں۔ مسجد' مدرسہ' قبرستانوں میں بھی چوری کرنے سے باز نہیں آتے۔ انہیں کچھ خدا کا خوف نہیں ہوتا۔۔۔؟"

فرید نے اب جواب دیا۔ "رئیس بھائی! ضرورت اور مجبوری خود بہت بڑے خوف ہیں' ہو سکتا ہے کسی نے تمہارے جوتے اٹھائے ہوں اسے ان جوتوں کی تم سے کہیں زیادہ ضرورت ہو۔۔۔" فرید نے دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ "آؤ' اندر آؤ۔ جوتے کو بھول جاؤ' میں تمہارے لئے فالودہ منگواتا ہوں۔۔۔ اور ہاں! اس سے بلو یہ گھر سے بھاگ کر آیا ہے۔۔۔"

رئیس مجھ پہ ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالتے ہوئے اندر آ گیا' میں نے اپنے پاؤں مزید سمیٹ کر اس کے اندر کر لئے۔ میں پہلے اسے دیکھ کر قدرے حواس باختہ ضرور ہوا تھا۔ چور' چور ہی ہوتا ہے چاہے کتنا ہی ہوشیار ہو' اپنے اعصاب' حواس کو قابو اور حالات پہ گرفت رکھنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ پھر میں رئیس کی گفتگو سے متاثر بھی ہوا اور اپنے تئیں ایک فیصلہ بھی کر چکا تھا۔ انسان جب مائل بہ کرم ہوتا ہے یا بھلائی کی جانب راغب ہوتا ہے' مثبت سوچ پکڑ لیتا ہے تو اس کے اندر لامحالہ ایک جذبہ اور قوت غیر متزلزل ہو جاتی ہے' جرأت اظہار بیدار ہو جاتی ہے' ضمیر مزید روشن ہو جاتا ہے۔ ایسے میں وہ اپنے جرم یا غلطی

کے اعتراف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا اخلاقی جرأت کی روشنی میں وہ اپنی غلطی تسلیم کر لیتا ہے اور یہیں سے اس کی جیت شروع ہو جاتی ہے۔ انسان تو انسان اللہ بھی خوش ہو کر اسے معاف کر دیتے ہیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے زبان کھولی۔

"رئیس بھائی! آپ تو بڑے بھلے انسان دکھائی دیتے ہیں' جوتا چور کو کم از کم آپ کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا پھر بھی آپ اس گدھے کو معاف کر دیں اللہ درگزر کرنے والوں سے بھی [illegible] کا وعدہ کرتا ہے۔ اور ہاں! اگر میں آپ کو ویسے ہی جوتے کا جوڑا پیش کر دوں تاکہ آپ ہفتے کو [illegible] کے لئے جا سکیں تو.....؟"

اب فرید بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم گھر سے کوئی بال وال بھی چرا کر لائے ہو۔"

میرے کسی جواب سے پہلے رئیس مجھ سے مخاطب ہوا۔ "بھائی! تم تو خود بھی میری طرح گھر سے بھگوڑے ہو' مجھے نئے جوتے کہاں سے خرید کر دو گے؟ پورے چار روپے لگے تھے' ابھی تو پیسے بھی [illegible] دیئے۔ [illegible] تمہاری ہمدردی اور پیشکش کا شکریہ۔"

میں پھر بولا۔ "رئیس صاحب! آپ رئیس آدمی ہیں۔ چلیں اس جوتا چور کو صدق دل سے معاف کر دیں۔ اتنا کہہ دینے سے آپ کو بھی سکون مل جائے گا اور وہ [illegible] بھی پھر اطمینان سے جوتا پہن سکے گا۔"

"بھائی! جوتا تو میرا گیا ہے' اسے کتا کہہ کر آپ گنہگار کیوں ہو رہے ہیں؟ یقیناً کوئی ضرورت [illegible] ہوگا' مجھے کہتا تو میں خود اسے پیش کر دیتا۔"

فرید نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "رئیس صاحب! جن کے ہاں چوریاں ہوں یا جن سے جوتے اٹھا لئے جائیں' بعد میں یہی کچھ کہتے ہیں' خوشی سے کوئی بھی نہیں دیتا ہے۔ آپ ایمانداری سے کہیں کہ اگر کوئی آپ سے وہ جوتے مانگتا تو آپ دے دیتے.....؟"

"بالکل۔ بلکہ میں فوراً اتار کر پالش کرتا اور بڑے کھلے دل سے اسے پیش کر دیتا۔ پھر اس سے مزید پوچھتا' کوئی اور خدمت.....؟"

رئیس کی اس بات پر میں نے ہلکی سی تالی بجائی اور مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"رئیس بھائی! فرض کریں وہ بھلا آدمی اب آ کر آپ کو مل جائے اور جوتے واپس کر دے تو؟"

"تو کیا میں اسے کھلے دل سے معاف کر کے سینے سے لگا لوں؟"

رئیس نے بڑے پختہ لہجے میں یہ سب کہا تو میں اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"رئیس بھائی! مجھے اپنے سینے سے لگا کر اتنا بھینچیں اتنا بھینچیں کہ میرے آنسو نکل آئیں۔"

UrduPhoto.com

چند لمحے مجھے گھورتا رہا' آخر نفی میں سر ہلا کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ پھر مجھے جدا کرتے ہوئے کہا۔

"لو لگا لیا سینے سے..... اب بولو؟"

"بولنا کیا' اب بولنے کہنے کے لئے رکھا بھی کیا ہے...؟" میں نے جھک کر جوتے اٹھائے' قمیص سے انہیں صاف کیا۔ پھر نیچے جھکا اور اس کے پاؤں میں پہناتے ہوئے کہا۔ "لو میرے دوست تم بھی کیا یاد رکھو گے کہ کسی رئیس سے پالا پڑا ہے۔"

میں کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے' بس وہ بت بنا مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ اب فرید کے بولنے کی باری آئی۔

"ارے' ذرا سے بازو ادھر کچھ میرے پلے بھی ڈالو...؟"

میں نے واقعہ صاحب' والا قصہ من و عن بیان کر دیا اور صدق دل سے معافی چاہتے ہوئے کہا۔

"میرے دوست! دیکھو اگر یہ سب کچھ ظہور پذیر نہ ہوتا یعنی جوتے درمیان میں دخیل اور حیلہ نہ بنتے تو میں [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] کون سی رگ حل کی تھی کہ اسے ہچکیوں کے ساتھ جیسے کانپا سا لگ گیا تھا۔ [illegible] کانپتے اس نے مجھے ایک بار پھر سینے سے چمٹا لیا۔ اب شاید میری باری تھی' وہ جیسے سینے میں گھسا کھڑا تھا۔ دل کسی مینڈک کی مانند پھدک رہا تھا' پھر نہ جانے کیا ہوا کہ میری آنکھوں [illegible] رات اتر آئی۔ فرید [illegible] تو دونوں آنکھیں میں دلدل ہو گئے ہوتے۔ وہ [illegible] دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ارے' پاگلو! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ بندے بن کر آرام سے بیٹھ جاؤ' ایسا نہ ہو کہ یہی پاؤں [illegible] تمہارے سروں پہ پڑیں۔"

ہم دونوں آنکھیں پونچھتے ہوئے بیٹھ گئے۔ فرید سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔

"او بھائی' جوتی چور! یہ تم کیا ڈرامہ کر رہے تھے' ایک چوری دوسرے سینہ زوری؟ ارے' یہاں رونے اور سینے لگنے کا کون سا موقع مقام ہے؟"

میں اپنے جوتوں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ فرید بھائی! آج تو ذرا یونہی ان جوتوں نے رونے [illegible] پیدا کر دیا ہے' ویسے میرا جی کی دنوں سے رونے کو چاہ رہا تھا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میں [illegible] میں ایک آدھ بار خوب تسلی سے رو لیتا ہوں' اس طرح دل و دماغ پہ پڑا ہوا غبار چھٹ جاتا ہے'

آدمی ہلکا پھلکا سُبک دم ہو جاتا ہے۔۔۔"

فرید موٹے موٹے آتشی شیشوں والی عینک کے پیچھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "او بھائی' گوجرانوالیے! یہ رونے دھونے اور جی ہلکا کرنے والا کام تم کم از کم آئندہ میری دوکان پہ نہ کرنا۔ رونا دھونا دیکھ سن کر مجھے بڑی وحشت ہوتی ہے' نحوست الگ پھیلتی ہے۔۔۔" پھر وہ میری طرف گھوما اور اسی طرح ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگا۔ "۔۔۔اور تم بھی بھائی سیالکوٹیے' بھگوڑے' اُلٹی جوتی چور! یہ میرے باپ کی دوکان نہیں ہے اور نہ ہی میں نے یہاں کوئی سدا ورت لگا رکھی ہے۔ روپے پیسے کا معاملہ ہے۔ جو داتا سرکار کو نہیں بخشتا وہ بابے فرید کو چھوڑے گا؟۔۔۔ اُٹھو بھائی! جاؤ اپنے اس دوست کے ساتھ جس کے سینے سے لگ کر تم نے آنسو بہائے ہیں۔ اس کے پاس رہنے سونے کی جگہ بھی موجود ہے۔ تم دونوں کی آپس میں بنے گی بھی بہت خوب' ایک چھوڑ دوسرا گرو کٹ' ایک سیالکوٹیا دوسرا گوجرانوالیا۔۔۔ میں تو دریائی گھوڑا ہوں' میرا آپ سے کیا تعلق۔۔۔؟"

میری تو آنکھوں میں خون اتر آیا' اس کی یہ بے جا ہذیان سن کر میرا دماغ گھومنے لگا۔ پھر میں خلاف طبیعت [illegible] بولا۔

"فرید صاحب! آپ نے بہت کچھ کہہ لیا ہے' میں آپ کو کوئی جواب نہیں دیتا کہ ایک تو آپ مجھ سے بڑے ہیں اور دوسرے میں آپ کی دوکان پہ بیٹھا ہوں اور آپ کا فالودہ بھی کھا پی چکا ہوں۔ پھر یہ دوکان ملک اسلم صاحب کی ہے جو میرے ابا جی کے دوست ہیں۔۔۔ باقی رہی جوتی اور اس کا [illegible] تو یہ میرا ذاتی فعل ہے جو غلط تھا۔ میں نے جوتے واپس کر دیئے کہ رئیس بھائی کو ان کی مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔ اس وقت جوتا میں نے یہ سمجھ کر اُٹھایا تھا کہ جوتے والا کوئی امیر رئیس ہوگا کیونکہ ایسا قیمتی جوتا کوئی مجھ ایسا غریب غربا تو خریدنے یا پہننے سے رہا لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ جوتے والا بس نام کا رئیس ہے اور اندر سے مجھ سے بھی گیا گزرا فقرا ہے۔۔۔۔"

● رئیس' میرا ہمدم میرا جلیس۔۔۔!

بس یہی وہ دن تھا کہ جب رئیس' میرا پیارا رئیس فقرا بن گیا تھا۔ ہم دونوں دوست دریائی گھوڑے اور اس کی دوکان پہ چار حرف بھیج کر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے دوکان سے نیچے اتر آئے۔ رئیس فقرے نے چند قدم آگے پہنچ کر مجھے روک لیا' جوتے اُتار کر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہنے لگا

نہیں پہنو۔۔۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم انہیں پہنے رکھو اور داتا سرکار کے سامنے کوئی بات نہ کرو۔ میرے دماغ کا فیوز اڑا ہوا ہے۔ فرید نے بڑی زیادتی کی ہے۔ اس کا بس ہوتا تو میں اس دریائی گھوڑے کا تھوبڑا توڑ دیتا۔۔۔ ذرا سوچو یار! اگر میں چور یا اندر سے آتے جاتے واپس کیوں کرتا تمہیں گلے لگا کر کیوں روتا؟۔۔۔ ٹھیک ہے کہ میں گھر سے بھاگ کر آیا ہوں لیکن اس نیت سے تو نہیں بھاگا۔۔۔ اور ہاں اگر میرا سیالکوٹ سے نکلنا میرے مفاد میں نہ ہوتا تو میری ماں کے گھر آنے کی اجازت نہ دیتی۔ چاچی نے مجھے کہا ہوا ہے کہ کاگا۔۔۔ کاگا کا کام سکوت اور تنہائی سے بھی ملے لے اڑو۔ چھینو چھینو کھاؤ اور مزے اڑاؤ۔ کاگا کی کائیں کائیں دراصل "کیوں کیوں" کی گونج ہے۔ بس یہی سوچ میرا بوجھ ہے کہ چاچی نے مجھے یہاں سرکار کے سامنے بھیجا۔ وہاں قدموں میں جوتے پڑے جو تم تک لائے اور اب تم اور میں۔۔۔ وہیں سے واپس جائیں گے وہی جنہیں پہن کر صحیح سے چلا بھی نہیں جا سکتا۔ محض پاؤں گھسیٹے جا سکتے ہیں۔"

"چاچی کون ہیں۔۔۔؟" رئیس فقرے نے بھی پوچھ ہی لیا۔

"اگر تم یہ جوتے واپس پاؤں میں پہنو اور دربار کی جانب چلو۔"

"چاچا تو وہیں رہے ہیں مگر وہ مست ابھی ہوتے تو تم پہنو گے یا پھر میں بھی نہیں پہنوں گا۔"

اس نے جیسے فیصلہ دے دیا۔۔۔ میں بیچ بازار کھڑا اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ باکی قوی مندی کی نہر زلفوں کو وہ پہلو دراز جھالر نرمی شرق آنکھوں میں جیسے لعل بدخشانی جڑ دیئے

"مجھے اس طرح سے کیوں تک رہے ہو۔۔۔؟" وہ قدرے گھبرا کر پوچھ بیٹھا۔

"سبحان اللہ۔۔۔!" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "یہ سیرت فرشتہ بصورت صنم۔۔۔"

"ماشاء اللہ" کہتے ہوئے اس نے میرے بائیں پاؤں میں جوتے کا ایک تیر ڈال دیا۔ بایاں میرے پاؤں میں تھا۔۔۔ لوگ دیکھا کئے کہ وہ پاگل سے ہاتھوں میں ہاتھ اور ایک ایک پاؤں میں جوتا دنیا و مافیہا سے بے نیاز بھائی دروازے کی جانب جا رہے ہیں۔ دربار پہنچ کر ہم دونوں وہیں پہ جوتے پہنے کھڑے ہوئے تھے۔ چوکھٹ چوم کر اندر چلے گئے فاتحہ شریف پڑھی۔ ان کے درجات کی بلندی کے در کی گدائی کے لئے التجا کی۔ پھر ہم دونوں نماز کے لئے مسجد کی جانب بڑھ گئے۔ جس جگہ پہ آئے تو ایک نئی پریشانی ہماری منتظر تھی۔ رئیس فقرے کے جوتے پھر غائب تھے۔

بہتیرا ادھر اُدھر دیکھا مگر جوتے ہوتے تو کہیں دکھائی دیتے۔ اب ہم دونوں پاؤں سے ننگے جا رہے تھے۔

رئیس فتنے کی رہائش شاہ عالمی کے اندر کوچہ بابا خوشحال سنگھ ڈھلوں میں تھی۔ رہائش کیا تھی ایک چھوٹا سا کمرا تھا جہاں وہ اپنے جیسے دو اور طالبعلموں کے ساتھ رہتا تھا اور رہتا بھی کیا تھا بس رات کسی وقت فرش پر لیٹ کر کمر سیدھی کر لیتا۔ کتابیں ادھر اُدھر کا کاٹھ کباڑ چھوٹے موٹے چند برتن کے کنستر اور چند گندے ان دُھلے کپڑے وغیرہ اس کمرے کا کُل اثاثہ تھے۔ کمرے کا دروازہ کُنڈی تو کے تکلف سے آزاد تھا۔ اس کمرے کے ایک کونے میں مجھے بھی جگہ مل گئی..... شام کی نماز سے ذرا پہلے ایک اخبار بیچنے والا لڑکا سائیکل کی گھنٹی بجاتا ہوا ہمارے کمرے کے باہر رُکا اور ہماری کھلی کھڑکی سے تھوڑا ہوا اندر آ گیا' خاکی موٹے کاغذ میں لپٹا ہوا ایک پارسل رئیس فتنے کو تھماتے ہوئے بولا۔

''بابو فرید نے بھیجا ہے۔''

اس سے پیشتر کہ ہم کوئی بات کرتے یا مزید کچھ پوچھتے' وہ دہلیز پھلانگ کر جا چکا تھا۔ خوامخواہ گھنٹی بجانے کی شاید اسے عادت تھی باہر گلی تک مسلسل گھنٹی کی آواز سنائی دیتی رہی اور ہم باہر اس دروازے تکتے جا رہے تھے جدھر سے وہ چلا وہ غائب ہوا تھا۔ پھر ایک دم ہم دونوں نے اک دوجے کو دیکھا اور لمحے خاموشی سے پارسل کو تکتے رہنے کے بعد رئیس فتنہ بولا۔

''یہ کیا ہے؟''

میں نے بھی ترت جواب دیا۔ ''ظاہر ہے کہ یہ ایک پارسل ہے فرید نے بھیجا ہے اور اس کے اندر دو عدد جوتوں کے جوڑے ہیں..... کھول کر دیکھ سکتے ہو۔''

وہ میری جانب یوں دیکھ رہا تھا کہ جیسے وہ پاگل ہے یا میں اس کے سامنے بیٹھا ہوا اک پاگل ہوں۔ وہ اَبرو سکیڑتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ اس کے اندر دو عدد جوتے ہیں؟''

میں نے اسی لاپروائی سے جواب دیا۔ ''بھائی اس میں غصہ کرنے والی کون سی بات ہے محمل کا پردہ ہٹاؤ اور لیلیٰ کا نظارہ کر لو اور اگر لیلیٰ کی بجائے لیلا بکری نکل آئے تو بے شک پھر میرے لے لینا۔''

اک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اس نے چھت کی جانب دیکھا' جیسے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کہ کس اُلو کے پٹھے سے واسطہ پڑ گیا ہے۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے خاکی کاغذ ہٹایا' اندر سے

[illegible] تھے۔ انہیں کھولا تو ایک وہی کلیکشن جو دو مرتبہ داتا صاحبؒ کے دربار سے اُٹھائی جا چکی تھی اور [illegible] تھی ایک بالکل نیا جوڑا وہی سائز قریب قریب وہی ڈیزائن اور ویسا ہی کالا رنگ ... وہ [illegible] تھا جیسے کالے ناگ کا جوڑا ڈبوں سے نکل آیا ہو۔ پھر اس نے میرے اوپر [illegible] جیسے میں بھی کوئی خطرناک قسم کا سپیرا ہوں ... اس نے اپنے جوتے کو چیک کیا بالکل وہی [illegible] نش نش کرتی ہوئی نئی نکور سی کلیکشن!

[illegible] دیکھ رہے ہو ... میرا خیال ہے تمہارے ہی جوتے ہیں ...؟" میں نے ہلکی سی چوٹ [illegible]

[illegible] کچھ نہ سمجھتے ہوئے جھنجھلا کر پوچھنے لگا "یار! یہ سب کیا ہے ... جوتا ہم نے دربار کی [illegible] تھا اور یہ برآمد یہاں کرنے میں کتنے کے لالے پڑ رہا ہے اور ... اور یہ دوسرا [illegible]

[illegible] دوست! رئیس فقرا صاحب! بندہ جیب دامن کا فقرا ہو تو ہو مگر عقل دانش کا نہ ہو [illegible] ایک بار اپنا رستہ کھول دے تو پھر وہاں اکثر تقریبات بھی کرتی رہتی ہے اور جو عورت [illegible] تو پھر وہ عورت اپنے پاؤں [illegible] مگر ذرا مشکل [illegible] پاؤں اگر بفضل قسم کا چپڑ قنا پیا ہو تو دھولی کا کتا بن کر رہ جاتا ہے اور اگر ذرا ڈھلوان [illegible] تو اپنے بچوں کی کاپی سے ورق پھاڑ کر تین لفظوں کی تکرار لکھ کر بیوی کے پیچھے پیچھے اس کے میکے [illegible] اور پھر اگلے ہی لمحے بختو سے نئی شادی رچا کر ساری زندگی کے لئے مکتی پاتا ہے اور [illegible] عمر باپو میاں اور بھابی بھیا سے جوتے کھاتی رہتی ہے ... بالکل ایسے ہی اگر کوئی الہڑ جوان سی [illegible] کسی گھبرو سے پاؤں میں پھنس کر اپنا در چھوڑ جاتی ہے تو وہ پھر ساری عمر دو کاؤں اور [illegible] برآمد ہوتی رہتی ہے۔ کچھ سمجھے ...؟" پھر میں نے نئی جوتی اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اب [illegible] اور یہ اپنی پہلی جوتی میرے پاؤں سے ہی پہنو دو ایسی جوتی کا آخر کار یہی علاج ہوتا ہے [illegible] وہابیہ عورت کو پاؤں کی جوتی کہتے ہیں کہ جس کو تنگ کرے یا کاٹے وہ اُتار دے اور [illegible] پاؤں پوری پڑے وہ پہن لے....."

[illegible] فقرا مجھے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اگر میں فوراً چپ نہ ہوا تو وہ مجھے پاگل کر کے بھاگ لے گا یا [illegible] کر لے گا۔ میں اس کے خطرناک تیور بھانپ کر ذرا کی ذرا چپ ہو لیا ... ایک دم اس کے [illegible] بدلا ہوئے پُراسرار سے لہجے میں الفاظ چبا چبا کر پوچھنے لگا۔

UrduPhoto.com

"خان! ایسی چھوٹی عمر میں تو نے اتنی بڑی بڑی باتیں کہاں سے سیکھی ہیں؟ — تیری باتیں سنتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تو نہیں تیرے اندر کوئی اور بول رہا تھا — خان! تم نے کسی چاچی کا ذکر کیا تھا ہو کیا تیری سگی چاچی ہے کہاں رہتی ہے اور کیا میں ان سے مل سکتا ہوں؟" وہ میرے قریب ہو لیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مزید کہنے لگا۔ "اگر تم مجھے اپنی چاچی سے ملانے کا وعدہ کرو تو میں بھی تمہیں ایک نہیں دو ایسے بزرگوں سے ملاؤں گا کہ تمہاری طبیعت اور معدہ دونوں خوش ہو جائیں گے۔"

"طبیعت اور معدہ — بات ذرا صاف کرو میں کچھ سمجھا نہیں ہوں.....؟"

"میری جان! وہ بزرگ گرم گرم جلیبیاں کھلاتے ہیں اور نرم نرم باتوں سے روح تر کرتے ہیں....."

"بس! اسی دن فقرے سے بابا رحمت سائیں اور ٹھوٹھا سائیں سرکار کا تعارف ہوا تھا۔

رہیں فقرا تو دن بھر کسی معقول سی ملازمت کی تلاش میں رہتا اور شام کو پرائیویٹ کالج میں پڑھنے کے لئے چلا جاتا۔ ظاہر ہے کہ میں پڑھائی کا ازلی نکما اور آوارہ معاملہ میں ساتھ نہیں دیتے تھا بہرحال نماز اور ناشتے کے بعد ہمارے راستے الگ الگ ہو جاتے تھے۔ صاف ستھرے کپڑے پہن کر دفتروں میں اخبار بیچنے نکل کھڑا ہوتا اور میں بھی "پاگلی" کا نعرہ لگا کے باہر آ جاتا۔ پہلے داتا سرکار کی چوکھٹ چومتا۔ پھر اللہ دے اور بندہ لے — لاہور اور اس کی سیر پارک نہریں باغ مزار مسجدیں مجرے سینما فلم سٹوڈیو قلعہ شاہی مقبرہ وغیرہ وغیرہ — داتا سرکار کے کچھ مقام ایسے بھی تھے جہاں اکثر میری حاضری رہتی تھی۔ مثلاً تکیہ مراثیاں فجرہ استاد بیچک اداکار ایم اسماعیل کوچہ چت رنگاں ریگل پارک مزار مرشد علامہ اقبال بابا رحمت سائیں ٹھوٹھا وغیرہ ... لباس کا ہوش نہ کھانے پینے کا خیال۔ جہاں جدھر اور جو بھی کہیں میسر آ جاتا وہیں اپنی فوراً بجھا جاتی۔ پیدل گھسٹ گھسٹ کر چلتے چلتے جواب دے جاتے تھے۔ پاؤں میں چھالے ابھرتے اور پھوٹتے رہتے۔ سر میں اک عجیب سا سودا سمایا ہوا تھا۔ ہر لمحہ بے چین ہر پل بے کل و مضطرب ... بابا رحمت ٹھوٹھا سرکار کے قدموں میں بیٹھنے سے میرے اضطراب و جنون میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ میرے اندر کہیں کوئی پیاس کا صحرا تھا۔ بزرگوں درویشوں کی زیارت کا خبط مخفی علوم کو جاننے سیکھنے کا کیڑا اب چاچی نے بھی میرے ہاتھ پاؤں خوب کس باندھ کر مجھے تحیر کے اندھے گہرے سمندر میں پھینک دیا تھا۔

UrduPhoto.com

[illegible] ایک پچاز زادہ بہن چوہدری سرکاری کوارٹر میں رہائش پذیر تھی گھر والوں کو پتا تھا کہ میں اگر [illegible] کے پاس رہتا ہوں لہٰذا وہ بھی "خس کم جہاں پاک" کہتے ہوئے میری طرف سے [illegible] جاتے تھے۔ میں بیکار، مکار، چور اور پرلے درجے کا شیطان تھا ان کے لئے باعث بدنامی و [illegible] ہوتا تو اک عذاب مسلسل ان پہ مسلط رہتا اور جب کہیں میں ادھر ادھر دفع ہو جاتا تو سب [illegible] لیتے یعنی ان کے لئے میرے وجود کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ بس ایک ہی ہستی ایسی تھی [illegible] بہت قیمتی تھا وہ میری چاچی تھی جس کے ہاں ایک بار میری ماں جی نے میری حرکتوں [illegible] سخت شکایت کی تو میری چاچی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا کہ ہیرے اور ہاتھی کو [illegible] سکتا ہے اور نہ ہر کوئی ان کی قدر کر سکتا ہے۔

[illegible] آوارگی، [illegible] درماندگی.....!

[illegible] میں ذکر کر رہا تھا کہ گھوڑے شاہ کی مسجد میں بابا رحمت سائیں اور میں [illegible] سائیں سرکار کی [illegible] لطف اور [illegible] حاصل ہو رہا تھا۔ یکایک شیطان الرجیم نے میرے دل میں [illegible] بھرے ہوئے پاؤں کے بارے میں تجسس اور کراہت سی [illegible] پیدا کی۔ میں نے اپنا پاؤں میرے زانو سے اٹھا کر ادھر بابا رحمت سائیں کی گود میں [illegible] کے اس عمل سے مجھے یہی محسوس ہوا کہ انہوں نے میری سوچ اور میرے دل و دماغ کی [illegible] یا اپنے باطنی تصرف سے جان لیا تھا یا پھر اسے محض اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال [illegible] وہی آمادۂ التفات نہ پا کر مجھے بہرطور وہاں سے رخصت ہونا پڑا۔ جونہی میں دربار شریف [illegible] سے نکل کر باہر بازار میں اترا تو میرے اندر یہ احساس شدت پکڑ چکا تھا کہ میں نے آج اپنا [illegible] کر لیا ہے شیطان نے میرے دل میں وسوسہ ڈال کر مجھے بہکا دیا۔ تو سائیں کا اچانک اپنا [illegible] بابا رحمت سائیں کا عجیب سی نظروں سے مجھے گھورنا اور میری بات کا جواب دینے کی [illegible] نہ کرنا یہ سب اسی لئے تھا کہ مجھ سے بے ادبی سرزد ہو چکی تھی مگر اب کیا ہو سکتا تھا ہونے [illegible] ہو چکی تھی۔ میں اسی سود و زیاں کے حساب و کتاب میں منہمک شکستہ و آزردہ سا وایس سٹیشن [illegible] طرف آ رہا تھا۔ بازار میں دائیں بائیں کچے چمڑے کے گودام دوکانیں نمک لگی خشک و تر [illegible] بجبجاتی ہوئی کھالیں بدبو و تعفن کے ناقابل برداشت بھبکے کیونکہ سارے شہر کی کھالیں

ہاتھ آتی تھیں مگر آج تو ان کھالوں کے ساتھ بدبو بھی کچھ سوا ہی تھی یوں جیسے یہ حلال مویشیوں چوپایوں کی کھالیں نہ ہوں۔ زوری لدے گدھے ہوں آتے جاتے لوگ بھی جیسے زمانے بھر کی غلاظتیں اٹھائے کہیں سے آ رہے ہوں۔ کسی نے کہا تھا کہ اچھے برے سارے موسم انسان کے اندر ہی سے عالم وجود میں آتے ہیں یہ ساری آفت احساس کی اضمحلال گری ہی تو ہوتی ہے۔ اک کیا میں ٹوسائیں کے پاؤں کی خاموش حفاظت اور بدبو کے بارے میں سوچ بیٹھا کہ اب میرے لئے آگے پیچھے دائیں بائیں نیچے اوپر ہر جانب جیسے گندگی گند نظر آ رہا تھا۔ ٹانگے کا مارا ہوا اندھے کو بھی نظر آ جاتا ہے۔ آگے چوک کے بیچ ملیشی لون لگی کھالوں سے اٹا ہوا ایک بڑا ریڑھا ابھار ہو کر رکا ہوا تھا۔ ریڑھے پہ بوجھ زیادہ تھا بوڑھا زیادہ بان ریڑھے کے آگے بموں پہ ٹکا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں زمین سے بالشت بھر اوپر تھے کھالوں کا بوجھ پیچھے کی جانب سرک رہا تھا۔ رہ گزر سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی نظر انداز کئے ہوئے ریڑھے کا چھوڑ کر گزرتے جا رہے تھے کہ کون اپنے ہاتھ پاؤں اور کپڑے خراب کرے کچھ چمڑے کے قریب گزر جاؤ تو بدبو بساند انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہے اور اگر کہیں ہاتھ یا کپڑا اس قسم کی کھال سے جا لگے تو کئی پہر بدبو اور کئی دن اس کا احساس پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس لئے پہاڑ سی چمڑا چھیلنے والے پھٹکاری مزدوروں کی کھالیں بدبو اور چربی اتارنے والے چمڑا چاپڑنے ادھوڑی چرم دوز اپنا کاروبار کارخانے ڈوب اور تالاب وغیرہ آبادی سے پرے ہٹ کر ویران اور علیحدہ جگہوں پہ رکھتے ہیں تاکہ اللہ کی مخلوق بدبو کے آزار سے محفوظ رہے۔ یہ محلہ کے پیچھے اور شہر کے قریب دیوار میں جو سیکڑوں پکڑ سے کے کارخانے وغیرہ ہیں یہ علاقہ کبھی لاہور شہر سے باہر ہی تھا۔ شہر کے گھیراؤ اور نئی آبادیوں کے پھیلاؤ نے اب اس علاقے کو شہر کے وسط میں کر لیا ہے۔ ... وہ ریڑھے کے بم پہ ٹکا ہوا ریڑھا بان بیچ بازار ریڑھے کا ابھار لئے ہوئے تھا۔ یہ تو محض ریڑھے کا ابھار ثم ہے کا بار اور تندی محض کاروبار تھا مگر یہاں تو ریڑھ کی ہڈی کے اوپر حلقے پہ ابھار تھا۔ کھال وہاں زندہ پور پور اترتی ہوئی چوک بازار وہاں بھی تھا مگر سب ہی رکے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اب ریڑھے کے برابر پہنچ چکا تھا ریڑھے پہ کھالیں پیچھے کی جانب سرک رہی تھیں۔ میں فوراً پیچھے اپنے دونوں ہاتھوں سے ریڑھے کو تھام کر اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ مرچھوٹی ہمت حالانکہ کھالوں کا بوجھ زیادہ۔ آتے جاتے گزرتے ہوئے لوگ دیکھ بھی رہے تھے کہ ایک لڑکا کسی مصیبت کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو اس کی ہمت سے زیادہ کی متقاضی ہے مگر اس کے باوجود کسی نے منزل کپڑے اور وقت برباد کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں پیچھے سے زور لگا کر ریڑھے کو مزید پیچھے تھکیلنے

[illegible] کر رہا تھا مگر نمک لگی ہوئی نیم خشک کھالیں پیچھے سرک چکی تھیں۔ پھر وہی ہوا جو اس دن [illegible] ہونا ہی چاہئے تھا اور جس کا پیشگی احساس بھی مجھے دربار سے نکلتے ہی ہو گیا تھا۔ میں نیچے اور [illegible] کی رطوبت سے لبڑی ہوئی کھالیں میرے اوپر تھیں اور میں اک ابلہ محض دوشنی کے نیچے [illegible] دب چکا تھا۔ اب شاید آس پاس کے گوداموں سے کچھ مزدور بھی پہنچ آئے تھے فوراً کھالیں [illegible] نیچے سے نکالا۔ منہ سر ناک کان کپڑے جوتا اندر باہر جیسے شریر بچوں نے گندی موری میں [illegible] موٹے چوہے کو دم سے پکڑ گھسیٹ کر باہر نکال کر سڑک پر پھینک دیا میرے ساتھ تو بلکہ [illegible] کچھ ناروا سلوک ہونا چاہئے تھا۔ نمکین غلاظت سے بھری ہوئیں آنکھیں کھل نہیں رہی تھیں [illegible] ہو رہا تھا۔ سارے جسم میں کھار اور نمک نے جیسے آگ سی لگا دی [illegible] دیکھنے اور گزرنے والوں [illegible] تماشا جو بیچ بازار ہو رہا اور میں اندھا سا لیٹا ہوا ہاتھ بازو ہلا رہا تھا۔ تب دو چار ہاتھوں نے [illegible] جیسے میں کوئی خارش زدہ کتا ہوں۔ میرے ساتھ یہی کچھ ہونا چاہئے تھا [illegible] مجھے اٹھا کر [illegible] نے مجھے ایک کھالوں کے گودام کے احاطے میں دستی نلکے کے نیچے لا کر بٹھا دیا اور میرا ہاتھ [illegible] کہنے لگے

UrduPhoto.com

[illegible] پاگل ہے اب خود ہی اپنی صفائی کر لو [illegible]

[illegible] کوئی جواب دینے کی بجائے ہنس رہا تھا ایک بولا۔

"کوئی پاگل اگی لگ دا اے"

[illegible] عمر دے پیار دی خوشبو [illegible] بدبو کی بیماری برداشت کر سکدا اے [illegible]

[illegible] بولا تو میری ہنسی اور چھوٹے چھوٹے قہقہوں کے بلبلے اور غبارے اس "چمار" اور "دلدار" [illegible] سوئیوں نے ٹھاٹھ ٹھوں خس کر دیئے اور میں "جاندرو جانوں" کی مانند اپنے دیدے [illegible] آنکھوں میں ہی گھماتا رہ گیا جدھر مٹی کنکر ملا میلا نمک اک قیامت ڈھا کئے ہوئے تھا۔ [illegible] اور دوکان کا شٹر جب گر کر بند ہو جاتا ہے تو باہر کا ہر منظر سیاہ و سفید اور سود و زیاں کا [illegible] ہو جاتا ہے۔ اب کہاں کی بدبو کیسی بدمزگی اور بدنمائی؟ شٹر گر گیا تھا صرف "باہر کا چمار" [illegible] "دلدار" ہی سامنے تھے۔ یہیں ایک اور پردہ ہٹا کہ کھلی آنکھیں ہی بند شٹر ہیں جبکہ بند آنکھوں [illegible] بلفریب منظر بڑی واضح حقیقتیں اور روشن راستے ہیں۔

[illegible] کے سامنے گھرے ہو چکے تھے۔ چمڑے کھالوں کے اس گودام میں بسنے والی بدبوؤں کی

ازلی ہچکاوزیں خدا جانے کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ جسم و لباس سے لپٹی ہوئی کثافت کراہت آمیز بو جیسے دم سادھے کہیں سو گئی تھی اندر کے مندر میں کوئی قلندر "جاگو موہن پیارے" کا الاپ کر رہا تھا۔ اچانک مٹکے کی ہتھی پہ کوئی ہاتھ آیا جل کی امرت دھار اگلبا کر باہر نکلی۔ ایک مہربان نے ہاتھ سے سر دھار کے نیچے کر دیا تھا۔ سمے سمے سر اور جل کی دھاریں انسان کو جل تھل کئے دیتی ہیں چھوڑتیں اندر سے بھگو دیتی ہیں۔ ان تینوں دھاروں نے جیسے مجھے دھو کر ظاہری باطنی غلاظتوں سے صاف کر دیا تھا زندگی میں دو بار صرف دو بار ایسا نہلایا گیا کہ پھر یہ حسرت ہی رہی کہ ایسا پھر کوئی نہلائے۔ ایک ماں اس کھالوں کے گودام میں اس مٹکے کے نیچے اور دوسری بار رحمتوں کے گودام حرم پاک میں میزاب رحمت کے عین نیچے۔ اس روز ایسا کھل کر مینہ برسا تھا کہ پہلے اور بعد پھر برسوں ایسا نہ برسا۔ رب جانے کب تک مٹکے کے نیچے رہا میرے ساتھ کیا بیتی؟ بس اتنا یاد ہے تو اتنا کہ بابا رحمت سائیں میرے اوپر جھکے ہوئے میرے بالوں میں تیل لگا رہے تھے۔ میرے جسم پہ سیاہ لباس تھا آنکھوں میں سرمہ جسم و لباس سے بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی معاً میرے منہ سے نکلا۔

"بابا جی؟"

"وعلیکم السلام" کہتے ہوئے وہ زیر لب مسکرائے پھر بولے۔

"اللہ کے ولی! یہاں کرفیو لگا دو ہے یہ میرے آنے پہ کوئی پابندی ہے؟ بس تمہیں ملنے کے لئے آ گئے۔"

"لیکن ... لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ..." میں بن سوچے سمجھے بولے جا رہا تھا۔

"اللہ کے ولی! اللہ کا شکر ہے کہ تمہیں کچھ زیادہ چوٹ ووٹ نہیں لگی بس کھالیں اوپر پڑے ذرا دب شب لگ گئی ہے۔ لوگ اکٹھے ہو گئے تھے نتھو سائیں سرکار نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اسے نہلاؤ دھلاؤ کپڑے بدلواؤ۔ محمد یحییٰ کو گھر بھجوا کر کپڑے منگوائے اور تمہیں نہلایا دھلایا کپڑے پہنا کر خوشبو تیل سرمہ لگایا۔ کہو اگر کچھ غلط کیا تو معافی مانگ لیتے ہیں۔"

میں حیرت اور بدحواسی کی ملی جلی کیفیت سے آنکھیں پھیلائے ان کی من موہنی سی قدرے شہد باتوں کی حلاوت کو محسوس کرتے ہوئے محظوظ ہو رہا تھا آخر میں نے پوچھ ہی لیا۔

"بابا جی! نتھو سائیں تو کسی سے بات ہی نہیں کرتے میرے بارے میں انہوں نے آپ سے کچھ کہہ دیا ...؟"

"اللہ کے ولی!" کہتے ہوئے وہ ہلکا سا متبسم ہوئے گال تھپک کر فرمایا۔

UrduPhoto.com

"کیا ہر کسی کو کچھ کہنے سننے کے لئے لب ہلانے اور کان دھرنے ضروری ہوتے ہیں؟ ۔۔۔ تم ہمیں اور ہمیشہ اپنی چاچی سے چوں چوں کرتے رہتے ہو ہم قدموں میں بیٹھے ہوئے کیا اپنے بابا جی سے بات نہیں کر سکتے؟" پھر وہ بات پلٹتے ہوئے کہنے لگے۔ "اپنی کہو۔ بو بدبو خوشبو کریہہ کراہت سب اور کالے سفید کا کچھ بھید بھاؤ سمجھ میں آیا.....؟"

ان کی نگاہوں کے تیز رفتار باریک برمے میری آنکھوں کو "سفر" کئے ہوئے میرے دل و دماغ کی تہوں تک اترے ہوئے تھے۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر ایک ساکت و جامد مجسمے کی مانند سامنے پڑا ہوا تھا۔ ساری جسمانی ضروریات دل و دماغ کی کیفیات ان سب کا ایک نقطہ پہ مجتمع ہو کر منجمد ساکت سا ہو گئے اسی مقام و ساعت میں سمجھ آیا۔ مجھے یوں مبہوت سا پا کر انہوں نے میرے شانے پہ اپنا سبک سا ہاتھ رکھا ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ کے ولی! کہاں اتر گئے ہو۔۔۔؟"

میں محویت کی گہری بادلی سے کہیں ابھرتے ہوئے بولا۔

"بابا جی! میں تو آپ کی باتوں کی گہرائی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ابھی ابھی میری چاچی کے بارے میں جو فرمایا ہے آپ ایسا ہی جانتے ہیں؟"

"ہاں اللہ کے ولی! چوروں کو اور موروں کو خوب جانتے ہیں۔ ۔۔۔ انہوں نے ہی تو تمہیں بھیجا ہے۔ ۔۔۔ کاکا! اب کیا دیکھا کیا؟ کاکیں کاکیں مت کر۔ شام ہو گئی ہے گھر جا۔۔۔"

- رنگ میں اپنے موہے رنگ ڈالا.....!

اب تو مجھ ہی نرالی تھی۔ چہرے ہوئے بال دمکتے ہوئے گال۔ آنکھوں میں سرمے کی دھار۔ ۔۔۔ رنگ اور خمار۔ چال میں اک بانکپن لہریے لیتا ہوا من۔ انگ انگ میں بسی خوشبو۔ ۔۔۔ دیا بتی ہوتے ہوتے میں شمشان والا پل پار کر چکا تھا۔ باہر نکلا سامنے اک تانگے والا کھڑا آوازیں لگا رہا تھا "سرکار! داتا دربار" ۔۔۔ داتا سرکار کے نام پہ چونکا۔ ایک نگاہ "داتا دربار داتا سرکار" کہنے والے پہ ۔۔۔ پھر نگاہ واپس پلٹنے سے انکاری ہو گئی کہ وہیں قربان ہو گئی۔ ایک بانکا چھیل چھبیلا سا نوجوان۔ کھلتا ۔۔۔ ملیدہ رنگ آنکھوں میں جیسے کسی نے قطبی تارا گھوٹ پیس کر بھر دیا ہو۔ میں ازلی جہاں پرست ۔۔۔ میں کمال اور کمال میں جہاں کھوجنے پوجنے والا پجاری دیکھتا ہی رہ گیا۔ پچھلی بھول گئی اگلی سر پڑ گئی۔

میرے ساتھ ازل سے یہی کچھ ہوتا آیا ہے۔ یعنی نیا سفر ہے پرانے چراغ گل کر دو۔ اس کارزارِ حیات میں دراصل کچھ بھی پرانا یا نیا نہیں ہوتا۔ کڑی سے کڑی لڑی سے لڑی جڑتی رہتی ہے اور یہ میرا اولا معمہ اور سلسلہ تو ہواؤں میں کرچیں لگانے، بہتے پانیوں پہ حکایت قلب و نظر لکھنے اور جذب کے آتش کدوں میں دفترِ جنوں طلب کرنے والا سلسلہ ہے۔ اس کا تو یہی طریق و طور ہے۔ سبق یاد کرا لو تو سزا ملتی ہے۔ ہدایت لو تو بسا اوقات ملنے پہ مار دی جاتی ہے۔ چاہو تو دیوار میں چن دیا جاتا ہے، سچ کہہ دو تو کھال کھینچ لی جاتی ہے اور کبھی تو بندہ خضر اور گھاٹ کے درمیان ہی "چوں چوں" کرتا رہتا ہے۔ نہ دنیا کی چیزی ملتی ہے نہ دین کی کھچڑی نصیب ہوتی ہے۔ اس راہ میں خوب کھسوٹ ہوتی ہے۔ کبھی کانٹوں پہ ننگے پنڈے تو پتھروں پہ ہاتھ پاؤں باندھ کر خوب رگڑا جاتا ہے۔ گود میں بٹھا کر امرتیاں کھلائی جاتی ہیں تو کبھی کچی لیٹ پہ بٹھا رکھا ہیں اوپر پتھر لادے جاتی ہیں۔ کبھی نکالا جاتا ہے تو کبھی بلایا جاتا ہے۔ تختۂ زمین تنگ کر دیا ہے، وجود کو باعث ننگ کر دیا جاتا ہے۔ راستے مسدود، سعی لاحاصل و بے سود۔ سبز باغ دکھانے کو کچھ ہوتا ہے اور دینے کے لئے کچھ اور۔ ہارے چوٹ دے کر دیکھا جاتا ہے، اگر برداشت کر گیا ہے تو سند دی جاتی ہے۔ یہاں فریاد کرنے کی بھی نہیں ہوتی۔ کوئی داد کھوٹے کی ہوتی ہے جو زبان سے جانے وہی سچ ہوتا ہے۔ اپنا کرنے والا بے پیر ہوتا ہے۔ ان کا سلسلہ سات میں کا ہو سکتا ہے اور آپ کو کبھی "لکھ" ہوتا ہے۔ اکثر آنے والے معاملات میں چشمہ ہی کھٹک جاتی ہے۔ اس میں کوئی الغیب کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ تجربہ یا کچھ تعلقہ کہہ لیں۔ کہنے والے بھی کہہ دیتے ہیں اور کچھ قرائن اشارہ دے دیتے ہیں۔

● نوائے سروش، رجلِ سیاہ پوش.....!

"بسم اللہ..... یا علی مدد..... آؤ مومنو! داتا سرکار چلئے....."

وہ اگلی سیٹ کپڑے سے صاف کرتا ہوا بولا۔

اب میں کیا کہتا کہ میں نہیں جاتا؟ "السلام علیکم" کہہ کر اگلی سیٹ پہ بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے وہ پائیدان پہ کھڑے ہو کر گھوڑا ہنکارتے ہوئے تانگہ موڑنے لگا تو میں نے کہا کہ بھائی صاحب سواریاں بھی بٹھا لیں۔ میں نے سالم تانگہ لے کر نہیں جانا۔

سُنی ان سُنی کرتے ہوئے وہ تانگہ بڑھا کر چوک میں آ گیا۔ وہاں ایک گل بدن سا [illegible]

[illegible] کے ہاروں کا ہالا لٹکا رہا تھا۔ پائیدان پر دائیں کھڑے کھڑے اس نے دو ہار خریدے اور [illegible] کہتے ہوئے میرے گلے میں ڈال دیئے۔ یہ سب کچھ ایسے اچانک یوں ہوا کہ میں [illegible] کچھ نہ آیا۔ جیسے میری قوت بیان ہی ماری گئی ہو۔ پیشتر اس کے کہ میں وہ [illegible] کچھ کہتا [illegible] تانگہ بڑھا چکا تھا۔

[illegible] قدم قدم تحیر و تردد سے واسطہ رہتا ہے۔ مکمل وہی شخص ہے جو ہر لمحہ ہر لحظہ [illegible] ضرب وزن سے خود کو بچاتا ہوا تحلیل نفسی اور تحلیل منتہی کو اپنا شعار بنا لے اور صرف "جی" [illegible] "نہ" اور "نہیں" نکل گیا تو سمجھو کہ پاؤں پھسل گیا۔ پھر پھسلتا ہوا کہاں پہ جا تھمے یہ کون [illegible] تانگہ بان کو دیکھ کر اور "داتا صاحب داتا دربار" کے آوازے سنتے ہی مجھے کھٹک گئی تھی کہ [illegible] تانگے ہی لگے۔ میرا کالا لباس اس نے سیاہ چہرے۔ یا کسی کا ضرور کے میں گلابوں کے ہار ڈالنا [illegible] پہ کے منتظر میرے سوال کو نظر انداز کرنا یہ سب کچھ یونہی تو نہیں تھا؟ [illegible] ضرور بھاگا جا رہا [illegible] چوک کے سامنے مسجد شب بھر کے عین پیچھے پہنچ کر وہ سیاہ پوش پری زاد مجھ سے نظریں ملائے [illegible] سے کہا ہوا۔

UrduPhoto.com

[illegible] بابا [illegible]

[illegible] اس نے یوں کہہ دیا جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ شاہ عالمی ہے یہ مسجد شب بھر ہے۔ ذرا آگے [illegible] پاس پہنچے تھے وہ اپنی آپ ہی اتر گئی۔ میں نے اتارنے [illegible]

[illegible] کی ری دیکھو ری [illegible] کالا [illegible] دیکھو ری [illegible]

- [illegible] تا وارے جنت نظارے.....!

[illegible] کے تانگہ اڈا پہ اس نے گھوڑا تانگہ سٹینڈ پہ کھڑا کر دیا تھا۔ گھوڑے کے منہ پہ دانے والا [illegible] اپنے نرم ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں میری کلائی پکڑے وہ کشاں کشاں مجھے داتا دربار کے [illegible] کی جانب لئے جا رہا تھا جیسے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے کسی نوآموز جیب کترے کو [illegible] اندرون بھاٹی دروازہ لے کر جا رہا ہو۔ میں اک پگ پیچھے اس کے ڈھلتے سائے کی مانند گھسٹتا [illegible] تھا۔ ہم وہیں "ہوتا چوری" والی جگہ پہ جا کھڑے ہوئے تھے۔ جوتے اتارنے بیک وقت ہم

دونوں نے جھک کر چوکھٹ چومی۔ فرش پہ ہاتھ پھیرے نقطہ پہ مل کر اندر داخل ہوئے۔ مزار شریف کے سامنے کھڑے ہو کر فاتحہ شریف پڑھی دعا مانگی۔ پھر اس نے میرے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر قبر کے سنگ جالی میں پھنسا دیا ساتھ ہی اپنی پیشانی بھی جالی پہ ٹکا کر خدا جانے کہاں گم ہو گیا۔ ہاتھ پکڑا اور بندھا ہوا کیا کروں کس سے کہوں؟ آخر میں بھی جالی سے ماتھا لگا کر آنکھیں موندے پڑ گئے۔

انسان جب اندر سے سکون پکڑ لیتا ہے تو اسے باہر کی کچھ خبر و خواہش نہیں رہتی۔ وقت شاید ہلکا سا سکون لے لیا تھا شاید میں نے بھی کہیں ہلکی سی جھپکی لے لی ہو گی کیونکہ جب میں اٹھا تو رات ہلکی سی جھلک چکی تھی اور میں وہیں قبر سے ٹکر لگائے نیم دراز سا تھا۔ بوجھل سا کافور سا دماغ بے وزنی کی سی کیفیت میں خالی خالی نظروں سے ارد گرد کے بھرے بھرے دیکھنے لگا۔ وہ ہو میرے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ دھرے قبر کی جالی میں پھنسائے میرے ساتھ کھڑا تھا موجود نہیں تھا۔ آس پاس دیکھا مگر وہ وہاں ہوتا تو کہیں دکھائی بھی دیتا۔ میں اب قبر کے سنگین سکیشن سے لے کر یہاں تک کے تمام منظر آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ میں سمجھتے ہوئے بھی یہ تھا کہ وہ کون ہے؟ یہ جانتا تھا کہ یہ کون ہے؟ اس کا مقصد کیا تھا۔ خبر کرنا اور پھر مجھے یہاں چھوڑ کر خود غائب ہو جانا؟ ظاہر ہے کہ تحیر تو شے میں کسی بھی بات کا جواب و جواز نہیں ہوتا لیکن بلا وجہ اور خالی از حکمت و جہت بھی کچھ نہیں ہوتا۔ یہ بھی قطعی نہ سمجھ "غائب" کے فہم و ادراک میں نہیں آ جاتے اور ایسا بھی نہیں ہوتا کہ کسی واقعہ فہم میں ہی نہ آئے۔ استقامت کے چوتھے پہ یقین کی بانڈی میں صبر کا سالن پکانا پڑتا ہے اور پھر جب سب کچھ مل جائے تو پھر اسے بارغبت و رضا کھانا پڑتا ہے۔ اس راہ کے راہرو کے لئے جبلی فطرتی اور جسمانی تقاضے چنداں اہمیت نہیں رکھتے۔ پتھر راہوں اور پہاڑوں میں پڑے دھرے رہتے ہیں وقت زمانے اور فلک ٹھوکروں کی چوٹ سے چمک پکڑتے ہیں اور پھر یہی پتھر جب آتش شوق اور محنت کشتہ ہو کر "سرمہ طور" بن جاتے ہیں تو پھر ان کے لئے آزمائشوں اور کلفتوں کے نئے جہاں ہیں۔ گناہ و ثواب اچھائی برائی نیکی بدی کے پیمانے قاعدے قانون اور رویے ہر ساعت و پل جگہیں بدلتے رہتے ہیں۔ یہاں ہر لمحہ نقل پہ تولے عقل پہ جانچے اور جان کے لالے پڑے رہتے ہیں جانا عذاب بھی بن سکتا ہے لیکن مانا راحت ہی راحت ہوتا ہے۔ اس راہ میں طالب فنا ہوتا ہے ٹھوکریں ٹھڈے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا جاتا ہے کسی فٹ بال کی طرح کوئی

ہے باپ کے پاس نہیں ہوتا۔ ٹھوکر مار کر دوسرے بابے کی جانب بڑھا دیا جاتا ہے۔ وہاں سے کسی اور کی
[illegible] جب تک کھیل کے میدان میں وہ بال گول اور باؤں کے درمیان ہو "غریب کا بال" انمول نہیں
ہوتے۔ دونوں بال دونوں طرح کے کھلاڑیوں کی بھرپور ٹھوکروں کی زد میں رہتے ہیں۔ اچھا فٹ بال
[illegible] چمڑے کے ٹکڑوں سے بنتا ہے۔ بڑے اعلیٰ قسم کے دھاگے سے بڑی مضبوط سلائی کی جاتی
[illegible] کے اندر ہوا ہوتی ہے جو اسے ہلکا، نرم اور لچیلا بناتی ہے اور اچھا "غریب کا بال" فٹ بال
[illegible] تر جانداز اور نرم چمڑے کا ہوتا ہے۔ یہ عمل میں کھال چمڑا اتار کر بنتا ہے۔ سوتی دھاگے کی
[illegible] کی آنتیں ورید یں کھینچ کر اس کی سلائی بندھائی کی جاتی ہے۔ اس کے اندر ہوا نہیں "آ"
[illegible] جس کی وجہ سے یہ نہایت ہی سبک، نرم اور ثمر یا ہوتا ہے۔ کسی اچھے کھلاڑی کی ایک ہی ٹھوکر
[illegible] سے ہی دین دنیا کا میدان پار کر جاتا ہے۔ میں بھی ان جانوں کی ٹھوکروں میں ایک بال ہی
[illegible] میر حسن، مولوی ابراہیم سیالکوٹی، حکیم الامت، گھوڑے والا، [illegible] چاچا
[illegible] کمل، قمرا بابا رحمت سائیں، ٹھو سائیں، تانگے والا [illegible] ابھی تک کے کھیل میں یہ سب
[illegible] مجھے ٹھوکروں میں رکھے ہوئے تھے لیکن میں [illegible] "کا فٹ بال تھا۔ آپ نے
[illegible] کر دیا [illegible] پتھروں کو پیٹ کر
[illegible] لیتے ہیں۔ اسے "کھندو" کہتے ہیں اور اگر اس کھندو پر اور زیادہ پتھر لیپ دیے جائیں
[illegible] بال سا بن جاتا ہے مگر اس میں یہ قباحت ہوتی ہے کہ یہ بھاری اور پتھر کی مانند سخت ہوتا ہے
[illegible] ٹھوکر سے زیادہ دور نہیں جاتا [illegible] پاؤں کو تکلیف بھی دیتا ہے اور بار بار اٹھانا بھی پڑتا ہے
[illegible] ایک ایسا ہی کھندو تھا۔

میں اپنی اسی چھاؤں اور بات میں پھنسا ہوا مجرد غریب نواز کی دیوار سے لگا ہوا پڑا تھا۔ بھوک پیاس
[illegible] ضرورت کا ہوش نہیں تھا آنکھوں کی نرمی میں نیند کی نیا ابھی تک ہلکے ہلکے ہلکورے لے رہی تھی۔ اسی
[illegible] کے عالم میں ناک نے کسی اشتہا آور قسم کی مہک محسوس کی دیکھا تو میری ناک کے نیچے ایک پلیٹ
[illegible] گرم پلاؤ اور زردہ خوشبو کی لپٹیں چھوڑتا ہوا دعوت طعام دے رہا ہے۔ زعفران اور کیوڑے کی
[illegible] مہک نے میرے اندر بھوک کے گزارے کھلا دیئے۔ ایسا خوش رنگ، خوش نظر طعام میرے لئے
[illegible] نایاب آ گیا۔ صبر کا یارا نہ رہا لقمہ اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھانا چاہا تو ایک نورانی سا ہاتھ
[illegible] ہاتھ پر آ گیا۔

"السلام علیکم [illegible] میں یہاں کھانا دیکھتا ہوں تم وہاں سامنے نل سے ہاتھ دھو لو"

نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک کالی سی شبیہ میرے سر پر جھکی ہوئی تھی۔ مشک بار گیسوؤں کی آندھی
دیکھا موٹی موٹی کالی ڈوروں والی لرزتی آنکھوں میں کسی عقاب کی سی چمک کالے سیاہ کرتے کے
گریبان سے نکلتی ہوئی عقابوں کے موٹے موٹے مکوں والی ران اور ایک ایسی ناقابل بیان سی خوشبو
احساس کو روح تک سرشار ہو گئی۔ اس مرد سیاہ پوش نے یہ کہتا قدم قدم مجھے اپنے ہاتھوں سے
ایسی لذت و حلاوت کہ طبیعت بشاش بشاش ہو گئی رگ و پے میں اک عجیب سی طمانیت اور
احساس بجلی کی مانند کوند گیا تھا۔ پھر وہ یوں مجھے اپنی جھولی میں سمیٹے ہوئے نکلا جیسے کوئی عقاب کسی
جھپٹ کر افق تیر ہوتا ہے۔ اندر جانے کیا کیا میں کہیں تاخیر تھی یا اس میں تعویذ پڑے ہوئے تھے
وجود سے ہلکے نیلے رنگ کی ٹھنڈی ٹھنڈی شعاعیں سی باہر نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں جیسے پاؤں
سے اٹھ گئے ہوں۔ اردگرد کا ماحول ہر چیز ہر چیز سے دھلی دھلی سی نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ اتنی
ہلکی پھلکی سی جیسے تمام وجود پر سے اپنا اختیار اٹھ گیا ہو۔ سوچ، فکر، ارادہ، کچھ بھی تو اپنے اختیار میں نہ
تھیں ایک جھکائے چھپے ہوئے پرندے کی مانند اپنے صیاد کے رحم و کرم پر تھا۔ وہی کھوا تا گلہ ٹھیک
سواری پورے [illegible] ہو گئی۔ جیسے بیٹھنے کے [illegible] رکھنے اور [illegible] کہنے
ہو۔ تانگہ [illegible] تھا اور [illegible] کے چندن کاٹھ کے [illegible] پاس [illegible]
مدھم مدھم سی [illegible] کی لپٹیں دماغ کو [illegible] سا کر رہی تھیں۔ بیٹھنے کے گدے جیسے کستوری ہرن کی کھال
جنسوں کے بال [illegible] گئے ہوں۔ دیوار ملائم اور سکون بخش [illegible] "رجال رشید" کے
ہوئے کالی بدلی تک میرے [illegible] کے [illegible] ہوئے تھے۔ اس نے اس بار بھی مجھے تانگے
"گرشتی" جگہ پر ہی بٹھایا اور خود پائیدان پر الف کھڑا ہو کر گھوڑے کو پکارا دیا۔ ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ
ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ

"پرشاد پڑے جب پیٹ میں تو بدھی پھیر دھاگے
جمنا جل کی جل گگری جا جل پور میں جھاگے"

میں کیا جانوں کہ میں نے یہ کیا کہہ دیا۔ یہ تو وہی جانے جس نے آدم کو علم الاسماء سکھایا۔ ہم بیان کی بنت اور باریکیوں کی ودیعت کی تھیں۔ اس کے کوئی معنی بھی ہو سکتے ہیں یا یہ بھی بے معنی ہے۔ اگر وہ معقول تھا معقول، فضول یا محض لغویت؟ لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ پھر میں نے کہا تھا۔ یہ غلط یا بے ترتیب کچھ بھی تو میرا نہ تھا۔ اگر کوئی بعد میں مجھے یہ کہت من و عن ادا نہ کرتا تو میں ہرگز نہ کر سکتا۔ ایسا کیا ہوا اس نے راسیں کھینچیں تو چشم زدن میں گھوڑا الف کھڑا ہو گیا۔ سر پر بالوں سے ناک کے بانسے باہنی تک کھنچی چلی آئی۔ گھوڑے کے نتھنوں سے دھواں اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ ایک دم پچھلے پاؤں پر اٹھے اور اگلے پیروں کو ہوا میں اٹھا کر ہنہنانے لگا۔ بڑے بالوں کی مانند پیچھے سیٹ پر جا پڑا۔ وہاں سے گیلے صابن کی طرح پھسلتا ہوا پچھلے پاؤں پر کھڑا سیدھا ہوا تو وہ پُراسرار آنکھوں میں شعلے اور ہاتھوں میں [illegible]

[illegible] اور [illegible] کی دوسری جانب [illegible] میں لیے [illegible] صاحب اسرار کو دیکھا۔ انسانی ظاہری بصارت بھی کچھ اصولوں پہ کام کرتی ہے۔ کھڑے [illegible] دیکھو تو صاف سیدھا دکھائی دیتا ہے۔ اگر ٹک پلٹ کر دیکھو تو عجیب طرح سے ٹیڑھا نظر آتا [illegible] یہ کیا؟ جیسے پاتال [illegible] تک سنگ سیاہ کی ایک لاٹ سی گڑی کھڑی ہو..... ابھی میں اس اسرار پہ غور ہی کر رہا تھا کہ [illegible] نے مجھے ہاتھ بڑھا کر یوں اچکا جیسے بیستانی سیاہ عقاب کسی چوپائے کے نومولود [illegible] کو اٹھا لے جاتا ہے۔ چند شعلے بارے وہ مجھے گھورتا رہا۔ میں نے غور کیا کہ اس کی صورت شباہت اب [illegible] تھی۔ چہرے کے خدوخال، آنکھوں کی حالت، مجھے دیکھنے کا انداز جیسے سب کچھ ہی انور بدل گیا [illegible] وہ مجھ سے مخاطب ہوا تو یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس کا تو لہجہ اور طرز تکلم بھی کچھ سے کچھ [illegible] یا للعجب! پتہ نہیں کہ اور کتنی بلیاں ابھی تھیلے سے باہر نکلنی باقی ہیں؟ میں نے [illegible] کو لوہے کے چنوں کی مانند چباتے ہوئے بولا۔

"باگھ ہو کر بلیوں کے بارے میں سوچ رہے ہو.....؟"

میں نے اس کی شعلہ نگاہی سے بچنے کے لئے آنکھیں نیچے رکھتے ہوئے ادب سے کہا۔

''بھانجوں کو اپنی خالاؤں کا خیال رکھنا چاہئے''.....

میری آنکھیں اب بھی نیچے تھیں مگر میں صاف دیکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں اب شدید سے ساتھ تیزی بھی آ گئی تھی قدرے لڑکھڑاتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

''خالہ یاد ہے اور چاچی بھول گئی جبکہ خالہ سے چاچی کا رشتہ اٹم ہوتا ہے۔ اصل رشتہ تو باپ کی پشت کا ہوتا ہے ماں کی پشتوار کا رشتہ بتاشے کی مانند ہوتا ہے جس سے منہ تو میٹھا ہوتا ہے مگر پیٹ نہیں بھرتا چاہے تو کرا بتاشے توڑ لو.....''

میں ابھی تک اس کے بازوؤں کے حلقے میں ہی سمٹا رہا تھا۔ اس نے مجھے پھر آگے والی سیٹ پر لا رکھ دیا جیسے کوئی گرم نرم اور تازہ بتاشے کو ملائم جگہ پر اتارنے کے لئے رکھتا ہے۔ پھر وہ گھوڑے کی جگہ جگہ تھپڑ مارتا ہوا مجھ سے مخاطب ہوا۔

''کا کیں کا کیں اور کیا کیا کم کریں کا کا جی! اگر میں آج ''ملک کافور'' کو قابو نہ کر پاتا تو کیا ہی جانے کہ کیا ہو جاتا ہاں تو کا کا جی! آپ نے کہا

UrduPhoto.com

جبل پور میں جبل پور میں جبل پور میں

[illegible] روزمرہ کا راستہ تھا۔ میں اکثر اسی راستے سے گزرتا ہوا اپنے مرشد پاک کے مزار پر [illegible] حاضر ہوا کرتا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ "ملک کا نور" اور یہ بندۂ واقف و رموز مجھے [illegible] ہے ہیں؟ ... شاہی مسجد کے پرشکوہ دو مینار دائیں جانب گنبدوں کی جھنکار۔ رنگ و [illegible] میں ڈوبا ہوا شاہی بازار۔ دریچوں، جھروکوں سے غم جھانکا کرتے ہوئے روشنی [illegible] چھتی بار گھرے والے ہرے لیتے ہوئے تماش بین تانکا جھانکا کرتے ہوئے شاید باز [illegible] تاجوں پہ بنتے سنورنے والوں کے جھمکے پٹواریوں کے ہاں پڑے کے پڑے۔ گلی [illegible] ... ذوالمیدن اور عبیدن مختار بیگم کی ٹھمریوں غزلوں کے بجتے ہوئے توے۔ اوباشوں [illegible] تھپکی دیتے ہوئے پچھلے اور بگڑے ... میرے لئے یہ سب کچھ نیا اور حیران کن تھا۔ [illegible] یہ سب کچھ آج ... عجیب سا لگ رہا تھا۔ بگڑے شاہی محلوں سے گزر کر ہم بہت آگے آ [illegible] دیوار کے سامنے احاطہ میاں بخشو میں اس نے تانگہ ڈال دیا۔ اندر میدان میں غم کے [illegible] سبز پوش ملنگ بیٹھا بھنگ گھوٹ رہا تھا۔ تانگہ گھوڑا اس کے سپرد کر کے وہ میرا ہاتھ [illegible] گلی میں اتر گیا۔ تعظیم، تحسین اور وسیع ظرفی سے ہمارا استقبال کیا۔ ذرا [illegible] ... ان کی لے بلوں کی تمام و شیت کا بخوبی [illegible] سارنگی کی آوازیں مدارج تھیں۔ ذرا آگے بڑھے تو ریزان زدہ دیوانوں کی آتشی روشنی [illegible] ہوئے کچھ بھی دکھائی دیتے گویا کہ "کے ڈری" کا ناپ پیمانوں کی "لوٹ بیل" [illegible] دیکھ کر کی ہمدرد تھی ... بے تکلف بے تکلف ... تھے۔ شاید ان کے گلے سینے [illegible] ہوئی تھی یا کہیں بلغم پھنسی ہوئی تھی کہ پوری گلی گھنگروؤں، گھنٹیوں اور سنگ ریزوں سے [illegible] ہاتھ مضبوطی سے میرا بازو پکڑے گلی سے نکلا جا رہا تھا۔ غم اندھی گلی سے نکل کر اب [illegible] پاؤں اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ایک پرانے سے چوبارے کے نیچے آ کھڑے ہوئے [illegible] پمپ نظر آیا۔ مجھے اس کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں پانی نکالتا ہوں، تم وضو کر لو۔"

[illegible] روشنی میں وضو کرتے ہوئے میرے پیر بھی بھیگ گئے تھے۔ میں نے اپنی آستین [illegible] ہاتھ پونچھے۔ اب میں پمپ کی ہتھی کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"اب آپ وضو کریں، میں پانی نکالتا ہوں" ... میں نے اندھیرے میں اس کا روشن چہرہ [illegible] ہے۔

UrduPhoto.com

"تمہیں وضو کی ضرورت تھی....."

موسیٰ ہاتھ تھامے چوبارے کی بیچ حجروں کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ میں نے نظریں چہار اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ چھوٹے سے میدان کے درمیان میں ایک کنویں کی منڈیر جان پڑی اور دو چار چوبارے مزید دکھائی دیئے جن میں ہلکی روشنی بھی تھی جس سے یہ ظاہر تھا کہ ان چوباروں میں زندگی پائی جاتی ہے مگر جس چوبارے کے نیچے ہم آ کھڑے ہوئے تھے وہ تو زندگی کی ہر رمق سے محروم دکھائی دیتا تھا۔ بیچ حجروں کے دروازے کی ساتھ دو کھڑکیاں بھی تھیں۔ دروازوں کی بنی ہوئی چوبیں کافی پرانی تھیں۔ نیچے دو چار کتے اور پلے نیم دراز سے دکھائی دے رہے تھے۔ لگتا تھا کہ جیسے یہ دو کھڑکیاں مدت سے بند ہیں۔ مرد سیاہ پوش نے دروازے سے ٹیک لگا کر "السلام علیکم" کہتے ہوئے ہلکی سی دستک دی۔ میرے کان ادھر ہی تھے۔ جواب کیا آتا وہاں تو اندھیرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دستک سے البتہ تھوڑے سے نیچے کتیا کے بچوں نے بھونکنا شروع کر دیا تھا مگر وہ بندہ اسی طرح بندہ انتظار بنا ہوا بڑی عاجزی سے سر جھکائے ہوئے یوں کھڑا تھا جیسے بھیس والے گھر سے کسی مانگنے والے کی صدا آئی ہو۔ [illegible] میں چھپا ہوا سوچتا ہی رہتا تھا بلکہ اس عادت کے ہاتھوں میں کئی مرتبہ ذلت بھی اٹھا چکا تھا۔ تو میں بھی والد صاحب کی بدولت کھانے والا سا تھا مجھے کم از کم آج کے اس واقعہ کو اتنی جلدی فراموش نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بات تو ذمہ دار اور سمجھدار انسانوں کے لئے ہوتی ہے سمجھانے کو مورکھوں اور ضدی وضعداروں کے قریب سے گزر جاتی ہے۔ اب یہاں بھی میں نے مانگنے والی بات سوچی تھی کہ جھٹ سے جواب آیا۔

"کاکا! تم نے بھی بھیس کے دودھ کی لسی پی ہے تازہ تازہ بولی تمک کے ذائقے سے کھوری ہوئی ....؟"

میں نے ڈری ہوئی آواز میں لرزاں لرزاں سا جواب دیا۔

"جی....."

"لو! لسی والی بات کے ساتھ دو باتیں اور بھی سنو۔ بھیس والے گھر سے لسی پینے سے رشتہ رزق حلال کمانے والے گھر سے کچھ کھانے پینے کے لئے اور علم و بزرگی والے گھر سے عافیت و عاقبت کی بھیک طلب کرنا عین جائز ہی نہیں بلکہ ثواب بھی ہے۔"

اب جس دروازے کے آگے ہم دونوں "بھیکتے" ہوئے سیاہ پوش کھڑے تھے وہ کسی [illegible] تھا۔ جیسے کسی خدا دروازے پر آ گئے ہوں۔ آخر [illegible] دروازے کے آس پاس [illegible]

[illegible] ہوا بظاہر قریب آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اب دروازے کی دریدہ درزوں سے ہلکی سی روشنی [illegible] میں بھی دکھائی دینے لگیں جیسے کوئی انہیں لئے کسی ہلکی سی راہداری سے دروازے کی جانب آ رہا [illegible] ہاتھوں پہ ہاتھ باندھے نیم اندھیرے میں یوں کھڑے تھے کہ ابھی حقیقت خانے کا [illegible] ہوا کھلے گا اور ہم مختلف شکلیں سفاک نظروں سے ہمیں گھور کر دیکھے گا اور پھر کھوجنے والی [illegible] سے ہمارے سراپا کا نظر جائزہ لیتے ہوئے بادل نخواستہ اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ دے [illegible] ہمارے اعضا میں سے اٹھی ہوئی چیخوں اور آہ و بکا سے بھری ہوئی راہداری کی نحوست زدہ [illegible] پہ ستادہ آہنی قندیلوں کی لرزتی روشنی میں آگے بڑھتے ہوئے زنداں کے اس حصے میں پہنچ [illegible] ہیں جہاں کچھ دیر قبل ایک بے گناہ مظلوم قیدی کو قابل برداشت اذیتیں سہتے ہوئے جان [illegible] ہے اور ہم سیاہ پوشوں کی بدولت اس بیچارے کو [illegible] کی آخری رسومات کی ادائیگی کے [illegible] حاصل کی گئی ہوں۔

اس اثنا کے بعد نے میرے ہاتھ کو ہلکا سا دبا کر مجھے ہوشیار کیا۔ دروازے کے اندر کی جانب [illegible] کر رہا تھا۔ چرچراہٹ کے ساتھ دروازے کا ایک پٹ وا ہو چکا تو دیکھا چھوٹی سی اندھی [illegible] کوٹھڑی [illegible] کھڑا تھا۔ [illegible] پیچھے ہٹ کر سرگوشی کی جنبش سے اس نے ہمیں اندر آنے کا اذن دیا۔ اندر قدم رکھتے ہی [illegible] ہی اجرا کی قدم کسی خود رو بیل کی کان میں داخل ہو گئے ہیں۔ ہلکی ہلکی [illegible] پر اسرار سی مہک [illegible] ہوا کے مقبروں میں محصور ہوتی ہے جو انسان میں تلخ اور تحیر کی سی پیدا کر دیتی ہے [illegible] میں کھینچتے ہی انسان خود کو صدیوں پیچھے کی گہری کھائی میں ڈوبتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ رات [illegible] سب کے لباس سیاہ اندھیری سی دیوار تھی جیسے ہم ماضی کے بیتے گزرے زمانوں میں کہیں اتر گئے [illegible] دروازے کے پٹ کو بھیڑتے ہوئے اس سیاہ پوش نے آہنی چرخی پھر چراغ کی لو بڑھاتے ہوئے [illegible] پیچھے آنے کا اشارہ دیا۔ چند قدم آگے بڑھ کر ہم ایک صحن میں داخل ہو گئے۔ دکھائی نہ دینے [illegible] چراغ کے باوجود وہاں ہلکی سی ہوا کے ہمراہ روشنی ضرور موجود تھی جبکہ تاریکی اور گھٹن کا احساس [illegible] قائم تھا۔ صحن کے پار اتر کر دیوار [illegible] ایک غلام گردش میں داخل ہو گئے۔ چراغ بردار آگے [illegible] کے عقب میں ڈھلے والے چوبک بردار اور اس کے پیچھے میں دم بخود [illegible] سیاہ پوش کا [illegible] بردار شامل [illegible] کا [illegible] میں ہو رہی تھا پیچھے پیچھے بندھا ہوا چل رہا تھا۔ غلام گردش [illegible] سامنے بڑھ کر ہم ایک ہال نما جگہ سا آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک [illegible] کی [illegible] شاہی چوکی

UrduPhoto.com

اینٹوں کی بنی ہوئی دیوار جو جگہ جگہ سے اکھڑی ہوئی تھی دکھائی دی۔ اس میں ایک اونچا چوبی دروازہ جس کے پٹ ڈھروں پہ لوہے چیتل کے پترے میخیں اور کنول کے پھول چڑھے ہوئے تھے۔ چوکھٹ کے دونوں اطراف سرخ جو چھوٹی اینٹوں کے دربانی تھے اور ان کے ساتھ اوپر چونے کی تہہ سے ڈھلی ہوئی بغلی محرابیں اور قبے۔ گویا سب کچھ شکستہ اور انتہائی مخدوش حالت میں تھا پھر بھی جو کچھ باقی تھا وہ خوب تھا یعنی کھنڈر بتا رہے ہیں کہ عمارت عظیم تھی۔ یہاں پہنچتے ہی واضح طور پہ محسوس ہوا کہ اب ہم قدرے کھلی فضا میں سانس لے رہے ہیں رات کی رانی اور چنبیلی کی بھینی بھینی خوشبو نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ قرب و جوار سے سازوں کا آہنگ بھی سنائی دے رہا تھا۔ یہاں اندھیرے کی کرافت بھی دھیمی سی محسوس ہوئی۔ اب ہم کم سے کم اپنے اردگرد تھوڑی دور تک دیکھ سکتے تھے۔ دروازے کے سامنے پہنچ کر ہمارے رہبر نے دھیما ہاتھ بڑھا کر چوکھٹ کے اوپر اٹھرے ہوئے چیتل کے ایک کنول کو دبایا اسی اثناء میری بائیں ساتھ ہی دیوار پہ ایک تختی اوٹ پہ جا گری اور میری آنکھ کھلی۔ "حویلی جمنا بائی جیل پوری" ایک نئے بسے گاؤں میں میرا دارغلی کے عالم میں لہرا ہوا کہت گونجنے لگا۔ "جمنا جیل کی جیل گلی جا جیل پور میں بھائے" [illegible] پوش کے الفاظ بھی کچھ [illegible] تم جیل پور پہنچ ہی جاتے ہو..... الٰہی یہ اسرار [illegible] ہے اور [illegible] ہے [illegible] طور پہ [illegible] سے قاصر تھے۔ مجھے تو اس "تختی تماشے" میں پہنچتے ہوئے یہ بھی واضح نہ ہو پایا کہ دروازہ کب کھل چکا ہے اور ہمارا رہبر انتظار میں ہے کہ ہم اندر داخل ہوں سیاہ پوش نے مجھے کسی سے ہوکا دیا تھا۔ [illegible] دروازے کے پٹ کھلے ہوئے ایک چھوٹے دروازے سے ہم اندر داخل ہوئے یہاں [illegible] چھوٹے چھوٹے بغلی کمروں والانوں سے گزرتے ہوئے ہم ایوان میں پہنچے۔ یہاں تو دنیا ہی دوسری تھی۔ نکہت و نور سے نہلے ہوئے در و بام روشنیاں تھیں کہ کسی چنچل شوخ کی ہنسی کے جلترنگ کی مانند پھوٹ رہی تھیں۔ وسیع و عریض سجا ہوا شبستان گلاب کے مہکتے ہوئے پرزے سپید براق چاندنیوں پہ سرخ اطلس کے منقش تھے۔ پھندنے آگالدان چھتیوں کے جھاڑ فانوس دیواروں پہ مصور طغرے منقش چھتیوں کی ڈالیاں بیلوں سے ڈھکے پڑے تھے اور چوبی دیوار گیر سے۔ آبنوسی چاپائیوں پہ گاؤ تکیوں سے بھرے قلمی دار قالین ایک جانب تختے تھے تختی میں اٹکے ہوئے آبنوسی تختی خوب رنگ و رعنائی نظر مشروب کی بوتلیں صراحیاں بیٹھے ہوئے سرخ و سبز کے قاب تھے۔ مرمر کی دم پخت تختی کی قلیاں تھیں اور کھڑے کے طویلے پہ منقش دبا دام پستہ و لوز پہ نقرئی طلائی آب دار ورق۔ وہ مرد سیاہ پوش رہبر جس کی صورت جسم جس میں نہ دیکھ سکا اور جان سکا تھا۔ اس ایوان تک ہم دونوں کو پہنچا کر کہیں غائب ہو چکا تھا۔ [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] دروازے سے لے کر یہاں اس ایوان تک ہماری نظروں کے سامنے رہا کسی [illegible] نہیں ہوا تو پھر وہ ایک ایکی کہاں اڑنچھو ہو گیا؟ ... خیر اب ہم یہاں دونوں تنہا تھے اور [illegible] پڑا تھا۔ میں ششدر حیران و پریشان سا اس حاضر ہو شربا کو سمجھنے جاننے کی کوشش کر رہا تھا [illegible] وہ تانگہ والا سیاہ پوش ایک تخت پوش پر بڑی بے نیازی سے بیٹھا میرا تماشا دیکھا ہوا دکھائی [illegible] جاتا تھا کہ اس سے بات کرنا یا کچھ دریافت کرنا لاحاصل ہے اسے شاید ہدایت تھی کہ وہ مجھ سے [illegible] نہ کرے یا پھر وہ مجھے جان بوجھ کر تپا رہا تھا۔ میں نے اک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی۔ وہ [illegible] رہا تھا مگر نظر سے نظر ملتے ہی طرف دے گیا۔ ٹھیک ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں بھی [illegible] سے کچھ نہیں پوچھوں گا ... اسے تپانے یا خود کو ہلانے کی غایت سے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔

● کس خوبیاں و نقص درویشاں .....!

[illegible] مجھے [illegible] ساتھ [illegible] قریباً آدھی [illegible] عجیب و غریب بہت [illegible] استعمال کئے جانے والے [illegible] آمیز رنگوں کا استعمال [illegible] پر کیا گیا تھا۔ میں ذرا قریب ہو لیا ... اتنا بڑا کیوں اتنا بڑا کام؟ خدا جانے وہ کون تھا [illegible] مصور! آخر اسے ایسی عجیب و غریب پراسرار رقم کی پینٹنگ بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی [illegible] اسے بنوایا ہی ہے تو کیوں [illegible] کا مقصد کیا تھا ... میں اپنی پلکیں جھپکنے اور [illegible] کرنے [illegible] سے مجبور ہو کر پینٹنگ کے بالکل قریب چلا گیا۔ ایسا نفیس باریک اور تفصیل کا اعلیٰ کام [illegible] دلچسپی دوچند ہو گئی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھ رہا تھا۔ تصوراتی فنی تفصیلی جزئیات اور [illegible] نے ایسا لطیف شفاف اور نظر نواز کام کر دیکھنے والا اسے دیکھتا ہی رہ جائے لیکن یہ ایسا [illegible] کینوس تھا کہ انسانی دائرہ بصارت یک بیک اس کا احاطہ کرنے سے قاصر تھا یا تو سامنے ذرا [illegible] ہو کر اسے کلی طور پر سمجھا جا سکتا تھا یا پھر قریب کھڑے ہو کر اسے جزوی طور پر دیکھنا پڑتا تھا۔ [illegible] پھر پینٹنگ سے ہٹ کر سامنے ذرا دور کھڑا ہو گیا مکمل طور پر فریم کو فوکس کر کے غور سے اس [illegible] لگا۔ اچانک مجھے یوں لگا جیسے روشنی مدھم ہوتی جا رہی ہے آنکھوں میں چوندھ پیدا کرنے والی [illegible] پوٹی پوٹی چاندنی کھل اٹھی ہے۔ ہلکا سا اجالا سا سکون نواز سا محسوس ہوا [illegible] کا جادو نہ جانے کدھر سے ہونے لگا تھا۔ میں ششدر سا اس بدلتی رنگت اور کروٹ بدلتے

ماحول پر غور کرنے لگا۔ معاً میرے دماغ میں اک کوندا سا لپکا یاد آیا کہ یہاں وہ تانگہ والا مرد سیاہ پوش بھی
موجود تھا جس کی معیت اور رہبری میں میں اس طلسم کدے تک پہنچا تھا۔ وہ جہاں بیٹھا ہوا تھا وہ تخت پڑا
تو اب خالی تھا۔ متجسس نظروں سے ارد گرد دیکھا وہ کمرے میں نہیں تھا یا پھر مجھے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
اس سے پہلے بھی وہ داتا کے دربار پر اسی طرح غائب ہو گیا تھا۔ بہ تقاضۂ بشریت بلکے سے تردد کی
لہر دوڑتی ہوئی آئی اور میرے اندر کی طمانیت کو محسوس کرتے ہوئے ہوا کر کہیں نکل گئی۔ اب پھر میری توجہ
تو پھر کامل مرکوز ہو گئی سامنے دیوار والی محراب پر روزگار دیواری تصویر تھی۔ تصویر کو دماغ میں قید کرنے سے پہلے
میں نے اپنی تمام تر ظاہری باطنی حسیات کو مجتمع کر دیا تھا۔ پینٹنگ کے ہزاروں مختلف زاویے چشم زدن
میں میرے دماغ میں محفوظ ہو چکے تھے۔ پھر تقدیر نے طرح طرح کے ایک خاص طریقے کے تحت پوری تصویر
کو اس کے اندر اصول موقع کے مطابق آخر صفحوں میں تقسیم کیا اور تصویر کے قلب میں نظریں کا دیں
جب قلب تصویر کا تو میں نے ہولے ہولے اسے پھیلانا شروع کر دیا۔ دل کی دھڑکنوں میں تصویر
اپنی تمام تر ظاہری جزویات کی ساتھ میری بصری اہمیت کی دسترس میں تھی۔ اس کے بعد میں تصویر
اور قریب آ [illegible] تصویر کے سمندر میں اترتا
بہلول پاشا درویش کی [illegible] تخلیق کیا تھا۔
تخلیق کیا تھا شاید [illegible] کی ذیل میں آتے ہوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ایک جیتے جاگتے منظر کو
معجزے کی پرکار عمل سے تجمد کر کے شجر کی پوست پر پلا دیا ہو۔ پورے قد کے پانچ درویش [illegible]
ہیں۔ اس عمل میں ان کی محویت [illegible] کی سرشاری تک جوان
الگ الگ اور انداز و اظہار سے مزین تھی اور قابل دید تھی۔ ان کے حلقۂ رقص سے ذرا ہٹ کر دو
بے حلیے اور چہرے مہرے والے کوہستانی بڑی جگہ بیٹھے اس رقص زندگی میں رنگے انگلیاں
دف بجا رہے تھے۔ ان کے چہرے عیاں تھے جبکہ رقص کناں درویشوں کے چہرے ان کی لمبی
دستاروں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ پشواز نما کرتوں پر کسی ہوئی چوڑے گریبان والی انگیاں اکثر شانوں
پر پٹکا سنگ عقب کی موٹے موٹے منکوں والی مالائیں گھیرے دار کھلی ہوئی آستینیں جو دست
کے پاس گاؤ زبان کی مانند ہاشت پاشت تنگ اور اس رہی تھیں۔ پس منظر میں سنگ خارا کی دریدہ
کی درازوں سے کندھے کے چھوٹ اور نیلگوں ہوا کے شفاف قطعوں سے قطرہ قطرہ ٹپکتے ہوئے
پارے۔ ان کی جو میں رہتے لیتے ہوئے کھلاتے ڈھلوں دھواں سے نکلتے [illegible] کھونٹیوں سے
ہوئے آب قلعوں کے چوٹی مشکیزے اور خشک کدو کے کاٹ نیچے زرقانی عکس کے رولے [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] ہو سکتا ہے جس کا محل وقوع اور اتنی دور پہاڑیوں میں ہو۔ وہاں کہیں یہ تارک گمنامی غاروں
[illegible] میں یہ تارک الدنیا درویش رہتے ہوں گے۔ کوہ ہیمالیہ کوہ جودی کوہ انبوزی کی گھاٹیوں
[illegible] تہہ خانے کوہ ارارط کے بالائی درے کوہ بیتا کے پیچ دار سلسلوں میں [illegible] کئی زمانوں سے
[illegible] درویش اور صائم الدہر صالح صوفی دیکھے جاتے رہے ہیں جن کے اشغال عبادات اور طور طریق
[illegible] اور آسمانی سے سمجھ میں نہ آنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی زیادہ تر عبادات تزکیہ مناجات
[illegible] مخصوص حال اور رقص پر کھلی ہوتی ہے۔ درمیانے سے دائرے میں والہانہ انداز میں
[illegible] ہوئے یہ درویش وہ تیز ورد بھی کرتے جاتے ہیں۔ یہ پینٹنگ بھی ایسے ہی ایک منظر کو زندہ
[illegible] ہوئے تھی۔ اونٹ کی کھال پر کسی مخصوص عمل سے یہ رنگین و حسین منظر کشی کی گئی تھی۔ زمانہ قدیم
[illegible] پتھروں اور مختلف دساتیر پر مصوری کی گئی اور کندہ کرنے کا فن اپنے عروج پر
[illegible] تو بہت بعد میں آیا۔ اسی طرح رنگین مصوری بھی بڑی محنت [illegible] تھی۔ رنگین مصوری
[illegible] کی معدنیات نباتات تجربات سے رنگوں کے لئے بنیادی مواد حاصل کیا جاتا تھا۔
[illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] پھول تک استعمال میں آتے تھے۔ اس تصویر میں بھی
[illegible] فطرت کے قریب تر اور نظر نواز رنگ استعمال کئے تھے۔ اس تصویر کو
[illegible] کے ساتھ "رقص درویشاں" یا "محبن درویشاں" کا نام دیا جا سکتا تھا۔ ان رقصان و مستان
[illegible] کے جسم چادر سے ڈھکے ہوئے تھے لیکن ان کی نیم وا مخمور و مدہوش سی آنکھوں میں ایک
[illegible] تجسس تلاش اور تڑپ سی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ پانچوں درویش مجھے ہی کھوج
[illegible] کوئی آنکھوں کی زبان سے کہہ رہا ہو کہ میری طرف دیکھو صرف میری طرف۔ میں نظریں
[illegible] انداز کر رہا تھا مگر میں کوشش بسیار کے باوجود ان میں سے ایک درویش کے مستور چہرے سے
[illegible] نہ ہٹا سکا بلکہ مزید ایک قدم آگے بڑھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ مجھے یوں لگا کہ وہ درویش
[illegible] آگے قدم بڑھانے کے عمل سے خوش ہوا ہے۔ اس کی سمندر کی مانند گہری اور کسی تیر کی طرح
[illegible] جانے والی آنکھوں میں کسی خیرہ کر دینے والی چمک سی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں
[illegible] پھیلنے کے عمل سے گزر کر اب کنول کی مانند کھل اٹھی تھیں جبکہ اس دوران میں نے بھی اس کی آنکھ
[illegible] لیا تھا۔ اس نے مجھے ساکت و مسحور سا کر دیا تھا۔ پھر میرے دماغ میں ایک چھناکا

سا ہو جیسے ہی اس کے چہرے سے چادر کا پلو ہٹا سا سرکا۔ وہ بابا رحمت سائیں تھے۔ سائیں سائیں
سرسراتی خنک کا فوری لہر میرے سر و پا میں سے ہراتی ہوئی گزر گئی۔ پھر یوں ۔ جیسے ان کی نگاہیں
بازوؤں میں تبدیل ہو گئی ہوں اور ان بازوؤں نے آہستہ سے آگے بڑھ کر میرے وجود کو اپنی بانہوں
کی گرفت میں جکڑ کر مجھے بھی منظر کا حصہ بنا لیا۔ اب تسبیحوں جیسا گھیرے دار تھا کرتا اور
زیر دار کوفی پائجامہ تھا ریا واسکوٹ کا چوک چوبی تسمہ سے کسا ہوا پیزار اجھالروں والی طرح ترکی ٹوپی
کھمبیری کی مانند گول گھومتا چکر کاٹتا ہوا پانچوں درویشوں کے درمیان میرا وجود قطب طاق بنا ہوا
میں تصویر کے باہر کھڑا تھا مگر خود کو تصویر میں بھی متحرک دیکھ رہا تھا۔ پانچوں درویش کھمبیریوں کی
گھوم اور میرے گرد دائرے میں چکر بھی کاٹ رہے تھے اور دف کی تال تھاپ پہ ذکر بھی جاری تھا
دونوں ہاتھوں کی تال پہ "اللہ" کہتے ہوئے دونوں ہاتھ سر کو کھولتے اور پھر لڑکی کے انداز میں
طرح گھوم کر "ہو" کہتے ہوئے ہاتھ میرے قریب چھونے کے انداز میں آتے مگر مجھے چھوئے بغیر
یہی عمل دہرائے جاتے تھے۔ "اللہ ہو" کے الفاظ ایسے مبہم سے انداز میں دہرائے کہ کچھ میں نہ آ
کہہ رہے تھے کہ بتانی لہجہ کھمبیری کی مہین لرزتی ہوئی تال دف پہ تھپ تھپ کی تھاپ پہ بار بار
جانے والا [illegible] تھا۔ اب
ہی یہ عالم ہو گیا کہ نہ باہر جسم کا احساس رہا اور نہ اندر کہیں وجدانی وفور !

شعور کی نیم غنودگی سے جب ذرا ہوش ٹھکانے لگے تو محسوس ہوا کہ کسی دیوار سے ٹیک لگائے
ہوں۔ میری بائیں جانب کوئی کھچا کھچا ہوا تھا۔ چوکھٹی پہ لگے ہوئے [illegible] کے حریری پردے
جانب سے مست خرام نشیلی سی پروائی سے لہرا کر بار بار میرے عارض سے چھو جاتے
شاید انہی کی وجہ سے میں گہری نیند سے اچٹ گیا تھا۔ ہلکے ہلکے جھکورے لیتی ہوئی ارغنوں کی
مدھر تانیں کانوں میں رس سا پکا رہی تھیں۔ در و بام اور فرش و فانوس پہ اتری ہوئی بھیگی شب کی
نے اس شبستان لالہ رنگ کو فردوس گوش بنا دیا ہوا تھا ۔

آوے ہے بیکلی جی میں یہیں عمر بسر کرو

- زحل سیاہ پوش و نساء آب شبنم باد صبا.....!

دائیں طرف گردن گھما کر ٹیک لی تو دیکھا کہ میرے اور ان کے درمیان آب شبنم کا [illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible] دھیمے سے مدھم اجالے میں کچھ رجل و نساء کالی قبائیں [illegible] طرف اور [illegible] عمامہ سے مزین [illegible] ترک و ترکین سے اس جلسے میں بیٹھے ہیں۔ ان میں جو رجال تھے وہ اپنے کرخت چہرے اور [illegible] سے بڑے صاحب مقام و عزت دکھائی دیتے تھے اور کچھ اپنے مستور چہروں [illegible] ملبوسات [illegible] ملبوس و لوازم سے [illegible] دکھائی دے رہی تھیں۔ باقی [illegible] پاؤں [illegible] ساکت جیسے [illegible] سنگ مرمر کے قد آدم بت [illegible] نشست میں تراش خراش کر یہاں رکھ دیئے گئے ہوں۔

میرے تعجب میں بے پناہ اضافہ ہوا جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ سب آپس میں گفتگو کر رہے ہیں [illegible] حرکات و سکنات اور لبوں کی جنبش سے بھی یہ امر واضح تھا مگر یہ کہنے کہ جو کوئی ایک آدھ لفظ بھی مجھے [illegible] دیا ہو۔ درمیانی فاصلہ بھی کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی آواز مجھ تک آتے آتے راہ میں کہیں رہ جائے۔ میں نے ذرا توجہ سے ادھر کان دھرے اور دیکھا کہ ذرا پرے [illegible] کے پنجرے میں سیاہ [illegible] چہک رہا ہے [illegible] مندی [illegible] ایک فربہ سی شاعرہ بھی تھی ان سیاہ پوش ہستیوں کو دیکھ رہی ہے۔ قلم کے چلنے کی خفیف سی صدا مجھ تک پہنچ چکی تھی [illegible] ملتجب [illegible] میں ان بزرگوں کی آواز سننے [illegible] تھا جیسے ان کے [illegible]

UrduPhoto.com

ایک [illegible] ہوئے بزرگ [illegible] میں [illegible] دکھائی پڑتے تھے زیادہ [illegible] گفتگو تھے [illegible] سے سلسلہ کلام [illegible] جاری تھا لیکن [illegible] قلم میں [illegible] یہ [illegible] کر رہے تھے [illegible] ان سب [illegible] ہستیوں کے چہرے کھلے ہونے کے باوجود بھی [illegible] نہ [illegible] خدوخال [illegible] آنکھیں [illegible] واضح نہ تھا جیسے سب [illegible] نقش نگار پتلے ہوں۔

[illegible] غور کرتے ہوئے اچانک میری نظر دیوار والی پینٹنگ پر پڑی تو ایک نئی حیرت میرا انتظار کر رہی تھی۔ پینٹنگ میں سب کچھ ویسے ہی تھا سوائے ان درویشوں کے جو "[illegible]" کی رقص [illegible] اور [illegible] دف بجانے والوں کی صورت منظر میں موجود تھے۔

میں نے اپنے شعوری حواس مجتمع کرنے کی خاطر اپنی آنکھیں بند کر لیں مگر وہ جو کہتے ہیں کہ آنکھیں بند کر لینے سے سورج کا وجود ختم نہیں ہو جاتا سو وہی ہوا۔ بلکہ میں نے اسی حالت میں کافی دیر تک آنکھیں بند رکھ کر غور و خوض کی ایک آدھ کھڑکی کھول لی تھی۔ سکون کی خنکی خنکی پڑ رہا اور سکوت کے [illegible] احساس نے جیسے میرے دماغ پر ایک چھوٹی سی کافوری ڈلی رکھ دی تھی [illegible] جہاں تو [illegible] ہی [illegible] نظر آ رہی ہے۔

● سیاہ گربہ و گلدم، لمس حریر و ابریشم ...!

میرے پاؤں پنڈلیوں پر رواں رواں نرم نرم سا ریشم سرک رہا تھا۔ کف پا پر آب کلاب سے بنا ہوا چھوٹا سا لچھ ریزی نیند وا محسوس ہوا۔ پاؤں پیٹ کی جانب کھینچتے ہی میں بیدار سا ہو گیا تو وہی سیاہ گربہ کے بچے کے پیچھے والی کالی شاہ کالی بلی میرے پاؤں میں لوٹ رہی تھی۔ بلی کتے اور گھوڑا ایسا ادا اور ناز والے جانور ہوتے ہیں۔ ان کے ناز و پیار کے اظہار میں بڑی وارفتگی ہوتی ہے۔ سچائی اور خلوص ہے۔ میری نگاہ پڑتے ہی وہ سرک کر میرے سرہانے کی جانب آ گئی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور پیار بھری نظروں سے اسے تکنے لگا لیکن مجھے نہایت ہی غور سے اسے دیکھنا پڑا۔ میرے خدا! میں جو اسے تکتے رہ گیا۔ وہ بھی کوئی بلا ہی تھی جو ہمارے گھروں میں محلوں میں مرے ہوئے چھچھوندر پکڑتی ہیں۔ وہ بچہ بھی بلیوں کی شباہت ضرور رکھتی تھی مگر بلیں وہ تو اس کالی بلی کی بھی نہیں تھی اتنی کالی ایسی سیاہ کہ اگر دنیا بھر کی سیاہیوں، تاریکیوں، شب دیجور، شب فراق، کالی بھیانکوں، ناگنوں، اژدہوں، آسیبوں، مردہ ریزوں، گھوڑوں، مردہ جانوروں اور نجانے کیا کیا سیاہی کو جمع کیا جائے [illegible] ہی بلی ہو سکتی تھی جو اس وقت میری آنکھوں میں آنکھیں کھولے مجھ سے پیار کر رہی تھی۔ اب وہ میرے سامنے بیٹھ گئی جیسے شاگرد استاد کے یا استاد شاگرد کے سامنے بیٹھتا ہے۔ وہ متلاشی آنکھوں کے تیور کھولتے [illegible] آپ کو اس کی خرخراہٹ سے [illegible]۔ اب میں چھت سے لٹکتے ہوئے چوبی فانوس کو دیکھنے لگا تھا جس میں کاغذی شمعیں بقعہ نور بنی جگمگا رہی تھیں۔ اچانک میری سماعت سے ایک آواز ٹکرائی۔

"من آ ... نم من آ ... نم ..."

میں نے چونکتے ہوئے اپنے اردگرد دیکھا کون ہے جو "من آ نم من آ نم" پکار رہا ہے گربہ سیاہ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو دکھائی بھی دیتا۔ میں اٹھ کر سامنے کھلے دریچے کے پاس پہنچا آواز کے اسرار کی کھوج کرنے لگا۔ اب میرے پیچھے سے وہی "من آ نم من آ نم" کی آواز آئی۔ [illegible] ایزی پہ کھوما گھوما وہاں بھی کوئی تھا [illegible] گربہ سیاہ اور میں دیکھ رہا تھا کہ یہ آواز بلی کے منہ سے آ رہی تھی۔ "می آ ... وں" کی بجائے "من آ ... نم" میں نے آنکھوں کو ہاتھوں سے ملتے ہوئے

[illegible] کہ یہ سب نظر ہی نہ ہو مگر یہ حقیقت تھی۔ بغیر سوچے سمجھے میرے بھی منہ سے "من دانم" نکل گیا۔ [illegible] کے گلدار کی طرح اس کی موٹی سی لمبی دُم بڑی نمایاں تھی۔ اس نے اپنی دُم سے [illegible] ایک حصار سا کھینچ لیا تھا اور بیچ میں کسی سیاہی شہزادی کی طرح سے تنبورے کی تار بنی ہوئی بیٹھی تھی [illegible] کے حضور یوں کھڑا تھا کہ ابھی وہ اشارہ ادا کرے گی اور میں چشم زدن میں اپنے سر کی فصل [illegible] کے قدموں میں ڈھیری کر دوں گا۔ اس تماشائے "من آنم کہ من دانم" میں شاید کئی زمانے [illegible] صدیوں کی گرہ کھلتے ہی اس نے اپنی دُم والا حصار بھی کھول دیا تھا۔ کمال استغنائے دلبری [illegible] تھی اور سر کو ایک جھٹکا سا دے کر بائیں جانب ایک دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ [illegible] آدھی پٹ کھلا ہوا تھا۔ چوکھٹ پر رنگین کانچ کے موتیوں، شیشے کی منکوں، لڑیوں کی ایک [illegible] آبشار لٹکی ہوئی بڑی پُرفریب دھنک دے رہی تھی۔ اس چوکھٹ کی لٹکی ہوئی آبشار دیکھنے میں [illegible] چھنک اسی آبشار میں "چھنان چھنان" کی مترنم آواز کے ساتھ ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا۔

موتیوں اور شیشے کانچ کے موٹروں کی ایسی جھالریں "کمنی" کا مخصوص دائرہ پونا، پٹنہ، رامپور، لکھنؤ اور [illegible] کے محل سراؤں، حویلیوں کی چوکھٹوں پر [illegible] دکھائی دیتی ہیں۔ [illegible] میں بڑے [illegible] ان جھالروں والی چوکھٹوں سے گزرنے والا [illegible] تجربے سے گزرتا ہے۔ ہلکی سی جھنکار تک "چھنان" اور پھر کئی لمحوں تک ان لڑیوں کا آپس میں [illegible] ارتعاش پیدا ہو کر بڑا اچھا لگتا ہے اور انسان کے موڈ مزاج پر بڑا خوشگوار اثر ہوتا ہے۔ ان رنگین [illegible] کے ساتھ ایک اور چیز بھی اس تہذیب کا حصہ ہے وہ ہے موتیوں، موٹروں کی لڑیوں والے کمرے [illegible] ہوا سنگھاسن۔ پیتل، تانبے کے منقش سریوں، زنجیروں اور آبنوس کی قیمتی لکڑی کا بنا ہوا منقش [illegible] خوبصورت جھولا۔ یہ کمرے کے وسط میں چھت سے لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ سندھ کے وڈیروں کے ہاں [illegible] کا رواج ہے۔ اس جھولے پر گاؤ تکیے کے نیچے غالیچہ یا توشک وغیرہ ہوتی ہے۔ گھر کے افراد [illegible] جھولے یا استراحت کے لئے اسے استعمال کرتے ہیں۔ ہاں تو میں ذکر کر رہا تھا کہ اس [illegible] آبشار میں ارتعاش کے ساتھ جلترنگ سے بج اٹھے تھے۔ یہ چوکھٹ دروازہ بھی اسی دیوار کی [illegible] تھی جس دیوار پر مذکورہ بالا پینٹنگ آویزاں تھی۔ جلترنگ بجنے کی وجہ یہ تھی کہ کمرہ سیوا اپنی [illegible] سے جھالر کو اس انداز سے چھیڑ رہی تھی جیسے کوئی ماہر سارنگی نواز اپنی تانت قوی سے سارنگی کی [illegible] تاروں کو چھوتا ہے اور میں اپنی جگہ سوچ رہا تھا کہ چاچی کے ہاں سانپ سے پالا پڑا تھا۔ پھر [illegible] بابا رحمت سائیں کے کتے سے واسطہ پڑا۔ بازار میں کھانوں والے گدھے سے جس نے میرے

UrduPhoto.com

اوپر بدلو بھری کھالیں اُت دی تھیں۔ اس کے بعد تانگے والے" یا حی مدد" مرد سیاہ پوش کے اسپ تازی سے سابقہ ہوا جو میرے منہ سے" جمنا جل کی جل نگری جا جمل پور میں جا نکلے" نکلنے پہ الف کھڑا ہو گیا تھا اور میں گرتے گرتے بچا تھا۔ اب یہاں اس" گربہ کشتن روز اول" سے ماتھا بھڑ گیا ہے۔ میری تو سانسیں گھٹنوں کھوتوں اور گھوڑے بیلوں سے جیسے کوئی رشتہ داری ہوئی تھی لفظ بھی آ رہا تھا۔ مجھے اس حرکت ساکت و جامد دیکھ کر گربہ سیاہ نے نرجدے جیسے اسے محسوس ہو گیا ہو کہ وہ جو اس نے شام کے سمے کا رنگ بنوں پہ چھیڑ رکھا تھا وہ بے وقت و بے رنگ تھا۔ اس نے فوراً دم کے دمدمے کو گھما کر جیسے الگ ہو اب وہ رائے ولیس کو دہیز رہی تھی جو قریب قریب ابھی سے نصف آدھی رات کا راگ ہے۔ آرزو نے اصل درشن کے پیاسے دو نینوں کی التجا ہجر فراق وہاں میاں راتاں جنہاں اتھ اتھ میرا سلیا۔ رقص بسمل وچھوڑا اندر وا اندری وا گلدا پانی اردو حیلی دا ... پہ کہیں میں گھبرا کر دم نکل گیا۔ اب جو متوجہ ہوا تو وہ اپنی دم کے بوجھ کو میری جانب گھما کر یوں ہو رہی تھی جیسے کوئی انگشت شہادت سے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بلاتا ہے۔ میں بلا سوچے سمجھے آگے بڑھ گیا۔ وہ اب چوکھٹ کے اندر تھی اور میں چوکھٹ کے اوپر تھی [illegible] کیسے احمق کا واسطہ پڑا ہے [illegible] میں اس کی ذہنی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے چوکھٹ کے اندر گیا۔ وہ پھر آگے بڑھ کر گھومتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی کہ میں پھر کہیں رک تو نہیں گیا؟ وہ آگے آگے میں پیچھے پیچھے۔

اندھیرے اجالے میں آٹھ دس گام آگے ایک اور چوکھٹ آئی۔ وہی موتیوں کی جھالر دروازہ بھرا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی سی دودھ پانی سی روشنی جھالر کی جھلملاہٹ سے باہر چھن رہی تھی۔ یہاں پہنچتے میرے نتھنوں سے ایک علیحدہ سی خوشبو ٹکرائی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس سے پیشتر یہ خوشبو [illegible] کیفیت والی مہک کہاں سونگھی تھی؟ اسی پاوش پاوش میں میرا گربہ سیاہ کی جانب دھیان [illegible] گیا۔ وہ ماہ سیاہ جیسی ڈھیٹی دم کو الجھرے کی تکونی شکل دیئے بٹ بٹ میری جانب منہ اٹھائے دیکھ رہی تھی۔ اوہو اس پراسراری مہک سے تو میرا ایک دفعہ پہلے بھی واسطہ پڑا تھا۔ میں تھوڑا سا ماضی قریب میں اتر گیا۔

● سوئے صحرا مشک آہو.....!

سیالکوٹ شہر سے باہر مشرق کی جانب پسرور کا روڈ پہ" بابے کی بیری" ایک جگہ ہے

ہے کہ یہاں بابا گرونانک نے بیری کے ایک پیڑ کے نیچے قیام فرمایا تھا اسی وجہ سے یہ بیریوں کا
باب کی بیری" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں بہت بڑا قبرستان بھی ہے۔ میں ایک اپنے جیسے
آوارہ دوست کے ہمراہ کبھی کبھی جمعرات کے روز وہاں جایا کرتا تھا۔ قبرستان سے کافی آگے
کے پاس ایک ویران سی جگہ تھی۔ روایت ہے کہ سکھوں کے دور میں یہاں ایک درویش بابے کو زندہ
دفن کیا تھا۔ یہاں اس درویش بابے کا ایک عجیب سا مزار تھا۔ مزار کیا تھا ایک بڑا سا کمرا نما تھا جس
کی چھت جیسے اینٹیں پکانے والے بھٹے کی بے ڈھنگی سی چپٹی ہوتی ہے۔ اس تھوڑا نما مزار میں نہ تو کوئی
جانے کا راستہ تھا اور نہ ہی کوئی قبر وغیرہ تھی۔ ہم دونوں فقیروں قبروں مزاروں سے اندھی عقیدت رکھنے
والے بھی کہیں کی نہیں ہوتی" بس معلوم ہونا چاہئے کہ کہیں کوئی پیر یا کسی کا مزار ہے چاہے پیر کے
پاس کوئی جمعہ زار اور مزار میں کوئی کھوتا ہی دفن ہو لوگ بس اندھا دھند وہاں میلہ لگا دیتے ہیں
یہاں بھی اکثر لوگ آتے جاتے تھے۔ شہر سے تو کوئی کم ہی جاتا ہوگا البتہ آس پاس کے دیہاتوں کے
لوگ اکثریت وہاں آتی جاتی تھی اور ظاہر ہے کہ جب عقیدت مند یہاں آئیں گے تو نذر نیاز بھی
دیتی چادریں پھولوں ہاروں کا تو یہاں کوئی مقام نہیں تھا کیونکہ یہ چیزیں تو وہاں ہوتی ہیں جہاں
مزار مقبرہ وغیرہ ہوتے ہیں زائرین اور عقیدت مند اپنا پیسہ ہی نذر کرتے تھے نقدی رومال
میں باندھ کر تھوڑا چھوٹی نما مزار کے اوپر سے اندر پھینک دیتے تھے۔ یہ مزار نما
چھت سے کم از کم بیس فٹ اونچی ہوگی۔ وہی مغلوں کا انداز تعمیر۔ چھوٹی پیلکائی اینٹ" گچ چونے کا
پلستر اور راجستھانی سرخ پتھر کی بنی ہوئی۔ اقتدار زوال اور مذہب و کلچر بھاں نہ ہونے کی وجہ سے کو
خستہ حال ہو چکی تھی پھر بھی اس کی پختگی اور خدوخال کی دلکشی کے بنے بنائے بھید بھاؤ سے آثار
تھے۔ نیچے بنیاد کی گہری بہت چوڑی تھی۔ ایک طرف بڑا تھا نیچے والی طرف سے گہری نظر نہیں آتی
تھی۔ باقی تین طرف میں ایک طرف کنا پھٹا سا کھڈ تھا دو جانب ویران ناہموار زمین تھی جس پر تھوڑا
تھوڑا کیکروں کے جھاڑ تھے۔ کھڈ والی طرف نیچے سے سیلابی پانی پڑ پڑ کر کافی نشیب سا بن گیا تھا
بغور سے دیکھنے پہ معلوم ہوتا تھا کہ مزار کی بنیاد بہت گہری رکھی گئی تھی۔ بنیاد میں لگائے گئے پتھر اور
اینٹیں بڑا عجیب اور مخصوص سا محسوس ہوتا تھا۔ میں اور میرا پارٹنر اسلم کبھی کبھی بابے دی بیری اور اس
پر جایا کرتے تھے۔ مقصد کوئی فاتحہ پڑھنا یا خیر و برکت کا حصول نہیں تھا بلکہ تو محض اپنے خرچے پانی کا
جگاڑ۔ ہم دونوں فراڈیے تو سرپہ آنکھوں میں سرمہ اجلے کپڑے اور سروں پہ رومال باندھے وہاں پہنچ
جاتے۔ "بابے دی بیری" سے ایک تو خوب سیر ہو کر پیر کھاتے اور دوسرے زائرین کی نظروں سے بچ بچا

کر پیسے دیتے تھے اور کبھی کبھی انگی اور دونی بھی اڑا لاتے تھے۔ اس "مال غنیمت" سے ہم اگلی جمعرات تک ریوڑیاں، مونگ پھلی، سوکھ، گڈی، پکوڑے اور کھیلنے کے لئے گلیوں کے نالی پیک، کھوکھے، پتنگ، گیندیاں وغیرہ چلاتے اور اگلی جمعرات پھر چل سو چل۔ اس "شہید درویش" کے مزار پر کچھ "نقد" کم ہاتھ لگتا تھا البتہ شکر، تبرک وغیرہ کافی مقدار آ جاتا تھا جو واپسی پر ہمارے بیٹے کے علاوہ رومالوں، شلواروں اور جیبوں میں ٹھنسا ہوا ہوتا تھا۔ ایک دن وہاں ہم نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت نے ہمارے سامنے ایک پوری انگی لال رومال میں کس کر باندھی اور اپنے جوان سال بیٹے کے ہاتھوں اوپر مزار کی چھت میں پھنسوا دی۔ معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا کسی مقدمے سے بری ہوا تھا اور وہ اپنے بیٹے کو یہاں حاضر کروانے لائی تھی۔ اس انگی والے "معاملے" نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا۔ اس بڑھیا پر رحم کرتا، آ رہا تھا۔ خدا کی بندی! اتنی بڑی "رقم" تو نے ایک قبر کی تاریکیوں میں اتار دی۔ پیسے ہی انگی تو خیر ٹھیک ہے۔ یہ انگی ایک انگی؟ ایک دم میرا شیطانی دماغ گھوما۔ میں سوچنے لگا کہ یہ کون سی ایک انگی تھی۔ نہ جانے یا یہ شہید بابا جانیں کہ ایسی کتنی انگیاں چونیاں دونیاں انگیاں اور نکلے پیسے دھیلوں کے ڈھیر کے ڈھیر چھتی کے اندر نکلے پڑے ہوں گے اور بیچارے شہید بابا کے مزار پر خوانچوں کا ڈھیر دھرا ہوگا۔ دن اور رات کے پہرے میں اور بے کی میں ہماری ماں ماں میں یہ بابا جیسے کسی طور شہید کو اس دنیا کے بندے بوجھ سے فراغت دلائی جائے۔ یہ بڑے ثواب کا کام تھا اور میں یہ کام کرنا چاہتا تھا۔ اپنے ساتھی اسلم کو میں نے ہوا تک لگنے نہیں دی۔ وہ ویسے بھی انگی دونی صدقہ خیرات کا بندہ تھا۔ لہٰذا میں نے اسے اپنے منصوبے پر راضی کر دیا۔ ملاقات تک ترک کر دیا تھا کہ کم بخت میری عادتیں خراب کرتا ہے۔

میں نے اب بابے کی بیری جانا چھوڑ دیا تھا۔ کچے پکے بیر ویسے بھی گلا خراب کرتے اور ریشہ پیدا کرتے ہیں۔ منہ سیدا راحب سے بھر جاتا ہے۔ بیریوں پہ بندروں کی مانند ڈال ڈال پھدکنا، قبروں کو الانگنا، یہ سب کچھ مجھے اس وقت تک بہت بڑا گناہ دکھائی دینے لگا۔ اللہ کسی وقت بھی بندے کو ہدایت دے دے۔ اب میں بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ شہید بابا کے مزار پر جانے لگا۔ اسلم سے قطع تعلق کے بعد پہلی جمعرات میں جو وہاں پہنچا تو دیکھا کہ کمبخت اسلم بھی سر پہ رومال باندھے وہاں موجود ہے۔ وہ میرے قریب بھی آیا، دیکھتا بھی رہا پر قریب نہیں آیا۔ جو ایک بار نظر سے اتر گیا، سمجھو کہ دل سے نکل گیا۔ میں نے منہ لٹکایا۔ اب جو دیکھا تو اگلی جمعرات وہ پھر وہاں موجود۔ مجھے کھٹک گئی کہ یہ مردود اتنی آسانی سے میرا پیچھا نہیں کرے گا۔ میری شخصیت میں لوٹا بیٹھا کہ یہ

UrduPhoto.com

[illegible] کانٹوں بن چکا تھا مگر میں تو اس کا ٹرو تھا۔ گرو اور گرو پہ ہمیشہ اپنا ایک گرو اور ایک داؤ بچا چھپا کر رکھتے ہیں تاکہ کہیں ایمرجنسی میں کام آئے اور اگر یہ دونوں ہتھیار ایک ہی پالیسی اختیار نہ کریں تو یہ دنیا [illegible] رہوں اور گرہاؤں سے مکمل طور پہ خالی ہو گئی ہوتی اور ہر طرف پیلے ہی پیلے اور [illegible] یعنی شیر [illegible] بھوں کی طرح للکاریاں مارتے پھرتے نظر آتے۔ میں نے فوراً ہتھیار ڈالا اور جمعرات کی [illegible] جمعہ کے روز جانا شروع کر دیا۔ ویسے بھی وہ باقاعدگی سے جمعہ کی نماز اپنے والد کے ساتھ پڑھتا تھا [illegible] نماز اسے گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا یعنی جمعہ کے دن وہ قید سا ہو جاتا تھا۔

آج جمعہ کا روز تھا اور میں صبح صبح ہی گھر سے بہانہ کر کے نکل گیا تھا۔ گھنٹہ بھر کی مسافت پہ وہاں پہنچا [illegible] بندے کی ذات۔ وہ معاوضہ دیے بھی جا رہا تھا کھیت وغیرہ تھے مگر کچھ دور [illegible] میں نے [illegible] پہ صدق دل سے [illegible] پڑھتا رہا۔ بعد دعا کے گنج العرش [illegible] ہمارے [illegible] عبدالرحمن صاحب المشہور "حاجی منا" [illegible] نے ایک دفعہ بتایا کہ [illegible] گنج عرش مقرر مرتبہ پڑھنے سے گنج نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر انہوں نے گنج کا مطلب خزانہ بتایا [illegible] پڑھنے کے بعد میں نے صدق دل سے [illegible] کی [illegible] پہ [illegible] اللہ والوں [illegible] رزق پانی تو شہادت کے دن سے لکھ بندھ جاتا ہے۔ یہ ان پڑھ جاہل پینڈو تو [illegible] پرست لوگ [illegible] پیتل کا [illegible] سزا ریزگاری پھینک کر آپ کی نوٹے جیسی قربانی اور [illegible] جیسی محبت میں [illegible] ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے لئے یہ سب [illegible] ریزگاری [illegible] ہے [illegible] کے کام نہ [illegible] ہے۔ آپ نے یقیناً چاہا ہو گا کہ کوئی تو ہو جو مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا دلائے۔ گو میں ابھی [illegible] اپنی [illegible] کا سچا ہوں۔ پیروں فقیروں شہیدوں کو سلام کرنے والا [illegible] شہید بابا! یقین [illegible] کہ مجھے کوئی لالچ نہیں بس میرے دل میں اللہ نے خود بخود یہ بات ڈال دی ہے یا شاید آپ کی [illegible] ہوئی ہے۔ میں نے اپنے اپنی دوست اسلم کو علیحدہ کر دیا ہے کیونکہ وہ بڑا کمینہ اور مکار ہے [illegible] کر واپس نہیں کرتا۔ فلمیں دیکھتا ہے چوری چوری سگریٹوں کے سوٹے لگاتا ہے۔ اس کی عادتیں [illegible] تھیں۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ بھی اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اس میرے اچھے شہید بابا! میں آج اس [illegible] سے یہاں آیا ہوں کہ آپ کو اس دنیا کے میل کچیل سے پاک صاف کر کے اپنی عاقبت [illegible] یہ کہتے کہتے میری ہچکی سی بندھ گئی۔ صبح کا وقت تھا یہاں اور کوئی موجود نہیں تھا اس لئے [illegible] بلند آواز سے دعا مانگ رہا تھا تاکہ شہید بابا جن کو ظالموں نے کانٹوں اور کانٹوں سے بھرے

UrduPhoto.com

ہوئے ہول کے ساتھ زنجیروں سے باندھ کر ارد گرد اونچا سا تھوڑا بنا کر انارکلی کی طرح زندہ دفن کر دیا تھا۔ آسانی سے سن سکیں۔ میں نے دعا مانگ کر اپنی آنسوؤں سے بھیگی پلکیں خشک کیں اور وہیں بیٹھ کے بل بیٹھ "یا حل المشکلات" کا ورد لب ورد کرنے لگا تاکہ اللہ میاں بھی میری مشکل کو آسان دیں۔ اک دم جیسے خوشبو کا طوفان سا اُمڈ آیا ہو اچانک پیچھے سے کسی نے میرے دائیں کاندھے پہ لرزتا ہوا بھاری پتھر کی سل سا ہاتھ دھر دیا تھا۔ میری تو جان ہی نکل گئی اتنا بھاری بوجھ جیسے دھرتی کا میرے کاندھے پر رکھ دی گئی ہو۔ میں آپ آپ ہی بوجھ والی جانب جھک گیا تھا۔

"السلام علیکم ....." یہ کہتے ہوئے کسی نے کاندھے سے ہاتھ اٹھا کر میرے سر پہ رکھ دیا۔

"بیٹا! تم اکیلے یہاں صبح صبح ..... اور یہ تم رو کیوں رہے ہو ...؟"

اس نے سر سے ہاتھ اٹھا کر میرے سامنے آتے ہوئے پوچھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک نیک سا بوڑھا دیہاتی سر پہ بھاری سا پگڑ معمولی سا لباس ٹھرصاف ستھرا ایک ہاتھ میں لٹھ جیسے کہ بھیڑیں چرانے والے ہاتھ میں رکھتے ہیں کندھے پہ جھولتی ہوئی چھوٹی سی پوٹلی ..... اب میں واقعی سے ڈر گیا تھا کہ میں جب یہاں آیا تھا تو دور دور تک کسی کسی ذی نفس کا وجود نہ تھا اب اچانک بوڑھا کہاں سے آ گیا تھا یہ بھی معلوم تھا کہ ابھی ارد گرد ان جنگلوں پہ شرارتی ہوتے ہیں چڑیلیں، پچھل پیریاں بھی ..... میں نے جھٹ آیۃ الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔ بابا مجھ سے ہنستے ہوئے۔

"بیٹا! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا ..... تم صبح صبح یہاں کیوں آئے ہو اور رو کیوں رہے تھے ...؟"

ہمت کر کے میں نے زبان کھولی۔ "بابا جی! میں شہر سے آیا ہوں اور اکثر یہاں آتا ہوں ..... آج جمعہ شریف تھا۔ سوچا صبح صبح یہاں سلام کر کے فارغ ہو جاؤں" ..... میں نے صریحاً جھوٹ بولا تھا۔

وہ ہلکا سا مسکرائے اور کہا۔ "جھوٹ بھی ایسی معصومیت سے بولتے ہو کہ غصے کی بجائے پیار آئے ....." پھر وہ اپنی پوٹلی اتار کر کھولتے ہوئے پوچھنے لگے۔ "اچھا یہ کہو کہ تم رو کیوں رہے تھے .....؟"

میں کوئی جواب دینے کی بجائے سوچ میں پڑ گیا کہ اب پھر جھوٹ بولوں یا؟ ..... وہ خود ہی بولے۔

[illegible] دو گے تو کاکا کو کاکا کھا لے گا۔"

[illegible] کی کچی کھری خوشبو پہلی خوشبو میں گھل مل گئی۔ پوٹلی میں کاسنی کا کٹورا اندر [illegible] کی گھی میں گندھا ہوا۔ ایک چھوٹا سا قمقمہ میرے منہ میں رکھتے ہوئے بولے۔

"[illegible] ... پہلے کچھ دیر کو لسی کا گلاس ہی پی کر گھر سے نکل پڑے تھے۔"

[illegible] میں لڑھک چکا تھا۔ جب ہوش آیا تو میں ایک کشادہ گول سی پرانی قبر میں پڑا ہوا تھا۔ میرے سرہانے پاؤں میں دائیں بائیں سلے ہی سلے پیتل تانبا چاندی سونا چمکتے رکھتے ہوئے۔ میں آنکھیں ملتے حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اپنے اردگرد دیکھنے لگا۔

"[illegible] یہ کیا اسرار ہے میں کہاں پھنس گیا۔ میرے اردگرد یہ سب کچھ کیا ہے؟" ابھی میں [illegible] کہ پاس ہی کہیں سے [illegible] کی اسی مخصوص [illegible] خوشبو کا ایک سیلاب سا امڈ [illegible] بابا جی چلے آ رہے ہیں مگر اب تو جیسے وہ کسی دوسری پارلر سے ہوتے ہوئے آئے ہوں۔ اگر [illegible] چہرے سے نہ پہچانتا تو وہ باہر والے بابا جی ہی نہیں تھے جنہوں نے مجھے حجرے کا مدعا [illegible] تھا۔ "السلام علیکم" کہتے ہوئے وہ میرے قریب ہی فرش ہو گئے فرمانے لگے۔

[illegible]

[illegible] اس حال پر [illegible] میں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ میرا سارا ڈر خوف اور جھجک جیسے [illegible] ہو گئی تھی۔ خود کو ڈھارس بندھاتے ہوئے میں نے زبان کھولی۔

"آپ ... آپ کون ہیں اور یہ جگہ کون سی ہے ...؟" میں نے اپنے اردگرد نظریں ڈالتے [illegible]

"[illegible] میں وہی ہوں جس کے پاس تم پہنچے تھے اور یہ جگہ بھی وہی ہے جہاں تم میرا بوجھ ہلکا [illegible] تھے۔" پھر وہ فرش پہ جا بجا انباروں کی شکل میں پڑی ہوئی ریزگاری کی جانب اشارہ [illegible] "یہ سارا اپنا بوجھ میں نے اتار کر یہاں رکھ دیا ہے۔ تم یہی کچھ لینے یہاں آئے تھے [illegible] تم اوپر لڑکھڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے نا! تم یہ سب کچھ یہاں سے لے جا سکتے ہو [illegible] یہ سب کچھ بیکار ہے....."

[illegible] کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"بابا جی! میں واقعی یہی کچھ لینے یہاں آیا تھا مگر ... مگر اب مجھے یہ کچھ نہیں چاہیے۔ میں [illegible] کہ دنیا کے مال و زر کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے ... ہاں اگر آپ مجھے کچھ دینا چاہتے ہیں

تو مجھے یہ دعا دے دیں کہ مولیٰ کریم مجھے نورِ علم صالح سلاحتی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و اطاعت اور فرمانِ الٰہی کو سمجھنے کی بصیرت اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

یہ کہہ کر میں نے سر جھکا لیا۔ وہ میری طرف جان کر مسکرائے اور بڑی رسان سے گویا ہوئے۔

"سبحان اللہ ماشاء اللہ!"

"بابا جی! مجھے یہ تھوڑی سی خوشبو بھی چاہئے۔" میں نے گہرا سانس کھینچتے ہوئے التجا کی۔ فرمانے لگے "ادھر کا بال اور حال ادھر ہی رہتا ہے۔ اتنی ہی خوشبو تمہارے لئے کہیں رکھی ہوئی ہے جب وقت آئے گا تم اس جگہ کو پہچان لو گے۔"

شاکانی کر بہ آنکھوں کے زاویے بدل بدل کر مجھے تاڑ رہی تھی۔ میں اس کی کیا پرواہ کرتا۔ تو خود کہیں ماضی کے دھندلکوں میں اتر آیا تھا۔ شہید بابا اور ان کی مخصوص خوشبو کے سحر میں ڈوبا۔ اب یہاں پہ مجھے شہید بابا کی بتی ہوئی وہ بات بھی یاد آئی کہ تمہاری خوشبو کہیں اور رکھی ہوئی ہے وقت آنے پر تم اسے پہچان لو گے۔ یہ وہ لمحے کا راز ہے بالکل وہی خوشبو چھن چھن کر باہر آ رہی تھی یعنی میں خوشبو کو پہچان چکا تھا۔

UrduPhoto.com

- کارخانۂ قدرت، عجائباتِ حکمت و قدرت .....!

رب العالمین کے اس عالمِ وسعت و نمود اور اس لامحدود کائنات میں اربوں کھربوں ایک وقت عمل پذیر ہیں۔ کچھ نظام تو ایسے ہیں جو انسانی دائرہ ادراک اور حد فہم و شعور میں بھی آ سکتے ہیں کچھ قدرے دقت سے آ جاتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو انسانی بساط و برتے سے کہیں بڑھ ہوتے ہیں۔ حیوانات، جمادات، نباتات، فواکہات وغیرہ۔ کرۂ تراب، کرۂ آب، کرۂ ہوا، کرۂ آسمان، بروج، سیارگان، علوم ارضی و سماوی، علوم فلکی یا علوی، استعانت اجرام اور روحانیات آفاقی وغیرہ سب رازہائے کائنات ہیں اور اس کے علاوہ جو بھی کچھ ہے وہ ورائے کائنات ہے۔ رب کائنات جو اپنے خاص بندوں اور محبوبانِ بارگاہ کو جتنا چاہے جب چاہے عطا بھی کر دیتا ہے۔ اس عنایت و بخشش کرم خاص کو روحانی حکمت اور علوم مخفی کی اصطلاح میں "استعانت باللہ" یعنی اسماء و صفات کا علوم و عمل بھی کہتے ہیں۔ عقل و تخیل کے درمیان اعلیٰ عقل اور اسفل اس عقل کے مابین ہوتا ہے وہ علم و عمل الٰہی یعنی استعانت باللہ ہے۔ ظاہری باطنی آسمانی عوامل و علوم کے جتنے بھی امور

[illegible] ثمرات ہیں ضروری نہیں کہ وہ ہر سائل و طالب پہ کما حقہ روشن ہو جائیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ [illegible] بغیر محنت و طلب عطا ہو جاتے ہیں۔ یہ اس مالک و خالق کی دین ہے۔ جسے چاہے نوازے اور [illegible] محروم رکھے۔ اس کارخانۂ عجائب میں ابتدائے آفرینش سے ہی عجیب و غریب سلسلے اور [illegible] ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ہر لمحہ ہر پل اپنے جلو میں نت نئے جلوے طرح طرح کے طرفہ تماشے [illegible] میں غرق کر دینے والی ہوشیاریاں، ان ہوشیاریاں۔ فوق العقل، فوق الفطرت اور مافوق الطبیعات [illegible] الجھنیاں، آفاقی اصولوں، قانونوں اور فطرت و جبلت کے طور طریقوں کی فرمانروائیاں اور پھر [illegible] خوشی میں سے برگشتگی اور سرگشتگی میں سرمستیاں، گویا اور گمراہی کے درمیان دوڑ اور دل کے [illegible] ہوت۔ آگ لینے آئے تو پیغمبری دے دی یا ایک کو مرنے کو کھوڑے پہ بٹھا کر سکندری دے [illegible] نے حق کہا تو کھال کھنچوا دی اور کسی نے سچ کہا تو زہر پلا دیا کسی کو پانی میں غرق کر دیا اور [illegible] سمندر میں ہی غائب کر دیا، کسی کو چرا دیا تو کسی کو کٹوا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حرا کی [illegible] کو حیران کر دیا اور کسی کو داؤد کی زرہ دے کر سلیمان کر دیا۔ وہ ذات بے نیاز ہے۔ [illegible] کرتے۔ تقریباً تجربہ، تفکر اور تحمل سب اسی قوم و ملت کو دیا ہے۔ اس کے ہونے اور نہ ہونے کے [illegible] ہیں۔ [illegible] کو [illegible] کے گناہوں کے [illegible] اٹھاتے ہوئے عاصیوں کو سہارا ملتا ہے۔ عام انسان کسی بھی کٹھن پہ معضلت مصائب و مکروہات [illegible] نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی پاکی داماں کا تماشا ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے افعال صالح، اشغال رشیدہ [illegible] رسیدہ پہ کیسا ہی حسن ظن مصنوعی کرتا ہو بات تو بالآخر اس کے لئے [illegible] کرم پہ ہی آ کر پڑتی ہے۔ بندہ [illegible] ہے۔ اس کے خمیر اور سرشت میں ہی نافرمانی، ضد، کریدا لوانی، تجزانی، رشک و حسد، فتون، نسیان [illegible] اور سرکشی کے ذرات کم و بیشی کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ یہ خدشات زیادہ تحسن (تحیز، تکا) [illegible] ہوتا ہے۔ بندہ کبھی بھی اپنے نیک اعمال، نمازوں، عبادتوں، نجوں اور داڑھیوں پہ اترانا نہیں [illegible] وقت اللہ سے اس کا فضل و کرم ہی مانگنا چاہئے۔ حسب عادت میری بات ایک بار پھر اپنے [illegible] ادھر ہو گئی ہے اور میں شاید یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ جو اس کائنات اور ہماری جان و اموال کا [illegible] خالق ہے جس کی تائید کے بغیر ایک ذرہ تک اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا اس نے کچھ ایسی [illegible] بھی اپنی کمال صناعی اور حکمت و مصلحت سے تخلیق فرمائی ہیں جن کو اپنا سمجھنا اور ان کے کارہائے [illegible] وجود ممکنات و ہیات، سرشت و جبلت کے متعلق کما حقہ جاننا ہی خاص طور پہ انسان کے لئے ادق کر [illegible] آسمانی صحیفوں اور دیگر انبیاء کرام کے ذرائع سے جو کچھ حضرت انسان کو معلوم ہوا اس سے شاید

UrduPhoto.com

اس کی تجسس نے فکر و طبع کی خاطر خواہ تسلی نہ ہوئی بس یہیں سے نئی علوم، راز ہائے سربستہ، اسرار مخفی علم الافلاک، فوق العقل، فوق الفطرت اور ما فوق الفطرت اور پھر ما بعد الفوق الفطرت اور دیگر بہت سے علوم افلاکی پردہ اختفا سے منظر پہ آئے۔ صانع حکیم م یزل نے اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق سے بہت پہلے ملائکہ، جنات اور دیگر نوری و ناری عنصر الوجود مخلوقات تخلیق فرما دی تھیں۔ تخلیق آدم سے پیشتر کی یہ تمام مخلوقات اپنے اپنے دائرہ کار میں محدود اور اپنی متعین مخصوص حد بندیوں میں مسدود تھیں۔ انسان سے اُن کا بنیادی عنصری رشتہ ہی ان میں آپس کی تفریقی ضدیں ہے۔ نوری، ناری اور خاکی مخلوقات کی ضرورتیں الگ الگ ہیں۔ صورتیں، سیرتیں، خوراکیں، طبع، مزاج ہر چیز الگ بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہی چیزیں تھیں جنہوں نے انسان کو اُکسایا کہ وہ ان مخلوقات اور ان کے متعلقہ علوم کو جانے۔ خدائے سبوح و قدوس نے قرآن مجید میں [illegible] اور کہیں کہیں اشارتاً ان مخلوقات اور ان کے متعلق کچھ معلومات ان کے نام، اختیارات، ان کی خصوصیات وغیرہ کا ذکر فرمایا۔ انسان نے اسی قرآن، صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ بنا کر اپنے تجسس سے علوم الٰہیات میں ذرکی حاصل کی۔ یعنی جو کچھ بھی کلام و معدن قرآن سے ہی نکلا۔ ہر لب قرآن نے خود فرمایا کہ قرآن میں تفکر و تجسس کرو اور یہ بھی ارشاد ہوا [illegible] انسان نے اس انسان میں بھی بہت سی اقسام بنائیں۔ افضل بھی، اسفل بھی، لائق بھی اور نالائق بھی، معصوم اور مفسد بھی، حکیم بھی اور رذیم بھی، عام بھی اور جاہل بھی۔ خالق نے ایسے انسان بھی تخلیق کئے جنہیں مبدا در میں بھی بہت سے علوم و فنون اور قوتیں، صلاحیتیں ودیعت فرما دیں۔ کئی انسانوں کو صحیح سیاست اور مخصوص بالیدگیاں عطا کر دیں تو کئی ایک کے باطن صیقل کر دیئے۔ انکھیں آئینہ کر دیں تو کہیں سینے وادیٔ سینا کر دیئے۔ دل گداز دیئے تو کہیں حوصلے فراخ دیئے۔ کسی کے طائر فکر کو آشیانے لاہوت کر دیا، کسی کو پرواز تخیل دے کر جبروت کر دیا، کسی کی خرد بینش کو ارسطو کر دیا، کسی کو بینائی و دیدہ وری کا حکیم الامت کر دیا۔ کہنے کا مطلب یہ کہ کچھ انسان عام انسانوں سے ماورائی اور علیحدہ خصوصیتیں اور خاصیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں گو ایسے نابغہ روزگار کہیں خال خال ہی ہوتے ہیں لیکن کوئی بھی دور، وقت، زمانہ ان کے وجود سے خالی نہیں ہوتا۔ ایسے انقلاب کل، جنس مرد و زن ہر شعبہ حیات میں ملتے ہیں جو اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور پُراسرار قوتوں کی بنا پر صف اول میں سرکردہ فرد کی حیثیت سے مانے جاتے ہیں۔ زمانہ ان کی قدر و منزلت سے انکار نہیں کر سکتا۔ موسیقی، آرٹ، مصوری، شاعری، ادب، رقص۔ ان فنون لطیفہ سے ہٹ کر علوم و فنون، صنعت و حرفت، سائنس، کاشت کاری، تجارت، عمارت، سیاست، قانون۔ ان سے بہت پہلے

[illegible] یا گری، علوم مخفی، روحانی علوم۔ افلاکی، سفلی، جادوگری، شعبدہ، بازی، یوگا، خود حفاظتی فنون، حرب [illegible] حیل وغیرہ وغیرہ۔ موضوع فی الوقت مخفی علوم ہیں اس لئے صرف اس پر بات کرتے ہیں کہ [illegible] کا اہل نہیں ہوتا۔ یہ مخصوص مکتب فکر کے لوگ علیحدہ سے نہیں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی حسیات، [illegible] اندازے، تخیلے، قوت برداشت، سوچ کے زاویے، اعصاب غرضیکہ ہر چیز مختلف ہوتی ہے۔ جو [illegible] صلاحیتیں کوشش اور بہت سا وقت ضائع کرنے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتیں وہ یہاں کے پیدا [illegible] آتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ تعالیٰ انہیں شروع سے ہی ایسی صلاحیتیں عطا کر کے بھیجتا ہے۔ ان کے [illegible] علیحدہ اور خوشبو جداگانہ سی ہوتی ہے۔ جیسے ڈاکٹر ایک ڈاکٹر کو پہچان لیتے ہیں۔ جب کہ [illegible] شناخت کر لیتا ہے۔ فوجی فوجی کو اور پولیس والا پولیس والے کو اسی طرح اس فیلڈ کے [illegible] ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ ہر انسان کے گرد مختلف ہالے ہوتے ہیں، مختلف رنگوں کے [illegible] دائرے، مختلف اقسام صوت و آہنگ کے، مختلف روشنیوں کے بنتے بگڑتے بلبلے، جاذبوں سے [illegible] ہوئے بنتے بگڑتے ستارے۔ اس کی شخصیت، فطرت اور کردار کے مطابق خوشبوؤں یا بدبوؤں کی [illegible] سب چیزوں کے ساتھ ساتھ اور [illegible] لطیف یا اجسام کثیف بھی ہوتے ہیں [illegible] انسانی [illegible] چیزیں بھی بدلتے ہیں۔ یہ ہوائی اجسام بھی انسان کی صفتوں [illegible] ہوتے ہیں۔ اچھوں کے ساتھ اچھے خوبصورت چہروں والے اور بدکرداروں، بدطینتوں کے [illegible] اور کریہہ صورت۔ اب عام ہے کہ یہ سب کچھ ہوتا تو ہمیں دیکھنا نصیب نہیں جنہیں اللہ نے [illegible] نگاہ دی ہوتی ہے وہ دیکھ لیتے ہیں۔ جیسے چاچی نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا تھا جبکہ میں اپنے [illegible] کچھ نہیں جانتا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ میں "کاکا" ہوں۔ چاچی نے جب میری بند گرہ کھولی [illegible] آنے لگا کہ میرے سامنے کون کھڑا ہے۔ معلوم ہوا کہ میرے پاس کچھ بندھا ہوا تھا جو مجھے [illegible] دیا گیا۔ چاچی نے صرف اس کی نشاندہی کی تھی اور اس سے آشنائی کرائی تھی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ [illegible] نے مجھے بہت کچھ ودیعت کیا۔ میں ان پڑھ جاہل ہونے کے باوجود ان نعمتوں سے [illegible] جب دینے والا دیتا ہے تو کچھ ایسے مواقع بھی پیدا فرماتا ہے اور ایسی ہستیوں سے بھی [illegible] جن سے مزید تربیت اور ہدایت ملتی ہے۔ جیسے ان کے پاس پہلے سے ہی "نام کام" [illegible] چاچی، بابا شہید، بابا رحمت سائیں، انور سائیں اور تانگے والا رجل سیاہ پوش وغیرہ اور چند [illegible] ایسی بھی [illegible] یوں تو میرے ساتھ ایسے واقعات اکثر و بیشتر ہوتے ہی رہتے ہیں مگر ایک واقعہ [illegible] کے قابل ہے۔

UrduPhoto.com

● فلپائنی میڈیم زیڈ بائی ڈبل زیڈ.....!

میں اور میرا انجلا جیسا محمد رضوان خان ایک خوبصورت اتوار کی صبح ملاشت کی غرض سے باہر نکلے۔ یہ اتوار کی صبح تھی اور مقام بروک لین برادن زوائل نیویارک۔ ہوٹلک سوٹوں میں ملبوس ہم باپ بیٹا ہی تنگ خرامی سے فٹ پاتھ پہ چلے جا رہے تھے۔ کچھ دور آگے چل کر دائیں طرف ایک گرجے کے پاس ہم رک گئے۔ یہاں اپنے جمعہ بازار کی طرح ایک مارکیٹ لگی ہوئی تھی۔ ایسی مارکیٹیں جنہیں کارنیوال مارکیٹ کہتے ہیں اکثر اتوار کے اتوار سکولوں کالجوں میں لگائی جاتی ہیں۔ لوگ اپنے گھروں کا فالتو سامان یہاں لے آتے ہیں تفریح اور کاروبار دونوں کام ہو جاتے ہیں۔ ہم تو ایسے ہی محض دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔ اچانک میری نظر قریب ہی ایک موٹی سی بڑھیا پر پڑی جو ابھی اپنی کار کے بوٹ سے سامان نکال کر سامنے لکڑی کی میز پہ سجا رہی تھی۔ جس چیز نے مجھے اس کے قریب جانے پہ مجبور کیا وہ ایک پرانی تصویر تھی۔ تصویر کیا تھی اس ضرب سولہ کا ایک فریم تھا۔ ڈیڑھ انچ گہرا اور پھر کینوس لگا ہوا تھا۔ اندر بیچ پہ مصلے کی طرح ایک غیر معمولی بڑے طاقتور کالی عورت کی تصویر تھی جس کا سر بھی غیر معمولی طور پہ بڑا تھا۔ مزید غیر معمولی بات یہ تھی کہ اس کی چھاتی کا ابھار بھی نمایاں تھا۔ میں کھڑا ہوا پاس سے گزرا ہوں کالا رنگ میری بہت بڑی کمزوری ہے میرا بس چلے تو میں اپنا رنگ کالا کر لوں۔ کھانے پینے پہننے برتنے اوڑھنے بچھونے کی ہر چیز سیاہ ہو اور مزید بس چلے تو میں اس دنیا کی ہر چیز کو کالا کر دوں خیر میں تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ میں شاید یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ وہ موٹی سی خاتون بھی کالی شاید تھی یعنی تھکین۔ اس نے کانوں پہ کھوپے چڑھائے ہوئے تھے میوزک سن رہی تھی اور ساتھ ساتھ رہے تھے ہونٹ گنگنا رہے تھے۔ اس نے مجھے سرسری نظر سے دیکھا ضرور تھا پھر اگلے ہی لمحے وہ مجھ سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ رضوان صاحب وہاں رکھے ہوئے پرانے ریکارڈ اتھل پتھل کرنے لگے۔ میں بڑی محویت سے تھکی کو دیکھ رہا تھا۔ میرا اپنا خیال تھا کہ یہ عظیم الجثہ تھکی کہیں سیام سیلون یا جاوا سماترا کے جنگلات میں پائی جاتی ہو گی۔ تھکیوں کا کوئی شوقین سیاح یا فوجی وہ بھی اسے ہار الوجود سمجھ کر خرید لایا ہو گا اور اب یہ موٹی کالی تھکین اسے منحوس سمجھتے ہوئے کاٹھ کباڑ کی ساتھ بیچنے کے لئے لے آئی ہے۔ میری دلچسپی کم اس تھکی کا کالا ہونا اور عام سائز سے بڑا ہونا تھا۔ اب رضوان مجھ سے مخاطب ہوا۔

"ڈیڈی! یہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ چھوڑیں اسے اس سے بڑی عجیب سی بو آ رہی ہے"

میں نے اس کا اشتیاق بڑھانے کی غرض سے کہا۔

UrduPhoto.com

"یار! دیکھو تو کیسی خوبصورت کالی شال اور بڑی سی تتلی ہے۔ یار اس موٹی سے اس کی قیمت تو ..."

"آپی! مجھے پتہ ہے آپ اسے صرف چیک ہونے کی وجہ سے خرید رہے ہیں ورنہ اس میں اور ... بات نہیں۔"

میں نے اسے چیک کے اوپر سے گھورتے ہوئے کہا۔

"یار! تتلی سے زیادہ کالی تو یہ موٹی ہے۔ اگر محض رنگ کی ہی بات ہوتی تو میں تتلی کی بجائے اس کی قیمت پوچھنے کی بات کرتا....."

رضوان اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے قیمت پوچھنے لگا۔ اس نے ڈیڑھ ہزار بتائی تھی۔ مول تول کر بات طے ہوئی۔ اچانک خیال آیا کہ ہم تو ہوٹل کے لئے نکلے ہوئے ہیں۔ ہمارے پیسے تو ... تک نہیں۔ رضوان کو بھی احساس ہوا تو وہ مسکرانے لگا۔ موٹی سے کہا۔

"ہم تو ہوٹل کے لئے نکلے تھے۔ پیسے ساتھ نہیں لائے۔ تم اسے ہمارے لئے رکھو۔ ہم ابھی واپس ..."

"موٹی ہرت ہوئی۔ "تم ہر ... معاملات سے ایسے ہی ہوتے ہو۔ میرا تو کام ... ہوا اور تم خراب کر رہے ہو۔ اپنے ملک سے باہر نکلو یا یہاں اپنے گھر سے آگے قدم رکھو ... میں رکھنا مت بھولو۔ یو انڈر سٹینڈ میں ابھی جا رہا ہوں۔ اگر واپس آنا چاہو تو ڈیڑھ ہزار لے کر ... کا ریٹ ہے۔ بعد کا نہیں۔ اور ہاں اگر تمہارے آنے سے پہلے کوئی اور گاہک اسے لے ... ہی بیڈ لک ہوگی....."

ہم شرمندہ سے وہاں سے کھسک لئے۔

"یار رضوان! یہ موٹی تو بہت بڑی بزنس مائنڈڈ نکلی۔ اگر کی بچی نے ہماری بے عزتی سی کر دی ..."

"آپی! یہ تصویر ہی منحوس تھی۔ آپ پل ہی اسے کالے رنگ کی وجہ سے لے رہے تھے ... اچھا ہوا ہمارے پاس پیسے نہیں تھے۔"

"کیا یار! اس سے پرامس کر کے آئے ہیں۔ چلو واپس چلتے ہیں۔ ڈیڑھ ہزار اس کے لئے ... تو تتلی اٹھاتے ہیں۔"

آدھے گھنٹے بعد واپس پہنچے تو تتلی وہاں سے اڑ چکی تھی۔ وہ ہمیں دیکھ کر خوب ہنسی میں ...

UrduPhoto.com

اٹھا اٹھا کر ہنسی پھر مترنم سی آواز میں کہنے لگی۔

"مائی ڈیئر پاکستانیو! تم ہمیشہ ہر معاملے میں دیر کر دیتے ہو۔ اچھا ہوا کہ تمہارے پاس پیسے نہ ہونے کی وجہ سے سودا نہیں پٹا تھا۔ مجھے پورے پانچ ڈالر کا فائدہ ہوا ہے۔ وہ زرد رو منحوس سی فلپائنی فریم کے ساتھ کچھ اور کاٹھ کباڑ بھی لے گئی ہے۔"

ہم اس پر کالے کوئی جواب دیئے بغیر ہی کھسک گئے۔ ہم آگے یونی سٹر کی جانب بڑھ گئے۔ خال خال لوگ آ جا رہے تھے اکثریت کالے امریکنوں کی تھی جو خاص طور پر نیویارک کو اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھتے ہیں۔ سفید رنگت والے امریکن یہاں خود کو مظلوم سمجھ کر رہنے پر مجبور ہیں۔ نیویارک دنیا کے بدنصیبوں کا شہر ہے۔ جانے جانے والے ہر رنگ و نسل کے لوگ ہر کوئی اپنی دھن اور لگن میں مگن۔ قدم قدم پر کئی کہانیاں، نو سر بازیاں، لوٹ کھسوٹ۔ کوئی سڑک ایسی نہ ہوگی جہاں پولیس کی گاڑیاں، موٹر سائیکلیں، سیٹیاں بجاتی، لائٹ جلاتی ہوئی آپ کو دکھائی نہ دیں۔ اس کے باوجود لوگ بڑی بے نیازی، بے خوفی سے آ جا رہے ہیں۔ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ [illegible] لوگوں میں کوئی ہراس یا خوف ہو۔ ادھر کوئی توجہ ہی نہیں دیتا جیسے یہ سب روزمرہ کا معمول ہو۔ آپ دیکھ رہے ہیں بڑے سکون و آرام سے کوئی بندہ آپ کو بیچ کے کاٹ پھر بڑے سکون سے گن نکال کر آپ سے مخاطب ہوگا۔ میں نے ڈرگ اور زہر بیچنے ہیں مجھے پانچ ڈالر دے دو۔ یہ واردات کرنے والے بھی رہ رہے ہیں۔ آپ دونوں چیخ فٹ پاتھ پر کھڑے ہیں پر کیا مجال کوئی راہ رو آپ دونوں کو مشکوک سے مسکراتے ہوئے پاس سے گزرتے جائیں گے۔ آپ آرام سے پانچ ڈالر یا جو بھی آپ کے پاس ہے اسے نکال کر دے دیتے ہیں۔ وہ تھینکس کہہ کر ڈالر لے لے گا اور ٹہلتا ہوا سیٹی بجاتا ہوا ایک جانب کو ہو لے گا۔ نہ کوئی پولیس والے کو بتائے گا نہ کوئی کمپلین ہوگا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور ہاں اگر آپ نے چیخ چرخی یا معذرت والی گرمی جیب خالی ہے دونوں صورتوں میں گن سے ایک گولی بنا کسی تکلف کے نکلے گی اور آپ کی بغل میں ایک سوراخ کرتی ہوئی دوسری جانب نکل جائے گی اور آپ وہیں فٹ پاتھ پر بڑے سکون سے لیٹ جائیں گے۔ یہ سب کچھ سر زد ہو جانے کے باوجود کوئی وہاں پر رکے گا اور نہ ہی آپ کی مدد کو آگے بڑھے گا۔ خود ہی ایمبولینس پہنچ جائے گی اور شام کے اخبار میں جرائم کے ایک مختصر کالم میں دو سطری خبر لگ جائے گی۔ بس چھٹی۔ یقین جانئے نیویارک کے زیادہ تر کالے باشندے روزگار سے اپنے کباب شراب کا خرچہ نکالتے ہیں۔ مگر سیاحت نے تو صاف طور پر نمایاں لکھا ہوتا ہے۔

آپ اس شہر میں نووارد ہیں اور خوامخواہ پھرنا چاہتے ہیں تو آپ کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ باہر نکلتے وقت زیادہ نقدی اپنے پاس رکھنے سے اجتناب برتیں لیکن خالی جیب بھی نکلنے سے احتراز فرمائیں کیونکہ آپ کو صورت میں فوراً نقصان پہنچنے کا احتمال زیادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ڈاکو حضرات کے لئے ہلکا سا خرچہ پانی اپنے پاس رکھیں۔ قانون کا شکریہ ... اپنے محافظ اور نیک سیر پانے کے شوقین لوگ ہمیشہ اپنے پاس پانچ دس ڈالر علیحدہ ہی ڈاکو فنڈ میں رکھتے ہیں۔ جونہی کوئی موسیقی کی لہروں پہ جھومتا جھامتا کالا ڈاکو اس کے پہلو میں جا لگتا ہے پہلے ہی اس کا بھتہ اس کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ میں تو اکثر دور ہی سے ڈاکو کو سونگھ لیتا تھا۔ وہ کہیں اور کسی کی تاک میں کھڑا ہوتا میں اس کے پاس پہنچ کر بڑی رسان سے پانچ کا نوٹ اسے پیش کر دیتا۔ وہ شریف ڈاکو پہلے پانچ ڈالر کے نوٹ کو اور پھر مجھے دیکھتے ہوئے کہتا۔

"تھینکس ... یہ آپ کا جنٹلمین ڈیری کا کنڈ آف یو"

یہ نیویارک کے رنگیلے ڈاکوؤں کا قصہ یوں ہی بیچ میں آ گیا۔ میں اصل بات اس تحریر کی کر رہا تھا کہ میں مولو جھنگن کے ایک روز مفلوک الحال عورت سے ملاقات ہوئی۔ شام کا وقت تھا۔ جان پہچان اس وقت سے ہوئی جب مولو کی طرح پہ بڑی اور اس کا سر پہاڑ جیسا تھا۔ اب ہم باپ بیٹا بڑے ہلکے پھلکے سے کسی سفر کی جانب جا رہے تھے۔ ذرا آگے جا کر دائیں جانب شراب خانہ تھا اس کے سامنے سڑک کے بیچ کچھ لوگ پہ شراب پینے والے بیٹھتے ہیں۔ دور سے مجھے نظر آیا کہ کوئی عورت ہے یا مرد دھرے سفر والے لگا پہنچی ہماری جانب دیکھ رہی ہے۔ زور زور کا ذکا آتے جاتے ہوں گے مگر ہماری والی فٹ پاتھ پہ اس وقت صرف ہم ہی باپ بیٹا تھے جو شراب خانہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ چند ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے ایک دم میرے دماغ میں فلیش سا ہونے لگا اور میں جس حال میں تھا وہ ایک دم جیسے ڈھرب سا ہو گیا۔ میری رفتار میں بھی فرق آ گیا تھا۔ الٰہی! یہ اچانک مجھے کیا ہو گیا ہے؟ ... میں چند ثانیے غور کرنے کی غرض سے ایک سٹریٹ پول سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ میں بولا۔

"ڈیڈی! طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....؟"

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ہلانے لگا۔ رضوان کو میں کیا کوئی جواب دیتا میں تو کہیں اور الجھ گیا تھا۔ میں اس لہر یا فریکوئنسی کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا جو مجھے چھو کر یا میرے قریب آ کر کوئی شکل بنا کر کہیں غائب ہوئی تھی۔ میں بڑا مضطرب سا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آخر میری نظر اس فلیش

عورت پہ جا کر جم گئی۔ وہ بھی سگریٹ کے کش پہ کش لگاتے ہوئی میری طرف ہی دیکھ رہی تھی رضوان نے بھی میری نگاہوں کو فالو کرتے ہوئے اُسے دیکھ لیا تھا۔

''ڈیڈی! وہ عورت ہمیں کیوں دیکھ رہی ہے.....؟''

''بیٹا! تم کسی کے دیکھنے پہ پابندی تو نہیں لگا سکتے ....؟''

میں نے اس عورت سے اپنی نظریں ہٹائے بغیر رضوان کو جواب دیا۔ رضوان نے میری محویت محسوس کرتے ہوئے پھر ایک اور سوال داغ دیا۔

''ڈیڈی! آپ اسے اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

میں نے اسی کیفیت میں جواب دیا۔

''رضوان! یہ وہی عورت ہے جو ہماری کالی شاکالی گلی آئی ہوئی ہے اب وہ ہمیں دیکھنے آئی ہے چاہتی ہے''

''کیوں ....؟'' رضوان نے قدرے متذبذب سا ہو کر پوچھا۔

اب [illegible] کہا

''پاپا! یہ تو [illegible] پتا نہیں کہ وہ [illegible] یہاں ملنا چاہتی ہے مگر [illegible] وہ ایسا چاہتی ضرور ہے۔''

رضوان میرا ہاتھ پکڑ کر قدرے کھینچتے ہوئے کہنے لگا۔

''رفع کریں ڈیڈی! [illegible] چڑیل کو۔ ہم ادھر جاتے ہی نہیں واپس چلتے ہیں۔''

میں نے اس کی بات پہ [illegible] کرتے ہوئے کہا ''ٹھیک ہے ہمیں واپس ہی چلنا چاہئے۔ آج کا دن ہمارے لئے کچھ بہتر دکھائی نہیں دیتا۔ صحیح صحیح یہ دوسری چڑیل ہے جس سے ہمارا واسطہ پڑا ہے۔''

''دوسری نہیں تیسری چڑیل ..... وہ چوکیدار کے مکان والی کالی گلی بھی اک چڑیل ہی تھی.....''

واپسی کے لئے ہمارے قدم ذرا تیز ہی اٹھ رہے تھے خاص طور پہ رضوان تو جیسے جلد سے جلد یہاں سے دور نکل جانا چاہتا ہو۔ آگے سینٹ مائیکل سکول والی ٹریفک لائیٹ سے ہم سڑک کراس کرنے کے لئے زیبرا کراسنگ پہ آ گئے۔ رضوان نے سڑک پہ آتے ہی مڑ کر اس فلیٹ کی جانب دیکھا [illegible] فٹ پاتھ پہ پاؤں دھرتے ہی بتانے لگا کہ وہ چڑیل وہیں کھڑی ہماری جانب دیکھ رہی ہے۔ اب میں نے بھی ادھر دیکھا وہ بڑے سکون سے کھلی سگریٹ کے مرغولے اڑاتی ہوئی ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔

''رضوان!'' میں نے اُس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

UrduPhoto.com

"یہ بات یاد رکھو کہ یہ ہمیں چھوڑنے والی نہیں ہے یہ مجھ سے مل کر ہی رہے گی ..."

"میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا ..." رضوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مغالبہ آمیز کہا۔

"یار رضوان! اس میں ٹانگیں توڑنے والی کون سی بات ہے اس بیچاری نے ہمارا کیا بگاڑا ہے؟" میں نے اچھے لہجے میں رضوان کو رام کرنے کی کوشش کی۔

"ڈیڈی! اس نے صبح صبح ہمارے موڈ کا ستیاناس کیا ہے ... جو گند غارت کی ہماری تلخی نے اس سے زیادہ اور کیا زیادتی ہو سکتی ہے.....؟"

سڑک کے کنارے پلاسٹک کے ایک کوڑے دان سے ٹیک لگاتے ہوئے میں نے کہا۔ "رضوان! ذرا ٹھنڈے دل سے دیکھیں تو سارا قصور ہمارا اپنا ہے۔ ہمارے پاس اس وقت اگر صرف ایک ڈالر ہی ہوتا تو صورت حال ہی مختلف ہوتا ... وہ بے چاری تو صرف ایک معمولی سی "میڈیم" ہے۔ بے ضرر سی ہے تو ... یہ کچھ اور کہیں نے آج تک ایسی مکمل اور بے عیب میڈیم کم دیکھی ہوگی۔"

رضوان میرے منہ کی طرف دیکھنے لگا ... پھر اس موضوع پہ مزید کوئی بات کئے بغیر ہم اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ ناشتہ کرنے کے بعد رضوان تو اپنے دوست کے ہمراہ کام پہ نکل گیا اور میں اپنے دوست احسن خان کی طلبی پہ کوئینز پہنچ گیا۔ احسن خان اپنے بچوں سے ہزار درجہ دوست ہیں جو ایک دوسرے سے بھی دوستی رکھتے ہیں۔ وہ بھی تک اسٹریٹ میں ہی رہتا ہوا تھا۔

"کیا خیال ہے آج سارا دن سوتے ہی رہنا ہے؟"

یہ احسن خان صاحب ایبٹ آباد کے رہنے والے ہیں۔ سادات ہیں۔ تین فلیٹس شریف الطبع اور سادہ لوح ہیں۔ پیدائشی طور پہ ہی غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ... فقہ، جدل، تقویم، نجوم وغیرہ میں تعلیم کیلئے۔ دینیات اور علوم سنگی فارسی ترکی سے سیکھے پڑھے۔ اب چار پانچ برس سے امریکہ میں آ کر رہائش کی ہے ایک نیچرل سوسائٹی کے رکن ہونے کے علاوہ ان کے اچھے اچھے عالمان مسٹریز اور ایلیان سے بھی تعلقات رہے ہیں۔ ریڈرز ڈائجسٹ، واشنگٹن پوسٹ اور دی نورتھوسن میں بھی ان کے مضمون مقالے چھپتے رہتے ہیں اور بہت اچھی بات یہ کہ اعلیٰ دینی قدروں کے امین بھی ہیں۔ سادگی اور پرہیزگاری خان صاحب بزرگی پیشے کے اعتبار سے ایک میڈیم بھی ہیں یعنی روحوں کے درمیان بات چیت کا وسیلہ بنتے ہیں۔ نیویارک میں قریب قریب ایک صدی پرانا ادارہ ہے جس کا سربراہ ایک مصری النسل یہودی ہے۔ یہ ادارہ ضرورت مند لوگوں کی ان کے مرے ہوئے پیاروں سے ملاقات کا بندوبست کرتا ہے یہ وہ سرچشمہ ہے جس سے ہزاروں سعادتیں پھوٹتی ہیں

ہوئے شاعر، مفکر، بادشاہ یا کسی بزرگ سے کچھ دریافت کرنے کے متمنی ہوں۔ کسی مسئلے کا حل دریافت کرنا چاہتے ہوں یا وہ جو محض اپنی دلچسپی، شوق کی خاطر ایسے تجربے مشاہدے سے گزرنا چاہتے ہوں وہ بھی یہاں آ جاتے ہیں۔

میں احسن خان کو کراچی سے جانتا ہوں، میری ان سے اکثر بابا ذہین شاہ تاجی کے ڈیرے پر بابا رئیس امروہوی کی رہائش ایکڈمی میں بڑی لمبی چوڑی ملاقاتیں رہتی تھیں۔ گو وہ عمر میں مجھ سے بلکہ سب سے چھوٹے تھے لیکن اپنے علم و تجربہ اور ذوق تجسس و تحقیق میں وہ مجھ سے بہت بڑے تھے۔ وہ اپنی علمی پیاس اور سیلانی طبع کے ہاتھوں کھاٹ کھاٹ اترنے پر مجبور اور میں اپنی تلاش و جستجو، بے چینی اور مزاج کی آوارگیوں کی بدولت قریہ قریہ کا مارا رنجور مقہور۔

اللہ حکیم کی حکمت تھی کہ ہم دونوں چاہے اس دنیا جہاں کے کسی کونے میں بھی ہوں ملاقات ضرور ہو جاتی تھی اور جب بھی ملتے تو پھر ہم خوب اچھی طرح ایک دوسرے کی خبر لیتے، کھوج کھرید کر ایک دوسرے کے سینے اور دماغ صاف کرتے اور کبھی موقع مل جاتا تو حاضرات اور ارواح کے ورود و وکالت کی مجلس میں بھی اکٹھے بیٹھ جاتے۔ [illegible] میں اپنے کسی موکل کے ہاں [illegible] حضرت کے لئے [illegible] جاتے تھے [illegible] دل کا لیٹر نمبر لکھ کیا تھا۔

''میاں خان صاحب! یہ کوئی بستر توڑنے کا کام ہے ...؟'' میں نے بھی سی سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

''بابا جی! رات کافی دیر تک نیند پھٹتی رہی۔ آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی ہیں یقین کریں کچھ بھی نہیں پا رہیں۔ میں اس وقت حافظہ بنا ہوا آپ سے بات کر رہا ہوں۔'' وہ بھی لمبی سی جمائیاں لیتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''اچھا اچھا، بتاؤ کہ کب پہنچ رہے ہو ...؟''

''بابا جی! کچھ پتہ نہیں سکتا۔ میری کالت ایک صنعت کار بیوہ لیڈی ہے۔ [illegible] غور غرابی اور سوچی سی اپنے ڈیڑھ سو سالہ پرانے مرے ہوئے دادا سسر کی روح سے مورد بنی جا رہی ہے۔ ایک سیشن کی وضاحت چاہتی ہے اور آج پورے تین دن ہو گئے وہ بڑھا کس سے مس ہی نہیں ہے۔ ذرا انجھوڑتا ہوں تو ''ہوں ہاں'' کر کے پھر خود کو لپیٹ لیتا ہے۔ ہلاتا جھلاتا ہوں تو پھر وہی آدھے پونے جھلاہٹ اور بیزاری کا اظہار کر کے چپ پڑ جاتا ہے۔ کچھ آپ ہی بتائیے کیا کروں؟ اس بڈھے سے

"کیا ہوا ہے۔ کل رات مجلس میں ہی سوچ رہا تھا کہ آپ کو بھی یہاں بلا لوں۔"

"خان صاحب! بال ہٹ اور بزرگ ہٹ سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ بڑھاپے سے پہلے اس کی جوانی کے دنوں کی باتیں چھیڑیں۔ جب بڈھا رواں ہو جائے تو اصل بات پوچھیے گا آزمودہ ہے۔"

وہ تھوڑا سا بڑبڑایا۔ "واہ بابا جی! آپ نے خوب ترکیب بتائی۔ ہاں فرمائیے کہ یہ صبح صبح خیریت؟"

"خان صاحب! سب سے پہلے تو یہ کہ اب صبح نہیں ہے دوسری بات یہ کہ آج بلکہ ابھی ابھی میں نے ایک میڈیم دیکھی ہے ریڈ بائی ڈبل زیڈ۔ ایک زمانے کے بعد یہ نمبر دیکھنے کو ملا ہے۔ ابھی تک وہ میرے کلوز رنج میں ہے۔"

وہ تو جیسے بوکھلا گیا۔ ہڑبڑا کر بولا۔ "بابا جی! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ نیویارک سے ہی بول رہے ہیں نا۔ آپ نے ریڈ بائی ڈبل زیڈ کو کہاں دیکھا ہے؟..... پلیز اگر آپ اسے فائل کر سکتے ہیں تو میں فوراً آ جاؤں۔"

"خان صاحب! اتنا اتاولا ہونے کی ضرورت نہیں وہ اپنی فائل میں ہے اور میں اس کی فائل کی جس۔ آپ اطمینان سے اپنا کام....."

وہ میری بات درمیان سے کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا جی! گستاخی نہ سمجھیں تو پلیز اس کو آپ فوراً ایکس فائل کر دیں اور میں کبھی تو فرصت ملتے ہی آ جاؤں۔"

اسی دوران ہلکی سی ٹک ٹونگ کے ساتھ آؤٹ ڈور انٹرکام فلیش کرنے لگا تھا اچانک میرے ذہن میں آیا کہ تم پہنچ گئے سو پہنچ گئے وہ تو پہنچ بھی گئی ہے۔ انٹرکام کا بٹن پش کر کے میں مخاطب ہوا۔ ادھر سے آواز ایسے آئی جیسے کوئی منوں مٹی میں دبا ہوا بڑی کراہت و کراہ کے ساتھ کسی قبر سے خطاب دے رہا ہو۔

"گڈ مارننگ! اس وقت مخل ہونے کی معذرت چاہتی ہوں۔ میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے ساتھ ایک میری خواہش کہ میں آپ کی زیارت کروں اور آپ سے چند مفید مشورے اپنی بقا کے لیے حاصل کروں۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ آپ میری التجا کو رد نہیں فرمائیں گے۔ اگر آپ چاہیں تو میں آ سکتی ہوں۔"

اٹھ کام سے کورڈلیس ٹیلیفون ہاتھ میں لیتے ہوئے اب میں خان سے مخاطب ہوا۔

''احسن خان! تم نے ساری گفتگو سن لی ہے۔ اب بولو کیا کہتے ہو؟''

ادھر سے جواب آیا۔ ''باقی چیز! میں نے سب کچھ سن لیا ہے واقعی یہ زیڈ بائی ڈبل زیڈ ہے۔ کسی نہ کسی طرح اسے روکنے یا راہ بدر کرنے میں پہنچ رہا ہوں۔''

کہہ کے ٹیلیفون بند ہو گیا۔ اب میں اٹھ کام کا بٹن ریلیز کر کے مخاطب ہوا۔

''دیکھو میڈم زیڈ! دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ چیز! آپ لفٹ کے ذریعے پانچویں فلور پر فلیٹ نمبر تین تک رسائی حاصل کر سکتی ہیں۔ آپ مجھے دروازے پہ اپنے استقبال کے لئے بصد ادب منتظر پائیں گی.....''

اب میں سوچ رہا تھا کہ اچھا ہی ہوا جو رضوان یہاں موجود نہیں ورنہ وہ تو واقعی اس کی ٹانگیں توڑ دیتا۔ وہ جان بھی کیسے سکتا تھا کہ یہ زرد زرد سوکھے کاٹھ کی طرح جلی بھنی بے رنگ و رونق فضا کی اچھے پہ دبی ہڈیوں پہ پڑے نام کو گوشت فراق و پیشانی کے پیچھے کسی چھپتے سی ٹھنڈی دنیا بانی والی گہری آنکھیں جن کے نیچے متورم سرخ نیلے حلقے پھر زیادہ ہی نمایاں تھے سوکھی ہوئی ہڈیوں پہ کالی لانگ اسکرٹ اور سفید شرٹ اور شانوں تک پھیلے بے رنگ بے ترتیب بال جنہیں بچوں کی طرح معصوم انداز سے مزید بکھرنے سے بچانے کی خاطر قابو میں کیا ہوا تھا۔ آنکھوں میں تیرتا کاجل اور ہونٹوں پہ پھیکی لپ سٹک عجیب سے حلیے حال والی یہ بدذوق اور مشکوک سی عورت کتنی قیمتی اور کسی نادر الوجود ہے؟ اسے جو کارنامے قدرت نے خداداد صلاحیتیں ودیعت ہوئی ہیں ان کا حساب دل اکھ میں ایک کا ہے۔ ٹیلی سائیکاٹری کی ایک خفیہ اصطلاح میں ایسی کمپیوٹر دماغ اور ہاتھ کے بارہ برجوں اور پاتال کے تیرہ پرتوں تک رسائی والی آنکھ قلزم میں قطرہ اور قطرے میں قلزم کا آنکھ پھیر کھلنے کا اور اک اور مکاں اور مکاں کی حدوں کے پرے تک پرواز کرنے والا تخیل رکھنے والے اس نابغہ روزگار ایک کی مدعی ہمدانی کو ''زیڈ بائی ڈبل زیڈ'' کہتے ہیں۔

عام اور محض زیڈ تو اکثر مل جاتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں میں کسی ڈبل زیڈ کا ملنا بھی کچھ مشکل نہیں ہوتا مگر ''زیڈ بائی ڈبل زیڈ'' نہیں ملتا۔ اگر نہیں ہوتی تو اسے خود یہ معلوم یا محسوس نہیں ہوتا کہ وہ یہ کچھ ہے۔ اسے اکثر دوسرے ہی کھوجتے ہیں اور پھر خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ میڈیم عاملوں کے آگے کام کرتے ہیں جبکہ وہ خود اکیلے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ وہ عاملوں اور عامل ان کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ دونوں چاہتے لاکھوں انسانوں میں رلے ملے ہوں۔ ایک دوسرے سے ناآشنا ناواقف ہوں سامنے آتے

ملتے ہی ایک دوسرے کو پہچان جائیں گے۔ کچھ ماتھے پہ لکھا نہیں ہوتا' ان کے جسم سے خوشبو ہی ایسی ہوتی ہے۔ ان کے وجود کے گرد جو ہالے اور دائرے ہوتے ہیں اور ان کے سر پہ حقانیت اور زیرکی کی نورانی صلاحیتوں کے جو پاند موگل اور زجاج فیب ہوتے ہیں اور پھر جو روشنیوں کے روشندان سے ہوتے ہیں نیکی ان کی پہچان ہوتی ہے یعنی ولی راولی کی شناسد والی بات ہوتی ہے۔

یہ سارا واقعہ مجھے اس لئے سنانا پڑا کہ مجھے خود اپنی خداداد صلاحیتوں اور رب کریم کی بخشی ہوئی توانائی کا کماحقہ احساس اور علم نہیں تھا لیکن دوسرے اصحاب تصرف مجھ جاہل میں ان خوبیوں کی خوشبو کو محسوس کر لیتے تھے یا میری وجود کی میں انہیں کچھ ایسے جراثیم نظر آ جاتے تھے جن کی وجہ سے وہ مجھ سے محبت بھرا رویہ روا رکھتے اور اپنی شفقت و عنایات سے نوازتے تھے اور میں بھی ان کی نوازشات اور تربیت سے روحانی و باطنی سے خوب فیض یاب ہوتا۔ کچھ میری زید خریدی کی عادت یعنی پرلے درجے کا بات سے بات پیدا کرنا' حرفوں پہ نبلے اور لفظوں پہ دبلے پھیلنا' لمبے سوروں کو ملنا اور کھل کھلانے میں لگا رہنا ہر وقت کوئی نہ کوئی پٹ سیاپا' اشغلا ڈالے رکھنا۔ فرقوں کی طرح بہتر (۷۲) میں تو میری گنتی نہیں ہوتی تھی جن کو میں نے کسی سے نہیں سیکھا تھا بلکہ مطلب یہ کہ میں پیدائشی ایک طرح کا ہوا تھا۔ میں اور اوپر سے ہی بجلیوں کی زد میں رہا۔ کوئی تھا کوئی پہاڑ دن رہتے شروع ہو جاتا وہ سال ایسا ہوتا کہ جب تک جان پہ سے نہ گزر جاتی۔ کوئی امتحان' آزمائش' آفت' بلا' آفر' تفریق' قیامت' تفریق' تکرار' تردد' تکلیف میرے سر پہ نہ پڑی ہو۔ گھر والے پچھتاتے کہ ہم نے اس کے لئے دعا کیوں کرائی' اس سے تو ہم لاولد ہی اچھے تھے۔ مسلسل خط خط ترکیبیں' شرارتوں اور آوارگیوں سے عاجز آ کر انہوں نے میری فکر کرنی چھوڑ دی تھی۔ کئی کئی ہفتے' مہینے گھر' گلی محلے' شہر سے مفقود الخبر رہتا جیسے دنیا پہ وجود ہی نہ ہو۔ پھر اچانک کہیں سے وارد ہو جاتا۔ نہ پڑھائی لکھائی' نہ کوئی مسیت مسجد' ہر وقت بے چینی تھی اور ہم۔ گھر والوں نے تنگ آ کر جب باباں سے شکایت کی تو کھرا سا جواب چاٹنے کی طرح منہ پہ پڑا کہ چار درویشوں کا گروہ موتے' تھوک اور تجوا سب اکٹھے کر دو تو کیا نکلے گا؟ ... شکر کرو کہ بچی نکلی ہے' تم لوگوں کی قسمت کہ یہ بخت کیہ کی طرح بعد کی بڑیاں بڑا کیاں پہلے نکلتا ہے تو بھسم ہو گا اور بھسم ہو کر ہی بخت بنے گا۔ گھر والے چپ ہو کر بیٹھ گئے۔ ہم جوں جوں بڑے ہوتے گئے تو احساس ہوا کہ ہر اگلا قدم سخت پڑتا ہے۔ ہر انگلی پکڑنے والا دو گام ساتھ لے کر چلتا ہے' آگے کوئی اور پکڑ لیتا ہے یوں جیسے اک عالم صرف میرے ہی پیچھے پڑا ہوا ہے ہر اک کو صرف میری ہی تلاش ہے۔ چیزیں ٹھوکریں ٹھڈے' جیاں گھیاں کھا کھا کر میں نے بھی خود کو ان کے رحم و کرم

پہ ڈال دیا ہوا تھا جس نے اپنی کمال حکمت و مصلحت رحمت و برکت سے میری روح کو عدم برزخ سے اتار کر میری بوڑھی ماں کے رحم میں پھونکا تھا اور یہی میرے حق میں بہتر ہوا کہ میں آج تک اسی تسلیم و رضا کے آگے سر نگوں کئے کھڑا رہا۔ کبھی کچھ چاہا ہی نہیں نہ مانگا ہی نہیں۔ خوشی نہ خوشامد۔ آس نہ پاس وہی بات کہ

مورے سیاں بھئے کوتوال' ڈر کاہے کا

بات کو پھر سمیٹ کر اسی مقام پہ لاتا ہوں۔ وہ فلپائن زیڈ بانی ڈمل زیڈ لفٹ سے برآمد ہو کر میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا اور راستہ چھوڑتے ہوئے اپنے فلیٹ میں آنے کی دعوت دی۔ وہ یوں تھی جیسے ایک روبوٹ ہو جس میں صرف حرکت' عمل اور ایک معینہ کارکردگی ہوتی ہے۔ وہ وہی کچھ کرتا ہے جو اسے پروگرام کیا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے اپنے کوئی جذبات احساسات اور خیالات مکمل ہوتے۔ وہ فطرت' محبت' ہمدردی' دلداری' کچھ بھی تو نہیں جانتا۔ اسی طرح یہ بھی جیسے ایک مشینی عورت یا لڑکی تھی۔ یہ جاپانی' چینی' فلپائنی' کوریائی' تھائی لڑکیاں کچھ بھی ہے لیکن ان کا جسم' قد و قامت اور شکل و صورت والی ہوتی ہیں۔ ان کی ناک کے فرق کے ساتھ ایک جیسی لگتی ہیں۔ کسی کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب بڑے بوڑھے ہوتے ہیں تو آپ کی عمر کا اندازہ آسانی سے نہیں کر سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ جسے معصوم سی بالغ لڑکی سمجھ رہے ہوں وہ تین پانچ بچوں کی ماں اور دو عدد شوہروں کی بیوی رہ چکی ہو اور جسے آپ بڑھیا جانیں وہ ابھی سکول کی ابتدائی کلاس میں ہو۔ میں خود بہت دفعہ دھوکا کھا چکا ہوں اور کسی کو میڈم یا مس کہنے سے پہلے کئی مرتبہ سوچتا اور دیکھتا ہوں۔ بہر حال یہ تصدیق شدہ اور کارٹیفائیڈ میڈم میڈیم تھی۔ وہ اندر پہنچ کر یوں صوفے کے کنارے پہ بیٹھ گئی کہ اگر وہ صحیح سے اور آرام دہ حالت میں بیٹھ جاتی تو شاید صوفے کے سپرنگ بیٹھ جاتے یا پھر اس تکلف سے منی سکرٹ کی کوئی مجبوری تھی کیونکہ میں تو اس کے سامنے صوفے پہ دھرا ہوا تھا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ساکت و جامد اور کسی قسم کے تاثرات سے یکسر خالی تھا۔ پھر اس کے باریک سے ہونٹوں پہ جیسے جنبش سی ہوئی۔

"میرے بلند مرتبت محسن! میں آپ کی بہت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے شرف ملاقات بخشا۔ میں آپ کے پاس یہ پرزور امید لے کر حاضر ہوئی ہوں کہ آپ مجھے اپنی انتہائی قیمتی خدمت سے آگاہ کریں۔" پھر وہ میری جانب پلک جھپکاتے ہوئے بولی۔ "یہ حقیر سا جذبہ میری جانب سے قبول فرمائیے۔"

میں نے پیکٹ پکڑتے ہوئے کہا۔

"میڈم! پہلے یہ بتایئے کہ آپ ڈرنک میں کیا لیں گی ... کوئی کولڈ ڈرنک ہوں وغیرہ ...؟"

وہ پرس کھولتے ہوئے بولی۔ "آپ کی اس آفر کا شکریہ ... میں اس وقت ایک سگریٹ سلگانے کی اجازت کے لئے درخواست کروں گی باقی میں کچھ کھانے پینے سے معذور ہوں کیونکہ میں "زیڈپ"

وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی سگریٹ سلگا رہی تھی۔ وہ ایک مکمل زیڈپ تھی ... روحانیت فلکی اور [illegible] کے علوم کے ماہرین میں ایک سلسلہ ایسا بھی ہے جو "زیڈپ" کہلاتا ہے اس سلسلے میں عامل [illegible] کنوارے ہوتے ہیں۔ عامل مرد یا مرد ہوتا ہے اور معمول عورت یا عورت ہوتی ہے۔ [illegible] میں اپنے آپ کو مجذوب کروا دیتے ہیں۔ اپنے سر کے بال مکمل منڈوا دیتے ہیں۔ [illegible] کے [illegible] پلیں اجنبی ہر چیز سے چھٹکارا پا لیتے ہیں۔ وہ [illegible] زمین پر [illegible] سمندر [illegible] ہے یہ اس کو کھا نہیں سکتے۔ زمین دریا چشموں کا پانی تک نہیں پیتے صرف [illegible] ہوش کا [illegible] مکڑیوں [illegible] کو [illegible] کھاتے ہیں اور [illegible] ان چیزوں کے [illegible] ان کے لئے حرام اور حرام ہے۔ یہ زیڈپ [illegible] ہوتی [illegible] ضرورت سے تقریباً [illegible] ان کے جسم و اعضاء اتنے نازک اور حساس ہوتے ہیں کہ وہ [illegible] حالات میں اپنے [illegible] تجربے کے باہر قدم نہیں رکھتے۔ کھا موسم [illegible] تیز ہوا ان کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ خاص [illegible] نہیں پبلک میں آنا [illegible] تو یہ [illegible] بالوں کی وگ سونے کے دانت [illegible] وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ ان کا پسندیدہ شغل یا ماحول دھواں دھار قسم کا ہوتا ہے یعنی [illegible] پسند کرتے ہیں اس لئے ان کی رہائش گاہوں میں ہر وقت خوشبویات اگربتیوں میں دہکتی [illegible] اگر صندل اور عود دھواں ان کی اصل غذا ہے۔ یہ سگریٹ نوشی بھی بے انتہا کرتے ہیں۔ [illegible] کی انگلیاں کوئلے سے داغدار اور سرخ دکھائی دیتی ہیں۔ "زیڈپس" کے اصل روپ اس [illegible] میں دیکھے جا سکتے ہیں جب وہ اپنے اجلاس یا حضرات ارواح میں اپنے معمولات سرانجام [illegible] ہوتے ہیں۔ زمین دوز خانقاہوں حجروں میں جہاں سورج کی روشنی اور تازہ ہوا کا تصور تک [illegible] وقت شہود یعنی وہ وقت جب رات اپنے آخری سانس لے رہی ہوتی ہے اور صبح کاذب [illegible] سانس کھینچ رہی ہوتی ہے روغنی مشعلوں کی کانپتی روشنی کے پراسرار سایوں میں عامل اور معمول [illegible] سے آراستہ و مزین سیاہ اطلسی جبے پہنے سروں پہ سیارگان فلکی کے زمدار تیکے دھرے عود اور

UrduPhoto.com

خوشبویات کی تیز و تند لپٹوں کے جلو میں جب جسہ گاہ میں جلوہ افروز ہوتے ہیں تو حاضرین بالکل کے مارے حیرت آنکھیں پھٹنے کو آتی ہیں۔ عامل و معمول کی آنکھوں کی وحشت چہرے کی ابھری ہوئی استخوان کا جل سے تھپی ہوئی من ابرو مژگاں آنکھیں بے دانت کا پوپلا منہ زرد رنگت خوف و ہراس سے کھنڈے ہوئے سپید اپاٹ چہرے ہاتھ میں عصائے سامری دوسرے ہاتھ کے کف پہ دھرا انسانی کھوپڑی ہے ارغوان سے لبالب پیالہ مار سیاہ کی پوستین سے مرصع پاپوش اور پھر جب روئے عالم بزرگ چیخ و پکار اک ذرا کھتا ہے تو وہاں بڑے بڑوں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔ عامل تو دندوت کر کے سرکوں ہو جاتا ہے مگر جو معمول پہ گزرتی ہے یوں جانئے کہ وہ جلتے میں کی موتیں اپنے وجدانی اعصاب پہ جھیلتا ہے جسم ہوتا ہے صرف ایک ہی جلتے میں جیسے کسی آگ میں جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔ پھر بعد میں کی دن تک اپنے ظاہری باطنی اعصاب کی کلوز کرتا رہتا ہے لیکن "زیڈ پلس" یہ مشکل مراحل قدرے آسانی سے طے لیتے ہیں۔ تو میڈم "زیڈ پلس" تھی۔ بڑے سلیقے اور قرینے سے وہ ہلکے ہلکے کش لے رہی تھی۔ اس کا ہوا تھا ابھی تک میرے ہاتھ میں ہی تھا۔

UrduPhoto.com

"[illegible] تھا لیا"

وہ بڑے [illegible] لہجے میں بولی۔ "یہ آپ کے لئے [illegible] اور آپ کے لئے ہے۔"

"مگر یہ تمہی تو تمہی کے پاس ہی رہنا چاہئے" میں نے دلیل سے اسے قائل کرنا چاہا۔

"ہاں ٹھیک فرماتے ہیں لیکن کاکا کس کے پاس رہنا چاہئے"

اچانک میرے منہ سے نکلا "کاکا کے پاس....."

کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب میں نے پیکٹ کھولا تو یہ فریم بالکل وہی تھا لیکن تمہی کی بجائے چھوٹا سا کالا کاکا محفوظ تھا اور وہ تمہی؟ لب ہلائے بغیر میں نے میڈم کی جانب دیکھا۔ وہ ایک [illegible] سیاہ شریف نکالتے ہوئے میری جانب دیکھ رہی تھی۔

"میں زیڈ پلس ہوں" "یوں کہئے کہ رحمت دیئے بنا اس نے مجھے خوب جواب دیا تھا۔

دنیا داری میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کسی کو کبھی کوئی چیز پسند آ جاتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسے حاصل کیا جائے۔ آپ نے گھوڑوں، کتوں، بیلوں، کبوتروں، مرغوں بڑے بڑے شوقین، جنونی اور قدردان دیکھے ہوں گے۔ انہیں جہاں کہیں اپنے مطلب کی کوئی خاص چیز آئے تو وہ دیوانہ وار اس کی جانب لپکتے ہیں اور ہر ممکن اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے اس ظاہری دنیا کی تین چیزیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ مٹی کی مہک، حکمت، کیمیا پہ لکھی ہوئی پرانی کتابیں

[illegible] کائنات پر کندہ مقدس اسماء والی انگشتریاں باہر کئے ہوا [illegible] پرانی انگوٹھیاں۔ ان تینوں اشیاء میں سے کسی ایک کی کہیں بھٹک پڑ جائے یا دکھائی دے جائے تو پھر میری دیوانگی اور کیفیت کی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ خوشامد چاپلوسی منت سماجت اخلاقی غیر اخلاقی اور مالی وسائل یعنی ہر وہ جائز طریقہ استعمال میں لاؤں گا جس کے ذریعے سے مجھے وہ چیز مل سکتی ہو یا اس کے ملنے کا امکان پیدا ہو سکے۔ بالفاظ دیگر [illegible] تینوں چیزوں کے جائز و ناجائز حصول کی خاطر ایسی کوئی بھی قبیح حرکت کر سکتا ہوں جس کی سزا کم سے کم قید اور زیادہ سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ موسیقی حکمت کیمیا علوم مخفی از قسم تنجیم رمل و جفر [illegible] اختر افلاکی علوی سفلی کالا علم جادو [illegible] قوت [illegible] دست و کف و پاشناسی تنویم [illegible] اور خواب بینی۔ اسرار عالمین از قسم نوریہ [illegible] ظلمیہ [illegible] عنصریہ مثالیہ عقلیہ [illegible] حشریہ جنائیہ [illegible] صوریہ جنائیہ اور [illegible] وغیرہ۔ مذکورہ بالا اخبار و عالمین [illegible] کی بنیاد متصور ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا سے وابستہ جو علوم ہیں وہ انہی عالمین کے زیر اثر سمجھے جاتے ہیں یعنی ان ہی کی استثنائی صورتیں ہیں۔ کہنا یہ مقصود تھا کہ اگر کسی گھوڑے [illegible] کتاب [illegible] کے حصول کے لئے کوئی شوقین [illegible] کوئی جائز و ناجائز حربہ استعمال کر سکتا ہے تو یہ [illegible] حکمت کی چیلنج [illegible] سے [illegible] زیادہ [illegible] ہوتی ہے۔ حکمت و کیمیا اور [illegible] کے عام و خاص اس ترکیب و جستجو میں تو اک عام کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ [illegible] کا مدوجزر اور مزید ترحزیہ کا جوار بھاٹا ان کے ساحل سکون کو [illegible] کر رکھتا ہے۔ [illegible] حکمت یہ تجزیہ و تماشے کے [illegible] رہتے ہیں [illegible] زیادہ آپس میں [illegible] ہوتی ہیں جیسے [illegible] ہوتی ہوں۔ ایک تو ایک یا ایک سے زیادہ کی یا محروی ہر ایک میں ہوتی ہے اور ایک یا بہت سی [illegible] سے فیض یافتہ بھی ہوتے ہیں۔ ایک کی کمی دوسرے میں ودیعت کی صورت میں موجود ہوتی ہے [illegible] یہ ایک دوسرے کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ میں نے چابی کو تلاش کیا چابی نے مجھے کھوجا۔ [illegible] سائیں سوکار سرور سیاہ پوش۔ کتے بلیوں گھوڑے گدھے کالے اور یہ فلپائن ایسے سب [illegible] کا نیاں ہیں۔ ایک دوسرے کے ملاپ و معمول۔ ایک دوسرے سے موتی مالا کی مانند پروئے [illegible] ہوئے یا بکھرے ہوئے ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے جیسے جب جدھر اور کوئی [illegible] کو پالیتے ہیں تو پھر ایک دوسرے سے سب فیض کرتے ہیں۔ یہ ایک بالکل الگ بات ہے کہ [illegible] اپنے علم کا استعمال کس طرح کرتا ہے۔ وہ اندھیروں ظلمتوں کا خوگر اور شیطان کا ساتھی گندہ ہے یا [illegible] نیکیوں سے منور اور مالک یوم الدین کا بندہ ہے وہ شیطان الرجیم کی معاونت کا متلاشی ہے یا وہ

UrduPhoto.com

غفور الرحیم کی استعانت کا طلبگار ہے۔ وہ اپنے علم و فکر و انسانیت کی بہبود و بھلائی اور اس کے لئے آسانیاں فراہم کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے یا پھر وہ اپنے علم و فکر کو شیطنت کے فروغ اور بنی نوع انسان کے لئے ویرانیاں اور پریشانیاں پیدا کرنے کے لئے آگے لاتا ہے۔ وہ ایول "سائنس" ہوتا ہے یا ایک "مرکری مین" بننا پسند کرتا ہے؟

وہ میڈیم فلپائن جو "زیلپ" تھی اور وہ بھی زیلپ بانی ذہن زیلپ یعنی وہ اس وقت کے بہاؤ میں یوں سمجھ لیں کہ آنکھوں میں ایک تھی پیدائشی طور پر اعلیٰ قوتوں اور خاص الخاص جنوں کی حامل ۔۔۔ اس کی نگاہوں کے سامنے پتھر کے اندر وہ ذخائر سے آ رہے تھے۔ وہ آنکھیں بند کر کے اپنے گرد بہت دور تک نظر رکھ سکتی تھی۔ انسانی ذہن میں جھانکنا کا رجحانات پڑھ سکتی تھی ۔۔۔ ادق سے ادق سوال کا جواب بھی دے سکتی تھی۔ نوری قاری تھی مری مخلوقات از قسم ۔۔۔ ارواح کو دیکھ محسوس کر سکتی تھی ان سے رابطہ بھی قائم کر سکتی تھی۔ اس کا باطن قدرتی طور پر ایسا صیقل اور صاف تھا کہ وہ گزرے وقت کی پرچھائیاں تک محسوس کر سکتی تھی۔ میں اس کے تصرفات کی زد میں آ گیا تھا وہ مجھے دیکھ چکی تھی شاید اس کی نظر میں میری کوئی اہمیت نہیں ہوئی جس کی وجہ سے وہ مجھے رہنے قائم کرنے پر مجبور ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ ۔۔۔ کا ۔۔۔ ڈیم میں اس کی ۔۔۔ میں ۔۔۔ چکا تھا۔ اس ڈیم سے میری وابستگی کو وہ محسوس کر چکی تھی اور جب وہ یہ جان چکی تھی کہ میں اسے جانتا اور پہچانتا ہوں تو وہاں وہ اپنی بیدار حسوں کی بدولت یہ بھی سونگھ چکی تھی کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بے دھڑک میری ناک کی سیدھ میں میری طرف چلی آئی لیکن اس کا دل ۔۔۔ سے مجھ تک اپروچ کرنا کچھ خاصی ازیت ناک تھا۔

میں اوپر کہیں لکھ چکا ہوں کہ اس فیلڈ میں کوئی نہ کوئی خاص خوبی ہر کوئی رکھتا ہے جیسے موسیقاروں کو یوں میں بھی ہے۔ موسیقی کا ہر گھرانا اپنی کسی نہ کسی خاص خوبی میں اپنی نمایاں پہچان رکھتا ہے ہر گھرانے کے استاد فنکار اپنے کی مخصوص انداز گائیکی اور چند ایک راگ راگنیوں میں ہی منفرد ہوتے ہیں۔ یہ تو ایسے بے کنار سمندر ہے جو کوئی اس راگ ودیا کی تمام راگ داری کو سمجھنے جاننے یا سیکھنے کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ بڑے غلام علی خان مرحوم بھی اس چند ایک راگ راگنیوں پر سارا گزارہ کرتے رہے۔ خان صاحب عبدالکریم، استاد عاشق علی خان، روشن آرا بیگم، للت، ایمن کلیان، ٹھمری، دادرا، ماکنی بہاگ پر ہی اکثر گائیکی کیا کرتے تھے۔ استاد امیر علی خان، استاد علی اکبر خان، بابا علاؤالدین، استاد احمد خان تھرکوا اور پنڈت امام کا رنا تھا یہ ستار میں بھی اپنی ایک مخصوص راگ داری کی پہچان تھے۔ ان

[illegible] کوئی ہیوت، کوئی رکھب، کوئی دار کنٹھیا، کوئی نرتم گرہ کا رسیا۔ اکثر یوں بیٹھے تان پلٹے [illegible] راگوں کی چھتیس راگنیاں، سات سو بائیس ٹھمریاں۔ آج تک جتنے بھی مہا گائیک، پنڈت [illegible] وغیرہ گزرے ہیں سب ہی فنی خوبیوں خامیوں سے عبارت تھے۔ کلکتے، بمبئی، گوالیار، [illegible] اور لاہور کی بڑی بڑی میوزک کانفرنسوں میں ایک دوسرے کی مخصوص راگ داری، گائیکی، [illegible] گھرانوں، گرہوں، تان پلٹوں سے محظوظ ہوتے اور ایک دوسرے سے اکتساب فن کرتے [illegible] خامیوں کمیوں کو دور کرتے۔ اسی طرح ان امراء و تجار کی دنیا کے بھی بڑے بڑے عالم، عامل، [illegible] جیسے استاد ہر دور میں موجود رہتے ہیں اور ہیں۔

[illegible] بات ہے کہ وہ چھپتے ہیں منظر پہ نہیں ہوتے اور جو منظر عام پہ ہوتے ہیں ان میں [illegible] ہستیوں اور فرادیوں کی ہوتی ہے جن کا مقصد محض تفریح طبع اور دونوں ہاتھوں سے لوٹنا اور [illegible] ہے۔ یہ عام نہیں، عامل اور علم روحانیات کے نجومی اور جعلی دعوے دار، روحانیت اور علم و فن کی [illegible] زبانی، اداکاری، قیافہ انسانی، نفسیات، ہپناٹزم، الیکٹرونک، شعبدہ بازی، جوتک بازی اور [illegible] پبلک میلنگ، دعوتوں کے مدعو، زرداری بابا اور [illegible] وقل تک کی واہیاتیوں میں ملوث ہوتے ہیں۔

[illegible] رسالوں میں یہ بڑے بڑے عامل، منجم، رمل و جفر اور روحانی علوم کے ماہرین [illegible] کی صورت میں لاکھوں روپے انعام کے بڑے دلکش جاذب نظر اور پر اثر کرنے والے [illegible] کرتے ہیں ان میں اکثر و بیشتر کاروباری اور مال بنانے والے لوگ ہیں۔ ان کا کسی علم و فن [illegible] تعلق نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ کوئی اصلی اور صحیح بھی ہے اگر ہے تو کہاں اور کدھر ہے؟ اس کا [illegible] ہے کہ حقیقی علم و حکمت والے لوگ موجود ہیں ان کی مجبوری ہے کہ وہ سامنے منظر پہ نہیں آتے۔ [illegible] ان کی طلب و جستجو، مشاغل و وظائف، طبیعت مزاج کے تقاضے یہ سب کچھ انہیں خلوت نشینی [illegible] دیتے ہیں۔ نمود و نمائش اور نمرے بے نمرے لوگوں سے ملاقاتیں، بزم آرائیاں اور دنیاداری [illegible] سے وہ بیزار ہوتے ہیں۔ یہ علم و عامل جناب علم کو مردم بیزار بلکہ خود اپنی ذات سے آزار کر [illegible] یہ بلکہ وہ اخباروں میں اپنے علم و کسب کی بھاری رقوم کے عوض تشہیر کرواتے پھریں۔ یہ لوگ [illegible] علم کو لے کر اپنے سینوں کی قبروں میں اتر جاتے ہیں لیکن کسی کا ہاتھ نہیں پڑنے دیتے۔ ہاں [illegible] کی صورت بھی بھلا ہوتا دکھائی دے اور اس میں اپنا کوئی مفاد نہ ہو اور نہ ہی اپنے اصولوں [illegible] پہ زد پڑتی ہو تو اس علم و حکمت سے مستفید کرنا نہ صرف ثواب ہے بلکہ اس کا صدقہ ہے۔

UrduPhoto.com

● نا آسودہ روحیں.....!

پچھلے دنوں میرے ہاں میرا ایک ملنے والا آیا۔ آدھی رات کا وقت ..... میں نے پوچھا "کیا بات ہے؟ اس سے ملا کچھ پتا خیریت؟" ..... اس نے بتایا کہ میری جوان کنواری بہن پہ اچانک جنون طاری ہو گیا ہے۔ ایک دم ہی اس نے عجیب و غریب قسم کی باتیں کرنی شروع کر دی ہیں۔ تو زچھوڑ چیخ و چلا آنکھوں میں شعلے جسم و جان میں بے پناہ طاقت سی آ گئی ہے اور کسی کے قابو میں نہیں آ رہی۔ اس وقت میرے چار بھائیوں نے اسے قابو میں کیا ہوا ہے "میں بھاگا بھاگا آیا ہوں ..... خدارا! میری دستگیری فرمائیں ساتھ چلیں یا پھر کچھ ایسا کریں کہ یہ اچانک سر پر آئی مصیبت کسی طرح سے ٹل جائے" میں نے اسے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"مثلاً بتاؤ کہ میں کیا کر سکتا ہوں ..... حکیم ڈاکٹر تو میں ہوں نہیں"

وہ مجھ سے نظریں چراتا ہوا کہنے لگا۔ "بابا جی! امی بڑی پریشان ہیں انہوں نے کہا ہے بابا جی سے کوئی تعویذ یا پانی دم کرا کر لے آؤ ..... ان کا خیال ہے کہ یہ کسی جن بھوت کی کارستانی ہے"

"تمہارا کیا خیال ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ بولا۔ "جی میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ اتوان چیزوں پہ یقین نہیں ہے لیکن"

میں نے فوراً اسے ٹوک دیا اور قدرے تلخی سے کہا۔

"میاں! یہ "لیکن" ہی جن اور بھوت ہے اور میرے پاس اس "لیکن" والے جن بھوت کا تعویذ نہیں ..... تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ان تعویذوں گنڈوں دم دروودوں اور جھاڑ پھونک کی طرح کی دعاؤں کو برحق مانتے ہوئے بھی نہیں مانتا پھر بھی اس طرح کی بے سروپا افواہیں تو تم کہ مجھے بتاؤ تو آئے گا.....!"

میں نے اسے ٹھنڈا پانی پلایا اور کہا کہ اب تم جلدی سے پوری کیفیت تفصیل سے بتاؤ جانتا تھا اس نے مجھے بتا دیا۔ میں نے بڑی رجحان سے کہا۔

"دیکھو یہ تمہاری بہن ہے۔ ظاہر ہے کہ تمہیں اس سے بڑی محبت ہوگی تم چاہو گے کہ یہ مصیبت سے جلد سے جلد چھٹکارا پا جائے۔ وہ جوان بھی ہے کنواری اور خوبصورت بھی ..... میری رائے ہے تو ایک دو روز میں ہی وہ بھلی چنگی ہو جائے گی اور اگر تم نے یا تمہارے گھر والوں نے میرے کہے کو عمل کی بیڑی چڑھا دیا تو میری یہ بات کسی اخبار پہ لکھ لو کہ تم لوگ اس معصوم کی زندگی برباد کرنے

ہے اور اگر تم نے میری سنی اور اس پہ سختی سے عمل کیا تو وہی کہ دو تین دن میں وہ ٹھیک ہو جائے
گی۔ امر سے گارنٹی ہے۔ فوراً گھر جاؤ' چینی کی ایک پیالی میں تھوڑی سی چینی یا مصری گھول کر
قل دم کر کے اسے پلا دو پھر فوراً اسے اپنے فیملی ڈاکٹر کو دکھا دو یا اس کے مشورے سے ہسپتال لے
جاؤ۔ مجھے کل صبح صبح رپورٹ دو....."

اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا' میں نے اسے روک دیا۔

"جو کہا ہے' وہی کرو اور کوئی بھی بات نہ کرو....."

میں نے اسے بھگا دیا۔ واپسی سفر پہ چلتے ہی میں نے جلی سی توجہ دی۔ اے کریم و حکیم!
اتنا چاہے۔ جوان بچی ہے' ابھی اس کی شادی بھی نہیں ہوئی۔ نام بھی حلیمہ ہے۔ بس ذرا اپنے کرم
کا کیجیو..... بس پھر میں بھولے بیٹھے کر سو گیا۔ جوان بچیاں جو شادی کی عمر کو پہنچ جائیں' اکثر و بیشتر
جسمانی نفسیاتی عوارض کا شکار ہو جاتی ہیں۔ گھر والے سمجھتے ہیں کہ جن بھوت یا کوئی سایہ وغیرہ
ہے۔ یہ روحانیت نام نہاد عامل خوب جانتے ہیں کہ یہ معمولی بیماری ہے جو جوان لڑکیوں کو مخصوص جسمانی
[illegible] کا مکمل دورہ پڑ جاتا ہے [illegible] کی صبح جاتے ہوئے مجھے بتایا کہ حلیمہ گھر میں آرام
سے ہے۔ فیملی ڈاکٹر کو بلایا تھا' اس نے ایک انجکشن اور کچھ گولیاں کھلا کر سلا دیا تھا۔ صبح نو بجے کے قریب
اس نے کچھ کھانا کھا کر حلیمہ کا معائنہ کرنے کے بعد دوا کھا کر پھر لیٹ گئی ہے۔ رات کو وہ آرام سے سوئی رہی
[illegible] تھی۔ یہ سب بتانے کا مقصد یہ تھا کہ آج کل یہ عامل و کامل حضرات کیا کیا گل کھلاتے
ہیں اور کتنا گیا ہے۔ بے علم' بے عمل اور باعلم اور باعمل میں کیا فرق ہے' علم کا صحیح اور بروقت
[illegible] ہے۔ جن بھوتوں' سایوں اور تعویذ گنڈوں پہ یقین اور یقین کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ یہ
[illegible] جہالت اور بے علمی کا شاخسانہ ہے۔

میں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس فلپائن میڈم زیڈ بائی ہل زیڈ المشہور "زیڈ پ" کا مجھ تک پہنچنا اور
[illegible] کا کا والے فریم کا فراہم کرنا بھی خدا کی از حد تھا۔ وہ امریکہ کے فلمستان ہالی وڈ کے ایک
[illegible] ادارے "ہالو ایم مسٹری" میں بطور فرسٹ میڈیم اسائیٹ ہوئی تھی۔ اس سے پیشتر وہ لندن
[illegible] میں ایک ہیوش ادارے "ٹیپ ایم مرسیکل ڈیوائیز" میں سیکنڈ میڈیم تھی۔ یہاں یہ بتا دینا
[illegible] ہے کہ پروفیشنل میڈیم کی عموماً زندگی بڑی کم ہوتی ہے۔ روحوں سے رابطے کا کام بڑا جان جوکھم
[illegible] والا اور انتہائی درجے کا روح فرسا ہوتا ہے۔ ایک بار روح سے رابطے کی مجھے خاص طور پہ

UrduPhoto.com

میڈیم یعنی معمول کی زندگی کا کم از کم ایک ماہ کم کر دیتی ہے۔ اس حقیقت کو یہ میڈیم لوگ بھی جانتے ہیں اس لئے یہ مجلس کے بعد دو چار دن مکمل تنہائی میں آرام کرتے ہیں۔ اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ خیراتی اداروں کو دیتے رہتے ہیں ۔۔۔ روحوں سے ملاقات اور رابطہ کروانے والے بابی وڈ کے اس ادارے سے زیادہ تر فلموں سے تعلق رکھنے والے ایکٹر، ڈائریکٹر اور پروڈیوسر وغیرہ ہی آتے ہیں۔ فی کس وہ پہلے یہ بکنگ کروا لیتے ہیں۔ پھر ہماری ایڈوانس رقم کے ساتھ یہ اپنی درخواستیں بھی روح کا نام، تعلق، نسل، جنس، تاریخ کا محل وقوع اور دیگر معلومات مثلاً تعداد افراد، متوقع شرکت جلسہ وغیرہ درج کر کے جمع کرا دیتے ہیں۔ ہر پندرہ روز میں صرف ایک جلسہ آدھی رات کو منعقد ہوتا ہے۔ شریک اراکین کی تعداد ہوتی ہے جو ایک زیتون کی لکڑی سے بنے ہوئے بڑی سی گول میز پر بچھے سرخ بانات کے میز پوش پر رکھے ہوئے ایک تیرہ گوشہ ستارے کے گرد بیٹھے ہوتے ہیں ان میں عامل اور معمول بھی شامل ہوتے ہیں۔ تاریخ مقررہ سے دو ہفتے قبل ہی عامل، معمول اور دیگر عملہ جملہ انتظامات اور متعلقہ فروخ سے متعلق جملہ کی ریہرسل شروع کر دیتے ہیں۔ روح کون سے عالم برزخ میں ہے کس درجے اور کس قسم کی روحوں کی [illegible] ہے۔ روح کی کوئی شرط قربانی بکرے وغیرہ وغیرہ ۔۔۔ یہ چودہ پندرہ روز ان ہی انتظامات اور [illegible] کے لئے ہوتے ہیں۔ کوئی ازلی قسم کی روح معاملے کو الجھا کر رکھ بھی دیتی ہے تنگ کرتی ہے یا کوئی شرط درمیان میں رکھ دیتی ہے کہ اس کا پورا کرنا ادارے، عامل یا معمول کے بس میں نہیں ہوتا۔ پھر یہ ہے کہ مجلس ملتوی کر دی جاتی ہے اور روح کی اس شرط یا ضد کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ ایسے ایک جیسے اخراجات بالشب لاکھوں میں اٹھتے ہیں ۔۔۔ یہ میڈیم بھی کسی ایسے ہی تجربے میں پھنسی ہوئی تھی جس کا اشارہ وہ مجھے شروع ملاقات میں "مجھے نصیحت سے آگاہ کریں" کہہ کر دے چکی تھی۔ مصری فلم ساز مصطفیٰ عکاد نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات اور ابتدائے اسلام پر "دی میسج" (پہلا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نامی فلم بنائی تھی۔ یہی مصطفیٰ عکاد اس فلم سے پہلے بھی بطل حریت عمر مختار پر "دی لائن آف ڈیزرٹ" کے نام سے ایک معرکہ آرا بہت فلم بنا چکا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب یہ فلم ڈبوں اور کاغذوں سے نکل کر کیمروں اور ریشمہ کی زد میں آ چکی تھی۔ [illegible] اجرا ازمراکش اور پتہ نہیں کہاں کہاں اس کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔ شہرہ آفاق اداکار انتھونی کوئین حریت عمر مختار کا کردار ادا کر رہا تھا جسے فلم کے آخری سین میں پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ واقعہ اپ کا یہی سین پوری فلم کا کلائمکس تھا جس کے لئے انتھونی جان توڑ محنت کر رہا تھا۔ تکرار بار بار کی ایک وقت [illegible]

لے کے باوجود بھی وہ بات، تاثرات اور کیفیات پیدا نہیں ہو رہی تھیں جو ہر ایک کار اور انقوشی کو
ہونے تھیں۔ اچھی خاصی سرگرمیاں کے بعد کام روک دیا گیا۔ انقوشی نے مصنفی کو مشورہ دیا کہ یوں بات
نہیں بنے گی۔ کسی ماہر روحیات سے رابطہ کرو شاید اسی طرح سے کچھ مسئلہ حل ہو سکے۔ فلم کے پروڈکشن
کے ساتھ ہی بھاگ دوڑ کے بعد ہوا ایک مصری سے رابطہ پیدا کیا۔ روحانی جلسہ ہوا یا جو کوشش بیسود
ہو گئی۔ روح نے پکڑ لیا۔ اس کی ایک ٹیکنیکل وجہ بھی تھی۔ آخر جلد ایک غیر معینہ وقت تک کے
لئے ملتوی کر دیا لیکن آخر اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو تلاش کرنا ہی تھا۔ ادارے کا یہودی سربراہ جو
ماہر اور علوم روحیات اور ماورائے حیات و تخیل نفسی کا ایک بڑا عالم بھی تھا اس نے اپنے
ماتحت سے یہ معلوم کرایا کہ اسے جب تک کسی مسلمان معمولی کی جو عربی مستعمل اور غیر مستعمل زبانوں کو
جانتا ہو اجازت نہ ملے گی اس کا یہ مختصر دار مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ پھر اسے میڈیم کی تلاش میں
کوئی مشکل پیش آئی۔ چاہتے تھے۔ جو جدت سمع، قوت جاذبہ اور کمال نقاہت بھی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت
رکھتا ہو۔ یہ ہوا کہ کسی نہ کسی صورت اسی فلپائنی میڈیم زیدہ بانی ذاکر زیدہ کے وسیلے سے یہ مسئلہ حل ہو گیا اور
یہ عربی مظہر کے مطلب سے متعلق حل کے لئے کھلی اور پوری طرح سے ایسا ہی جب سی از جن
ہوئی کہ اس روح نے کسی مقام وجدی بنا پر اپنے میڈیم سے رابطہ قطع کر لیا اور اک عذاب مسلسل بن
کر مسلط ہو گئی۔ اب یہ بے چاری اک لمبے عرصے کام دامن سے فارغ تھی۔ ایسی صورت میں وہ
کسی جلسے میں شریک نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سلسلے کے کسی عامل نے مشورہ دیا کہ کسی ایسے مسلمان عامل کی
تلاش کی جو اپنے روحانی طریقے سے اس روح سے اس اذیت سے نجات دلا سکے۔ ایسے عامل کی پہچان بھی
بڑی مشکل تھی۔ اس کی مشکل حل ہوئی تھی۔ میری صورت میں اسے ایک وسیلہ مل گیا۔

قصہ مختصر، میڈیم کو میری وساطت سے احسن خان مل گیا تھا جو اسی شام نیویارک پہنچ چکا تھا۔
کہنے کے لئے یہ کافی ہے کہ ان پراسرار علموں کے ماہرین عاملین معمولین ایک دوسرے کی اضافی اور
خاص روحانی اجتماعی اور صلاحیتوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے باطنی تصرف
قوت اور موکلین کی استعانت سے ایسے لوگوں کی جستجو میں رہتے ہیں۔ ان کی کئی شکلیں ہوتی ہیں
یہ کبھی اجسام و وجود میں اپنے آپ کو تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ کوئی بھی چیز یا چکا ڈرا سب گھوڑا کتا
کوئی بھی اور کچھ بھی۔ یہ اپنا بڑھاپا جوانی عمر، ماہ و سال اور جوان تک بدل لیتے ہیں۔ آگ پانی
ان کے زیر و بم عاجز ہوتے ہیں۔ ان کے پاس طاقت پرواز ہوتی ہے پلک جھپکتے یہ فاصلے
طے کر لیتے ہیں۔ یہ سارے تماشے شعبدہ بازیاں بھی ظہور میں ہیں۔ یہ سارے علوم ارضی اور فلکی ہیں۔ ان

کا تعلق افلاک و آفاق سے ہے۔ عرش اور عرش بریں سے نہیں۔ یہ استعانت بالنفس ہیں۔ بلکہ نورانی ناری اتھائی اور افلاکی استعانتیں ہیں۔ یہ قوتیں علوم غیر مسلموں کے علاوہ مسلمانوں کے پاس بھی ہوتے ہیں۔ مسلمان بھی عامل کامل ہوتے ہیں مگر ایک فرق نمایاں اور ایک اصول واضح ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ اہل ایمان ہوگا اگر وہ یہ سفلی علوی علوم جانتا بھی ہوگا تب بھی وہ انہیں استعمال میں نہیں لاتا۔ وہ خلاف فطرت خلاف شریعت اور ماورائی اصول و قاعدہ کو بھی کرنے سے حتی الوسع اجتناب کرتا ہے۔ صرف حسب ضرورت شدیدہ وہ علوم الٰہی یعنی استعانت باللہ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مخلوق کی آسانی اور ان کی بہبودی کے لئے بامر الٰہی استعمال کرتا ہے اور اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جیسے ایک بیوقوف یہ بخوبی جانتا ہے کہ خطرناک بم کیسے تیار کیا جا سکتا ہے یا کسی شہری آبادی کو تباہ کن اثرات سے کس طرح نیست و نابود کیا جا سکتا ہے خود اس اور پوری کے ذخیروں کو کس طرح سے مفید صحت بنایا جا سکتا ہے۔ اگر وہ منفی طرز فکر کا ارادہ کرے تو وہ اپنے علم و عمل سے ایسے ہی کرے گا اور اگر وہ مثبت سوچ رجحانات اور رویوں کو اہمیت دیتا ہے تو وہ کوئی ایسی انسانیت سوز حرکت نہیں کرے گا جس سے مخلوق خدا انسانیت معاشرے کی کسی بھی کوئی نقصان پہنچے۔ دوسرے لفظوں میں یہی ایسے نمایاں فرق ہوتے ہیں جو ہمیں ان اعمال کرنے والوں کے رویوں اور طور اطوار و عادات محیر العقول واقعات کا پرچار اور اظہار نہیں کرتا۔ وہ تو بے جا اور بے سوچے سمجھے کی ذہنی تسلیوں سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ درویش کے پاس صرف اور صرف عاجزی اور تسلیم و رضا کی طاقت و دولت ہوتی ہے۔ میرے بابا جی نے مجھے بتایا تھا کہ درویش وہ ہے جو ہر قسم کی صورت حال کے درپیش ہونے پر بے ساختہ اللہ کے اور راضی برضا ہو کر اسے تسلیم کرے۔ جو بھی سر پہ پڑ جائے اس کو مشیت ایزدی جانے۔ رب العزت خود فرماتے ہیں تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ اس بات پہ ایمان لانے کے بعد پھر کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ ایک بات تو یہ ہوئی کہ کسی علم کا جاننا کوئی برائی نہیں اصل بات تو استعمال ہے۔ دوسری بات کہ اصل چیز تو تسلیم و رضا ہے۔ میرے مہربان جناب قتیل شفائی کا ایک خوبصورت شعر ہے۔

چلئے تو اپنے دل کی رضا جان جائیے
پھر جو نگاہ یار کہے مان جائیے

انہوں نے کتنی سادگی اور کیسی آسانی سے ایک دقیق مسئلے کو سمجھا دیا ہے۔ کہنے کو یہ محض شعر ہے مگر یہ خوبصورت شعر اپنے اندر فلسفۂ تسلیم و رضا کا ایک جہان سموئے ہوئے ہے۔ تسلیم و رضا پہ بڑی بڑی

تھیں شرحیں اور تاویلیں پڑھیں مگر اس شعر نے بڑے سیدھے سادے اور موثر انداز میں مجھے تسلیم و رضا
کی حقیقت سے روشناس کرا دیا۔ میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ اپنے کسی عمل و فعل' سوچ' فیصلے' ارادے
کے بارے میں پہلے اپنے دل و دماغ' حالات' معاملات' نفع و نقصان' ہر بات پہ غور کرو' مشورہ اور
تبادلہ خیال کرو تب کوئی فیصلہ کرو اور پھر وہ "قول فیصل" ہی ہونا چاہئے۔ درویشوں کی یہی روش ہوتی ہے اور
یہی ہونی ہے کہ وہ جب کسی کے قدموں میں بیٹھ جاتے ہیں' تو پکڑ لیتے ہیں' اپنے گلے میں غلامی کا پٹکا
ڈال لیتے ہیں۔ جب کسی کے نام پہ بک جاتے ہیں تو پھر یار سوہنا جس حال میں رکھے' مست رہتے ہیں کہ
"میرے یار میرے' دکھ وچ راضی' سکھ وچ راضی' چلے پاواں" والی بات ہونی چاہئے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے
کہ اپنے حواس خمسہ سے جو کچھ دکھائی یا سنائی دیتا ہے' جو محسوس ہوتا ہے اس سے ہم متفق یا شعوری
طور پر مطمئن و متفق نہیں ہوتے۔ اپنے باطن سے کام لیتے ہوئے اس سے راہنمائی کرنے کی کوشش کرتے
ہیں۔ پسند ناپسند' طبیعت' مزاج اور حالات' مجبوریاں' معذوریاں درمیان میں آ جاتی ہیں۔ طالب یہ سوچتا
ہے کہ وہ اس نکتہ پہ غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا کہ جو حکم دیتا ہے' جو کسی پیچیدگی میں ڈالتا
ہے' کون ہے؟ اگر اس سے مرشد' رہبر' محبوب' استاد' یار یا جو بھی رشتہ تعلق استوار کیا ہے' مطلب یہ
ہے کہ اس کی ہدایت یا [illegible] اس کے نتائج و
عواقب پہ بھی اس کی نظر ہوتی ہوگی۔ اس میں اندیشہ ہائے دور و دراز بھی ہوں گے اور اگر یہ سب کچھ ہے تو پھر
ہونے اور اس کا کام طالب کا کام صرف سر جھکانا اور ماننا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے چاچی نے مجھے کہا تھا کہ کاکا! تم جاننے والے ہو اور ہم صرف ماننے والے
ہیں۔ یہ بات بہت بعد میں سمجھ میں آئی تھی کہ جاننے سے ماننا کتنے لاکھ درجے آگے ہوتا ہے۔ جاننے اور
ماننے والے دونوں ہی طالب ہیں مگر ایک نمایاں فرق و حیثیت کے ساتھ..... ہوتا یوں ہے کہ طالب علم کو
سبق یاد اور اسباق کے لئے مختلف استادوں' بزرگوں کے ہاں بھیجا جاتا ہے' یعنی اس کے حالات اور
عمر کے ماہ و سال' شب و روز کی تقسیم کچھ اس انداز اور طور سے کر دی جاتی ہے کہ طالب خود بخود ہی
اس رنگ میں ڈھلتا چلا جاتا ہے' اس کے سمجھنے میں یہی کچھ آتا ہے کہ اس کے ساتھ جو کچھ بیت رہا
ہے' محض اتفاقات ہیں جبکہ یہ سب کچھ ایک سسٹم اور شیڈول میں طے شدہ ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی
یہی ہوا تھا اور جو ہستیاں مجھ پہ مامور و فائز تھیں' باطن مجھے سب کا ادراک تھا مگر ہونٹوں پہ چپ کی مہر
تھی۔ جیسے سالک صوفی درویش اپنے "زمانہ شوق و اشغال" میں مختلف ادوار سے گزرتے ہیں۔ کبھی
[illegible] ہوتا ہے' کبھی مشاہدۂ کائنات اور کبھی مشاہدۂ حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کئی ایک

جس میں جذب و انفاس' مشاہدۂ ہست و نبود' وجدان و وجود' حیات و ممات' ایقان و احسان' ایمان و عرفان' فقر و استغنا' حب و توال' یکتائی و ذوبی' حاضر و موجود وغیرہ اپنی اپنی بساط' توفیق اور درجات کے مطابق ... جب ان مشاہدات کی وارداتوں سے طالب گزر رہا ہوتا ہے تو ساتھ ساتھ اس کے میسٹ بھی ہوتے جاتے ہیں۔ کہیں وہ بالکل زیر بلا زیر ہوتا ہے اور کہیں قدرے مناسب اور ایک آدھ مضمون میں اچھا یا بہت اچھا' کہیں تو طالب کو احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کسی میسٹ سے گزر رہا ہے۔ میرے ساتھ ہمیشہ سے ہی ہوتا آیا ہے۔ ادھر میں نے مضمون دیکھا یا قدرے چکھا' ادھر میرے پر بچے ہو گئے ... اس قسم کی میری کلاسیں کبھی مرحوم و مغفور رئیس امروہوی کی رئیس اکیڈمی میں لگا کرتی تھیں ...

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے [illegible]

- بن مُرشد راہبر کیہڑا اے.....!

میری زندگی کا ایک باب [illegible] جو واقعتاً میرے روحانی سفر کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوا۔ اپنی اس روحانی ترتیب و تربیت کے سلسلہ میں میں اپنے ایک روحانی کے ڈیرے پہ پڑا ہوا تھا جو سربفلک برفانی پہاڑوں کے دامن میں ایک تنگ سے درے میں واقع تھا۔ ایک ٹھہرے ہوئے دن ظہر کے وقت بابا جی کے قدموں میں بیٹھے تھے۔ ایک لڑکا بھاگا آیا اور عرض کی کہ سرکار! مہمان خانے میں ایک سانپ دیکھا گیا ہے' سب ہی مہمان سرک کر باہر برآمدے میں جمع ہوئے ہیں۔ بابا جی نے سنی' ان سنی کرتے ہوئے بڑی لاپروائی سے فرمایا۔

"بیٹے! کوئی سانپ وانپ نہیں' اگر کوئی ہو بھی تو اسے مارنا نہیں ... جاؤ سب مہمانوں کو کہو کہ جہاں دل چاہے بیٹھیں' لیٹیں۔ یہاں کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ..."

وہ لڑکا مطمئن ہو کر چلا گیا۔ بابا جی نے اس کے جانے کے بعد مجھے مہمان خانے میں بھیجا کہ جا کر مہمانوں کو سمجھاؤں کہ یہاں کسی کو کوئی خطرہ نہیں۔ پہاڑی برفانی علاقہ تھا۔ سب نے موٹے موٹے اونی کپڑے اور چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ مہمان خانہ پتھروں سے بنا ہوا تھا' فرش پہ دبیز سی کھردری بچھی ہوئی تھی جو نرم گدوں کا کام دیتی تھی' چھت سرکنڈوں اور جھاڑ پھونس کی تھی۔ بڑے سے کمرے کا صرف ایک داخلی راستہ تھا اور کوئی کھڑکی نہ در ... پتھروں کی دیواروں میں دو چار طاقچے بنے ہوئے تھے جن پہ

[illegible] مجید اور بڑے بڑے مشعل نما دیئے دھرے رہتے تھے۔ مشعلوں کے دھویں نے کمرے کی ہر واضح [illegible] کالک کی تہہ چڑھائی ہوئی تھی۔ کالک کا احساس اس لئے نہیں ہوتا تھا کہ ہر کوئی سیاہ پوش تھا۔ [illegible] پہنچا تو دولڑکا وہاں برآمدے میں کھڑا اور دراز سے آئے ہوئے مہمانوں کو شاید بابا جی کا حکم [illegible] تھا۔ میں مہمان خانے کے بڑے سے دروازے کی دہلیز پہ کھڑا اس انتظار میں تھا کہ وہ خاموش ہو تو [illegible] کچھ کہوں' معاً اندر سے ایک افغانی ''سانپ' سانپ'' پکارتا ہوا باہر کی طرف لپکا۔ وہ چار بیمار سے [illegible] جو ہمہ وقت لیٹے رہتے تھے' وہ اندر چیخ و پکار کر رہے تھے۔ میں عجلت میں اندر کی جانب بڑھ گیا۔ [illegible] کے اندھیرے کے اندر سے ایک کالا سا سانپ بڑی تیزی تندی سے میری جانب لپکا۔ سانپ کیا [illegible] ایک بجلی کا لپکا تھا' شور غوغا سن کر باہر والے بھی اندر آ گئے۔ کسی کے ہاتھ میں چھڑی اور کوئی جوتے [illegible] پکڑے ہوئے۔ ایسے میں وہ سانپ میرے پاؤں سے لپٹ چکا تھا۔ یہاں بھی چھڑیاں تھیں' میں [illegible] جھکائی لے کر اپنے پاؤں پر چھلانگ لگا دی' اپنے طور میں سانپ کی زد سے بچ نکلا تھا۔ ہر کوئی [illegible] چھڑیوں سے چھڑیوں کو کوٹ رہا تھا۔ بے طرح سے دھنائی کرنے کے بعد جب لوگوں کو یقین ہو [illegible] کہ سانپ کا کچومر نکل گیا ہوگا تو انہوں نے چھڑیوں کو ٹٹولنا شروع کیا مگر سانپ کہیں نظر نہ آیا۔ میں [illegible] چھڑیاں پکڑے ہوئے [illegible]

''اٹھا مت' یہیں بیٹھے رہو۔''

دھنائی' بے دھنائی کرتے ہوئے میں اٹھ کھڑا ہوا' دیکھا تو سانپ میرے پاؤں سے لپٹا ہوا [illegible] تھا۔ پڑتے ہی میں نے دوسرے پاؤں کی مدد سے اسے علیحدہ کر دیا۔ وہ پھر میرے پاؤں کی جانب لپکا [illegible] اب شاید دیر ہو چکی تھی۔ ایک لچکتی ہوئی چھڑی زن سے پڑی پھر ایک تھماش سی سرسراہٹ گونجی جیسے [illegible] کے چابک لہرانے سے سرسراہٹ سی گونجتی ہے۔ سانپ کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی' وہ سر [illegible] میرے قدموں میں پڑا تھا۔ اس کا خوبصورت جسم اینٹھ اینٹھ کر بل کھاتے ہوئے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ [illegible] سارے کے سارے میرے گرد جمع ہو چکے تھے۔ کوئی فارسی' کوئی پشتو' ترکی اور ازبکستانی' پنجابی [illegible] سب اپنی اپنی دفلی بجا رہے تھے مگر میرے اندر جیسے مردنی سی چھا گئی۔ سانپ کا کیا ڈر خوف تھا' [illegible] جیسے مجھ سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہو۔ کانوں میں وہ اچانک بھری سرگوشی گونجنے لگی ''اٹھا مت' یہیں بیٹھے رہو'' مگر جس کے نصیب میں ہی ایک جگہ کا ٹھکانہ نہ ہو وہ کیا کہیں جم یا ٹک کر بیٹھے گا؟ [illegible] نماز سے فارغ ہوتے ہی مجھے بابا جی سرکار نے علاقہ بدر فلہ صوبہ بدر کرتے ہوئے فرمایا۔

''گو تم نے قصداً ایسا نہیں کیا' بس یہی مقدر تھا۔ باقی ''تسلیم و رضا'' اور ''من مارنا' مانا' تمہیں کوئی

UrduPhoto.com

اور ہی پڑھائیں سکھائیں گے۔۔۔ آہ! ہاشم بابا جوف! اللہ تمہیں سرخرو اور اقبال مند کرے۔۔۔ "دوبارہ وہ مجھ سے پوچھنے لگے۔" تم نے ان کی سرگوشی پہ بھی توجہ نہیں دی تھی؟"

میں ہاتھ جوڑتے ہوئے صفائی پیش کرنے لگا۔" بابا جی! غلطی ہو گئی۔ سرگوشی سنی تھی، بس ہوئی دغا دے گئی۔ جب تک اصل بات سمجھ میں آئی، ایک مہمان اپنا وار کر چکا تھا۔۔۔" میں پاؤں میں بیٹھ گیا۔" بابا جی! نماز جنازہ میں شرکت کی اجازت مراحمت فرما دیں، اس کے فوراً بعد رخصت ہو لوں گا۔"

بابا جی تاسف بھرے لہجے میں فرمانے لگے۔" پچیس برس سے ہاشم بابا جوف یہاں مہمان خانے میں پڑا ہوا تھا، اسے وہاں سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی ماہ صیام میں وہ یہاں سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا۔۔۔ آہ! ہاشم بابا جوف! اللہ سوہنا تمہارے درجات بلند فرمائے، آمین!" پھر مجھے غور سے دیکھتے ہوئے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا، ارشاد فرمایا۔" بھئی میلا مت کرو، تمہارا کوئی دوش نہیں لیکن تمہارا اور اس مہمان کا اب یہاں رہنا مناسب نہیں۔۔۔ ہاشم بابا جوف کی نماز جنازہ یہاں ہو گئی لیکن میرے علاوہ اور کوئی ادھر سے شرکت نہیں کر سکے گا۔ ہاشم بابا جوف کے لواحقین پہنچ گئے ہوئے ہیں۔ اللہ حافظ و ناصر۔ اب تم فوراً رخصت ہو لو۔"

مرشد [illegible] اب میری جان [illegible] نے بھرپور انگڑائی لے لی تھی، زمانہ ایک آدھ زقند لے کر آگے نکل گیا تھا۔ جسم پتر پہ نصیبوں کا لکھا ہوا چلے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔۔۔ جدھر جدھر جہاں جہاں قدم دھرا اور جتنا جتنا جیسا جیسا رزق پانی مقسوموں میں مرقوم تھا چگتا پھوستا رہا مگر جیسے من کی دنیا ماری گئی تھی۔ ہر لمحہ بے کلی اور بے قراری میں بسر ہوتا۔ نہ دن کو چین نہ رات کو قرار۔ سوچوں کے بھالے خیالوں کے نشتر اور احساس کے تیر ہر ساعت کلیجہ چیرتے رہتے۔ سجود میں حضوری نہ قیام میں شرمساری، تسبیح میں تسلی نہ تہلیل میں تشفی، ذکر میں ذائقہ نہ فکر میں فائدہ دکھائی دیتا تھا۔ راضی برضا تھا، دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ لمحہ لمحہ سانس کا خنجر کاٹ رہا تھا۔ ایک زمانہ یہی سوچتا رہا کہ آخر میری غلطی کیا تھی؟ یہ تو بہت بعد سمجھ میں آئی کہ جس طرح کچھ دینے اور بخشنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ بہم ہو جاتا ہے اسی طرح کچھ چھیننے اور چھپانے چھیدنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی پھندا ڈال دیا جاتا ہے۔ بھیتر کچھ اور ہوتا ہے اور باہر کچھ اور۔ پتا ڈال دی جاتی ہے۔ ناز و ادا، وفا و حیا، حسن و جمال، کرامت و کمال والوں کے ہاں ایسے کارنامے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔۔۔ آخر گھبرا اور تنگ آ کر گودڑی اور بجھتے چٹے تھیلے میں ٹھونس کر باہر پیالی کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ گرمی، سردی، سامان بھوک، بیماری، صحت۔ در در کی ٹھوکریں، فاقے، فقیر، مسجدیں، تکیے، مزار، قبرستان۔

UrduPhoto.com

... بانکے دیہاڑے۔ ایک سو اکیس تک گنتی اور ازمائی کا پہاڑا..... چلستان' تھر پارکر' بیکانیر' ... اجمیر شریف ریگ چاٹتا' خاک چھانتا ہوا خواجہ مسعود گنج شکر کے خلیفہ سرکار منکھوچ کے ... میں ٹھیکی لی۔ شانوں سے نیچے لٹکے ہوئے تراشیدہ اور چیکٹ بالوں میں سرکاری جوؤں سے کچھ ... ہی جوئیں تھیں۔ جمعرات کی ایک دوپہر سرکار بابا ذہین شاہ تاجی معہ چند مریدوں کے دربار پہ آئے ... تھے' ایک مخصوص سی محفل سماع بھی آراستہ تھی۔

سرکار منکھوچ کے دادا پیر حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جس شعر کی تکرار ... حق الی اللہ ہوئے تھے..... ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

یہاں بھی اسی شعر پہ آمد کا ایک بوڑھا سا قوال تکرار کر رہا تھا جس طرح ہر کسے سلیمانی و مسیحائی ... نہیں ہوتی' ایسے ہی اس ہر یک قسم قوال کے ہاں بھی دستگاہ بلند کمال فن اور ہاکا آفریقی کا فقدان تھا۔ ... کر قربان ہونے کو نہیں بلکہ اس قوال کا بلیدان کرنے کو جی چاہتا تھا۔ میں بھی طبلہ کھڑکانے والے ... کے قریب بیٹھا کلام کی بجائے اس کے طبلے ... اس کی گتیں نوٹ کر رہا تھا۔ ... ناقص خیال میں ... ہوا تھا۔ اچانک سامنے نظر پڑی تو بابا تاجی شاہ سرکار وہاں سے ... روضے مبارک کی جانب جا رہے تھے۔ بنا سوچے سمجھے میں بھی کانے کے پاس سے اٹھ کر دونوں ... کو دیکھنے والی آنکھوں والے کے پیچھے ہو لیا۔ بابا جی اندر سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو میں نے لپک ... پاؤں چھو لئے' وہیں بیٹھے بیٹھے عرض کی۔

''السلام علیکم بابا جی! ... اس بچے کو اجازت ہو تو یہ کلام خصوصاً یہ شعر آپ کو پڑھ کر سنائے؟''

بابا جی نے مجھے اور میری خواہش دونوں کو دیکھ سن کر تبسم فرمایا' مجھے شانوں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا ... چند ثانیے میرے چہرے پہ توجہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''وعلیکم السلام ... شعر ضرور سنیں گے' پہلے اس پہاڑی شیر کا تو سناؤ؟ ... ہاتھ نے کاگ کو اڑا ... چلو یہ بھی بہتر ہی ہوا ہوگا.....''

یہ کہتے ہوئے سرکار سیڑھیوں سے نیچے اترنا شروع ہوئے تو میں بھی سر نیہوڑے لرزاں و ... کسی شرچے کی طرح پیچھے پیچھے آستانے تک پہنچ گیا۔ یہاں ذیلی ہوسری تھی' میرے جیسے کئی یہاں ... ہوئے تھے۔ شب و روز گزرنے لگے اور میں کسی بدوارث بچے کھچے کی طرح کتب' مسجد اور مطبخ کے ... ہی کہیں پھنس کر رہ گیا۔ نماز روزہ کر لیا' کچھ لنگر وغیرہ مل گیا تو کھا ٹھونس لیا۔ نیند غالب ہوئی تو کہیں

UrduPhoto.com

بھی پڑ گئے۔ بس یہی کچھ ہو رہا تھا اور میں ٹھہرا ازلی آشفتہ سر پاگل۔ ہر لمحہ کچھ نہ کچھ سوچتے رہنے والا۔ ہنگامہ اٹھانے اور کچھ کر گزرنے والا! ۔۔۔ یہ بیماریوں اور چرسیوں سا بنا بندھا روزمرہ طبیعت اب نہ بھاتی تھی۔ کئی روز پیچھے اوپر گزر گئے پر کیا مجال جو بابا سرکار نے بھولے سے بھی کسی سے پوچھا ہو کہ ایک چھوکرا منگھوپیر دربار سے ہمارے پیچھے پیچھے یہاں تک آیا تھا وہ زندہ ہے یا گزر گیا ہے؟ ۔۔۔

تم کو آشفتہ سروں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

انہیں اپنی مجلس خاص سے ہی فرصت نہ تھی۔ اکثر اوقات بڑی بڑی چمدار گاڑیوں والوں کا تانتا لگا رہتا ہر وقت ہو ہو ہوتی رہتی۔ سوچا یہاں ذمہ داری زیادہ نظر آتی ہے۔ دعوتیں ہیں تو کبھی مشاعرے مزیر آرہے ہیں تو کبھی کبیر۔ "حق ہو" والا کام کم ہے اور "بندہ تو بندہ" والا تماشا زیادہ ہے۔ بڑے بڑے استاد گویے بڑے بڑے فنکار ۔۔۔ ایکٹر اخباروں قلموں تھیٹروں والے تجارتی کاروباری۔ جتنے بھی الٹے میاں نے دو ٹانگیں اور پاؤں دیئے تھے وہ چلا آرہا ہے۔ صرف ایک ہم ہی اکیلے مین ٹاک تک نظر نہیں آرہے تھے۔ بس اڑنے کے لئے پروں میں [illegible] ایک رات ایک بچی سی داڑھی والا [illegible] بولا

"بھیا! اٹھو۔ بابا سرکار یاد فرما رہے ہیں۔"

الٰہی! آدھی رات آئے آدمی پیچھے۔ یہ یاد فرمانے کا کون سا وقت ہے؟ ۔۔۔ منہ بھاڑ کھول ایک لمبی سی جمائی توڑتے ہوئے میں نے [illegible] جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مولانا! تم نے غلط جگہ پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ اس راکھ کے ڈھیر میں شعلہ ہے نہ چنگاری ہے۔" میں نے دوبارہ لیٹتے ہوئے کہا۔ "بابا کو مجھ بیکار کا کام سے کیا سروکار؟ ادھر دائیں بائیں کسی اور کو دیکھ بھالو مجھے کمر سیدھی کرنے دو....."

"کاکا بھیا! بابا تمہی کو بلا رہے ہیں اب اٹھو بھی چلو۔"

اگلے لمحے ہی میں الف سیدھا ششدر سا کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ دیوان خانے میں حاضر ہوا تو وہاں سماں ہی کچھ اور تھا۔ مجلس خاص منعقد تھی۔ سپید براق چاندنیوں پہ مجلہ مخملیں گاؤ تکیئے اگالدان گردانوں میں دہکتے ہوئے بخورات۔ حاضرین جیسے انسان نہ ہوں حاضرات قدسی ہوں۔ اسے قدر مراتب اور مجلس آرائی کا ایسا نفیس اہتمام و انداز شاید ہی کہیں مشاہدے میں آیا ہو۔ جھلملاتے ستاروں کے جھرمٹ میں ماہتاب کی مانند روشن روشن بابا ذہین شاہ تاجی بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی مجلس سعید دیکھ

UrduPhoto.com

[illegible] کھل اٹھا۔ دل و دماغ کا سارا دباؤ شیطانی وساوس کا سارا ذلزلہ طبیعت کا تکدر اور تلملاہٹ [illegible] پہنچتے ہی کہیں اُڑ چھو ہو گئی۔ حضرت مولانا ماہر القادری غزل سرا تھے ؎

ہر ذرہ دل بن جاتا ہے، ہر چیز نظر ہو جاتی ہے
جس سمت وہ نظریں اٹھتی ہیں، کونین اُدھر ہو جاتی ہے

استاد بیخود لکھنوی، ابوالاثر حفیظ جالندھری، جوش ملیح آبادی، سید ذوالفقار علی بخاری، صہبا لکھنوی، [illegible] نظر، مجید لاہوری، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، صابری برادران قوال اور بھی کئی لوگ اپنے اپنے [illegible] پہ تشریف فرما تھے۔ دائیں جانب برآمدے میں مکتب کے اساتذہ کرام اور مقتدر مریدین [illegible] تشریف رکھتے تھے۔ مجھے بھی ادھر برآمدے میں ایک ستون کے پاس بٹھا دیا گیا۔ میری خوش [illegible] اس جگہ سے بابا سرکار بالکل صاف سامنے بیٹھے نظر آتے تھے۔ ظاہر ہے کہ انہیں میں بھی ادھر بیٹھا [illegible] رہا ہوں گا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ عجیب سی محفل تھی۔ واہ واہ، واہ واہ [illegible] صرف سبحان اللہ کی آواز یا شاعر کا کلام اس کے علاوہ ہوا کے سرسرانے تک کی آواز سنائی نہ [illegible] جس پہلو، جس کروٹ جو بیٹھا ہے وہیں پہ وہ پھول کی طرح پڑا ہوا ہے۔ اس محفل کو یوں نہیں بلکہ [illegible] کا [illegible] ایک بھاری [illegible] اور اب شعر کے ہر شعبہ [illegible] فی الحال ان کے مابین استاد بیخود لکھنوی، ماہر القادری، صوفی، صہبا، شبنم اپنے [illegible] کلام و طاؤس بھی تھے۔ دیکھا ہے کہ جہاں جوش ملیح آبادی ہوں وہاں ہوش نہیں ہوتا بلکہ [illegible] نوش ہوتا ہے اور اگر کسی ایسی مجلس میں لفظ بہ لفظ بحث و تمحیص و شام طرازی اور بلغ آرائی [illegible] تو جان لو کہ وہیں یہ رامپوری پٹھان جوش ملیح آبادی موجود ہی نہیں ہے اور جہاں حفیظ اور پھولے [illegible] صاحب ذکر سے ہوں اور ان بھلوں پہ ایک ہی دھلہ یعنی مجید لاہوری بھی پڑے ہوئے ہوں وہاں [illegible] ہی پاپ ہے کہ یہاں امن و امان، انتظام و انصرام، التفات و اکرام کا ماحول قائم رہ سکتا ہے اور [illegible] قیامت سے پہلے قیامت اٹھانے کی سوچتا تو ان شرابوں اور کبابوں میں دو چار عذاب اور بھی [illegible] جاتے۔ ابراہیم جلیس، شاہد احمد دہلوی، مجتبیٰ آغا کا نانا رفیق غزنوی اور ابن انشاء وغیرہ۔ آہ یہ [illegible] ہستیاں! ان میں اب کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ خدا غفور الرحیم ان کے اعمال و افعال پہ [illegible] کرم و فضل والا معاملہ فرماتے ہوئے ان کی قبروں کو عنبریں کرے۔ یہ عظیم اور من کے اجلے لوگ [illegible] مقام پہ ایک نمونۂ تہذیب، ایک درخشاں دور کی نمود و نمو، ایک زمانہ اور ایک زمانہ ساز تھے بلکہ [illegible] اپنی جگہ یک دانہ تھے۔ ہر انسان کی طرح یہ بھی اپنی بشری کمزوریوں خامیوں سے خالی نہ تھے مگر

UrduPhoto.com

وہ علم و ادب کے مہمان اور اپنی جگہ اچھے انسان بھی تھے۔ یہ ہماری تہذیب رفتہ کے امین ہماری ادبی علمی ثقافتی قدروں کے علمبردار تھے۔ وہ اپنی شخصیت کے اچھے پن کی ساری ادائیں اپنی دلداری دلنوازی اور دلگیری و دلسازی کی ساری ادائیں اپنے ساتھ ہی سمیٹ کر لے گئے اور اب جو دیکھنے کو باقی بچا ہے اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ ۔۔۔ ان نمونوں کا یہی سلیقہ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ ۔۔۔!

بات ہو رہی تھی بابا ذہین شاہ تاجی کی جو ماہ درخشاں بنے ہر خاص و عام کو اپنی روحانی ضوفشانی سے منور فرما رہے تھے۔ بابا جی خود بہت بڑے قادر الکلام شاعر تھے ایسی ایسی سنگلاخ زمینوں پہ شعر کہتے اور ایسے ادق تنگ و تند اور چست قافیے ردیف باندھتے تھے کہ بڑے بڑے کہنہ مشق عروضیوں اور استادوں کو دانتوں تلے پسینہ آ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے معاصرین میں پیدہ پیدہ شعراء جیسے جگر، جوش، مجید، سراج، رئیس امروہی، جون ایلیا، حفیظ ہوشیارپوری اور ماہر بابا جی کا بحیثیت ایک شاعر بھی بے پناہ احترام کرتے اور اپنے تمام "اشغال غیر شریفہ" اور "اطوار قبیحہ" سے بابا جی کی محافل میں اجتناب برتتے۔ بابا جی کے ہاں یہ شعر و شاعری، سماع، علمی ادبی مذاکرے قریب قریب روزمرہ کا ہی وطیرہ تھا۔ خوش طبعی، شگفتہ بیانی، لطائف و مزاح، پھبتی، طنز و تکرار، مناظرے، مکالمے، مباحث و مذاکرے خوب چلتے تھے۔ یہ سب کچھ ان کی قریبی دوستوں اور محفلوں میں بھی تھا۔ وہ اول اول اس وقت بھی شعر و شاعری کے بعد اب ساری برادری بیٹھ چکے تھے۔ محفل کا رنگ یکسر تبدیل ہو گیا تھا جیسے تیور چڑھے نہ یکدم کومل سروں کی بیچار میں اتر آتے ہیں یا جیسے سخت تڑتڑاتے میں ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو جاتی ہے یا سا گر کنارے ریت پہ کھڑے اچانک کوئی شوخ چنچل سی لہر پاؤں کو لپکا لیکی میں چھو جاتی کر کے واپس سمندر کی بانہوں میں اتر جاتی ہے۔ لیلائے شب کی مشکبار زلفوں کی بھینی بھینی خوشبو نے ماحول میں جادو سے جگا دیئے تھے۔ ہم طوطی ہند راگ و ذیا کے گورو گو بندہ بندۂ خدا محبوب نظام الدین اولیاء ہم اوصاف یکانۂ شیخ فقر کا پرتو نابغۂ روزگار صاحب طاؤس، مکوار واقف رموز عشق باصفا باوفا باحیا باصدق۔ موزون موسیقی آلات نیز طرز طور راگ داری باندازِ قوالی قلبانہ ترانہ ۔۔۔ کہ اس سے ترانہ الاپا جا رہا تھا۔ ترانہ رنگ باندھتے ہوئے ابتدائیہ ہے قوال حضرات اسے خیر و برکت اور راگ و رنگ کھولنے اور حضرت امیر خسروؒ کے حضور سلام پیش کرنے کی غایت سے بھی پڑھتے ہیں۔ ترانے نے تو صرف رنگ کی پوٹلی کھولی تھی اصلی رنگ اب چڑھنا شروع ہوا جب قوالوں نے "کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است" چھیڑا۔ ہارمونیم پہ سُر چھیڑتے ہی جیسے کسی نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا تھا خاص و عام میں شریک ہر کوئی جیسے بھڑوں کے عتاب میں آ گیا ہو۔

UrduPhoto.com

اچانک جو میری نگاہ اٹھی تو بابا میری جانب توجہ کئے ہوئے تھے نظریں یوں میرے چہرے پہ جمی تھیں جیسے میرے دماغ میں میخیں سی ٹھکی ہوئی ہوں۔ نے دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی اور میں بے ہوتے اندر سے بیٹھ رہا تھا۔ اردگرد دائیں بائیں سامنے جیسے کوک بھرے تھے نقشے کھلونے حرکت کئے ہوں۔ ہر کوئی بقدر ظرف و بساط اپنے آپ کو پھولنے اور ٹٹولنے میں مصروف تھا۔ کوئی جھوم رہا ہے تو کوئی خود کو تھوم رہا ہے کوئی گردن ڈالے اپنے اندر سے کچھ نکال رہا ہے تو کوئی کانوں آنکھوں کے رستے کچھ اندر داخل کر رہا ہے۔ شاید ہر کوئی اسی کیفیت و جذب کو کھوج رہا ہے جو کبھی قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی پہ طاری ہوئی تھی مگر یہ تو وہی بات ہے کہ۔

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اور یہ شعر اور کلام وہی تھا مگر اب کوئی خواجہ بختیار کاکی نہیں تھا وہ وقت کا وفور اور تے کا سیت اس نہیں تھا بول کی کاٹ اور صوت کا پاٹ وہ ورقہ کھسکتی سی نظر بابا کی چھوان میری طرف وہ بھی ہے پہنچتے پہنچتے تھے عجیب تماشا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اس طرح دیدے اٹھائے دیکھنا نہیں چاہئے بابا کو یہ سوچیں گے! ویسے بھی ہلکی سی بھنک سی محسوس ہو رہی تھی تھوڑی سینے پہ اٹھی اور اندر کوئی ہل گیا۔ جیسے چند لمحے اندر کیا ہو طاقت اور بوجھ کی دوسری ہوتی ہے اسی طرح بند کمرے میں سینے پہ تھوڑی ٹکا کر قدرے سر جھکائے ہوئے جب آپ دماغ سے دل تک ایک آدھ بالشت نیچے آتے ہیں تو آپ اپنے آپ کو بڑا سرور محفوظ اور مدہوش سا محسوس کرتے ہیں۔ یہ قریب قریب مراقبے کی حالت ہوتی ہے۔ اب یہ آپ کی مشق ہمت اور دلچسپی پہ محمول کرتا ہے کہ آپ اس حالت مراقبہ کو کتنی دیر تک برقرار رکھتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ ابتداء میں مراقبے کا وقت متعین کر دیتے ہیں وقت ختم ہوتے ہی آپ کا شعور کا نظام آپ کو بیدار کر دیتا ہے۔ دوسری صورت کہ آپ کسی خاص مقصد کو حاصل کئے بغیر مراقبہ توڑنا نہیں چاہتے۔ اس صورت میں جب تک آپ کسی نتیجے تک نہیں پہنچتے آپ بیدار ہی نہیں ہوتے۔ تیسری صورت کہ آپ کا کوئی مقصد یا ارادہ نہیں ہوتا اس وقتی طور پہ آپ کچھ ریلیکس کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اسے بیٹھے بیٹھے قیلولہ کرنا بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح کے مراقبے سے کچھ نتیجہ حاصل کرنا مقصد نہیں ہوتا کسی وقت گزاری اور دل دماغ نگاہ کو چنداں فراغت دینی مقصود ہوتی ہے.... خود بخود میرے لبوں پہ شعلہ نجم تسلیم را ہزار جاں از غیب جانے دگر است" جاری ہو گیا۔ ہر چند بابا یوں جیسے کوئی پوری طرح سے مجھ پہ کوڑے برسا رہا ہو اور میں مارے کرب و اذیت دہرا ہوتا جا رہا ہوں کوڑے مارنے والے کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ باوجود کوشش میری آنکھیں ہی نہیں کھل رہی تھیں۔ میں بری طرح چیخ و پکار کر رہا

ہوں۔ کبھی ادھر لڑھک رہا ہوں کبھی ادھر سرپٹک رہا ہوں۔ ناگاہ وہ شفقت سے نرم گداز ہاتھوں نے مجھے کھینچ کر اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ میں سینے سے لگ کر یوں سکون پاتا ہوں جیسے بھوک پیاس یا کسی تکلیف میں مبتلا ہوا شیر خوار بچہ اپنی مادر کی مہربان چھاتی سے لگ کر سکون پکڑتا ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بابا تاری شاہ کے پہلو سے لگا پڑا ہوں آپ بڑی شفقت سے کوڑے پڑنے والی جگہوں کو ہاتھ سے سہلا رہے ہیں۔ مجھے بے انتہا سکون دیکھتے ہوئے مسکرا کر فرمایا۔

"تم یہاں سے اڑنے کا سوچ رہے تھے ۔۔۔ کاگا چھینا جھپٹی کر کے اڑ ہی جایا کرتا ہے کہیں تم نہیں۔ سنا کاگا سے کہیں زیادہ تسلیم و رضا کا پتلا اور سمجھتا ہے لگ کر دوارے بیٹھ جاتا ہے۔ مالک دے دے۔ پوچھے نہ پوچھے۔ مارے دھتکارے وہ دم ہلا کر اظہار تسلیم کرتا رہتا ہے۔ ہر حال میں خوش رہتا ہے تمہاری طرح اظہار برہمی نہیں کرتا ۔۔۔ تو پہاڑوں سے اتر کر شہر میں آیا اب یہاں سے بھی اڑان بھر جا صوفی تو دین کے بیٹے بیٹھے۔ ان سے سیکھ کہ تسلیم و رضا کیا ہے؟ محض کتابوں میں تسلیم و رضا خوب الاپنے سے اس کے معنوں کے باطنی معنے پلے نہیں پڑتے۔ بس دو چار کوڑوں سے ہی بلبلا اٹھا ہے آہ و بکا اور دہائی دینے لگا ہے۔ ادھر دیکھ"

UrduPhoto.com

[illegible] اپنی پشت [illegible] ادھر [illegible] کی طرف [illegible] کیا۔

تہجد نفل پڑھے نہ پڑھے فجر کی نماز سے بہت پہلے اجتماعی طور پر سب کو جگا دیا جاتا۔ یہاں کا مزید واقعہ سحر خیز تھے صبح کاذب کا فسوں کب کا ٹوٹ چکا صبح صادق کی صباحت و صداقت اپنا نور رنگ دکھا چکی تھی۔ ادھر کے لیے کھلانے ضروریات طہارت وضو سے فراغت پا کر صفیں سیدھی کر چکے تھے۔ تجھے کہ مجھے کسی نے جگایا تک نہیں میری تو اچانک آنکھ اچٹ گئی تھی اور اب تو تکبیر تحریمہ ہو رہی تھی۔ گرہ جھٹکا لے کر جو اٹھا تو وہیں دھب سے ڈھے گیا یوں لگا جیسے میرے جسم کو کسی نے قوم کر رکھ دیا ہو۔ اک لیموں کی لہر بجلی کی مانند میرے رگ و پے میں کوند سی گئی۔ کچھ دیر بعد ہوش ٹھکانے لگے تو رات کی "واردات" آہستہ آہستہ ذہن کی رہاں میں ابھرنے سی لگی۔ جو ہلکا سا مزید غور کیا تو سارا قصہ کہانی سامنے آ گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ مجھے تیز حرارت بھی ہے۔ ادھر پیش امام کے ہاں شاہ کے بعد اضافہ شروع ہو چکی تھی جبکہ ادھر مجھ پہ فاتحہ پڑھنے کا مقام بن رہا تھا۔ فجر جس طرح بھی بن پڑا اٹھا۔ بصد عجلت و بقدر ضرورت طہارت و وضو سے فارغ ہو کر ایک کونے میں کرتا پڑتا نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ سنتوں کے بعد فرض نیت کیے ادھر "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" بھی ہو چکی تھی۔ سلام پھیر کر فارغ ہوا ہی تھا کہ وہی پچھی داڑھی والا بزرگ میں تسبیح لیے "السلام علیکم" کہتا ہوا میرے پاس بیٹھ گیا دو اسپرین کی گولیاں تھماتے ہوئے بولا۔

"ناشتے کے بعد پانی کے ساتھ نگل لینا۔" پھر دو روپے دیتے ہوئے مزید کہنے لگا۔ "بابا سرکار سے یہ روپے لیتے ہیں اور کہنا کہ صوفی نوردین کے پاس چلے جائیں۔"

"نور!" مجھے بابا جی کی گزشتہ رات کہی ہوئی بات یاد آ گئی کہ جا صوفی نوردین کے ہیرے بیچنے۔ ان سے تمہارا تعلق ورثا کیا ہے؟" میں نے بڑی بے دلی سے جواب دیا۔

"مولانا! پہلے مجھے جوڑوں ہڈیوں کی مرہم پٹی کرنے والے کسی پہلوان کے پاس لے چلیں تاکہ میری ہڈیوں پسلیوں کی مرمت کروا دوں۔" میں نے اپنی پشت اور بازوؤں پہ نیلے نیلے نرخی نشان دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھیں ڈنڈوں کے نشان۔ آخر مجھ سے ایسی کون سی خطا سرزد ہو گئی تھی جس کی میں مجھے ایسی بیدردی سے زدوکوب کیا گیا۔؟"

وہ سٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ گول کئے ہوئے میرے زخم دیکھتے ہوئے بولا۔

"کاکا بھیا! یہ کس نے آپ کو پیٹا ہے۔۔۔؟"

"یہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں ذرا مجھے بابا سرکار کے پاس لے چلو۔۔۔"

وہ نفی میں سر ہلاتے بولا۔ "کاکا بھیا! وہ یہاں نہیں ہیں وہ تو پرسوں سے ہوں شریف قلندر بابا کے ہاں پہنچے ہوئے ہیں۔"

UrduPhoto.com

"مولانا! کوئی حساب کتاب کی چھوڑو۔ تم رات مجھے سوتے سے جگا کر بابا جی کی محفل میں لے گئے مشاعرہ اور کافی ہو رہا تھا۔ پھر وہاں مجھے پیاس لگی تھی یہ تو خبر نہیں تھی یہ تو خوب یاد ہے کہ تم نے مجھے خود اپنے پاس بٹھایا تھا اور بہت سی باتیں بھی کی تھیں۔ یہ صوفی نوردین والی بات بھی انہوں نے مجھ سے کی تھی۔۔۔"

وہ ہونقوں کی طرح منہ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا ڈرتے ڈرتے کہنے لگا۔

"کاکا بھیا! تم دو منٹ رکو میں پانی لے آؤں۔ ابھی تمہیں اسپرین کھلاتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے سر میں چکر آ گیا ہے ورنہ تم یوں ایسی بہکی بہکی نہ چھوڑتے۔۔۔"

میں نے اس کی پتلی سی کلائی پکڑ کر نیچے بٹھا لیا بولا۔

"کیا مطلب میرے سر میں بخار چڑھ گیا ہے اور میں بہکی بہکی چھوڑ رہا ہوں؟ بتاؤ میں نے بہکی ہوئی بات کہی جو تم نے مجھے ایسے کہا ہے۔۔۔"

وہ مسکینی سی صورت بنا کر کہنے لگا۔ "کاکا بھیا! تم نے ابھی کہا ہے کہ میں تمہیں اٹھا کر مشاعرے میں لے کر گیا وہاں بابا سرکار بھی تھے جبکہ میں تو کل صبح سے اپنے گھر کو گئی ہوا تھا۔ رات

وہاں بس کی ابھی ابھی تھوڑی دیر پہلے نماز کے وقت یہاں پہنچا ہوں۔ رات یہاں نہ کوئی محفل ہوئی اور نہ ہی بابا سرکار یہاں موجود تھے۔"

میں بھوتروں کی مانند منہ بنائے اس کی جانب دیکھ رہا تھا کہ وہ کہہ کیا رہا ہے؟ اچانک میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ جو تم مجھے ابھی اسپرین کی گولیاں، دو روپے اور بابا جی کا پیغام دے رہے ہو کہ میں صوفی نور دین کے پاس چلا جاؤں، یہ سب کچھ تمہیں بابا جی دو روز پہلے ہی دے گئے ہوں گے؟"

"ہاں بابا ایسا ہی ہوا تھا" ۔ اس نے جھنجلا کر جواب دیا۔

"لیکن بخار اور یہ کوڑوں کی مار تو مجھے آج ابھی دو چار گھنٹے پہلے پڑی"

وہ مجھ سے جان چھڑاتے ہوئے بولا۔ "کاکا جیا! جو تم کہہ رہے ہو وہ بالکل درست ہے۔ میں بتا رہا ہوں اس میں بھی رتی بھر جھوٹ نہیں۔ بحث فضول ہے۔ یہ تھا سو دو روپے اور پکڑو اپنا رستہ۔ یہی بابا سرکار کا حکم ہے"۔ وہ انتہائی سرد مہری سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "اللہ حافظ ...!"

وہ جانے لگا تو میں نے پوچھا۔

"یہ صوفی نور دین کون ہیں اور کہاں ملیں گے؟"

وہ بڑا عجیب سے استہزائیہ انداز سے مجھے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔ "کاکا جیا! اگر کوئی تم سے یہ سوال کرے کہ اس شہر میں مجھے روٹی کا ٹکڑا کہاں ملے گا تو میرا خیال ہے کہ تم اس کا کا کو یہی جواب دو گے کہ بھیا! پرچا پھیلاؤ، اور ... کی ہوئے "کہیں کا ٹکڑا" کرو نظر دوڑاؤ، تیرے ... دیواریں، الانگو چھتوں کو چھلانگو پھر دیکھو، کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی تو صوفی نور دین مل ہی جائے گا ..."

• تیز ہوا کی زد میں.....!

وہ چار چیتھڑوں کا پوٹلا اٹھائے وہاں سے اٹھ آیا، ادھر مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ کراچی والے بے درد اور بے مروت لوگ کہ نہ آنے کو چاہیں، نہ جانے کو پوچھیں۔ اگر یہ سب کچھ بقول اس بچی والے کے خواب اور خیال ہی تھا تو میرے جسم پہ یہ کوڑوں کے نشان بھی نہ ہوتے، مجھے اس وقت یہ بخار بھی نہ ہوتا۔ یہ کیسا تماشا تھا، آدھا خواب آدھی حقیقت، آدھی نصیحت اور آدھی فضیحت۔ اللہ! کدھر جاؤں، یہ صوفی نور دین کی خبر کہاں پاؤں؟ کوڑوں کے نشان زخموں پہ یوں جیسے کہ

[illegible] چھلک دی ہوں بخار کی الگ دکھن۔ نند میں کڑواہٹ آنکھوں میں شب جاگے کی جلن۔ [illegible] اٹھائے سامنے چوک میں آ کھڑا ہوا۔ سوچ ہی رہا تھا کہ کدھر قدم بڑھاؤں کہ چکی داڑھی والا [illegible] ہو گیا رومال میں بندھا ناشتہ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"السلام علیکم ..... کاکا بھیا! تم ناشتہ لینا بھول گئے تھے۔"

میرا دماغ اور مزاج تو پہلے سے ہی چھ ضرب چھ بنا ہوا تھا اسے اور ناشتے کی پوٹلی دیکھ کر میں [illegible] بارہ ضرب بارہ کا اسلحہ ڈپو بن کر جو پھٹا تو اس بے چارے کو بھاگتے ہی بنی ..... میں یہاں سے [illegible] نکلنے کی سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ "کاکا بھیا" والا پھر نازل نہ ہو جائے۔ اچانک کہیں سے ایک [illegible] ہوئی اور ہچکیاں ہچکولے توڑتی ہوئی میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ [illegible] کی سوجھی۔ پھر چل سو چل۔ کنڈیکٹر نما ایک آدمی میرے پاس آیا۔

"کہاں جانا ہے بچے .....؟"

جواب دینے کی کیا سوجھتی میں تو کہیں اور پھنسا ہوا تھا۔ معاملہ سے نکل گیا۔

"صوفی [illegible]"

وہ پوری [illegible] کا ٹکٹ [illegible] کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ بخار نے مت ماری ہوئی تھی سیٹ پر [illegible] جسم ٹوٹنے لگا۔ گھٹنوں پہ دھرے کپڑوں کے تھیلے پہ ماتھا ٹکا کر میں گم سا ہو گیا۔ میری جانے [illegible] کن مقامات کے گرد میں پسینے سے نہایا ہوا نیم بیہوش سا انکل بیٹھا بک رہا تھا۔ کنڈیکٹر نے [illegible] سے پکڑ کر ہلایا۔

"بچے! اترو تمہارا اسٹاپ آ گیا ہے....."

میں سر پہ چوٹ لگے کبوتر کی طرح ادھر ادھر دیکھتے ہوئے تھیلا تھامے بس سے نیچے اتر گیا [illegible] صبح کا وقت نوکری پیشہ لوگ عجلت میں آ جا رہے تھے ایسے لوگوں سے اگر کچھ دریافت کیا جائے تو [illegible] ان سنی کرتے ہوئے بنا کوئی جواب دیئے زن سے گزر جاتے ہیں اور اگر کوئی مروت کا مارا [illegible] جائے تو وہ خود کو اجنبی ظاہر کر کے نکل لیتا ہے دوکاندار بھی صبح صبح بوہنی کے وقت خالی چلی کسی کو کچھ [illegible] نہیں سمجھتے۔ میں تھیلا تھامے سامنے ایک بند دوکان کے بیرونی تھڑے پہ بیٹھ گیا کیونکہ ٹانگیں [illegible] کے باعث لرز رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد پیچھے کھسک کر شٹر کے ساتھ ٹکتی کمر کا کر نیم دراز سا ہو [illegible] میں منٹ بعد کوئی مجھے شانے سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو ایک ادھیڑ عمر [illegible] سا آدمی بڑی نرمی سے مجھ سے مخاطب تھا۔

UrduPhoto.com

"بیٹا! تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے..... ادھر کیوں لیٹا ہے؟" ذرا قریب آ کر وہ میری جلتی ہوئی آنکھوں اور سرخ تپتے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے ذرا تردد سے کہنے لگا۔ "ارے تم تو ماموں بھی دکھائی دیتے ہو....."

اس کے سوالوں کے جواب میں میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا البتہ دو چار آنسو ضرور رخسار کر میرے تڑپتے ہوئے گالوں پہ ڈھلک آئے۔ اس نے کوئی مزید سوال کئے بغیر مجھے تھڑے پہ لمبا کر میرا کپڑوں کا تھیلا میرے سر کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! صرف تھوڑی دیر کے لئے اسی طرح لیٹے رہو میں ابھی واپس آتا ہوں....."

میں پہلے نیم دراز تھا اب جب سیدھا لیٹا دیا گیا تو آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ انتہائی تکلیف اور بخار کی غنودگی نے مجھے پھر ایک بار ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا۔ [illegible] جب دوبارہ ہوش میں آیا تو [illegible] نے اپنے شامیانے کا رخ دیئے ہوئے تھے۔ ہوش پلٹنے کے بعد سب سے پہلے میں نے جس چیز کا ادراک [illegible] وہ بجلی کا پنکھا تھا جو میرے اوپر بڑی دھیمی رفتار سے چل رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ چھت [illegible] دروازے [illegible] اور بھیگا سا [illegible] ماتھے پہ برف کی پٹی رکھی ہوئی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ [illegible] شدت اب خاصی کم ہو گئی ہے۔ ایکا ایکی مجھے غسل خانے جانے کی حاجت محسوس ہوئی اور ساتھ یہ خیال آیا کہ میں کہاں ہوں۔ یہ کمرہ یہ مکان یہ جگہ؟ ..... پھر اس مہربان شخص کی صورت بھی سامنے آ گئی جو مجھے تھڑے پہ چت لٹا کر تھوڑی دیر بعد آنے کا کہہ کر گیا تھا اور پھر میں اب ہوش میں آ گیا تھا۔ یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ ہلکی سی آہٹ ہوئی وہی دوکان والا شخص ہلکی سی بے ریا مسکراہٹ کے ساتھ میرے پاس کھڑا تھا۔

"اب طبیعت کیسی ہے.....؟" وہ پلنگ کی پٹی پہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"السلام علیکم! ..... الحمدللہ میں اب قدرے بہتر ہوں۔ میری وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف [illegible] پڑی اللہ آپ کا بھلا کرے۔ میرا نام محمد یحییٰ خان ہے۔ پنجاب سیالکوٹ سے میرا تعلق ہے۔ میں [illegible] صوفی نور دین صاحب کی تلاش میں ہوں۔ اگر آپ مجھے ان تک....."

وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ "بیٹا! پہلے تندرست تو ہو لو پھر کسی کو تلاش کرنا....."

میں اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے باتھ روم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے"

اس نے میری کمر کے نیچے بازو ڈال کر مجھے پلنگ پہ بٹھایا۔ پھر میرے لئے سلیپر سیدھے [illegible] میرے پاؤں میں پہنائے اور سہارا دیتے ہوئے مجھے کھڑے ہونے میں مدد دی۔ پھر [illegible]

[illegible] باتھ روم تک دیا دروازہ کھولتے ہوئے کہتے ہیں۔

"بیٹا! میں باہر کھڑا ہوں۔ اچھی طرح سکون تسلی سے باتھ لو۔ ہوا بات محسوس کرو لیکن [illegible] کسی چیز کی ضرورت محسوس کرو تو مجھے آواز دے لو۔ باہر نکلو گے تو ناشتہ کا کچھ کھانا پینا بھی [illegible]"

میں سوچ رہا تھا کہ مالک! یہ کیسا انسان ہے ولی ہے یا کوئی فرشتہ مجھ معمولی انسان سے اتنے کی [illegible] محبت؟ [illegible] صاف ستھرا تولیہ صابن شیمپو کی ڈبیا تازہ مسواک۔ فرحت [illegible] باتھ [illegible] باہر آیا تو میں خود کو قدرے تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ سامنے [illegible] کے آگے آپ کی پہ ہاتھ [illegible] تھا..... دلیا، کھچڑی، آش، دودھ۔

"بیٹا! تم حسب خواہش [illegible] اور [illegible] اجازت دو۔ اور ہاں وہ [illegible] پڑا ہے۔ مغرب کی نماز کا وقت بھی ہوا چاہتا ہے اور کھانے کے بعد [illegible] امانت سنبھالنا" [illegible] میرے آگے رکھ کر باہر نکل گیا۔

[illegible] نماز ہم دونوں نے مسجد میں ادا کی۔ اب ہم باہر ایک کھلی سی [illegible] قدمی کر [illegible] اپنے بارے میں [illegible] کا نام کام میں کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔ وہ [illegible] تھا کہ اس وقت تک وہ میرے ساتھ ساتھ تھا۔ اس نے لمحہ لمحہ میرا خیال رکھا۔ دوا خوراک [illegible] کپڑے سلے ہوئے تک پہنائے۔ وہ میرا محسن [illegible] تھا۔ اب میں بات چیت [illegible] تلاش کر رہا تھا کہ کسی طرح اس کا شکریہ ادا کر کے یہاں سے رخصت لوں اور صوفی نور دین کو [illegible] کے پاس میرے "تسلیم و رضا" والے پرچے تھے لیکن وہ بھی تو شاید کوئی صاحب کشف تھا۔ ہاتھ [illegible] "اللہ حافظ بیٹا! یہ نیچے سڑک سیدھی سمندر پہ ختم ہوتی ہے۔

■ الف لام میم تیری رضا میری تسلیم.....!

میں سڑک پہ سمندر کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا اس طرح ہر راستہ مختلف نشیب و فراز، آسانیوں پریشانیوں اور کم و بیش سے ہوتا ہوا ایک ہی منزل پہ جا کر ختم ہوتا ہے۔ جیسے ہر مذہب [illegible] طرح طرح کے فلسفوں، ابہامات، الہامات، خیالات اور توہمات سے چھوا چھوئی کرتا ہوا ایک

ہی صرف ایک ہی رب کی جانب رجوع ہوتا ہے اور قطرے سے لے کر آبجو آبجو سے ندی نالے دریا
چشمے آبشاریں سب کے سامنے صرف سمندر ہوتا ہے۔ آب حنظل ہو یا آب انگور آب شور ہو یا آب زلال
آب حیات یا آب کوثر سب اسی سرچشمہ قدرت و حکمت سے پھوٹتے ہیں ... اڑو گا گا اڑو سمندر سے
بہت پیاسا تمہیں ایک نالہ اور ملے گا اس سے سیراب ہوتے جانا"

کپڑوں والا تھیلا تو ادھر اس کے گھر پہ تھا پاجامہ قمیض اور چپل جو پہنے تھے وہ اسی مرد نیک خو کے
دیئے ہلکے پہنائے ہوئے بھی تھے۔ رات کا پہلا فنک سا پہر سمندر کی کنار بوجھل ہوا جس میں شاید
برکت کے لئے ہلکا سا نمک ملا دیا ہوا تھا۔ صاف آسمان کہیں کہیں میری طرح آوارہ بادلوں کے ٹکڑے
ٹمٹماتے ستارے اور پیلا سا چاند۔ یہ میرے آسمانی ساتھی تھے اور زمین پہ فرلانگ بھرتی ہوئی موٹر
گاڑیاں بسیں۔ دور وہ بڑی سی سڑک پہ ہیڈلائٹس کے درخشاں دھارے [illegible] پتھر [illegible]
غبار میں آگے پیچھے [illegible] دور دور تک اکیلا پیلی پیلی اداس سی پول لائٹ [illegible] میں سمندر کی جانب [illegible]
کیماڑی کی طرف جا رہا تھا۔ ابھی تو پرانی نمائش کا بڑا سا گول چکر دار چوک بھی کچھ دور تھا مگر سامنے نظر آ رہا
تھا اسے جب گزار کروں گا تو پھر اصل بندر روڈ شروع ہو گی۔ میں اپنی دھن اور لگی بندھی فطری ردھم پر قدم
رکھے ہوئے [illegible] ایک [illegible] گزرتی ہوئی گزرگاہ
میں اپنے قدموں پر رک سا گیا اور سوچنے لگا کہ کیا بیہودہ سواری ہے نہ مرین اور نہ ہی گاڑی۔ شاید
لئے اسے ٹرام کہتے ہیں کیسا بے ہنگم اور صوتی لحاظ سے بے ہنگم سا نام ہے یعنی پیچھے ٹر ٹر اور پھر ٹرام کہو
میں دور تک اس کی پیچھے والی [illegible] دیکھتا رہا۔ اسی وقت ایک [illegible] گزرنے سے میری محویت کا
لطف غارت ہو چکا تھا جیسے طبلہ یا طاؤس اگر لڑے اتر جائیں تو پھر خوک خانک کرا کھینچ تان کر سُر میں
لئے جاتے ہیں مگر کچھ بدمزگی اور بے لطفی ضرور پیدا کر دیتے ہیں ایسے ہی مجھے خود کو دوبارہ سُر میں
لانے کے لئے ہلکا سا تردد کرنا پڑا ... اب پھر میری چال چاپ اور رفتار میں ردھم سا آ گیا تھا مگر کانوں میں [illegible]
سُریلے تان پلٹے بھی سنائی دینے لگے۔ میں نے اب سارا دھیان کانوں پہ دھر دیا آواز کی لہروں کو [illegible]
اور ان کے بہاؤ کے رخ کو جانچتا ہوا میں سڑک سے نیچے پہ اتر گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کراچی میں مہاجروں کی آبادکاری ہو رہی تھی جہاں جدھر جس کے سینگ سمائے
وہ ادھر بیٹھ گیا تھا۔ جگہ جگہ جھونپڑیاں جھگیاں اور ٹین ٹاٹ کے ہر وقت کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ پرانی
نمائش کا آدھے سے زیادہ علاقہ غیر آباد کچی پکی جھاڑیوں کھڈوں اور غیر ہموار بیکار سی زمین پہ مشتمل تھا
قائداعظم کے مزار والا علاقہ بھی ایسا ہی غیر آباد نیم جنگل سا تھا ... یہ طبلے سارنگیوں کی آوازیں بھی [illegible]

ہب کی کسی جھونپڑی سے آ رہی تھیں۔ ذرا اور آگے بڑھا تو سازوں کی آوازوں کے ساتھ اب قوالوں کے قول قلبانے بھی سنائی دینے لگے۔ میں ہمہ تن گوش رہا۔ نماز جنازہ پڑھ جاتے جاتے اگر راستے میں کسی سارنگ کا نا کی بھنک پڑ جائے تو رخ بدل جاتا ہے اور یہاں تو معاملہ ہی اپنے ہاتھ تھا۔ اب میں ایک کچی بستی میں داخل ہو چکا تھا۔ ریت کے بلاکوں سے تیار کئے ہوئے چھوٹے چھوٹے ڈربہ نما مکانوں کے بغیر کسی تختے یا پلاسٹر کے بے ڈھنگے بے ترتیب مکان، نالیاں، موریاں، راستے۔ یعنی پورے ڈی لینڈ تھی اور کسی مجلے اصول قانون کا یہاں کوئی عمل دخل نہ ہو۔ عجیب سی بات کہ میں اکیلا! سب موجود ہیں مگر میں کسی کو دیکھ نہیں سکتا۔ چند لمحے البتہ ضرور دکھائی دیئے جو میری طرح ہی شاید فاقہ کش تھے۔ کام نہ کاج کے دشمن اناج کے۔ میں نے ان کا نوٹس لیا نہ انہوں نے مجھے درخور اعتنا سمجھا تھا۔ وہ میرے لئے بے ضرر تھے۔ میں ان کے لئے بیکار کہ انہوں نے مجھ اول خلول کو دیکھ کر ہلکی سی ہوائی بھی خارج کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ اس بستی کی اس عسرت مزاجی اور غربت کشی پر غور کرتا ہوا ذرا اور آگے بڑھا تو یکدم سماع کا سارا نظر جیسے میرے سر پہ آ رہا ہے۔ چند قدم آگے موڑ مڑتے ہی سامنے جیسے نظر بندوں کی بھیڑ جمی ہوئی ہو۔ کھلے میدان میں شامیانے تھے۔ ایک غیر ملکی جس کے آگے آگے بڑھنے میں پہلی سفید براق داڑھی والے ایک پیر مرد دائیں جانب مدھر بار بار کی نورانی چہروں والے بائیں طرف قوال حضرات معہ سازندے جنہوں نے اپنے آلات خواہ اپنی کمر سے آگے باندھے ہوئے تھے اور پیچھے مریدین یا سامعین کا اژدہام۔ وہ میری جانب بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ چار کس بلکہ دس والے بھی روشنی کے لئے ساتھ تھے۔ میں یہ نظارہ دیکھ کر ٹھٹک کر ایک گلی کی آڑ لے کر کھڑا ہو گیا۔ قوالوں نے "ترک بچہ" یعنی امیر خسرو کو ہی چھیڑا ہوا تھا۔

اک ہندو بچہ ہیں کہ عجب حسن دھرے ہے
بروقت سخن گفتن مکھ پھول جھرے ہے
گفتم کہ لب لعل تو ایک بوسہ بگیرم
گفتا کہ "ارے رام ترک کائیں کرے ہے"

میرے کان کلام پہ پڑے ہوئے تھے اور آنکھیں ان "قافلہ قیل و قال" پہ جمی ہوئی تھیں۔ لحظہ لحظہ ان کا درمیانی فاصلہ کم سے کم تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں نیم اندھیرے میں اپنی آڑ لے کر کھڑا تھا کہ کسی کو اطلاع نہیں دے سکتا تھا پھر بھی احتیاطاً میں مزید آڑ میں ہو گیا تاکہ یہ بھلے لوگ جہاں جا رہے ہیں مجھے بے خبر گزر جائیں۔ پھر کہوں گا کہ یہ عجیب سی بستی تھی کہ میرے علاوہ کوئی بھی ذی نفس مجھے کہیں نظر نہ آیا یا

UrduPhoto.com

شاید سب ہی وہاں سماج میں چلے گئے تھے۔ پھر بھی کوئی بچہ یا عورت کوئی بوڑھا یا بوڑھی کوئی تو ہوتا جو میرے اس وہم کی نفی کرتا کہ یہ جنوں کی بستی نہیں ہے۔ وہ لوگ اب بالکل ہی میرے سر پہ پہنچ گئے تھے۔ قوالی بھی کلام سے آگے حاصل کلام اور سازندے بھی "سازِ ساقی" پہ جھومتے ہوئے تھے۔ میں اس یقین میں تھا کہ وہ مجھے بالکل نہیں دیکھ سکتے پر یہ کیسے ممکن ہے یہاں تو ہوتا ہی وہی ہے جو وہم و گمان میں نہیں ہوتا اور وہ کچھ بالکل ہی نہیں ہوتا جس کے ہونے پہ یقین و ایمان ہوتا ہے۔ یعنی وہ سارے تین گلی کے منہ پہ آ کر جمع ہوئے تو قوالوں نے خوب دھاڑ دھاڑ اور سازندوں نے خوب چھاڑ چھاڑ طبلے بجائے۔ اشعار کی تھوڑی سی تکرار کے بعد جب معاملہ قدرے واپس سم پہ آیا تو ان جنر چوسے والے پیر مرد نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر میرے گلے کا ہار اتار دیئے اور پھر مجھے سینے لگا کر معانقہ فرمایا۔ ادھر میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ اس گلی یا یہاں میں کھڑا ہوں وہاں ان کے بیچ کا کوئی مرد وغیرہ ہوگا اور وہ سب یہاں چوٹی کھرنے یا چادر چڑھانے آئے ہیں۔ اب مریدوں نے آگے بڑھ بڑھ کر میرے سر پہ سے ریزگاری وار وار کر قوالوں کو دینا شروع کر دی۔ جب یہ سلسلہ بھی مدھم پڑا تو پیر صاحب نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے ساتھ کر لیا۔ [illegible] پہلے لفظ مجھے تفتیش میں [illegible] پھنس چکی تھی [illegible] اپنے ہاتھوں [illegible] کریں گے اور پھر یہی جنر چوسنے والے پیر مرد ماریں گے جنہوں نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ مجھ سے بالا تھا کہ یہ سب کچھ میرے ساتھ کیوں ہو رہا ہے کیا سارے جہاں کے پیروں فقیروں درویشوں کی نظریں مجھ عاجز پہ ہی جمی ہوئی ہیں یا پھر وہ کون سی کیڈر سنگھی میرے نیفے میں اڑسی ہوئی ہے جو یہ سب مجھ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اب واپسی شروع ہو کر ختم ہونے والی تھی قدم بہ قدم شامیانے اور میدان کے پاس پہنچنے والے تھے۔ مردوں کی جگہ عورتیں اور قوالوں کی جگہ ڈھولیں ہوتیں تو یہی دکھائی دیتا کہ ڈکیت کے والے سندری لے کر لڑکی کے گھر آ رہے ہیں۔ خیر یہاں پہنچے پہلے گلی پھر دروازے پہ چھڑکاؤ کی گئی۔ بڑی عقیدت و احترام سے نمایاں جگہ پہ بٹھایا گیا۔ پیچھے آرام دہ تکیے نیچے صاف ستھری سفید چادریں۔ اب آداب والے لوگ آتے ہی پیر مرد نے ہاتھ کے اشارے سے قوالوں کو سانس درست کرنے کا اشارہ دیا۔ ایک دم جیسے طوفان سا ٹوٹ آیا ہو۔ سماع یا فن محبت یا خاصیت ایک صدا ایک سُر ایک وقت تک مرہ دیتی ہے۔ غیر مناسب ہو بے توازن کی بیشی اس کے لطف اس کی لذت اور اس کی لطافت کو غارت کر دیتی ہے۔ پیر مرد کے اشارے پہ فوراً لفظ سے لفظ مشروبات پیش کر دیئے گئے۔ میں چونکہ پیر مرد کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا اس لحاظ سے ابتدا پیر مرد مجھ سے ہوئی۔

سب حاضرین تک مشروبات پہنچ گئے تو باآواز بلند "بسم اللہ" ہوئی۔ پہلا گھونٹ جو حلق سے نیچے اترا تو
روشنی ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ عجیب سا سواد جیسے بھنگ ہوتی ہے بے مزہ کسیلی سی۔ کوارٹر
حلق خشک دھنیا' بس ایسا کوئی ذائقہ تھا لیکن بے حد زوداثر' قوت بخش اور فرحت انگیز۔ سب ہی
"اللہ اللہ" کہتے ہوئے پی رہے تھے میں بھی چڑھا گیا۔ اچانک پیر مرد میرے بائیں کان میں
بولے۔

"بیٹا! تردد مت کرو یہ مشروب طیب ہے۔ ذائقہ اس لئے جدا گانہ سا لگا کہ تم نے یہ کبھی پیا نہیں
یہ ہو ستو کلونجی کے بیج' دھنیا مغز اور شکر سے بنتا ہے۔ معدے' مثانے' دماغ اور مزاج کی گرمی
دور کرتا ہے۔"

وہ پیالے پینے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ [illegible] کی تھکاوٹ اور کسلمندی سب
دور ہو چکے ہیں۔ اب میں واقعی اپنے آپ کو چاق و چوبند سا محسوس کر رہا تھا۔ [illegible] وقفے میں یہ اعلان بھی
ہوا کہ ساتھی طہارت و وضو سے فارغ ہونا چاہیں' دو دس منٹ میں تیار ہو کر واپس یہیں پہنچ جائیں۔ میں
[illegible] کے واپس اپنی جگہ پہنچ گیا۔ اب پنڈال کو خالی تین اطراف سے بھی قناتوں سے بند کر دیا گیا
[illegible] ایک دبلے لاغر
[illegible] اجنبی بزرگ اٹھے اور سورۂ جن کی تلاوت شروع کر دی۔ میرے تو رونگٹے کھڑے
ہو گئے۔ ابھی ابھی سورۂ جن کی تلاوت کرنے کا کون سا مقام ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی ہنسی خوشی کی
تقریب ہو واسطے برکت و سعادت تلاوت کا مقام بنایا جائے تو قاری سورۂ یٰسین شروع کر دے
[illegible] تو تلاوت ہی ہے اللہ کا کلام ہے۔ جس سے بھی تلاوت کیا جا سکتا ہے لیکن اگر موقع محل کا خیال
کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ تلاوت کے بعد پیر مرد اپنی اوپر والی قبا اتار کر حلقے کے
[illegible] استادہ ہو گئے۔ دو لمبی لمبی کالی چادریں ان کی کمر کے گرد آدھی آدھی گانٹھ دے کر باندھ دی گئیں
[illegible] کے چاروں پلو برابر ہو گئے۔ اب چادروں کے پلوؤں کا کراس سا بنا کر چار چار مریدوں نے
[illegible] وہ پیر مرد درمیان میں ڈھیلے سے بندھے ہوئے تھے۔ روشنیاں مزید کم کر دی گئیں۔ اب پیر مرد نے
[illegible] "اللہ اللہ" کا نعرہ بلند کیا اور پڑھتے ہوئے سوز اقرار نے "تیری رضا' میری تسلیم" کہہ دیا۔ پھر
[illegible] وہ ذکر اٹھے اور ساتھ ساتھ ایک قدم آگے بھی بڑھ جاتے لیکن چادروں کے پلوؤں کا کراس اور تناؤ
[illegible] اسی لحاظ سے پیر مرد بھی ایک قدم سیدھی جانب گھوم جاتے۔ بڑے ذکر اذکار جہری خفی دیکھے
[illegible] خود بھی کئی مرتبہ استادہ ہو کر "الف' لام' میم" کا ذکر جہری کئی مرتبہ دیکھا۔ ذکر کی لے بھی تیز ہو جاتی

UrduPhoto.com

اور بھی اتر لیتی۔ پندرہ بیس منٹ بعد جب مرد بیٹھ جاتے اور مریدین چوکھٹ چھوڑ کر اپنی اپنی جگہ واپس چلے جاتے۔ دو منٹ بعد حلقہ مریدوں کا نیا گروپ آ جاتا اور پھر وہی سلسلہ ..... اس دوران دیگر تمام مرید یا حاضرین سر جھکائے ان کے ساتھ "تیری رضا میری تسلیم" پڑھتے رہتے۔ میرا بھی یہی حال ہو گیا۔ پہلے تو میں بغور دیکھتا رہا پھر ان سب کے ساتھ شامل ہو گیا یعنی انہی کے رنگ میں رنگا گیا۔ کوئی دو اڑھائی گھنٹے بعد میری باری بھی آ گئی تھی۔ میں بھی چوکھٹ پکڑنے والوں، چاروں میں ایک تھا۔ اب تو مجھے خوب پریکٹس ہو چکی تھی۔ درمیان میں چکی کی طرف چہرہ موڑ کے "الف امز میم" کہا اور میں نے پہلی مرتبہ "تیری رضا میری تسلیم" کہا۔ ہم چوکھٹ پکڑ چکی کے پاٹ کی مانند اترنے میں گھوم رہے تھے۔ خدا جانے گھومتے گھومتے میں کہیں گم ہو گیا یا مجھ کا سحر ختم ہو گیا تھا۔ شعور اور ادراک کا جیسے پہلی رات کا حل کیا ہوا دوشت جیسے کسی گہرے کنڈ میں گر کر ختم ہو گئی ہو۔ یہ بھی یاد ہے کہ ہم سب نے وہیں پنڈال میں اسی چہرہ کی اقتدا میں نماز فجر ادا کی تھی۔ اس سے کچھ پہلے اور کچھ بعد کیا ہوا کیا بیتی کچھ یاد نہیں۔ میرے علاوہ شاید سب ہی نارمل تھے۔ کانوں میں بات چیت کی آوازیں آ رہی ہیں چلتے پھرتے لوگ محسوس ہو رہے ہیں لیکن جسم ذہن دل جیسے کسی سرد خانے میں لگے ہوئے ہوں۔ نہ بولنے کچھ کہنے کی سکت اور نہ ہی جنبش ہو رہا..... ہاں کچھ میں نے کہا۔ مشروب کی مانند وہ بھی عجیب سا تھا۔ بڑے بڑے پیالوں میں دیسی جیسے چائے اور پھر کاڑھی سی ساتھ جو کی بھوسی جیسی تھوڑی روٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔ اس کے بعد چراغوں میں جیسے روشنی نہ رہی یوں محسوس ہوا جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہیں۔ رات گئی بات گئی والا معاملہ ہوا۔ سورج کے اجالے سے پیشتر رات کے ہر قصہ کہانی کا کچھ نشان مٹ چکا تھا۔

میں اسی میدان میں ایک اینٹوں کے ڈھیر پہ بیٹھا پچھلی شب کی ایک ایک کارگزاری کو یاد کر رہا تھا جو اب وہم و خیال بن چکی تھی۔ میں اس ساری کتھا کہانی کو خواب تسلیم کر لیتا اگر میرے گلے میں پڑے ہوئے گلابوں کے ہاروں والے دھاگوں کے ساتھ مرجھائے ہوئے شگوفے اور دو تھل نہ ہوتے میری قمیص کی سامنے والی جیب میں پھولوں کی پتیاں پڑی ہوئی نہ ہوتیں ..... میں اینٹوں کے ڈھیر سے اٹھا وہاں سے اس گلی تک گیا جہاں میں آ کے کر چھپا کھڑا تھا۔ پھر میدان میں آیا مگر نہ کوئی شامیانوں اور قناتوں کے کھڑے کرنے کے نشان نہ زمین میں کیل گاڑنے کا سراغ نہ کوئی پھول تھی ..... ابھی ابھی کیا اسی راستے سامنے والے چھوٹے سے ایک دھان پان سا آدمی باہر نکلا۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کرتے ہوئے پوچھا۔

"بزرگوار یہاں رات کو محفل سماع تھی اور ایک بزرگ بھی"

وہ میرا سوال پورا ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

UrduPhoto.com

"اماں باؤلا ہو گیا ہے کیا..... کیسی محفل اور کیسا بزرگ.....؟"

وہ مجھ پر لاپروائی سے نظر ڈالتا ہوا دوسری جانب نکل گیا۔ ساتھ والی گلی سے ایک باوقار شخص نظر آیا میں نے اسے جا پکڑا۔

"بھائی صاحب! اس میدان میں رات کو کوئی ذکر و سماع کی مجلس تھی۔ ایک بزرگ جو یہ نظر آتے تھے میں نے اُن سے ملنا ہے....."

پہلے تو اس نے مجھے سر سے پاؤں تک نگاہوں سے نکالا پھر زیرِ لب ایک "ہنکی" سی نکالتے ہوئے میری بات کا جواب دیئے بغیر یہ کہتا ہوا نکل دیا۔

"اللہ خیر کرے صبح صبح ہی ایک پھر یا نکرا ہے"

اب میری سمجھ میں آ گئی کہ میرے ساتھ رات ہاتھ ہو گیا ہے یہ سوچتے ہی میں کانپ گیا۔ آخر میں نے اس بابو کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ کچھ دور جا کر مڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کے پیچھے آ رہا ہوں تو اس نے اپنی رفتار بھی قدرے بڑھا دی۔ ذرا آگے جا کر اس نے پھر میری طرف دیکھا میں نے خوف سے پیچھے کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا مگر وہ تیزی سے ساتھ والی گلی میں مڑ گیا۔ میں بھی پیچھے اس کے ایک طویل دالان میں داخل ہوا یہ ساتھ ایک محل چھوٹی سی مسجد تھی۔ ایک مسکین صورت غریب سے مولوی صاحب چند بچوں کو سامنے بٹھائے بیٹھے قرآن پڑھا رہے تھے۔ بچوں کی شکلوں اور لباس حلیے سے پتہ چلتا تھا کہ یہ کوئی انتہائی مغلوب الحال بستی ہے اور میں اس بستی سے اس کے پاس جا کھڑا ہوا کہ یہ ایک شریف آدمی دکھائی دیتا ہے۔ چلو اس سے ہی رات والے معاملے پر بات کر کے دیکھو۔ مولوی آدمی ہے ہو سکتا ہے کہ صوفی نورین کے بارے میں کچھ جانتا ہو جن سے میری تسلیم و رضا والی امانت ہے۔ مجھے یہ بھی یاد آیا کہ رات بھی کوئی تسلیم و رضا والی بات ہوئی تھی۔ ذہن پر زور دیا تو "الف لام میم تیری رضا میری تسلیم" یاد آ گیا۔ مجھے کھڑے کھڑے میں نے یونہی "الف لام میم تیری رضا میری تسلیم" کا ورد شروع کر دیا کہ خوب اچھا رٹا لگا لوں تاکہ بھول نہ جاؤں۔ میں مسلسل ورد کرتا جا رہا تھا۔ نہ جانے کیا ہوا کہ میں وہیں مسجد یا مکتب کے بچوں میں اسی رات والے معاملے میں گھومنے لگا۔ بچیاں نیچے مجھے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ مولوی صاحب نے انہیں ڈانٹ کر چپ کروایا اور میں بھی لجاتے لجاتے قریب آ کر قہر بھری نظروں سے مجھے گھورنے لگے۔ میں شاید میں نے ورد "الف لام میم تیری رضا میری تسلیم" پر بھی کچھ غور کر رہے تھے لیکن وہ تو محض مولوی صاحب تھے۔ اللہ کے سچے بندے تھے۔ اللہ کے سچے بندے کی زبان سے صحیح نکلوانے والے اور یہاں تو ازل و ابد کے درمیان جو کچھ بھی ہے ان کے مختلف

تھی ظروف تھے جو کوانے اور حق سے چھیں نکلوانے والے ہیں کیا کچھ پاتے۔ میں نے مدرسے میں دو چار چکر ہی والہانہ انداز میں لئے تو وہ کچھ سمجھتے ہوئے آخر کار چھڑی آگے بڑھا کر قدرے تلخی سے بولے۔

"اے چھوکرے! یہ تو مکتب میں کیا اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہا ہے۔۔۔؟"

میں چھڑی اور ان کی کڑی بات کو کب خاطر میں لاتا اپنی موج میں لگا رہا۔ مکتب کی کوئی باقاعدہ چار دیواری تو تھی نہیں بس پکی پکی باڑھ ہی بنی ہوئی تھی۔ آنے جانے گزرنے والے اوپن ایئر تھیٹر میں یہ "فری شو" دیکھنے لگے۔ مولوی صاحب کے لئے اب صورت حال کو سمیٹنا ضروری ہو گیا تھا انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے میرا بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا۔ چکرا تو خیر رو چکر ہو گئے مگر میری یا کسی کی بھی زبان کو بھلا کون روک سکا ہے۔ میری ڈیڑھ تولے کی ترنگی زبان "الف اللہ میم محمد تسلیم" ورد کئے جا رہی تھی۔ راہگیروں میں ایک بھلا سا بوڑھا آگے بڑھ کر پوچھنے لگا۔

"ہاں صوفی جی! یہ لونڈا کیا کہہ رہا ہے۔۔۔۔؟"

"ارے بھئی صوفی جی یا مولوی صاحب۔ یہ تو اپنے آپ کو صوفی نورالدین کہتا ہے۔ صوفی نورالدین۔ صوفی نورالدین۔ صوفی نورالدین"

اب مولوی صاحب بولے "خود دیکھ لو بھیا! ابھی ابھی پہلے کوئی "الف اللہ میم محمد رضا تسلیم" ورد کر رہا تھا اب تمہارے صوفی کہنے پہ صوفی نورالدین کی رٹ شروع ہو گئی ہے۔"

اب ہمت کر کے ایک آدمی قریب آ گیا اپنی رائے دینے لگا۔

"تاؤ! مجھے تو کوئی کھوپڑی سے کھسکا ہوا لگتا ہے۔۔۔۔"

ایک اور بولا "ہاں بھیا! آج کل یہ مغز کی بیماری عام ہوتے ہیں اپنے جنن کا لونڈا بھی اسی کی وجہ سے تباہی کے ہے۔۔۔۔"

بہر حال ان تین چار شریف آدمیوں نے مجھے سمیٹ سمٹا کر چٹائی پہ لٹا دیا۔ اسکے والے مٹی کے کولے سے پانی لے کر میرے منہ پہ دو چار چھپاکے مارے۔ ایک تکوے سہلانے بیٹھ گیا ایک پیچھے کمر اور شانے دبانے لگا۔ مولوی صاحب نے زیر لب کچھ پڑھ کر دو چار سری سی پھونکیں بھی ماریں۔ ظاہر ہے ان کی خاطر تو اثر پہ مجھے اب ہوش میں آ جانا چاہئے تھا اور میں آ گیا بھلا باقاعدہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہنس ہنس کے اپنے گرد لگے ہوئے تماشے کو دیکھنے لگا۔ وہ پہلے والا بوڑھا مجھے دیکھتے ہوئے انکشاف کرنے لگا۔

"صوفی جی! مجھے تو یہ کوئی والے لگتا ہے۔ یہ تو جنم کا لونڈا لگتا ہے۔ یہ کوئی بھشیر وادھر ہی نہیں رہتا ہے۔

UrduPhoto.com

[illegible] ادھر آیا ہوگا۔ مجھ کو بھی پرانی مرگی کی شکایت ہے۔ بھئی بھیا! باپ پہ پوت پتا پہ گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا۔" وہ اپنا پرانا جوتا اتارتے ہوئے بولا۔ "یہ اسے سنگھا دو ابھی وہ ہوش پکڑ لے گا۔"

ادھر میں نے جوتے کی جو حالت دیکھی تو پورے پورے ہوش پکڑ لئے۔ میں نے باقاعدہ مولوی صاحب کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا۔

"اللہ کی قسم! میں مجھ حجام کو جانتا تک نہیں اور نہ ہی مجھے مرگی کے دورے پڑتے ہیں۔ میں تو صوفی نوردین صاحب کو تلاش کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ بس تھکاوٹ اور پریشانی کی وجہ سے مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا.....؟"

اب پھر وہی ہوتی سنگھانے کا مشورہ دینے والا بوڑھا بولا۔

"یہ صوفی نوردین نورجہاں والے تو نہیں....."

"نورجہاں والے.....!" میں نے زیرلب دہرایا اور فوراً ان کی غلط فہمی رفع کرتے ہوئے کہا۔ "میں تو طلبہ جانے والے نہیں۔ وہ تو تسلیم و رضا والے صوفی صاحب ہیں۔"

بوڑھے نے میری بات کا مزہ لے کر زور سے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے مجھے ایک دھول جمائی پھر بولا۔

"آؤ بھیا! میں تمہیں ان کا راستہ بتاتا ہوں۔"

اس کو کہتے ہوئے اس نے زمین سے کرارا اور کھجور میں اٹھا کر میں راستے میں پھر کھا لیا۔

"بزرگوار! میں نے صوفی نوردین کے پاس جانا ہے۔ آپ مجھے کسی غلط صوفی نوردین کے پاس لے جا رہے ہیں۔ ان کا میڈم نورجہاں سے کوئی تعلق نہیں۔"

وہ میری بات کو سنی ان سنی کرتا ہوا بوری لاپروائی سے بولا۔

"بھیا! تم باؤلے ہو۔ میں خوب جانوں کہ تمہیں مرگی کی تھوڑی بہت کسر ضرور ہے اور نورجہاں سے بھی تمہارا کچھ نہ کچھ تعلق موجود ہے۔"

"میری اس بات سے نورجہاں اور مرگی کا کیا تعلق بنتا ہے؟"

میں نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا تو وہ دو قدم آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"تم نے دو مرتبہ کہا کہ صوفی نوردین کا نورجہاں سے کوئی تعلق نہیں جبکہ دوسری بار نورجہاں سے تم نے یہ کہا کہ وہ تسلیم و رضا والے ہیں تو یہ بالکل درست ہے۔ اب بولو کہ تم نے نورجہاں والے صوفی نوردین کے پاس جانا ہے یا تسلیم رضا کے۔ تسلیم و رضا ان کے دونوں بیٹے ان کے ساتھ ہی کام

UrduPhoto.com

کرتے ہیں۔ ان سے بھی مل لینا۔"

میں پھر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کون سے تسلیم و رضا بتا رہے ہیں؟ ... اب کے اس بوڑھے نے مضبوطی سے میری کلائی پکڑتے ہوئے اتنی سی پائی اور کہا۔

"بچے! اگر اب تم نے کوئی مرگی والی حرکت کی تو ایک جھاپڑ جما دوں گا... ٹھنڈے ٹھنڈے نرام سناٹے تک چلتے چلو۔ میں کنڈیکٹر کو سمجھا دوں گا وہ تمہیں نیپیئر روڈ کے پاس اتار دے گا۔ وہاں کسی بھلے مانس سے دار السلام ہوٹل کا معلوم کر لینا۔ اس ہوٹل کے پاس پہنچ کر کسی سے صوفی نور دین کی بجائے نور جہاں خرادیہ کا پوچھ لینا تمہیں انہیں تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی ... وہاں پہنچ کر میرا سلام بھی کہنا کہ مطیع الرحمن آشفتہ ابلاوی نے سلام عرض کیا ہے۔"

● آواز دے کہاں ہے.....!

واقعی مجھے وہاں پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ... بعد میں ٹھیک ان کی ... کے پیچھے تھا۔ ایک پرانی ... ایک درمیانی ... ایک چھوٹی سی خراد مشین نصب تھی۔ مشین کے عین اوپر ایک پہیہ گھوم رہا تھا جس پر چمڑے کی بیلٹ اس مشین کو چلا رہی تھی۔ جب اس مشین کی ذرا روکنے کی ضرورت ہوتی تو اوپر لگے ہوئے لیور کو حرکت دی جاتی اور مشین چلتے چلتے رک جاتی۔ مشین کو روکنے والے لیور کے ساتھ ہی ایک پرانا سا لیمپ بیکار سا لٹکا ہوا تھا۔ نور جہاں اپنی آواز میں قوالاپ رہی تھی کہ اگر یہ دونوں "لو" یعنی فوشا اور نور جہاں اس سردی آہنگ و کیفیت والے نغمے کو نہ گاتے تو شاید یہ دونوں "لو" آج فوشا اور نور جہاں نہ ہوتے ... خراد کے پیچھے میں ایک چٹیل کا ... رہا تھا۔ ایک دبلا پتلا لاغر لمبا سا شخص بڑے انہماک اور مشاقی سے فٹ بال میں ہوا بھرنے والے پمپ سے آگے والے نپل بنا رہا تھا۔ میں ایک آڑ لے کر اس پراسرار شخص کو دیکھنے لگا جو میرے اعصاب پر ... گیا تھا۔ سوچنے لگا کہ یہ دیہاتی دار ہا پہلوانوں کی طرح ٹھوڑی پر داڑھی کے نام پر کتنی کے چند بال ... دو دانتوں تلے دبی ادھ بجھی بجھی ہوئی بیڑی۔ الجھا الجھا پریشان سا نور جہاں کے گانے میں ... دوا پانی پیٹ کے ہاتھوں شغل خیال میں کیسا ہوا مجھے بھلا یہ تسلیم و رضا بتلائے گا؟ تب کہیں ... بوڑھے کی بات یاد آئی جس نے اپنا نام شاید مطیع الرحمن شفقت یا آشفتہ آتے شاید گزرا تھا ... شاید ابلاوی بتایا تھا کہ تسلیم اور رضا دونوں بھائی بھی ادھر باپ کے ساتھ ہی کام کرتے ہیں۔

[illegible] کی بات لے کر آیا تھا اور یہاں کون سے تسلیم و رضا تھے؟ اب میں انہیں تلاش کرنے لگا۔ [illegible] کر اندر دیکھا تو واقعی خراد مشین کی دوسری جانب دو بچے سے بچے زمین پہ دھرنا دیے [illegible] کر رہے تھے اور ادھر مشین کا شور میڈم کی آواز کے ساتھ ایسے تال میل سے ہم آہنگ [illegible] جیسے یہ مشین بھی آرکسٹرا کا ایک نمایاں ساز ہو۔ اس نغمے میں ایک وجدانی کیفیت بھی موجود ہے مگر [illegible] کا حق لطف و لذت اور لطف لینے کے لئے جذبے کا صحیح معنوں میں "عشق پراگندہ" ہونا [illegible] ہے۔ وہ شہید شوق وصل [illegible] تنہائیوں اور شب خیزیوں کا خوگر ہو تب وہ اس کی اصل روح سے [illegible] ہو سکتا ہے۔

آواز دے کہاں ہے دنیا میری جواں ہے؟
آ رات جا رہی ہے جیسے چاندنی کی بارات جا رہی ہے
چلنے کو اب فلک سے تاروں کا کارواں ہے
دنیا میری جواں ہے

UrduPhoto.com

• [illegible] کا سرمدی نغمہ

[illegible] کا پہلا پہر تھا مگر اس نغمے نے جیسے وقت اور زمان کی ہیئت کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہوا تھا۔ کہتے [illegible] وقت زمان کیفیات [illegible] ہیں اور صرف انہیں کھوجنے برتنے کا ہنر آنا چاہئے۔ انسان چاہے تو وقت کی لگام کھینچ [illegible] کھڑا کر سکتا ہے زمانے کی رفتار کو روک کر اسے پتھر میں کر سکتا ہے۔ ماضی کو پلٹ سکتا ہے [illegible] خاک سے وہی حیات، وہی پھر پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے زیر دو کائنات کے سارے اجزا اپنے [illegible] کر دیتے ہیں۔ یہاں کے اصول، طریقوں اور سرشتوں کو بدل سکتا ہے بس بات وہی ہے کہ اس [illegible] ذرا محنت زیادہ۔ محض نماز روزے حج زکوٰۃ سے ہی کام نہیں بنتا۔ یہ بنیادی فرائض میں شامل [illegible] بات تو آگے ہے۔ وہ ہے خود کو پہچاننا اور پھر اپنے رب کی خوشنودی تک رسائی حاصل کرنا اور اس [illegible] تک پہنچنے کے لئے ہمیں حضور اقدس ﷺ کا راستہ اور قرآن الحکیم کی رہنمائی درکار ہوتی ہے۔ ان [illegible] رسائی کے لئے ہمیں نبی پاک کے وارثوں کا دامن پکڑنا پڑتا ہے اور وہ ہیں اہل بیت اولیائے کرام اور [illegible] بس انہی سے اصناف میں ہمیں قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین قطب الوقت اور [illegible] ملتے

کی جستجو و تلاش رہے گی۔ یہ برگزیدہ سیر انفس ہستیاں ہر زمانے میں موجود ہوتی ہیں کوئی دور وقت ان ذات قدسیہ صفات سے بے بہرہ نہیں ہوتا۔

ان نادر الوجود ہستیوں میں چند ایک اقسام ہیں جیسے کچھ عافیت پسند ہوتے ہیں اور کچھ اذیت خواہ عافیت چار حالتوں میں رہتی ہے۔ انسان گم نامی کی زندگی بسر کرے یہ ممکن نہ ہو تو گوشہ نشین ہو جائے۔ یہ بھی راس نہ آئے تو مکمل چپ اور خاموشی اختیار کرے۔ یہاں بھی بات نہ بنے تو پھر آخری صورت یہی رہ جاتی ہے کہ وہ کسی درویش کے قدموں میں جا بیٹھے یعنی صحبت سعید مجلس صلحاء اختیار کرے۔ اب رہی اذیت پسندی تو اس کی بھی چار ہی حالتیں ہیں۔ اولاً "یہ دنیا اور علائق دنیا میں گھس اور پھنس کر اپنے دینی علمی روحانی اور باطنی مشاغل اور اعمال کو برقرار رکھے اور کسی کو اپنے معاملات کی بھنک تک نہ پڑنے دے۔ ثانیاً یہ صورت اختیار نہ کرے تو دنیا سے اشد ضرورت کے تحت [illegible] اور دینی روحانی مشاغل کی جانب رجوع کرے۔ ثالثاً قطعی تارک الدنیا ہو جائے اور ہمہ تن رجوع من اللہ اور اللہ کی مخلوق کے لئے خود کو وقف کر دے۔ رابعاً صورت سب سے زیادہ اذیت ناک اور مشکل ہوتی ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے اندر گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لے۔ اپنے پاؤں کو کچل چھوڑے۔ جو راستہ سامنے آ جائے اسی کا راہی بن جائے۔ [illegible] خلق خوف ہر تردد سے خود کو ناآشنا کر لے۔ اپنے ظاہر باطن کو مشیت ایزدی کے سپرد کر کے فارغ ہو جائے۔ ترک تعلقات ترک کلمات ترک وطن ترک خود و زیاں۔ جنت و دوزخ تعریف و تذکیر جزا سزا سب کچھ اپنے رب پہ چھوڑ دے۔ شریعت کی پابندی کرے اور اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق کی بھلائی اور اس کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے وقف کر دے۔ اللہ کی زمین کائنات سلطنت میں گھومے۔ ہر چیز پہ غور تجسس اور تفکر کرے۔ اپنی ضرورتوں کو کم سے کم اور اپنے لئے رزق حلال خود اپنے دست و بازو سے کمائے۔ کسی سے کسی دنیاوی چیز کا طلبگار اور خواہشمند نہ ہو۔ ادنیٰ سے ادنیٰ کام اپنے ہاتھوں سرانجام دینے میں عار و جھجک محسوس نہ کرے۔ چھوٹی بڑی ہر قسم کی علت کی ذلت سے خود کو بچائے رکھے۔ کچھ اللہ والے اس مقام سے بھی دو قدم آگے ہوتے ہیں ان کا باوا آدم ہی نرالا ہوتا ہے۔ یہ بظاہر حدود شریعت سے باہر نظر آتے ہیں۔ ان میں وہ ہر علت حد اور حرکت دکھائی دیتی ہے جو کسی کو فاسق فاجر اور فارغ وفا ترالدین کہلانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ان کے پیش نظر شاید یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل کرو جو اچھائی نیکی اور راستی کی ضد ہو تاکہ تم دنیا کے شر اور نگاہوں سے خود کو بچا سکو۔ یعنی ناپسندیدہ کام و حرکات کا ارتکاب کرو اور اچھائیاں نیکیاں بھلائیاں دیگر عبادت کو پردۂ نہاں میں رکھو تاکہ تکبر غرور دکھاوے اور ریا کی ظاہرات سے محفوظ رہ

UrduPhoto.com

[illegible] کو دکھانے کے لئے نمازیں مت پڑھو۔ نیکیاں بھلائیاں اس لئے مت کرو کہ لوگ تمہیں مخیر اور [illegible] کہیں۔ تسبیح داڑھیاں ماتھے کے نشان مت اچھالو۔ یہ سب چھپانے کی چیزیں ہیں انہیں خالص اپنے [illegible] کے لئے رکھو کہ وہی سب عبادتوں تعریفوں تعظیموں اور تکریموں کے لائق ہے۔ قتیل کہتے ہیں ؎

دل میں رکھنے کی چیز ہے غم عشق
اس کو ہرگز نہ برملا کہیے

جیسے اگر کسی کو خیرات زکوٰۃ دو کسی کی مدد کرو تو ایسے کہ دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ کسی پہ احسان کرو تو [illegible] مت کیا نہ ہو کہ تم اجر سے محروم کر دیئے جاؤ۔ لوگوں پہ احسان کرو تاکہ کل وہ مالک کل تم پہ بھی اپنا [illegible] کرے۔ بھوکوں کو کھانا پیاسوں کو پانی مستحق حاجت مندوں کی حاجت روائی یتیموں کے سروں پہ [illegible] خدمت اور عزت کرنے والوں پہ مہربان رہو تاکہ تم دین و دنیا میں فلاح پاؤ۔ بیشک وہ نیتوں کی [illegible] جاننے والا ہے۔ یہ ملامتی لوگ بظاہر ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ دیکھنے والے ان کے بارے میں [illegible] رائے قائم نہیں کرتا۔ بظاہر مست نشے میں ذہنی بے نمازی گندے پلید اور جاہل دکھائی [illegible] ہیں مگر خبردار رہو کہ یہ بڑے دانا اور اندر سے بڑے پختہ ہوتے ہیں۔ ان سے زیادہ عقلمند ہوشیار دانا [illegible] ہوگا کہ دنیا [illegible] ظاہر ہوتے ہیں۔

[illegible] کی نادانیاں دنیا والوں کو ہی لوٹا کر اور ان سے اپنے لئے لعن طعن لے کر بڑے خوش ہوتے ہیں تاکہ [illegible] دنیا انہیں برا کہے اور اچھا مالک و خالق ان سے راضی رہے۔ یہ حال مست ابدال مست ہست مست [illegible] مست کچھ مشاہدہ ذات میں کھوئے ہوئے ہوتے ہیں کچھ مظاہر کائنات میں گم ہوتے ہیں اور کچھ [illegible] حق میں محو ہوتے ہیں۔ ان مقامات اور مدارج پہ یہ دنیا ان کے لئے ایک پشہ کے برابر بھی [illegible] نہیں رکھتی چہ جائیکہ وہ دنیا کو دیکھیں اور دنیاداروں کی پرواہ کریں۔ یہ کچھ احوال و احوال اس غرض سے [illegible] کیا گیا تاکہ جن بزرگوں اور مست الست اللہ کے بندوں کا ذکر ہوا کچھ ان کے بارے میں سمجھا جا [illegible]۔ ایک اور سوال بھی ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ آخر میرے ساتھ ہی کیوں پیش آتا تھا یا [illegible] کیوں نشانے پہ تھا؟ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ایک تو یہ واقعات مختلف اوقات اور ادوار کا احاطہ کئے [illegible] ہیں۔ دوسرے یہ کہ غلیظ یا گندی چیز پہ ہی مکھی بیٹھتی ہے خوبصورتی پہ اچھی بری نظر لگتی ہے۔ جس [illegible] کا کوئی تل کسی موزوں جگہ پہ بہار دکھا رہا ہوگا تو ہر کوئی نگاہ جما کر اس کی زیارت کرے گا۔ کسی [illegible] نقشہ نین زلفیں قد و قامت گفتار رفتار میں کوئی گونا گوں خیر و خوبی ہوگی تو لوگ بھی اس خوباں کو [illegible] دیکھیں گے۔ میری پیشانی اور پیش ذات میں بھی کچھ "ذوات شریفہ" نے کچھ اشرفیاں ضرور خوبی

UrduPhoto.com

ہوتی تھیں بس جو ہری اسے دیکھ لیتے تھے۔ یہ کمپیوٹر یہ وائرلیس کارڈلیس انٹرنیٹ ای میل فیکس موبائل اور کام آج ایجاد ہوئے ہیں مگر یہ تو روز اول سے کام کر رہے ہیں۔ انسانی گرفت و دانست میں بڑی معمولی مقدار میں آج آئے ہیں اور ہم بڑے اینٹھتے پھرتے ہیں کہ ہم نے بڑی ترقی کر لی۔ اس سے کہیں زیادہ عروج و ترقی تو یونانیوں مصریوں سمیریوں بابلیوں آشوریوں فارسیوں اور عربوں کے بچوں نے صدیوں پہلے حاصل کر لی تھی۔ بڑے بڑے ہیئت اور ریاضی دان کیمیا دان حکمت دان ماہر نجوم اور فلاسفر آج بھی موجود ہیں لیکن فیثا غورث فارابی افلاطون سقراط بقراط ابن الہیثم ابن سینا عمر خیام ابن رشد لقمان جیسا کیا آج کوئی ہے؟ فقیروں درویشوں کے دروں سے گئے آج کے سائنس دانوں سے زیادہ علم و ادراک رکھتے تھے اور رکھتے ہیں ان کے غلاموں کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ درویش کو چپ مار جاتی ہے۔ کرامتیں معجزے تصرفات غیبی اظہار ذات وصفات وہ کبھی صاحب نہیں لاتا اس معاملے میں وہ اجتناب واجب برتتا ہے۔ وہ جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں اس کا راستہ کھوٹا کرنے والی ہیں۔ وہ مشیت ایزدی کے آگے دخل در معقولات نہیں کرتا راضی برضا رہنا ہی اس کا مقصد و منتہا ہوتا ہے۔

UrduPhoto.com

• تسلیم و رضا ریت اور ہم.....

بات صوفی گوہر اور نور جہاں کی ہو رہی تھی جو خرا مشین پہ کام بھی کر رہے تھے اور نور جہاں کے نخرے سے بھی محظوظ ہو رہے تھے۔ تسلیم و رضا دونوں اپنی دکان میں بیٹھے کام کر رہے تھے اور میں بیک وقت سامنے دیکھ اور سن بھی رہا تھا اپنے آپ میں ڈوبا ہوا یہ سوچ بھی رہا کہ ان چاروں "نو" کو کس اندر میں سمیٹوں برتوں تولوں کہ بالآخر خیر نکل آئے۔ پہلا "نو" نوشاد کا دوسرا "نو" نور جہاں تیسرا "نو" صوفی نور دین کا اور چوتھا "نو" مجھ ایسے نو آموز نو وارد نو خیز نو گرفتار نو مشق اور جاہل بلہ نے کا۔ سوچ رہا تھا کہ ادھر کا ختم ہو تو ادھر میں اپنا راگ کہیں سے شروع کروں۔ اسی دوران ایک چائے والا لونڈا ایک کندی سی چینک تین چار کاس اور ایک روغنی کاغذ میں لپٹے ہوئے ہوا کیک لے کر دوکان میں داخل ہوا۔ میں سنبھل گیا کہ لو اب صوفی صاحب مشین بند کر دیں گے اور چائے پئیں گے اور اس دوران میں بھی اپنا پتہ تل لوں گا مگر تو یہ دیکھئے کہ وہاں کچھ ہوا ہو۔ لونڈا چائے کیک لوہے کی ایک لنگڑی سی کرسی پہ دھر کر چلا گیا تھا۔ چینک کی ٹونٹی میں اخباری کاغذ کی چھریری سی گھسی ہوئی نظر آ رہی تھی کاسوں کے کئی ایک کیک دوالے ہو گئے اور دو چار دس منٹ اوپر نیچے گزر گئے ..... یار رازق! یہ لوگ چائے کیک کی جانب متوجہ

کیا کیا ہوتے" چائے جو شاید دو ہاتھ کے لئے یہاں دھری ہوئی ہے؟" ... وہ رو کر تا ہوا آ رہا تھا کہ گھٹنے سے کھیس کے اوپر والے لیور پہ اتنا سا ہاتھ پڑا" کاروان شوق" رک سا گیا تھا اور ادھر میں ابھی دوران خون تیز ہو گیا کہ دیکھیں اب کیا پردۂ غیب سے ظہور پذیر ہوتا ہے؟ ... صوفی صاحب آستین جو ہلا اس کر کھیس کی حدود سے یوں باہر نکلے جیسے خشک سالی کی زد میں آئے ہوئے نیستاں میں اچانک شیر اپنے کچھار سے نکلتا ہے پیچھے پیچھے شیر کے چھوٹے چھوٹے "شیر خانے" یعنی تسلیم و رضا بھی نکل آئے۔ میلے چیکٹ کپڑے پہنے دونوں شہزادے مؤدب سے صوفی صاحب کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ صوفی صاحب نے گھٹنے کی چھوٹی چھوٹی گلاسوں میں شربتی سی چائے انڈیلی' کیک کا ٹکڑا سرکایا اور یہیں میری زبان تالو سے چپکنے لگی تھی۔ لاکھ پیٹ بھرا ہوا ہو پھر بھی کیس کھانے پینے کی کوئی چیز سامنے دکھائی پڑ جائے تو [illegible] زبان گیلی ہونے لگتی ہے اور چائے پھر تو اپنی کیس یہ تو مشروب ہی ایسا ہے کہ جسے چسکنے کے لئے کسی [illegible] یا طبیعت کی خرابی کی قطعی ضرورت نہیں۔ نیند' موت اور صوم و صلوٰۃ کے علاوہ ہر وقت ہر جگہ پیا جا سکتا ہے ... اب چائے سامنے دھری ہے' کیک کے ٹکڑے بھی کاغذ پہ پڑے ہیں۔ تینوں چپ چاپ دبے ہیں [illegible] کھا رہے ہیں۔ میں ٹکٹکی باندھے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ معاً مجھے محسوس ہوا کہ چائے [illegible] تین ہی ہیں جبکہ کپ کے لوازم کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ یہ دیکھ کر میری تو آنکھیں [illegible] کہ یہاں بندے تو تین ہیں یہ چار گلاس اور کیک! ... یہی سوچتے سوچتے میں نے جو نظریں اوپر [illegible] تو دیکھا کہ صوفی صاحب میری جانب ہی دیکھ رہے ہیں۔ ان کی نظریں مجھے جیسے کہہ رہی ہوں [illegible] "اب اوچاک گریباں والے [illegible] زوری کھینچنے سے کانا تھی ہوئی [illegible] زوری کی جانب بے اختیار کھنچی چلی جاتی ہے۔ اب میں سلام کرنے کے بعد سکول سے بھاگے ہوئے [illegible] لڑکے کی مانند ان کے روبرو سر جھکائے ہوئے کھڑا تھا۔ مجھے نگاہوں سے نکالتے ہوئے انہوں نے "وعلیکم السلام" اس طرح نکالے نکالے کرتے ہوئے کہا جیسے کوئی قرضدار قرض خواہ کو قرض کی رقم [illegible] میں برباد کر کے دیتا ہے ... چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شیر کی دھاڑ سی سنائی دی۔

"یہ چائے اور کیک ٹھونسو گے بھی یا یونہی اتنی بڑے بڑے عمارت کرواؤ گے"

میں نے بڑبڑا کر کانپتے ہاتھوں سے گلاس پکڑ کر چائے سڑکنا شروع کر دی ... وہ کیک بڑھاتے ہوئے اب قدرے نرمی سے بولے۔

"لو یہ بھی کھاؤ....."

دونوں تسلیم و رضا بھی کیک کے ٹکڑے چائے میں بھگو بھگو کر کھانے لگے۔ میں نے چائے کی گلاس

کو مضبوطی سے گرفت میں لے رکھا تھا' مبادا صوفی جی کی کسی وجاڑ سے کہیں ہاتھ سے چھوٹ جائے کراچی کے لوگوں کی طرح یہاں کی چائے بھی مختلف ہوتی ہے۔ پنجاب میں تو چائے کو صرف چند ابالے دیئے جاتے ہیں جبکہ کراچی میں چائے کو خوب رڑکا اور پھینٹا لگایا جاتا ہے کیونکہ یہ اکثر پوڈر والے دودھ سے بنائی جاتی ہے۔ اس کی پھکی اور پھٹے دودھ جیسے سواد کو مارنے کے لئے شاید اس میں قلمی چینی اور پھٹ پوتاش بھی ملائی جاتی ہو جبکہ آدھ انچ موٹی ملائی والی سنگھاڑا پوڈر چائے چینک سے باہر یعنی گلاس یا پیالوں میں ملتی ہے۔ کراچی کی چائے کا ذائقہ یوں سمجھئے کہ آپ نے دیواروں والے ایکوریم پینٹ کے نیم خالی ڈبے میں پورا چائے چمچہ چینی کے نام کا تکلف بھی برتا اور پھر چولہے پہ ایک آدھ جوش بھی دے دیا۔ پھر وہ تلخ نوش جان کر لی تو جانئے کہ آپ نے کراچی کی چائے پینے کا اعزاز حاصل کر لیا' بس بھئی احتیاط یہ ملحوظ رکھ لیں کہ رنگ والی [illegible] ہو۔ خدانخواستہ اگر دبا گلابی یا [illegible] رنگوں والا نکل آیا تو عین ممکن ہے کہ وہاں کشمیری یا چنچیانی چائے بن جائے [illegible] چھوٹی چھوٹی گلاسیوں میں بمشکل دو دو گھونٹ چائے کہ گلے سے حلق تک گیلا نہ ہو۔ اگر یہی دو گھونٹ گرم گرم ہوں تو تب بھی چار چار چسکیوں سے چائے نوش' چائے نوشی کا چسکہ پورا کر لیتے ہیں اور اگر یہی دو گھونٹ [illegible] چائے اپنی ٹھنڈی کو انتہیں [illegible] چائے کے نام کے دو گھونٹ کسی مجبور معذور اور مفروض کے جذبات کے طرح ٹھنڈے ٹھار ہو چکے تھے۔ میں تو خیر انہیں صوفی صاحب کے مزاج و مقام کی گرمی اور ٹھنڈی کی آمیزش سے بہر طور پی گیا جبکہ تسلیم و رضا بھی چپ چاپ بے حس و بے زبان سے اپنی اپنی گلابیاں ختم کر گئے۔ چائے اور بسکٹ کا ملغوبہ پیٹ میں اتر چکے تھے۔ تسلیم و رضا اٹھے اور دوکان کے اندر اپنے اپنے ٹھکانے پہ چلے گئے۔ میں کسی ہوئی یا نکاح خواں کے آگے بیٹھے ہوئے پینڈو کی طرح اپنی پت کو پتلا کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ صوفی صاحب نے کان میں آدھی بھری بیڑی سلگالی ...!

دنیا میں جتنی بھی علتیں اور نشے "دھواں کش" اور "انگارس" قسم کے ہیں' میری دانست میں ان میں سب سے کثیر المقاصد ہونے یا علت ہے' وہ پتا بیڑی ہے کہ دھڑی میں بیڑیوں کی گٹھڑی لی جائے پوروں سے پتے کو کھول لو تو مغز کھنگ جتنا تمباکو بھی ہاتھ نہ لگے۔ پتے کے ٹکڑے کو پھیلا کر دیکھو تو تمباکو کے پتے کا رقبہ بھی برآمد نہ ہو۔ اسے شعلہ دکھا کر دبکا لو تو ہونٹوں کو "زہریلی" کرتے ہوئے دل سے لگتی ہے' دم احتیاط سے کھینچنا پڑتا ہے کہ کہیں معصومہ کا دم ہی نہ نکل جائے۔ اسی لئے علی الصباح کریم النفس دم کش حضرات اس کے تختی سے بندھوں کو جلتی ہوئی ماچس کی تیلی سے چھیڑ کر کھولتے ہیں۔

UrduPhoto.com

[illegible] کا منہ شرم سے گلنار ہو جاتا ہے تو پھر بڑے پیار سے وہ چارتا بڑ تو ختم کے بوسے لے کر اسے اپنی [illegible] میں اتار لیتے ہیں۔ یہ کان میں اڑسی ہوئی "گل لکھنی" کی بھینی بھینی مہک ہے "صاحب ام مارو [illegible] جان کو مفلوظ معطر کرتی رہتی ہے۔ یقین جانیں کہ اسے ہونٹوں سے لگانے [illegible] دبانے [illegible] سے مطلق کوئی نقصان یا اندیشۂ بی وسرطان نہیں ہوتا کیونکہ اس [illegible] میں وہ [illegible] نہیں ہوتا جو پھیپھڑوں پھیپھڑوں کی چھوز پھاڑ کرے۔ بیڑی اپنے خفیف وخجیف وجود میں [illegible] بھی رکھتی ہے۔ ادھ جلی بیڑی کے بن جلے حصے سے کان کا میل آسانی سے باہر آ جاتا ہے [illegible] سے آپ دانتوں میں پھنسے ہوئے ہوئی اوجڑی کے ریشے نکال سکتے ہیں جو حلیم کھاتے ہوئے [illegible] دانتوں میں پھنسے رہ گئے تھے انگلوں اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کھجلی خارش کا سدباب کیا جا [illegible] کراچی کے مشہور شہنائی نواز استاد [illegible] ادھ جلی بیڑی سے شہنائی میں [illegible] "پیپ" کا کام بھی لے لیا کرتے تھے۔ مرحوم کہا کرتے تھے [illegible] جلی بیڑی سے شہنائی [illegible] بجتی ہے۔ پرانے بوڑھے کہتے ہیں کہ آنکھوں میں اندھراتا ہوا پڑوال پڑتے ہوئے پھولے متورم [illegible] محنت پکڑتے ہوں ڈورے کھنچ تو رہے ہوں [illegible] پرانے کھوسٹ [illegible] اور بھی بیڑی [illegible] اگر پکوڑی پکڑ کیا ہو تو رات ہوتے سے اس بیڑی کے کوئے کو دونوں آنکھوں میں ایک [illegible] سے دوسرے کونے تک پھیر لیا جائے تو آنکھوں کی ہمہ عوارض کے لئے اکسیر اور مجرب ہے۔

[illegible] دراصل صوفی صاحب کی بیڑی سے شروع ہوئی تھی اور [illegible] یہاں تک آ پہنچی۔ ان کا [illegible] بھی بیڑی کے دھوئیں سے ہی معلوم ہوا ورنہ میں تو گردن ڈالے اپنے پاؤں کے گندے بڑھے [illegible] دیکھ رہا تھا۔ بیڑی کا پھکی بھر تمباکو تو شاید پہلے ایک آدھ کش میں ہی بھسم ہو جاتا ہے باقی سوا [illegible] کے پانی کی طرح خالی خشک پتے کے چھلکے کا ہی ہوتا ہے۔ بیڑی باز بھی جان گیا ہوتا ہے کہ [illegible] ملت مارنے کی عادت پوری کر رہا ہوں اندر سے اصل میں تمک گئی ہوئی ہے۔ صوفی صاحب [illegible] شاید بیڑی کا وہ جلتا انگلیوں میں مسل دیا تھا جس کے بارے میں سائنس دان انگشت بدنداں [illegible] بیڑی باز یہ ڈیڑھ دو سینٹی میٹر بیڑی کا سلگتا ہوا ٹکڑا پکڑتے کس طرح ہیں اور اسے ہونٹوں سے لگا کر [illegible] کھینچتے ہیں؟

"ابے لمڈے! کیا پاؤں تلے تیل نکل آیا ہے جو برابر دیکھے جاوے ہو [illegible]؟" اک دم انہوں نے [illegible] داغ دیا تھا۔

"نا..... ناخن دیکھ رہا ہوں....."

میں نے بھی بنا سوچے سمجھے وہی بتا دیا جو میں دیکھ رہا تھا۔ وہ میرا جواب سن کر یوں بھڑکے جیسے شرلی پٹاخا آگ دکھانے سے بھڑک اٹھتا ہے۔

"نالائق، نابہار، نامعقول! تم "نا" ہی کا نذرانہ لے کر آئے ہو، "ن" ہی ٹھنڈا ہوا ہے میرے نصیبوں میں۔ جواب کیا دیا "نا۔ ناخن" پہلے ہی "نا!" ۔۔۔ تمہیں تو "ج" کہنے سیکھنے کے لئے ادھر بھیجا تھا۔"

میں نے حواس باختہ سا ہو کر جواب دیا۔ "نہیں جی میں نے "نا" نہیں کی ۔۔۔ ناخن کہا تھا۔"

انہوں نے زور سے زانو پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"ناخف! پھر نہیں کہا۔ ابے نا جو! ناخن میں پہلے "نا" ہی آتا ہے۔"

اب میں اپنے الفاظ پہ غور کرنے لگا، واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"جی میں ۔۔۔"

اب انہوں نے دوسرا سوال داغ دیا۔

"ہائے کیا کروں۔ آج تو یہی پکچر ہے ۔۔۔ نومبر کا مہینہ، نو تاریخ۔ یہ نو بجے کا شو، نور روز بھی کی یہ نومبر دوکان۔ نور جہاں، نوشاد، نوردین ۔۔۔ جانے کیا سمیت تو آنے کا بل!" ۔۔۔ میں اپنی خوار کرنے والی عادت سے مجبور ہو کر پھر بول پڑا۔ "یہ تو سارے "نو" ہی ہیں ۔۔۔ "نا" تو نہیں ہیں صوفی جی۔"

"ہائے ہائے نا علم بچے! اگر محض اے بی سی کا قاعدہ ہی پڑھنے کی تہمت لے لی ہوتی تو آج تمہیں اتنی انگریزی تو سمجھ میں آتی کہ "نو" کا مطلب "نا" ہی ہوتا ہے ۔۔۔ ہائے ہائے کیسے نامحرموں سے واسطہ پڑ گیا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ دیتے ہوئے بولے۔ "اٹھ، سر جھکائے ہوئے حالت میں رخ بدل اور گن کر نو قدم آگے بڑھ اور پھر سر اٹھا، دیکھ کہ کدھر راستہ صاف ہے ۔۔۔ جدھر کو دیکھا یا کبھی پھر ادھر دکھائی پڑا تو بڑی پٹی ایک کر دوں گا۔"

کیا ستارہ ہے کہ گردش سے نکلتا ہی نہیں ۔۔۔ اے مالک ارض و سما! بے شک تیری سخاوت وسیع ہے، اس میں بے سہاروں کے لئے بڑی گنجائشیں ہیں۔ تو میرے حال پہ رحم فرما ۔۔۔ اب میں نے من و عن وہی کیا جو صوفی جی نے بتایا تھا۔ سر جھکائے ہوئے کھڑے پاؤں پہ پلٹا، نو قدم گن کر آگے بڑھا، سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تو دائیں جانب راستہ صاف ستھرا پایا، ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ فخر کرتا ہوا

نے تو سامنے سے سرپٹ آتی ہوئی گدھا ریڑھی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ بالکل ٹھیک سا ہوا۔ میں نیچے گدھا اوپر۔ گدھا بھی پکی تھا وہ اپنی زبان میں پتہ نہیں کیا کچھ کہتا رہا۔۔۔ وہی ہوا جو اس طرح کی باتوں میں ہوتا ہے کہ لے دے زخمی ہوتا ہے۔ میں تو پہلے ہی بربا' بخار اور بخران سے ہلکان تھا میرا تو نجر کس نکل گیا۔ پنڈلی سے کھی چھیلے گئے' ایک دو رگڑیں پیٹ پہ بھی پڑیں باقی بچا ہو گیا۔ گدھا گاڑی کے "ڈرائیور بچی" نے گلے ازدیق آ کی تھماتے ہوئے کہا۔

"گلدی یا زیوڑیاں لگے لئے ہے اور آئندہ سمجھداری سے کام لینا' گدھا ریڑھی والوں سے آگی ہی ملے گی۔۔۔ آئندہ پروگرام ہو تو کوئی اچھی سی گاڑی دیکھنا لیکن اس کے آگے گدھا نہیں بلکہ فور سلنڈر ہونا چاہئے۔۔۔ سمجھے!" پھر آنکھ دبا کر رازداری کے انداز میں کہنے لگا۔ "اگر موٹر چلانے والی کوئی میم ہو تو دو چار روپے مرہم پٹی کے لئے مل جاتے ہیں۔۔۔" پھر وہ مجھے پچکارتے ہوئے پوچھنے لگا۔ "تمہارا باپ اور بھائی بھی یہی دھندا کرتے ہوں گے' کل ان سے پوچھ کر دھندے پہ نکلنا کہ شب بازی زبڑ کا کیا ریٹ ہے۔ ادھر تو یہی اکنی دونی ہے۔"

وہ مجھے حیران و ششدر سا چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ میں پیچھے سے آیا پھر میں دوکان کے سامنے رہا۔ جوں ہی صاحب نے بوجھ پھر کر دیکھا تو مارے غصب کے خراد بند کر کے باہر نکل آئے' آستین چڑھا کر کہنے لگے۔

"نابچار! پھر گاؤں کی مانند تھوبڑا اٹھائے چلا آیا ہے؟۔۔۔ سنا نہیں تھا جو میں نے کہا تھا کہ اگر دوبارہ ادھر رخ کیا تو بڑی پسلی ایک کر دوں گا۔"

میں نے ان کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی آستین اور پائنچے چڑھا کر بازو اور ٹانگ ننگے کر کے سامنے کر دیئے۔ ٹانگ پہ کھوتے کے کھر سے ایک لمبا سا سرخ نیلا نشان پڑا ہوا تھا جبکہ بازو اور گھٹنے پہ رگڑ سے ابھرے خون کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے' کالی قمیض اور پائنچے پہ جا بجا دھبے بھی پڑے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ میں یوں دکھا رہا تھا جیسے کوئی اپنی اعلیٰ کارکردگی دکھا کر کسی انعام و تحسین کا مستحق ہوتا ہے اور وہ بھی یوں ملاحظہ کر رہے تھے جیسے کسی نئے ناواقف درزی کے ہاں اپنے سلے ہوئے کپڑوں کی جانچ پڑتال کا تر پالی دیکھ رہے ہوں قدرے تکلف سے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"نیکی لاگے! ناخن کی بجائے "آخون" کہتے ہوئے بھیا آتی تھی یا پتھر راہ میں پڑتے تھے؟" میرے لئے راستہ چھوڑتے ہوئے بولے۔ "آ جا اندر' نہ تو تے' نکلے' نکلے!"

مجھے ایسے کوسنے پڑ رہے تھے جیسے گلی کوچوں میں اپنے گھروں کی چوکھٹوں پہ بیٹھنے والی روایتی مائیں

اپنے اداروں کے لئے لیتی ہیں۔ میں بھی اندر بھتر چھپے چھپے لطف لے رہا تھا ایسا آخون یعنی استاد ہو جو دوست بھی اور دشمن بھی لگے باپ کی ڈانٹ بھی دے اور ماں سی ممتا بھی وار دے کہاں ملتا ہے؟ میں نے ابھی تک ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا بس اب وہی کہے بولے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ ایک پتلی سی پٹی کی پوٹلی بھگو بھگو کر میرے زخموں پہ نچھر بھی لگاتے جا رہے تھے۔

"کوتے پتا نہیں کہاں کہاں سے آ جاتے ہیں" وہ پاؤں کے زخم کو پولے پولے سہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "خدائی مارے گدھے نے پورا گھر ہی چڑھا دیا ہے" پھر وہ میرے سر پہ آ دھول جماتے ہوئے بولے۔ "ماسٹر نے ڈھیل دیدے کھول دیکھ لیتا کہ گدھوا گاڑی آ رہی ہے۔ شرول شپ کھیلنا ہو تو سڑکوں پہ نہیں میدانوں میں کھیلتے ہیں....."

میں کیا جواب دیتا میں تو منہ بند رکھنے کا ارادہ کئے ہوئے تھا ورنہ ان کی بات ہی پلٹ کر دیتا کہ حضرت! آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ منہ اٹھا کر بھاگ لے۔ خبردار جو ہاتھ پلٹایا کہیں دکھائی دیا بڑی لمبی ایک کر دوں گا ..... یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دھول گدی پہ اور پڑی۔

"بالا کے! اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بیچ سڑک پہ کھڑا ہو کر ..... ابے یوم کی دوڑ تو پاتھی پہ بھی بھاگ سکتا تھا ..... گدھوا گاڑی ..... پہ چلے رہی"

دھول دھپے کوتے نچھر مرہم پٹی کر کے انہوں نے پھر مجھے گرم گرم چائے پلائی۔ دو گولیاں اور پانی کا پیالہ دیتے ہوئے کہا۔

"یہ گولیاں دو گھونٹ پانی سے نگل لے اور اندر دو کمرے کے تختے پہ نماز پڑھنے کی چٹائی پہ دو گھڑی سکون لے لے طبیعت بحال ہو جائے گی....."

طبیعت اندر پہنچ کر بحال تو بھلا کیا ہوتی بدحال بہر حال ہو گئی۔ نیچے لکڑی کا تختہ جسم جب بالکل ٹھنڈا پڑا تو زخم اور زخموں کی جگہوں سے ٹیسیں نکلنے لگیں بدن اکڑنے لگا۔ مرے کو مارے شاہ مدار پہلے ہی کئی روز سے مرا مرا یا ہوا تھا اور اب یہاں آتے ہی لوٹے پڑ گئے۔ شہزادے اپنے کام میں مگن تھے۔ انہوں نے نہ تو میری جانب کسی اکتاہٹ سے نگاہ کی اور نہ ہی ہم عمر ہونے کے ناتے کوئی دلچسپی دکھائی۔ ان عمر میں نوعمروں کی طبیعت اور مزاج میں جو فطری چلبلا پن، شرارتیں اور شرارتیں ہوتی ہیں وہ شاید ان میں مرے سے ہی مفقود تھیں یا پھر صوفی صاحب کا رعب داب اور دوکان کا ماحول ہی ایسا تھا کہ کام کے علاوہ کسی اور چیز کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ شہزادوں کی میری جانب پشت تھی اور صوفی صاحب کا سائیڈ۔ کچھ دیر تو میں کٹھوں کی مانند ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر جسم سے جیسے سیک سا نکلنے لگا تھا۔ ایک

UrduPhoto.com

سے بھی تیز کے بلورے سے لگے اور پیروں کے تلوے آپ ہی آپ ہی گرتے۔ ظہر کی نماز سے کچھ پہلے ایک
کے نے مجھے جگایا۔ میرے اٹھ بیٹھتے ہی صوفی صاحب نے مشین بند کرتے ہوئے ہانک لگائی۔

"بھیا! یہ دوکان ہے۔ پنڈت رام دیال کا اتھرا آشرم یا مولوی معز الدین مولوی کا سرائے خانہ
ہے جو پاؤں پسارے لمبی تانے سوئے پڑے ہو۔ اٹھو جاگو موہن پیارے سامنے مسجد میں بڑے
نماز ہو رہی ہے۔"

میرے ابھی حواس ہی سیدھے نہیں ہوئے تھے۔ میں سستی ان سستی کرتے ہوئے ایک دو جمائیاں
لیتے ہوئے پھر نیم دراز سا ہو گیا جیسے اکثر بچے بیدار ہوتے ہوئے کرتے ہیں۔ سونے سے پہلے بیدار حواس
کو تھپک تھپک کر سلانا پڑتا ہے جبکہ بیدار ہونے کے کافی دیر بعد تک سوئے ہوئے اعصاب و حواس
کو احتیاط کر کر اٹھانا پڑتا ہے جبکہ پانی کے چھینٹے اور دستکیاں تک برداشت کرتے بالآخر انہیں
کے سستی ہونے سے پیچھے جاگنا بہر طور بڑا جوکھم کا کام ہے۔ میں یہاں دوکان میں جھول ہی گیا تھا
کہ میں یہاں ہوں کون اور کیا ہوں؟ اپنی ذات اور وقات کا صحیح ادراک ایک عدد پرانے جوتے سے ہوا
جو سب سے پہلے میرے پیروں میں آیا تھا۔ [illegible] جہاں درد کے اثرات
پرانے چمڑے کا ہونا پڑتے ہی میں چلاتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ بیٹھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں
درد غائب ہو گیا تھا اور میں اپنے حواسوں کو جمع کرتے ہوئے ایک ہاتھ ٹکتے زمین پر اور دوجا ہاتھ
ہلاتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اٹھتے اٹھتے صوفی صاحب نے ایک بھرپور ہاتھ مزید جما دیا۔
اس سے قبل کہ یہ دست جفا بھی وہیں پڑا جہاں گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوئے تھے کی اک ہرنے
تھے کر کے رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ تیسرا ہاتھ بھی مجھ پہ پڑتا میں ہلکی سی زقند لگا کر مشین سے ٹکراتا
ان سے باہر تھا۔ اب نہ سمت کا تعین نہ قوت کی ہوش۔ مجھے پاؤں اٹھائے فٹ پاتھ پہ
بھاگے جا رہا تھا اور صوفی صاحب ہوتا لہراتے ہوئے میرے پیچھے پیچھے تھے۔

"گھر کے دکھ کے قطب صاحب کی لات کے بڑاوں کی مانند آدمی اچھلاووں کی طرح
[illegible] ہیں۔ کوئی ہیں تعمیر ورضا سیکھیں گے۔ کہا کہ "ہاں" مت کہنا پر ہاں ہاں ہی رہے جاوے۔
[illegible] اٹھو نماز ہو گئی ہے کیا مجبوری جو بندھی ہیں آئی ہو۔ اٹھو کر دوبارہ لیٹ گیا مردوا۔"

ایسی ہی آوازیں میرے کانوں پڑ رہی تھیں۔ وہ ہانپتے ہانپتے پیچھے رک گئے تھے میں بھی سانس
سستانے کی غرض سے ٹھہر گیا۔ پھر مڑ کر دیکھا تو ہوتے ہوئے ہاتھ ہوا میں لہرا کر مجھے کوسنے دے رہے تھے۔
میں اب چونکہ ان کی دست اندازی سے قدرے باہر تھا اس لئے پاس ہی ایک دوکان کے تھڑے پہ

ہانپتا ہانپتا بیٹھ گیا۔ یہ کسی دھوبی کی دوکان تھی جو سڑک کی جانب رخ رکھے کپڑے استری کر رہا تھا ظاہر ہے کہ اس نے یہ تماشا بھی دوسرے لوگوں کی طرح دیکھا ہوگا۔ اب صوفی صاحب واپس پلٹ رہے تھے مگر، چلتے چلتے بھی مڑ مڑ کر مجھے دیکھتے جاتے تھے اور ہوتے والا ہاتھ ہوا میں اٹھا کر کچھ کہتے بھی جا رہے تھے جو یقیناً یہی کچھ ہوگا کہ اگر تم مجھے پھر اس علاقے یا میری دوکان پہ دکھائی دیئے تو بڑی چپلی ایک کر دوں گا۔ وہ مسجد والی گلی میں مڑے تو میں نے بھی کچھ سکون کا سانس لیا۔ اب میں اپنے کسی اگلے قدم کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ دھوبی پوچھنے لگا۔

"بیٹے! تم پنجاب سے آئے ہو...؟"

"آہو جی" میں نے پیچھے مڑ کر اس پنجابی بولنے والے شخص کو جواب دیا۔

"کس شہر سے آئے ہو؟"

"سیالکوٹ"

"آؤ بیٹھو اندر تک آؤ"

اس شخص نے کچھ ایسی اپنائیت سے یہ دعوت دی کہ مجھے اٹھتے ہی بنی یقیناً وہ بھی سیالکوٹیا ہی تھا۔ دوکان کے اندر [illegible] بیٹھے ہوئے [illegible] کے پیچھے میں یہ شخص کچھ فربہی مائل سا قطعہ مہندی سے رنگے ہوئے بال ویسی ہی سرخ مونچھیں۔ کشادہ پیشانی اور چہرے پہ ہنسوڑ جیسی ہوئی مسکراتی سی آنکھیں۔ وہ خود ہی اپنا تعارف کراتے ہوئے کہنے لگا۔

"پتر! میں کوئی ہیرا منڈی سے ہوں... تم سیالکوٹ شہر کے ہو یا کسی پنڈ سے...؟"

میں نے اسے اپنا مناسب سا تعارف کرا کر پوچھا۔

"چاچا جی! آپ صوفی صاحب کو جانتے ہیں...؟"

وہ سنجیدگی سے انداز میں ایک عجیب سا قہقہہ لگاتے ہوئے بتانے لگا۔

"لاہور سنو... اس صوفی نور جہاں لوں کون نہیں جانداپتر! اسے بدمعزا تے سارے کراچی دے مشہور اے... یہ بتاؤ کہ تم اس کے پاس کیسے پھنس گئے؟"

چاچا کے ریمارکس سن کر میں دوکان سے باہر آ گیا تھڑے سے اترنے لگا تو چاچا استری کا ہاتھ روک کر پوچھنے لگا۔

"کہاں جا رہے ہو... کیا ہوا؟"

"بزرگو! آپ نے صوفی صاحب کو بدمعزا کہا ہے۔ کسی کی پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہیں کہنا چاہئے۔

اللہ والے بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔"

وہ سرخ مونچھوں کے نیچے پھس پھس کرتے ہوئے ہنسنے لگا۔ اس کے ہنسنے کی یوں آواز آ رہی تھی جیسے سائیکل کے پہیے کی ٹیوب سے اک دم والو نکال کر ہوا نکال دی جائے۔

"او نے بچیا! اللہ والے اللہ کا قرآن پڑھتے اور ختم ہیں ہر ویلے نور جہاں دی ریں ریں کرتے ہیں۔ میرا یقین ہے اس نے وصیت کر دی ہوئی کہ جب میرا جنازہ اٹھے تو کلمہ شہادت کی بجائے "کیا مل گیا تھا ان غریبوں کو ستا کے کرداروں کی نگری میں میری آگ لگا کے" بجانا تاکہ میری روح کو سکون پہنچے۔" وہ یہ بتانے لگا۔ "پھر او نے اللہ والے اللہ کے بندوں سے نرمی سے پیش آتے ہیں ہا کا کے کھاتے ہیں۔ یہ لمبے چوڑے تو ناک پہ مکھی تک نہیں بیٹھنے دیتا۔ اس علاقے میں کسی سے اس کی نہیں بنتی نہ کوئی اس کے پاس جاتا ہے اور نہ وہ کسی سے بات کرتا ہے۔ ورتو اور اس نے تو تیرے کو بھی اپنے دو معصوم بچوں کا ہی سہارا کر رکھا ہوا ہے۔"

میں نے اس کی ساری باتیں سنیں مگر کوئی جواب دیے بغیر تھڑے سے نیچے اتر کر پھر کسی انجانی منزل کی جانب چل پڑا۔ نہ علم کہ سامنے والا راستہ کہاں جاتا ہے۔ کون سی راہوں سے گزر کر کہاں تک پہنچاتا ہے۔

خدا نے کس شہ اندر ہمن کو آنے والا ہے
نہ ہمدم ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالہ ہے

ناگہاں بغلی گلی سے اذان کی سریلی صدا بلند ہوئی۔ خیال آیا کہ سونی صاحب نے بھی ظہر کی نماز کا وقت کر دیا تھا۔ قدم خود بخود ہی دائیں گلی کی جانب بڑھ گئے۔ پندرہ بیس قدم آگے ایک چوک تک پہنچا۔ اذان کی آواز تو سنائی دے رہی تھی مگر مسجد کہیں دکھائی نہ دے رہی تھی۔ وہیں پاس سے گزرتے ہوئے ایک سے آدمی سے مسجد کا دریافت کیا۔ اس نے مجھے اور میرے سیاہ لباس کو دیکھتے ہوئے ایک دو گلیاں ادھر پیک سکول کے پاس مسجد کی نشاندہی کر دی۔ سکول کا پوچھتے پوچھتے بالآخر میں مسجد تک پہنچ ہی گیا مگر وہاں تو جماعت کھڑی تھی بلکہ دوسری رکعت شروع تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ جو اذان میں نے سنی تھی وہ کسی اور مسجد سے بلند ہو رہی تھی اور یہ کوئی اور مسجد تھی۔ بہرحال بصد تکلف وضو وغیرہ سے فارغ ہوا تو دوسری جماعت کا رکوع مل گیا لیکن جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ مسجد کسی اور مسلک والوں کی ہے۔ خیر نماز تو نماز ہے۔ ایک ملک عظیم کے لئے ہے۔ مسلک اپنے اپنے اور صوم و صلوٰۃ و تسبیح صرف ایک وحدہ لاشریک کے لئے۔ نماز سے فارغ ہوا چند لمحے سکوت کیا۔ نمازی کب کے رخصت ہو چکے تھے۔ دو چار میرے جیسے

لاوارث، مسکین مصحف کھول کر بیٹھ گئے۔ میں اٹھ آیا باہر نکلا۔ میرا تو دم ہی نکل گیا۔ وہاں اجل کھڑی تھی۔ صوفی صاحب میرے چپل اٹھائے خونی نظروں سے مجھے گھور رہے تھے۔ صاحب زادگان تسلیم و رضا بھی بے رضا و رفیعت نگاہیں روبرو کئے ظل سبحانی کے جلو میں استادہ تھے۔

"میں آپ کے باورچی کا ملازم ہوں جو آپ سرکار کے چپل اٹھائے پیچھے پیچھے لڑھکتا پھروں!" پھر انہوں نے دھڑل سے میرے چپل میرے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے اس نمرود جوت والے دھوبے کو منہ توڑ جواب دے دیا ہوتا تو میں تمہارے چپل تو کیا سو جوتے بھی تمہیں مارنے کے لئے تیار ہوتا۔ وہ دھوبا بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔ بی بی (نورجہاں) کے خلاف ارے اس کی استری کے وہ سیالکوٹی کوئلوں کی بات نہ ہوتی تو آپ کی استری ٹھنڈی ہو گئی ہوتی۔ ہزار آیا تھا میرے خلاف بہکانے والا!"

یہ میرے وہی چپل تھے جو میں افراتفری میں بھاگتے وقت ان کی دوکان پہ ہی چھوڑ آیا تھا اب میں چغدوں کی مانند سر جھکائے کھڑا تھا۔ پھر دھاڑ پڑی۔

"چپل پاؤں پہنے کا یا میں تمہارے کھوپڑے پہ برساؤں!" [illegible] "ہمیں مرچ تیز کی حرکت کرتی ہے۔ پہلے گدھ [illegible] اب مجھ میں [illegible] ہوئے۔ میں پوچھوں ہوں تم میرا پیچھا چھوڑو گے کہ نہیں!" اب آگے بڑھ کر میرا کان پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "تجھے تو میں نالے سے نکال کر لایا تھا لیکن بڑا ہے کیا ہے آخر...؟"

میں چپ چاپ سے منہ بھینچے ہوئے کہ کچھ بھی ہوئے بولوں گا نہیں۔ بڑوں کے آگے بولنا ہی سب سے بڑی برائی ہے بولنے سے ہی بیسیوں بلائیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک چپ سو سکھ۔ میری خاموشی پہ میرے سر پہ اک دھول جماتے ہوئے بولے۔

"منہ میں موہن کا کچھ پڑا ہے جو بولنے نہیں دے رہا۔ بھیا! میں بکواس کر رہا ہوں جو تم جواب میں نالم ٹولا کر رہے ہو...؟"

انہوں نے چابی کی طرح پورا کان مروڑا تو میری چیخ نکل گئی پھر منہ سے بھی نکل گیا۔

"مجھے معاف کر دیں غلطی ہو گئی... بتائیے میں کہاں جاؤں؟ جدھر جاتا ہوں ہر راستہ مجھے آپ کے قدموں میں لا کر پھینک دیتا ہے۔ اب میں نے منہ بند کر لیا ہے میرے منہ سے بھی "ہا" نہیں نکلے گی۔ مجھے تو تسلیم و رضا کے لئے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے اور آپ مجھے..."

وہ مجھے خونخوار نگاہوں سے تولتے ہوئے بولے۔ "یہ دیکھ یہ تیرے سامنے تسلیم و رضا کھڑے ہیں۔

UrduPhoto.com

[illegible] ان کے منہ سے کوئی شبد سنا ہے انہیں بات کرتے ہوئے دیکھا ہے انہیں مسکراتے دیکھا ہے؟"

میں اب منہ سے جواب دینے کی بجائے تربوز جیسا سر دائیں بائیں ہلا کر ان کی بات کی تائید کر رہا تھا۔ اب منہ سے پھر کچھ نکل جاتے۔ شاید اسی سے میری آنکھوں سے کچھ آنسو نکل آئے تھے۔ وہ میرا ہی کاندھا پکڑے کھڑے تھے اور میں اپنے ہاتھ جوڑے جھکا کھڑا تھا۔

زیادہ دیر آنکھوں سے کی کلی چلی ... کان چھوڑتے ہوئے بولے۔

"تجھے تسلیم و رضا سکھانے تجھے میرے ہاں اسی لئے بھیجا گیا ہے نا ...؟" وہ کہے جا رہے تھے اور میں جیسا سر تائید میں ہلا رہا تھا۔ "اچھا ..." جیسے وہ کوئی فیصلہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ "آج رات تک رہتے میرے ہاں تیج ہو رہے ہیں تم بھی عشاء کے بعد وہیں پہنچ جانا"

"جی ... کہاں؟" میرے منہ سے خود بخود نکل گیا۔

"رنگ چڑھے ... وہیں جہاں رات بابا کی گود میں بیٹھا کھا پی رہا تھا۔ کاجو کے تیل کا پھیرا لگا رہا تھا۔ الف لام میم ..."

وہ مجھے ایک دھول جما کر تیزی سے [illegible] چلے گئے تھے۔ [illegible] پاس تھے۔ [illegible] ہوا میں [illegible] ہاتھ [illegible] کھا لیا۔ [illegible] اور جامع مسجد میں نماز پڑھ لی۔ بڑی بڑی بند آنکھیں، تسبیح و عرض شام ایسی بھانت بھانت کے لوگ [illegible] کی زیارتیں۔ کتابوں دان انکی میں بیت گیا۔ مغرب کی نماز میں مسجد میں ادا کی وہاں تو عشاء کی [illegible] کے بعد پہنچنے کا حکم ہوا تھا اور انکی درمیان میں ایک [illegible] پڑا تھا۔ چلتے چلتے پاؤں شل ہو گئے تھے [illegible] بھوک کا احساس ہوا تو وہیں صوفی صاحب کی دوکان کے قریب دارالسلام ہوٹل کا خیال آ گیا۔ [illegible] ہوٹل شور نہ کوئی شرابی۔ اندر داخل ہوتے ہی کاؤنٹر پہ مالک باوقار بڑے وقار سے بیٹھا تھا۔ [illegible] اندر داخل ہوتے ہی بڑی فرحت اور طمانیت کا احساس ہوا۔ خالی ٹیبل کے گرد [illegible] کرسی پہ بیٹھ گیا۔ غیر محسوس انداز سے اردگرد کی میزوں پہ نظر دوڑائی تو اکثر لوگ پائے کھاتے [illegible] بلا کچھ سوچے سمجھے میں نے بھی پائے ہی منگوا لئے۔ اک عرصہ بیت گیا تھا کہ ہوٹل اور اپنی [illegible] کے رنگ کا کھانا نہیں چکھا تھا۔ پائے بھی بڑی لذیذ نعمت ہیں شرط یہ ہے کہ وہ کسی درویش سے [illegible] کے ہوں پائے اور کھانے والے بھی یہی کچھ ہو تو پھر یہ بڑا مزہ دیتے ہیں۔ یوں جانے کہ ایک [illegible] پہ سر قند و بخارا قربان کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مٹھے اور گلی کے درمیان کا ملائی کی مانند نرم مسئلہ [illegible] کھانے کے کام آتا ہے اور پھر دو گلی کے اندر کا شرمیلا لطیفہ سا مولا جو منہ سے کھینچنے کے بعد بھی اگر

UrduPhoto.com

برآمد نہ ہو تو پھر اسے دونوں ہاتھوں کے مکوں سے زبردستی باہر نکالنا پڑتا ہے۔ بڑے کمال کا کھانا ہے۔ بلکہ تجربہ ہے۔ اس ذرا کھانے کے بعد ہاتھ انگلیاں منہ مونچھیں داڑھی کو نجات سے دھونا صاف کرنا پڑتا ہے۔ بات دارالسلام ہوٹل کے پاپوں کی ہو رہی تھی ۔۔۔ ایک کے بعد دوسری پلیٹ اور تلی صاف کر رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ مزے سے لے لے کر کھا تو رہا ہوں جیب میں مل پکانے کے لئے پیسے ہیں کہ نہیں؟ ۔۔۔ ہاتھ کا قلم رکھتے ہوئے میں نے جیب کی تہ پہنچی ہم نکالی چھوٹی بڑی ریزگاری کل ملا کر ایک روپیہ اور ایک پیسہ دکھائی دیئے ۔۔۔ الٰہی تو ہی عزت رکھیو ۔۔۔ بڑا صاف ستھرا قرینے سلیقے کا ہوٹل ہے۔ خدا جانے مل سکتے کا ہو؟ ۔۔۔ اسی الجھن میں باقی ماندہ دو چار لقموں کا سواد بھی مارا گیا۔ خیر اب جو ہو سو ہو۔ جو پیٹ پڑا ہو تو نکلے سے رہا اور جیب میں پڑا اب بڑھنے سے رہا ۔۔۔ اٹھا واش بیسن پہ جا کر ہاتھ منہ دھوئے صاف ستھرے تولیے سے اچھی طرح خشک کئے یہ الگ بات کہ اب مل کے خوف سے میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ ہوٹل کی تشکیل پلی سے کسی نہ کسی طرح کاؤنٹر پہ پہنچ پایا پیچھے سے آواز آئی۔

"مل پلیٹ پاپ ۔۔۔ ایک روپیہ دو آنے" ۔۔۔ میں نے مٹھی بند مٹھی کھول کر آگے کر دی مل کر کے میرے پاس پیسے تھے۔ روپے جیب میں [illegible] کر میں دارالسلام سے باہر نکل آیا۔

UrduPhoto.com

● بازار حسن ۔۔۔!

حاشا مجھے علم نہیں تھا کہ دارالسلام ہوٹل سے باہر نکل کر اگر تھوڑا سا آگے آ کر موڑ پار کریں تو یہ علاقہ نیپیئر روڈ شروع کراچی کا بازار حسن شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بڑا وسیع قدیمی علاقہ ہے۔ اس زمانے میں یہ جگہ بمبئی کے فارس روڈ دہلی کے چاوڑی بازار اور کلکتہ کے سونو بازار حسن کے بعد سب سے مشہور اور بڑی مارکیٹ تھی۔ ناچ گانے قحبہ گری عصمت فروشی اور خام مال کی آمد و رفت خرید و فروخت کا بڑا اہم مرکز تھا۔ تھیٹر اور فلم انڈسٹری کو تازہ تربیت یافتہ کلاکار ایک سے ایک نادر گل اندام چہرے یہیں سے سپلائی کئے جاتے تھے۔ آج بھی آپ کی فلم انڈسٹری کی چند چندے آفتاب چندے ماہتاب عزت مآب ہیروئنز اسی بازار سے تعلق رکھتی ہیں۔ نیپیئر روڈ کے بعد لاہور کی ہیرا منڈی اور حیدرآباد قحبہ گری کے اہم مراکز تھے۔ مجھے اس بازار کی اصل حقیقت اس وقت سمجھ آئی جب میرے کانوں میں گھنگھروؤں کی چھن چھنان چھن اور طبلے کی تڑک دھم دھا دھم تڑک تڑک کی آوازیں پڑیں۔ بڑی بڑی بلند قامت [illegible]

[illegible] کے کمرے بالکونیاں انگنائیں پردے روشنیاں [illegible] اور اذن نظارہ دیتے ہوئے موتی چھوٹے [illegible] دیئے میں بیٹھی سوتے تھامے ہوئی نازیبائیں۔ گھر سے باہر پھول پتی، نوکیلی مونچھوں اور [illegible] والے مجذوب۔ بازار کے دورویہ نیچے اوپر اور اوپر بھی کچھ تھا۔ نیچے کمروں کو کھڑکیوں [illegible] تھیں اوپر طرب و نشاط والیاں۔ میں بے وقوفوں کی طرف [illegible] چار چار دائیں بائیں [illegible] حساب و کتاب دیکھ رہا تھا۔ یہ کچھ ایسا کچھ میں نے پہلے اور بھی دیکھ رکھا تھا۔ یہ کلوٹ [illegible] ہی ایک قصبہ نما کا بازار تھا جسے تیل گھر کہتے تھے کیونکہ یہاں پاس ہی تیل پٹرول کا [illegible] میں کوٹھڑیاں یا کمرے تھے۔ اچھی بڑی کالی چٹی بہت سی پیشہ کمانے والیاں بن سنور کر [illegible] دیہاتیوں کو اشاروں سے پھنساتی رہتی تھیں۔ ہم سکولے ٹریلر کے سکول آتے جاتے ہر روز [illegible] یا کرتے تھے۔ آواز کستے اشارے کرتے مگر یہاں تو باتیں بھی کچھ اور تھی۔ اوپر دیکھتے دیکھتے [illegible] دیکھتے گلی تھی پھول دول گیا کہ میں کون ہوں کہاں ہوں اور مجھے عشق کے جد کہاں جانا ہے۔ [illegible] تھی ہے۔ میری ماں میرے ابا میری چاچی بابا رحمت سائیں نوکر کار اور اپنی چھوٹی نوریں [illegible] دماغ کی چیت بالکل صاف تھی یہ بھی کہ [illegible] ایک چھلاوا سا تھا کہ [illegible] کی [illegible] ہوئے [illegible] نظریں کہاں [illegible] پاؤں پر جا رہا تھا کہ ایک آدمی [illegible] شانے سے شانہ ٹکرایا تھا۔

"[illegible] دم نکالا ہوا ہے یا پٹکی چڑھائی ہوئی ہے!" [illegible] دیکھ رہا ہے ادھر روپے چلتے ہیں۔ [illegible] ہوئی بھی چلے گی

وہ مجھے آنکھ کا کر آگے بڑھ گیا۔ میرے تو پیچھے چھوٹ گئے۔ اس کی بات نے مجھے یہ سوچنے پر [illegible] دیا کہ میں اپنی عمر اور قد و قامت کے حساب سے اس بازار میں سر اٹھا کر چلنے کا ابھی اہل نہیں تھا۔ [illegible] کچا پکا تھا چہرے پر ابھی خط کا نشان تک نہ تھا۔ بظاہر تو یہی کچھ تھا۔ یہ الگ اور بالکل میری ذاتی [illegible] کہ میں اپنے اندر ہی اندر بہت اندر تک نکل گیا تھا اتنا کہ میں خود بھی خود کو روک اور پکڑ نہیں سکتا [illegible] آدمی جس سے میں ٹکرایا تھا مجھے ایک "[illegible]" دے کر کہیں آگے بڑھ چلا تھا مگر میں اب نظریں [illegible] چلنے لگا۔ [illegible] اب ایک اور بھلا آدمی مجھ سے ٹکرایا تھا جو نظریں کہیں اور قدم کہیں [illegible] پہلے انداز میں چل رہا تھا اب میں بولا۔

"بھائی جان! راستہ نظر میں رکھ کر چلو"

وہ کوئی سندھی تھا جو شاید اردو صحیح سے سمجھ بول نہیں سکتا تھا۔ اس نے کچھ کہا میرے پلے نہیں پڑا

کہ تم نیچے دیکھتے ہوئے نیچے آ رہے تھے سامنے دیکھ کر چلو۔ یا اللہ! اوپر دیکھو تو گر نیچے دیکھو تو گر۔ اب سامنے دیکھ کر چلتے ہیں۔ !

سامنے دیکھا تو ایک بجلی کے کھمبے کے ساتھ لگا ایک عجیب سے حلیے کا لڑکا مجھے اشارے سے بلا رہا تھا۔ میں تو ادھر ہی جا رہا تھا اگلے پانچ چھ قدم میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر قدرے دباتے ہوئے بولا۔

"بھیا! کالی کی چھوکری ہے ایک دم فٹ فاٹ انگریزی بھی بولتی ہے۔ صرف چونی اور ایک آنہ میری فیس۔ کیا بولتا ہے؟"

وہ میرا جواب سنے بغیر ہی میرا ہاتھ پکڑے ساتھ والی گلی میں اتر گیا۔ مجھ میں اتنی ہمت بھی نہ ہوئی جو میں اسے کہتا کہ بھائی! میں غلطی سے اس بازار سے گزرنے کی حماقت کر بیٹھا ہوں۔ میں اس راستے کا مسافر نہیں۔ میری جیب دیکھ لو کہیں بھی دم نہیں مگر وہ کشاں کشاں مجھے لیے جا رہا تھا گلی کے کونے پہ ایک کوٹھڑی کے سامنے رک کر بولا۔

"لو! میری اماں مجھے دو۔ وہ سامنے جو طوطے کا پنجرہ والا کھوا ہے اس کی خوبصورتی تمہارا" تجھ کو رہی ہے

میں بمشکل اپنا خشک حلق اپنے کڑوے تھوک سے تر کرتے ہوئے بکلایا۔

"بڑے بھائی! میری جیب میں تو اللہ دام کے دو پیسے ہاتھ پھیرنے کے لئے ہیں بس تم اکنی اور چونی کی بات کرتے ہو۔"

وہ جواباً مجھے سر سے پاؤں تک گھورنے لگا بولا۔

"میرے باپ! تم کھاتی پیتی دو پیسے لے کر ادھر عیاشی مارنے کو آیا ہے۔؟" پھر وہ مجھے سر سے ایک گلی کا نقشہ سمجھاتے ہوئے بتانے لگا۔ "پچھلی تیسری گلی گھوم لو تو سامنے ماتھے پہ کھدڑا گلی ہے آدھی کے بھاؤ سے ادھر ہی ملتے ہیں۔ ادھر تم کسی کا "ٹیم" خراب مت کرو۔"

وہ مجھے ادھر ہی پھینک کر کسی اور اکنی چونی والے کی تلاش میں نکل گیا۔

دارالاسلام کی دو ٹیکیں پانے اب اپنا کام دکھا رہے تھے شدت سے پیاس محسوس ہوئی۔ آس پاس نظر دوڑائی سامنے بند نلکے کے کونے پہ ایک مکانیک ٹپ ٹپ کرتا دکھائی دیا ٹونٹی کی جگہ پکڑا اٹکی ہوئی ایک سوکھی سی مسواک ٹھنسی ہوئی تھی۔ میں آگے بڑھ کر نلکے کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور کسی طرح پیاس بجھانے کا جتن کرنے لگا۔

UrduPhoto.com

• باجے حضوری نہیں منظوری.....!

"سی سی" کوئی "سی سی" کی آواز نکال کر شاید مجھے متوجہ کر رہا تھا۔ بائیں جانب دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا۔ دائیں طرف دیکھا تو سامنے والی کوٹھڑی کے دروازے کی اوٹ میں ایک سنولی سی عورت مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ موٹی موٹی ہوتی ہوئی غلافی آنکھیں گھر ان کے پیچھے بڑے واضح تھے جنہیں چوڑی موٹی سی تہہ سے چھپانے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ بھرا بھرا سا گدرایا جسم شوخ تھا۔ مجھے وہ کوئی بڑی چھوٹی سطح کی پیشہ ور عورت دکھائی دی۔ میں ٹھہرا ازلی پیکا۔ زہریلے کام سے اٹھانے والا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ اور شیر کے منہ میں ہاتھ دینے والا ہر وہ کام اور بات جس میں خطرہ ہو۔ بلاوے رسوائی ذلت اٹھانا کفت اور خرابی میں خود کو گھسیٹ میں ڈالنا اور ہر وہ کام جنہیں میں کی یہ چوکھا ہو تو اسے کون ٹال سکتا ہے۔ کسی آبشار میں بہتے ہوئے سوکھے پتے کی طرح کوئی منزل ... بے اختیار سا اٹھا اور خود سیدھا کر کے اس کی کوٹھڑی کے سامنے پہنچ کر ... اس نے راستہ چھوڑتے ہوئے بڑی معنی خیز مسکراہٹ سے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا اندر ... میں داخل ہو گیا۔ میں بڑی اشتیاق سے اندر داخل ہوا۔ میں اندر داخل ہوا تو پہلے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک دو کی مرغی بند کرنے کا ایک ذرا سا تھا۔ تنگی تاریکی بدبو سیلن اور گھٹن کا احساس ... تو یہ قابل زدہ روشنی کہ سارا تو نجھلی دے مگر خدوخال خال خال ہی نظر آئیں۔ ڈھیلا سا پرانا ... سے دبا ہوا پلنگ جس پہ پھٹی پرانی چادر جیسے کسی سیدھی چادر جیسے کی نمائش ماری گئی تھی کے ... کو کاٹ کاٹ کر بنائی گئی ہو۔ پلنگ کے عین اوپر سندھی کڑھائی کا رنگین بھاری دار ڈوری سے ... کپڑے کا پنکھا کمرے کے ایک کونے والے حصے میں رسی پہ کپڑا ٹانگ کر شاید نہانے دھونے کا ... سے کیا گیا تھا۔ مٹی کا سندھی انداز کا تھوڑا سا مٹکا جو پانی کے لئے بطور حمام ہوتا ہے اور تا حد تک کا بڑا ... پانی سے بھرا ہوا تھا۔ پھر بچوں کی ایک لکڑی کی آرام کرسی جس پہ پھوڑے نکلی ادھڑی ہوئی گدی ... سی بلی بیٹھی نیم باز آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے شاید یہ سوچ رہی تھی کہ یہ چوہا مکتب کی ہوا ... میں کیسے آ نکلا؟ ... اس نے کونے میں رکھے ہوئے ایک کوزے سے شیشے کے گلاس میں پانی ... میری طرف بڑھاتے ہوئے بڑی ادا سے بولی۔

"لو یہ پانی پیو ... میں نہیں چاہتی تھی کہ تم اس نلکے سے پانی پیو"

پانی والا گلاس ابھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا کہ میں نے پوچھ لیا۔

UrduPhoto.com

"کیوں اس پانی میں کیا خرابی تھی؟"

وہ گلاس مجھے تھما کر پیچھے کھلا دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے بولی۔ "اس محلے میں جس بلڈنگ کی ٹنکی سے پانی آتا ہے اس بلڈنگ کی مالک ایک بردہ فروش لیڈی خورشید ہے۔ کراچی اور اس بازار میں سینکڑوں لڑکیوں سے پیشہ بھی کرواتی ہے اور جس انسان کی کمائی جسم و جان کی مشقت اور کسب حلال سے نہ ہو اس کے ہاں کی ہر چیز محض مکروہ ہی نہیں نجس بھی ہوتی ہے۔"

میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس میں جیسے کوئی جوار بھاٹا اٹھ آیا تھا ہاتھ میں ارتعاش سا آیا۔ پیاس وہاں غائب تھی پوری آنکھیں کھولے اس کی رگ جان کھول دینے والی بات پہ غور کر رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے وہ کہاں کھڑی ہے وہ خود کیا ہے مجھے کیوں بلایا اور دروازہ اندر سے کیوں بند کیا؟ اس کی بے ایمان افراد بات اور اس کے خاوند کی حالت [illegible] میں تھا اور غور کر رہا تھا کہ وہ میرے شانے پہ نرم ہاتھ ڈال کر بیڈ پہ بٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔

"پیاس لگی تھی پانی پیئو۔"

اس نے بسم اللہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ سے گلاس میرے لبوں کے قریب کر دیا پانی تھا یا امرت [illegible] اپنے ہاتھ [illegible] گلاس [illegible] ہوئے بولی۔

"اور پیئو گے؟"

میں نے انکار کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دوسرے گلاس نے مجھے خوب نہال کر دیا اب جیسے مجھے یقین ہونے لگا کہ [illegible] خاتون نے جو کہا وہ بالکل درست تھا۔ زندگی میں آنے جانے [illegible] سمجھ میں آیا کہ جو رزق پانی تعلق تصرف صحت محبت حرکت و عمل علم پیشہ تجارت آپ کو اطمینان قلب سکون اور صلاحیت ذوق عبادت اور شوق شرافت سے آشنا کرائے وہی اللہ کی مشیت و رضا اس کا انعام و فضل و کرم ہے اور جو مشاغل حیات اور اعمال ذات آپ کے اندر تکدر اور تکبر و تفاخر پیدا کریں [illegible] انہیں کی مخلوق سے دور اور بیگانہ کر دیں۔ چہرے سے نور ازل کا سکون چھین لیں۔ خوف خدا اور شرم [illegible] سے بے بہرہ کر دیں وہ سب خدا کا قہر اور عذاب ہیں۔"

"خاموش کیوں ہو کوئی بات کرو۔ وقت بہت کم ہے پندرہ یا زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔ اچھا چھوڑو اسے یہ بتاؤ کہ تمہیں میرے پاس پہنچ کر کچھ سکون ملا؟" وہ میرے ہاتھ کو سہلا رہی تھی۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ میں یہاں زیادہ دیر کیوں نہیں رک سکتا۔۔۔؟"

UrduPhoto.com

"اس لئے کہ بیاں کا یہی اصول طریقہ ہے" وہ مصنوعی غصہ کی دوسری جانب ایک [illegible] کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتانے لگی۔ "اس دروازے کے دوسری جانب میرا بوڑھا باپ شام [illegible] پڑا ہوا ہے۔ وہ میرے دروازہ بند کرنے کی آواز سے وقت کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ ٹھیک پندرہ منٹ [illegible] دروازے کی چٹخنی کھلنے کی آواز نہ آئے اور فوراً بعد میں اسے چوٹی اٹھنی نہ پکڑا دوں تو پھر [illegible] گالیاں اور دروازے پہ ڈنڈے برسانا شروع کر دیتا ہے....."

[illegible] باتیں جیسے کوئی میرے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل رہا ہو۔ میری ابلی ہوئی آنکھیں [illegible] چہرے پہ ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ اپنا کٹی اور ہوئی قدرے توقف سے پھر کہنے لگی۔

"اگر تم برا نہ مانو تو میں تمہیں چوم لوں.....؟"

میرے چہرے پہ ہلکی مسکراہٹ ابھری میں قدرے جھک کر اس کے قریب ہو گیا۔ اپنے دونوں [illegible] گلے کے گرد حائل کر دیئے سر سے سر ملاتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے چوم بھی سکتی ہیں سینے سے لگا کر بھینچ بھی سکتی ہیں۔ آپ جو چاہیں کر سکتی ہیں میں [illegible]

[illegible] نے بیچی پیشانی پہ بوسہ دیا۔ پھر [illegible] اٹھنے کے لئے [illegible] کر پیار کرتی [illegible] ایک بند سا برتن لائی۔ اس میں سے مٹھی بھر بھنے ہوئے چنے نکال کر [illegible] مجھے کھلانے [illegible] آنکھوں میں [illegible] ہوئے فرطِ جذبات سے کپکپا رہے تھے۔ "کھٹ کھٹ" دروازے [illegible] دستک برسا رہا تھا۔ پھر ایک [illegible] گالی [illegible] پھر کوئی [illegible] تھا۔

"حرامزادی! یار کو نکالے گی یا رات بھر یہیں سلائے گی؟ تم ختم ہو گیا ہے کمال حرامزادے [illegible]"

وہ جیسے کانپ سی گئی میرا ماتھا چوم کر ایک چاندی کا روپیہ تھماتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"کہ میرے بیٹے اپنے باپ کے ظلم و ستم سے عاجز ہو کر برسوں پہلے بھاگ نہ جاتے تو آج وہ [illegible] تمہاری ہی شکل اور انہی کی سیان والے ہوتے" وہ میرے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے [illegible] "تمہارے وجود سے مجھے تسلیم علی اور علی رضا کی خوشبو آ رہی ہے۔ تم گلی میں داخل ہوئے تو [illegible] ہوا کہ میرا تسلیم علی آ گیا ہے۔ جا اب بھاگ لے۔ پھر جلد اپنی ماں کو نہ [illegible]"

میں روپیہ مٹھی میں دبائے پلنگ سے اٹھ کر ماں کے قدموں میں جھکا پاؤں چھوئے۔ پھر وہیں [illegible] کہا۔

UrduPhoto.com

"ماں! تمہیں مجھ میں تسلیم و رضا کی خوشبو محسوس ہوئی اور مجھے تم میں اپنے اور تسلیم و رضا کے بابا کی مہک محسوس ہوتی ہے" اب میں سیدھا کھڑا ہو گیا بولا "ماں! مجھے یہ بتاؤ صوفی صاحب یہاں آتے ہیں ؟"

"بیٹے! ایک صوفی صاحب ملنگ سے پہلے ہر روز آتے ہیں۔ میرا قرآن پاک کا سبق سنتے ہیں اور چاندی کے روپے دے کر چلے جاتے ہیں۔ میں سارا دن قرآن حفظ کرتی رہتی ہوں۔ کوئی اچھی برائی کی نیت سے آتا ہی نہیں اور اگر کوئی بھولا بھٹکا آ بھی جائے تو میں وہ روپے بتا کر اپنا سبق دوہرانا شروع کر دیتی ہوں۔ وہ الٹے پاؤں بھاگ جاتا ہے۔ آدھا پون گھنٹہ بعد دروازہ قدرے زور سے بند کر کے کھول دیتی ہوں میرا شوہر سمجھتا ہے کہ میں اندر سے بند کی ہوئی ہوں۔"

"بڑا بے غیرت خاوند ہے۔"

اچانک میرے منہ سے نکل گیا ماں نے فوراً میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہ ایسا نہ کہنا۔ وہ میرا سرتاج ہے اور یہ میری آزمائش ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو میرے پاس ایک صاحب کشف ہر روز کیسے آتا۔ میں قرآن حفظ کی دولت سے کیسے مالا مال ہوتی۔ مجھے صبر اور راضی بہ رضا کا سبق کیسے ملتا۔ [illegible] پیغمبروں پر بھی وقت اور آزمائش آئیں۔ اللہ ہو ہنا کس حال میں رکھے شکر الحمد للہ ہی کہنا چاہیے۔ جاؤ اللہ حافظ جہاں جاؤ میرا سلام کہنا۔"

UrduPhoto.com

- جنات کا حملہ.....!

میں ٹرام پر سوار ہو کر وہیں اتر گیا جہاں سے روانہ ہوا تھا۔ عشاء کی اذانیں تو کب کی ہو چکی تھیں۔ راستے میں ایک مسجد دکھائی دی اندر داخل ہو گیا۔ چند لوگ شاید وتر و نوافل میں مصروف تھے۔ دل و دماغ کی عجیب سی کیفیت تھی بہت کچھ گذر رہا تھا۔ کچھ تو عقل و سمجھ میں آ رہا تھا اور بہت کچھ فہم و ادراک سے کوسوں دور تھا لیکن وہی بات کہ ذرہ بھی کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک استقرار دی تو وہ ہو جاتا ہے اور راضی بہ رضا رہنے والی حالت ہی اس کا سب سے بڑا اختیار ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر و باطن کے ہر دشمن کو زیر رکھتا ہے۔ خوف و تردد، وہم و وسوس، اندیشہ اور شکوہ شکایت سے جان چھٹتی ہوتی ہے۔ میں نے بھی یہ زریں سبق پڑھ کر اپنے آپ کو آمادہ کر لیا۔ تو بے حیا سب کر لیں میں ہوں ذرا سی آہٹ

[illegible] میری نماز کیا قبول کیا اور ایاز کیا۔ ٹکریں ماریں اور خود کو مطمئن کر لیا کہ نماز پڑھ لی۔ ایسی نماز [illegible] ایسی ہی دعا مانگی کہ اے ذات بے ہمتا! مناسب ہی پیک فوز کو مضبوطی عطا کرتی ہے تو بھی [illegible] حال و اعمال پہ رحم فرما.....!

مسجد سے نکل کر صبح والے راستے کو کھوجتا کھوجتا پوچھتا پوچھتا بالآخر میں اس مکتب والی مسجد تک [illegible] جہاں سے مجھے صوفی نور دین نور جہاں کا اتا پتا ملا تھا اور جہاں سے پچھلی پہر [illegible] میں شب بھر محفل سماع [illegible] جاری تھی اور میں خود بھی "الف لام میم تیری رضا میری تسلیم" [illegible] شامل رہا تھا۔

غریبوں، خستہ حالوں اور محنت کشوں کے بستی علاقوں، گھروں، صحنوں میں شام کے فوراً بعد ہی [illegible] اپنی سیاہ زلفیں کھول دیتی ہے۔ دن بھر کی محنت شاقہ اور اتنی اکھڑی بیٹھی ہوئی تھکن، سکوت اور [illegible] ہی اپنے پاؤں پسار دیتی ہے۔ ان کے بوڑھے، بچے، طوطے، کتے، بلیاں، جانور بھی اکثر رات [illegible] پہلے دوسرے پہر میں ہی اپنی زیادہ تر نیند پوری کر چکے ہوتے ہیں۔ یہاں بھی عشاء کے بعد [illegible] ویرانی کی چادر بچھ چکی تھی۔ میں [illegible] گزشتہ رات [illegible] پہر شروع ہو چکے تھے۔ اب میں [illegible] کے سامنے سے گزر رہا تھا جہاں میں آ رہے کر [illegible] چپ [illegible] ہوا تھا۔ اس جگہ سے میں ذرا عجلت سے گزر گیا۔ چند قدم آگے بڑھا تو سامنے سے [illegible] تھے ایک بھکاری قسم کی چیز آتی دکھائی دی۔ سوچا چلو اس سے صوفی صاحب کا [illegible] کرتے ہیں۔ ذرا اور اس کے قریب پہنچا تو اس نے لالٹین [illegible] چہرے کے سامنے لہراتے [illegible] پوچھا۔

"کہاں جانا ہے بھیا.....؟"

میں نے سلام کرتے ہوئے بتایا۔ "میں نے صوفی نورالدین صاحب کے ڈیرے جانا ہے۔" [illegible] اس کی چہرے پہ [illegible] تاثرات ابھرے جیسے میں نے کسی ناپسندیدہ شخص کے بارے میں [illegible] لیا ہو وہ مجھ سے جان چھڑاتے ہوئے اشارے سے بتانے لگا۔

"اللہ خیر کرے بھیا! تمہاری..... تم اس شخص کے پاس جا رہے ہو جس کے پاس کوئی دن کے [illegible] میں نہیں جاتا۔ بہر حال سیدھے سیدھے وہ دھوبی گھاٹ تک چلے جاؤ۔ دائیں جانب ایک تنگ سی [illegible] اندر جاؤ گے تو جہاں باؤ سنائی دے اور بدبو تمہارے نتھنوں میں پہنچ کر ہلچل پیدا کر دے تو [illegible] سمجھنا کہ تم نور دین نور جہاں کی کھولی کے باہر کھڑے ہو....."

UrduPhoto.com

وہ یہ سب کچھ بتا کر یوں وہاں سے غائب ہوا جیسے میں کوئی بھوتنا اور صوفی صاحب کوئی جن یا بھوت ہوں۔ میں بھی اسی استکراہت کے ساتھ نیم اندھیرے میں اس راستے پر ہو لیا جو نوے منتقل ہوا تھا۔ گھپ اندھیرا اور تاریک اور اجڑی ہوئی گلی جا بجا کھڈے کیچڑ اور پتھر روڑے۔ بندہ تو بندہ کوئی مریل سا کتا بھی دکھائی نہ دیا کہ میں قیاس ہی کر لیتا کہ یہاں کوئی آ جا تا یا رہتا سہتا ہوگا اور واقعی مجھے صوفی صاحب کا ٹھکانا کھوجنے میں قطعی کوئی دشواری پیش نہ آئی کیونکہ گلی کے آخری کونے والے جھونپڑے کھولی نما بارے یا مکان سے نہ سمجھ میں آنے والے غوغے اور عجیب سی ہاؤ ہو بولے مجھے منزل کا پتا دے رہی تھی۔ کوئی دروازہ یا پٹ در ہوتا تو کھٹکھٹانے کا تکلف بھی کرتا یہاں تو سرے سے ایسی کوئی چیز ہی موجود نہیں تھی۔ ٹاٹ بوریے اور ترپال کو بانسوں کے پشتے پہ باندھ کر مکان کی بیرونی دیواری بنا دی گئی تھی۔ میں کوئی رابطہ یا راستہ تلاش کر رہا تھا کہ کسی طرح اندر صوفی صاحب کو اپنی آمد سے باخبر کروں اور وحشت و دہشت سے نجات پاؤں۔ اسی دوران میں جدھر سے آیا تھا ادھر سے کوئی سایہ سا دکھائی دیا۔ میں دیوار کے ساتھ لگ کر ساکت و جامد کھڑا ہو گیا کہ دیکھتے پرانا ادھر آ رہا ہے یا کہیں جاتا ہے؟ [illegible] آنے والے [illegible] دیکھ کر [illegible] دے رہے [illegible] ہوئی گلیوں سے گزرتے ہیں۔ وہ میرے نزدیک بھی آ گیا لیکن اب بھی وہ ایک سایہ سا دکھائی دے رہا تھا اندھیرے کے ساتھ ساتھ شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آنے والے نے کالے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اب وہ بالکل میرے سامنے تھا [illegible] کے درمیان فاصلہ ہوتا اور جیسے وہ جانتا ہو کہ میں یہاں کھڑا ہوں۔ اگر وہ محض کوئی راہ گیر ہوتا تو یقیناً مجھے محسوس کیے بغیر ہی چلا جاتا کیونکہ میں کھڑا ہی ایسی اوٹ میں تھا۔ میں نے اسے ذرا غور سے دیکھنا چاہا تو میری سٹی گم ہو گئی۔ اس کا چہرہ بالکل ہی خدوخال کے قابل نہ تھا۔ نہ آنکھیں نہ ناک۔ کان ہونٹ ابرو سب کچھ مفقود۔ چہرے کی جگہ بالکل سپاٹ صاف [illegible] مجھے اوائل بچپن میں دیکھے ہوئے بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے وہ کٹھ پتلی گڈے یا آٹے کے بنے پرانے کپڑوں کی کترنوں سے بچے بچائے ٹکڑوں سے تیار ہوتے تھے۔ کپڑے سے چہرا سی کر اندر روئی بھر کر پھر اس پر ہری چاٹیں اسی طرح الگ سے سر بھی بنتا تھا جو جسم کے بعد دھاگے کے اوپر سی دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی سخت اور سیاہی پکی ہوتی تو وہ سیاہ لمبی دھاگے سے آنکھیں بناتی ورنہ اکثر گڈیاں گڈے بے ناک نقش آنکھ کے ہی ہوتے تھے۔ یہاں بھی یہی صورت پیدا ہوئی تھی۔ میں تو اس قدر پاگل جاہل بیوقوف تھا کہ کچھ اثر نہ لیا ورنہ کوئی اور ہوتا تو دھاڑیں مار [illegible]

[illegible] ہوتا [illegible] ادھر سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دی جیسے کوئی زبان دانتوں تلے دبا کر بولنے کی کوشش کر رہا ہو بلکہ ایسا ویسا تو میں خود بھی کرتا رہا ہوں۔

بند ہونٹوں گفتگو کرنا ایک باقاعدہ فن ہے یورپ میں اس فن کے بڑے بڑے ماہر بن چکے ہیں۔ [illegible] ریاضت، محنت اور مستقل مزاجی کا متقاضی ہوتا ہے مگر اس کی باوجود اس کے جاننے والے [illegible] اور استادوں کی کمی نہیں۔ اس کو یوں سمجھئے کہ آپ دو آدمی کمرے میں کھڑے یا بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ اچانک آپ سنتے ہیں کہ کمرے سے باہر کوئی شخص آپ کو پکار رہا ہے۔ آپ اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو وہاں کوئی نہیں ہوتا۔ یہ کمال اس آدمی کا ہے جو آپ کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ وہ آپ سے [illegible] دوران اپنی آواز کو کمرے سے باہر پہنچا دیتا ہے۔ آپ محسوس کرتے ہیں کہ باہر کوئی دوسرا فرد آپ کو آواز دے رہا ہے۔ [illegible] جگہ منتقل کرنے پر قادر ہوتے [illegible] سو ہوکے ہاتھ پکا ذلی لندن میں آج سے ایک جھک چوتیس برس پہلے ایک تھیٹر میں ایک [illegible] تماشا دیکھا تھا جو بظاہر منہ میں منہ سیئے ہوئے خاموش تماشائی بنا کھڑا مسکرا رہا تھا لوگوں نے [illegible] کو قابو میں کر رکھا تھا جو ایک عورت کا پرس اٹھاتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اٹھائی [illegible] اس کو دیکھ [illegible] اپنی [illegible] چاہ کر معافی سے اظہار [illegible] رہتے ہوئے اپنے جرم کی معافی چاہتا ہے۔ سیدھی سادی شریف عورت اس کی معذرت محض قبول [illegible] بلکہ اس کی عورت کی مجبوری کا احساس کرتے ہوئے کچھ رقم بھی اسے بخش دیتی ہے۔ وہ پہلے [illegible] تماشائی مسکراتا ہوا [illegible] شخص جو دراصل خود بھی ایک اٹھائی گیرا ہوتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ [illegible] پیشہ نہ صرف بچ گیا ہے بلکہ اس نیک نفس عورت سے اسے ایک معقول رقم بھی ہاتھ لگی ہے تو وہ [illegible] آ گیا اور اس شخص کو اپنے خفیہ اشارے سے اس رقم میں ساجھی دار بننے کا اشارہ کیا مگر اس شخص [illegible] اس کو درخور اعتنا نہ جانا بلکہ اس عورت سے انعام لے کر وہاں سے نو دو گیارہ ہونا چاہا۔ جونہی وہ [illegible] ہجوم سے باہر نکلا ہے تو اسی لوگوں نے سنا کہ وہ قہقہے لگاتا ہوا کہتا جا رہا ہے کہ اس کی پکی عورت [illegible] پیچھے لوگوں کو کیسا بے وقوف بنایا ہے۔ ہا ہا ہا۔ اس عورت اور لوگوں نے جب یہ سنا تو اس [illegible] شخص کو پکڑ کر پیٹے دھر لیا اور خوب مرمت کرتے ہوئے وہ رقم بھی واپس لے لی۔ اب پٹنے والا [illegible] صفائیاں پیش کر رہا ہے اور بڑی بڑی قسمیں اٹھا رہا ہے کہ میں نے یوں نہیں کہا اور نہ قہقہے لگائے ہیں [illegible] کے مقابلے میں بیسیوں لوگ جھوٹے تو نہیں ہو سکتے۔ وہ پہلے والا خاموش تماشائی اٹھائی گیرا اب [illegible] سے پٹتے اور ذلیل ہوتے دیکھ کر مسکراتا رہا۔ یہ ساری انتظامی کارروائی اسی ذہکاری تھی جو بند منہ سے

UrduPhoto.com

اپنی آواز کہیں بھی پہنچانے پہ قادر تھا۔ یہ محض ایک ادنیٰ سی مثال ہے ورنہ قوت تمیز، قوت تخیل، قوت جاذبہ، قوت نطق، قوت انسان، قوت تخیل، قوت بیان، صلاحیت مافوق الصلاحیت اور ماوراء الفوق الطبیعات میں ایسے ایسے جہان مخفی ہیں کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ آپ نے ہوائی جہاز اور پاکیزہ نفس درویشوں کی یہ سب کچھ مخفی میں موجود ہوتا ہے۔ کتنی بیٹھے ہوئے ہزاروں کوس دور دیکھ لیتا یہاں بھی موجود ہیں کہیں اور بھی پہنچے ہوئے ہیں۔ اپنی آواز، اپنی سوچ، اپنے خیال کو بیٹھے بیٹھے کہیں اور پہنچا دینا۔ کسی کے ذہن، دماغ، دل میں ڈال دینا۔ صرف تو ہی دور کی بات بلکہ یہ سب کچھ اب باقاعدہ سائنس ہی بنا ہے۔ روس، جرمنی، امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک کی یونیورسٹیوں کے نصابوں میں شامل ہے۔ طالبعلم شائقین مستفید اور فارغ التحصیل ہو رہے ہیں۔

میں کہہ رہا تھا کہ انسان خود ایک کارخانہ ہے جو اتنے اتنے صناع فطرت نے اس کے اندر ازل سے ابد تک کا کچھ سمیٹ دیا ہوا ہے۔ ان میں علوم، فنون، قانون، کلام و بیان، استعداد، استقامت، ذہانت، قوتیں، استقامتیں سب کچھ شامل ہے۔ بس اپنے اندر کھوج کرنے اور شوق، محنت، استقامت کی ضرورت ہے راستے اور ہر بات منزل تو ہے ہی۔ اگر ہم چاہیں تو ہم سکون، تحمل سے سلامتی مل جاتی ہے۔

بات کہتے کہتے کہاں کی کہاں نکل گئی بالکل یہی طرح کہ میں کیا سے کیا ہو گیا، کیا تھا اور کیا ہوں گا۔ بات کرتے کرتے جب کوئی بات سامنے آ جاتی ہے تو پھر خود ہی اور صحت ہی کو بھی بھلا جاتا ہے بالکل ایسے جیسے کوئی دوست کے ساتھ محبت کرتا ہوا کہیں جا رہا ہو راستے میں اگر کوئی جانتے والا مل جائے تو اپنی جاری گفتگو روک کر اس کے ساتھ مروتاً سلام دعا ملتی پڑ جاتی ہے پھر بعد میں وہیں سے بات شروع ہو جاتی ہے جہاں سے وقتی طور پہ روک دی تھی۔

قارئین! مجھے احساس ہے کہ میرے مضامین پڑھتے پڑھتے آپ کو اس قسم کی صورت حال سے کئی بار دوچار ہونا پڑا اور مزید بھی ہونا پڑے گا اور ہاں یہ اس لحاظ سے بھی بہتر ہے کہ ایک تو قاری کا حافظہ تقویت پکڑتا ہے دوسرے پڑھتے پڑھتے ذرا اپنا تک خوشگوار سی تبدیلی آ جاتی ہے جو موڈ اور طبیعت میں خود بخود در آنے والی سنجیدگی کے لئے تازہ آکسیجن کا کام دیتی ہے۔ بات اسی اندھیری گلی اور تاریک رات اور اس بے خدوخال چہرے والے سیاہ پوش اجنبی کی جو میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور شدید گھبراہٹ کی جھنجھلاہٹ سے مجھ سے مخاطب تھا۔ میرے سر میں ایک ہلکا سا جھٹکا لگا پھر جیسے میرے ذہن کی سکرین روشن ہو گئی۔ بے صوت مجھ تک پیغام پہنچا۔

UrduPhoto.com

...قیمت کھلتا ہے.....!

"السلام علیکم ... میرے پیچھے چلے آؤ..."

جہاں میں کھڑا تھا وہاں سے تین چار قدم آگے میں اس کے پیچھے پیچھے بوریے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے سمندری ریت سے بنے ہوئے بلاکوں سے بنا ہوا ایک کمرا نظر آیا جس پر پتنی کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ ایک دروازے سے داخل ہوئے تو نیم اندھیرے میں فرش پر چند ہوا پوش سیاہ چادروں سے گھٹنے کا ڈھکے بیٹھے تھے۔ ہم دونوں بھی آہستہ سے "السلام علیکم" کہتے ہوئے حلقہ میں ایک مناسب سی جگہ بیٹھنے کی گنجائش دیکھ کر بیٹھ گئے تو ہماری جانب کسی نے توجہ دی اور نہ ہی کسی نے ہماری آمد کو کوئی اہمیت دی تھی۔ درمیان میں ایک ہفت پہلو شیشے کی نما کاٹی کا چراغ روشن تھا چراغ کی طرح اس کی ضوفشانی بھی بڑی پراسرار تھی۔ چراغ اندر سے خربوزے کی سات ایک سی پھانکوں کی مانند بنا ہوا تھا۔ چراغ کے ہر حصے کی بناوٹ اور روغن علیحدہ تھا۔ کوئی سیاہی مائل کوئی سرخی مائل۔ سبز پیلا نارنجی اور کوئی سفید۔ اس کی جلتی چراغ کے ساتوں حصوں سے سات مختلف خوشبوؤں کی دھارا سی بہہ رہی تھی۔ [illegible] ہوئی تھی [illegible] کوئی لرزاں تھی [illegible] تھی کہ جلتی اور کوئی دھیمے سے دھیمی ہو رہی تھی۔ کوئی میوزچھل کی جیب لئے ہوئے تو کوئی قلم کی شکل کا جب پکڑے ہوئے تھی اور ایک نلکے کی لات کی مانند ٹپک رہی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ ہم دونوں کے داخل سات افراد وہاں بیٹھے تھے چادروں سے ڈھکے قدرے رکھے ہوئے سر نہ کوئی دیکھ سکے کہ کون کیا کہاں ہے۔ ہر موجود کا چہرہ سوالیہ تھا اور خاص چراغ تھا وہاں صرف یہی ایک چیز تھی جو سامنے ظاہر اور روشن تھی۔ اپنے اپنے مقابل روشن چراغ کی لو کو ہر کوئی میری طرح دیکھ رہا ہوگا۔ ایک تازہ ہوا کا جھونکا اندر داخل ہوا اس کے ساتھ ہی دو سیاہ پوش پست قامت سیاہ چادروں میں لپٹے لپٹائے سائے اندر داخل ہوئے اور ہم سب کے سامنے مٹی کی ایک ایک رکابی اور پیالہ دھر کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ آئے۔ اب ان کے ہاتھوں میں بلوریں صراحی اور ایک طباق میں خوب بھنی ہوئی سرخ سرخ بوٹیاں تھیں جن میں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ عجیب ناموس سی بدبو سے ماحول پراگندہ ہو گیا۔ شہدی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ایک بار پھر شروع ہو گئی۔ اب وہ پست قامت کارندے ہر فرد کے سامنے دھرے ہوئے پیالوں اور رکابیوں میں وہ گاڑھا سرخ لہو ایسا مشروب اور خوب بھنی ہوئی کلیجی جیسی بوٹیاں ڈال کر چلے گئے۔ بدبو تھی کہ دماغ پھٹنے لگا۔ پیالے پر نظر پڑی تو یوں لگا کہ کسی نے تازہ تازہ کٹے ہوئے بکرے کے نرخرے سے

خون بھر کر یہاں رکھ دیا ہو ایسے ہی اوپر تیرتے ہوئے ننھے ننھے بلبلے اور تازہ خون کا گاڑھا پن ۔۔۔ اب قاب کی جانب نظر ڈالی تو ادھر بھی کچھ یوں ہی دکھائی دیا کہ جیسے کسی بچے کے کلیجے کے ٹکڑے خوب سرخ مرچ میں بھون کر ادھ کچے کچے لا کر یہاں رکھ دیے ہوں۔ عجب کریہہ سا منظر کہ کھانا تو درکنار محض دیکھ لینے سے ہی طبیعت دق ہو جائے۔ بدبو سے الگ دل الٹ رہا تھا ۔۔۔ اے مالک ظاہر و باطن! یہ کیسا امر ہے؟ یہ کالی رات یہ تاریکی یہ سکوت۔ یہ پُراسرار بے چہرہ لوگ۔ کہیں میں جن بھوتوں میں تو نہیں پھنس گیا؟ ۔۔۔ یہ بدبودار مشروب مجھے تو کسی انسان یا جانور کا تازہ تازہ خون دکھائی دیتا ہے اور ۔۔۔ اور یہ بوٹیاں یہ بھی مشکوک سی ہیں۔ یہ لوگ باتیں کیوں نہیں کرتے؟ ۔۔۔ گھنٹیوں کی جھنجھناہٹ پھر سے ابھری یوں لگا کہ اب کھانا پینا شروع ہونے والا ہے۔ بدبو تھی کہ لمحہ لمحہ بڑھ رہی تھی۔ پیالہ و قاب سے چشم پوشی کرتے ہوئے میں اب چور نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ باہر جانے کا راستہ کدھر ہے؟ ۔۔۔ یکدم میرے دماغ میں چھناکا سا ہوا جیسے کسی نے کانسی کی پازیب میرے سر پہ پھینک دی ہو۔ مجھے یاد آیا کہ میری بند مٹھی میں بازار والی ماں کا دیا ہوا روپیہ دبا ہوا ہے اور انہوں نے کہا تھا کہ تم کسی تسلیم و رضا کی خوشبو آتی ہے اور پھر یہ بھی کہ تم وہاں پہنچ کر میرا سلام کہنا۔ مجھے یاد آیا کہ میں تو یہاں تسلیم و رضا سمجھنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ۔۔۔ [illegible] تسلیم تو یہی ہے کہ بازیوں و جیتوں کا اندیشہ سود و زیاں بالائے طاق رکھ دیے جائیں اور بلا خوف و خطر سر تسلیم خم کر دیا جائے اور رضا شاید یہ ہے کہ بلا شک و شبہ بلا رغبت و راحت اور طمانیت و تسلی سے اپنے اس تسلیم والے کو راست و صائب سمجھ جائے۔ نتائج و عواقب کو بزدلوں کی طرح بالائے طاق چھوڑ دیا جائے۔ ظاہر باطن خوشبو بدبو نفع نقصان نصیب فرد اور سیاہ سفید یہ سب اکائیاں دہائیاں ہیں جو آپس میں ایکی سرعت سے جمع تفریق اور ضرب و تقسیم ہوتی رہتی ہیں کہ کبھی بھی کوئی انہیں انفرادی حیثیت سے شناخت و ساکت نہیں کر سکتا۔ آج جو ہوا سو ہوا۔ بسم اللہ ۔۔۔ جھنجھناہٹ سی ابھری تو سلسلہ کام و دہن چل نکلا۔ میں نے بھی جی کڑا کر کے دوسروں کی دیکھا دیکھی پیالہ لبوں سے لگا ۔۔۔ سبحان اللہ! ۔۔۔ بے ساختہ منہ سے نکل گیا۔ تربوز کے یخ ملیدے میں شیرہ بادام تخم زعفران تخم ملائیاں کا ایسا جانفزا مشروب کہ روح تک نہال ہو گئی۔ بدبو کروٹ بدل کر خوشبو میں ڈھل گئی تھی۔ دوسروں کی تقلید میں اب قاب کے طعام پہ ہاتھ ڈالا ۔۔۔ سبحان اللہ! ۔۔۔ باغ عدن کے کسی کھجوروں کے ذخیرے کے پختہ شیریں خرموں کے ٹکڑے روغن زیتون میں قلفل سرخ اور زعفران کے پتوں کے ساتھ دم پخت کئے ہوئے تھے۔ ایسا شیریں ذائقہ کہ کھاتے کھاتے جی نہ بھرے ۔۔۔ کھانا پینا ختم ہوا تو وہ پست قامت سیاہ پوش کوئی قہوہ نما خوشبو سے بھرا ہوا گرم گرم مشروب لے آئے۔ بعد میں یہاں

کی وحی "الف لام میم تیری رضا میری تسلیم" والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اجمیر کا اجل مجذوب ...!

اس واقعہ قصے کے لگ بھگ بیس برس بعد میں ایک دوپہر اجمیر شریف خواجہ غریب نواز سرکار کے در پہ بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں پہنچے ہوئے میرا آٹھواں روز تھا۔ طبیعت سخت مضمحل پیٹ بھرا ہوا اور حالت وضو کو قائم رکھنا مشکل بنا ہوا تھا۔ اب میری بے احتیاطی تھی۔ جدھر جہاں سے جو ملا کھا پی لیا۔ پانی موسم ماحول خوراک اول بدل ہونے سے اکثر پریشانیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ دس روز پہلے میں سرینگر کے ڈل پہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں کی آب و ہوا خوراک ماحول تاثیر پھر اور یہاں راجستھان جودھ پور سے پرے اجمیر میں کچھ اور زمین آسمان کا فرق۔ کچھ دوا دارو بھی کیا مگر پیٹ کھا کر رکتا ہی نہیں تھا۔ صحن میں موتی مسجد کی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے نیم غنودہ سا پڑا ہوا تھا کہ ایک بوڑھا سا آدمی چھل کے خوف کے دوتے میں از قسم کوئی تبرک پرشاد لے کر آیا۔ میں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ کوئی غیر مسلم لگا۔ ماتھے پہ تلک پرنوں اور پھر لیاں پہنے اور گلے میں رنگ کی دھوتی سر پہ بھاری سا ٹوپا۔ وہاں کے رواج کے مطابق کمر کے پٹکے میں چھوٹی سی کٹاری اڑی ہوئی تھی۔

"بابا پرشاد کھا لو"

وہ دونا مجھے دیتے ہوئے بولا۔ دونے میں کوئی حلوائی قسم کی مٹھائی تھی جو شاید بھنے ہوئی چاولوں کو خشک ناریل اور مونگ پھلی کے مغز سے بنتی ہوگی کیونکہ یہی چیزیں مجھے نظر آ رہی تھیں۔ میں پہلے ہی کھانے پینے سے بیزار اک نگاہ غلط سے پرشاد کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"شما کرو بابا! کسی اور کو دے دو"

وہ بوڑھا مجھے عجیب سی نظروں سے گھورتا ہوا کسی اور طرف نکل گیا اور میں نقاہت سے بے حال ہو کر لیٹ پڑا گیا۔ اللہ جانے کس لمحے میری بڈھی کی آنکھ لگی کہ میں تو ہڑبڑا کر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ قیامت میں یہ کیسا پاپ مجھ سے سرزد ہو گیا۔ بیٹھا ہوا کہاں خواجہ غریب نواز کے در پہ اور نام کا پرشاد آیا اور میں نے محض اس لئے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ دینے والا غیر مسلم اور بہت اغرو مفلس دکھائی دیتا ہے۔ اس کے دانت ذرا آنکھیں دھنسی ہوئی۔ ہاتھ پاؤں کہاں کہ ہر چیز سے اس کی بے چارگی اور درماندگی ٹپک رہی تھی۔ خواجہ غریب نواز نے تو اس سے اس بے آب و گیاہ

ریگستانی علاقے کو اپنا مسکن بنایا تھا کہ یہاں کے افتادہ زدہ بے حال و بے مایہ لوگ جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں اور نان جویں کو سخت جان فرسا مشقت اور کوشش کے باوجود بھی حاصل نہیں کر پاتے۔ جن کے مردوں پر جہنم کی آگ دہکتا ہوا آسمان اور پاؤں تلے آگ کی مانند تپتی ہوئی ریگ ہے جو اپنی کوکھ سے سوائے خار مغیلاں، ٹھوہر، حنظل اور حشرات الارض کے کچھ اور نہیں اگلتی۔ یہی ان کا مقدر ہیں۔ ان کے ہاں آسودگی، عیش و عشرت، آرام و سکون کا تصور تک نہیں۔

فرمایا گیا کہ مغلظ قافلہ زندگی انسان کو کفر کے دروازے تک لے جاتی ہے۔ مذہب، تہذیب و تمدن سے ناآشنا یہ لوگ صدیوں کفر و الحاد اور بے راہروی کی زندگی گزارتے رہے۔ مرے پہ سو درے کے مصداق ظالم، درندوں کی طرح کرتی اور وڈیرہ شاہی نظام نے ان کی اپنی محنت کشوں کو جو تعلیم، اخلاق، تہذیب اور دین سے کوسوں دور تھے بری طرح اپنے پنجہ استحصال میں جکڑ رکھا تھا۔ ان کی آنکھ آنے والی نسلوں کو بھی مقروض اور غلام بنا کر رکھا جاتا۔ یہ لوگ اپنے قبائلی رسم و رواج، صحرائی اور علاقائی طور طریقوں، اپنی ثقافت، قدروں، تقریبات اور شغل میلوں ٹھیلوں میں بے پناہ دلچسپی لیتے تھے۔ قوتوں کے جادو نے انہیں [illegible] ان کے اندر [illegible] رکھنے کے لئے [illegible] ان کی محدود زندگی میں ترقی اور ترقی کا راستہ نہیں تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب سرکار خواجہ غریب نواز نے اپنے مرشد پاک کے حکم سے اس ظلمت و طاغوت سے آلودہ سرزمین پر قدم رکھا تو ان کو اپنے چاروں جانب اندھیرا ہی اندھیرا، ظلم و جور، کفر و الحاد اور کفر و الحاد [illegible] دیا۔ کچھ عرصہ آپ نے لوگوں کی عادتوں، ضرورتوں اور دلچسپیوں کا بغور مشاہدہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اخلاق و اخلاص، شفقت و محبت سے ان کے اور اپنے درمیان فاصلے کم سے کم کرتے گئے۔ اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کا پیغام سناتے رہے مگر کبھی اور کبھی بھی آپ نے زبردستی اپنی تعلیمات کو منوانے کی کوشش نہیں کی۔ کافی عرصہ آپ اپنی جدوجہد میں مصروف رہے مگر خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی البتہ اس ظلمت کدے میں ایک امید کی شمع ضرور روشن ہو چکی تھی۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے محسوس کیا کہ یہاں کے باشندے موسیقی، گانے بجانے میں بڑی دلچسپی اور مہارت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اسی موسیقی اور راگ راگنی، سماع، قوالی کے رنگ میں رنگ دیا کہ کہیں تو کوئی راستے نکلے اور ان لوگوں کو اللہ کے دین کی جانب متوجہ کیا جا سکے۔ یہ طریقہ بہت کامیاب رہا۔ ساتھ ہی ساتھ آپ نے ان کے طور طریقوں، رہن سہن، توہمات، غیر اخلاقی و غیر انسانی مشاغل، شیطانی رسومات کی جانب توجہ فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کے لوگوں

UrduPhoto.com

سے ہزاروں اور لاکھوں تک تعداد پہنچ گئی قبیلے کے قبیلے مسلمان ہو گئے۔ آپ کسی بھی انسان سے نفرت
کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ اس علاقے میں اونچی ذات مرتبے اور حیثیت والے ٹھاکر راجپوت تھے
ان کی کاچھ اور حکومت تھی یا پھر انتہائی نچلی ذات والے شودر بھنگی چمار وغیرہ خانہ بدوش۔ جنہیں
گاؤں کے قریب سے گزرنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ان کی بستیاں الگ ان کا کاروبار
وغیرہ الگ یعنی یہ شودر کا مرد اور ایک ٹھاکر کی جوتی برابر تھے۔ خواجہ غریب نواز نے ان ہی ٹھکرائے
ہوئے اور احساس کمتری کے شکار لوگوں کو یہ باور کرایا کہ تم بھی اللہ کے بندے ہو اللہ کے
نیک وہی بہتر ہے جو متقی ہو اس سے ڈرے عبادت کرے۔ اللہ کی مخلوق کے لئے آسانیاں
پیدا کرے اور محبتیں فراہم کرے۔ ذات پات بیکار چیز ہیں۔ آپ نے ان لوگوں کو جینے سے لگایا ان
کی عزت و عزت کا مفہوم سمجھایا۔ آپ کا نظریہ تھا کہ میرے قریب کسی کو بھی آنے سے نہ روکا جائے چاہے وہ
مسلم ہو یا غیر مسلم اور نچلی ذات کا ہو یہ سارے میرے اپنے ہیں۔ یہ تھا سرکار غریب نواز کا اخلاق
جو ان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی پر دین کو ٹھونسا نہیں بلکہ انسانی نفسیات انسان کے اندر کی
کمزوری اور ذہنی سطح کو مدنظر رکھا اس لئے آپ یہاں کی بہت سی "غریب نواز" مشہور ہوئے کہ آپ
ان سب کے سوتیلے بھائی ہوا کرتے تھے۔ بڑے بڑے تاج اور تخت حکومت والے یہاں بھکاریوں
کی طرح آتے ہوتے ہیں۔

بفضل اللہ کہ سرکار غریب نواز اس عاجز و درویش کو اپنی چوکھٹ پر بھی عطا فرماتے رہتے ہیں
ہے ایک کہ میں نے اس زائر کے جو بظاہر شودر غیر مسلم اور تنگ دستی دکھائی دیتا تھا اس کا پیش کیا
ہوا نذر جہاں وجود یا اپنی ناسازی طبع کی بنا پر قبول کرنے سے معذرت کر لی تھی اور وہ مجھے خشمگیں
نظروں سے گھورتا ہوا کہیں اور نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے بھی جیسے ایک بے کلی سی لگ گئی یہ
سوچ کے سے لگانے لگا کہ مجھ سے بھاری نادانی ہو گئی ہے۔ وہ جو جیسے بھی تھا خواجہ غریب نواز کا
مہمان تھا۔ پرشاد جو وہ بانٹ رہا تھا خواجہ کے نام کا تھا۔ میں جیسے یکبارگی اٹھا دیوانہ وار ادھر ادھر
تلاش کرنے لگا مگر وہی بات کہ گرفت میں آئی ہوئی مچھلی دروازے پر پہنچی ہوئی روزی اور راہ میں پڑا
ہوا مال اگر ہاتھ سے نکل جائیں تو پھر "کار جہاں دراز ہے اب اس کا انتظار کر" ایسا مصرعہ زیر لب
دہرانے کا بڑا لطف آتا ہے۔ اسی دوران یہاں کے مقامی یا علاقائی لوگوں کا ایک گروہ درگاہ شریف کے
احاطے میں داخل ہوا۔ خندہ رو مرد و زن اور بچے سنورے بنے ان کے درمیان دولہا اور اس کی نوعمر دلہن
سے سجے سانولے سے۔ وہی تنگ چولی معمولی سا لہنگا موتی چھوٹوں کا زیور۔ گہرے کاجل سے سندور

UrduPhoto.com

اور ہلدی کے اُبٹن کا میک اپ۔ دولہا دیتے ہی جھلا جھولتا ہوا جیسے کہ وہاں کے نوجوان ہوتے ہیں۔ کھلی آنکھیں اور کنواری مونچھیں۔ تک موری کے پائجامہ پہ صدری نگر کھا کمر میں نرخ پکا اور پیچھے میں ارسی دو اخدار خنجر۔ گلے میں کنٹھے کے پھول کا ہار سر پہ بھاری پگڑ کانوں میں موتیوں کے بندے۔ یہ لوگ اپنی بھاشا میں لگن سے کا کوئی گیت گاتے ہوئے آ رہے تھے سرکار کے روضے کے باہر بڑے ادب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ غیر مسلم ہونے کے باوجود جو عقیدت ادب و تعظیم ان لوگوں میں نظر آیا وہ شاید مسلمانوں میں بھی کہیں خال خال ہی ہو۔ یہاں کے باشندے دلہن دولہا کو پہلے خواجہ غریب نواز کی چوکھٹ پہ لاتے ہیں۔ اپنے طور و توفیق کے مطابق نذر دیتے پھول پتی چڑھانے کے بعد خواجہ کی "آگیا" لے کر گھر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی بھی بارات سے گزرنے والا مسلم غیر مسلم کسی نوانی ہاتھ جوڑے اور رک کر سلام کئے بغیر یہاں سے نہیں گزرتا۔ میں نے یہاں اندر اگاندھی ڈاکٹر حسین کو بچوں کی پاٹی پکڑتے ہوئے اور چوکھٹ تھام کر دعائیں مارتے ہوئے دیکھا۔

بات کر رہا تھا اس زائرین کی جو میں کھو گیا تھا۔ ان شادی والے لوگوں کی آمد کی وجہ سے بھک منگوں نے بھی اپنی بھیک زیادہ کر دی تھی اور مجھے [illegible] کا محسوس ہوا تو میں سرکار سے معافی مانگتے روضہ مبارک کے اندر داخل ہو گیا۔ پھر ایک بار پھر ایک دوسرے میں گھرے ہوئے زائرین کی خدمت اور حفاظت کا فریضہ ادا کرنے لگا۔ کوئی ایسی بھیڑ بھی نہیں تھی۔ روزمرہ کی چال کے مطابق زائرین صدر دروازے سے داخل ہوتے اور فاتحہ سلام دعا کے بعد بائیں بغلی دروازے سے باہر نکل جاتے۔ یہی صدر دروازہ جس کے باہر بڑے [illegible] صرف داخلے کے لئے ہی مختص ہے۔ چھوٹے دیوان صاحب معہ اپنے دو نائبین مرقد اقدس کے پاس کھڑے ہوتے ہیں۔ دیوان صاحب حسب مراتب آنے جانے والے زائرین کو مرقد شریف کے پھول پتی بھی تبرکاً دیتے ہیں جبکہ نائبین آتے جاتے ہوئے زائرین پہ نگاہ رکھے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ کوئی خلل واقع نہ ہو۔ صدر دروازے سے داخل ہو کر لوگ سلام و فاتحہ کے بعد بغلی دروازے سے نکلتے جاتے ہیں۔ وہاں کسی کو لمبے وقفے کے لئے بیٹھنے یا لیٹنے نہیں دیا جاتا۔ میری مجاوروں سے خاصی سلام علیک تھی بلکہ میرا اجمیر شریف میں قیام و طعام ان کے ہاں ذاتی مہمان کی حیثیت سے ہوتا تھا۔ پارسال سے پچھلے برس میری دستار بندی کی تقریب بھی انہوں نے بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ مجھے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے۔ بلند دروازہ کشائی اور شام "دیاچی" کی خصوصی تقریب میں مجھے بالخصوص شامل کیا جاتا مگر اس کے باوجود مجھے آج اندر آدھے وقت سے زیادہ لگنے نہیں دیا گیا۔ میں حیران کہ یا الٰہی یہ لوگ مجھے آج پہچانتے تک نہیں۔

UrduPhoto.com

"بس جی آپ اب باہر جائیے....."

مجھے ٹالنے سے پہلے اس نے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ میں بادل نخواستہ باہر نکل آیا۔ دل میں کوفت سی لگ رہی تھی کہ آج کا دن خراب ہو گیا۔ لیکن ایسا تو میرے ساتھ ہوتا ہی آیا ہے۔ بندہ اور بندہ کیسے ہی عدم توجہی میں جھیلتی ہی گزرتی اور تربیت میں رہیں شرارتیں اٹھلیں اور کوئی نہ کوئی حرکت برکت ان سے سرزد ہوتا ہی ہوتی ہے۔ سہو و نسیان تو سرشت آدم میں دھرے ہوئے ہیں۔ سر جھکائے شکستہ پائی سے میں بالکل سامنے شکلی برآمدے کی جانب نکل آیا۔

گلابی جاروں کی ترتیبی ترتیبی سی دھوپ نے سیماب رنگی فضا سے ہلکا سا کہر ڈال رکھا تھا۔ یہ اور کہر سامنے برآمدے کے باہر آگرتی بیٹھے ہوئے ڈراؤنے ملک نے بھی کا زور رکھا تھا جو مجھے یوں کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے میں کوئی ان کا مقروض ہوں اور آج کی برسوں کے حساب دکھائی دیا ہو۔ اس قسم کے ملنگوں درویشوں کی طبیعت اور آنکھیں چڑھی ہوئی ہی ہوتی ہیں مگر یہاں تو معاملہ کچھ اور ہی دکھائی دیتا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان فاصلہ ہی کیا تھا چند قدم آگے پہنچ کر میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ کچھ لمحے مجھے اپنی سلگتی جاتی والی نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر میلے کچیلے چولی ہوئے ہاتھ سے اس نے سامنے پڑے ہوئے پانی بھرے کا اشارہ دیا۔ میں نے سلام کر کے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے غور سے دیکھا۔ صدیوں پرانی خشت بدیوں پر خشک گدیلی سی بیت مندی ہوئی تھی کاف پہ اضافی ہوئی بیٹھے کے سر دوری بندگی تھی جس سے لگی ہوئی بالشت بھر بالے کی وجہ سے آگے کا منظر اوجھل ہو رہا تھا۔ پھر ایک بڑی بھولی ہوئی جوانی کے کوہاں سے ڈھلکی پڑی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی بائیں جانب چیتھڑوں اخباری کاغذ کی کترنوں اور بیکاری چیزوں کا ڈھیر سے اپنی حیاتی میں بڑے بڑے جتا دھاری ملک ذرویش سادھو سنت جوگی روگی دیکھے تھے اور ان کو دیکھے ہیں مگر جو زیادتی اس بابا نے اپنے سر اور بالوں سے کی ہوئی تھی اس کی نظیر میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ آسام، بنگال اور بنگال میں سندرن جیسے بڑے بڑے گھنے جنگل دیکھے ہیں جہاں سورج کی کرنوں تک کا گزر نہیں ہوتا۔ وہاں تو ہوا کو بھی رستہ تلاش کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ ان تکلیوں کی پرچھائیوں کے بنا گزر نہیں سکتیں مگر اس بابا کے بال جو آپس میں جڑی ہوئی گنجلک لٹوں کی صورت میں تھے جیسے اس کے سر پہ صبا تمابدو کے وقتوں کا کوئی بڑا درخت اگا ہوا ہو جس کی سینکڑوں ہوئی شاخوں نے اس کے شانوں اور کمر پہ جھک کر جڑیں پکڑ لی ہوں۔ مجھے جھرجھری سی آ گئی مگر میں اس کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ چکا تھا بیٹھتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ بابا کی آنکھوں میں اب وہ پہلی سی خشونت

UrduPhoto.com

اور خاص کہیں ہے البتہ اس کی نظریں ہاور مجھ پر لگی ہوئی تھیں جنہیں میں پہلے ہی کچھ سا ہوا لگا ہوا تھا۔

جب انسان یہ جان جاتا ہے کہ آپ ہنس کر اسے بغیر کوئی پروا نہیں تو پھر وہ اپنے اندر مجبوراً قوت اور جرأت پیدا کر لیتا ہے۔ پھر اسے بے ہوش اور بے ہوش کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی وہ آرام سے بیٹھ جاتا ہے۔ وہی بات کہ اپنے آپ کو سمجھانا اور قائل کرنا ہی اصل مسئلہ ہوتا ہے۔ میں چونکہ جان گیا تھا کہ مجھ سے مزاحمت ختم ہو چکی ہے اور اب مجھے اس کی سزا بھی بھگتنی ہے لہٰذا میں اب ہر صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار ہو گیا اور نظریں پھیر کر میں یقیناً انہوں نے بھی مجھ سے نظریں اٹھائی تھیں جبھی تو وہ اپنے مال کو دم بخشی کا کچھ کہا کر کے کچھ چھپا خانی کر رہے تھے۔ میں بھی قیچی نظروں سے ان کی حرکات کو دیکھنے لگا تھا۔ اللہ جانے وہ کب سے اس خمار فضلیات کو سنبھال اور اٹھائے ہوئے تھے۔ پرانے بے ترتیب ہوئے کپڑے [illegible] اور اخباری کاغذ [illegible] پڑا ہوا نظر آیا اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لیا جیسے جیسے چھتروں کے پتوں کو چباتے جاتے رنگ رنگ کی بدبو اپنے اندر کھوتی جا رہی تھی۔ وہ بڑی مستعدی اور انہماک سے کسی گوہر یا ندی جستجو میں تھے جو کہیں ان کی داڑھی میں چھپا پڑا تھا۔ جب انہوں نے کچھ کباڑ کا اچھا خاصا تھیلا اٹھا لیا تو آتے جاتے لوگ بھی جمع ہو کر تماشا دیکھنے لگے کہ [illegible] ہاتھ میں [illegible] ایک [illegible] کا [illegible] دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے مگر کیا مجال کہ کسی نے بابا کو کچھ کہا ہو یا وہاں سے لوگوں کو ہٹایا ہو۔ ادھر بابا اپنی موج میں مگن تھے نہ یہ خیال کہ جب اتھل پتھل کرتے ہوئے وہ ذرا جھکائی لیتے ہیں تو پیچھے سے بے پردہ بھی ہو جاتے ہیں نہ یہ خیال تھا کہ ان کے [illegible] جو ان کی کارروائی ملاحظہ کر رہا ہے اور میں [illegible] میں تو تھا ہی چھوٹی سی کا بابا جو ایک چھوٹے سے ہتھوڑا کی مانند سامنے دھرنا دیئے بیٹھا تھا کہ ابھی بابا ہتھوڑے سے چھوٹی ہوئی گندی چھری کا بیس کے مجھے لٹا کر میری زبان کاٹ کر لوگوں کو دکھا کر پکاریں گے "آئیں اور دیکھ لیں گا موا حسین کا پیارا دے گا" اور میں ایڑیاں رگڑتے ہوئے لہو سے خون کے بلبلے اور جھاگ نکالتا رہا ہوں گا۔ بہرحال اچھی خاصی چھانا چھانی کے بعد بالآخر بابا کو وہ گوہر مقصود مل ہی گیا جس کو اک نظر دیکھنے کے لئے یہ ساری ضرب تقسیم ہوئی تھی۔ بابا ایک پرانے گندے سے کپڑے میں لپٹی ہوئی کسی چیز کو کھول رہے تھے تہہ در تہہ کپڑا اتارنے کے بعد ایک پرانا رنگ والا ڈبا برآمد ہوا جس کے اوپر لٹکا ہوا ڈھکن ہوتا ہے۔ ڈبے پر جا بجا مختلف رنگوں کے داغ نشان موجود تھے خدا جانے بابا نے یہ ڈبا کہاں سے اٹھایا تھا؟ بابا پہلے تو اسے گھورتے رہے۔ پھر ہلا جلا کر کان کے قریب لے جا کر کچھ سننے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر منہ کے قریب لا کر زور لب کچھ بڑبڑانے میں لگ

[illegible] اردگرد لوگ جیسے انگلیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ بابا کی جرأت سے ان کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو
[illegible] پتہ نہیں ڈبے کے اندر قید کوئی خبیث جن ہے یا کوئی جن جس سے بابا راز و نیاز کی باتیں کر رہے
[illegible] تماشائیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ حکم چلی ہی شروع ہو چکی تھی۔ میں اور بابا بیٹھے تھے
[illegible] کھڑے تھے۔ میرے شانوں پر جب لوگوں کا دباؤ پڑا تو میں ایک قدم اور بابا کی جانب سرک گیا۔
[illegible] ڈبے کو کھولنے کا جتن کر رہے تھے۔ ڈبے کا دھن زنگ آلود اور میل کچیل سے بھرا ہوا تھا۔ بابا نے
[illegible] تماشا بڑھتے ہوئے ہاتھوں سے میل کچیل صاف کیا مگر ڈھکنا خدا جانے کتنی صدیوں سے بند تھا
[illegible] کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ بالآخر بابا نے اپنے کاندھے سے کسی بکسوے کا پرانا سا ایک کمبل دھونڈ
[illegible] کی ازلیں دے کر جو ڈھکنا کھولنا چاہا تو بھک سے دھماکے کے ساتھ ڈھکنا اڑ کر اوپر چھت سے جا
[illegible] بدبودار جھاگ نے بابا اور تمام تماشائیوں کو بھی [illegible] کی تو دھماکے کی آواز سے ہی
[illegible] اور جو کھڑے تھے وہ بڑا سا منہ بنائے ہوئے اپنے منہ ہاتھ اور کپڑے صاف کر رہے تھے۔ بدبو
[illegible] سڑے ہوئے جو جو ریاں بساندی پتے کی دال اچھال دی ہو۔ میرے بھی ناک منہ اور
[illegible] پتے کی دال [illegible] ہوئے [illegible] ہوئے پانی کی
[illegible] باقی [illegible] پر [illegible] ہونے کی [illegible] کا بھی بابا
[illegible] میدان صاف ہوتے ہی بابا نے چیل کی طرح جھپٹا مار کر مجھے کالر سے پکڑ لیا اور
[illegible] ہوئے ہاتھ [illegible] ہوئی دال انڈیل دی اور کھانے کے لئے اشارہ کیا۔ دال میری ہتھیلی
[illegible] میں جو جڑی کے کیڑوں کی مانند [illegible] تھی [illegible] جھاگ [illegible] بساند سے الٹی [illegible]
[illegible] رہا تھا۔ اے ارض و سما کی نعمتوں کے مالک و خالق! میں کیا کروں؟ کھانا تو درکنار اسے تو دیکھا
[illegible] جاتا۔ میری انگلیوں کی جڑوں سے بدبودار پانی قطرہ قطرہ میرے کپڑوں پر ٹپک رہا تھا۔ تھوڑی
[illegible] بابا نے مزید دال والا لفظ [illegible] میری ہتھیلی پر ڈال کر دوبارہ خشمگیں نگاہوں سے کھانے کا حکم دیا۔ مرتا
[illegible] آنکھیں موند لیں [illegible] اور ہتھیلی والی دال منہ میں ڈال لی۔ حسب عادت الحمدللہ کہا
[illegible] دال جب حلق سے نیچے اتری تو خدا کی قسم منہ سے سبحان اللہ نکل گیا جیسے بہشت کی کوئی نعمت
[illegible] ہو گئی ہو۔ ایسا ذائقہ ایسی حلاوت ایسی خوشبو۔ بابا کھاتے گئے میں کھاتا گیا اور پھر یہی ہوا اس
[illegible] کے کاموں میں ہوتا ہے۔

"بھائی! اٹھو اذان ہو رہی ہے۔"

میاں [illegible] ہلا رہے تھے۔ [illegible] تھی اس برآمدے کے بائیں جانب وضو کے لئے

UrduPhoto.com

ایک بڑا سا حوض بنا ہوا ہے اسے آپ چھوٹا سا تالاب بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک دروازہ پڑتا ہے۔ دوسری جانب جہاں حلقہ کنوئیں کا بنا ہوا تھا (یا اگر) اور تھوڑے پانی والی مشہور و معروف جہازی بھی کھڑی ہوئی ہیں۔ اس دروازے کے پاس کچھ اسٹال سے بنے ہوئے ہیں کہیں پر میاں صاحب اپنی انگوٹھیاں تسبیحیں کھیلے اور اسی نوع کی مختلف چیزیں فروخت کیا کرتے تھے میری بھی ان سے یاد اللہ تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو دیا اب میں انہیں پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایک دو جمائیاں اور ایک بھرپور انگڑائی توڑنے کے بعد جب میرے حواس پوری طرح بیدار ہوئے تو مجھے احساس ہوا کہ میں خوب خواب بھر کر سویا ہوں اتنی تازگی اور طمانیت کی طراوت سے سرشار تھا۔ نیند، نماز، بھوک اور بھوک اگر ان میں حضوری نصیب ہو جائے تو یہ محض خانہ پری کے کام بن جاتے ہیں اور ان سب میں حضوری تو درکنار ان میں سے کسی ایک کی حضوری بھی بڑے نصیب کی بات ہے۔ یہ چار چیزیں ہی دین و دنیا کی اصل جڑیں ہیں۔ سب کے پاس مگر حضوری کے ساتھ شاید ہی کہیں آئیں۔ نوم یعنی نیند کی حضوری تو قضا ہے صحوا یعنی نماز کی حضوری تسلیم و رضا ہے۔ ذیب یعنی بھوک کی حضوری تسکین و شفا ہے اور اپنی مقصود کے مباشرت یعنی بھوک کی حضوری ثمر و حیا ہے۔

UrduPhoto.com

"میاں صاحب! [illegible] وقت [illegible] پہلے یہاں ایک تماشا سا ہوا تھا اور ایک ملنگ وہ یہاں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اب وہ یہاں کہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ آپ انہیں [illegible]

میاں جی جو ایک بار [illegible] ضرور تھے میری بات بیچ میں ہی کاٹ کر مسکراتے ہوئے بتانے لگے۔

"بھائی! وہ ملنگ آج ہی کہیں سے آ کر یہاں براجمان ہوئے تھے اس سے پہلے انہیں یہاں نہیں دیکھا گیا۔ ایسے درویش ملنگ تو یہاں روزانہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہاں وہ بابا تمہارے لئے ایک پیغام اور ایک ادھار چھوڑ گئے ہیں۔ پیغام یہ ہے کہ۔" وہ کہتے کہتے رک سے گئے اور میرا منہ دیکھنے لگے۔

"بتائیں بتائیں میاں جی! رک کیوں گئے.....؟"

"بھائی! رکا اس لئے ہوں کہ پیغام ذرا سخت ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ مناسب الفاظ میں بتاؤں.....!"

"نہیں میاں جی! آپ بالکل ان ہی کے الفاظ میں بتا دیں میں قطعی برا نہیں مناؤں گا۔ جلدی سے ایک ہی سانس میں پیغام کے ساتھ وہ ادھار بھی بتا دیں۔"

"بھائی! انہی کے شہد دیا رہا ہوں [illegible] ہے تھے کہ اس لیتے ہوئے گدھوں
[illegible] کہ میں برس بعد بھی تمہاری تسلیم و رضا کی پی چکی ہے۔ [illegible] ہوتے تو کیا کر سوچتے گدھی پہ
[illegible] بابا کے چرنوں میں پڑے ہو لہٰذا الجھا رکھا چوٹی جرمانہ بھی ڈال گئے۔ مجھ سے چاندی کا چھلا لے
[illegible] لیا اور کہا کہ ہے تو یہ انہی کا پرتم اس گدھوے سے پوری چوٹی ہی وصولنا۔ اور بھائی! ایک
[illegible] بار والا گودڑا بھی۔ کہتے گئے کہ اس گدھوے کو جتنا کہ سات روز تک اجمیر شریف کی گلیوں
[illegible] میں گھومے اور ہر روز ایک پورا کا کھ کباڑا اٹھا کر مرشد پیا کی پہاڑی کی دوسری اوٹ ڈال کر آ کے
[illegible] وہ کا کھ کباڑ والا گودڑا تمہارے لئے چھوڑ گئے ہیں دروازے سے باہر تھوہوتی پچھوارے
[illegible] پیچھے کے پیچھے دھرا ہے۔"

میں یہ سب کچھ [illegible] سر جھکائے ہوئے وضو خانے کی [illegible] ہوتے ہوئے سوچ رہا تھا
[illegible] میں خوشبو [illegible] میں محبت [illegible] میں پاکیزگی [illegible] میں حلال [illegible] میں [illegible] کرامت میں [illegible]
[illegible] میں [illegible]۔ یہ [illegible] سیدھا [illegible] چلتا رہتا ہے۔ [illegible] کے ساتھ پروان [illegible] کے ساتھ
[illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] ہے مگر [illegible]
[illegible] ہے۔ یہ اپنی [illegible] سے [illegible] اسیان [illegible] پہنچی
[illegible] اور [illegible] کا شکار رہتا ہے۔ یہ جب [illegible] اور [illegible] کے [illegible] سلسلے میں
[illegible] تک جو مراحل [illegible] اور [illegible] پیش آتی ہیں ان سے [illegible]
[illegible] کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتی اور [illegible] ہونا چاہتے ہو اپنے
[illegible] کی ہر آزمائش وقت پر [illegible] کر سکے اور اس کے سوہ [illegible] پہ اسے [illegible] کی بھاری سرزنش کے
[illegible] اور [illegible] رکھ سکے۔ اسی لئے [illegible] اور سخت [illegible] کے ہاتھ ایک چھڑی [illegible] ہوتی
[illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] کے پاس [illegible] ہوتا ہے جس سے وہ بھٹکے [illegible] اپنے ساتھ چلنے والوں [illegible] دین و دنیا میں فساد پیدا
[illegible] اور فرد و قوم کو ان کی حدود اور [illegible] میں رکھتے ہیں۔ میں تو [illegible] اور [illegible]
[illegible] شرارتوں اور اٹھکیلیوں کی [illegible] بجانے والا [illegible] سر پہ [illegible] ہوتے اور مجھے
[illegible] تو میں [illegible] کا [illegible] ہو گیا ہوتا۔ [illegible] کا احساس ہوتے ہی فوراً سنبھل جاتا۔ بس اسی لڑکھڑانے [illegible] سنبھلنے میں [illegible]
[illegible] رضا میں کچا پکا ہی رہا۔

بات ہو رہی تھی ملک بابا کی کہ وہ کاٹھ کباڑ کا ٹوکرا اور چوٹی کا ادھار میرے لئے چھوڑ گئے اور ساتھ یہ پیغام بھی کہ میں برس رہا بھی گذرے تیری تسلیم و رضا والی پٹی کی بھی ہی رہی دادا باوا جی! دادا — پرشاد کھانے سے میرا ذرا سا ہی کیا فرق کہ آپ نے سیدھا منہ پہ چڑھا دیا گھوڑا گھوڑوں والا دال دانہ بھی کھلا دیا۔ دادا سرکار صوفی نور دین قدس سرہ معروف نور جہاں! موتیوں والی چھ ماہ پہلے میں کراچی آپ کے جیسوں فری مبارک میں بالکل نہیں موجود تھا۔ اب آپ یہاں!

بات کہاں سے کہاں جا کر اپنا سرا ملاتی ہے! انسان کا ذہن حافظہ بھی کیا عجیب چیز ہے۔ یاد آئے تو صبح کا کہا ہوا اور کھایا پیا آئے اور اگر یاد آ جائے تو پیدائش کی وقت کی چیخیں اور رونا بھی یاد آ جاتا ہے۔ جس دایہ کے ہاتھوں میری پیدائش ہوئی تھی (خدا اس نیک نفس کی قبر کو نور سے بھر دے) مجھے آج تک اس کے ہاتھوں کا نرم نرم لمس اس کے ہاتھوں اور بدن کی انوکھی سی پاکیزہ خوشبو تک یاد ہے۔ اپنے مرشد پاک کی آغوش میں ہوتا آنکھ سے اپنے ہونٹوں پہ پکا ہوا قطرہ ان کا چہرہ آنکھیں فراخ ماتھا اور موچھیں تک یاد ہیں بلکہ ہر وقت منظر میں رہتی ہیں۔ ان کے کہے ہوئے الفاظ کی بازگشت سماعت سے ٹکراتی رہتی ہے۔ چند دنوں کا ذکر ہو جس کے اندر حواس بھی کچھ بے ہوش ہوتے ہیں کیا کچھ یاد اور [illegible] ہے۔ [illegible] مکمل ہوتی ہے مگر اس کا وجود انسانی بطون اور زمانی ادوار میں مکمل ہوتی ہے۔ کچھ یہ موجود پہ بھی منحصر ہوتا ہے کہ کون ہے۔ محض ہے کا تخصیص ہے عام ہے یا خاص ہے مقدر ہے یا مقدور ہے۔ کچھ تو روز است سے وقتے قیام برزخ اور وہاں سے وقتے قیام شکم مادر اور وہاں سے جہاں رحم مادر تک کا ایک ایک قدم سمجھ ہوتا ہے اور لوح محفوظ کی طرح ہر انسان کے اندر بھی ایک لوح بطون ہوتی ہے جس پہ ہر کا فیض پہ آپریٹ کرنا اور پھر اسے سمجھنا پڑھنا یہ ہر کس و ناکس کے بس کا کام نہیں۔ اکثر میں نے بزرگوں سے سنا ہے اللہ کے بندوں کے ہاں یہ کمپیوٹر کی بند الماریوں میں محض دھرے پڑے رہتے ہیں انہیں کوئی چھیڑتا تک نہیں۔ آخر کار میت کے ساتھ انہیں بھی قبر کے گڑھے میں دبا دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ والے غریب ہوتے ہیں۔ دنیا و کائنات کے مسلمہ اصول ضابطوں کا شاید ان پہ اطلاق نہیں ہوتا۔ وہی فرشتہ والی بات کہ ۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ پُراسرار بندے جن کا موت بھی کچھ نہیں بگاڑتی، موت کی چادر اوڑھ لینے کے بعد بھی وہ

ہوتے ہیں اپنے جلوے دکھاتے رہتے ہیں خالق اللہ کو اپنے فیوض و برکات سے مستفیض فرماتے رہتے ہیں
جب جب دنیا کر لینے کے بعد ان کے فیض و تصرفات میں بہت کمی اضافہ ہو جاتا ہے یعنی ان کی راہ کی
عرفان و عرفان اور ایقان کی شمعوں کی ضوفشانیاں کا ہے۔ عمر گزرتی ہے ہر لمحہ وقت کے ساتھ ان کی
نورانی و تجلیات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ جسے یقین نہ آئے خود اپنی کھلی آنکھوں سے جا کر دیکھ لے
ہر فرد اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔ ہزاروں برسوں سے جلوت و جمال کے چراغ جگمگا رہے ہیں۔ ادھر
حسن کے دریچے کھلے ہیں ادھر تکریم سے معظم مدینے کی ہوائیں آ رہی ہیں۔ جن و بشر فدی و عاصیان عرش
صورت و تسبیح تہلیل و تکبیر مراقب و مناجات میں مصروف ہیں۔ آسمان سے انوار کی برسات ہو رہی ہے۔
کوئی لمحہ کوئی ساعت ایسی نہیں گزرتی جو اللہ کے پاک فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کی
نشانی سے نہ گزرے۔ وہاں ساعتیں زندہ ہیں پائندہ ہیں پاکیزہ ہیں روشن و دیدہ ہیں ذرات
تمام تر نور اور راحت کر رب ذوالجلال سے زندہ ہیں۔ جہاں جہاں بھی اللہ کے برگزیدہ بندے
محو استراحت ہیں۔ ان کے مقامات و مراتب مقابر و مراقد زندہ و پائندہ ہیں۔ زندگی کی تمام و جلال اور
ہیبت و ہیا کا ہی تو ہیں۔ زندگی تو اللہ کے برگزیدہ کی خدمت خوشبو اور اللہ کی مخلوق سے محبت و قربت
سے تعبیر ہوتی ہے اور یہی ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کے بارے میں جن کی نفس نوازی سے
ان جہان میں درخشندگی اور تابندگی قائم ہے۔ ایسے میں میرے مرشد حق آگاہ نے کیا خوب کہا ہے ۔۔۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یعنی ان کی رشد و ہدایت کی تجلیاں تابانیاں ہر لمحہ ہر پل اور ہر ساعت جاری و ساری رہتی
ہیں۔ جیسا آپ کو معلوم ہے کہ مجھے تجل خواری ہونے کا بڑا چسکا اور چکا ہے۔ جتنی بھی حیاتی گزری اس
میں زیادہ حصہ میں اسی تجل خواری کے اشغلے میں رہا۔ ایک دفعہ موج میں آ کر میری چاچی نے مجھے بتایا تھا
کہ یہ ساری درویشی کے پاؤں تلے ارضائی قدم ہوتی ہے۔ دماغ چھوٹا سمجھ عقل محدود۔ بات کچھ پلے
نہ پڑی نادانی میں پوچھ بیٹھا۔

"چاچی! اگر میں بھی ان پیر و شیخ کے روضے مبارک پہ جانا چاہوں تو کیا میں ارضائی قدم بڑھا
کر وہاں پہنچ سکتا ہوں.....؟"

وہ حسب معمول مسکرائیں میرے گال تھپک کر کہا۔

"پہلے تو تمہیں درویشی کا وہ مقام دیکھنا پڑے گا اور پھر تمہیں ارضائی قدموں والی بات کا حل

UrduPhoto.com

مطلب سمجھنا پڑے گا کہ ازخائی قدموں سے کیا مراد ہے؟"

"میری پیاری چاچی! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دو یا مجھے ایسا ہاتھ دو کہ میں دو قدم اٹھاؤں اور مدینے شریف پہنچ جاؤں۔ کبھی مکے شریف، کبھی بغداد شریف اور کبھی اجمیر شریف۔"

میں اداسی سے چاچی کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال کر صدمی کرنے لگا تھا۔ چاچی نے پیار سے میرے سر پہ ایک چپت جماتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی ہے اور ایسا ہی ہوگا۔ تو ہواؤں، بادلوں اور پرندوں کی طرح اڑتا پھرے گا۔ تیری راہوں میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہوگی۔ یہ ہوا تیرے آگے ایک کھنڈوا (کپڑے کی کترنوں سے بنا ہوا گیند) کی مانند بن جائے گی....."

اس وقت تو یہ بات ایک اجنبی کی سی سوچ چاچی نے [illegible] کا دل خوش کرنے کے لئے کہہ دیا ہے مگر پھر بھی دل بڑا خوش ہوا کہ چلو دو قدم اٹھائیں گے تو مکے چلے جائیں گے اور پھر دو قدم اٹھائے تو مدینے ہوا آئے۔ مقصد یہ تھا کہ دو ہفتوں اور مجھے راتوں میں ذرا اپنا حلیہ بنائیں گے۔ میں نے اپنے تصور اور خیالوں میں مکے مکرمہ، مدینہ منورہ، بغداد شریف اور اجمیر شریف کی زیارتیں کرنا شروع کر دیں۔ اس روز سونے سے پہلے [illegible] چاچی کے پاس گیا۔ [illegible] کی بانگ تک میں نے کئی تسبیحیں درود شریف کی پڑھیں۔ عشا کی نماز ادا کر کے پھر آیۃ الکرسی اور دعائے تاج العرش جو بھی یاد تھا پڑھا اور پھر دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنا درویش بنا دے۔ جیسے میری چاچی نے کہا ہے ویسے ہی دنیا میرے قدموں میں ازخائی [illegible] میں نے کھڑے ہو کر اپنی آنکھیں بند کیں، بسم اللہ شریف پڑھی۔ پھر میں نے داتا صاحب لاہور پہنچنے کی نیت باندھی کہ پہلے شروع شروع میں تھوڑے فاصلے کی پریکٹس کرنی چاہئے۔ پھر آہستہ آہستہ ملتان، سیہون، اجمیر، بغداد اور پھر آخر میں مکہ مدینہ۔ پھر اگر دل چاہا تو چین، لندن اور امریکہ، افریقہ بھی چکر لگا آئیں گے۔ وہی تو قدم اٹھاتے ہیں۔ مجھے کون سے ٹکٹ خریدنے اور ویزے لگوانے ہوں گے؟ ..... دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ اعصاب پہ ہلکا سا رعشہ بھی طاری تھا۔ دھڑکتے دل کی مانند ہلکا ہلکا سا آدھا انچ قدم آگے بڑھایا کہ کہیں زیادہ سے آگے تو کوئی نہ پہنچ جاؤں۔ اب میں انچ بھر آگے سرک کر کھڑا ہوں۔ آنکھیں سختی سے بند کر رکھی ہیں کہ داتا صاحب پہنچنے کی کوئی نشانی مل جائے تو پھر انہیں کھولیں۔ کافی دیر یوں ہی دم سادھے کھڑا رہا مگر کوئی آواز، بات یا ایسی کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی جس سے یہ اندازہ ہو سکتا کہ میں داتا صاحب پہنچ گیا ہوں۔ بازار سے باقر پاؤں والے کے ریڈیو پہ مغرور سلطانہ کے بیٹے گانے کی آواز بدستور آ رہی تھی۔ یہ بھی تھا

یا کہ ہو سکتا ہے یہ کالے کی آواز داتا صاحب کے ہم جوار کی کسی دوکان یا مندر سے آتی ہو لیکن عاشقِ قصائی کے مخصوص بے ہنگم اور بلند و بانگ قہقہوں نے میری یہ خوش فہمی بھی دور کر دی۔ اب میں اس خدشے سے آنکھیں بھی نہیں کھول رہا کہ ہو سکتا ہے میرا قدم ذرا آگے یا پیچھے پڑا رہ گیا ہو۔ یہ پاؤں کو آگے پیچھے کرنے والا کام بھی کر کے دیکھ لیا مگر باقر پاؤں والا منور حلقانے اور عاشقِ قصائی دونوں کے قہقہے اب بھی موجود تھے۔ چند لمحوں بعد بڑی بددلی اور مایوسی کے عالم میں ہلکی سی آنکھیں کھولیں پھر آہستہ آہستہ پوری کھول دیں۔ سامنے بچے اپنے کولہے پر چاچی اپنے ہاتھ میں لالٹین تھامے طرفی میری جانب دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ متوجہ پا کر اس نے مجھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ پاس پہنچ کر سلام کرتے ہوئے میں ایک جانب خاموش کھڑا ہو گیا تھا۔ شرمندہ اور ناراض سا۔ چاچی چند لمحے مصنوعی ناراضی سے گھورتی رہی پھر گویا ہوئی۔

"کاکا! جھوٹ بازی تو شیطان کا وطیرہ ہے اور مایوسی گناہ۔ تمہیں یاد ہوگا میں نے تم سے کہا تھا کہ زمانی قدموں والی بات کے اصل معنوں کو جاننا ذرا ضروری ہے کہ اس بات کے باطن میں کیا بات ہے اور تم نے [illegible] ہو۔ اب تم میرے ساتھ چلو۔ [illegible] ہو۔ [illegible] پہنچ کر لے [illegible]"

یہ وہی لاہور والا سفر تھا جس کا ذکر ابتدا میں ہو چکا ہے۔ فرید اور رئیس فقیر سے ملاقات اور [illegible] پھر سائیں نجو اور صوفی صاحب کے ہمراہ حاصل ہوئے تھے مگر میں اس سفر میں آتے جاتے کہیں زمانی قدموں والی بات میرے پلے نہ پڑی تھی کہ درویش کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی سفر و سیاحت [illegible] روزی رزق میں آسانیاں اور برکتیں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ یہ کہ جس قدم اٹھاؤ اور جس جگہ پہنچ جاؤ لیکن [illegible] کی بات کہ ایسا بھی ہوتا ہے مگر استثنائی صورت حال کے علاوہ اس قسم کے تماشے دکھانا فقیر یا درویش کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔ ایسے خارق العادت مظاہر اس کے نزدیک ایک بچگانہ فعل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

بات میری اپنی ہو رہی تھی کہ ساری زندگی آوارگی اور خواری میں کی۔ میدان، پہاڑ، جنگل، صحرا، سمندر، آتش فشاں، خونی دلدلیں، پراسرار غاریں، گمنام قدیمی قبرستان، مرگھٹ، معبد، عبادت گاہیں، آبادیاں، خونی مینار، اجتماعی قبریں، پرانی تہذیبیں، بازیافت شہر، دیار، [illegible] زیر زمین [illegible] سمندر [illegible] کے [illegible] کر [illegible] اور اس سے آگے اور اس سے بھی آگے۔ میری چاچی کی کہی ہوئی بات [illegible]

سامنے آ گئی۔ واقعی یہ دنیا میرے آگے پن چکی کے پاٹ کی طرح ازخائی قدم ہی رہی ۔۔۔ میری دنیاوی یعنی سکول کالج کی تعلیم تو تھی نہیں وہی دو چار کچی پکی جماعتیں۔ جیسے میں صرف دس بارہ فوٹی چھوٹی سی حاضریاں، پندرہ بیس فلمیں، تیس ہاکیں چوریاں، ستائیس اٹھائیس لڑائیاں اور درجنوں چوری کی مرغیاں۔ بس ایسے کاموں کے ریاض تک ہی میری ریاضی تھی اور باقی تعلیم کا حساب آپ خود لگا لیں۔ بس میں تھوڑی بہت جو تعلیم اور رہن تھا وہی میری تعلیم و تعلم اور جو بھی مجھے علم لدنی عطا ہوا وہی میرا علم تھا۔ پھر پاپڑ چاٹ چاٹ جو لذت سنگ حاصل ہوئی اس نے میری جوان طبع اور افتاد طرح و طرز کو گدرایا۔ کچھ میری مطالعہ کی عادت اور کچھ میری گہرے مشاہدے کی خو اور کچھ فکر و تجسس کے تقاضے، دین و دنیا کی معاملت و معاشرت اور کچھ ملاحظت و مسافرت کے تجربات چند ایک بزرگوں کی جوتیوں کی مٹی، میرا تجربہ میری سادگی اور قناعت ہی میری پی ایچ ڈی ہوئی۔ یقین فرمائیں کہ مجھے آج تک انگریزی، اردو، عربی اور پنجابی میں بارہ مہینوں کے نام نہیں آتے۔ کالی، پیلی، سینگرہ کے آگے گنتی ختم ہو جاتی ہے۔ پانچ سو ہزار کی ریزگاری گنتا ہی نہیں کہ ہر بار سو پچاس کم و بیش ہو جاتے ہیں۔ یہی حال میرا لکھنے کا ہے۔ کچھ علم نہیں کہ کیا لکھ رہا ہوں، شروع کہاں سے ہوا تھا، موضوع کون سا تھا، کہانی کی رقیب روسیاہ کا تھا؟ ۔۔۔ [illegible] اور بغداد شریف جاتا ہے۔

UrduPhoto.com

- **مکاتیب جذب و جنون.....!**

عرب و عجم کی خاک چھانی، جگہ جگہ کی مٹی چاٹی، ٹھوکریں کھائیں لیکن تاہم دم تجسس کا طبع ختم نہ ہوا، علم کی چاٹ کم نہ ہوئی اور جانتے کھوجنے کا چسکا نہ گیا۔ یعنی جیسے جیسے پیتا گیا پیاس بڑھتی ہی گئی۔ کسی صورت ازخائی قدم کھا نہ پڑے۔ ارض مقدس بشمول فلسطین اور اس کے پڑوس میں عراق، شام، مصر، ایران اور ترکی میرے لئے ہمیشہ سے ہی بے پناہ کشش کا باعث رہے اور پھر ہمارا دین دنیا کا قریب قریب سارا اثاثہ اور ورثہ بھی ان ہی ممالک میں محفوظ اور موجود ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک خاصا اہم حصہ ان مقدس، پراسرار، پرکشش اور قابل دید ممالک میں صرف کیا ہے۔ ہر بار یہی جی میں آتی کہ یہیں کہیں پڑا رہوں، خاص طور پر عراق کی سرزمین تو میرے لئے ایسی ہے کہ اس کی مقدس خاک میں محض ایک ننھے سے ذرہ ہی کر پڑا رہنے کو جی چاہتا ہے۔ یہاں پہنچ پاؤں تو میں پاؤں پہ نہیں پلکوں کے بل

لمحہ لمحہ کر چلتا ہوں ۔ جب میری چاچی نے مجھے ارضی قدموں والی بات بتائی تھی تو سب سے پہلے میرے دل میں جو خواہش پیدا ہوئی تھی وہ یہی تھی کہ میں بغداد شریف والے پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی کے قدموں میں جاؤں گا جہاں کے مدینے کے بارے میں ہم بچوں کی سوچ یہ ہوا کرتی تھی کہ یہاں صرف بوڑھے بوڑھے صالح لوگ جاتے ہیں اور بغداد شریف صرف بچوں کے لئے ہے۔ "لے پاروں والے دا ہاں تے ابی ہوئی تر جاویں گی"۔ جب ہم بچے لہک لہک کر بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ آنکھیں بند کر کے پڑھتے تھے تو پیران پیر کا روضہ مبارک جس کے صحن میں کھجوروں کے درخت ہوتے تھے واضح طور پہ ہمارے سامنے آ جاتا تھا۔ پھر گیارہویں کے بڑے ختم شریف پہ بھی خوب کھانا چلتا اور برکت ہوتی تھی۔ گو چاچی نے ہمیں خوشخبری سنا دی ہوئی تھی کہ ہم انشاء اللہ پیران پیر دستگیر کے روضہ مبارک پہ ہوں گے جایا کریں گے جیسے بچے جب دل چاہے مسجد میں چلے جاتے ہیں ویسے ہی ایک دن ہم نے لہک لہک کر پوچھا۔

"چاچی! آپ بھی تو وہاں جاتی رہتی ہوں گی.....؟"

چاچی حسب عادت مسکراتے ہوئے بولی۔

"مدینے شریف کے بعد بغداد شریف ہے بہت اعلیٰ اور پھر بغداد شریف۔ یہ ولیوں درویشوں فقیروں کے سارے فیصلے اور حساب کتاب وہیں ہوتے ہیں۔ ولیوں شخصوں کے ساتھ ساتھ تیرے درویشوں کے فیصلے بھی کل ہو جاتے ہیں اور جیسے کوئی بڑا آدمی آ کر کہیں جائے تو ساتھ نوکر چاکر سارے گھوڑے بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں اسی طرح صبح حاضری بھی کبھی کبھی وہاں لگ جاتی ہے۔"

میں مچل سا گیا گلے میں بانہیں ڈال کر خوشامدی کرنے لگا۔

"میری اچھی چاچی! میری بھی وہاں حاضری لگوا دو میں بھی تو درویش ہوں اور تمہارا کاکا بھی ہے۔"

"ہاں ہاں تمہاری حاضریاں بھی خوب لگیں گی ۔۔۔ کاکا بغداد شریف میں قادریہ جیلانیہ مکتب کی دہلیز پہ بیٹھا کرے گا بس ذرا موسم تو کھلنے دو۔"

میں نے جواب کے ساتھ ہی نیا سوال داغ دیا۔

"موسم کب کھلے گا چاچی.....؟"

چاچی مجھے پچکارتے ہوئے کہنے لگی۔

"موسم تب کھلے گا جب رت گدرائے گی جب میرے مولا کے نجف شریف اور بڑے پیر کے

UrduPhoto.com

بغداد شریف کی جانب پرانی چلے گی اور میرے کاکا کے بازوؤں میں بوجھ سہارنے کے لئے بال و پر اور سمت سدھارنے کے لئے حوصلہ یقین اور عزم پیدا ہو جائے گا۔"

میری تو بال بنی تھی میں تو اگر ہائی قدم اٹھانے اور بغداد شریف پہنچنے کی ضد میں ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کے چکر میں تھا۔ میرے مزید اصرار پہ چاچی نے شاید مجھے ٹالنے کی غرض سے کہا۔

● ارغون کے کاگے ...!

"سنو کاکا! بغداد شریف سے آگے نجف اور کوفے سے پہلو بچاتا ہوا ایک شہر ہے موصل۔ اس کے پاس ہی صحرا میں ایک بے نام سی جگہ ہے۔ اس جگہ کو ہم ارغون کہتے ہیں۔ یہاں ویرانے میں ایک سیاہ رنگت کا نیلا سا اجڑا ہوا ہے بالکل جیسے اونٹ کا کوہان ہوتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ نیلا ہوتو مٹی کی مانند بھربھرا ہے اور نہ ہی پتھر کی طرح سخت اور کھردرا بلکہ یہ اونٹ یا ہاتھی کے کھلے سے گوشت کی طرح ہے اور مزید حیرانی کی بات کہ اس میں موٹے موٹے مسام ہیں جن میں بالوں کی طرح کھال سی اگی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں [illegible] ہے بابا [illegible] حلاج کو مردہ دفن کر سکھایا تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہ اب تک زندہ ہی صحرا میں گڑا ہوا ہے۔ چاند کے ماتھے پہ جھومر پڑنے کی رات نہ جانے کہاں کہاں سے بڑے بڑے کاگے یہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اس روز آس پاس کی بستیوں والے سرِشام ہی اپنے گھروں میں پڑ جاتے ہیں۔ اشد ضرورت پہ بھی کوئی باہر نہیں نکلتا۔ یہاں پہ مشہور ہے کہ یہ پرندوں کے روپ میں جنات ہوتے ہیں۔ اگلی صبح دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ ارغون کے گرد و نواح تک لاکھوں پرندوں کے پاؤں کے نشان ہوتے ہیں....."

میں دانتوں تلے زبان دبائے چاچی کی بات سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں بغداد جانے کی ضد کیوں کر رہا تھا؟ چاچی سنا رہی تھی اور میں خود بھی اسی نقشے میں پہنچا ہوا تھا بلکہ وہ نیلا، وہ سنسان سا صحرا لاکھوں کاگے شب بھر کی آہ و بکا اور پھر صبح صادق سے پہلے سب پرندوں کا اپنے اپنے ٹھکانوں منزلوں کی جانب کوچ کر جانا مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں خود بھی ان پرندوں میں شامل ہوتا ہوں۔ چاچی میری جانب غور سے دیکھ رہی تھی اور اسے پراسرار انداز میں بولی۔

"کاکا! کہاں ہو...؟"

میں جیسے اس کی بات سنی ان سنی کرتا ہوا بولا۔

"چاچی! وہاں سے ہم سب پہلے ازاں جہاں کا کشف شریف آتے ہیں حاضری دے کر واپس جانے سے پہلے پہلے لوگ کے قبرستان میں نکل جاتے ہیں جہاں سوال ذاتی مورکی ہمارا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد چاچی نے اب ہی کی "ہاں" کی میں سر کے ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ میں واپس آیا۔

"چاچی! ہر چیز میری آنکھوں کے سامنے ہے۔"

"ہاں کاکا! یہ پوری کائنات انسانی کی آنکھ کی پتلی کے دائرے میں ہوتی ہے اس آنکھ کے پیچھے صداقت کی ساری بات ہے۔"

"چاچی! یہ سب کچھ میں نے ابھی دیکھا ہے یہ پہلے مجھے کیوں نہیں دکھائی دیا؟" میں اچانک بول پڑا۔

"اس لئے کہ تم نے آج سے پہلے یہ کچھ کبھی سوچا ہی نہیں تھا بغداد شریف جانے کی بھی ضد نہیں کی تھی۔ [illegible] تمہاری باطنی صداقت تمہاری آنکھوں کی پتلی سے لگا رکھی ہے۔"

"چاچی! پوری بھی مجھ میں کیوں نہیں آرہا؟" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

UrduPhoto.com

● سکاٹ لینڈ کا پراسرار جزیرہ اور یہودی بزرگ

میں سکاٹ لینڈ میں گلاسگو کے ایک ذاتی نجی جزیرے "کیرسن آئی" پر تھا۔ میں جو ایک یہودیت پر اپرلی تھا اپنے ایک سکاچ واقف کار دیکھا کے ساتھ ایک ہفتے کے لئے پڑا ہوا تھا۔ میرا یہ ہونے والا ایک بہت اعلیٰ مشرقی علوم اور روحانیت کا جانکار تھا۔ بنیادی طور پر وہ یہودی النسل اصلی طور پر کیتھولک پیدا ہوا مگر قلبی طور پر اسلام کے بہت قریب تھا۔ آسمانی صحائف اور خاص طور پر قرآن حکیم کا پڑھنے والا نماز روزے سے بھی واقفیت اور وابستگی تھی۔ ہلکی پھلکی داڑھی اور خاص لباس بھی بالکل مولویوں جیسا تھا۔ میرے علاوہ سب ہی اسے ذہنی مسلم سمجھتے تھے۔ ہم دونوں پاگلوں کا اس آدھ تھکی ہم جزیرے میں آنے کا مقصد محض چند سات روز دنیا کے ہنگاموں سے دور فطرت کی گود میں بیٹھ کر تنہائی اور سکون میں کچھ لمحے فکر اور آرام کرنا تھا۔ اس جزیرے کی مالک ایک بوڑھی سکاچ یہودن تھی جو چند سال پہلے اپنے شوہر کی

گدھوں، چھ عدد گائیوں اور پتھروں کے ساتھ وہاں ایک رہتی تھی۔ میرے یہودی دوست سے تعلقات کی بناء پر اس کاروباری ذہن رکھنے والی بڑھیا نے مسلح میں پوند ایڈوانس کے عوض قیام و طعام مع مچھلی شکار کرنے کا سامان ایک چھوٹی سی چپوؤں والی کشتی اور سواری کے لئے دو ٹٹو فراہم کرنے والی میزبان بننا قبول کیا تھا۔ بڑھیا نے مویشی خانے سے ذرا پرے لکڑی اور پتھروں سے بنی ہوئی ایک بوسیدہ سی کاٹیج نما کوٹھڑی ہمارے لئے مختص کر دی جس میں پرانی مگر مضبوط لکڑی کے بنے ہوئے دو فراخ سے تخت دراز پڑے ہوئے تھے جو شاید ہماری استراحت کے لئے تھے۔ کوٹھڑی کی چاروں دیواروں میں کھڑکیاں تھیں۔ شمال میں دور کہیں سوئٹزر کی بلند و بالا عمارتوں کی جھلک تھی۔ مغرب میں بندرگاہ اور جیٹی نظر آتی تھیں۔ ایک جانب کھلا سمندر بادبانی کشتیاں، چھوٹے جہاز، ماہی گیر اور چوتھی طرف دور جزیرے اور تاحد نظر نیلا آسمان۔ تخت دراز پر لیٹ کر سیگریٹ پیتے ہوئے میں نے بیلے سے کہا۔

"یار! یہ بڑھیا تو کافی ہی پکی دکھائی دیتی ہے۔ معاملات طے کرتے ہوئے اس نے تمہارا ذرا بھی قولاً لحاظ نہیں رکھا۔ ایک ایک دھیلا کرایہ ایڈوانس وصول لیا ہے۔"

وہ کھلی کھڑکی سے باہر سمندر دیکھتے ہوئے بولا۔ "[illegible]"

"ہاں [illegible] جھوٹوں میں جھوٹ کے بیوپاری ہی اکثر پورے اور کامیاب ہوتے ہیں۔" وہ سمندر سے نظریں ہٹائے بغیر مجھ سے کہہ رہا تھا۔

"دیکھو سمندر کو غور سے دیکھو۔ سوچو اس پر قدرت کو۔ یہ اپنے اندر ضابطوں، اصولوں، سمجھوتوں اور تہذیب و توازن کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے کیسے کیسے اضطراب چھپائے ہوئے ہے۔ ہر چاندار جاندار جاندار کو جو اس کے پاس پہنچتا ہے یہ اسے اپنے باطن میں اتار لیتا ہے اور جو کوئی بھی بے ڈھنگا اور بے ڈھب پڑا ہو اسے کنارے پر پھینک دیتا ہے۔ خاموشی میں خار رکھنے والوں کو اٹھائے رکھتا ہے اور بھید بھرے ہوؤں کو باندھ لیتا ہے۔ تم نے کبھی آبی کوچوں کو سطح سمندر سے ذرا اوپر دیوانہ وار اڑتے پھرتے اور چیختے کراتے دیکھا ہے؟ کبھی ان کی صدائیں غور سے سنیں؟"

وہ جملہ اپنے ربط میں بہہ نکلا تھا۔ میں نے اسے بیچ میں ٹوک دیا۔

"دوست! میں نے غلطی سے بڑھیا کی بات کی تھی تم سمندر کے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

جیکب نے میری اس بات کو اپنی ازلی حماقت آمیز بے نیازی کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے اپنے اسی لہجے اور موڈ میں جواب دیا۔

"دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ آبی آبیے اور سمندر میں رہتی ہے اور سمندر آبی آبیے میں

UrduPhoto.com

ہے۔"

اس کی یہ بات بھی میرے سر پہ سے یوں گزر گئی جیسے شام کے کوئی بادل آپ کے سر پہ سے خاموشی سے گزر جاتی ہے اور آپ اس کے صرف سایہ کو ہی محسوس کرتے رہ جاتے ہیں۔ میں انہیں کشادہ کئے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ "آئی آبرے اور سمندر، سمندر اور آئی آبرے؟" میں اپنے ذہن میں سمندر اور آبرے کی صحیح تفریق میں الجھ سا گیا۔ جیکب تمباکو کی ڈبیا نکال کر سگریٹ رول کرنے لگا۔

میڈم آبرے سے پہلے اس کی پوٹی پوپی نس کی تھکی سی کیتیا اندر داخل ہوئی تھی۔ سر پہ تہہ در تہہ پرستے بیوقوفوں کے انداز میں سکارف باندھے اور ٹخنوں تک جانا ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہنے چہرے پہ ایک میٹھی مسکراہٹ سجائے میڈم آبرے کے لئے بھی بڑی کافی بھری چینی کی پرانی سی کیتلی میں گرم گرم کافی لائی تھی۔

"جنٹلمین! آپ آبرے ڈیوڈ کی جانب سے تو بڑے خوش آئی ہاتھ پہ آمد کی خوشی میں یہ حقیر سی ضیافت قبول فرمائیں۔"

تمام چیزیں ٹرے پہ رکھ کر میں کافی انڈیلنے لگی۔ میں نے اٹھ کر پیالہ اور ڈوبو رٹ اس کے آنجہانی پیارے شوہر ڈیوڈ ہروڈ کی نشانی ہیں جو دوسری جنگ عظیم میں کام آ گیا تھا۔ کافی کے کپ ان کے سامنے تخت دراز پہ رکھتے ہوئے اس نے درخواست کی کہ کافی پینے سے پہلے اپنے رب کے حضور شکر گزاری کی دعا مانگ لیں۔ چاہے اس کے ساتھ ہم نے بھی سر جھکا کر ہاتھ اٹھا لئے۔ کافی دیر وہ اپنے کچھ بڑبڑاتی رہی۔ میں تنگ آ کر کنکھیوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے سرخ و سپید چہرے پہ جھریوں سے بھری گالوں پہ دو موٹے شفاف سے آنسو جھلملا رہے تھے اپنی آستین سے چہرہ صاف پونچھتے ہوئے اس نے ہمیں کافی سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دی اور پھر کیتلی کی بے سروسامانی پہ اک نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔

"مجھے امید ہے کہ آپ کو اس پرسکون جگہ پہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ صبح کا ناشتہ علی الصبح پہلی ورکر کے فوراً بعد تیار ہوتا ہے۔ جو کا دلیا، خشک انگور، دودھ اور گھر کی ہی بنی ہوئی ڈبل روٹی۔ ناشتے میں چائے یا کافی کا میرے ہاں رواج نہیں۔ دلیے کی جگہ تازہ پھل یا دلیا لیا جا سکتا ہے۔ ناشتے کی میز پہ بیٹھنے سے پہلے غسل اور ناشتے کی عبادت دعا ضروری ہے۔ تمباکو نوشی کی اجازت صرف اسی مغربی حصے میں ہے جہاں آپ اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں۔ ناشتے سے ٹھیک پندرہ منٹ پہلے میرے معبد سے گھنٹہ بجنے کی

آواز بلند ہوئی پھر میری پیاری کتیا مسلسل دو منٹ تک اپنی خوبصورت آواز میں بھونکے گی۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر اگر ناشتے پر نہ پہنچا جائے تو اس صبح ناشتے سے محروم رہ جانے کا امکان ہے۔ دوپہر ایک بجے کے قریب ہی گھنٹہ بجے گا۔ ظہرانے میں تلی ہوئی مچھلی آلو کے قتلے ابلی ہوئی گوبھی مٹر پھلیاں حسب ضرورت ہو کے ان چھنے آٹے کی دال روٹی مشروم کا سوپ اور کوئی ایک میٹھی ڈش۔ رات ساڑھے چھ بجے عشائیے میں ابلی ہوئی سبزیاں بیف سٹیک اور قیمے کے سموسے کافی کے ساتھ۔ دن کو مشرقی اور شمالی حصے کی جانب جانے کی پابندی ہے صرف مغربی جنوبی حصہ آپ کے لئے مخصوص ہے۔ مچھلی کا شکار گھڑ سواری اور کشتی رانی سورج کے غروب ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر تک کر سکتے ہیں اور ایک خاص تاکید جو میں اپنے معزز مہمانوں کو کرنا چاہوں گی کہ شمالی حصے کی جانب رجوع کرنے کی سختی سے ممانعت ہے۔ دن ہو یا رات اس جانب جانے والے کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہ ہوگی۔ ملازموں سے بات چیت کرنا منع ہے۔ ٹیلی فون کی سہولت ادائیگی پر میسر ہے۔ مقررہ قیام سے پہلے جزیرہ چھوڑنا اگر ضرورت ظہرے تو طے اور ادا شدہ رقم واپس نہیں ہو سکتی۔ کسی ضرورت کے تحت کا سلوپ کھایا جا سکتا ہے آمد و رفت کے لئے کرائے پر کشتی اور کشتی بان مل سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر ہیلن نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں ڈالا اور طویل لیکچر کا لطف بھی تو یہ دیکھنا تھا کہ اس نے کیا کچھ کہا ہے ماسوائے اس کے کہ شمالی حصے کی جانب جانے کی سخت پابندی ہے۔ وہ اور پیچھے پیچھے اس کی سگی کتیا پوپی باہر نکلی تو ہم دونوں نے اپنے اعمال پتلون سے صاف درست کئے۔

"دوست جیکب! یہ تو مانتے ہو کہ قدرت کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ بہتر ہوا کہ اس کا خاوند کتیں جوانی میں ہی فارغ ہو گیا اگر کسی طور زندہ بھی رہ جاتا تو اس وقت تک پاگل ہو چکا ہوتا۔ ایسی سخت گیر اصول پرست اور آمرانہ ذہنیت کی حامل بڑھیا کم از کم میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔"

جیکب نے اپنا بجھایا ہوا چرل مرل سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ دھوئیں کا ایک اچھا خاصا بادل اگلتے ہوئے گویا ہوا۔

"مائی ڈیئر پاکستانی! یہودیوں کی تاریخ فطرت قدامت پسندی اور اصول پرستی سے اگر تھوڑی بھی ہٹ دھرمی ہوتی تو شاید تم یہ بیہودہ اور جاہلانہ قسم کی بات نہ کرتے۔ مادام آپ سے ڈیوڈ بیشک نظریہ یہودی ہے مگر وہ پکی کٹر ہی سکاٹش بھی ہے۔ اصل یہودی اور کٹر اسکاٹ قدامت اور اصول پرست

[illegible] کسی کو دل و جان سے چاہنا ہے لوٹ پیار اور کسی پر بھی اعتماد کرنا اس کی فطرت میں شامل نہیں۔ پیسے کا خرچ کرنے سے کہیں زیادہ دولت بچانے اور محفوظ رکھ کر اندر سے بچے کمانے پر ایمان رکھتا ہے۔ سمندر کی لہری ہوا اور دریاؤں کی طرح وسائل زر کے سارے ندی نالے دریائے جیحوں اور وال سٹریٹ کے بڑے بڑے یہودیوں کے زمین دوز سرائے روم میں اتر جاتے ہیں جہاں کاسی کے تمام خفیہ راستے [illegible] ہوتے ہیں۔" وہ نیا سگریٹ رول کرتے ہوئے بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں نے کہا تھا مادام آپ سے ملوں اور سمندر ایک ہی رویے روایت کے دو مختلف نام ہیں۔"

جونہی جیکب پتلا سا رول کیا ہوا سگریٹ سلگانے کے لئے ایک ثانیے کے لئے خاموش ہوا میں نے بات چھین لی۔

"جیکب! تم مادام کو کیسے جانتے ہو؟"

میں نے اپنے [illegible] اس کی تیز تیز چلتی ہوئی زبان کی قینچی کو روکنے کے لئے سوال داغ دیا تھا۔ [illegible] کے ہوتے سگریٹ کی بیماری خرابیوں میں نمایاں خرابی یہ ہے کہ وہ تمباکو کش کھینچنے سے اس کا عادی ہو جاتا ہے سگریٹ نوش پھر مجبور ماحول میں پیدا ہونے والے زہر کی کمی [illegible] اپنی تشفی کرتا ہے۔ جیکب [illegible] کے [illegible] میں نے اس سے یہ پوچھا تھا۔ میں نے پھر اپنا سوال دہرایا تو وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے پراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں جانتا تھا کہ تم مادام کے بارے میں ضرور مجھ سے پوچھو گے لیکن میں تمہیں مادام کے بارے میں صرف اس شرط پہ بتاؤں گا کہ تم مادام کے بارے میں مزید کوئی سوال کرنے سے مکمل اجتناب کرو گے اور پانچ سات روز جو تم یہاں پہ سکون ماحول میں غور و فکر کی غایت سے گزارنے آئے ہیں اس میں اپنی کرید خرید کی عادت بد سے بدمزگی پیدا نہیں کرو گے۔" وہ پھر نیا سگریٹ رول کرنے لگا تھا۔

"بولو۔"

میں نے اس کی لمبی تمہید باندھنے والی عادت سے عاجز ہوتے ہوئے ملتجی کہا تو وہ آنکھوں میں شرارت بھرتے ہوئے بولا۔

"ہم ایک مادام کی سائیڈ بزنس سرکل کی ممبر ہے اور اتفاق سے میں بھی ہوں۔ مزید اتفاق یہ ہے میں اور مادام تین چار بار اکٹھے مل بیٹھ بھی چکے ہیں۔ مادام نے وہاں علوم قدیمہ [illegible] اور [illegible] پہ تحصیل علم کیا۔ انہی موضوعات پہ مادام نے چار پانچ ہزار سے حاصل بحث و تمحیص پہ مبنی

UrduPhoto.com

کتابیں بھی تھیں ہیں جو بدقسمتی سے تمام کی تمام ضبط کر دی گئیں۔"

میں نے اس کی بات معذرت سے قطع کرتے ہوئے پوچھا۔

"ضبط کرنے کی وجہ.....؟"

وہ تاسف بھرے لہجے میں بتانے لگا۔

"مذکورہ کتابیں فلسفۂ یہودیت، تسخیر دو سیع، تشخص قوم سحر بابلی و سامری پہ تھیں۔ مادام بالیڈن ہاؤس میں روحانیات کی استاد تھیں۔ کتابوں کی اشاعت سے بڑا شور و غوغا بپا ہوا۔ ان موضوعات نے تنازع کی صورت پیدا کر دی تھی۔ مادام کو کتابیں بند واپس بھیجنا پڑا۔ یہ ڈیزائن فرانگ بانی و اوحانی فرانگ جزیرہ میڈم نے 59 سالہ لیز پر حاصل کیا ہوا ہے۔ مادام اپنی پسند کے سیاحوں کو بالیڈن کیمپنگ کے لئے سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ دوسری [illegible] اپنے پسندیدہ علمی موضوعات پہ کسی اجنبی غیر دلیس یہ کہ علمی تنگ والے کسی فرد سے بات چیت یا بحث کرنا پسند نہیں کرتی۔ خاص طور پہ وہ کسی بنیاد پرست مسلمان کے قریب بھی پھٹکنے سے نفرت ہے۔" یہ کہہ کر وہ اک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھنے لگا۔ میری چونچ کھلنے سے پہلے ہی وہ مجھے اگلے سوال کو بھانپتے ہوئے بول پڑا۔

"آئی آپ [illegible] سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں کسی مسلمان خاص طور پہ پاکستانی کو اس کے دسترخوان پہ اس کی ناک تلے لا کر کھانوں کا لطف اٹھاتا۔ میڈم کو احساس دلائے بغیر اپنی نمازیں اور تلاوتیں جاری رکھتے ہوئیں اپنی ذمہ داری پہ۔"

اب میں بولا۔ "جناب! اگر مجھے پتا چل جاتا کہ مادام مسلمانوں خاص طور پہ پاکستانیوں سے اس قدر بیزار ہے تو میں خود ہی ادھر نہ آتا۔ مجھے یہاں لانے کی ذمہ داری بہرحال تمہارے ہی سر پہ ہے۔"

وہ مجھے آنکھ مارتے ہوئے کہنے لگا۔

"خان! میں تمہیں جان بوجھ کر یہاں لایا ہوں۔ اس جزیرے میں تمہاری دلچسپی کا کچھ سامان موجود ہے۔ مجھے علم ہے کہ علم حاصل کرنے اور کھوجنے جاننے کے بارے میں تمہارا اشتیاق رویہ یہود یوں سے کچھ کم نہیں اور اگر سچ پوچھو تو میں یہاں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تم خوش ہو کر مجھے بھی پاکستان لے جا کر تحصیل سیف الملوک کی پراسراریت کے مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم کرو۔"

میں اس کی یہودی منطق سن کر بھنا سا گیا۔ قدرے برہمی سے بولا۔

"جناب! اس چپٹے سے سرد تر ہوتا جزیرے میں نہ چند ٹکوں کی خاطر یوں بھٹکنا

[illegible] ملازموں ایک بڑی سی بڑھیا کے کیا رکھا ہے اور پھر تم نے اس کا نام وجیل سیف الملوک سے [illegible] کیسے ملا دیا؟ وہ جنگل پریوں، ساحول، چڑیوں کے فرشتوں اور حاملان افلاک کا جہان فسوں [illegible] وصنم آباد، تھیل نگی اور ہرمنت کی ابہاآباد سے دور کا [illegible] بگلوں اور [illegible] کی خانقاہ [illegible] کا گوبر اور تمہاری بڑی میڈم کا لباس تھوبڑا یقیناً وہاں نہیں ..... ؟"

وہ خشک الوان و مزاج، پیٹ اور منہ کھول کر خوب ہنسا اور جب میں نے اس کے پیلے دانتوں کی نمائش سے خوب بیزار ہو کر منہ دوسری جانب پھیر لیا تو وہ بولا۔

"واہ خان لاہور ..... تم نے خوب مذاق اور تفریح کی لیکن دوست! پھر بھی تم یہاں سے کچھ نہ کچھ [illegible] کے ہی جاؤ گے یہ میری گارنٹی ہے....."

باتوں باتوں میں وقت گزارنے کا احساس تک نہ ہوا۔ اپنے اپنے سپنگ بیگ نکال کر ہم نے [illegible] دانوں پہ بچھا دیئے تھے۔ [illegible] سے ہوٹلنگ سوٹ ہوتے تو لیٹے صابن وغیرہ نکال کر مناسب [illegible] پہ رکھ دیئے۔ ہلکے سے سفر اور مسلسل مصروفیت سے ہم دونوں ہی تھوڑی دیر کے لئے کمر سیدھی کرنا [illegible] تھے۔ [illegible] وقت [illegible] کھانے کا کھٹکا [illegible] تھا۔ یہ کھٹکا [illegible] ہی جیسے [illegible] مسلسل [illegible] اجتماعی ترب کے [illegible] میں [illegible] وقت سے [illegible] ہوا [illegible] دردناک اور اکلاپے کی گھوڑی میں تھرتھر کانپتی ہوئی آواز سن کر میں تو اندر سے ہل گیا اور آنکھوں میں وحشت اور دہشت سی در آئی۔ جیکب کی بیدار ہوتے ہی [illegible] کھٹکھو کی کراہٹ سے [illegible] سگریٹ رول کرنے میں [illegible] اور [illegible] کر جان چکا تھا کہ میں کس اذیت [illegible] ہوں۔ سگریٹ کی [illegible] کو زبان سے گیلا کرنے کے بعد بولا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ضرور اصل میں دوپہر کے کھانے پہ پہنچنے کا بلاوا ہے اور [illegible] کے اندر اندر ہمیں کھانے کی میز تک پہنچنا ہے۔"

یہ سن کر میں پوچھ بیٹھا۔ "مسٹر جیکب! یہ جشن قسم کا کھٹکھو بجا کر میڈم کا مقصد کھانے کی اشتہاء [illegible] ہے یا یہ بتانا کہ یہ کھانا تمہاری زندگی کا آخری رزق ہے ..... ؟"

جیکب بھرپور سانس کھینچتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا جانے لگا۔

"آئی آپ سے ایوا نے یہ سائرن نوٹے چھوٹے جہازوں کے سٹیمر یارڈ سے اونے پونے [illegible] خود ہی اس کی ٹیوننگ کر کے اسے ایسا بنا دیا ہے بلکہ ایک مرتبہ فخر سے مجھے بتایا تھا کہ اس سائرن [illegible] دیوار گریہ کی گہرائیوں سے سسکیوں میں سنائی دینے والی سسکاریوں سی ہے ..... خان! یقین

ماؤں میں بھی یہ سوال سن کر بھی محسوس کرتا ہوں کہ میں اس آواز کے زیر اثر میں ہوں اور تعاقب اور سب کے روبرو تحقیق کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں....."

تھوڑی دیر ہونٹوں میں دابے وہ ہاتھ روم میں گھس گیا۔ میں نے اپنا رک سیک اٹھا کر اپنے پیچھے سے ہم گھسیٹا اور اپنے سیدھے سلیپنگ بیگ ہوتے کچھ سے مخصوص کر کے اپنا کھانا کھایا۔ وہ ہاتھ روم سے باہر نکلا تو میں گھس گیا۔ اس نے سیدھا ہاتھ منہ دھو کر باہر نکلا۔ رک سیک پشت پر لٹکایا اور باہر نکل آیا۔ نجیب باہر میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے اس طرح تیار اور آمادہ پیکار دیکھ کر رشک کا تقدر سے تردد سے بولا۔

"خیریت.....؟"

میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "نجیب! میں یہاں تمہارے ساتھ چند روز سکون سے گزارنے آیا تھا۔ آرام اور عافیت [illegible] اتنی سخت بھوک کی ہوئی تھی مگر اس منحوس کھنکھنا کی فریادیں [illegible] سن کر سب غارت ہو گئی۔ یہ تمہاری آنکھ مجھے کوئی جادوئی پیچیدہ کھانی دیتی ہے۔ دیکھ لینا وہاں کھانے کی میز پر تمہارے اور میرے لئے کسی لحوت کا [illegible] مجنون کر رکھ دو اور پانی کی [illegible] کے ذخیرے سے کچھ [illegible] خون [illegible]

میں [illegible] اسی حال میں چھوڑ کر پلٹ کر پانی کی جانب چل دیا جدھر سے ساحل کی جانب کشتیاں جاتی تھیں۔ تبھی پیچھے سے ایک بڑا گول پتھر میرے رک سیک سے ٹکرایا۔ ایک اور پتھر ایک اور [illegible] میں رک گیا۔ پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ [illegible] ہوئے ہوتا ہوا مجھے مارنے کے لئے مزید پتھر تلاش کر رہا تھا۔

"تم کچھ بھی کر لو۔ اگر تم اپنی چڑیل آنٹی سے کہہ کر مجھے شوٹ بھی کر دو تو پھر بھی میں یہاں رہنے والا نہیں۔ [illegible] کا ذرا ایک نہ شد دو شد۔ تم دونوں ہی مجھے آخری درجے کے پاگل دکھائی دیتے ہو....."

یہ کہہ کر میں پھر چل پڑا۔ وہ پیچھے سے پکارا۔

"اچھا اگر تم جانا ہی چاہتے ہو تو جانے سے پہلے میری ایک بات ضرور سنتے جاؤ۔ اگر اس کے بعد بھی تم چاہتے ہو تو میں بڑی خوشی تمہیں خود کنارے تک چھوڑ آؤں گا۔ میرا اپنا وعدہ ہے۔"

مڑ کر کیا۔ رک سیک ریت پر پھینک کر اس پر بیٹھ گیا۔

"جو بھی اپنی سیدھی تم نے مجھے سنانی ہے بس جلدی سے کہہ ڈالو۔"

وہ اس [illegible] ریت پر دھپ دھپ کرتا ہوا میرے پاس پہنچ کر بیٹھ گیا۔ [illegible]

[illegible] سے پڑا رہا اور میں اس دوران اسے بے دلی سے گھورتا رہا۔ معاً وہ سر اٹھا کر سنجیدگی سے مجھے [illegible] لگا۔

"خان! تم یہاں پہلی بار آئے ہو جبکہ میں اس سے پیشتر بھی یہاں کئی مرتبہ آ چکا ہوں۔ محرر بڑی آنکھ والی پسندیدہ موضوع ہے وہ اس موضوع پر پیہم اس مرکھپائی کرتے ہوئے نہیں تھکتی۔ اسی شوق اور تجسس [illegible] آنکھوں میں کھلی ہے خاص طور پر باطل نجوم اور اعمال جیسے پراسرار شعبہ اور کوئی ڈیڑھ قابو [illegible] کے قرستان اور [illegible] وغیرہ وغیرہ۔ وہ محرر بڑی استعمالات تجسم افلاکی پر بڑے [illegible] سے حاصل تجسس عمل کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ وہ اپنے اسے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے [illegible] ہے۔ اس کے شب و روز اسی شغل میں مصروف رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ بڑی [illegible] [illegible] پرست اور خیالوں کی حد تک [illegible] پرست ہے

میں اپنی [illegible] سے بیزار سا ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"[illegible] فریدا تمہاری اب تک کی گفتگو سے میرے پلے ابھی تک کچھ نہیں پڑا۔ اگر تم مجھ پر [illegible] کرو اور اپنی گفتگو سمیٹتے ہوئے [illegible] کی بات [illegible] [illegible] مدد [illegible] [illegible] کی [illegible]

وہ [illegible] کر بولا۔ "ایک تو تم میں [illegible] بالکل نہیں ہے نہ ہی ادب آداب [illegible] تم [illegible] [illegible] ایسے ہی

میں [illegible] سے [illegible] "[illegible] بات تو [illegible] تک مت لے جاؤ [illegible] مجھے بھی [illegible] کی تاریخ [illegible] ازسرنو [illegible] پڑے گی اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ [illegible] کے [illegible] تاریخ بھی میرا پسندیدہ موضوع ہے۔۔۔"

وہ [illegible] سوری سوری کرنے لگا۔ پھر گردن پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ "آج پہلا دن اور پہلا [illegible] صرف تمہاری بچوں کی سی عادت [illegible] قسم کی غلط فہمی کی وجہ سے غارت ہو گئے ہیں۔ آئی [illegible] [illegible] کی [illegible] [illegible] سمیٹ رہی ہوں [illegible] مت کی لیٹ برداشت نہیں کرتی اور یہاں تو تمہاری [illegible] جھک جھک میں پندرہ منٹ اوپر ہو گئے ہیں۔۔۔"

"تم بات پوری کرو گے یا میں اٹھوں اور جاؤں؟" میں نے [illegible] پر ہاتھ [illegible] ہوئے کہا۔

جیکب نے پھر داستان امیر حمزہ شروع کر دی۔

"خان! میں اک عرصے سے آئی آیے دیوی کی شخصیت پراسرار [illegible] اور اس کی [illegible]

فوق الفطرت و طبیعی علمی استعداد کا نظر مار کر جائزہ لے رہا ہوں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کسی حد تک استفادہ بھی کر رہا ہوں۔ میں آج تم سے ایک اہم بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے ایک حکایت سنانا ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ تم یہ جان سکو کہ یہودی انسان تو کیا اپنے خدا پر بھی اجر اور جزا کے معاملہ میں اعتبار نہیں کرتا۔ اس کی سرشت میں ہی اعتبار اور پیار کرنا شامل نہیں ہے۔

● یہودی فلسفۂ اعتماد.....!

حکایت یوں ہے کہ ایک بوڑھا کاروباری یہودی جب اپنی ناگفتہ بہ علالت کی وجہ سے سرپرستی کاروباری ذمہ داریاں پوری طرح نبھانے سے قاصر ہو گیا تو اس نے اپنے ہونہار اکلوتے فرزند کو اپنی جگہ تفویض کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن ایک خدشہ اسے رہ رہ کر پریشان اور فکرمند کر رہا تھا کہ بیٹا ابھی کچا اور کاروباری معاملات کی ہیرا پھیری سے ناواقف ہے۔ چونکہ جلد سے جلد بیٹے کو اپنی جگہ پر بٹھانا اس کی مجبوری اور ضرورت بن چکا تھا اس لئے خراب بوڑھے نے فوری طور پر اسے دنیا کی اس سٹیج پر لانے کا سوچ لیا جو کبھی اس کے باپ نے اسے پرحایا تھا اور جس کے نیچے میں ابھی تک اس کی کرسی ریڑھ کا مہرہ اپنی جگہ سے کھسکا ہوا تھا۔ بوڑھے باپ نے بیٹے کو اوپر کوٹھے پر چڑھا دیا اور خود نیچے صحن میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے بیٹے کو بڑی کرختگی سے حکم دیا کہ وہ نیچے چھلانگ لگائے تو کسی وقت نیچے آ رہا ہوگا تو وہ اسے اپنے کر سنبھال لے گا۔ فرمانبردار بیٹا باپ کی یہ عجیب سی بات خوفزدہ اور حیران ہوا۔ اس کی ہوش مند عقل ابھی باپ کی پکی بات کو سمجھنے سے عاجز تھی آخر اس نے اپنے مہربان باپ سے اس ڈرامے کی وجہ اور حقیقت پوچھ ہی لی۔ تجربہ کار باپ نے بڑے محبت اور شفقت سے کہا کہ جان پدر! میں اب ناکارہ اور بوڑھا ہو گیا ہوں تم میری اکلوتی اولاد اور میری ہر چیز کے بلا شرکت غیرے وارث ہو لہٰذا آج میں تمہیں ایک سبق دینا چاہتا ہوں جو تمہاری آئندہ تمام زندگی اور کاروباری معاملات میں کام آئے گا۔ اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ باہر کی تمام خوف آنکھیں بند کر کے نیچے صحن میں چھلانگ لگا دو۔ اتنی بلندی سے صحن اور بھی باپ کو دیکھ دیکھ کر ہلکان ہو رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ ڈرتے ڈرتے زبان کھولی اور اپنا خدشہ خوف بیان کیا کہ اتنی بلندی سے چھلانگ لگانے کے لئے میرے پاس حوصلہ نہیں ہے۔ نیچے گرنے سے میرے ہاتھ پاؤں ٹوٹ سکتے ہیں یا آپ سے مجھے سنبھالنے میں کوتاہی ہو سکتی ہے۔ آخر آپ مجھے اور خود کو ایسی آزمائش میں کیوں ڈالنا چاہتے ہیں؟ ..... کہا کہ باپ بڑی مکاری سے سمجھانے لگا

[illegible] یہ سب کچھ جو ہمارے اردگرد بکھرا ہوا ہے اک کارخانۂ آزمائش ہی تو ہے۔ ہمارے بچپن میں [illegible] اور ان کی اولادوں پہ بھی آزمائشیں ڈالی گئیں تاکہ وہ دانش، ذہانت اور دلگیری و درماندگی کا درماں [illegible] کر سکیں۔ آزمائش ہمارے اسلاف کبار کی سنتیں اور جلتیں ہیں لہٰذا میرے جگر کو ٹکڑے! تو بھی [illegible] آزمائش پہ پورا اتر اور اس سے حاصل ہونے والی نصیحت کو مضبوطی سے پکڑ۔ تو زیتون کے پتے ہوئے [illegible] کی مانند بچے! تیرا مشفق و مستعد باپ تجھے اپنے پھیلے ہوئے بازوؤں میں بھر لے گا۔ بھلا باپ سے [illegible] میں قابل اعتماد ہستی اور کون ہو سکتی ہے؟ شاباش! دل پکا اور مضبوط کر۔ اپنے مہربان باپ پہ [illegible] کرتے ہوئے چھلانگ لگا دے۔ باپ کی رہنمائی سے بیٹے کا دل و دماغ روشن ہو چکا تھا۔ زبردستی [illegible] بند کیں، دانت بھینچے اور بڑی کراہ کر کے نیچے چھلانگ لگا دی۔ میں اسی لمحہ بوڑھا اپنی جگہ سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور ترکا پتھروں کے فرش پہ گرا۔ [illegible] کے لئے بستر پہ [illegible] کی تو بوڑھے غمگین باپ نے بھی جان سے اپنے اکلوتے جان سے پیارے بیٹے کی تیمارداری کی۔ کئی رات [illegible] آنکھوں میں نکال دیئے۔ روپیہ پیسہ پانی کی مانند بہا دیا۔ جونہی قدرے تندرست ہوا تو اسے بتایا کہ [illegible] کے لئے سچ ہے کہ بیٹے باپ کے بھی استاد ہیں [illegible] زندگی [illegible] پیار [illegible]

وہ [illegible] کی غرض سے پل بھر خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔

"تمہاری حکایت جو پہلے بھی ایک آدھ مرتبہ میں نے سنی اور سن چکا ہوں یقیناً اپنے اختتام کو پہنچ [illegible] ہے۔ اب کچھ مزید کہنے کو رہ گیا ہو تو بھی [illegible]"

اس نے ایک نظر گھڑی پہ ڈالتے ہوئے پھر وہیں سے بات شروع کر دی۔

"خان! میں نے یہ حکایت صرف اس غرض سے سنائی کہ اصل بات جو میں بتانا چاہ رہا ہوں [illegible] تم اس حکایت کے تناظر میں اچھی طرح سمجھ سکو۔ میں نے تمہیں شاید یہ نہیں بتایا کہ آنٹی کی اپنی [illegible] اولاد نہیں۔ دس برس پہلے اس نے مجھے قانونی طور پہ اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا ویسے بھی میں رشتے میں اس [illegible] پورشن میں بھتیجا لگتا ہوں۔ باقی سکول کالج میں آنٹی کے پاس ہی جزیرے میں رہتا رہا ہوں۔ [illegible] ہے کہ آنٹی نے میرا ہر طرح سے خیال ہی نہیں رکھا بلکہ مجھے بے پناہ پیار و محبت سے بھی نوازا۔ [illegible] تعلیمی تفریحی مصارف، مشاغل اور ہابیز وغیرہ۔ مجھے سگے بیٹے سے بڑھ کر ہر وہ نعمت سہولت بہم [illegible] جس کی میں بھی خواہش کر سکتا تھا۔ آخر جوانی کی خرمستیاں بڑھیں۔ اب میں پوری پوری [illegible] اور شراب بھی پینے لگا تھا۔ نہ جانے آنٹی کو کیسے خبر ہو گئی لیکن بجائے منع کرنے یا ڈانٹنے کے

UrduPhoto.com

آئی نے مجھے اسی قسم کی شراب اور سگریٹ بھی مہیا کرنے شروع کر دیئے۔ بات آگے بڑھتی ہے یہ معلوم ہونے پر کہ مجھے اب لڑکیاں بھی اچھی لگنے لگی ہیں تو آئی نے مجھے اپنی پارٹیوں میں بھیجنا شروع کر دیا جہاں خوبصورت دوشیزاؤں کی آمد آمد ہوتی۔ یہاں تک کہ آئی نے میری چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اچھی بری جائز ناجائز خواہش کو ممکن پورا کیا۔ ظاہر ہے کہ اب میں بن باد قت کو آ گیا تھا۔ شہر کی ہما ہمیوں، رنگینیوں اور حسن و جمال، آہنگ و رنگ کی جھلملاہٹوں سے الگ تھلگ یہ جزیرہ اب مجھے کاٹنے پانی کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ چپ کی زمین پر شام ہی اداسی اور اندھیرے کا احساس اجاگر ہو جاتا۔ نمدار ہوا، مچھلیوں کی باس، پرندوں کا شور، آتے جاتے چھوٹے بڑے سٹیمروں اور جہازوں کے وسل سیٹیاں۔ ملازم سارے دن کے تھکے ہارے رات کا کھانا کھاتے ہی لمبے پڑ جاتے اور آئی کھانے اور دعا کے بعد ایک اپنا مخصوص لباس پہنتی اور جزیرے سے نکل جاتی۔ میں اکیلا سا تنہا اپنے بنک یا باہر سمندر کنارے بیٹھا سگریٹ اور شراب سے دل بہلاتا رہتا یا ڈوری ڈالے مچھلیوں کے پھنسنے کا انتظار کرتا رہتا۔ آئی کے آنے کا وقت ہوتا تو اس ماحول سے بغاوت کرنے کی جرأت نہ کر سکتا۔ کئی بار میں نے آئی کی [illegible] میں [illegible] ہونے کی کوشش کی۔ اچانک آئی کو مجھ پر رحم آ گیا [illegible] ملازم کرنے لگے ہو اور ٹھیک دو ہفتے بعد تم یہاں سے وہاں سکول کے ہوسٹل میں منتقل ہو جاؤ گے۔ ہر ویک اینڈ پر تمہیں یہاں آنے کی اجازت ہوگی۔ آئی نے ایک بڑا سا پیکٹ میرے آگے دھرتے ہوئے بتایا یہ تمہارے سکول کے تمہارے لئے اس کتابیں [illegible] کھانے کے [illegible] تقریبات اور سکول و ہوسٹل کے قوانین و ضوابط سے متعلق کتابچے ہیں۔ دو ہفتوں میں ان کا خوب مطالعہ کرو۔ مزید کتابیں سٹیشنری یونیفارم اور سپورٹس کٹ جانے سے ایک ہفتہ پہلے تمہیں مل جائیں گے۔ پھر وہ فارم اور قلم میری جانب بڑھا کر حکم دیا کہ کرائے والی جگہوں پر وہ دستخط کر دو۔ سکول کے قریب فشر سٹریٹ برانچ بنک آف ریاست لینڈ پرسنل اکاؤنٹ میں تمہارے نام دو سو پونڈ ڈیپازٹ کروا دیئے گئے ہیں جو تمہاری صرف اور ضروریات کے لئے ہوں گے۔"

میں دم سادھے ہوئے اس کی "ہذیان" سننے میں مگن یہ بھی جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس ساری کتابیں میرے لئے دلچسپی کا سامان کہاں ہے؟ اچانک اسے پھر سگریٹ کی طلب محسوس ہوئی۔ ادھر اس کے ہاتھ سگریٹ رول کرنے میں مصروف ہوئے اور ادھر میرے لب آمادہ اختصار ہو گئے۔

"جیسے اس تمہاری پرسنل ڈاکومنٹری کی اور کتنی قسطیں باقی ہیں یا پھر یوں کرو کہ مجھے صرف

وہ سنا وہ جو بقول تمہارے میرے لئے سنا تنہائی اہم ہے۔"

"وہ میرے کاٹ دار طنز کو محسوس کرتے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کچھ کہنے کے لئے ہونٹوں کو جنبش دینے ہی والا تھا کہ میں نے فوراً اسے خبردار کر دیا۔

"دیکھو جیکب! کچھ بھی کہہ لینا لیکن تم نے اگر پاکستانی کے الفاظ استعمال کئے تو میں تمہیں پوری سورۃ اسرائیل قرأت کر کے سنا دوں گا۔" اس کے کھلے ہوئے ہونٹ بھنچ سے گئے۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ "تم تو ہر پانچ منٹ بعد سگریٹ پی کر اپنے دماغ کے خلیوں اور پیٹ کی تہوں کو نکوٹین کا زہر فراہم کر دیتے ہو اور میں صبح سے اپنے خالی پیٹ کو تمہاری چخ چخ اور بک بک کی اذیت کے سلفر ایسڈ سے جلا رہا ہوں۔ تاہم دیکھو تم یہودی ہو تمہارے لئے تو من و سلویٰ کہیں سے نہ آئے گا اور میں الحمدللہ مسلمان ہوں کوئی حیلہ وسیلہ کروں گا تو اللہ رزق دے گا۔"

وہ آدھا سگریٹ ایک ٹوٹی ہوئی پیالی سے مسلتے ہوئے بولا۔

"یار بھوک کا احساس تو مجھے بھی ہو رہا ہے لیکن اس وقت آنٹی سے سوائے تھپڑ گھونسوں کے اور کچھ کھانے کے لئے نہیں مل سکتا۔ [illegible] کچھ کا [illegible] اور موڈ بھی بگڑی ہے..... [illegible] میں چلی گئی ہے [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] تخت درازوں پہ بیٹھے ہم کا ہو اور موگ پھلیاں توڑ رہے تھے کہ ماداما ایک شعلہ دیتے لو کے جھکڑ کی طرح مع ایک کھانا بردار ملازم کے اندر داخل ہوئی اور بغیر کسی تمہید کے ہی شروع ہو گئی۔

"جنٹلمین! آج آپ کا پہلا روزہ ہے اور مجھے یہ بھی احساس ہے کہ آپ دونوں صبح سے بھوکے ہیں اس لئے کھانا لے کر آئی ہوں لیکن آئندہ ایسا نہیں جائے گا۔ کھانا صحیح وقت پہ وہیں ملے گا۔"

کھانا رکھ کر وہ پھول سے ملازم کے ساتھ پاؤں پٹختی ہوئی نکل گئی اور ہم کھانے پہ ٹوٹ پڑے۔ تلی ہوئی مچھلی اور آلو کے چپس ابلی ہوئی گوبھی مٹر پھلیاں اور ٹماٹر۔ ڈبل روٹی اور مکھن بھی تھا۔ جو بھی تھا لذیذ اور پیٹ پسند تھا۔ کھانے کے بعد میں تخت پہ لمبے دراز ہو کر خلال کرنے لگ گیا اور جیکب وہی کا پرانا دھندہ یعنی سگریٹ سازی میں دھنس گیا تھا۔ میں خود ہی پوچھنے لگا۔

"جیکب! تم نے اس خدا خوف آنٹی کے ساتھ ایسا لمبا عرصہ کیسے گزار لیا تم تو بڑے ہی من موجی اور ملائم الطبع انسان ہو.....؟"

"تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں آنٹی آپ سے ڈیوڈ کا خدمتگار رہا اور اس کا قانونی وارث ہوں اس

کی نیازمندی میں اور اس کی زیرِ کفالت رہنا میرا اخلاقی اور انسانی فرض ہے جبکہ اس کے ساتھ انجام و تقسیم کی قضا کو خوشگوار بنائے رکھنا میری قانونی مجبوری ہے ...."

میں نے اُسے لفظی تھاپڑ لگایا۔

"واہ جیکب! یو آر گریٹ گائے ..... اچھا اب ایک اور بات میری سمجھ سے بالا ہے کہ ایسی کفر یہودن لوٹ کر پیار کرنے والی ماں احساس ذمہ داری سے مالا مال عورت عصری تقاضوں اور قدامت پرستی کی اقدار کو ایک ساتھ لے کر چلنے والی پڑھی لکھی ہستی جس کا نام مدام آپرے ڈیوڈ ہے اس نے اپنے بیٹے یعنی تمہیں خود ہی شراب کباب دے کر دیگر لڑکیوں کی جانب رجوع کرنے میں معاونت کی۔ نائٹ کلب کیسینو کی ممبر شپ اپنے ریفرنس سے دلوائی یعنی ایک ماں نے اپنے بیٹے کو کسی برائی کسی گناہ کسی گندگی اور کسی دلدل میں اترنے سے نہیں روکا ..... مائی ڈیئر جیکب! مدام کی شخصیت، حیثیت، محبت اور عقیدت کا یہ انداز اور یہ انوکھا پہلو کم از کم میری ناقص سمجھ میں نہیں آیا ....."

وہ مجھے عجیب سی نظروں سے تولتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم بات مختصر اور کم سے کم آسان الفاظ میں نہیں کر سکتے؟ ..... تمہاری باتیں سن کر ان پہ غور کرنے ..... میں مجھے ..... کام ..... ہو ..... اگر ایسا نہ کر سکوں تو پھر خودکشی کر لوں۔ تمہاری گھمبیر باتوں، نظموں نے گورکھ دھندوں سے محفوظ رہنے کا کوئی راستہ نہیں ..... ویسے میرے لئے ریمارکس کو دل پہ نہ لینا ....."

"نہیں جیکب! میں نے قطعی تمہارے ریمارکس کا برا نہیں مانا۔ تمہیں اپنی رائے کے برملا اظہار کا پورا پورا حق حاصل ہے اور تم شاید ٹھیک ہی کہتے ہو۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں ذرا تفصیلی آدمی ہوں۔ میں بڑے بڑے پہاڑوں پر چڑھنے کی بجائے حق و ذوق صحراؤں میں بکھرنا، ذرے ذرے کو کھوجنا دریافت کرنا اور اس کے باطن میں اترنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ مختصراً آسان، لمبے چوڑے اور نشیب و فراز کی کلفتوں سے مبرا راستے مجھے سفر کی برکت اور ذوق آوارگی کی لذت سے محروم کر دیتے ہیں۔ جیسے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بات مختصر ہو مگر جامع ہو۔ مختصر تو مسجد جامع مسجد کیسے ہو سکتی ہے۔ انجام و تقسیم کے لئے اختصار استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ فرمایا گیا کہ کلام کرو کہ علم سیکھو اور سلطنت سکو اور سکوت اختیار کرو تاکہ تم غور و فکر کر سکو۔ کثرت کلام یا قلت کلام ماحول، جنس، موضوع اور مخاطب یا نامخاطب کے سیاق و سباق پہ منحصر ہوتا ہے ....."

جیکب اُٹھ کھڑا ہوا جیسے کہیں جانے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"کدھر ۔۔۔؟" میں نے اپنی رواں بات کو ایک جھٹکا دیتے ہوئے پوچھا۔

"تم چلو اور بولو۔۔۔ میں نے ذرا سی بات کیا کر دی تم نے تو مکمل ڈرامہ پڑھنا شروع کر دیا۔۔۔ ویل ڈن! تم اپنے طور کے رہو میں ابھی ویرلیٹرین کا چکر لگا آتا ہوں۔۔۔ اور سنو! تم اتفاق سے ان لوگوں میں سے ہو جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ نصیحت اور صائب مشورہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

اس سے پیشتر کہ میں اپنی اس عزت اور قدر افزائی کے لئے اس کا شکریہ ادا کرتا وہ ناکار لیٹرین میں گھس چکا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ اب آدھے پونے گھنٹے کے لئے لاپتا ہو گیا ہے۔ وہاں "پرسکون ماحول" میں بیٹھ کر چار پانچ سگریٹ پھونکے گا قدیمی جاپانی زبان کا ایک لوک گیت گائے گا جس میں کہا گیا ہے کہ میرے ہمجنس! میں نے یہ پنج شاخہ شمعدان گل کر دیا ہے کیونکہ مجھے تیرے ان خوبصورت ہاتھوں کی انگلیوں پہ کی روشن مہتاب اترتے دکھائی دے رہے ہیں۔ پھر سوا ہوا تو تھوڑی دیر کے لئے چھینکیں بھی لے گا اور پھر اگر یاد آیا کہ وہ یہاں کس ضرورت سے آیا تھا تو اس سے فراغت حاصل کر کے باہر نکلے گا۔ زپ چڑھانا بھول جائے گا کسی دوسرے کی نشاندہی پہ "سوری" کہہ کر وہیں کھڑے کھڑے زپ اوپر کر لے گا۔ میں اس کی فراغت تک کے وقفے میں ذرا تفصیل کر کے تحقیق پہ ذرا رکا تھا۔

جب ایرانی [illegible] بھی اپنی مشک بار رائیں [illegible] شمع کا [illegible] پہ رنگ سوانا' معشوق کا گیسوؤں کو سوانا' ہم نفسوں کا باہم سانس روانا' چندن کا تن کو توانا اور محبوب سے جھوٹ بولتے ہوئے' خود وہ غیر کو مونگی سے توڑتے ہوئے ایک ناقابل فہمی مہک کا احساس ابھرتا ہے۔ یہ مہک یا خوشبو ہر کس و ناکس محسوس کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان لمحوں سے گزرنا اور انہیں محسوس کرنے کے لئے انسان کی ظاہری باطنی تمام تر لطیف و نفیس حسوں کا زندہ و تابندہ ہونا ضروری ٹھہرتا ہے۔

● ایرانی عقیدت مند.....!

میرے بابا جی کا ایک ایرانی مرید ہر برس رمضان المبارک میں شیراز سے کالے کوسوں کا سفر طے کر کے زیارت کے لئے حاضر ہوتا تھا۔ یہ کم خیدہ باوقار ایرانی عطر و خوشبویات کا بہت بڑا موجد اور تاجر تھا۔ اس کے اپنے ذاتی گلستان نباتات کے ذخیرے اور قطعات تھے۔ اس رجل رشید کا تعلق شیراز کے اس عطر کشید کرنے والے قدیم سلسلے سے تھا جو صدیوں سے اس تجارت اور کسب و ہنر سے وابستہ تھا۔ ان کی مصنوعات کی پذیرائی نہایت اعلیٰ سطح پہ کی جاتی تھی۔ ملکی غیر ملکی بادشاہ شہزادے امراء رؤساء اور

اصحاب حشمت و جاہ ہی ان کے بڑے بڑے خریدار ٹھہرتے تھے۔ آقائے فریدوں شیرازی اکثر ماہ رمضان شروع ہونے سے دو چار روز پہلے ہی آ جاتا تھا۔ اس کے بھاری بھرکم سامان میں ایک موٹی تہہ والے میں صندل کی چوب سے بنی ہوئی منقش صندوقچی علیحدہ ہی ہوتی تھی۔ صندوقچی کے اندر زرہت کے پانچ گوشے شال میں ملفوف ہاتھی دانت کا ایک خمس شکل کا عطردان ہوتا جس پر خالص سونے سے بنے نقش ابھر اور سونے کی ہی تالا چابی ہوتی۔ اس کے اندر دیبا کے پانچ گوشہ سیدھ رومال میں پلی ہوئی سنگ یشب کی ننھی سی دوات اور اس کے اندر عطر گل (مٹی کا عطر) عجیب بے رنگ و بو سا مائع ۔۔۔ بابا جی کو اکثر جمعہ کے روز پیشانی پہ بجدہ والی جگہ کے عین اوپر ماتھے پہ شہادت کی انگلی سے لگاتے دیکھ کر ہمیں نے یاد کی تو یہ مقدس عطر گل ہمیں خود بابا جی کو لگانے کی سعادت بھی نصیب ہوتی رہی۔ ہر بار یہی خواہش پیدا ہوئی کہ اس نادر اور پراسرار عطر کے باطن اور اس کے روحانی خواص سے ہمیں بھی قدرے آگاہی حاصل ہو سکے لیکن اس وقت تو یہ خواہش ہوس کی حسرت ہی بنی رہی۔ خوش قسمتی سے قدرت نے ایک موقع خود ہی فراہم کر دیا۔ بابا جی بڑے ہنسی مذاق میں مگن تھے خوش وقتی میسر تھی۔ یہ وقت ان کی ہنسی مذاق میں حق خراب کرنے والوں کے لئے ایک نوٹس بھی متوقع ہوتی ہیں۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ قرار دوست دیکھا ہے۔ ماتھو پوچھو اور چاہو۔ [illegible] پاؤں کی طرف ہوتی ہیں بلوغت کی عمر میں پہنچ کر پاؤں آ ہی جاتے ہیں اور پاؤں میں ذوق خاکستری ہو تو وہ شمع ڈھونڈ ہی لیتے ہیں نہ ملے تو اپنے اندر سے نکال لیتے ہیں یعنی جن کو جگہ ملی وہ آرام سے جل جاتے ہیں۔ جب ہر چیز ہی مقدر ٹھہرے تو پھر پتھر کیا آدمی کیا ۔۔۔ اس وقت جب اس کا موقع تھا میں نے بھی سعادت حاصل کی خدام خاص حاضر باش تھے۔ دو تو پاؤں دبا رہے تھے اور میں کاندھوں کو پولے پولے ہاتھوں سے سہلا رہا تھا بلا ارادہ میرے منہ سے موتی سی ایک بات نکل گئی۔

"بابا جی اجازت فرمائیں تو سر کی چادر پہ ہلکا سا عطر لگا دوں مزاج مزید خوشگوار ہو جائیں گے ....."

میں چونکہ پشت مبارک کی جانب بیٹھا تھا اس لئے مجھے بابا جی کے چہرے پہ آتے ہوئے کسی تاثر کا علم نہ ہو سکا۔ بات تو میں کر چکا تھا جواب ندارد ۔۔۔ پاؤں دابنے والوں کی جانب دیکھا دونوں سر جھکائے پاؤں دابنے میں مگن تھے۔ وہ ویسے بھی چپ کی لگن والے تھے اور میں بڑبولا کھوا سی۔ ہر وقت کا کی "کیا کیا" کیوں کیوں" کرنے والا۔ کبھی کبھی تو میں اپنی بک بک والی عادت سے خود ہی عاجز آ جاتا تھا ایسے ایسے سوال پوچھ بیٹھتا کہ جواب دینے والے یہ سوچنے لگتے کہ یہ بلونگڑا جواب سننے کا مستحق ہے بھی یا نہیں۔ وہ میرے بارے میں کیا رائے قائم کرتے یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن میری اس اچھی

بری عادت سے ایک فائدہ ضرور ہوا۔ میرے علم اور معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوا' خود اعتمادی بڑھی' علم کلام و بیان کی ترویج ہوئی۔ سوچ' سمجھ اور عمل میں استحکام پیدا ہوا۔ اب یہاں بھی بنا سوچے سمجھے منہ سے بات نکال کر پچھتاتا رہا تھا کیونکہ ابھی تک جواب نہیں ملا تھا' لگتا تھا کہ جیسے بابا جی کی خوش وقتی اور شگفتگی میں کچھ خلل واقع ہوا ہے۔ اندر سے کلیجہ پھنکنے کی طرح کا پتہ لگا' مختلف خدشات کے سانپوں نے پھن اٹھانے شروع کر دیئے۔ میرے ساتھ کچھ ایسے ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ بنا سوچے سمجھے وقت بے وقت جو بھی منہ آتا پوچھ بیٹھتا۔ کہیں بدمزگی اور بے عزتی کا مظاہرہ ہو جاتا' کبھی اپنی ذات اوقات سے چنداں بڑھ کر بات منہ سے نکل جاتی اور بعد میں پچھتاوا رہ جاتا۔ میں کچھ ابھی بھی مجھ سے سرزد ہو چکا تھا۔ میرے تجربے میں آیا ہے کہ ترددات' خوف و اندیشے یہاں تک کہ سوچ و بچار' خیالات اور وساوس بھی ایک سریع الاثر بجلی کی رو کی طرح ہوتے ہیں۔ میرے ایسے بے سوچے سمجھے پوچھے گئے سوالوں کی کم ظرفی کے ہاتھوں ارتعاش ہوتے ہیں اس نے فوراً ہی جھٹکے لگنے شروع ہو جاتے ہیں' ان کے اندر باہر اتھل پتھل سی مچ جاتی ہے۔ خون کا فشار چہرے کی رنگت' آنکھوں کے پھیلاؤ میں کشادگی' دل کی دھڑکن میں اضافہ اور بے اختیار ہاتھ پاؤں میں کپکپی یعنی ایک ہیجانی کیفیت جاری ہو جاتی ہے۔ بابا جی نے میری کیفیت کا بغور مشاہدہ کر لیا تھا میرے چہرے کی [illegible]

"[illegible] یہ کیا تم نے بچگانہ چال چلی ہے۔ دھڑ دھڑ' کیا اپنے اندر پتھر کوٹ رہے ہو؟"

UrduPhoto.com

- گل شبو...!

بابا جی نے پاؤں دابنے والوں کو اشارے سے رخصت فرماتے ہوئے مجھے کمرے کے اندر سے "گل شبو" یعنی مٹر والی صندوقچی باہر لانے کا حکم دیا۔ میں حکم کی تعمیل میں فوراً حجرے میں گیا۔ مخمل کے مٹر غلاف میں لپٹی صندوقچی کو بے تحاشا کھڑی سے بنی ہوئی پٹی' وشہ صندوقچی کو بازوؤں میں بھرا انتہائی احتیاط و شوق سے اٹھا کر لایا۔ بابا جی کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ بابا جی کے حکم اشارے سے میں نے بسم اللہ پڑھ کر غلاف علیحدہ کیا۔ سونے کی چابی ایک ریشمی ڈوری سے بندھی صندوقچی کے قفلی تالے میں ہی پڑی ہوئی تھی۔ چابی گھمائی' مسجد کے گنبد جیسا ڈھکن اٹھایا۔ اندر چھوٹے چھوٹے مختلف خانے بنے ہوئے جن میں روئی پڑی ہوئی تھی۔ مختلف جسامتوں اور رنگوں والی شیشیاں بھی قفل یعنی پانچ کونوں والی تھیں۔ آج یہ میرا پہلا موقع تھا کہ میں صندوقچی اٹھا کر لایا تھا اور خود ہی کھولا تھا' اس سے پیشتر صرف بابا جی ہی کھولتے

اور بند کرتے تھے وہ بھی کمرے کے اندر باہر صرف عطر کی شیشی ہی لائی جاتی تھی۔ سرکار بابا جی اپنے کلام پہ عطر خود لگاتے یا کبھی کبھی مجھے بھی یہ سعادت نصیب ہوتی مگر آج تو کمال ہی ہو گیا تھا۔ عطور کی صندوقچی کھلی ہوئی میری ناک کے نیچے پڑی ہوئی تھی اور میں بابا جی کے اگلے حکم کا منتظر تھا۔ ہم بابا جی کے سامنے مربع کر قعدے کی حالت میں بیٹھا کرتے تھے۔ آنکھیں زور زور سے ہاتھ ناف پہ باہم بندھے ہوئے۔ کیا مجال جو ذرا سی بھی جنبش یا حرکت ظہور پذیر ہوتی۔ پاؤں سن ہو جائیں یا خون کی روانی سست پڑ جائے۔ گھٹنے سوجن جائیں یا پاؤں پہ کس سواری کر بیٹھے چاہے جو بھی ہو آسن میں جنبش اور حرکت میں خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔ تزکیہ نفس کے ضمن میں ان کی ابتدائی مشق صاحبان ذوق و شوق کے لئے بڑی مدد ثابت ہوتی تھی۔ یہ یوگا اور مراقبات ریاضتیں مجاہدے چلے مختلف عبادات اور نشست و استادگی کے آسن یہ سب تزکیہ نفس اور تجلیات کی منزل کے کلک میں ہیں۔

میں اسی مراقبے کے آسن میں سامنے عطور کی صندوقچی کھولے بابا جی کے اگلے حکم کا منتظر تھا۔ انتظار حکم میں بڑی نجل سی ساعتیں بیت گئیں۔ نامعلوم سا غبار جیسے میرے دل و دماغ پہ چھاتا جا رہا تھا۔ میرا مادی جسم جیسے آہستہ آہستہ کافور کی طرح تحلیل ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں ناک کی جڑ کے کنارے [illegible] چیونٹیاں جیسے ان کے [illegible] پہ رینگتے چلے جا رہے ہوں۔ سر پہ مسلسل بالوں کی لٹیں چھوڑ دی ہوں۔ دماغ سن ہوا پھر آنکھیں مندھ گئیں۔ جسم کا پہلو چاروں شانے چت اٹھارے میں پڑا تھا۔ "اک اک اک" دھول چت رہا تھا۔ سر پہ بڑا سا کالا کپڑا باندھے خلیفہ جی چاروں جانب گھوم گھوم کر مٹھیاں بھر بھر کر خوشبو دار خوشبو دار سوندھی سوندھی مٹی کی طرح زمین کی مٹی میرے جسم پہ ڈال رہے تھے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ مٹی میرے جسم پہ چھٹکی جا رہی ہے لیکن اس مٹی کا اصل جوہر رس رس کر میرے وجدان میں سرایت کرتا جا رہا ہے جس سے میری روح تک سرشار دیوانی ہو رہی ہے یہاں تک کہ میں نہال سا ہو گیا۔ میرے اندر جیسے زمین اگ رہی ہو۔ سوندھی سوندھی خوشبو والے مٹی کے نیلے پہاڑ ابھر رہے ہوں۔ درخت پودے پھل پھول۔ انسان حیوان چرند پرند سونا چاندی ہیرے جواہر۔ ہر چیز جو مٹی سے جنم لے رہی ہو اور پھر مٹی میں ہی تحلیل ہو رہی ہو۔ کالے پٹکے کی جگہ سفید موچھوں جو گیا رنگ کا کرتا سفید تہبند اور سرخ چادر والے خلیفہ جی نے پھر ایک بڑا سا مٹکا پانی کے قلزم سے بھر لیا ہوا میرے مٹی مٹی گوندھے ہوئے جسم اور پیاس سے تڑپتے ہوئے جسم پہ پانی کی دھار ڈالا۔ غبار اور دھواں دھند سا اٹھا اور پھر آہستہ آہستہ پانی کا جو یہ غبار میرے وجدان میں اترنے لگا تھا کہ میری روح تک جا پہنچا۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے یہ میں اور ماجد جو بھی ہے سب کچھ

پگھل کر قطرہ بہ قطرہ لہر لہر موج در موج اک بحرِ بے کنار سے ہم کنار ہو رہے ہیں۔ کل صدیاں کل قرن میرے اسی منزل میں بیت جاتے ہیں۔ ہر ذرہ ناپیدا مرد و زن مسجد و معبد پرند چرند ہوش آبی مخلوق سیاہ و سفید سب کچھ پانی پانی ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی تو باقی نہیں بچتا جز اک چمکتے ہوئے تابندہ سورج کے جو صفِ انبار پہ اپنی پوری تابانیوں سے جلوہ افروز ہوتا ہے۔ یکایک اس کی دل افروز تمازت میں تندی سی آتی ہے یہاں تک کہ پانی بخارات کی صورت اڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہر جاندار اور بے جان جل تجلس کر راکھ میں تبدیل ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ پھر کئی زمانے اسی جلتی تجلس میں بیت جاتے ہیں۔ اتنے میں ایک معصوم سی پروانی باغِ عدن سے اطلاق ہوتی کہیں رستہ بھول کر ادھر راہ پا آ جاتی ہے۔ مجھے اک تیز سی چمک کا شدت سے احساس ہوتا ہے ایک بھرپور سی چھینک آہنگ کا رنگ اڑاتی ہوئی ابھرتی ہے [illegible] سے فوراً "الحمد للہ" [illegible] اور ادھر [illegible] "یرحمک اللہ" [illegible] جواب دیتے ہیں۔ آنکھ کھلتی ہے تو بابا جی مسکراتے ہوئے [illegible] کی شیشی کو گل شبو میں رکھ رہے ہوتے ہیں۔ گل شبو صندوقچی کو سرکا کر بابا جی نے اپنے سامنے دھر لیا ہوتا ہے۔ میں گل شبو کو یوں آنکھیں بچا کر دیکھتا ہوں جیسے وہ عطر کی نہیں [illegible] کے نور کی پٹاری ہو۔ بابا جی [illegible] شفقت [illegible] ہوئے

"[illegible] عطر [illegible] اور بابا [illegible] کوئی موقع اور [illegible] وقت ہوتا ہے۔ وقت، عمل اور جذب کی صحت کے بغیر ان میں سے کسی ایک کی بھی طلب و جستجو کرنا اپنی ہلاکت کا سبب ہی ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے عطرِ گل کی اصل حقیقت اور اس کی قدر و قیمت سے واقفیت حاصل کر لی ہو گی اور شاید یہ بھی جان چکے ہو گے کہ عطرِ گل کے علاوہ عطر آبِ رواں عطر آتش اور عطر بادہ باراں بھی ہوتا ہے۔ ان عطور کی مقدار بھی گل شبو میں موجود ہے۔ ان کے اصلی نسخے دیکھے جانے اور سونگھے بغیر انہیں صرف پانے سے ہی تمہاری یہ کیفیت ہو گئی اور سونگھ لیتے تو کیا ہوتا؟ اس لئے گل شبو کو ہاتھ لگانے اور دیکھنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ تم اپنی خواہشوں کے نعروں کو دبا باندھ کر رکھا کرو۔ مزید جانو کہ خوشبوئیں مہکاریں دلپذیر پھواریں جلوتیں کرنیں یہ سب ذات کی گھاتیں ہوتی ہیں۔ نسخے، تریاق، اکسیر جو ہیں عروق عطور وغیرہ یہ مخلوقات، معدنیات، نباتات کے باطنیات کے اصل جوہر ہوتے ہیں جو اپنے تمام تر خواص و خصائل کے ساتھ ہر کسی پہ نہیں کھلتے مگر جسے اللہ ایسی حس شامہ اور ذریعہ دم دماغ دے۔"

بات انسان کی باطنی نفیس و جمیل حسوں کی ہو رہی تھی کہ میں جب گہری سی نیند لے کر بیدار ہوا تو موسمِ شام نے اپنی عنبریں زلفیں جھٹک کر پریشان سی کر دی تھیں۔ ایک شعر ذہن میں جگنو کی مانند چمکنے

لگا ہے۔

یہ کہہ کر ستم گر نے زلفوں کو جھٹکا
بہت دن سے دنیا پریشاں نہیں ہے

شام کا وقت آسمان کا ہو بہو دامن۔ ہر جانب اک چل چلاؤ کا عالم۔ تنکے بارے پرندوں کی بوجھل سی واپسی کی پروازیں ان کی سب میں اتری ہوئی تھیں اور اس پہ مستزاد لوگس لیتا ہوا سمندر جزیرے کے ارد گرد اور ایک سی گونجتا میں قہقہوں پہ لرزتے ہوئے دیپوں کی جھلملاتی ٹمٹماتی ہوئی جہازوں بادبانی کشتیوں کی ٹکی ٹکی نیلی روشنیوں اور اس پہ تم کہ جیسے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ کافی دیر میں تخت دراز پہ تم دراز سا دائیں بائیں اور سامنے کی پورے کھلی کھڑکیوں سے شام کی اداس اپنی تنہائی اور ہوتے ہوئے جاتے ہوئے سمندر کی شہ سواریوں سے گفتگو کرتا رہا۔ آخر اکتا ہی گیا۔ ہلکی اٹھک بیٹھک کی جب تھکن ذرا دور ہوئی تو وضو کر کے نماز ادا کی۔ اب تخت دراز پہ بیٹھا بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یہ حبیب کہاں مر گیا ہے؟ اگر اسے کہیں جانا ہی تھا تو مجھے بھی جگا کر ساتھ لے لیتا۔ وقت دیکھا تو احساس ہوا کہ یہ وقت تو شام کے کھانے کا ہے یقیناً وہ کھانے کے لئے چلا گیا ہوگا لیکن اسے تو مجھے بھی کہنا تھا۔ سوچا کہ چلو میں ہی چلتا ہوں۔ باہر آیا تو پتا چلا کہ ہوا کے جھونکے دیوں کو پل پل جلا گئے تھے۔ باہر اور اندر اب اندھیرا اور تنگی بڑھ چکے تھے۔ حق روشن کرنے کی غرض سے دروازے کے پاس آیا تو دروازے کی پشت پہ ایک سفید کاغذ چسپاں دکھائی دیا۔ کاغذ اتارا حق روشن کی وہیں کھڑے کھڑے پڑھنا شروع کیا۔ حبیب نے لکھا تھا۔

"پیارے خان! تم بڑی گہری اور میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے۔ تمہارے خراٹے اور فضا بھرے دلنواز خراٹے نیم وا لب اور آنکھیں چہرے پہ کھلی ہوئی آسودگی اور معصومیت دیکھ کر یقین کرو چاہنے کے باوجود تمہیں جگانے کی جرأت نہ کر سکا۔ تم شاید جانتے ہو کہ سکون کی گہری نیند سوتے ہوئے کو جگانا ایک اچھے بیوری کو زیب نہیں دیتا۔ سوتے ہوئے انسان کی روح اپنے پرانے ساتھیوں سے ملنے کی غرض سے عالم رؤیا میں اتر جاتی ہے یا کہیں سیر و تفریح کے لئے نکل جاتی ہے لہٰذا میں تمہارا اور تمہاری روح دونوں کا گنہگار نہیں بن سکتا تھا۔ میں نے آج دوپہر جو قصہ تمہیں سنجیدگی سے سنانا چاہا اور جسے تم اپنے غیر سنجیدہ رویے کی وجہ سے مکمل طور پہ سن نہیں سکے اگر اسے سن لیتے تو جہاں تم میرے اور آئی آئی ڈیوڈ کے بارے میں بہت کچھ جان لیتے وہیں مجھے بے پناہ سکون اور تسلی کا سہارا بھی مل جاتا۔ ساتھ ہی تمہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ میں آج اس وقت کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں؟ خیر تمہیں اب

UrduPhoto.com

مختصر سے نوٹ میں صرف تمہیں اس قدر ہی بتا سکتا ہوں کہ آج چاند گرہن کی رات ہے آج کی خاص عبادت کی رات جس کے لئے وہ پورا مہینہ تیاری کرتی ہے۔ اس رات عبادت یا ریاضت کے مختلف مراحل پہ مجھے آج سے ایوا کی معاملات میں مستعد رہنا پڑتا ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ رات کا کھانا اور پی خانے میں نرم رکھا ہوا ہے۔ باورچی خانے چلے جانا اور نرم تر بستر انتظار کر رہا ہوگا۔ واپس آ کر انہیں کی فیصلہ ہو جائے گی ملاقات ہوں۔

خدا کے لئے ایوا کے شمالی حصے کی جانب جانا سختی سے منع ہے۔ وہ حصہ غیر محفوظ اور خطرناک بھی ہے۔ خیال رکھیے۔"

"خیریت ہو تم پر۔" میں نے خط میں رکھے کاغذ کو دروازے سے باہر پھینک دیا۔

میں دروازے کی چوکھٹ کے بیچ دونوں اطراف بازو پھیلائے کھڑا تھا۔ سامنے گہرا سبز رنگت کا سیال سمندر سی پھیلے ہوئے ایوا کی مانند کروٹیں بدل رہا تھا جیسے وہ لفظ بہ لفظ نامحسوس انداز سے آگے بڑھتے ہوئے شتاب کے پنجے جیسے اس خطے سے جزیرے کو یوں ہڑپ کر لے گا جیسے طرح سمان بدلوں کے تخت میں لڑتے ہوئے ظلم سے ظلم کے آخر تک چنوں اور برساتی چھتریوں کے بڑھتے ہوئے ہڑپ رہے ہیں۔

UrduPhoto.com

لیا نے شب آہستہ آہستہ اپنا مشاقی رقص کھول رہی تھی۔ سمندری ہوا نے بھی دھیرے دھیرے اپنے بادبان کھول دیے تھے۔ ستارے نے نرمی آنچل کی اوٹ سے اپنے کے ماہ کامل نے بھی ہلکی سی جھلکی سی دکھائی تھی کہ ماحول نور سے آلودہ ہو گیا۔ ایسے میں ایک چھناکے سے میرے وجدان کے تاپوروں سے کسی تار کو آج خوشبو کا لہر یا مضراب بن کر چھیڑ گیا۔ تیز تاری کی جھنجھناہٹ کی بازگشت جب اک تحریر بن کر میرے اعصاب پہ چھانے لگی تو مجھے ویرانی والی عطروں کی تیز خوشبو صندوقچی "گل شبو" یاد آ گئی۔ پھر عطر گل عطر بادہ باراں عطر آب رواں۔ جیسے تیس برس بعد گل شبو کا دھکا بابا جی نے کھول دیا ہو۔ سمندر کی اتنی بے کلی اور بے چینی دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ آج تو چاند گرہن کی رات ہے۔ ماہ کامل یعنی پورنیوں کے چاند کی رات۔ آج کی رات تو سمندر پاگل ہو جاتا ہے خوب جوار بھاٹا اٹھتا ہے۔ اس کے مدوجزر کی بے کل لہریں چلو رن کر پیم چھلرتے چاند کے پیرے کو چھونے کی جستجو میں تیز اور کناروں سے بہت اوپر اور آگے تک نکل آتی ہیں۔ میں سمندر کی بھری ہوئی موجوں کو بڑی بے چینی سے اپنی جانب لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا جیسے وہ بانگا لگا کر مجھے کہہ رہی ہوں کہ خان! مرو نہ تو تھوڑی دیر تک یہیں کھڑے رہنا اپنے پاؤں کی ریت نہ چھوڑنا۔ اگر آج تمہیں تھسیٹ کر کسی چکی میں بند

کر کے اپنے "قلزم شہود" کے بے کوشہ صندوقچے میں بند نہ کر لیا تو مجھے بھی سمندر نہ کہنا۔ پھر صدیوں بعد جب کوئی بابا جی اس قلزم شہود سے "عطر کافور" نکال کر اپنے ماتھے پر لگائیں گے تو تب تمہاری "کیا کیا اور کیوں کیوں" راز کھلیں گے۔

اس لمحہ زمان سے کوئی آفت سی اترتی ہوئی آئی اور تھپ سی مجھ سے ٹکراتے ہوئے اندر میرے تخت دراز پر بے سدھ سی آ گئی۔ شاید میں صحیح سے اس آفت کی زد میں نہیں تھا یا پھر اس کا نشانہ غلط پڑ گیا تھا ورنہ میرا چہرہ و بازو تو یقیناً زخمی ہو جاتے۔ اس ناگہانی صورت حال نے مجھے پل بھر میں زیر و زبر کر کے رکھ دیا تھا۔ تخت دراز کے قریب پہنچ کر اس راہداری آنے والے مہمان کو ذرا غور سے دیکھا تو یہ ایک کالا جو چوٹی کھولے مدہوش نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ شہزادے کی سی شکل و شباہت اور جسامت والا ایسا کالا اس سے پیشتر کم از کم میری نظروں سے نہیں گزرا تھا۔ میں اس کے قریب ہوا تو وہ مجھ سے بدک کر پیچھے اور دوسری طرف کھسکنے کی کوشش میں دائیں پہلو پر لڑھک سا گیا۔ اس کے بازو سے لہو بہہ رہا تھا۔ تخت دراز پر خون اور اس کی سیاہ سفید بیت کا لمبا سا نشان تھا جیسے وہ تخت دراز پر ایڑیاں رگڑتی میں زندگی لینے کرنے والے جانور کی طرح گھسٹتا ہوا آیا ہو۔ آدمی کی وحشت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے ہاتھ پاؤں ہلا رہا تھا۔ میں ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس وقت اس زخمی پرندے کے لئے میں کیا کر سکتا ہوں لاچار یہ وہم سمندر کے طوفانی بادبان میں کیل پھنس کر زخمی ہو گیا ہے اور اس زخمی کیل کو جائے پناہ جان کر کسی نے ہی طور ادھر آ چرایا ہے یا پھر تخت تیز ہوا کے زور نے اسے اس سمت اور اس جگہ لا پٹخا ہے۔ میں نے سمندر کی جانب سے ہوا کے ایک طوفانی جھونکے نے کھلے دروازے کے پٹوں کو ایک زبردست سی گونج دار آواز کے ساتھ ٹکٹ سے بند کر دیا۔ کھلی کھڑکیوں کے پٹ بھی کھڑکھڑا کر آپس میں ٹکرانے لگے۔ ایک عجیب سی افراتفری کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے ایک ایک کر کے کھڑکھڑاتی ہوئی کھڑکیاں بند کرنی شروع کیں۔ تیسری کے بعد چوتھی کی جانب بڑھنے ہی والا تھا کہ زخمی پرندے کو نے کمال جرأت ہمت اور بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تخت دراز سے کھلی کھڑکی کی جانب اڑنے کی ناکام کوشش کی جیسے اسے احساس ہو گیا ہو کہ یہ کھڑکی بند ہو جانے سے میں اس جگہ قید ہو کر رہ جاؤں گا۔ میں کھلی کھڑکی کو بھول کر اسے پکڑنے کے لئے لپکا۔ میرے ہاتھ کی گرفت اس کی ٹانگ پر پڑ گئی تھی۔ وہ بری طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ اسی کشمکش میں میرے کپڑوں کا بٹن ٹوٹ گیا۔ خون کے چھینٹے غائب تھی کہ میرا چہرہ اور ہاتھ بازو تک سب تھرتھرا گئے۔ اس کی ٹانگ پر میری پکڑ مضبوط تھی۔ وہ اپنے جہازی سائز کے بڑے بڑے پروں کو پھیلائے میرے ہاتھ

[illegible] ہوا اپنے پنجے سے آزاد ہونے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ آخری حربے کو آزماتے ہوئے اس نے اپنی چونچ میری ناک میں گاڑ دی۔ اس جگہ میری گرفت ڈھیلی پڑی تو وہ ایک ایڑھ بازو پہ پھڑپھڑاتا [illegible] سامنے کھلی کھڑکی سے باہر تھا۔ آگے بڑھ کر باہر اندھیرے میں دیکھا تو اندھے ہوتے سمندر کی بپھرتی [illegible] اور شور مچاتی ہوئی لہروں کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ ایک عجیب سی بے چینی، بے کلی اور اضطرابی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ جزیرے پہ پہلی ان دیکھی رات تھی۔ جب سے یہاں آیا اس وقت سے اب تک کچھ بھی تو ایسا نہ تھا جو میرے لئے پسندیدہ اور موافق ہوتا۔ ہر فرد، ہر لمحہ، ہر چیز، چہرے، دیگر [illegible] سامری، ہر واقعہ وجہ اضطراب [illegible] میں اس قسم کے جادو کے جزیرہ حیرت و حصار میں [illegible] کھڑکی بند کرتے ہوئے چٹخنی چڑھاتے ہی وہ [illegible] سے اسی زنی کو سے کی "کیا کیا [illegible] کیوں کیوں" کی آواز آئی۔

اور دور میں [illegible] سیاہ پوش کی مصاحبت میں جب میں شاہی محل کی حویلی جنہاں کی جنگل پوری میں جاتا [illegible] تو وہاں [illegible] سیاہ سے واسطہ پڑتا ہے جو میاؤں میاؤں کی بجائے "من آنم من آنم" کی آوازیں نکالتی [illegible]

UrduPhoto.com

[illegible] کھول کر [illegible] سے [illegible] اور [illegible] ہوا سے [illegible] اور بیلوں [illegible] سمندر کے شور [illegible] میں کچھ بھی تو [illegible] نہیں دے رہا تھا۔ کھڑکی بند، چٹخنی چڑھا کر میں باہر نکل آیا۔ [illegible] احساس ہوا کہ اس بادلوں اور اندھیرے میں زنی دے کو تلاش کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اب شاید [illegible] اور بندی بھی شروع ہو چکی تھی [illegible] بند کر رہا تھا کہ پھر اک کرب [illegible] "کیا کیا کیوں کیوں" [illegible] دروازے سے باہر اندھے طوفان کے پنجے میں پھنسا ہوا [illegible] معصوم بچہ اندر آنے کے لئے التجا کر رہا ہو۔ میں نے فوراً رک کر اپنے موسموں سے محفوظ رکھنے والی فل سائز برساتی اور اینٹی ویٹ واٹر پروف بلنگ شوز نکالے۔ جلدی سے ہاتھ پاؤں سر [illegible] ہاتھ میں طاقتور پانی سے محفوظ رہنے والی ٹارچ پکڑی اور دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل آیا۔

سمندر اپنی روزمرہ کی حدود سے شاید بہت آگے بڑھ آیا تھا۔ چودھویں کا ماہ کامل یقیناً اپنی تمام تر [illegible] سے جلوہ افروز تھا مگر سکاٹ لینڈ کے سمندروں، جھیلوں، دریاؤں اور بہت سے جزیروں پہ [illegible] پھیلی رہنے والی ازلی دھند کو کیا کہئے جو آفتاب کی تمازت اور ماہتاب کی ضوفشانی کے درمیان بھی [illegible] کی کیفیت پیدا ہی کرتی رہتی ہے۔ آؤٹ آف فوکس چاند کسی محبوب اور معتوب کی طرح بڑا اثر مند [illegible] دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے ٹارچ کی زرد روشنی [illegible] زرد روشنی خاص طور پہ دھندلے اور بھیگے

[illegible] بڑی کارآمد ہوتی ہے۔ کالج کے اردگرد قریب و دور میں ہر جگہ دیکھ لگر کوئے کا وجود کہیں نظر نہ آیا۔ سمندر کی طرف جانا اصل تھا پھر بھی میں قدرے آگے بڑھ گیا یہاں تک کہ لہریں آتیں اور میرے پاؤں کو چھو کر واپس چلی جاتیں معاً "کیا کیا" "کیوں کیوں" کی دلخراش سی صدا پھر میرے کانوں سے ٹکرائی مگر میں سمندر کے شور کی وجہ سے آواز کی سمت کا تعین کرنے میں ناکام رہا۔ میرا اندازہ تھا کہ یہ صدا پیچھے ہاسٹل آپریشن کے کلرم ہاؤس کی جانب سے آئی ہے۔ میں نے اپنا رخ پلٹا اور کلرم ہاؤس کے رخ پر چل پڑا۔ [illegible] یہ لکھنا ظاہر کرنا مناسب ہے کہ میں کہ اندر کریم کا خاص فضل و کرم اور میرے بابا جی کی نظر و عنایت ہے کہ مجھے ہی سے میرے اندر قدرے کلمہ پاک کا مخفی ذکر اپنے آپ ہی چلتا رہتا ہے۔ کوئی بھی کام ہو [illegible] مجلس مذاکرہ [illegible] ہنگامہ [illegible] موبائل فلم [illegible] کوئی بھی [illegible] دنیا کی مصروفیات [illegible] چلتی رہتی ہے۔ اس میں نہ میرے کسی ارادے کا دخل ہوتا ہے اور نہ ہی کوشش اور توجہ ... اور شاید یہی وجہ ہے کہ میں کسی بھی چیز میں نہیں رہا اور [illegible] میں بوریت اور یکسانیت کا شکار ہوں۔ [illegible] بار بار [illegible] ہزار میل [illegible] روز [illegible] ایک [illegible] ایک جگہ سے دوسرے جگہ تک [illegible] پاؤں اور پہیوں [illegible] پاک کی برکت ہے۔ یہ کلمہ پاک اپنے اندر [illegible] پاک کا جوہر رکھتا ہے لیکن اسے کسی کامل کی اجازت اس سے تھوڑا جان اور [illegible] کر پڑھنا چاہئے ورنہ اس کے خاطر خواہ اثرات اور ثمرات حاصل نہیں ہوتے۔

UrduPhoto.com

● اخلاص، اصل اختصاص.....!

میرے بابا جی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں ایک بہت ضعیف العمر شخص حاضر ہوا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں حافظ قرآن بننا چاہتا ہوں۔ میرے بابا جی اور حاضرین مجلس نے یہ دیکھا کہ اس بوڑھے میں سچ سے کھڑا ہونا تو کجا ٹھیک سے بات کرنے کی بھی سکت نہیں۔ آنکھوں کے اندر پڑے چاروں شگوفے ایسے بری طرح اخلاص کے ہوئے تھے کہ سامنے کھڑا شخص اسے کوسوں دور بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ پوپلے منہ میں صرف اور صرف ایک گھی سی زبان پڑی تھی وہ بھی کلمہ طیبہ کی جانب کھچی رہتی۔ دوسرے کی بات البتہ ہاتھ کا بھونپو بنا کر تھوڑی بہت سن لیتا تھا۔ یہ حالت ناتوانی اور شوق حفظ قرآن

بابا جی نے تبسم فرماتے ہوئے اسے پاس بٹھایا پوچھا۔

"بابا جی! آپ کو اس عمر میں جب انسان گھوڑے پر بیٹھنے کی تیاری کرتا ہے یہ قرآن شریف کے حفظ کرنے کا خیال کیونکر آیا.....؟"

بوڑھے آدمی نے ٹھہر ٹھہر کر سوچ سوچ کر جواب دیا۔

"پتر جی! اس کی دیانتی ساری ایسے ہی گنوا دی ہے۔ ایک دن میرے یار بیلے نے مجھے نصیحت کی کہ جی! قرآن دین تو مرنے کے بعد بڑا اندھیرا ہوتا ہے۔ یار! تیرا عمر چراغ لے جائے میرے دل میں آیا ہے تو قبر میں کوئی ایسا چراغ لے جائے جس سے تیری قبر کا اندھیرا دور ہو جائے اور تجھے وہاں کوئی تکلیف وغیرہ نہ ہو..... پتر جی! اس کی یہ بات میرے دل میں کھب سی گئی۔ میں نے اپنے پنڈ کے "مولوی" رمضان صاحب سے بات کی۔ اس نے بتایا کہ قرآن پاک کا حافظ اپنی اگلی پچھلی سات سات پشتوں کی بخشش کا سبب بنتا ہے اور چونکہ مرنے والے کے پیچھے میں قرآن مجید ہوتا ہے اس لئے اس کی قبر میں نور برستا رہتا ہے کیونکہ قرآن بھی چراغ دین ہے۔"

بوڑھے [illegible] بہت محظوظ ہوئے۔ بابا جی نے فرمایا۔

"بھائی [illegible] یہ تمہارے یار نے تو تمہیں بڑی بڑے فائدے اور علم کی بات بتائی۔ قرآن مجید واقعی چراغ دین اور نور ہدایت ہے۔ جس نے اسے پڑھا یا سیکھا یا حفظ کیا۔ پھر اسے سنبھالا اور اس کے مطابق عمل کیا اس نے فلاح پائی۔ اب بولو کیا ارادہ ہے؟"

وہ رعشہ زدہ ہاتھ کا پھونپو کان پہ دھرتے ہوئے بولا۔

"پتر جی! ذرا اونچی بولو میتوں گھٹ سنائی دیندا اے۔"

بابا جی نے بڑی نرمی سے ذرا بلند آہنگ میں پھر اپنی بات دہرائی۔ باپ نے اپنے اسی دیہاتی لہجے میں جواب دیا۔

"پتر جی! ارادہ تو یہی لے کر آپ کے قدموں میں پہنچا ہوں کہ آپ مجھے خدا واسطے چراغ دین دیں۔ میں قرآن شریف کا حافظ بننا چاہتا ہوں....."

بابا جی اب سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔ "بابا جی! آپ نے ناظرہ تو پڑھا ہوگا.....؟"

"نہیں جی! میں نے نہ پڑھا ہوتا تو آپ کے پاس کیوں آتا.....؟" باپ نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

بابے کے باقی اظہار سے معلوم ہوا کہ اسے نہ تو نماز آتی ہے اور نہ ہی کوئی آیت یا سورت اور تو اور کلمہ طیبہ بھی زیر زبر کی غلطی کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آگے "سوہنا پاک رسول اللہ" پڑھتا ہے۔ بسم اللہ شریف بھی صحت سے نہیں پڑھ سکتا۔ بابا جی نے جب اس کی ایسی علمی صورت حال دیکھی اور زبان، حجا، یادداشت وغیرہ کو بھی ناقابل بھروسا پایا تو بابے کو مشورہ دیا کہ تم صرف کلمہ شریف ہی اچھی طرح صحیح سے یاد کر لو اور ہر وقت اسی کا ورد کیا کرو انشاء اللہ تم چراغ دین بن جاؤ گے اور اللہ مہربان ہوا تو قبر بھی روشن رہے گی۔ اگلے جمعہ کے روز مجھے آ کر کلمہ پاک کا سبق سنانا۔ بابا جی نے کلمہ شریف پڑھا کر بابے کو رخصت کر دیا۔ اگلے جمعہ کے روز جب بابے نے آ کر کلمہ سنایا تو وہی زیر زبر کی غلطی اور وہی "سوہنا پاک رسول اللہ" کلمہ میں موجود تھا۔ بابا جی سخت خفا ہوئے کہ آٹھ دنوں کی ریاضت اور پاکی کے بعد بھی بابے کا کلمہ کچے کا کچا ہی رہا۔

"بابا جی! کلمہ طیبہ کو صحیح اور درست مخرج کی ادائیگی کے ساتھ پڑھنا ہی درست اور ثواب ہے غلط یا بڑھا گھٹا کر پڑھنے سے گناہ ہوتا ہے....."

بابا جی نے [illegible] زیر زبر کی غلطیاں صحیح کرائیں [illegible] سوہنا پاک کے [illegible] لگانے سے منع فرمایا۔ بابا جی نے [illegible] کے چھ کلمے [illegible] سے پہلے بابا جی کھڑے ہو گئے آتے ہی ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے۔

"جی جی! زیر زبر کی غلطی تو ٹھیک ہو گئی ہے پر "سوہنا پاک" لگائے بغیر میں کلمہ شریف نہیں پڑھ سکتا۔ میرے منہ سے خالی محمد رسول اللہ نکلتا ہی نہیں ہے۔ [illegible] آپ اللہ کو لوں مجھے سوہنا پاک لگا کر کلمہ پڑھنے کی اجازت لے دیں۔ بے شک کہہ دیں کہ بابے چراغ دین دے منہوں خالی محمد رسول اللہ پھبدا ای نہیں....."

بابا جی اور ہم سب ہم نشیں بابے چراغ دین کا پوپلا منہ دیکھ رہے تھے۔ بابا جی نے تیسری بار پھر بابے کو صحیح کلمہ پاک پڑھنے کی تلقین کر کے رخصت کر دیا۔ اس بار رخصت ہوتے سمے وہ بوڑھا کچھ دل گرفتہ سا نظر آیا تھا۔

کچھ دنوں سے بابا جی کے دشمنوں کے مزاج برہم تھے۔ مجالس خاص و عام موقوف تھیں کھانے پینے اور عبادات کے اوقات میں بھی خلل واقع تھا۔ روزانہ آنے جانے والے احباب کے علاوہ ہمہ وقتی خادم خاص جنہیں بابا جی کے مزاج میں خاصا دخل تھا پریشان سے تھے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں؟ ایسی کسی میں جرأت نہیں تھی کہ زبان کھول کر پوچھ سکے۔ دے کر ایک صرف میں ہی تھا جس پر سب کی

نظر تھی کہ میں تو وہ گاؤں کہ سرکار کے مزاج کیوں برہم ہیں نجیب دشمنان طبیعت پہ کیا ہو رہا ہے!
ظہرانے کے فوراً بعد قیلولے سے پہلے میں اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ فرشی نشست پہ
نیم دراز سے کسی کتاب کے مطالعہ میں مگن تھے وعلیکم اسلام کہتے ہوئے کتاب بند کر دی اور فرمایا۔

"بابا چراغ دین کے پنڈ جانا ہے....."

مسلسل ارضائی گھنٹے تانگے پہ سفر کے بعد جب ہم بابے کے پنڈ پہنچے تو گاؤں کی مسجد میں عصر
کی اذان ہو رہی تھی۔ ہم سیدھے مسجد میں ہی چلے گئے۔ مسجد کے امام مولوی محمد رمضان کو جب معلوم
ہوا کہ بابا جی تشریف لائے ہیں تو اس نے اپنے ذرائع سے گاؤں کا گاؤں پورے گاؤں میں یہ خبر آناً فاناً
پھیلتے ہی دیکھتے دیکھتے مسجد نمازیوں سے آسودہ ہو گئی۔ بابا چراغ دین اور اس کا بیلی بابا علم دین بھی آ گئے۔
عورتیں بچیاں بوڑھیاں مسجد کے باہر پیپل کے درخت کے نیچے جو بیٹھیں تھیں نماز سے سب فارغ ہوئے تو
مولوی صاحب نے بابا جی کی خدمت میں امامت کے لئے درخواست کی بابا جی نے تبسم کرتے میں سب
نمازیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اللہ کے نیک بندو! آج میں خود ایک ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لئے
یہاں تک آیا ہوں جو آپ کے گاؤں کا ہی باسی ہے اور آپ سب اس اللہ کے بندے کو اچھی طرح
جانتے ہیں۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس اللہ کے بندے سے درخواست کروں کہ وہ ہماری
امامت کرے۔"

سب نمازیوں نے "سبحان اللہ سبحان اللہ" کہتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ تب
وہ بھی اٹھے اور بابے چراغ دین کے پاس پہنچے دونوں ہاتھوں سے انھیں ساتھ لے کر امامت کے مصلے پہ
کھڑا کیا خود تکبیر کہنے کے لئے اس کے عقب میں کھڑے ہو گئے۔ اب بابے چراغ دین کا یہ عالم کہ وہ
پاگلوں کی طرح ادھر ادھر سب کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا
ہے؟..... بابا جی نے اسے کہا۔

"بابا چراغ دین! آج ہم سب تمہاری اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔ میں تکبیر پڑھتا ہوں تم
نماز شروع کرا دو۔"

پھر وہی بات کہ بابے چراغ دین کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا کہ اس کے ساتھ آج یہ کیا ہو رہا
ہے؟ اس کے ساتھ تو ویسے ہی نمازی کھڑے ہونے میں اجتناب برتتے تھے کہ جب جماعت قیام میں
ہوتی تو بابا رکوع میں چلا جاتا۔ قعدے کے وقت وہ سجدے میں پڑا ہوتا اور خدا جانے وہ کیا کچھ پڑھتا

UrduPhoto.com

رہتا۔ آخر وہ سجدے میں پڑا پڑا فرائے بھی لینے لگتا۔ نماز ختم کرنے کے بعد ایک دن نمازی اسے بیدار کر کے ہاتھ بازو تھامے گھر تک پہنچ آتے۔ اب اسی نیم مخبوط الحواس چراغ دین کو بابا جی نے پورے گاؤں کے خورد و کبیر کی نماز کا "فرسٹ کیپٹن" بنا کر مسجد کے "کاک پٹ" میں بٹھا دیا تھا۔ کوئی کیا بولتا؟ بابا جی کی حیثیت اور مرتبے سے سب ہی واقف تھے۔ بابا جی نے تکبیر پڑھنی شروع کر دی۔ ختم بھی ہو گئی۔ اب بابا چراغ منہ کعبہ کی طرف کرے۔ "اللہ اکبر" کہے تو مقتدی بھی "اللہ اکبر" کہہ کر ہاتھ باندھیں مگر بابا چراغ دین تو رخ نمازیوں کی جانب کئے بت بنے سب کو دیکھ رہا تھا۔ بابا جی نے اس کا رخ قبلہ شریف کی جانب موڑا۔ خود ہی اس کے ہاتھ ناف پر رکھوائے اور خود اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی۔ مقتدیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ ایک منٹ، دو منٹ، پانچ منٹ۔ حتیٰ کہ اتنا وقت گزر گیا کہ کوئی مشاق حافظ پورا پارہ ختم کر جائے۔ بابا چراغ دین آگے کھڑا کبھی پیچھے دیکھتا کبھی پنڈلیوں اور پاؤں کو کھجانے لگتا۔ بوڑھے بیماروں اور بچوں نے تو کھانسی کے کھنکورے مارنے شروع کئے ہوئے تھے۔ کھنکورے آگے نکلتے اور ان اشاروں کو سمجھنے والا کون تھا؟ بابا چراغ دین! جس کے دو قدم پہلو میں تو پ داغی جانے کو کہنے پر بھی آواز بھی نہ نکلے۔ تین چار نمازی نماز توڑ کر صفوں سے باہر نکل گئے اور کچھ وقت اسی کشمکش میں گزر گیا۔ پھر [illegible] بابا جی [illegible] میں چلے گئے۔ اگر اس وقت [illegible] بابا جی "اللہ اکبر" کہتے تو پیچھے کسی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ آگے رکوع بھی ہو چکا ہے۔ بہر حال سب کچھ کر کر رکوع میں چلے گئے۔ جب دس منٹ اسی طرح [illegible] گزر گئے تو چند اور لوگ نماز توڑ کر مسجد میں سے نکل گئے۔ کھنکورے اور مصنوعی کھانسی بدستور چل رہی تھی۔ پھر اللہ کا کرنا کچھ یوں ہوا بابا چراغ دین وہیں سے ہی سجدے میں چلا گیا کہ یوں کہنے لیٹ ہی گیا۔ مقتدی بھی سجدے میں تھے اور امام بھی اور اب جیسے ان سب کو سجدے نے پکڑ لیا تھا۔ کسر پھسر ہو رہی ہے اور ایک دوسرے کو کہنیاں ماری جا رہی ہیں۔ آخر کب تک کوئی سجدے میں پڑا رہے؟ انسان ہے فرشتہ تو ہے نہیں کہ سجدے میں پڑا ہے تو قیامت تک وہیں پڑا رہے۔ اب پانچ سات نفر اور کم ہو گئے۔ امام صاحب کے خراٹوں کی آوازیں مسجد کے احاطے تک سنائی دے رہی تھیں۔ دو چار اور اٹھ قسم کے نمازی لاحول پڑھتے ہوئے نماز توڑ کر گھروں کو نکل گئے۔ اب پچھلی والی پانچ صفوں کی حالت کچھ یوں پکی پچھلی (بھنے) جیسی تھی جس کے چھدرے چھدرے دانے ہوتے ہیں۔ صرف پچھلی صف جس میں بابا معززین گاؤں اور بابا جی سرکار تھے دائیں بائیں اور آخری ایک دو نمازی غائب ہو جانے کے باوجود سالم تھی۔ کہیں پیچھے سے کسی بچے کی آواز ابھری۔

''اوئے بابا دینیاں مر گیا ایں یا جیوندا ایں.....؟''

ہمارے بابا جی نے اکبر اللہ کہتے ہوئے بجھے سے سر اٹھایا سلام پھیر کر نماز توڑ دی۔ پھر بلند آواز سے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔ عشاء کے بعد بابا چراغ دین کی نماز جنازہ بابا جی نے پڑھائی۔ اپنے گاؤں کے علاوہ نزدیک و دور کے ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ بڑے بوڑھوں نے کہا کہ آج تک اس علاقے میں کسی انسان کا اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا گیا۔ دفن کے وقت بابا جی نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹی دی اور دعا کے بعد لوگوں سے کہا۔

''لوگو! تم کیا جانو کہ تمہارے درمیان سے آج کون سی ہستی عالم بالا کی جانب مراجعت کر گئی ہے۔ ان پڑھ دیہاتی سا بابا چراغ دین جسے نماز آتی تھی اور نہ کلمہ شریف صحیح سے پڑھا جاتا تھا۔ اسے کلمہ شریف پڑھتے وقت ''سوہنا پاک'' کی اصطلاح کے ساتھ ''محمد رسول اللہ'' کہنا اچھا لگتا تھا۔ بس اسی سوہنے پاک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صدقے میں ہی اللہ پاک نے اچھے اس بندے مراد اسے کو بخشش کا وہ رتبہ عطا فرما دیا جس کی خواہش ولی اور قطب کیا کرتے ہیں۔ بے شک اللہ پاک کو اخلاص ہی پسند ہے۔ کسی کی غلط ملط ادا، سادگی، جھولیں [illegible] اور بے علمی بھی اس میں اخلاص اور [illegible] اللہ پاک کو ایسی پسند ہے کہ وہ اسے [illegible] عطا کر دیتا ہے اور کہیں بڑے بڑے عابدوں، پرہیزگاروں اور عالموں کو ان کے غرور، زیادہ علم یا پرہیزگاری کے ذرا سے زعم پر انہیں قعر مذلت میں پھینک دیتا ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کے ہاں ولی وہی ہے جو صرف اس کے خوف، اخلاص، تقویٰ، مخلوق کی خدمت اور اس کے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے محبت کے مراحل سے گزرنے کے بعد یقین کئے جاتے ہیں۔ حسب و نسب، دستار و کلاہ، علم و دانش، نمازیں، نماز، منصب وغیرہ سب کچھ بیکار اور بے فائدہ ہیں اگر اخلاص موجود نہیں ہے۔ ہر وقت اللہ پاک سے اس کا فضل و کرم طلب کرتے رہا کرو۔ وہ تمہاری عبادتوں اور ریاضتوں سے بے نیاز ہے۔ اس سے اپنی پرہیزگاریوں اور نمازوں کا اجر مت مانگو۔ اپنے آپ کو گنہگار اور گندہ سمجھتے ہوئے صرف اس سے اس کی رحمت اور توفیق بندگی چاہو.....''

● بے عملے کا علم.....!

بات میرے تیسرے گلے پاک کے دورے سے شروع ہوئی تھی کہ بچپن سے ہی اس کا کافی ورد

میرے پاک پروردگار نے اپنے کمال فضل و کرم سے مجھے عطا کر دیا ہوا ہے۔ اس میں مزید استقامت اور برکت وہاں کی اجازت اور تصرف نظر سے ملی۔ بابا چراغ دین کا قصہ بیان کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ میرے ساتھ بھی کچھ کچھ بابے جیسا ہی معاملہ ہے۔ میں بھی ناعلم ہوں مجھے بھی کچھ نہیں آتا۔ میرے دنیاوی علم کا معیار تو آپ کے سامنے ہی ہے۔ مجھے بارہ مہینوں کے نام پوری طرح نہیں آتے۔ یعنی میں اتنا بھی نہیں جانتا جتنا ایک آٹھویں جماعت کا طالب علم جانتا ہے۔ کچھ ایسی حکمت تھی کہ جو مجھے جاننا اور پڑھنا چاہیے تھا وہ باوجود کوشش کے جان اور پڑھ نہ سکا اور جو شاید میرے لئے ضروری اور اہم نہ تھا (میرے اپنے فہم کے مطابق) مجھے مانگے چاہے بغیر ہی مل گیا۔ کئی بار قرآن الحکیم ناظرہ پڑھنے کے باوجود آج تک میں کوئی آیت مبارکہ صحیح سے نہیں پڑھ سکتا۔ قرآن الحکیم کا تصور آتے ہی کانپنا شروع ہو جاتا ہے کہ پڑھوں تو کہیں غلطی نہ ہو جائے۔ نماز پڑھنا بھی نہیں آتی۔ ذہن سے محو ہو گئے۔ ایمان کی حفاظت کچھ بڑی نماز جنازہ، نکاح کی دعائیں۔ یہاں تک کہ نماز کے بعد جو دعائیں بچوں کو بھی آتی ہیں مجھے نہیں آتیں۔ کوئی چھوٹی نماز میں زیادہ تر سورۂ کوثر، سورۂ اخلاص، سورۂ عصر سے کام چلاتا ہوں۔ کئی بار اکثر مواقع پر [illegible] کے کپڑوں سے متاثر ہو کر مجھے امامت کے لئے کہتے ہیں۔ ان موقعوں پر میری جان پر بن جاتی ہے۔ میں مختلف حیلوں سے جان چھڑاتا ہوں۔ آخری حربہ یہی استعمال کرتا ہوں کہ بھائی میں کسی اور مسلک سے ہوں میرے پیچھے آپ کی نماز مشکوک ہو جائے گی۔ ان سب بہانوں کے باوجود کہیں نہ کہیں پھنس جاتا ہوں اور شاید اتنی اذیت تختہ دار پر کسی مجرم کو محسوس نہیں ہوتی ہوگی جتنی مجھے ہوتی ہے۔ رکوع کا خیال نہ سجدے کی خبر اور وہی بابے چراغ دین والا حال۔ کئی ایک بار قرأت والی نماز میں پھنس گیا۔ سورۂ کوثر سے مختصر کیا کوئی سورۃ ہوگی۔ ایک آیت پڑھ کر آگے؟ ... پھر خود بخود تیسرا کلمہ زبان پر آ جاتا ہے ... حج کیسے ہوتا ہے؟ حج کے مختلف مراحل میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ مناسک کیا ہیں۔ مختلف مقامات کی دعائیں ... توبہ کریں جو مجھے پتہ ہوتا ہو۔ ہر جگہ تیسرا کلمہ ہی چلتا ہے۔ کئی بار نماز جنازہ اور نکاح مسنونہ پڑھانے کے لئے زبردستی دھر لیا گیا اور خدا جانتا ہے کہ آج تک باوجود یاد کرنے کے مجھے یہ تک معلوم نہیں کہ نماز جنازہ اور عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازوں میں کتنی تکبیریں رکعتوں اور سجدوں کا فرق ہے ہاتھ کب بند کرنے یا کھولنے ہیں؟ اکثر کافی آگے سے دائیں بائیں دیکھ کر تقلید کر لیتا ہوں اور یقین فرمائیں کہ کئی بار اپنی جنتوں پہ جنازہ پڑھانے پہ مجبور ہوا کہ وہاں شاید مجھے ہی سب سے زیادہ نیک اور دینی معاملے میں معتبر سمجھ لیا گیا۔ کئی مقامات ایسے بھی آئے کہ انکار کی جگہ یا گنجائش نہیں تھی۔ یہ بھی یاد نہیں کہ نیت اور تکبیریں کتنی ہیں؟ دل ہی

دل میں اللہ سے گڑگڑاتا ہوں کہ مولا! کیا کروں! ابھی تو ہی معاف کرنے والا اس میت کے گناہ بخشنے والا اور ان سادہ لوح انسانوں سے میری "عزت سادات" محفوظ رکھنے والا ہے۔ پھر میں کمال مکاری سے کسی اچھی سی داڑھی والے کو پاس بلا کر آہستہ سے بھنی سی آواز نکال کر کہتا ہوں کہ حضرت! میری آواز بیٹھی ہوئی ہے ازراہ کرم ذرا بلند آواز سے نماز جنازہ کی نیت مع تکبیروں ۔۔۔ رکعتوں اور طریقہ ذرا بتا دیں۔ جزاکم اللہ فی الدارین ۔۔۔ جلدی سے یاد کر کے فوراً پڑھا دیتا ہوں۔ کئی اک بار تکبیروں میں کمی و بیشی بھی واقع ہوتی۔ پھر ایسے ایسے جھٹکے اور ذکر و اذکار کے موقع پر کے تکبیریں اور ہاتھ اٹھانے چھوڑنے یاد رہتے ہیں۔ ہر ایک کے دماغ میں اپنی نماز جنازہ کھبی ہوتی ہے۔ میں بھی صرف اور صرف تین اکبر ہی پڑھتا ہوں یا یوں کہئے کہ یہی تو ہے جسے میں پڑھ سکتا ہوں۔ سائیں کہ ہمیشہ ایسے ہی ہوا ہے کہ اسی رات وہی نماز جنازہ والا مردہ ہنستا مسکراتا ہوا خوش خوش خواب میں کہتا ملتا ہے کہ پیاری! کیا کمال کا جنازہ پڑھا ہے کہ میرا تو نجات ہو گیا ہے۔ نکاح بھی بے شمار پڑھائے سوائے اپنے بچوں کے کہ گھر کے بچے کو ولی نہیں مانتا اور نہ ہی گھر کے ڈاکٹر سے شفا ملتی ہے۔ خدا جانتا ہے کہ جس کا بھی ہونا لکھا ہے وہ سدا بہار ہی ہو گیا ہے۔ [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] والی بیوی پہ [illegible] میں کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ [illegible] ایک تو یہ اس میرے [illegible] کا کمال ہے [illegible] سے دولہا کے کان میں کہتا ہوں کہ پہلے بیٹے کا نام محمد علی رکھنا دوسرے کا احمد علی اور پھر بس سوچنا۔ بیوی کو اللہ کی نعمت اور رزق سمجھو گے تو ہمیشہ اللہ سے نعمتیں اور کھلا رزق ہی پاتے رہو گے۔ بیوی کے پاس جاؤ تو پہلے سلام کرو [illegible] شریف پڑھ کر ہاتھ لگاؤ اور اسے اپنے سے بہتر انسان سمجھو۔ حسن صورت پہ نہ جانا حسن سیرت کو جانا۔ اس کے سر پہ دوپٹہ اور آنکھوں میں حیا برقرار رکھنا۔ لیڈی پہلی ہے نرم خوئی اور برداشت والا معاملہ رکھنا ۔۔۔ پچھلی سطروں میں "عزت سادات" کہیں لکھا ہے اس پہ یاد آیا کہ مجھے اکثر لوگ شاہ جی کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے میری کتاب شب دیدہ کی کہانی پڑھی ہو اس میں وارسک کا مدنی خان ہوٹل والا بھی مجھے شاہ جی کہتا تھا۔ اسے میں نے بتایا تھا خان! میں پٹھان ہوں سید نہیں۔ مجھے گنہگار مت کرو تو اس کا جواب تھا۔

"خو تم پٹھان ہو یا ترکھان..... ہم تم کو شاہ جی ہی بولے گا"

بالکل یہی حالت اب بھی ہے کہ میں کہہ کہہ کر تھک گیا ہوں مگر کہیں بھی کوئی میری نہیں سنتا۔ یہ "شاہ جی" والا معاملہ کم ہونے کی بجائے زیادہ ہی ہو گیا ہوا ہے۔ ایک عقلمند نے مجھے اس کا ایک علاج یوں بھی بتایا تھا کہ میں ایک آٹھ بائی تین کی پلاسٹک کی پلیٹ لاکٹ کی طرح گلے میں لٹکا لوں

UrduPhoto.com

جس پہ جلی حروف میں تحریر ہو ''میں سید نہیں پٹھان ہوں'' اس طرح لوگ مجھے شاہ جی کہنے سے اجتناب برتیں گے مگر جب میں نے اسے یہ بتایا کہ بھائی! میرے بہت سے ملنے والے میری طرح کورے چٹے ان پڑھ ہیں وہ تو اپنا نام بھی لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ مجھے تو پھر ان کے لئے ایک ٹیپ ریکارڈر بھی جیب میں ''فٹ لوڈ'' رکھنا پڑے گا کہ جب کوئی ایسا چٹا ان پڑھ میری جانب آتا دکھائی دے تو فوراً بٹن دبا دوں تاکہ ''میں سید نہیں پٹھان ہوں'' کی تکرار شروع ہو جائے۔ کچھ دیر خاموش رہنے اور سوچنے کے بعد اس مخلص دوست نے آخری مگر معقول مشورہ دیا۔

''شاہ جی! ایسا کریں آپ کی نرالی کے اشتہار دے دیں کہ میں فلاں ابن فلاں باکرامت و قباحت بصد مجبوری و ذہنی معذوری اپنی قومیت پٹھان بدل کر ''قوم شاہ'' اختیار کرتا ہوں۔ آئندہ مجھے ''فلاں شاہ ابن فلاں خاں'' پکارا جائے۔'' آخر آئے دن اخبارات میں لوگ اپنا کاروبار، مذہب تک بدلتے رہتے ہیں تو قوم ذات بدلنا کیا مشکل ہے؟''

آہوئے فکر کی رفتاریں ملاحظہ فرمائیں! ہے اسے کوئی سکون و سکوت؟ پل میں یہاں اور اگلے لمحے کدھر۔ یہ [illegible] ایک لمحے نئے تجربے سے آشنائی ہاتھ میں..... بات پھر وہیں کہ میں ہاتھ میں ٹارچ لئے ماڈرن آبزرے کے فارم ہاؤس کے [illegible] کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اچانک سامنے چاند آ گیا۔ شاید دھند کی کوئی دبیز سی چادر چاند کے چہرے سے سرک گئی تھی۔ ایسا صاف اور روشن مکھڑا، مکھڑے کے گرد ہالے، ہالوں میں مخفی سا ملگجا جیسے چاند کے [illegible] نورانی نور انیدہ سے چاند مکھڑے ہوئے ہوں۔ ایسا دلکش منظر زمین سے انسانی آنکھ نے کم ہی دیکھا ہوگا۔ چاند کی جوانی کو دیکھنا ہو تو سمندر کی گود میں بیٹھ کر دیکھو اور سمندر کی جوانی کو دیکھنا ہو تو چاندنی کی ہتھیلی میں بیٹھ کر محسوس کرو۔ میں نے ٹارچ کی زرد روشنی گل کر دی تھی اس کی اب ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ آسمان اب صاف ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے موجود آوارہ بادلوں کے قافلے اب نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ دھند کا نرمی سا غبار یوں چھٹ گیا تھا جیسے پہلے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ سمندر میں کھڑے جہازوں اور کشتیوں کی روشنیاں آسمان پہ ستاروں کی کہکشائیں اور کہکشاؤں جیسے نظارے۔ پل کی پل مجھے یوں محسوس ہوا جیسے خدائی خدائی تلے میں اکیلا ہی کھڑا ہوں اور اللہ کی رحمت جوش میں آئی ہوئی ہے۔ یہ ساری محفل، یہ چاند ستارے نظارے۔ یہ موجزن سمندر اور یہ سماں سب کچھ میرے اکیلے ہی کے لئے ہے۔ یہ سمندری سرسراتی، گنگناتی ہوئی ہوا، یہ عطر آب کی مہکاریں اور عطر بادوباراں کی پھواریں صاف اور صاف

مجھے سرشار کرنے کے لئے تھیں۔ میرے اردگرد آگے پیچھے اوپر نیچے اور نزدیک و دور کی ہر شے "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" کا ورد کر رہی ہے۔

● یہودی جادوگر.....!

چاند کے گرد کا ہالہ اب شاید مزید وسیع ہو گیا تھا یوں جیسے چاند اپنے ساتھ سے کئی گنا بڑا ہو گیا ہو اور شاید اسی لئے چاندنی میں بھی مزید نکھار در آیا ہو گیا تھا۔ اب جیسے ہر شے نے اپنی نوک پلک درست کر لی تھی۔ چاندنی کا وہ جو اپنا ایک خاص فسوں ہوتا ہے اس ہی فسوں نے جزیرے کی ہر چیز کو اپنے حصار میں باندھ لیا تھا۔ جوں ہی چاند کی میں تو وہی کا سے کی تلاش میں نکلا ہوا ہوں اور شاید ابھی بھی جوا ہی رہتا اگر میری دائیں جانب قریب ہی سے کسی کوے کی "کیا کیا" کیوں کیوں" کی آواز میری سماعت سے نہ ٹکراتی۔ میں ٹھٹک کر دائیں جانب اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دیا تو میں ٹارچ روشن کر کے دائیں جانب قدرے بلندی پر پہنچا۔ یہاں ایک طویل چوڑی تختی شاید سیاحوں کے لئے لگائی گئی تھی۔ ایک تقریباً چھ فٹ لمبا صحیح وہ تھا جس کے اوپر لکڑی کا ایک کراس جس پر جزیرے کے چاروں سمتوں کے متعلق معلومات لکھی ہوئی تھیں۔ یہاں بھی شمال جنوب کی جانب جانا سخت ممنوع لکھا تھا۔ اس کے نیچے فالتو چیزیں ڈالنے کا بڑا سا کول ڈبا بھی تھا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی ذرا کے لئے اس تختی پر پھینکی۔ میری تھکی آنکھیں اس اندھیرے اجالے میں زخمی کوے کو تلاش کر رہی تھیں جو چھلاوے کی طرح مجھے اپنی موجودگی کا احساس بھی دلا رہا تھا اور نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ آواز تو میں کہیں قریب سے ہی آئی تھی اسی اسرار پہ غور کرتے ہوئے چند لمحے ان کی سے سلسلے میں گزر گئے۔ سامنے شمال جنوب کی جانب جو اچانک نظر آئی تو دیکھا کہ ایک کالی سی گھٹا بڑی سرعت کے ساتھ جزیرے کی جانب امڈی آ رہی ہے ایسی واضح اور سیاہ کالی کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ جیسے جیسے جزیرہ قریب آتا جا رہا تھا وہ کالی گھٹا اپنی بلندی چھوڑتی جا رہی تھی۔ میں ششدر سا یہ عجیب و غریب نظارہ دیکھنے اور اس کے متعلق سوچنے میں گم تھا کہ اسی کالی گھٹا میں شمال کی طرف سے پھر "کیا کیا" کیوں کیوں" کی آواز آئی۔ اس بار میں نے کسی قسم کا مظاہرہ کرنے کی بجائے تحمل صبر اور تدبر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے اپنے ذہن کا ایک حصہ دبایا اور پوری توجہ "کیا کیا" کیوں کیوں" کی آواز کو پکڑنے پہ لگا دی۔ ادھر کالی گھٹا کا اثر کرافٹ بھی جیسے لینڈنگ آرڈر لے چکا تھا۔ میری حیرانی

UrduPhoto.com

اپنے عروج پہ پہنچ جاتی ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ کالی گھٹا ایک عقاب یا جہازی کی صورت اختیار کر چکی ہے جیسے ڈائنوسار کے زمانے کا کوئی دیو ہیکل دیو مالائی آسمانی پرندہ کسی ڈائنوسار کے بچے پہ جھپٹنے کے لئے آسمان سے اشنہ باندھ کر زمین پہ گرتا ہے۔ اسی لمحہ پھر کوے کی آواز آئی۔ میں نے اپنا میٹریس لیا ہوا تھا وہ مجھ سے تقریباً پچیس فٹ شمالی مشرقی حصے میں پیچھا لے کر گری پڑی تھی۔ میں بڑے حساب کتاب سے اٹھا آدھے دائرے کا چکر کاٹ کر اس کے سر پہ جا پہنچا۔ اس سے پیشتر کہ میں اس پہ ہاتھ ڈالتا وہ پھر مجھے چکمہ دے کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا مگر اس بار وہ میرے ہاتھ آ ہی گیا۔ اسے گرفت میں لیتے ہی یکدم اندھیرا سا چھا گیا جیسے بجلی بند ہو گئی ہو۔ پھر ایک گرجدار اور کپکپی سی آواز بلند ہوئی جیسے کوئی سپر سانک فائٹر طیارہ ہلکی بلندی پہ پرواز کرتا ہوا سر کے اوپر سے گزر گیا ہو۔ میں چڑ چڑا کر اپنے پاؤں پہ ہی بیٹھ گیا زخمی کوے اور اپنے سر کو گھٹنوں میں دبا لیا۔ چند لمحوں کے بعد احساس ہوا کہ آواز کے ساتھ اندھیرا بھی ختم ہو چکا ہے تو سر اٹھایا۔ دیکھا کہ وہی دیو ہیکل مجہول ہیئت کی مانند آسمانی پرندہ۔ میرے سر پہ سے گزر کر اب سمندر کے اوپر بڑی نیچی سطح پہ پرواز کر رہا ہے بالکل جیسے ہوائی جہاز رن وے پہ اترنے کے لئے ہوائی اڈے کے اوپر چکر کاٹتے ہوئے اپنی بلندی کم کرتے ہوئے اپنی سمت درست کرتا ہے۔ کوے کو جھول کر اب میں اس جہازی پرندے کی پرواز دیکھ رہا تھا۔ اب اس کا پر کاٹ کر اب وہ پھر میرے اوپر سے گزرنے والا تھا۔ اب میں اسے غور سے دیکھنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ میں بھاگ کر واپس سطح پر آ کھڑا ہوا تاکہ میں اسے زیادہ قریب سے دیکھ سکوں۔ میرے خدا! وہ تو اس زخمی کوے کی نسل کے کوؤں کا ایک بڑا غول مجہول پرواز تھا۔ ہزاروں کوے ایک ترتیب اور نظم کے ساتھ پرواز کر رہے تھے کہ دور سے یا قدرے اندھیرے میں یہی دکھائی دیتا تھا کہ کوئی بڑا سا پرندہ یا جہاز پرواز کر رہا ہے۔ تیسرے چکر میں وہ سطح سمندر کو چھوتے ہوئے تیزی سے میری طرف بڑھ رہے تھے ... ان کے تیور، رفتار اور رخ دیکھتے ہوئے میرے اندر کہیں خطرے کی گھنٹی سی بجنے لگی تو میں نے فوراً واپس اپنے کاٹیج کی طرف دوڑ لگا دی۔ بس مجھے اتنا ہی موقع ملا کہ کسی نہ کسی طرح اپنے کاٹیج میں گھس کر تخت سے دروازہ بند کر سکا تھا ... کھڑکیاں تو پہلے سے ہی بند تھیں اندر سے چٹخنی اور اڑل بند کر کے میں نے زخمی کوے کو تخت دراز پہ بٹھا دیا ... وہ اب بھی متوحش سا مجھے دیکھ کر ہانپ رہا تھا۔ میں نے فسٹ ایڈ کٹ نکالی ہچرٹ اور روئی سے اس کے بازو کے زخم کو صاف کیا اور گلیشیر لگا کر معمولی سی پٹی باندھ دی۔ آرے کے قاتل تو وہ پہلے ہی نہیں تھا پٹی باندھنے کے بعد وہ بالکل ہی بیٹھنے کا اہل نہ رہا۔ اب مجھے اسے کچھ کھلانے کی فکر ہوئی۔ میں نے کچھ تھیلیں بسکٹ اور مونگ پھلی اس کے سامنے بکھیر کر ڈال دی۔ اس دوران کاٹیج کے باہر کھٹ کھٹ ہوتی رہی مگر میں نے

UrduPhoto.com

زخمی کوے کی ڈریتنگ میں ادھر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اوپر لین کی خزلی چھت تھی محسوس ہو رہا تھا کہ اوپر کوؤں کی اچھی خاصی تعداد بیٹھی ہوئی ہے۔ گو سمندر کے شور میں ان کا غوغا دب سا گیا تھا پھر بھی کانچ کے پار کافی ہنگامہ سا پا سنائی دیتا تھا۔ میں نے احتیاطاً ایک بار پھر دروازہ اور کھڑکیاں چیک کیں ان کے اندر آنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ اب میں سوچنے لگا کہ میں اس مقید حالت میں آخر کب تک اس کال کوٹھری میں بند رہوں گا؟ فوراً خیال آیا کہ جیکب تو صبح آ ہی جائے گا یا ہو سکتا ہے صبح سے پہلے یہ کوؤں کی برادری یہاں سے مراجعت کر جائے۔ ایک دم لائٹ غائب ہو گئی۔ آمادہ پیکار کوے نے چھپا ہوا سمندر اور اندر گھپ اندھیرا۔ فوراً نارچ ٹٹولی۔ اُف میرے خدا! نارچ غائب۔ یاد آیا کہ نارچ تو باہر تخت پہ کھڑے ہوتے وقت وہیں پہ رکھ دی تھی اور بعد میں کوؤں کی پرواز میں ایسا مگن ہوا کہ نارچ دوبارہ اٹھانا بھول گیا۔ اب کیا ہو؟..... اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنی شروع کیں کہ کہیں جیکب کی نارچ مل جائے۔ کوئی کھڑکی دروازہ کھلا ہوتا تو تھوڑی بہت روشنی اندر آتی مگر یہاں تو کھڑکیاں سب سیل بند تھے۔ دو تین چوبی ستون سے ٹکرایا۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ایسے بوکھلایا کہ ستونوں کو بھول گیا۔ کچھ یاد نہ رہا کہ دروازہ کدھر ہے اور کھڑکیاں کہاں ہیں؟ تخت دائیں طرف تھا تو بائیں سے پکڑ کر چلتا گیا۔ یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ یہ تخت دراز میرے دائیں ہاتھ ہے یا جیکب کا۔ اچانک پیچھے سے چھوٹے لگائی ہوئی زخمی کوے کی آواز ابھری "کیا کیا کیوں کیوں" اللہ! "کیا کیا کیوں کیوں" سے کب میری جان چھوٹے گی؟ آواز میرے پاس تخت دراز سے ہی آئی تھی۔ میں نے ڈر کر آس پاس ہاتھ پھیرا تو وہ کوا بندھا ہوا مل گیا۔ ہاتھ لگتے ہی پھر وہی "کیا کیا کیوں کیوں" سے اچانک نیند سے جاگ اٹھا۔

"چاچا چاچا چی ...!"

بجلی کا ایک کوندا سا میرے سر پہ لپکا۔ کنپٹیوں سے تیز نیلے رنگ کی شعاعیں سی خارج ہونا شروع ہو گئیں۔ دماغ میں جیسے کسی نے کانچ کی چوڑیوں بھرا ٹوکرا اٹھا کر فرش پہ پھینک دیا ہو۔ اندھیرے کے باوجود ہر چیز واضح دکھائی دینے لگی۔ چاچی کی برسوں پہلے کی بات یاد آ گئی کہ عراق کے شہر موصل کے قریب ارغون نامی چند گھروں پہ مشتمل چھوٹے سے گاؤں کے باہر ایک چھوٹا سا نیلا ہے جو نہ مٹی ہے نہ پتھر اور نہ کوئی دھات۔ وہ زندہ نیلا ہے اس کوے کا جو سب کوؤں کا جد امجد ہے۔ اس نیلے کے زندہ مسامات سے بالوں جیسی گھاس اگتی ہے۔ ہر مہینے جب پورنم کی رات ہوتی ہے ہزاروں کوے معلوم نہیں کہاں کہاں سے یہاں پہنچ جاتے ہیں۔ شب بھر یہاں ایک عجیب سا ہنگامہ کا عالم رہتا ہے۔ اس شب گاؤں والے سر شام ہی گھروں میں بند ہو جاتے ہیں۔ ایک بار بابا جی نے بتایا تھا کہ کالا جادو اور ساحر جو کالا پلٹ کا فسوں

UrduPhoto.com

جاتے ہیں وہ اکثر کالے کوے کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہ کوا عام کوؤں سے خاص بڑا ہوتا ہے یا پھر وہ چمگادڑ یا چمگادڑ سا ہے۔ سیدھی سی بلی کی بھی جون بدلنا پسند کرتے ہیں۔ اپنے خبیث کام اس ساحر اور جادوگر زیادہ تر یہودیوں میں ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے نیچے طبقوں کالی دیوی کے پجاریوں اور نیچ شودروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہودی جادوگروں کا یہ مخصوص طبقہ یہودی ملوکیت اور ایک خاص نظریۂ قومیت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ساحر کالی سحر سامری اور سحر بابلی کے پیروکار اور عالم ہوتے ہیں۔ یہ اپنے جادو کے زور پہ ہر سیدھا الٹا کام نکلوا سکتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ جادو اک باقاعدہ سائنس کا درجہ رکھتا ہے اور اس شیطانی علم کی باقاعدہ تحصیل ہوتی ہے جیسے یہ عام آبیرے ڈیوڈ یا جیکب کر رہے تھے۔ بظاہر یہ روحیت کا سلسلہ ہوتا ہے لیکن درپردہ یہ سفلی علوم کا حصول اور تحصیل ہوتی ہے۔ ہمارے ایک بابائی قدرت اللہ شہاب مرحوم اسرائیل میں اپنے ایک مشن کے دوران ان جادوگروں کے ہتھے چڑھ گئے تھے جس کے نتیجے میں بابائی کو بے پناہ مشکلات اور عارضوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ میں خود بھی ان دنوں اسرائیل میں موجود تھا اور ایک آدھ واقعہ کا شاہد بھی ہوں۔ کہتے ہیں کہ شاہ فیصل کے قتل میں بھی ان ساحروں کا بالواسطہ ہاتھ تھا۔ یاسر عرفات پہ بھی بے شمار وار کئے جا چکے ہیں اور بھی لاتعداد واقعات ہیں جو ہنوز منظر عام پہ نہیں لائے جا سکتے۔ [illegible] یہودی [illegible] کے ساحروں اور جادوگروں نے ہمیں کتنا نقصان پہنچایا اور آج بھی یہ ہمارے ازلی دشمن ہمارے دشمنوں کے ساتھ مل کر ہمیں کسی بھی موقعہ پہ زک پہنچانے سے گریز نہیں کرتے۔ ہمارے صحابہ کرام اور خود نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات مبارکہ اور مابعد بھی قدر مبارک تک کو نقصان پہنچانے سے باز نہ آئے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے فری میسن ہال، لیجز اور انسانی احیاء و بہبود کے نام پہ قائم کئے گئے یہ ادارے یہ تنظیمیں سوسائٹیاں کلب انہی یہودی ساحروں اور اسلام دشمن قوتوں کی بدنیاں اور کمین گاہیں ہیں۔

چابی کا نام بلا ارادہ زبان سے نکل گیا تھا جیسے بلا ارادہ اور کوشش اندر تیسرے کلے کی چابی اپنے آپ ہی چلتی رہتی ہے۔ چابی کا نام جیسے کوئی سونے کی چابی تھا زبان پہ نام اور ذہن میں تصور قائم ہوتے ہی جیسے میرے اندر کے کل شعوری چیخ گوشہ صندوقچی میں محفوظ اللہ کی بخشی ہوئی صلاحیتیں اور میرے بزرگوں کی عطا کی ہوئی استطاعتیں باہر نکل آئی ہوں۔ میرے دیکھنے محسوس کرنے اور سوچنے سمجھنے کی قوتوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہو۔ مجھ میں جرأت ایمانی حوصلہ اور جذبہ دوچند ہو گیا ہو۔ اندھیرے کے باوجود اب میرے لئے کائنات کی ہر چیز روشن روشن تھی جیسے کسی نے میری آنکھوں میں اندھیرے میں دیکھنے والے ریڈ الٹرا وایولیٹز لگا دیئے ہوں۔ حلق سے چیخ نکلنے سے پہلے ہی میں نے خود پہ قابو پا لیا تھا۔ تخت دراز پہ

تک کریہہ الصورت بڑھیا کھوچل پڑا دکھائی دیا۔ میرے خدا! یہاں تو ڈائن کو بندھا پڑا تھا؟ — یہ سوچتے
ہی اب بڑھتے ہوئے دوسری جگہ مجھے وہی کو نظر آنے لگا۔ یعنی وہی دونوں آنکھیں ایک وقت اپنا اپنا کام دکھا
رہی تھیں۔ وہی بچھڑی ہوئی آدھے چہرے کو دھندلا کر کے دیکھنے والی مشق جو چاچی نے کرائی تھی۔ دوسری آنکھ
سے بغیر بڑھتے کو غور سے دیکھا۔ طوطے کی طرح لگی ہوئی خمیدہ ناک، آنکھوں میں نفرت اور وحشت
کے ساتھ پلاغت اور پھٹکار کھنڈی ہوئی۔ بیڑھی میڑھی انگلیاں بدبو اور تعفن کا ایک تو ہوا۔ وہ سمسا کر مجھے
کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ عربی لہجے کی انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

"خوش بخت انسان! اگر تم میری حقیقت سے واقف ہو ہی چکے ہو تو اب تمہاری اور میری بہتری
اسی میں ہے کہ تم مجھے کھڑکی کھول کر آزاد کر دو۔ اور ہاں میری بازوئی بے پنی بھی اتار دو۔"

"ضرور۔" میں نے اسے مختصر سا جواب دیتے ہوئے اس کے بازوؤں پر پہنچ کر پنی اتار دی۔ زخم
سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ "تمہارا زخم بھی کچھ ہے تم ابھی اڑنے کے قابل نہیں۔ میں نے بڑی مشکل
سے تمہیں تلاش کر کے مرہم پٹی کی ہے اور باہر موسم خراب ہے اندھیرا اور طوفان ہے۔ ہو سکے تو موسم
بہتر ہونے تک یہیں رہو۔"

"نہیں میں موسم بہتر ہونے تک یہاں نہیں رک سکتا۔ میں فوری طور پر یہاں سے رخصت
ہونا ہے اور باہر تمہارے ساتھی ہیں۔ وہ مجھے ساتھ لئے بغیر یہاں سے جا نہیں سکتے۔ اس لئے تم مجھے فوراً
کھڑکی سے باہر کر دو تاکہ میں اپنی منزل پر پہنچ سکوں۔"

"تم سب اب کہاں جاؤ گے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"ہم یہاں ہر ماہ پورنم کی رات ماہ آمیرے کے معبد میں عبادت میں شمولیت کے لئے آتے
ہیں اور پو پھٹنے سے پہلے یہاں سے واپس روانہ ہو جاتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ لوگوں کے لئے یہ کوا کی جون بدلنا ضروری ہوتا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں جب کسی اڑان مقصود ہو تو کوے کی کایا کی ضروری ہو جاتی ہے
تو انجلیوں کی زد میں نہیں آتا۔ موسم کی خرابیاں اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔ دشمنوں کے حملے سے محفوظ ہوتا
ہے۔ سمت اور سفر کا تعین اسے خوب رہتا ہے۔"

اب میں بولا۔ "اور جادوگروں کو اس کے قالب میں داخلے کے لئے خاصی آسانی رہتی ہے۔"
میں پاؤں کی خاک میں تھوکا اور سر پہ ڈالی۔ انگشت شہادت پاؤں کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان
پھنسائی۔ بائیں ہاتھ سے ناک بند کی اور زیر لب پڑھا۔ "جذب کے سیاہ اونگ نیم" کوے کی کایا بدل

UrduPhoto.com

ئی ٹھیک کہہ رہا ہوں؟" میں نے کھڑکی کھولتے ہوئے پوچھا۔

"تم بھی تو کوئے ہو تمہیں ایک کری تو میں پہنچانے کی غرض سے اس جگہ آ گرا تھا۔ یہ جتنے سوال جواب تمہارے اور میرے درمیان ہوئے ہیں یہ قطعی غیر ضروری تھے۔ تم بہت اچھے اور مہربان انسان ہو۔ تمہاری رحم دلی اور جو شفقت تم نے میرے لئے اٹھائی اس کی وجہ سے میں نے وہ باتیں بھی تمہیں بتا دیں جنہیں چھپانا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ آخری بات میں ایک یہودی فسوں گر ہوں۔ میرا نام شمعان الوزا ہے۔ اب تم مجھے کھڑکی سے باہر نکال دو۔ میرے ساتھی جو میرے ہی وقار ہیں میرا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔"

میں اٹھانے کے لئے آگے بڑھا تو "زلمی کوئے" نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ کھڑکی سے باہر چھوڑنے سے پہلے میں نے شمعان الوزا سے پوچھا۔

"یہودی ساحر غور سے سنو۔ میں اللہ کے امر اور اپنی چاہت سے تمہاری تصرف کی وجہ سے تمہیں پہچان چکا تھا اور مجھے یہ احساس بھی ہو چکا تھا کہ تم پر بھی میری اصلیت کھل چکی ہے۔ اس جادوگری جزیرے میں میرا اندازہ کرنا تمہارے لئے ایک کامیاب [illegible] اپنے بارے میں تو جہ اور نظر میں رہنا [illegible] اپنے بارے میں جو جھکا رہے ہوتے۔"

وہ میری گفتگو میں ہی بڑبڑاتے ہوئے حقیقت کا اظہار کرنے لگا۔

"میرے مہربان! یہ حقیقت ہے کہ میں ہمت کرنے تم پر حملہ آور ہوا تھا۔ تمہارے جسم سے ٹکراتے ہی میرا فسوں بجائے تم پر آفت توڑنے کے الٹا مجھے ہی پامال کر گیا۔ ایک خنجر سا تمہارے پہلو سے نکلا میرا بازو اور پسلی کاٹ گیا اور اب میری یہ دگرگوں حالت تمہارے سامنے ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں تمہارا دشمن ہوں میری جان بچائی مرہم پٹی کی۔ میرے آگے کھانا پینا رکھا....."

میں نے مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا۔

"سب سے پہلے میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں کوئے کا نہیں کاگا کا سروپ ہوں دوسرے یہ کہ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ سلوک کیا ہے یہ میرا انسانی اور اخلاقی فرض تھا۔ ایک سچا مسلمان اختیار اور طاقت رکھتے ہوئے بھی اپنے دشمن یا بدخواہ سے درگزر کرنا ہی احسن گردانتا ہے۔" میں نے اسے کھڑکی سے باہر اتارتے ہوئے کہا۔ "شمعان الوزا! جادو، طلسم، سحر یہ سب بے حد استعانت انتہائی رجیم ہے۔ یہ ساری

پاگل اور بدمستی سامری کی فسوں گری ہے اور فسوں گری کے ساپوں اجگروں کی تعداد استعداد کیسی ہی قوی اور بڑی کیوں نہ ہو ان کے لئے ایک عصائے موسوی کا ظہور ہی کافی ہے۔"

جونہی میں نے زخمی کوے کو باہر اتارا اچھے سے نکل بحال ہو گئی۔ کھڑکی کے باہر سمندر اور دھواں اسی قدرے شانت سے پڑے جیسے اٹھتی ہنڈیا جوش لینے کے بعد اپنی اوقات کے اندر سمٹ جاتی ہے۔ طوفان کا کارواں غائب ہو چکا تھا قدرے خوش گواری کا احساس ہوتے ہی میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ چاند اپنے جوبن پہ تھا۔ چاندنی نے زد میں آنے والی ہر شے پہ چاندی کا ملمع چڑھا دیا ہوا تھا۔ سب سے پہلے میں نے زخمی کوے کی کوٹھڑی کہیں کہیں نہ دھرا ہو مگر وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔ پھر نکل کر میں اسی کھڑکی کے بیچ کی طرف آ گیا سکون سے بیٹھ کر گزرے ہوئے تمام واقعات کا ازسرنو جائزہ لیا۔ بیٹھے بیٹھے محسوس ہوا کہ مجھے تو بڑی سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ آج صبح سے یہی کچھ ہو رہا تھا کہ کوئی بھی کھانا پینا وقت پہ نہ ہوا۔ گھڑی کی ریڈیم ڈائل پہ وقت کا اندازہ کیا۔ سوچا چلو عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ روٹی پانی کے بارے میں سوچیں گے۔ مارچ اختتامی دن کا تھا۔ کوے کے خون کے چھینٹوں والے کپڑے اتار کے باہر برتھ ڈرم میں ڈال کر آگ دکھا دی۔ نہایا دھویا لباس تبدیل کر کے اسی بیچ پہ واپس پہنچا۔ اس [illegible] تھا [illegible] شکرانے کے نفل پڑھے رفع شر اور عشاء کی نماز ادا کر کے بیٹھ تسبیح کر رہا تھا کہ بائیں جانب سے کسی کی آہٹ سی محسوس ہوئی دیکھا تو ایک شخص میری جانب چلا آ رہا ہے۔ اک اور مصیبت! یہ کون ہو سکتا ہے؟ میں اپنے تئیں ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ سست قدموں پہ بڑے سکون سے آ رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ سا دکھائی دیا پاس پہنچ کر اس نے بڑے ادب سے سلام کیا اور تھیلا بڑھاتے ہوئے کہا۔

"معزز مہمان! میں کافی دیر آپ کا انتظار کرنے کے بعد آپ کے لئے کھانا لے کر حاضر ہوا ہوں۔ کھانا گرم ہے آپ کی ضرورت کی ہر چیز اس تھیلے میں موجود ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ آج کے خاص اور لذیذ کھانے سے خوب لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ فل مون کی چاندنی اور اس خوشگوار موسم کی بشاشت اور تازگی سے بھی محظوظ ہوں گے!....."

وہ شب بخیر کہہ کر رخصت ہو چکا تھا۔ میں نے تھیلے کے چربیلے گوشت کے تلے ہوئے پارچے اور سلیم میں پکے ہوئے نایاب آلو ریلے کھانے لگا۔ پہلی روٹی اور ہر نوالے کے بعد تکے کے دو ٹکڑے بابا جی والا نسخہ استعمال کیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ خیر الرازقین تین بار پڑھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں پہ پھونکا۔ پھر کھانے کو مس کرتے ہوئے انگلیاں پھیریں کھانے کو غور سے دیکھا۔ اچھی طرح اطمینان ہونے

پھر لقمہ "الحمدللہ" کہتے ہوئے کھانا تمام کیا۔

● ابلیسی عبادت گاہ.....!

اب میری تمام تر توجہ شمالی حصے کی جانب مرکوز تھی اور تاریخ سے میرے لئے آؤٹ آف باؤنڈ ہو رہا تھا۔ کسی بھی اختیار کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جیکب کی زبانی اور اس کے دروازے پہ لگے ہوئے نوٹ سے مجھے کسی حد تک اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ حصہ انتہائی پراسراری اہمیت کا حامل ہے۔ جادوگروں کے سربراہ ٹھوکان ابوز کے بیان سے بھی یہی اشارہ ملا تھا کہ ادھر کوئی معبد ہے جہاں چند مخصوص راتوں میں چیدہ چیدہ جادوگر [illegible] اپنی مخصوص پوجا پاٹ اور شیطانی ریاضت و عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور پوجا سے پیشتر اپنے اپنے ٹھکانوں کی جانب لوٹ جاتے ہیں۔

رات ہو چکی تھی۔ سلمان ساجد پر [illegible] ہونے یا نہ ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ کھانا کھایا تھا اور سونے کی نیت سے [illegible] تھے۔ [illegible] چراغ جو ختم ہو چلے رہو تو ختم ہو گئے ہوں۔ کوئی پندرہ منٹ گئے ہوں گے جزیرہ ختم اور سامنے سمندر آ گیا۔ کنکروں کیچڑ سے بچتا بچاتا کنارے کنارے اور تک چل دیا۔ کچھ دور آگے جا کر لکڑی کا بنا ہوا ایک شکستہ سا پل نظر آیا جو کنارے سے کئی چاہیں فٹ اندر سمندر میں اترا ہوا تھا۔ وہ کشتیاں اس کے ساتھ بندھی ہوئی ہچکولے لے رہی تھیں۔ میں اس کے اوپر چڑھ گیا اور احتیاط سے قدم دھرتا ہوا اس کے آخری سرے تک چلا گیا۔ پھر اپنا سمندر پل کے ستونوں سے ٹکراتی اور جھاگ اڑاتی ہوئی لہریں سامنے اوپر فضا کو گھیرے ہوئے چاند کی کرنیں کبھی کبھی اور تیز سفید آوارہ بادلوں سے ٹکرا کر۔ ایسا پراسرار ماحول کہ میں کتنی ہی دیر تک پل کی ریلنگ پہ کہنیاں ٹکائے غم خیزہ سا کھڑا رہا۔ دیکھا کہ دور سمندر سے کچھ پرندے پرواز کرتے ہوئے جزیرے کی جانب آ رہے ہیں۔ کیل چیل پرندوں کا یہ گروہ صحن پہ اپنی اپنی آ کر اپنی کمر کرتا ہوا آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد یہ پرندے میری دائیں جانب جیسے کہ پل پہ ہی کہیں اتر گئے ہوں۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کالے یا کسی اور فوج کے پرندے آج رات کی تقریب میں شامل آنے والے جادوگروں کے مہمان ہیں۔ یقیناً یہ کوئی جادو گر یا جادوگرنیاں ہوں گی۔ غیر ارادی طور پہ میرے اندر تجسس کے کیڑے والی چلچل ذرا تیز ہو گئی اور میں بلا ارادہ اس طرف چل دیا جدھر کچھ دیر قبل پرندے اترے تھے۔ کچھ ہی دور آگے جا کر معلوم ہوا۔

[illegible] کا یہ حصہ خاصا گہرا اور ناہموار سا ہے۔ کہیں سمندر اندر گھسا ہوا تھا اور کہیں جزیرہ سمندر کے اندر بڑھا ہوا تھا۔ یہاں مجھے خاصا بچ بچا کر چلنا پڑا۔ ذرا اور آگے پھولے پھولے پیلے اور کئی جگہ سمندری چٹانیں آ گئیں جن کی وجہ سے مجھے آگے بڑھنے میں بھی خاصی دشواری محسوس ہوئی مزید پریشانی یہ تھی کہ یہ چٹانیں بڑی کائی اور سمندری حشرات سے اٹی پڑی تھیں پھسلن کی وجہ سے ان پر قدم تک نہیں ٹھہرا جا سکتا تھا۔ آگے بڑھنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس جانب کنارے کے ساتھ ساتھ بڑی خطرناک آہنی کانٹے دار باڑھ لگی ہوئی تھی باڑھ کے اندر پانی بہت گہرا پانی تھا۔ شاید یہی وہ آخری آب [illegible] علاقہ تھا جہاں داخلہ بڑی سختی سے ممنوع تھا مگر میں تو اب اس "ممنوعہ علاقے" میں قدم رکھ چکا تھا یہی خاصی مشکل تھی اور ویسے بھی انسانی فطرت ہے کہ جس کام سے روکا انسان ادھر ہی جاتا ہے خواہ مخواہ اس کی ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت میرے ساتھ ایک اچھی بات یہ تھی کہ میں نے لانگ شوز پہنے ہوئے تھے۔ اس قسم کے جوتے پہاڑی علاقوں میں مہم جوئی کے لئے پہنے جاتے ہیں [illegible] کے تلووں میں کیل لگے ہوتے ہیں۔ میں بڑی احتیاط سے پاؤں جماتا ہوا تھوڑا سا اور آگے بڑھ گیا تھا۔ ایک غلطی یہ ہوئی کہ میں باہر نکلتے وقت ٹارچ لینا بھول گیا تھا اچھی خاصی [illegible] تھی [illegible] کھائی نہیں دے رہی تھی۔ آگے [illegible] پتہ چلے بغیر واپس نہیں جایا جا سکتا تھا اور اس پر [illegible] حالات میں چڑھنا انتہائی مشکل اور خطرناک تھا یا پھر اس چٹان کے گرد گھوم کر جایا جا سکتا تھا اور یہ راستہ سمندر کے پانی میں اترے بغیر اختیار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب خدا جانے سمندر کتنا گہرا ہو؟

خدا جانے کی وجہ سے سمندر میں کافی تیز [illegible] تھا۔ اس صورت میں سمندر کے راستے سے گزرنا اور بھی خطرہ مول لینے والی بات تھی۔ کچھ دیر میں ادھر ہی کھڑا مختلف ترکیبیں لڑاتا رہا مگر سوائے واپسی کے اور کوئی راستہ محفوظ نظر نہ آیا۔ واپس پلٹا تو کچھ دور آگے دائیں ہاتھ پر اسی چٹان کے ساتھ ایک تنگ سی دراڑ دکھائی دی جو چاند بالکل سامنے ہونے کی وجہ سے اندر تک صاف نظر آ رہی تھی۔ سامنے کھڑے ہو کر اچھی طرح سے غور کیا پھر تھوڑا سا آگے بڑھ کر میں اس کے اندر اتر گیا۔ ذرا آگے جا کر چٹان کے اوپر چڑھنے کا راستہ مل گیا۔ تین چار منٹ کی کوشش اور ہمت کے بعد میں اوپر ایک تنگ چبوترے کے پاس کھڑا تھا اس کے ساتھ ایک بڑے بڑے پتھروں کی فصیل سی تھی جیسے سمندری تیز طوفان نے ٹکرا ٹکرا کر توڑ دیا ہوا تھا اور اس کے اوپر ایک گول سے مینار کی پہلی منزل کا حصہ تھا۔ یہاں شاید کسی زمانے میں روشنی کا مینار رہا ہوگا جو اقتدار زمانہ سے آہستہ آہستہ اپنا وجود ختم کر چکا تھا۔ کسی نہ کسی طور پر پہلی والی منزل باقی رہ گئی ہوگی۔ اس میں ایک بڑی سی گول کھڑکی بھی تھی جس کی آہنی سلاخوں کو بھی سمندری نمدار نمکین

UrduPhoto.com

ہواؤں نے چاٹ لیا ہوا تھا۔ میں پتھروں کے چبوترے پر کسی نہ کسی طرح سے چڑھ گیا تھا لیکن آگے کسی جیل کی سلاخ ناقابل تسخیر دیوار کی طرح تنی کھڑی فصیل پر چڑھنا میرے لئے اس وقت ناممکن بات پر چڑھنے کے مترادف تھا۔ میں فصیل کے ساتھ ساتھ کوئی راستہ یا دراڑ دیکھنے کی غرض سے آگے بڑھ گیا۔ آگے ایک دم نشیب سا آ گیا۔ یہاں اگر جزیرے کو ایک بلی تصور کر لیا جائے تو سمجھئے کہ اس بلی کی دم سمندر کے اندر دور تک ایک پتھریلی پگڈنڈی کی صورت چلی گئی تھی اور یہاں سے فصیل کی دیوار کافی نیچے سے اٹھائی گئی تھی۔ اب تصور یہ تھا کہ کسی زمانے میں یہ چھوٹا سا جزیرہ کیسے بنا ہوگا۔ پہلے وقتوں میں یورپ کے امراء اپنے اپنے علاقوں جاگیروں کے مطلق العنان حکمران ہوا کرتے تھے وہ آپس میں چھوٹی موٹی جنگیں بھی لڑا کرتے۔ ان کی ذاتی فوج اسلحہ خانے اصطبل قلعے اور اپنے اونچے اونچے مینار بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ مینار عام طور پر رات کے وقت روشنی کے لئے استعمال ہوتے تھے مگر ہنگامی حالات میں انہیں جنگی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ مینار اور ایسی ہی انہیں بطور عقوبت خانہ اور بندی خانہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جب کسی مخصوص قیدی کو قید تنہائی [illegible] دیا جاتا تھا تو وہ بے چارہ مغضوب اسیر کئی دن سلاخیں لگے کسی دریچے سے تک زمین اور بے رحم آسمان کو حسرت بھری نظروں سے تکتا تھا ایک دن تھکی ہوئی آنکھوں کے ساتھ پتھر کی مانند ساکت ہو جاتا۔

اسے میری خوش قسمتی سمجھئے یا بدقسمتی کہ مجھے دنیا کے بہت سے مغضوب لوگوں سے منسوب ایسے بندی خانے اور عقوبت گاہیں دیکھنے کا اتفاق ہوا جہاں مختلف حیثیت کے تاریخ ساز اور مشہور لوگوں نے اپنی اسیری کے آخری ماہ و سال گزارے۔ برصغیر پاک و ہند سے لے کر یورپ تک پھیلے ہوئے ان گنت واقعات ان کی تاریخ کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ یہ قید بندی اور عقوبت خانے قید تنہائی کی کوٹھڑیاں قصوری چکیاں پاؤں کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں۔ زمین دوز تہہ خانے اور آسمان کو چھوتے ہوئے مینار گرم پانیوں کے حوض اور یا سمندروں میں جھکتے ہوئے بڑے بڑے لکڑی کے تختے پانسوں کے جنگل میں بانس کی قمچیوں سے بنائے ہوئے شکنجے تار دار اتری ہوئی مونچھوں کی کھالوں کے لوف چمڑوں سے بھری توشکیں نیچے چمڑے کے تھیلے آتش فشاں اور سیسے کے بنے ہوئے ہوتے چوبی صلیب اور کیل چبھے الیکٹرک کرسیاں اور زہر انجکشن توپ دم اور دریا بڑا فیل پایا ہاتھ بڑا کال کوٹھڑی یا سانپ کوٹھڑی اژدہا بدر یا کالا پانی۔ یہ سب ایذا رسانی کے آلات اور عقوبتوں کے مختلف انداز اور طریقے ہیں۔ یہ ساری ایجادیں جاگیردارانہ

UrduPhoto.com

یہاں کا کلچر، ذہنیت، سیاست اور مذہبی جنون کی بگڑی ہوئی شکلیں اور منفی سوچ و فکر کے شاخسانے ہیں۔ یہاں معاشرت میں رشتوں اور تعلقوں کے تقدس کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ وارمت چاہے یہ اپنے منفعوں کی خاطر ہی اٹھا کر دیکھ لیں۔ یہ قید و بند کی صعوبتیں محض سزا کے طور پر ہی نہیں ملتیں، کبھی کبھی تو جرمانہ اور تاوان تحسین کے طور پر بھی مل جاتی ہیں۔ یعنی ؎

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

● اسپین کی دلآویزیاں اور کراہتیں.....!

ہسپانیہ کے ساحل بڑے خوبصورت وسیع و عریض اور دلکش ہیں۔ یورپ کے دیگر ساحلی مقامات کے مقابلے میں یہ معتدل موسموں کی ساری مہربانیاں فطرت کے حسن کی تمام تر شادابیاں اور زندگی کی محتلف دلچسپیاں لئے ہوئے ہیں۔ اس ملک کی زیادہ تر معیشت کا دارومدار پھل پھولوں، سبزیوں، ترکاریوں اور سیاحوں کی آمد و رفت پر ہے۔ میں ایک زمانے میں [illegible] ملک کے اس جہاں نما کا ایسا ہوا۔ جب بھی کسی طرف سے بے پناہ [illegible] ایک چوتھائی یا سوا حصہ جو سے یورپ سے تمیز کرتی ہے وہ ہے اس کے ساحلوں پہ تفریحات کی بے پناہ کم خرچ آزادانہ سہولتیں اور رہائش کے لئے نہایت ہی ارزاں اور سہل الحصول چھوٹے بڑے خوبصورت کاٹیج مکانات جنہیں آپ پورے سیزن یا پانچ دس سال کے لئے کرایہ پہ لے سکتے ہیں یا تھوڑا تھوڑا پیسہ لگا کر خرید بھی سکتے ہیں۔ میرے ایک کاروباری دوست نے اسی طرح کا ایک فلی فرنشڈ کاٹیج ایک لمبی لیز پہ لے رکھا تھا۔ یہ کاٹیج مرکزی ساحل سے لگ بھگ ستر میل جنوب میں ایک چھوٹے سے ساحلی قصبے نرجس میں اب سمندر واقع تھا۔ ایک مقامی کسان اس کا کیئر ٹیکر یعنی رکھوالا۔ یہ رکھوالا بھی عجیب شخصیت کا حامل تھا۔ تیس بتیس برس کا وجیہہ جوان جو بھی مل فاکر تھا۔ ایک فاحشہ میں ناٹک ترہا بیٹھا بڑی پہ بڑی نہ بیٹھی تو یہ اپنے گاؤں گھر پہ بیٹھ گیا۔ اب یہ جنڈیاں بڑی مرچیں بینگن ترکاریاں اگا اگا کر گزر بسر کرتا تھا جہاں میرا دوست سبزی فروش دوست انہیں فروخت کرتا تھا۔ میں سپین پہنچنے سے پہلے اسے ٹیلی فون کر دیتا یا میرے لئے کاٹیج کو بھاڑ پہ پیشگی کر دیتا اور مجھے بنے بنائے ایئرپورٹ پہ موجود ہوتا۔ اس محنت کو پامسٹری سے دلچسپی تھی جبکہ اس کی موٹی سی بیوی نیلا ازیلا ساحل پہ چھوٹی رنگین چھولداری لگا کر سر کل بال اور ہاتھ کے ہاتھوں کے ذریعے سیاحوں کو ان کی قسمت کا حال بتایا کرتی تھی۔ میرے سبزی فروش دوست نے پتہ نہیں کیسے میرے بارے میں ان پاگل سے

میاں بیوی کو کیا کچھ اس سیدھا جتایا ہوا تھا کہ یہ دونوں ہی میرے دیوانے تھے۔ ظاہر ہے انہیں میرے متعلق یہی کچھ بتایا ہوگا کہ میں بہت بڑا مجذوب ہوں یا بلیک میجک جانتا ہوں (استغفر اللہ) یورپ سارے کا سارا توہم پرست ہے بس انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فلاں شخص پاسٹ ہے۔ مستقبل کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے۔ پتا لازم ہو جاتا ہے زندوں اور جن بھوتوں سے رابطہ کر سکتا ہے بس پھر یہ لوگ اسے پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں بے وقوف میاں بیوی بھی میرے بارے میں کچھ ایسا ہی حسن ظن رکھتے تھے۔ جب بھی میں وہاں پہنچتا وہ دونوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میری خدمت اور بڑی حضوری میں لگ جاتے اور کبھی کبھی بے الفاظ میں مجھ سے کچھ سیکھنے کی خواہش کا اظہار بھی کرتے۔ میں انہیں کئی بار صاف صاف الفاظ میں سمجھا چکا تھا کہ میرے پاس کوئی ایسا علم وعلم نہیں ہے جو ان کے مقصد کا ہو اور اگر کچھ ہے بھی تو وہ صرف سچے مسلمان یعنی کسی صاحب ایمان و ایقان کے مطلب کا ہے دوسرے مذاہب والے اس سے فائدہ مستفید نہیں ہو سکتے۔ وہ دونوں مسلمان بھی ہونے کے لئے تیار ہو گئے مگر میں انہیں ٹال گیا۔ دراصل اس کی بیوی شیلا ازیلا نام نہاد پاسٹ آسرا دلوسٹ میگانسٹ اور پیانسٹ خدا جانے کیا کچھ بنی ہوئی تھی۔ آتا جاتا سے کچھ نہیں تھا [illegible] علوم کے بارے میں [illegible] تقسیم [illegible] موضوعات پر کچھ مطالعہ تھا اور باقی کام وہ اپنی ہوئی [illegible] اور اپنی پرسنل شوائی شخصیت سے پورا کر لیتی تھی۔ "مادام شیلا ازیلا" پراسرار علوم کی وجہ قدیم جیسی قیمے کی چشم و چراغ۔ آئیے ذرا قسمت کا حال جانئے۔ مستقبل محبت شادی [illegible] پوچھئے۔ [illegible] کی چھولداری کے باہر اندر بڑی خوبصورت رنگین تصویریں نمایاں طور پر لگی ہوئی تھیں۔ کہیں وہ [illegible] کے ہاتھوں کا مطالعہ کرتی نظر آتی ہے کہیں [illegible] کے پاس کھڑی ہے۔ امریکن برٹش اطالین ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے علاوہ ہندوستانی اداکاروں کے ساتھ بھی اس کی تصویریں تھیں۔ اگرچہ اس دور افتادہ جگہ پر کوئی زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی پھر بھی سیزن خوب چلتا تھا اور مادام ازیلا اپنی چترائی اور مسحور کن شخصیت سے بھولے بھالے سیاحوں کو خوب بھاڑ پوچھ رہی تھی۔ ان کا اصل گھر کیت کلیان اور فارم وغیرہ دور گاؤں میں تھے جو ساحل سے خاصے فاصلے پر تھا۔ ازیلا کا خاوند رو کو اکثر اپنے کھیتوں میں رہتا تھا البتہ ویک اینڈ پر وہ اپنی بیوی ازیلا کے پاس چلا آتا اور اس کی چھولداری کے سامنے آئس کریم کا ٹھیلہ کھڑا کر لیتا۔ ویک اینڈ پر میاں بیوی دونوں کا قیام میرے دوست کی کاٹیج پر ہوتا جو ویسے بھی سال بھر ان ہی کی تحویل میں رہتا تھا۔ سال میں ایک آدھ بار میرے لندن والے دوست کے بال بچے اودھم آ جاتے اور ہلا گلا کر کے واپس لندن لوٹ جاتے۔ باقی سارا سال یا تو کاٹیج خالی رہتا یا پھر میرے جیسا کوئی انٹرٹینمنٹ فقیر یہاں آ کر پڑ جاتا۔

جون کے پہلے ہفتے میں ہی میں چین پہنچ گیا تھا۔ خلاف معمول اس بار مادام ازیلا بھی زوگو کے ساتھ ایئرپورٹ پہ میرے استقبال کے لئے آئی تھی اور مجھے پھولوں کا تحفہ دیتے ہوئے چائنا سے اس نے مجھے بوسہ لے لیا تھا۔ وہ بڑی خوش اور ہلکی سی فربہ دکھائی دے رہی تھی ۔۔۔ وہ حسب معمول اپنی پچیس برس پرانی کھٹارا سی وین پہ مجھے لینے آئے تھے۔ یہ پرانی جرمن مرسیڈیز وین کاٹھی کی بڑی مضبوط اور ضخامت و عادات کی بڑی شستہ تھی۔ کھیتوں کی کھاد مویشیوں کا چارہ کھیت مزدوروں کو لانا لے جانا سبزیوں کی باربرداری اور بیچ پہ پیزن کے دنوں میں موبائل بیڈروم کا کام بھی دیتی تھی۔ اب جب میں اس پہ سوار ہوا تو مجھے اس کی حالت قدرے دگرگوں سی لگی اور میں یوں ہی اسے کہہ بیٹھا۔

"زوگو! تم اپنی یہ کھٹارا کب بدلو گے اب تو یہ بے چاری بہت بوڑھی ہو گئی ہے ۔۔۔؟"

ازیلا ڈرائیونگ سیٹ پہ تھی زوگو کو مسکراتے ہوئے ازیلا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"مسٹر خان! تم بہت کمال کے آدمی ہو مجھے تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جرمن اور برطانوی گاڑیاں اسپینش اور اطالین عورتیں پاکستانی اور عربی مرد اپنی زندگی میں کبھی بوڑھے نہیں ہوتے"

میں مجسم بن کر اس کے منہ کی طرف دیکھنے لگا کہ آخر یہ تین پینسٹھ کو ایسے پتے کی بات کیسے سوجھ گئی؟ ازیلا بھی [illegible]

"مائی ڈیئر مسٹر خان! یہ بات بڑی اچھی ہے کہ جب تم یہاں آتے ہو تو اس بیوقوف کی عقل بھی کہیں سے واپس آ جاتی ہے یہ بھولے پتے پتے اور کام کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے میں تم سے کہتی ہوں کہ پرمانٹ یہی چین میں سیٹل ہو جاؤ۔ میں اپنے کیبن کے باہر ایک شاندار بورڈ کا اضافہ کر دوں گی مسٹر خان! گریٹ ہوئی مین ایرا سائیکولوجسٹ پامسٹ آسٹرالوجسٹ فرام پاکستان وغیرہ وغیرہ۔ پھر دیکھو پیسہ کیسے برستا ہے۔ اگر ایک دو پیزن فل فلک جائیں تو چار پانچ ولاز اور کاٹیج یہیں لے لیں گے اور اس ڈرائی ڈیول کی بھی کچھ اصلاح ہو جائے گی....."

"تھینک یو مادام ازیلا! کہ آپ نے مجھے ایسی ہوشربا آفر دی مگر افسوس کہ میں ایسا نہیں کر سکتا....." میں نے کہا۔

"کیوں تم کو کیا پرابلم ہے؟ فیملی ہے تو ان کو بھی ادھر لے آؤ۔ ہائی ویلو بیوٹی فل پلیس وہاں کے لوگ ادھر سیٹل ہونا چاہتے ہیں اور تم انکار کرتے ہو....."

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ میں اپنے شوق کو پروفیشن نہیں بنا سکتا اور پھر میں سیلانی سا درویش آدمی ہوں کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھ سکتا۔"

UrduPhoto.com

ایسی ہی باتوں میں مگن جب ہم اپنے کاٹیج پہنچے تو شام کے سائے ڈھل چکے تھے ..... دو چار روز ایسے ہی سکندری' سوئے جاگنے' لکھنے پڑھنے میں گزر گئے۔ چونکہ میرے آتے ہی دوسرے روز ویک اینڈ پڑ گیا تھا' دو دن دونوں میاں بیوی بے حد مصروف رہے اور میں نے بھی انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ کھانا پینا کر کے میں ساحل کے ساتھ ساتھ لمبی واک کو نکل جاتا۔ سینڈوچ اور بسکٹ پاس ہوتے' جہاں اور جدھر بھوک لگتی' گزارہ کر لیتا۔ نماز کا وقت ہوتا تو وہیں سمندر کنارے وضو کر کے کسی پتھر یا ریت پہ چھوٹی سی چادر جو سفر میں تولیہ کا بھی کام دیتی' بچھاتا اور سجدہ دے لیتا۔

● درد کا مینار.....!

ایک روز میری واک شاید کچھ لمبی ہی ہو گئی تھی۔ صبح نماز کے وقت کا نکلا ہوا ظہر کا وقت پڑ گیا اور میں اپنی لگن میں مگن کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اندر کی چکی چل پڑتی تو چل ہی پڑتی۔ چلتے چلتے' ڈوبتے سورج کے ساتھ ڈوبتے ہی پتہ چلتا کہ کہاں سے کہاں آ گئے ہیں؟ جہازوں کے گھنٹوں کے فاصلے گھنٹوں میں طے کئے گھنٹوں تک ہوا اور یہ بھی شاید کوئی ایسا ہی سفر تھا۔ گھڑی ٹٹولی' معلوم ہوا کہ عصر لگ گئی ہے۔ نماز کے بعد دور دور تک ویران' میدان' ٹیلے' کھائیاں یا پھر سمندر' آوارہ بادل' دور دور نظر آتے ہوئے جہاز.....!

اب اک عجیب سا علاقہ شروع ہو گیا تھا' سمندر بہت نیچے اور زمین بہت اوپر تھی۔ سمندر کے ساتھ عمودی اٹھے ہوئے تودے' شاید سمندر کے کٹاؤ کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ انگلستان' خاص طور پہ ڈوور کے ساحل بھی ایسے ہی ہیں' بعض جگہوں پہ دو دو سو فٹ اونچے تودے اور پھر اوپر زمین۔ یہاں بھی یہی صورت تھی' ظاہر ہے کہ میں اب آگے نہیں جا سکتا تھا' بالکل وہی اسکاٹ لینڈ والے جزیرے آئی ہاتھ والی صورت حال۔ میں کچھ پیچھے پلٹ آیا اور ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر اوپر چڑھ آیا۔ سمندر بہت نیچے رہ گیا تھا۔ سب سے پہلے جو چیز نمایاں نظر آئی وہ ایک بلند مینار تھا۔ اس کے نیچے جیسے کوئی صدیوں پرانا' اجڑا ہوا قبرستان ہو۔ ٹوٹی پھوٹی شکستہ سی دیواریں' جا بجا بکھرے ہوئے تراشیدہ' ناتراشیدہ پتھر' سوکھے ہوئے درخت' اصطبلوں کے لئے بازوں کے نشانات' کچھ منہدم سی کوٹھڑیاں اور صحن۔ اک عجیب سی شکست و ریخت اور بربادی و تاراجی مجھے اس قطعۂ زمین پہ اپنی پرچھائیں ڈالے ہوئے نظر آ رہی تھی' لگتا تھا جیسے کوئی آفت آئی اور ہنستی بستی مسکراتی ہوئی اس چھوٹی سی بستی کو روند کر گزر گئی۔ کچھ قبروں کے نشانات بھی دکھائی دیئے۔

UrduPhoto.com

ٹوٹے پھوٹے کتبے اور سنگی لوحیں آدھی اوپر اور آدھی زمین میں دھنسی ہوئیں۔ ذرا اور آگے بھاری پتھروں کا ایک بڑا سا چبوترا جس کے نیچے سے پتھریلی سیڑھیاں شاید اس کے تہہ خانے میں اترتی تھیں۔ اسی چبوترے پر پُرہیبت بھاری پتھروں سے بنا ہوا روشنی کا مینار کھڑا تھا۔ چار منزلوں کے اوپر آتشی روشنیاں گھمانے والے ٹوٹے پھوٹے زنگ آلود آلات لٹکے پڑے تھے۔ ہر ایک منزل پہ چاروں اطراف گول پتھریلی کھڑکیاں تھیں جن کے پٹ ٹوٹے ہوئے اور کھڑکیوں کے گول پتھر پرندوں کی گندگی سے اٹے پڑے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ الٰہی! یہ کیسی اجڑی ہوئی جگہ ہے! شاید ادھر کوئی آنا پسند نہیں کرتا۔ اتنی بلندی پہ صدیوں پرانا یہ روشنی کا مینار جو اور بھی کئی صدیاں اپنے اس شکستہ وجود کو برقرار رکھنے کا حوصلہ رکھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اتنا اکیلا اور ایسا اکیلا؟ ..... میں بھی سوچتے سوچتے چبوترے پہ چڑھ کر اس درویش مینار کے قدموں میں جا بیٹھا کہ پوچھوں اے بابا! ایسا ویران اور ایسا بھرم۔ ذرا اس کا ذرا تو کھولو اپنے بھیتر جھانکا تو لگانے دو۔ دیکھیں تو سہی کہ تم ہم ایسے اکیلے ہو یا ہم تم جیسے اکیلے ہیں؟ ..... یہ جگہ کافی اونچائی پر تھی۔ جہاں تک نگاہ کام کر رہی تھی وہاں کھیت بڑے بڑے کھیان باڑے تھے۔ ذرا دور پرے ایک سڑک بھی دکھائی دی جس پہ دیہاتی قسم کے چھکڑے آ جا رہے تھے۔ ایک بات سمجھ سے بالاتر تھی کہ کھیت باڑے اور مختلف کھڑی فصلیں ..... کھیت مزدور تو کوئی بھی دور دور تک نظر نہیں آتا تھا۔ معاً مجھے سخت بھوک کا احساس ہوا بغلی تھیلے سے چائے کا فلاسک اور دو چار کریکر نکالے۔ مینار سے ٹیک لگائی اور سامنے پُرہیبت سمندر۔ پُرسکون شانت۔ یوں لگا جیسے اس وقت کرۂ ارض پہ اوپر اللہ اکبر درمیان میں میرا وجود اور نیچے سمندر ہے۔ چائے چکوتے چکوتے میں سوچ رہا تھا کہ موہنجوداڑو، ہڑپہ تو گھر کی مرغیاں ہیں۔ روم، ایتھنز، قاہرہ، نینوا، بابل، کوفہ، بغداد، دمشق، دہلی وغیرہ بربادیوں اور آبادیوں کی بڑی بڑی عبرت اور تماشا گاہیں دیکھی ہیں لیکن ایسی ویرانی سی ویرانی کہیں نظر نہیں آئی۔

کھلے کھیت کھلیانوں میں، سمندر کنارے اور اونچے پہاڑوں پہ صبح بہت جلد گھر آتی ہے لیکن شام بڑی دیر تک اپنی زلفیں بکھیرے رہتی ہے۔ سورج کا تابا دن بھر کی تمازت سے تپ کر شفق رنگ ہو چکا تھا۔ سمندر کے سینے پہ دھرا ہوا ہو رنگ سورج یوں دکھائی دیتا تھا جیسے کسی نے تازہ تازہ کلیجہ نکال کر مشہدی قالین پہ رکھ دیا ہو۔ تب ہی کہیں سے کھٹ کھٹ کی آواز آئی۔ میں نے ذرا کان کھڑے کیے تو محسوس ہوا کوئی موٹر سائیکل ادھر مینارے کی طرف ہی آ رہی ہے۔ میں کھڑا ہو کر اس پگڈنڈی کی جانب دیکھنے لگا جو ادھر سڑک کو اس ویرانے سے ملاتی تھی۔ دور سے وہ کوئی اول جلول قسم کا کسان نظر آیا۔ کھیت مزدوروں والا لباس، سر پہ سرخ پھندنے والی ٹوپی۔ سرخ پھندنا ہوا کے دوش پہ پیچھے لہراتا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔

لمحہ لمحہ وہ قریب پہنچتا آ رہا تھا۔ میں چبوترے سے نیچے اتر آیا شاید اس نے بھی مجھے نیچے اترتے دیکھ لیا تھا اسی لئے تو وہ ہاتھ ہلا کر اپنی آمد کی خبر دے رہا تھا۔ اس نے میرے قریب پہنچ کر موٹر سائیکل روکنے کے لئے بریک کے علاوہ اپنے بڑے بڑے جوتوں سے بھی کام لیا' شاید موٹر بائیک کے بریک خراب تھے۔ موٹر بائیک کو قریب سے دیکھا' وہ کوئی پرانی جرمن فوجی موٹر سائیکل تھی جس کی سائیڈ میں ایک انڈے کی شکل کی نشست جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اس موٹر سائیکل کے تین پہیے ہوتے ہیں مگر وہ اکیلا تھا' اضافی نشست پہ کھانے پینے کا سامان' پھل اور سبزیاں رکھی ہوئی تھیں۔ سرخ ٹماٹری رنگت والا یہ کسان بڑا چاق و چوبند اور ہشاش بشاش سا دکھائی دیا۔ اس نے ایک بلند سے قہقہے کے ساتھ مجھے شاید شام کا سلام کیا تھا۔ نیچے اتر کر اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا' معانقہ بھی کرنے کی کوشش کی مگر میں دو قدم پیچھے ہو لیا۔ اب خدا جانے وہ مجھے کیا کچھ کہتا یا پوچھتا رہا' میں بس سر ہلا ہلا کر "یس یس" ہی کرتا رہا کیونکہ میں اتنی ہی اسپینش جانتا تھا جتنی وہ انگلش سمجھتا ہوگا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے ایک طرح کے گونگے تھے۔ باتیں کرتے کرتے اس نے سامان کا تھیلا اور پھل سبزیاں وغیرہ اٹھائیں اور اپنی ترنگ میں چبوترے کے نیچے [illegible] پتھریلی [illegible] ان پیڑھیوں کے آس پاس خودرو کانٹے دار جھاڑیاں سی تھیں۔ میں نے یہاں پہنچتے ہی یہ سیڑھیاں دیکھی تھیں جو شاید مینارے کے نیچے کسی تہہ خانے کی طرف اترتی تھیں۔ اس کسان کے سیڑھیوں سے نیچے اترنے کے بعد میں بھی ذرا سا آگے بڑھ کر سیڑھیوں کا اندھیرا راستہ دیکھنے لگا کہ یہ کسان سامان لے کر کہاں اتر گیا ہے؟..... تھوڑی دیر بعد وہ جس طرح قہقہے سا کرتا ہوا گیا تھا ویسے ہی مسرت سا کرتا ہوا اوپر آ گیا۔ وہ اب بھی مجھ سے یوں مخاطب تھا جیسے میں اس کا کوئی نگوٹیا ہوں اور اس کی ہر ادا اور بات سمجھ رہا ہوں' اس کو میرے کسی جواب کی شاید ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ اس سے کوئی غرض مطلب کہ میں کون ہوں' کیا ہوں اور یہاں اس ویرانے میں اس وقت بے وقت کیا کر رہا ہوں؟ وہ زمین دوز تہہ خانے سے کچھ فالتو چیزیں' ان ڈھلے کپڑے' خالی برتن اور بھوکا تھیلا اٹھا کر لایا تھا جو اس نے موٹر سائیکل کی سائیڈ کار میں ٹھونس ٹھانس دیا مگر کیا مجال جو اس دوران ایک لمحے کے لئے بھی اس کی انتھک زبان رکی ہو۔ وہ اپنے اس رنگ میں مجھ سے اور اپنے آپ سے باتیں کرتا ہوا ایک بار پھر سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ اب میں اوپر کھڑا اس سوچ میں گم تھا کہ اس کے پیچھے پیچھے میں بھی نیچے جاؤں یا نہ جاؤں کہ وہ بب بب کرتا ہوا پھر اوپر آ رہا..... اب کے اس کے ہاتھوں میں پلاسٹک کے دو بھاری سے تھیلے تھے جنہیں اٹھائے ہوئے وہ سمندر کی جانب بڑھ گیا۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سمندر کے رخ اپنے اسی ٹیپو میں ہوا سے باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا۔ آخری

کنارے پہنچ کر اس نے وہ لفافے سمندر میں پھینک دیئے جنہیں سطح سمندر تک پہنچنے میں بھی شاید کچھ وقت لگا ہوگا کیونکہ اس جگہ سے سمندر بہت ہی نیچے تھا۔ وہ اپنے ہاتھ بازو لہراتا ہوا سے باتیں کرتا ہوا واپس آ رہا تھا۔ کبھی وہ مجھے مخبوط الحواس دکھائی دیتا کبھی اُجڈ بے وقوف کسان اور کبھی صحیح نفسیات ہیلیشن ــــ میں نے دیکھا ہے کہ اسکیزوفرینک بڑے باتونی، فسوزے اور بے وقوف سے دکھائی دینے والے ہوتے ہیں۔ پہلی دونوں باتیں سو فیصد درست ہیں۔ تیسری بات کہ وہ بیوقوف دکھائی دیتے ہیں یہ بھی درست ہے لیکن وہ اندر سے بڑے صحیح، سمجھدار اور مخلص ہوتے ہیں۔ تین چیزیں ان کی زندگی ہیں۔ اول شیشے سے لڑائی کرنا، دوم موسیقی سے لطف اندوز ہونا، سوم عشق کرنا ــــ!

سورج ڈوب رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ میں دوسروں کو پاگل، بیوقوف، مخبوط الحواس اور نہ جانے کیا کیا سمجھ لیتا ہوں مگر میں خود کیا ہوں؟ دیکھا جائے تو مجھ جیسا احمق اور گاؤدی شاید ہی کوئی ہو۔ کوئی تک بنتی ہے کہ صبح کا گھر سے نکلا ہوا شام سر پہ رات سامنے اور ابھی تک کھانے کا ٹھکانہ نہیں۔ نہ یہ صدمہ کہ یہ جگہ کون سی ہے، واپسی کا کوئی سامان ہے بھی کہ نہیں؟ ــــ وہ پاگل کسان میرے پاس سے ہوائی باتیں کرتا ہوا یوں گزر گیا جیسے کالا شاہ کاکو کے سٹیشن سے تیز گام دا ڈبہ چھوڑ کر نکل جاتا ہے۔ وہ واپس جانے کے سلسلے میں اپنی پھٹیچر موٹر سائیکل کو سٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پرانی موٹروں اور پرانے بوڑھوں کو رواں دواں رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ تردد تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس کی زبان اور پاؤں دونوں چل رہے تھے، وہ لگاتار پاؤں مار مار کر اسے سٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں خود ہی بے شرموں کی طرح اس کے پاس چلا گیا۔ انگریزی میں اسے کہا کہ پلگ اور پٹرول وغیرہ چیک کرلو۔ اب خدا جانے اس کے پلے کچھ پڑا یا نہیں البتہ اس نے جواب میں جو "انگریزی" بولی وہ تو بالکل میری سمجھ میں نہیں آئی جبکہ میں اس کے الفاظ پہ یوں اثبات میں سر ہلا رہا تھا جیسے میں اس کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کو پورے سیاق و سباق کے ساتھ سمجھ رہا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ میری انگریزی اس گدھے کے سر پہ سے گزر گئی ہے۔ اب میں نے گفتگو کا انٹرنیشنل طریقہ اختیار کیا۔ موٹر سائیکل کی ٹینکی اور پلگ کو چھو کر ہاتھ کے مختلف انداز بنا کر انہیں چیک کرنے کا اشارہ کیا۔ میرے اشارے وہ سمجھ گیا تھا لیکن میرے مشورے پہ عمل کرنا اس نے شاید کچھ مناسب نہ سمجھا البتہ اونچی اونچی کچھ صلواتیں سناتے ہوئے اس نے زور سے اس کے انجن کی پسلی پہ لات جما دی۔ یقین کرنا پڑے گا کہ اس کے بعد ایک ہی جھٹکے سے دھڑ دھڑ کی آواز کے ساتھ انجن سٹارٹ ہو گیا۔ اس پہ اس نے ایک نعرہ مستانہ بلند کیا، پھر شاید اس کے بنانے والوں کی شان میں کوئی قصیدہ پڑھا۔ پھر دوسری جانب گھوم کر ایک اور زوردار اس تازہ تازہ پہ انجن ایسا گھٹنا بھاگا جیسے

ابھی ابھی زیرو میٹر سے اترا ہوا ہو۔ پھر اس نے میری جانب داد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کچھ ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہی ہو سکتا تھا کہ دیکھا باتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ وہ ایک فاتحانہ انداز سے موٹر سائیکل پہ سوار ہوا کہ الیگزینڈر دی گریٹ یعنی سکندر اعظم بھی اپنے گھوڑے پہ اتنی شان استغنا سے سوار نہ ہوتا ہوگا۔ سورج اب ناک کے بعد آنکھوں تک ڈوبنے پہ آ گیا تھا۔ اس کی آخری دم توڑتی ہوئی زرد زرد سی کرنیں اس "للو جلدر" کے چہرے پہ ایک عجیب اعتقادانہ سا تاثر ابھارے ہوئے تھیں۔

میرے دل میں تھا کہ یہ بیوقوف زنگتی پہ مجھ سے ضرور پوچھے گا کہ تم کون ہو یہاں کیوں اور کیسے پہنچے کہاں سے آئے ہو اور کہاں جاؤ گے مگر توبہ کیجئے کہ اس نے مجھے کوئی اہمیت دی ہو۔ وہ تو یوں مجھ سے سلوک کر رہا تھا جیسے میں ہمیشہ سے یہیں رہا ہوں اور اس کا پرانا شاگرد ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ اب وہ ایک دو قدم کہنے والا ہے تو میں نے ہزار اشاروں کنایوں اور آسان آسان انگریزی میں اسے بتانے کی کوشش کی کہ بھلے کے بندے! مجھے کہاں اس خوفناک ویرانے میں چھوڑے جا رہے ہو مجھے بھی ساتھ بٹھاؤ اور کم از کم اس سڑک تک تو چھوڑ جاؤ جدھر سے مجھے کسی شہر تک کوئی سواری میسر آ سکے۔ میں اپنی انگریزی بگھارتا رہا اور اپنی اسپیشل جھوٹ بولتا رہا مگر اس کے ہاتھوں کے اشارے بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے چھوڑنے ہی والا ہے تو آخری کوشش کے طور پہ میں نے موٹر سائیکل کی بیک سیٹ اور اپنی بیک سیٹ کی طرف واضح طور پہ ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ مجھے یہاں بٹھا لو۔ اس نے میرے اشارے کا مطلب سمجھنے کے لئے موٹر سائیکل کی بیک سیٹ اور میری "تشریف" کی طرف باری باری دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتا ہوا نیچے اتر آیا۔ پٹرول کی ٹنکی کے پاس سے ایک پرانا کپڑا اٹھیٹ کر باہر نکالا۔ میں خوش ہوا کہ وہ میرے بیٹھنے کے لئے پچھلی سیٹ کی جھاڑ پونچھ کرے گا مگر اس نے کپڑے سے اپنے جوتے صاف کئے اور پھر اچانک سائیڈ کار پر چڑھ کر ایک زوردار دولتی بیک سیٹ پہ جھاڑی۔ پھر وہ نیچے اتر کر میری جانب بڑھا۔ پتہ نہیں کہ زور زور سے کیا کہہ رہا تھا۔ میرا خیال یہی ہے کہ وہ مجھے مشورہ دے رہا تھا کہ اوئے سمندر اور ڈوبتے سورج کی جانب منہ کر کے ہگا سا مرغا بن کر اپنی تشریف واضح کرو تاکہ میں بھرپور لات جما سکوں۔ میں اس کی آمد کا مطلب سمجھتے ہی الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا اور بندر کی طرح پھلانگ کر چبوترے پہ چڑھ گیا۔ وہ نیچے موٹر سائیکل کی بیک سیٹ اور اشارے سے میری بیک سیٹ کے متعلق کچھ زور زور سے کہہ رہا تھا اور مجھے نیچے اترنے کے اشارے کر رہا تھا پر توبہ کیجئے میں تو یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر وہ میری بیک سیٹ پہ لات جمانے کے لئے چبوترے کی جانب بڑھا تو میں سیدھا وہاں سے سمندر کی جانب بھاگ لوں گا چاہے مجھے تین سو فٹ کی

UrduPhoto.com

بندر سے چھلانگ ہی کیوں نہ لگانی پڑے ... خیر اس کی نوبت اس لئے نہ آئی کہ وہ میری بجائے موٹر سائیکل کی بیک سیٹ کو ایک اور لات لگا کر اور خوب زور زور سے مجھے صلواتیں سناتا ہوا واپس چلا گیا۔

میں نیم اندھیرے میں دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا' سوچ رہا تھا کہ ابھی' آج کس پاگل سے واسطہ پڑ گیا تھا؟ پھر سوچنے لگا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا' چبوترے کے نیچے والی سیڑھیوں سے اتر کر وہ کہاں گیا تھا۔ وہ کچھ لے کر گیا تھا اور کچھ اٹھا کر باہر آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ نیچے کسی جگہ کوئی ہے جس کی کچھ ضرورتیں ہیں۔ وہ کھاتا پیتا اور کپڑے پہنتا ہے' اس کا کچھ کاٹھ کباڑ بھی ہوتا ہے جو سمندر میں پھینکا جاتا ہے۔ وہ کون ہے' ادھر کیوں ہے اور یہ پاگل' نیم دیوانہ' سٹھیایا اور کھسکا ہوا کون ہے اور اگر یہ ایسا ہے تو وہ کیسا ہوگا جو نیچے کہیں موجود ہے۔ کوئی جرائم پیشہ' چور' ڈاکو؟ ... میں چبوترے پہ نیچے پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ میرے پاؤں کے عین نیچے وہ سیڑھیاں تھیں جو کہیں مزید نیچے جا کر غائب ہو جاتی تھیں۔ فوری ضرورت کے دو کام ابھر رہے تھے۔ ایک نماز' دوسرا فوری طور پہ یہاں سے نکل لینا تاکہ مزید کسی بدمزگی میں پھنسنے کی بجائے اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے پہلے کسی قریبی شاہراہ تک پہنچا جا سکے جو مجھے شہر تک لے جائے۔ وضو کی بھی ضرورت تھی اور اس کے لئے پانی درکار تھا۔ سمندر میں تو تھا مگر آس پاس کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جہاں چند چھوٹی کشتیاں پتھر اور انسان تک نظر آئے وہاں پانی کا کیا مقام۔ بہرطور نیم کیا' وہیں چبوترے پہ چادر بچھا کر سجدہ ریز ہو گیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود اونچائی اور کھلی فضا ہونے کی بنا پہ مناسب سی روشنی تھی' آس پاس دیکھا جا سکتا تھا۔ نماز کے بعد وضو سے پہلے آنکھوں پہ زور کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ صبح ہوتے ہی موٹر سائیکل والی پگڈنڈی پہ ہو لوں گا۔ کسی نہ کسی شاہراہ تک رسائی تو ہو ہی جائے گی' وہاں سے پھر اللہ مالک ہے۔ پن ٹارچ میرے لنگی بیگ میں تھی۔ دعا کے بعد میں اٹھنے کا جتن کر رہا تھا کہ قریب ہی سے کہیں انسانی کھسر پھسر کی سرسراہٹ سی ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں تکیے سے نیم اٹھا لے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے مستعد پا کر وہ کھسر پھسر کرنے والے شاید خاموش ہو گئے تھے۔ میں نے تھیلے سے ٹارچ نکالی اور چبوترے سے نیچے اتر آیا۔ شاید میں ان کی توقع کے خلاف فوری طور پہ نیچے کود آیا تھا یا کہیں کہیں روپوش ہونے میں دیر ہو گئی۔ مجھے دو سائے بوسرتا پا چادروں یا چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے تھے اور آہستگی سے نیچے سیڑھیوں پہ اترتے ہوئے نظر آئے۔ شاید وہ اپاہج یا لنگڑے تھے' ایک سائے نے دوسرے کو سہارا دے رکھا تھا۔ میں نے فوراً روشن ٹارچ کا رخ ان کی جانب پھیر دیا مگر وہاں مجھے سوائے تاریکی' جھاڑ جھنس' شکستہ پتھروں کے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ میں اوپر سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑا

سوچنے لگا کہ یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں؟ شاید یہ وہی لوگ تھے جن کی ضرورت کا سامان پہنچانے اور ان کا فضلہ کچرا سمندر میں ٹھکانے لگانے وہ موٹر سائیکل والا احمق یہاں آیا تھا۔ واقعی ایسے ویرانوں میں رہنے والوں ایسے اندھیروں تنہائیوں کے خوگر چوکیداروں کی چاکری کے لئے ایسے ہی الو ہونے چاہئیں جو چاروں گانٹھ کے فارغ ہوں۔

میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی جب ایک موٹی بلی برابر چوہا جو بڑی تیزی کے ساتھ نیچے سے اوپر آیا میرے دونوں پاؤں کے درمیان سے گزرتا ہوا کہیں غائب ہو گیا۔ اتنا بڑا چوہا شاید میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اگر اس کی دم پتلی لمبی اور چہرہ لمبوترا نہ ہوتا تو میں اسے بلی ہی سمجھتا۔ کراہت سے مجھے متلی سی آ گئی۔ سوچنے لگا کہ ابھی تو صرف چوہا نکلا ہے اس کے پیچھے کوئی خونخوار آنکھوں سے شعلے برساتی بلی نکلے گی۔ پھر کوئی خون آشام چمگادڑ آ جائیں گی۔ ان کے بعد کوئی خوفناک دانت نکوستا ہوا اوپر آئے گا۔ مجھے وہ دونوں سامنے بلو اسی قسم کی چیزیں ہی ملے۔

تجسس اور کچھ مزید جاننے کا لپکا ہر انسان میں کم و بیش موجود ہوتا ہے۔ کمزور قوت ارادی اور عام علم و فہم کے لوگ کسی چیز کے پیچھے [illegible] کے وہ کسی اور جانب نکل جاتے ہیں مگر مضبوط قوت ارادی [illegible] اور خطرناک طبع و فطرت کے لوگ بڑے خطرناک اور [illegible] کے کچے ہوتے ہیں۔ نتیجہ چاہے کچھ بھی برآمد ہو وہ وہی کچھ کر گزرتے ہیں جو ان کے من میں سمایا ہوتا ہے۔ میرے اپنے خیال میں میرا شمار بھی انہی جنونی اور ضدی لوگوں میں ہوتا ہے۔

● پیا رنگ کالا.....!

کہتے ہیں کہ اوپر چڑھنے کے لئے توانائی اور طریقہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن نیچے اترنے کے لئے صرف ارادے کی۔ نکاح کے لئے دو گواہوں کی مگر طلاق کے لئے تین لفظوں کی۔ اسی طرح بنانے کے لئے ہزار ہا فنکار چاہئیں مگر بگاڑنے کے لئے صرف دو چار تعامل کے چھینٹے ہی کافی ہوتے ہیں۔ کہنا یہ کہ کوئی چیز مجھے اکسا رہی تھی کہ چبوترے پہ چڑھنا مینارے سے ٹیک لگا کر بیٹھنا نماز پڑھنا۔ اب تہہ خانے کی سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑا ہونا آگے بڑھوں یا پیچھے چلا جاؤں وہی تجسس کہ نیچے کیا ہے؟ سانپ کہاں گئے چوہا کہاں سے آیا؟ ..... جس طرح موٹر یا مشین پہ لوڈ بڑھ جائے یا گندم پیسنے والی چکی میں دانوں کا گاڑا زیادہ چڑھ جائے تو رفتار ذرا دھیمی اور آواز قدرے بھاری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح میرے

ساتھ بھی جب کوئی غیر معمولی حرکت برکت، واقعہ سلسلہ یا مسئلہ درپیش آنے والا ہوتا ہے تو اندر کی چکی پہ زور پڑ جاتا ہے۔ میری چھٹی حس الرٹ ہو جاتی ہیں اسی چھٹی کا آدھا تیسرا یعنی تیسرے کلمہ کے ورد کے آہنگ کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ دل و دماغ دروں مشینری پہ ایسا بوجھ پڑ جاتا ہے کہ لامحالہ میرے منہ سے اس چڑیا کی طرح جس نے کوے کے ساتھ مل کر ساتھ میں کھچڑی پکائی تھی اور بھوک کے ہاتھوں ساری کھچڑی خود ہی ہڑپ کر لی کوے نے غصے میں آ کر اس کی دم کو گرم گرم چمٹے سے داغ دیا تھا اور وہ "چی چی" کرتی ناچتی پھری تھی۔ ایسے مواقع پہ میرے منہ سے بھی خود بخود "چی چی چا چا چی چا چی" نکل جاتا ہے۔ پھر جیسے میں بکتر بند سا ہو جاتا ہوں۔ پھر ایسے موقعوں پہ مجھے ہمیشہ اپنے بابا جی کا فرمان یاد آ جاتا ہے کہ میرے سیاہ پوش کالے شاہ کالے بچوں پہ سے بامراد ظلمت و طاغوت کی نحوست و نجاست بدنگاہی فسوں طلسم کی ہیبت و اذیت مہلکت و سرقہ کر دی گئی ہے۔ جس طرح کالے رنگ سے مل کر ہر رنگ کالا ہو جاتا ہے اور اپنے نمود و وجود جودت و جمال اور اصل ذات و کرامت کی سیاہی میں ضم کر دینے پہ مجبور ہو جاتا ہے اسی طرح بدنگاہ بدخیالی بدذات بدفطرت بدکوش و بدروح سیاہ پوش سے ٹکرا کر پارہ پارہ ہو جاتے ہیں۔

کالا رنگ [illegible] یہ قرآن اور [illegible] قرآن کا رنگ یہ کعبہ اور مولود کعبہ کا رنگ یہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کملی اور زلفوں کا رنگ کرب و بلا اور یہ کوفہ و شام کی فضا کا رنگ۔ مکہ میں حجر اسود کا رنگ یہ مدینہ میں حجاب روضۂ اشرف کا رنگ عصائے موسیٰ کا رنگ یہ عبائے عیسیٰ کا رنگ خیمہ عباس کے علم کا رنگ یہ لیلۃ القدر کا رنگ یہ ساعت مکہ بدر کا رنگ۔ یہ وہ رنگ کہ ہزاروں کو جینے سے نکالے اپنے سا کر لے۔ اسے کوئی پاس نہ لگائے کہ وہ بدرنگا کہلائے۔ کوئی اسے یاس و حزن کہے کوئی ماتم و شامت سمجھے۔ کوئی کچھ بھی کہے میں تو صرف ایک ہی بات جانتا ہوں ؎

سکھی ری! دیکھو ری پیا رنگ کالا
اپنے رنگ میں موہے رنگ ڈالا
سکھی ری! دیکھو ری پیا رنگ کالا

ہم نے بابا جی کو کبھی سرخ سفید یا سبز مرچ استعمال کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ایک صبح ان کے مزاج و طبیعت میں کچھ بشاشت سی محسوس ہوئی۔ ہم بچے لوگ ایسے مواقع کی تاک میں رہتے تھے کہ کب طبیعت و مزاج میں شگفتگی در آئے اور ہم پہلے سے سوچے ہوئے سوالات دریافت کریں۔ میں نے ہمت کر کے

پوچھ ہی لیا۔

''بابا جی! اجازت ہو تو ہم لوگ بھی سرخ اور ہری مرچوں سے پرہیز کیا کریں اور سیاہ مرچ شروع کریں ...؟''

ارشاد ہوا۔ ''بھئی آپ لوگ اگر سرخ مرچ پسند کرتے ہیں تو کھانے میں کوئی حرج نہیں ... میں تو سیاہ مرچ صرف اس لئے استعمال کرتا ہوں کہ اس کا رنگ کالا اور مزاج معتدل ہوتا ہے'' ... پھر مسکراتے ہوئے مزید فرمایا۔ ''میں نے ایک چٹکی بات سن رکھی ہے کہ خوبصورت عورت اور سرخ مرچ دونوں سے ہوشیار رہنا چاہئے'' ... فرمانے لگے۔ ''کالی مرچ' کالا نمک' کالا گڑ' کالے چنے' کالا زیتون' کالی کلونجی' کالا کلاب اور مشکی گھوڑا مجھے بھلے لگتے ہیں۔ کالے رنگ سے نسبت خاص رکھنے والے کے لئے روحانی اور باطنی علوم و اسرار جاننے سمجھنے کے لئے آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سیاہ رنگ کا لباس پہننے والا شیطان کی دسترس سے بچا رہتا ہے۔ اس میں بجز انکساری' خاکساری اور درویشی و خوشامد پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ انسان تو انسان' چرند پرند' چوپائے اور حشرات الارض تک احترام کرتے اور حفاظت کرتے ہیں۔ کالا لباس پہننے والا اللہ کے خوف کو محسوس کرتے ہوئے عبادت و ریاضت کی جانب رغبت حاصل کرتا ہے۔ یہ رنگ [illegible] خیالات [illegible] میں معاون ثابت ہوتا ہے لیکن اس رنگ کے کچھ مضرات بھی ہیں۔ قدرت نے اگر اس کے فیض پیدا نہ کئے ہوتے تو ہر ہما شما اسے اپنا لیتا۔ آپ نے سنا' دیکھا ہوگا کہ بہت سے گھرانوں میں خاندان کے بڑے بزرگوں کی جانب سے کالا رنگ پہننے کی اجازت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ اسے صرف اہل تشیع کا مخصوص رنگ سمجھ کر محض ضد اور جاہلیت کی بنا پر اس سے کد رکھتے ہیں ویسے بلا سوچے سمجھے ہر کسی کو اسے اپنانا بھی نہیں چاہئے تاآنکہ کوئی صاحب اس رنگ' اس رنگ کو اختیار کی اجازت نہ دے ویسے شوقیہ طور پر پہننا اور بات ہے۔

بات رنگوں کی طرح پھیلتی پھیلتی اور ایک رنگ سے دوسرے رنگوں میں جذب ہوتے ہوتے کہاں سے کہاں تک دراز ہو گئی واپس وہیں چلتے ہیں جہاں سیڑھیوں سے اتر کر پراسرار سائے کہیں گم ہو گئے تھے ... میں نیچے اترتی ہوئی شکستہ سیڑھیوں کے دہانے پر کولہوں حالت کھڑا تھا۔ شاید مجھے پیچھے سے کسی شریر سے جھونکے نے ہلکا سا آگے کی جانب دھکیلا تھا کہ بے ارادہ میرا ایک پاؤں نیچے سیڑھی پر جا پڑا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرے خدا! میری تو آنکھیں ابل کر باہر آ گئیں۔ جہاں تک نظر پڑی چوہے ہی چوہے ویسے ہی کسی بڑی سی بلی کے قد و کاٹھ جیسے۔ آدھا آدھا گز پیچھے لمبی لمبی دمیں' چار چار انچ لمبی مونچھیں' سرخ انگاروں کی مانند دہکتی ہوئی آنکھیں ... وہی چوہا جو کچھ دیر پہلے نیچے سے اوپر آیا تھا اور

میری ٹانگوں کے درمیان سے گزر کر کہیں غائب ہو گیا تھا۔ عجب یہی تھا کہ یہی چوہا اب پوری برادری کو لے کر یہاں آیا ہے۔ اب میرے لئے سوائے نیچے کودنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اوپر آتا تو شاید میرے لئے زمین پہ پاؤں دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی اور یہ خونخوار چوہے مجھے شاید دو قدم بھی بھاگنے کی مہلت نہ دیتے۔ ابھی تک میرا ایک پاؤں اوپر ہی تھا اور دوسرا نیچے دوسری سیڑھی پہ۔ میں نے اپنے اوسان برقرار رکھے اور فل چینج سے اندر کی چٹخنی گھما دی۔ ایک نظر پھر مڑ کر اس آفت ناگہانی کی جانب دیکھا۔ یوں دکھائی دیا جیسے کسی چوہا فیکٹری سے ایک ہی سائز، ماڈل اور رنگ کے چوہوں کی لاٹ تیار ہو کر نکلی ہے۔ وہی پہلے والا چوہا شاید ان کا سردار تھا۔ اپنی پچھلی ٹانگوں پہ بیٹھا، لمبے لمبے دانت نکوستا ہوا میری جانب دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اندازہ کر رہا تھا کہ میری اگلی نمودار کیا ہو گی؟ ... میں نے کچھ سوچتے ہوئے نیچے والا پاؤں آہستہ سے اوپر اٹھایا۔ دونوں پاؤں پہ کھڑا ہو کر بغیر رخ موڑے آدھا قدم پیچھے چوہوں کی طرف ہٹا۔ چوہے تھے کہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ پھر میں نے ایک اور آدھا قدم پیچھے ہٹایا۔ اب شاید میرے پاؤں اور سردار چوہے کا درمیانی فاصلہ زیادہ سے زیادہ دو انچ رہا ہو گا۔ وہ اب بھی اپنے پاؤں پہ قائم تھا۔ اس شیر دل نے اپنے پاؤں کی مٹی نہیں چھوڑی تھی۔ ایسے نڈر چوہے زندگی میں پہلی بار دیکھے تھے ... اب میں نے پاؤں میں اپنی بائیں جانب دیوار کی طرف ہٹا کر سرکنا شروع کیا۔ چوہوں نے اب بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ اب میں تین قدم ترچھے سے ڈھرتا ہوا بائیں دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ پھر ایک لمحہ توقف کے بعد اچک کر دو انچ فٹ اونچی دیوار کی منڈیر پہ چڑھ گیا۔ پھر کیا تھا جیسے کسی نے ایک سیلاب کے آگے سے بند توڑ دیا ہو۔ چوہے ہی چوہے ... نیچے سیڑھیوں پہ بہے جا رہے تھے۔ کیا مجال کہ کوئی چھوٹا بڑا ہوا یوں لگتا تھا جیسے یہ سارے پہلے والے چوہے کا ہی چربہ ہیں یا اس کی ہی کلوننگ سے انہیں غیر فطری طور پہ پیدا کیا گیا ہے۔ مجھے کسی قسم کا ٹرک پہنچائے بغیر وہ سب کے سب کہیں نیچے غائب ہو گئے تھے ... مجھے خیال آیا کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔ میں صرف ان کا رستہ روکے ہوئے کھڑا تھا۔ میں ہٹا اور وہ چلے گئے ... وہیں سے میں منڈیر پھلانگ کر اوپر چبوترے پہ چڑھ آیا کہ کچھ طبیعت کا تکدر دور ہو۔ یہاں موسم اور وقت کا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ فضا میں ایک بھیگی ہوئی تازگی اور سمندر کی لافانی خوشبو کا احساس رچا بسا ہوا تھا۔ بائیں جانب تاحد نظر بچھا ہوا گہرا نیلگوں سمندر، دیگر اطراف خدا کی پھیلی ہوئی زمین، جنگلوں کی طرف گھومتی ہوئی دور دور کہیں کہیں روشنیاں۔ خاموشی، سکوت اور تنہائی ... جن لوگوں کو فطرت کی گود میں بیٹھنے، اس کے زانو پہ سر دھر کر لیٹنے اور اس کی زلفوں کو چہرے پہ ڈال کر سونے کا چسکا پڑ جاتا ہے تو وہ پھر بستیوں اور لیروں سے کہیں دور نکل لیتے ہیں۔ جہاں

بے سروسامانیاں، ناآسودگیاں، محرومیاں اور تنہائیاں ان جوگیوں، بیراگیوں اور درویشوں کی راہ تک رہی ہوتی ہیں۔ چاند بھی اب جلوہ فگن ہو گیا تھا۔ فضا میں دودھ اور ہوا میں جیسے زعفران سا گھل مل گیا ہو۔ دیوانے کے لئے آشفتہ سری کا پورا سامان تیار تھا۔ طبیعت جہاں سرشار ہوئی تھی وہیں آنکھوں میں کیف مدھم سی تیرنے لگی تھی۔ جسم سکون پکڑنے لگا تھا۔ سوچا کہ اگر اسی کیفیت میں ادھر کہیں پڑ گیا تو جانے کیا ہو۔ بہتر ہے کہ کہیں پڑنے سے پہلے نماز پڑھ لی جائے۔

رات تو قبر ہوتی ہے انسان مردہ بن کر لیٹ جاتا ہے۔ مقدور ہو تو اگلا سورج چمکتا دیکھنے سے پہلے کالی کالی چادر اوڑھ کر اپنے اندر ڈوب جاتا ہے۔ کچھ اللہ والے اپنی ظاہری حیاتی میں ہی موت کے مزے لوٹ لیتے ہیں۔ ہر شب اپنے ہاتھوں کھدی ہوئی قبر میں موت کا مراقبہ کرتے ہیں۔ صبح فجر کے وقت اگر اجازت ملے تو اپنی چلہ چادر دوبارہ قبر کو اوپر سے ڈھانپ کر باہر نکل آتے ہیں۔ شب کو واپس آنے کے لئے کہتے ہیں بڑا مزہ آتا ہے۔ ایسی گہری، میٹھی اور سہانی نیند کہ جس کو پھولوں کی سیج پہ پہلو نے محبوب میں لیا آتی ہوگی۔ یہ شعر برمحل ہے کہ کہیں سنانے کو جی چاہتا ہے۔

مومن کے لئے موت بھی ہے زانوئے محبوب
اندیشہ یہ ہے جاں نہ ملے نیند میں ہم کو

UrduPhoto.com

مجھے ویرانوں، بیابانوں اور قبرستانوں میں گھومنے پھرنے، کتبے پڑھنے، مردے سونگھنے کا شوق ہے۔ یہ صحیح پاک جگہیں تو گھر کے آنگن ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا بھر میں جہاں جہاں بھی مسلمان اور عیسائی ہیں وہاں بڑے بڑے قدیمی قبرستان موجود ہیں۔ ہر قبرستان اپنی علیحدہ علیحدہ تاریخ، ہیئت اور شہرت رکھتا ہے۔ میں بالخصوص بغداد، کوفہ، نجف، بصرہ، دمشق، سمارہ، بہاریہ، یروشلم، دہلی، ملتان، سمنگل، لاہور، میانی صاحب میں ایک زمانے سے "قبر نوردی" کرتا چلا آ رہا ہوں۔ قبریں (بشمول مزارات) کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ جو لوگ کشف القبور کا علم رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ آگ کا الاؤ، غلاظت، ڈھیری، بکوڑاں، سانپوں، بچھوؤں، کیڑوں مکوڑوں کی آماجگاہ کون سی قبریں ہیں۔ ... اور روشن پھولوں کا گلدستہ، قرآنی قرآن والی، جنت کی کھڑکی اور زندہ قبریں کون کون سی ہیں۔ ہر لحد کے کچھ نیچے اس کے مکین کے اعمال کا تعویذ اور لحد کے کچھ اوپر اس کے احوال کی دستاویز لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اہل قبور میں ایسی تابندہ ہستیاں بھی ہوتی ہیں جن کا روحانی تصرف اور فیض کسی رواں دواں چشمے کی مانند جاری و ساری ہے۔ اب چشمے کا ٹھنڈا میٹھا پانی تو وہی حاصل کرے گا جو وہاں جائے گا۔ چشمۂ فیض تلاش کرنے کا۔ کوئی قبرستان پہنچ کر "السلام علیکم یا اہل القبور" کہتا ہے تو جواب میں "وعلیکم السلام" کا ایسا بلند آہنگ

[illegible] اگر ہم سن پائیں تو گھبرا کر بھاگ اٹھیں مگر ہمارے پاس ایسے کان ہی نہیں ہیں۔ میں بھی کسی [illegible] دھن میں اکثر قبرستانوں میں بھٹکتا رہتا ہوں۔ میرے ساتھ قبرستانوں میں ایسے ایسے حادثے [illegible] ہو گزرے ہیں کہ اگر لکھنے بیٹھوں تو ایک آدھ کتاب آسانی سے لکھی جا سکتی ہے۔ میں کئی بار [illegible] قبروں میں دھنس گیا' ساری ساری رات مُردوں کی کھوپڑیوں اور ہڈیوں کے درمیان پڑا رہتا [illegible] اکثر اپنے جاننے والے گورکن کو بتائے بغیر زیر زمین ہڈیوں کے گودام میں گھس جاتا تھا اور وہ [illegible] کر رات بھر کے لئے اپنے گھر چلا جاتا تھا۔ بستی نظام الدین دہلی کے قبرستان میں ایک قبر [illegible] میں بیٹھا بیٹھا پاس والی بھربھری مٹی والی قبر میں لڑھک گیا' پوری رات میں ایک شریف سے [illegible] کی گود میں بیٹھا رہا کہ خود نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ دور کسی کی آہٹ اور آواز آئی' انہیں آواز دی [illegible] مجھے قبر سے نکالو۔ وہ "بھوت بھوت" کہتے ہوئے بھاگ نکلے۔ [illegible] کے روز صبح ہی صبح کچھ اور [illegible] پاس محسوس ہوئے۔ اب میں نے پہلے "السلام علیکم" کہا۔ پھر کلمہ شریف پڑھا کہ کم از کم وہ مجھے [illegible] نہیں۔ وہ بھی جواب میں کلمہ شہادت پڑھنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ مُردے کا حساب [illegible] ہے۔ قبر پھٹ گئی ہے' مُردہ بے پردہ ہو رہا ہے [illegible] کو مٹی ڈالنے [illegible] باہر نکال لیا [illegible]

میاں صاحب میں اکثر راتوں کو جایا کرتا تھا۔ خوب "بھوت" "السلام علیکم" کہہ کہہ کر ساکنان قبور [illegible] کرتا رہتا۔ یہ قبرستان' پکی پکی قبروں' مزاروں اور چھوٹے موٹے مقبروں کا ایک جنگل ہے۔ جیسے [illegible] مختلف نوع کے جانور رہتے ہیں' اسی طرح یہاں بھی بہت سے دو ٹانگوں اور چار پاؤں والے [illegible] پروں والے پرندے رہتے ہیں' جنگل کے قانون کی طرح یہاں کا بھی اپنا قانون ہے۔ یہاں [illegible] زندہ' مُردہ آبادی کچھ اس طرح سے آپس میں گڈمڈ اور خلط ملط ہے کہ کچھ معلوم نہیں ہوتا' زندوں [illegible] کون مُردہ ہیں اور مُردوں میں کتنے زندہ ہیں؟ کچھ طبقاتی زور رعایت بھی زوال میں [illegible] گورنر کے [illegible] دین گھر لیٹا ہوا ہے تو کہیں اپنے وقت کے نامور شاعر کے پہلو میں شریف پہلوان شرق پوری [illegible] ہے' استاد منظور لطافت علی خان کی عظمت میں مولوی لطف الرحمٰن بھائی پھیروی پڑے ہوئے [illegible] نگار چہم فروشوں میں گھرا ہوا ہے اور زبدۃ الحکماء ایک مشہور ایکٹر کی ہمسائیگی میں پڑے رہتے [illegible] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیر صاحب کے مزار کے ساتھ والی قبروں میں مُردوں کی بجائے کالا شلوفیں' [illegible] منشیات ہوں۔ کوئی نئی قبر کھودتے وقت اگر انڈیا کی مالا وکی کے کچھ کریٹ یا وائٹ ہارس سکاچ [illegible] نکل آئیں تو کچھ تعجب نہیں ہوتا۔ ٹیپ ریکارڈر' ٹیلی ویژن' ریڈیو' زیورات' پارچات کچھ بھی

UrduPhoto.com

نکل سکتا ہے۔ یہاں بجو، نیولے، سانپ، خارمشک، الو، چمگادڑیں، مردہ خور بلیاں اور چوہے، کوے اور کرگس بڑے دھڑلے سے رہتے ہیں۔ انہی کے ساتھ ان کے بھائی بند مشیات فروش، منشیات خور، چور اچکے، عادی مجرم، مُردوں کی کھوپڑیاں، اعضاء اور کفن اکھاڑنے والے، چلے چوکے والے، منتر چلتر، مسانوں کی ہانڈیاں چڑھانے والے، اولاد نرینہ کے لئے نوزائیدہ بچوں کی قبروں پہ اولاد کی خواہشمند عورتوں کو سُلوانے والے، ٹھیکیدار، بدکاری کے لئے عورتیں، بچے اور بجوے، بے دو ٹانگوں اور چار ٹانگوں والے سارے جانور یہاں مل جل کر رہتے ہیں۔ ایک قبر میں بجو گھسا ہوتا ہے ساتھ والی میں بشیرا چٹیوں والا کفن کھینچ رہا ہوتا ہے۔ بجو کی طرح برکتا ازحاق پھٹے قبر کے پاؤں میں ایسی سیندھ لگاتا ہے کہ چند منٹ میں دو ماہ قبل دفنائے گئے ملک مشتاق احمد شوگر کے مرحوم کی کھوپڑی، پسلیاں اور ہاتھ پاؤں، بازوؤں کی پوری ہڈیاں جھاڑ پھونک کر باہر نکال لاتا ہے ایسی صفائی اور ہے کھٹکے کہ ساتھ والے مُردے تو خود ملک صاحب کو خبر نہیں ہوتی کہ ان کے ساتھ کیا بیت گئی ہے اور اکثر اوقات بجو اور برکتا ازحاق دونوں آگے پیچھے ہی باہر نکلتے ہیں۔

اس جنگل میں ایسی نعشوں کی بھرمار اکثر یہاں کے باشندگان گورکنوں کی دیدہ فہمیدہ ہے یہاں تک کہ کوئی نیا پرانا مردہ ان کی خوشنودی کے بغیر اپنی روٹ تک نہیں بدل سکتا۔ انسان تو یہاں کے حشرات الارض تک انہیں فی قبر مردہ نہیں دیتے ہیں۔ ان گورکنوں کو مرنے والوں کی طرح ہر ایک قبر اور ہر ایک مُردے کا کل وقوع، حسب نسب، ذات، اوقات، تاریخ دفن، حجم، لحد، کفن، متعلقین، رشتہ اور سماجی حیثیت یعنی ایک ایک جزئیات ازبر ہوتی ہیں۔ انہیں علم ہوتا ہے کہ کون سی قبر پہ ان کے ورثا کب آتے ہیں۔ ہر روز، جمعرات، عید، شبرات یا "مر گیا مردوا نہ فاتحہ نہ درود"..... اگر تو کسی قبر پہ روزانہ حاضری ہے۔ پھول پتی، دیا بتی جلانے چڑھانے کوئی آتا ہے۔ گھاس پھونس، روڑا کنکر اٹھا کے صفائی ستھرائی اور لوٹا پانی کے لئے گورکن کی خدمات باعوض حاصل کرتا ہے تو ٹھیک! وہ قبر بشرط استواری تک وجود میں رہتی ہے اور اگر ایسا نہیں۔ ابا کو دفنانے کے بعد بیٹوں کو کاروبار، بچوں سے فرصت ہی نہیں ملی تو اس قبر پہ طرح طرح کے اس کا نشان لگا دیا جاتا ہے۔ دو چار مہینے اور دیکھا جاتا ہے اس قبر پہ حاضری کا پورا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ جب وارثوں کی بے حسی اور عدم دلچسپی کی مکمل تصدیق ہو جاتی ہے تو پھر قبر کے بلے کی بولی لگ جاتی ہے۔ کھوپڑیوں، ہڈیوں کا ٹھیکیدار اپنا بلہ لگوا کر جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے کفن اُتار اپنی کاروائی ڈال گئے ہوتے ہیں۔ پھر قبر کی جڑوں میں پانی ڈالا جاتا ہے آہستہ آہستہ اوپر کی ڈھیری کی مٹی ہلکی کی جاتی ہے پھر مزید اوپر گھلے پانی کا وتر دیا جاتا ہے۔ اب

قبر کو دھنسنے لگتی ہے۔ اگر اس دوران کوئی وارث آ گیا تو بارشوں کا کہہ کر اس سے مٹی کی مد میں
سو پچھ جھاڑ لئے جاتے ہیں اور تین مہینے بعد پھر وہی سلسلہ دہرا دیا جاتا ہے۔ ایسی ریڈ نشان والی
ایڈوانس ہی ہو چکی ہوتی ہے بلکہ کورگن نے اندر ہی اندر بیعانہ تک پکڑ لیا ہوتا ہے۔ نیا مُردہ
کے بعد اگر کوئی پہلی قبر کا وارث وارد ہو جاتا ہے تو وہی ہمیشہ والی رٹی رٹائی بات کہ موتیاں
آپ نے سنا تو ہوگا کہ ایک ایک قبر سے قیامت کے دن ستر ستر مُردے اٹھیں گے۔ اگر ایک قبر میں
ہمیشہ کے لئے لیٹا رہے تو باقی مرنے والے کہاں جائیں گے؟ یہ آپ کے والد صاحب والی قبر
مُردے تو میں اپنے ہاتھوں سے پہلے ہی ڈال اور نکال چکا ہوں۔ جناب! آپ کے والد
یہ قبر بھی اسی دن زبردستی خالی کرائی تھی۔ آپ لوگ جنازہ گاہ میں جنازہ پڑھ رہے تھے اور ہم
سے حاجی اللہ جوایا تو ڑی ہوئی ہڈیاں بوری میں ڈال رہے تھے۔ سرکار! سینکڑوں
کرتے ہیں ہم کسی کو واپس نہیں بھیجتے۔ قبرستان تو ہر کسی کو اپنے ٹرمز میں پچھلاتا ہے۔ جب مٹی
جاتی ہے تو لیا ہوا اُدھار واپس دے دیا جاتا ہے۔

UrduPhoto.com

• ... والے میاں صاحب

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں کس طرف نکل گیا۔ انسان کسی طرف بھی نکل جائے آخر
سے کسی نہ کسی میانی صاحب میں اپنی حاضری لگوانی پڑتی ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی میں ہی کسی
صاحب سے تعلقات رکھے تو پھر زندگی کی حقیقت صحیح سے اس پہ کھلنا شروع ہو جاتی ہے اور موت پھر
کوئی ڈراؤنی اور تکلیف دہ چیز نہیں رہتی۔ میانی صاحب سے میرا رابطہ یا واسطہ بچپن ہی سے
اس وقت میانی صاحب ایک جیتے جاگتے مگر اندر سے مرے ہوئے میاں صاحب کی شکل
قریب آئے۔ یہ سلسلہ چاچی کی ملاقات سے کچھ پہلے شروع ہوا تھا۔ میں جب دیکھتا کہ میاں
روزانہ اونچی سڑک سے اترتے اور ہماری گلی کے سامنے سے گزرتے ہوئے شہر کی جانب چلے
پھر کبھی شام سے ذرا پہلے شہر سے واپس آتے دکھائی دیتے پھر اونچی سڑک سے ہوتے ہوئے
گلی کے تالاب کے عقب میں بیر بہاول شہید کے مزار اور قبرستان کے بائیں جانب ہو کر
اپنے آستانے میں چلے جاتے ہیں۔ آستانہ کیا تھا؟ ایک چار دیواری سی جس کے اندر ایک کمرہ
بنا ہوا ایک نامکمل سا گنبد تھا۔ زمین سے گز بھر اوپر گری پانچ ستونوں پہ کھڑے گنبد کے نیچے

عین وسط میں کھدی ہوئی قبر..... یہ سب کچھ ہمیں بہت بعد میں باقاعدہ پوری پوری جاسوسی کرنے پہ معلوم ہوا تھا۔ میاں جی کون تھے کہاں سے آئے اور ان کا ذریعہ معاش کیا تھا کوئی کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ بس کہیں سے آئے زمین کا ٹکڑا خریدا اور یہیں کے ہو گئے۔ ٹھگنے قد اور دوہرے جسم پہ فوجی افسر کی وردی کالروں اور آگے سینے پہ سجے ہوئے تمغے نیلے پیلے سرخ فیتے بڑے بھلے اور بھلے تھے۔ فوجی بھاری بوٹ جس میں گزگز لمبے تسمے ہوتے ہیں۔ سر پہ سولا ہیٹ بکلائی صفاچٹ داڑھی بڑی بڑی دھیل مونچھیں۔ یہ حلیہ اور ایسا گٹ اپ اپنی جگہ پہ بڑے رعب داب والا تھا لیکن ایک انوکھی چیز ان کو بڑا خوفناک اور عجیب سا تاثر دے کر ابھارتی تھی وہ تھے قریب قریب ڈیڑھ من وزنی لوہے کے سنگل جو انہوں نے کسی سنیاسی وڈیرے کی اجرک کی طرح گردن شانوں اور جسم پہ لپیٹ رکھے تھے پاؤں میں قیدیوں جیسی بیڑیاں پڑی رہتیں۔ کڑی سردی میں بھی ننگے پیر بھی دکھائی دیتے اسی طرح ہاتھ میں افسروں کی طرح بید کی سٹک ہوتی جسے وہ کبھی کبھی بغل میں بھی داب رکھتے تھے۔ بچے انہیں شاہ صاحب بھی کہتے تھے۔ سلیک سلیک بھی اشارے سے کرتے ہلکی سی مسکراہٹ اور قدمے کرتے ہوئے وہ بڑے مہذب اور مہربان لگتے۔ خدا جانے ان کا ذریعہ آمدن کیا تھا۔ کسی سے کبھی کچھ طلب نہیں کیا۔ بس ایک شان استغنا تھی جو انہیں سینکڑوں میں نہیں ہزاروں لاکھوں میں ممیز کرتی تھی۔ چھوٹے بچے اکثر انہیں دیکھتے ہی کوارٹروں کے پیچھے چھپ جاتے۔ اکثر ماؤں میں ضدی شرارتی بچوں کو بابا سنگلاں والا کا ڈر دھمکا بھی دیا کرتی تھیں۔ ان کے بارے میں عام تاثر یہی تھا کہ وہ کسی منزل میں پہنچے ہوئے بزرگ ہیں جنہوں نے دنیا سے ناتا توڑ کر درویشی اختیار کرتے ہوئے اپنی زبان بھی بند کر لی ہے اپنے کسی گناہ کی سزا دینے کے لئے جسم پہ لوہے کے سنگل اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی ہیں۔ کئی نے ان کا ٹوہ پکڑنے کی کوشش کی۔ انہیں جاننے اور پہچاننے کے جتن کئے مگر جو دنیا عزت شہرت کو لات مار دے وہ کہیں نہیں پھنستا۔ دام میں تو وہ پرندہ پھنستا ہے جو دانہ دیکھتا ہے اور آگے بڑھ جایا کرتے تھے۔

شہر سیالکوٹ میں اک میں بھی ان کا دیوانہ تھا۔ میری کیا جرأت کہ میں بھی ان سے بات کی سوچتا۔ میں نے تو کبھی انہیں سلام تک نہیں کیا تھا البتہ ان کے آنے کا انتظار کرتا رہتا۔ سلام دیتے میں اوٹ لے کر انہیں غور سے دیکھتا رہتا اور دل میں سوچتا کہ کاش! ان کے جسم پہ لوہے کا بوجھ کچھ میں بھی اٹھا سکتا۔ میں انہیں دور سے آتے اور دور تک جاتے ہوئے دیکھتا

[illegible] کی چھنچھناہٹ اور پاؤں کی بیڑیوں کے آپس میں ٹکرانے کی آوازیں مجھے دیر تک معلوم [illegible] چاہتا کہ کبھی میں ان کے پاؤں پنڈلیوں پہ لپٹی ہوئی کپڑے کی پٹیاں کھولوں اور دیکھوں [illegible] کہاں کہاں پڑے ہوئے ہیں۔ وزنی زنجیروں کو شانوں سے اُتاروں دیکھوں کہ آہنی نارسائے [illegible] بڑیوں کو کہاں کہاں زخم کیا ہے؟ یہ میں سوچتا سوچتا آگے بڑھتا اور ناک پہ واضح سے ان کے [illegible] نشان سے تھوڑی سی مٹی اُٹھاتا اور گھر آ کر اسے شیشے کے مرتبان میں ڈال دیتا جو میں نے ان [illegible] کی مٹی اکٹھی کرنے کی نیت سے رکھا ہوا تھا۔

میاں جی کی چار دیواری کے ذرا ادھر جو ہز کنارے ایک بڑا سا گراؤنڈ تھا جہاں ہم سامنے [illegible] سکول کے لڑکوں سے کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ مجھے کرکٹ سے کیا دلچسپی ہوتی تھی' میں تو محض [illegible] کے آستانے کی قربت کی وجہ سے محلے کے لڑکوں کے ساتھ ادھر چلا آتا تھا۔ کھیل کے دوران [illegible] کر کے آستانے کے آس پاس ہی کھڑا ہونے کو ترجیح دیتا۔ مجھے خوب یاد ہے' وہ جمعرات کا روز [illegible] قریب شام کا وقت تھا۔ گیند ہٹ ہوئی اور اُڑتی ہوئی میاں جی کی چار دیواری میں کہیں اُتر گئی۔ [illegible] نے کھیل بند کر دیا کیونکہ کھیلنے کے لئے اور گیند نہیں تھی اور ادھر شام کے سائے بھی اُترنے لگے [illegible] کے جزبزہوتے [illegible]

UrduPhoto.com

"میاں جی کے آستانے پہ سے تمہارے سوا کوئی اور گیند نہیں لا سکتا۔ گیند لے کر ہی آنا۔"

یہ کہہ کر وہ بھی چلا گیا۔ میں پہلے بھی کہیں لکھ چکا ہوں کہ لوگ اپنی منزل کو ڈھونڈنے کے لئے [illegible] اور کچھ دانے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں خود منزل کھوجتی ہوئی ان تک پہنچتی ہے یا یوں سمجھیں کہ [illegible] بلاتے ہیں کہ وہ آئیں اور انہیں ماریں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بیل سر جھکائے [illegible] کے پاس پہنچ جاتا ہے کہ لو حضرت! میں حاضر ہو گیا۔ مجھے جیسا چاہو مار پیٹ لو..... میں ہمیشہ [illegible] کا بکٹ جھنڈا اپنے سے پیسے دے کر خریدتا ہوں۔ خوامخواہ دوسرے کے مسئلوں میں کود پڑوں گا' یعنی [illegible] کر خود ہی بکرمنڈی پہنچنے کا اہتمام کر لیتا ہوں۔ کئی بار لڑائی جھگڑوں' نکاحوں' طلاقوں' ضمانتوں [illegible] کے جھگڑوں میں بطور ثالث' ضامن بزرگ بن کر اپنی خجالت کروا چکا ہوں۔

• نیکی کر دریا میں ڈال.....!

نکانہ صاحب کا ایک سادہ سا لڑکا سرور سائیکل کے پیچھے بندھے ٹوکرے میں پودے بیچا کرتا تھا'

دو چار بار میں نے اس سے پودے خریدے۔ میرا دماغ خراب ہو میں نے ایک دن یونہی اس سے کہہ دیا۔

"بیٹا! یہ کام سائیکل کا نہیں ریڑھے کا ہے۔ کوئی چھوٹی موٹی ہتھ ریڑھی یا گدھا ریڑھی لے لو۔ پودے بھی زیادہ لا سکو گے ورائٹی بھی ہوگی اور آسانی کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی کچھ فائدہ ہوگا۔"

وہ مجھے دعا کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔ تیسرے دن وہ میرے دروازے پہ تھا۔

"بابا جی! وہ زینت بلاک میں جو خالی پلاٹ میں جھگڑ رہتے ہیں ان کے پاس ایک نامرد ریڑھا برائے فروخت ہے دعا کریں کہ اسے لینے کا کوئی وسیلہ بن جائے۔"

پھر ایک دن اسی سائیکل پہ مجھے ایک پودا دینے آیا۔

"کیوں بیٹا اس ریڑھے کا؟" میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"بس جی آپ کی دعا کی دیر ہے۔۔۔ پندرہ سو تو میں نے جمع کر لئے ہیں پچیس چالیس۔ پانچ ہزار مانگ رہا تھا بڑی مشکل سے چار ہزار تک آیا ہے۔۔۔ ویسے چار ہزار کا تو صرف ریڑھا ہی ہے گدھا مفت سمجھیں۔"

UrduPhoto.com

اپنے [illegible] کی بات کی۔

"پتر! گدھا ہاتھی اور بیوی کا بھائی یعنی سالا اگر مفت بھی ملیں تو پھر بھی بہت مہنگے پڑتے ہیں۔"

وہ مجھ میں میری بات دہراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں جی؟"

میں نے اسے سمجھایا۔

"اگر تم یہ کہو کہ گدھا ہی اتنی قیمت کا ہے اور ریڑھا مفت میں ملتا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔"

وہ پھر بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہنے لگا۔

"چلیے جی آپکی ٹھیک ہے۔۔۔ بس میرے لئے دعا کیجئے۔ آپ کی دعا جب بھی لگ گئی [illegible] جائے گا۔"

وہ چلا گیا۔۔۔ ٹھیک دو دن بعد میں گھر کے باہر کھڑا سکول کے بچوں کو آتے جاتے دیکھ رہا۔ وہ ریما چکوری اور سیدو ڈرکی کوٹھیوں کی طرف سے ریڑھے پہ کھڑا گدھے کی لگامیں تھامے بیٹھا۔ لیمن والی پلاسٹک کی خالی بوتل میں کنکر چھنکاتا یوں سرپٹ آ رہا تھا جیسے ریڑھا ریس جیت کر آ رہا ہو۔ ریڑھے پہ سلامتا جھگڑ اور علاقے کا افغان چوکیدار بیدار خان بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ گدھے کے [illegible]

[illegible] کی ماند اور آنکھوں میں قدرتی سرمہ پڑا ہوا تھا۔ میرے قریب پہنچ کر اس نے گدھے کے [illegible] کا سلامتا اور بیدار خان سلام کرتے ہوئے نیچے اتر آئے۔ ظاہر ہے میں نہیں سمجھا [illegible] نے گدھا گاڑی خرید لی ہے۔ میں نے خوش ہوتے ہوئے گدھے کے سر پہ پیار کیا اور گاڑی کے [illegible] کر اس کو دیکھتے ہوئے سرور کو مبارک باد دی تو وہ سر جھکا کر بولا۔

"بابا جی! یہ سب آپ کی دعائیں ہیں۔"

میں پوچھ بیٹھا "سرور! کتنے میں سودا پٹا.....؟"

اس کی بجائے مجھے سلامتے چنگڑ نے جواب دیا۔

"شاہ جی! اس کے پاس چار اور دو ہزار بھی نہیں یہ اکیس سو اُدھار کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے [illegible] صاف کہہ دیا ہے کہ اگر آدھا اُدھار کرنا ہے تو پھر پوری قیمت پانچ ہزار ہوگی اور اگر نقد لینا ہے تو [illegible] مگر یہ دو ہزار اُدھار کی کر رہا ہے اور قیمت بھی چار ہزار دے رہا ہے..... اب یہ آپ کو ریزھا [illegible] کے لئے لایا ہے آپ ہی فیصلہ کریں۔"

میں نے سلامتے چنگڑ سے کہا۔

"سلامتے! یہ آپ دونوں کا آپس میں معاملہ ہے ایک دوسرے کا خیال کرتے ہوئے خود ہی کوئی [illegible] لو۔"

سرور بولا۔ "بابا جی! میں اسے کہہ رہا ہوں کہ دو ہزار کیش لے لو اور باقی دو ہزار پانچ پانچ سو کی [illegible] قسطوں میں دے دوں گا....."

میں نے سلامت کی طرف دیکھا اور کہا۔

"سلامت! یہ تو معقول آفر ہے۔ یہ بے چارہ بھی غریب محنت کش ہے میں نے اسے خود ہی [illegible] کہا تھا کہ سائیکل کی بجائے کوئی ریڑھی لے لو۔"

سلامت سر کھجاتے ہوئے بولا۔

"چلئے شاہ صاحب! ٹھیک ہے۔ آپ بزرگ ہیں آپ مجھے بھی جانتے ہیں۔ میں آپ کے [illegible] والے خالی پلاٹ میں دو سال رہ کر گیا ہوں اور غریب آدمی ہوں۔ نہ میری نہ اس کی۔ آخری [illegible] یہ ہے کہ اگر یہ کیش دے تو چار ہزار اور اگر آدھا اُدھار کرے تو ساڑھے چار ہزار..... اگر منظور ہو تو [illegible] ورنہ اس کا بھی بھلا اور ہماری بھی خیر....."

اب بیدار خان بھی بولا۔

UrduPhoto.com

"حاجی صیب! یہ بات ٹھیک ہے' یہ انصاف کا بات ہے....."

میں نے بھی صاد کرتے ہوئے سرور سے کہا۔

"بول بھائی' اب تو کیا کہتا ہے.....؟"

وہ بولا۔ "ٹھیک ہے جی..... میں صرف دو دن کی مہلت چاہتا ہوں۔ آج جمعرات' کل جمعہ پرسوں تک میں چار ہزار نقد دے دوں گا....."

میں بڑا خوش ہوا کہ چلو سرور بھی اب بڑے سے ریڑھے پہ لمبی چوڑی پودوں کی ورائٹی رکھ کر بیوپار کرے گا اور خوب پیسے بنائے گا۔ میں نے ایک بار پھر سرور کو ریڑھے کی مبارک دی' اس نے پھر ہمیشہ کی طرح میری دعا کی ہی بات کی..... اب سرور کہنے لگا۔

"سلامت! اگر تمہیں میرا یقین ہو تو ریڑھا مجھے ابھی سے ہی دے دو۔ ایک تو میں اسے اپنے ماموں کو دکھا کر ان سے کچھ پیسے لینا چاہتا ہوں۔ دوسرے کل صبح مجھے کچھ مال بھی نرسری سے لانا ہے۔ سودا تیرا میرا بابا جی کے روبرو ہو گیا ہے' بس دو دن نکال کر پیسے میں خود پہنچا دوں گا....."

سلامتے نے کہا۔ "بالکل ٹھیک ہے' سودا تیرا میرا شاہ صاحب کے سامنے ہو گیا ہے لیکن ریڑھا تب ملے گا جب چار ہزار نقد میرے ہاتھ پہ رکھو گے یا پھر شاہ جی کہہ دیں۔"

سرور نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب ان کی دعائیں اور برکتیں ہیں۔ ہم بھی ان کے اور ریڑھا بھی ان کا....."

میری دعائیں واقعی مستجاب ہو گئی تھیں۔ میں نے سلامتے کی جیب خالی بھر لی تھی اور سرور ریڑھا لے گیا تھا..... ڈیڑھ برس ہونے کو آیا' نہ سرور دیکھا اور نہ وہ ریڑھا اور گو دھا البتہ زبانی کلامی سودے کے تین تیسرے دن سلامتا اور بیدار خان چوکیدار میرے ہاں پہنچ گئے تھے۔ میں نے سلامتے سے شام کے وقت لے لیا کہ سرور آتا ہی ہو گا مگر جسے نہ آنا تھا' وہ نہ آیا اور میں نے اپنی زبان کے مطابق مبلغ چار ہزار گن کر سلامتے کے ہاتھ پہ رکھ دیئے۔

اس واقعے کے ایک ماہ بعد ایک بوڑھا سا مفلوک الحال شخص میرے ہاں آیا' بتانے لگا کہ میں نیلم بلاک کے گندے نالے کے پل کے پاس سائیکلوں کو پنکچر لگاتا ہوں۔ میں دمہ کا مریض ہوں' چھوٹے بچے ہیں اور ایک ٹی بی کی مریض بیوی ہے۔ سرور جو مالیوں کا کام کرتا تھا' میرے پاس اپنی سائیکل میں ہوا بھرنے یا کبھی کبھی پنکچر لگوانے آیا کرتا تھا۔ ایک دن میرے پاس آیا اور کہا کہ میری سائیکل گلشن اقبال پارک کے باہر سے چوری ہو گئی ہے۔ اب نئی پرانی سائیکل خریدنے کی طاقت نہیں ہے

سائیکل روزانہ کرائے پہ دے دیا کرو۔ میں نے اپنے بیٹے کی سائیکل اسے روزانہ تیس روپے کے
پر دینا شروع کر دی۔ وہ صبح لے جاتا اور چار بجے واپس دے جاتا۔ کبھی کبھی وہ لیٹ حاضر بھی ہو جاتا مگر
روز آ کر سائیکل اور کرایہ دے جاتا۔ اب مہینے سے اوپر ہو گیا ہے' وہ سائیکل سمیت غائب ہے۔
میں یہ آدمی ہوں' کام نہ کروں تو رات کو بھوکا سونا پڑتا ہے۔ پیچھا کرنے کی ہمت طاقت نہیں' یہی سوچ
انتظار کرتا رہا کہ شاید وہ سائیکل پہ اپنے گاؤں چلا گیا ہو یا بیمار شمار ہو۔ آخر تنگ کر میں اسے تلاش
نے نکلا۔ ایک اور مالی سے پتا چلا کہ وہ سلامتے چنگڑ کا ریڑھا لے کر کہیں بھاگ گیا ہے۔ میں سلامتے
تلاش کرتا ہوا اس تک پہنچا تو اس نے مجھے آپ تک پہنچایا ہے۔ میں نے اس کی خستہ حالت زار دیکھ
سے بٹھایا' شربت پلایا اور عرض کی۔

"مستری صاحب! میں آپ کی سائیکل کی بازیابی کے لئے صرف دعا ہی کر سکتا ہوں' اور کچھ
نہیں۔ ویسے آپ نے میرے پاس تشریف لانے کی زحمت کس مقصد سے کی ہے؟"

وہ مسکرایا' جیسے بات نہیں کرے گا رو پڑے گا۔

"جی میں آپ کو کسی بات میں زحمت دار نہیں ٹھہرا رہا۔ میں تو صرف دعا کے لئے حاضر ہوا
ہوں۔ وہ میرے بچے کی سائیکل تھی اس نے اپنے پیسے جوڑ کر بڑے شوق سے خریدی تھی۔ وہ اس پہ
سوار ہوتا تھا۔ میں نے اسی لالچ میں کرائے پہ دے دی کہ تیس روپے روز ملا کریں گے' اس کی کتابوں
کاپیوں کا ہی خرچ نکل آیا کرے گا۔ اب اس نے رو رو کر برا حال کر لیا ہوا ہے۔ یہ بھی مجھے سلامتے ہی
سے پتا چلا تھا کہ میں آپ کو دعا کے لئے کہوں۔ میں سرمد کو بھی برا نہیں کہتا۔ پتا نہیں اسے کیا مجبوری ہو
گی۔ وہ کوئی برا لڑکا نہیں تھا' مجھے ہمیشہ چاچا جی کہا کرتا تھا..... اللہ اسے خوش رکھے"۔ وہ رو ہانسو سا ہو کر
کھڑا ہوا۔ "اچھا جی' تکلیف کی معافی چاہتا ہوں..... بس اتنی گزارش ہے کہ میرے اکلوتے بیٹے کے
لئے دعا فرمائیں۔ اللہ اسے سائیکل کے معاملے میں صبر دے اور اس کا پڑھائی میں جی لگے....."

وہ مجھے دعا کی مزید تاکید کر کے منہ چھپاتا ہوا چلا گیا' شاید اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے
تھے۔ دوسرے روز میں موہن مارکیٹ کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد نیلم بلاک کی جانب ہو لیا۔ ذرا
آگے نالے کے پل کے پاس وہی سائیکلوں والا مستری موٹے شیشوں کی عینک لگائے سائیکلیں مرمت کرتا
بیٹھا تھا۔ میں نالے کے کنارے سفیدے کے درختوں کی اوٹ لئے کافی دیر اسے کام کرتے دیکھتا رہا۔
وہاں باپ کی طرف سے ایک گیارہ بارہ برس کا دبلا پتلا مدقوق سا لڑکا شاید کھانا لے کر آیا تھا' پاس ہی کسی
گاہک نے کیلوؤں کا ڈھیر جما رکھا اور بارہ روپے درجن کی آوازیں لگا رہا تھا۔ وہ باپ بیٹا دونوں کیلوؤں

کے ڈھیر کے قریب چھاؤں میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ میں کالی چادر سے چہرہ ڈھانپے کیلوں کے ڈھیر کے پاس کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ بچے پیازی ایک بڑی سی گٹھڑی اچار اور روٹیاں تھیں۔ میں یہ سب کر چکنے سے واپس چلا آیا۔

وہ بھی جمعرات کا ہی روز تھا۔ میں اکثر اس دن گھر سے ہی نہیں اپنے آپ سے بھی باہر ہوں۔ یہ دن ویرانوں مزاروں قبروں اور ڈھیریوں پہ خجل خوار ہونے کا ہوتا ہے۔ میں باہر نکلنے کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ یہ باپ بیٹا ایک ہی چم چم کرتی ہوئی سائیکل لئے میرے ہاں آ پہنچے۔ بچے کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے میرے پاؤں چھونے کی کوشش کی۔ میں نے "اسلام علیکم" کہتے ہوئے پاؤں والی حرکت پہ مناسب سی سرزنش کی اور آنے کا مقصد دریافت کیا۔ مستری صاحب بولے کہ شاہ صاحب! میں نے اب لوہار کا کام چھوڑ دیا ہوا ہے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ پھر ہم من حیث القوم مزاج ہی ایسا بن چکا ہے کہ ہمیں اصلی حقیقی خالص چیز کی کوئی چیز اچھی ہی نہیں لگتی۔ ہر دو نمبر سے لے کر ایک سو ایک نمبر تک کی جعلی نقلی دو نمبر مصنوعی چیزوں کا ہم دیوانے ہو چکے ہیں۔ [illegible] تعلیم، تدریس، [illegible] اخلاق، [illegible] ادویات، انصاف، پاسپورٹ، شناختی کارڈ، [illegible] ڈپلومے، تمسکات، [illegible] اسناد، اخبار، [illegible] تصاویر، صوتی ذرائع ابلاغ، امیر سفیر، فقیر، [illegible] صحافی، کالم نگار اور سید شاہ [illegible] فیصد اکثر میری طرح خالص دو نمبر کے "شاہ جی" ہیں۔ سات [illegible] اکلوتا بھائی آٹھویں بہن کی طرح [illegible] کیا چنا کیا بھاڑ پھوڑنے کا۔ میں کس کس کو پکڑوں؟ آپ کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ سائیکل بلکہ بالکل نئی سائیکل سرور مالی نے کہی [illegible] ہاتھ آج صبح صبح بھجوا دی ہے۔ وہ بڑی خوشی سے بتانے لگا کہ آج صبح جب میں اپنی دوکان پہ [illegible] بھلا سا لڑکا یہ سائیکل لئے کھڑا تھا۔ کارڈ کارڈ سید مٹھائی کا ڈبا پانچ سو کا نوٹ اور سائیکل دیتے [illegible] وہ لڑکا بتانے لگا کہ یہ سائیکل سرور نے بھجوائی ہے اور کہا ہے کہ میرا گناہ معاف کر دیں۔ میں [illegible] مجبوری کے تحت لاہور سے باہر جانے اور سائیکل بیچنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔ اب شاہ صاحب کی دعا [illegible] میں نے لاہور سے باہر اپنی نرسری بنالی ہے اور خوب ٹھیک ٹھاک آمدنی ہو رہی ہے۔ آپ کی [illegible] کی جگہ نئی سائیکل حاضر ہے کرایہ بھی بھیج رہا ہوں اور سائیکل واپس ملنے کی خوشی میں مٹھائی بھی [illegible] کہ آپ میرا قصور معاف کر دیں گے۔ اتنا کہہ کر مستری نے مٹھائی کا ڈبا کھول کر میرے آگے [illegible]

"شاہ جی! مجھے یقین تھا کہ سچے سید بادشاہوں کی دعا فریاد کبھی خطا نہیں جاتی"

UrduPhoto.com

میں اس کے منہ کی طرف دیکھ رہا تھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ پھر مسکراتے ہوئے میں نے بسم اللہ کہہ کر برفی کا ٹکڑا اپنے کے منہ میں رکھا۔ اس کے سر پہ شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ مستری صاحب کا منہ میٹھا کر دیا اور ایک ٹکڑا خود بھی کھایا۔ مٹھائی میں بادام والی برفی ہی ایک ایسی مٹھائی ہے جسے میں "شوگر" ہونے کے باوجود بھی کبھی کبھی ٹونگ لیتا ہوں۔ دیکھا آپ نے میری پنگا لینے والی عادت مجھے کہاں کہاں خوار کراتی ہے۔ نہ میں سرور کے ذاتی معاملے میں دخل دیتا اور نہ مجھے سرور بن کر دس پانچ سو روپے اور مٹھائی کا ڈبا اس سائیکلوں والے مستری کو بھجوانا پڑتا۔

● کورے کپورے شادی کے پٹورے.....!

اسی طرح ایک اور شریف سا نوجوان جس کا نام بھی شریف تھا یہ بھی میرے پیاری زلفوں کا مشہور شریف پلمبر ایک دن میرے ہاں آیا رسمی بات چیت کے بعد کہنے لگا۔

"میں آپ کو ان کپوروں کے بارے میں بتانے آیا ہوں۔"

"بڑا مفید اور اچھا آدمی ہے۔ چلو اٹھو آج یہی کسی۔ بولو کہاں چلیں؟" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ ایک لمحہ سوچ کر بولا۔ "میو ہسپتال....."

"بالکل ٹھیک۔ گوال منڈی سرراج سامر تو ہیں کے پاس چلتے ہیں۔ چاہو تو لکھی چوک کے ہاں بھی جایا جا سکتا ہے....."

"میں کسی ہسپتال جانے کا کہہ رہا ہوں اور آپ شاید کا تک کر دے کپورے سمجھے ہیں....."

وہ میری غلط فہمی دور کر رہا تھا۔ میں اس کی طرح بیٹھ گیا۔ کھایا کھانے کا سارا موڈ آف ہو گیا تھا۔

"کھل کر بات کرو بھائی۔ ان کپوروں سے تمہاری کیا مراد ہے.....؟"

وہ میری دائیں جانب دیوار پہ آویزاں اسم اللہ کے طغرے کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "بابا جی! آپ بڑے بزرگ ہیں اور دوست بھی۔ جو کچھ میں آپ سے کہہ سکتا ہوں وہ کسی اور کو نہیں بتا سکتا۔ میں آپ کو مناسب معاوضے پہ کسی ضرورت مند کو دینا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے کئی ڈاکٹر ضرورت مند ہیں آپ کے ہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس معاملے میں میری مدد کریں میں احسان مند رہوں گا....."

اس کے منہ سے یہ بات سن کر میرا تو فیوز اڑ گیا' قہر بھری نظروں سے اسے تولتے ہوئے کہا۔

"اس سے پیشتر کہ تمہاری شان میں میرے منہ سے کوئی قصیدہ نکلے' تم مختصر سے الفاظ میں اس کی وجہ تسمیہ بکو....."

وہ مجھ پہ اچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھے چھوٹی سی تمہید سے بات شروع کرنی پڑے گی۔ اس کے لئے میں پیشگی معذرت خواں ہوں ـــ آپ نے پڑھا ہوگا کہ مرحوم اُستاد نصرت فتح علی خان کے گردے خراب تھے' ان کے مرنے لندن ان کی سالی بھی گئی تھی اس غرض سے کہ اگر گردے کی ضرورت پڑے تو وہ اپنا گردہ پیش کر سکے....."

"درست ـــ میں بھی اس وقت لندن ہی میں تھا' ان کی سالی کی جانب سے اسی جذبے کا اظہار ہوا تھا....."

"آپ مجھے بتائیں کہ ان کی سالی کا یہ جذبہ شرعی' اخلاقی اور قانونی حیثیت سے درست تھا؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل" میں نے قطعیت سے کہا۔ "یہ قابل تحسین و ستائش بھی ہے۔ ایک گردہ عطیہ سے معطی کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ مریض کو زندگی مل جاتی ہے۔"

"بابا جی! کیا میں کسی معصوم کی زندگی اور خوشیاں بچانے کے لئے اپنا گردہ نہیں دے سکتا؟"

"شریف میاں! آپ نے گردہ دینے کے لئے معاوضے کی بات بھی کی ہے ـــ کسی کی جان بچانے کے لئے اگر ایسا کیا جائے تو یہ بہت بڑا ایثار' قربانی اور اصل عبادت ہے اور اگر یہ کام معاوضے کی غرض سے کیا جائے تو یہ محض ضرورت یا تجارت ہے' اور اسلام میں زندہ مُردہ انسانی اعضاء کی تجارت کا تصور ہی باطل ہے۔"

"اگر کسی کے پاس مکان' زیور اور کوئی ایسی قابل فروخت چیز بھی نہ ہو۔ کسی سے قرض بھی نہ لے سکے اور پچاس ساٹھ ہزار کی اشد ضرورت بھی ایسی آ پڑے جسے اگر پورا نہ کیا جائے تو ایک معصوم کی زندگی تباہ ہونے کا امکان ہو۔ سامنے صرف تین راستے ہوں۔ معصوم بے گناہ کو برباد ہونے دیا جائے' چوری ڈاکہ ڈالا جائے یا پھر اپنا ایک گردہ بیچ دیا جائے جبکہ ایک گردے کے ساتھ بھی نارمل زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔ فرمائیے' کیا کہتے ہیں بابا جی اس مسئلے کے ـــ؟"

"اوں ہوں ....." میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کوئی چوتھا راستہ بھی ہو ـــ بات کھول کر کرو۔ اغوا برائے تاوان کا کیس ہے یا بلیک میل' زر ضمانت یا.....؟"

"ایک بھولی بھالی شریف سی لڑکی ہے جس کی نسبت اپنے چچازاد سے بچپن ہی میں ٹھہرا دی گئی تھی۔ اب دو مہینے بعد ان کی شادی ہونا طے پائی' لڑکی کے غریب والدین شادی کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں' لڑکے نے مطالبہ کیا ہے کہ اسے جہیز میں موٹر سائیکل اور ٹیلی ویژن چاہئے اور ان کے بغیر وہ شادی نہیں کرے گا جبکہ وہ اور اس کے والدین جانتے ہیں کہ لڑکی والے تین کپڑوں کے علاوہ کچھ اور نہیں دے سکتے....."

"اس کی وجہ کچھ سمجھ میں آئی کہ لڑکے میں یہ اچانک تبدیلی کیسے واقع ہوئی ہے؟" میں نے اسے بیچتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ... ان کے گھر سے چند گھر پرے ایک گھر ہے' آسودہ حال لوگ ہیں۔ ان کی ایک ہی بیٹی ہے لڑکے سے عمر میں بڑی لیکن پڑھی لکھی اور ایجوکیٹڈ ہے۔ اس کی باپ اور دو بھائی کویت میں ملازم ہیں۔ انہوں نے لڑکے کو موٹر سائیکل' ٹیلی ویژن اور جہیز کا لالچ دکھا کر گھائل کر لیا ہے۔ اب لڑکا موٹر سائیکل اور ٹیلی ویژن کے مطالبے کی آڑ میں منگنی توڑ کر وہاں شادی کرنا چاہتا ہے' وہ جانتا ہے کہ پچھلی منگنی اپنی تنگدستی کی وجہ سے اس کا مطالبہ پورا نہیں کر سکتے۔ اس طرح منگنی ٹوٹ جائے گی اور وہ اپنی مرضی کی شادی کر لے گا۔ اب لڑکی کی یہ حالت ہے کہ اگر اس کی شادی وہاں نہیں ہوتی تو بہت ممکن ہے وہ اپنی جان پہ کھیل جائے۔ سیدھی سادی لڑکی' بچپن سے ہی اسے من میں بسائے بیٹھی ہے۔ وہ یہ بات برداشت کر سکتی ہے کہ عین شادی کے دنوں میں وہ اسے ٹھکرا کر کسی اور کو دلہن بنا لے ...؟"

چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد میں نے ایک اور سوال کیا۔

"یہ بتاؤ' تمہیں یہ گردہ بیچنے کا خیال کیسے آیا ...؟"

"اخبار آپ بھی پڑھتے ہیں' دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی پڑھتا ہوں۔ آئے دن چھپنے والے اس بات نظر سے گزرتے رہتے ہیں' بڑے پرکشش معاوضوں کی پیشکش ہوتی ہے۔ ہسپتالوں کے باہر بھی بڑی فرمائش کے ساتھ گردہ فروش بھی بیٹھے ہوتے ہیں اور میں کئی ایسے لوگوں کو بھی جانتا ہوں جنہوں نے گردے بیچ کر اپنی بیٹیوں کے جہیز بنائے ہیں' سود خور پنچاتوں کے قرضے ادا کئے ہیں۔ ہمارے محلے کے نوجوان اپنے گردوں کی بدولت آج پیرس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ لمبی سرد سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"بابا جی! غریب انسان کسی فوری اور حادثاتی ضرورت کے لئے پیسے کہاں سے لائے؟ غریب بیمار مند کے لئے صرف یہی ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اپنے اعضاء بیچ کر اپنی ضرورت پوری

کرلے۔"

"اچھا ایک اور سوال ۔۔۔ اس لڑکی سے تمہارا کیا رشتہ یا تعلق ہے؟" میں نے اسے غور سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔ "گستاخی نہ سمجھیں تو میں فی الحال اس کا جواب نہیں دے سکتا یہ اخلاقی مجبوری ہے۔"

"اگر میں یہ ضرورت پوری کردوں ۔۔۔ میرا مطلب ہے قرض حسنہ کے طور پہ یا ویسے ہی ہمدردی....."

وہ میری بات بیچ میں ہی قطع کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"بڑی مہربانی بابا جی! آپ نے ایسا سوچا۔ اللہ آپ کو جزا دے آپ صرف کردے کے سے میں میری مدد فرمائیں۔ میں کروں گی ہوری کو رکھ کر کیا کروں گا ایک لڑکی کسی کے کام آجائے میرے لئے بہت ہوگی ۔۔۔ اور ہاں معاوضے کی بھی کوئی شرط نہیں ہوگی۔ اپنی خوشی اور سہولت سے ولی پچھلے لے تو وہ رقم کسی کے کام آجائے گی۔

وہ [illegible] کام ضرور [illegible] اگر آپ نے مجھے مایوس کر دیا تو مجھے کوئی اور راستہ تلاش کرنا پڑے گا ۔۔۔ رات بستر پہ لیٹے کاٹنے آتے تھے کسی کروٹ چین نہ تھا۔ کبھی شریف کا چہرہ سامنے آجاتا اور کبھی وہ معصوم لڑکی اس کے والدین اور کبھی اس خبیث لڑکے کی جانب [illegible] شریف سے کہہ کر اسے ہاں بلوا دوں گا اور اس انداز سے مجھے بیوقوف لاچی انسان کو سمجھاؤں گا کہ تمہاری ہونے والی بیوی تمہارا بچپن بھی ہے۔ معصوم گھریلو لڑکی بچپن سے لے کر جوانی کی دہلیز تک تمہاری پوجا کرتی رہی اس کے انتظار میں گھڑیاں گنتی رہی اور تم رشتے مٹوا مال اور جہیز کے لالچ میں اپنے سے بڑی لڑکی سے [illegible] کرنے چل گئے ہو۔ اگر وہ [illegible] تو اس کے ماں باپ سے بھی ملوں گا شاید ان میں ہی کوئی [illegible] رقم باقی ملے یا خود ہی معقول سامان خرید کر لڑکے والوں کے گھر چھوڑ آؤں گا لیکن شریف نے تو مجھے اپنا پتہ نہیں بتایا۔ شاید وہ شریف آدمی کسی سفید پوش کو بلانا نہیں کرنا چاہتا۔

میں شریف کو بڑی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اب تک وہ بہت قبل وہ میرے گھر پانی [illegible] مرمت کرنے آیا تھا۔ اکثر یہ بجلی والے ترکھان پلمبر مستری وغیرہ دہاڑی لگانے کے چکر میں ہوتے ہیں کام چاہے کتنا ہی معمولی اور آسان ہو یہ کھینچ کھانچ کر مزدوری کر کے اسے مشکل بنا دیتے ہیں۔ [illegible]

[illegible] پیار کرنے لگانے پہ اصرار کریں گے پھر پرانے پرزے بھی ساتھ لے جائیں گے اور نئے [illegible] پہ دوگنا دام سے کمیشن وصول کریں گے۔ دیسی ولایتی کے گھپلے میں بھی پیسے بناتے ہیں۔ آنے [illegible] مال حلال۔ گھٹنے کا کام پوری دیانت کے ساتھ میں ذمہ لیں گے اور آپ کو چھیل چھال تو ان [illegible] کے چلتے ہیں گے۔ یہ اسے ڈبا کا یا چھوڑے اتارنا کہتے ہیں لیکن یہ رہتے ہمیشہ بھوکے اور [illegible] ہی ہیں۔ جتنی کمائی دیسی لگائی جیسے سوہم اور دیا جوائی۔ شریف پہلی بار پیپ مرمت کرنے آیا تو [illegible] اس کی پیشانی پہ ہو دیکھا۔ یہ مجھے کچھ معقول سا دکھائی دیا۔ اپنے نام کی طرح شریف۔ میں [illegible] کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"بھائی! میں کسی اور ڈھنگ کا آدمی ہوں۔ اپنی جائز مزدوری ضرور لیتا ہوں مگر پہلے لے لو [illegible] کھانا حاضر کروں پھر میں سر پہ سوار رہوں گا [illegible] ایک ایک۔ کام ٹھیک کرنا مجھے [illegible] کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔ جس پرزے کی ضرورت ہو خود لاؤ۔ دیسی ہو تو دیسی بتانا ولایتی نہ کہنا۔ [illegible] ایمانداری سے کمیشن نہ کھانا۔ سب حلال کمائے تو روزی رزق میں برکت ہو چہرے پہ نور [illegible] گھر میں خوشی خوشحالی اور اتفاق ہوگا۔ آزمائش شرط ہے۔"

[illegible] میرا [illegible] ہوا [illegible] وہ وفادار تھا۔ [illegible] نے اسے جاتے پانی کھانے کے علاوہ اس کی توقع سے زیادہ مزدوری دی۔ یہ تعلق پہلی ملاقات [illegible] اب وہ آتے جاتے سلام کی غرض سے میرے پاس آنے لگا۔ میرے مشورے پہ اس نے داڑھی بھی [illegible] سگریٹ میں خاطر خواہ کمی کر دی اور میری باتوں کا اس پہ اثر بھی ہوا تھا۔ نوالے لگانے اور [illegible] اتارنے بھی چھوڑ دیئے تھے۔ نماز بھی پڑھنے لگا یعنی اس طرح سے میری اس سے جان پہچان [illegible] ہو گئی۔

دوسرے روز میں نے اپنے ایک ڈاکٹر بچے کو ٹیلی فون پہ سارا ماجرا سنایا۔ شریف سے بھی ملاقات [illegible] ہسپتال لے جا کر مختلف ٹیسٹ ہوئے اور ٹھیک چار روز بعد اس کا گردہ نکل گیا۔ شریف [illegible] کے بعد بڑا خوش تھا۔ خوش کیوں نہ ہوتا کہ ستر ہزار روپے تھا اس کو ملے تھے۔ دو ہفتوں کے بعد [illegible] وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو میرے پاس آیا۔

"بابا جی! بات تو ساری ٹھیک ہو گئی ہے لیکن ایک الجھن اور پڑ گئی ہے۔ لڑکا کہتا ہے کہ مجھے [illegible] پہ راڈ و گھڑی بھی چاہئے اس کا انتظام بھی کریں۔ اس کی نیت ٹھیک نہیں لگتی۔ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ [illegible] کر یہاں شادی کرنا نہیں چاہتا۔ پیسے تو سارے خرچ ہو گئے ہیں کیا اب دوسرا گردہ [illegible]

"وہ تمہارا دوسرا اٹھ کھا کر بھی کوئی اور بہانہ کر دے گا پھر تیسرا اٹھ وہ کہاں سے لاؤ گے۔"
میں نے شریف سے پوچھا۔

"کیا دل یا پھیپھڑے پتہ یا تلی ... ہاتھ بازو کان وغیرہ نہیں بک سکتے ...؟"

"بکواس مت کرو ... تم انسان ہو کچھ اور نہیں ..." غصے سے میں کانپنے لگا۔

"ڈیمانڈ کرنے والا بھی تو مجھ جیسا انسان ہے ..." خشک ہونٹوں کو دانتوں تلے دباتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"وہ انسان نہیں پاگل لگتا ہے ... تم مجھے اس سے ملا دو یا اس کا پتا بتاؤ میں اس کو سیدھا کر لوں گا....."

"نہیں بابا جی! میں ایسا نہیں کر سکتا ..... وہ لڑکی اس سے بے حد پیار کرتی ہے ابھی اسے اس کے خیالات اور مطالبات کا علم نہیں ورنہ ہی ہم اسے بتانا چاہتے ہیں ... بابا جی وہ بڑی حساس اور ضدی لڑکی ہے مر جائے گی....."

میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ..... تم کسی طرح لڑکے کو ... [illegible]

"بابا جی مگر ہم اس کے بے جا مطالبات کیسے پورے کریں گے ...؟"

"شریف صاحب! اس وقت یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں جتنا اہم یہ کہ ہم لڑکے کو ان لوگوں کے چنگل سے نکالنا ہے چاہے اس کے لئے ہمیں جائز ناجائز کچھ بھی کرنا پڑے ... کر دہ آپ سے کہہ دیا اب ہم بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ ایک گھڑی کے لئے ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے بعد آپ اسے کتنا کچھ بھی اور چاہے لسٹ بنا کر ہمیں دے دو۔ جہاں سو وہاں سوا سیر سہی ..... دیکھیں وہ کہاں تک جاتا ہے؟"

میں نے اسے ایک نئی راہ دکھا کر دی اور کہا۔

"اور بھی جو کچھ مانگے مجھے بتا دینا ... انتظام ہو جائے گا۔"

وہ گھڑی لے کر چلا گیا اور میں سوچنے لگا کہ انسان لالچ میں آ کر رشتے ناتے اپنے رسول سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اسے سوائے وقتی فائدے کے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ یہ سمجھ میں آتا کہ یہ لڑکا برا نہیں ہے اچھی عقل اور اچھی سوچ کا مالک ہے۔ کسی نہ کسی طرح ان کی [illegible] اپنے مطلب کا پا کر ان لوگوں نے اسے بھرپور جہیز کا لالچ دے کر قابو کر لیا ہے۔ اس نے بھی سوچا [illegible]

[illegible] سیدھی سادی عام سی لڑکی سے شادی کر کے کیا ملے گا' محض بیوی۔ جبکہ اُدھر شادی کرنے سے [illegible] بیوی کے علاوہ وہ بھی سب کچھ ملے گا جو شاید ساری عمر حاصل نہ ہو سکے۔ وہ محض لالچ میں آ کر [illegible] اور اگر یہ ساری چیزیں اُسے یہاں سے ہی میسر آ جائیں تو یقیناً وہ کوئی راہ فرار نہ پا کر اپنے [illegible] پر ہی آ جائے گا۔ میرے دل میں اُسے ملنے یا کم از کم دیکھنے کی خواہش شدت پکڑ چکی تھی۔ [illegible] ملے گا تو مجبور کروں گا کہ بھائی! مجھے ایک بار اس سے ملا تو سہی ممکن ہے کہ میری کوئی بات [illegible] سمجھ میں بیٹھ جائے۔''

[illegible] بارہ روز بعد شام کے وقت اُس کا ٹیلی فون آیا۔

[illegible] میں سروسز ہسپتال سے بول رہا ہوں۔ منظور کی آنکھ نکل گئی ہے' ڈاکٹر اس کا آپریشن [illegible] ہیں.....''

[illegible] فون بند ہو گیا' میں بے جان ریسیور کو دیکھتا رہ گیا۔ ہسپتال' منظور کی آنکھ نکل گئی' آپریشن؟ [illegible] ہے' خاک پتہ نہ چلا۔ کپڑے تبدیل کر کے ہسپتال چلا گیا۔ شریف مجھے ایک دو عزیزوں [illegible] اور وہاں سے ہی مل گیا۔

''مجھے یقین تھا آپ ضرور آئیں گے' میں کب سے یہاں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔''

میں اُسے پکڑ کر پارکنگ ایریے میں لے آیا۔

''ساری بات بتاؤ' کیا ہوا۔ یہ منظور کون ہے؟''

''یہ وہی موٹر سائیکل اور راڈ والا منظور ہے۔'' وہ پھر کو اُن لمحوں کے گرد بیتا کھانا کھا رہا تھا۔ [illegible] ٹرے میں شیشے کا پانی سے بھرا ہوا جگ رکھی' بے دھیانی میں وہ جگ پھسل کر نیچے شیشے کی میز پر [illegible] چیلوں میں گرم گرم سالن تھا۔ جگ کے شیشے اور شیشے کی میز کی کرچیاں چنگاریوں کی مانند اُڑیں' [illegible] شوربے کے ساتھ شیشے کی کوئی کرچی دائیں آنکھ میں گھس گئی' وہیں بیٹھے بیٹھے آنکھ کا ڈیلا بیٹھ گیا۔ [illegible] خونوں سے چہرہ لتھڑ گیا۔ کسی طرح ہسپتال پہنچایا۔ میں کہیں گیا ہوا تھا' گھر پہنچا تو یہ خبر ملی اور [illegible] یہاں پہنچا تو ڈاکٹر اُسے آپریشن تھیٹر لے جا چکے تھے۔ ابھی تک وہ اندر ہی ہے۔''

باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ شریف کا ایک عزیز بھاگتا ہوا آیا' اطلاع دی کہ منظور کو وارڈ میں لے [illegible] ہے۔ ہم دونوں اندر آئے۔ ڈاکٹر اس کی رپورٹ لکھ رہے تھے' انہوں نے بتایا کہ اس کی ایک [illegible] ہو گئی ہے' دوسری آنکھ بھی شیشے کے ٹکڑوں اور گرم سالن کی وجہ سے زخمی ہے۔ صفائی کر دی گئی [illegible] روز بعد پھر ہلکے سے آپریشن کی ضرورت پڑے گی۔ وارڈ کا پوچھ کر ہم اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

UrduPhoto.com

"اب چارے کی آنکھ ... باباجی دعا کریں اس کی دوسری آنکھ بچ جائے"

وہ کوئی ہوئی آواز میں مجھ سے کہہ رہا تھا۔ میرے پیچھے سے فوراً نکلا۔

"ہو آنکھ کھرا کھوٹا پتھل سونا نہ پہچان سکے وہ رہے نہ رہے کیا فرق پڑتا ہے ...؟"

وہ سیڑھیوں کی ریلنگ پکڑ کر رک گیا۔

"باباجی! آپ بھی ہو میرا چچا زاد بھائی تو ہے ... یقین کریں وہ بڑا اچھا لڑکا تھا۔ بھلی دوست بھی ... اس دماغ خراب ہو گیا۔ دولت اور عورت چیزیں ہی ایسی ہیں اچھے اچھوں کی عقل پر ڈال دیتی ہیں"

میں اسے بات بات تکنے لگا ... اسی نوع کی باتیں کرتے ہوئے ہم وارڈ میں آ گئے اس کے کے نرسوں والی کر عارضی پردہ کر دیا ہوا تھا۔ دو نرسیں اندر باہر آ جا رہی تھیں اندر شاید کوئی ڈاکٹر کارروائی میں مصروف تھا۔ پاس ہی منظور کے والد اور ایک جوان سال لڑکی بیٹھی آنکھوں سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ وہ ہمیں دیکھتے ہی سہمی سی اس کے والد تیاری جانب بڑھے"

"[illegible]"

شریف آگے بڑھ کر پوچھنے لگا۔ جواب میں وہ اس کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیے مری سی آواز میں کہنے لگا۔

"شریف چچا! ایک آنکھ بچ گئی دوسری کا انتظار ہے ... ڈاکٹر کہہ رہا ہے کہ تھوڑا آگے ہیں لیکن ٹھیک ہو جائے گی"

شریف نے میرا مختصر سا تعارف کرایا وہ میرے ہاتھ چومتے ہوئے دعا کے لیے التجا کی میرے سامنے کچھ فاصلے پر اکیلی کھڑی تھی۔ میں نے اسے بغور دیکھا وہ سر جھکائے شاید مدد کی مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی یہ لڑکی یقیناً منظور کی منگیتر چچا زاد بہن تھی ... ایسے میں ہیڈ وارڈن ہمارے آئی۔

"پلیز آپ لوگ باہر ویٹنگ روم میں تشریف لے جائیں۔ ہمارے ڈاکٹر راؤنڈ پر آئے ہیں"

شریف کہنے لگا۔ "کیا ہم دو منٹ کے لیے مریض کو دیکھ سکتے ہیں؟ ... میں اس کا چچا اس کے والد صاحب ہیں..."

"مریض بے ہوش ہے ..." وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔ "زیادہ سے زیادہ ایک منٹ ..."

UrduPhoto.com

[illegible] کے بعد آپ باہر تشریف لے جائیں....."

پورا چہرہ سفید پٹیوں سے ڈھکا ہوا ناک اور منہ میں پلاسٹک کی نلیاں لگی ہوئی تھیں۔ بند سفید [illegible] مشینیں بھی سرہانے کے قریب بڑی تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ پتلی پتلی تاریں سر اور سینے سے [illegible] تھیں۔ لڑکی بھی اندر آتی بھیگی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ باہر آ کر سیدھی میں امی نے [illegible] سے پوچھا۔

"بیٹی کی منظوری کی؟"

"ہاں یہی اس کی منگیتر ہے۔ اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں یہ میری چھوٹی بہن ہے۔"

"مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا اور پوچھا۔

"وہ لوگ نظر نہیں آ رہے ان کے گھر یہ حادثہ ہوا؟"

چاچا نے بتایا کہ حادثے کے وقت وہ اپنے گھر پہ موجود تھے انہیں علم نہیں تھا کہ منظور ان کے گھر [illegible] جا رہا ہے۔ ان کی ملازمہ بوکھلائی ہوئی آئی اطلاع دی کہ منظور زخمی ہو گیا ہے وہاں پہنچے تو [illegible] ہوا پڑا تھا۔ اس کے کپڑے صوفے [illegible] دیوار سامنے کی چھت اس [illegible] اترے پڑے تھے۔ [illegible] ہوئے تھے۔ [illegible] ہوئے جہاں اس کی [illegible] سے پانی کا پائپ پھسلنے سے یہ حادثہ پیش آیا۔ ماں دل کی مریضہ دل پکڑے صوفے پہ نڈھال [illegible] تھی۔ منظور نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی۔ ہم نے فوراً گاڑی کا انتظام کر کے ہسپتال پہنچایا۔ باقی [illegible] آپ کے سامنے ہے۔

تیسرے دن منظور کا ایک اور آپریشن ہوا باقی ماندہ آنکھ سے مزید شیشے کے ذرات نکلے تھے۔ [illegible] روز میں اس کی پٹی اتار کر سبز شیشوں کی عینک پہنا دی گئی۔ بینائی بری طرح متاثر ہوئی تھی جو [illegible] روشنی اور دھندلے دھندلے سائے دیکھنے کی متحمل تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق وہ آہستہ آہستہ صاف [illegible] کے قابل ہو جائے گا۔ پندرہ سولہ روز مزید گزر گئے۔ اس کی منگیتر اور شریف کی بہن جس کا نام [illegible] تھا مسلسل اس کی تیمارداری میں مصروف رہی جبکہ وہ لوگ ایک بار بھی اسے دیکھنے ہسپتال تک نہ [illegible] منظور جب گھر لوٹا تو ایک آنکھ مصنوعی پتھر کی اور دوسری کمزور بینائی والی جس میں سرخ سرخ زخم [illegible] تھے۔ اب تو جیسے اس کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ جہیز، موٹر سائیکل، [illegible] گاڑی تو دور کی بات [illegible] نے تو منگایا ہوا جہیز بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسے شریف کے کردار پہ بھی علم ہو چکا تھا۔ وہ [illegible] آنکھ سے آنسو بہا بہا کر شریف سے معافیاں مانگتا رہتا کہتا کہ میری وجہ سے آپ نے زخم کھایا تھا،

UrduPhoto.com

نے مجھے سزا دے دی۔ آپ بھی سچے دل سے مجھے معاف کر دیں۔ جو تاریخ شادی کے لئے متعین تھی اسی تاریخ کو بڑی سادگی سے نکاح کر دیا گیا۔ شادی کے لئے جو کچھ تیار تھا اُس کے باپ نے لے لیا اور ستر ہزار روپے زبردستی شریف کو ادا کر دیئے کہ تمہارے گردے کی قیمت ہمارے لئے حرام ہے۔ کچھ دنوں بعد شریف میرے پاس آیا رونی سی شکل بنا کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔

''اب کیا بات ہے۔؟'' میں نے غور سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ لیجئے۔؟'' اُس نے ایک لفافہ میرے سامنے دھرتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا ہے۔؟''

''روپے ہیں وہی جو آپ نے مجھے دلوائے تھے۔ جن لوگوں نے اپنے مریض کے لئے مجھ سے گردہ خریدا تھا' ان کا پتا آپ کے پاس موجود ہوگا۔ انہیں یہ روپے واپس کر دیں' اب مجھے ان کی ضرورت نہیں۔''

''وہ تو مکمل ہو چکی' اب یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دیئے ہوئے روپے واپس لیں..... ویسے یہ روپے تم نے کس سے حاصل کئے۔؟''

اُس نے مجھے ساری بات بتائی کہ کس طرح زبردستی سے منظور کے باپ نے یہ روپے دیئے ہیں۔ پھر بولا۔

''اب جنہوں نے یہ روپے واپس کر دیئے ہیں' تو مجھے بھی یہ روپے آپ کو لوٹا دینے چاہئیں.....''

وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ میرے پاؤں پکڑ کر رونے لگا۔

''بابا جی! جو ڈرامہ آپ نے میرے ساتھ کیا ہے' میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس سے آگاہ ہو چکا ہوں آپ نے اپنے دوست ڈاکٹر سے مل کر میرا جھوٹا آپریشن کروایا..... اور روپے اپنے پاس سے دیئے۔ میرے جسم میں دونوں گردے موجود ہیں.....'' اُس نے ایک بڑے لفافے سے ایک ایکسرے نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ ''آج صبح میری کمر میں سخت درد اُٹھا تو ڈاکٹر کے پاس گیا۔ اُس نے مجھے گردوں کا ایکسرے کروانے کا مشورہ دیا' ایکسرے کروائے تو ڈاکٹر نے کہا کہ تمہیں معمولی پیشاب کی تکلیف ہے' خوب پانی پیو۔ تمہارے دونوں گردے صحت مند ہیں۔'' میں نے جب اُسے اپنے گردے کے آپریشن کے متعلق بتایا تو اُس نے پھر میرا ایک اور ایکسرے لیا' لا کر مکمل معائنہ کیا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگا کہ بھائی! تمہارا گردہ نکالا نہیں گیا بلکہ تمہارے ساتھ ڈرامہ کیا گیا ہے' صرف اوپر سے کھال کو چیر دے کر

UrduPhoto.com

ٹیکے لگا دیئے گئے ہیں۔ یقین نہ ہو تو کسی اور ڈاکٹر سے معائنہ کروالو۔۔۔ اس کے باوجود میں ایک اور ڈاکٹر کے پاس گیا' اس نے بھی اچھی طرح معائنہ اور دوسرے کے بعد پہلے ڈاکٹر کی بات کی تصدیق کر دی۔۔۔ بابا جی! آپ بڑے گریٹ۔۔۔"

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میں اسے برا بھلا کہنے لگا۔

"بہتر ہے کہ تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔ تم جیسے کم ظرف لوگ تو کسی غریب کا پردہ بھی رہنے نہیں دیتے۔۔۔ دفع ہو جاؤ' اور مجھے کبھی اپنی شکل مت دکھانا۔"

ملاحظہ فرمایئے آپ نے دو مختلف انسانوں کے دو مختلف قصے۔۔۔ سرور مالی اور شریف پلمبر! ایک نے دو نازک پودوں کو توجہ' راحت اور پیار سے نشوونما دینے والا' سینچنے اور نگہداشت سے پروان چڑھانے والا انسانوں کے اعتبار اور خلوص و پیار سے کیسا مذاق کرتا ہے اور ایک آدمی تحقیر' تلخی' توانائی سے محروم آزمائش کرنے والا کیسے نفیس جذبات اور دوسروں کے پیار اور اعتبار کو معتبر رکھتا ہے۔

بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ بھانگا لگانے کی عادت والا بڑا خوار اور ذلیل خراب ہوتا ہے۔ وہ بھانگا چاہے کسی کے گھر دروازے یا ذاتی معاملات میں ہو یا کسی کے دل دماغ یا وجود میں' روح میں ہو۔ حسن میں یا [illegible] کسی تعمیری [illegible] میں یا کسی [illegible] کی کوشش میں ہو' کسی کی صورت و سیرت میں ہو یا کسی کی دانش و بصیرت میں ہو' اس کا انجام کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوتا۔ [illegible] کو تانکا جھانکی کی بڑی عادت ہوتی ہے۔ یہ پہلے اپنے "گھر" سے شروع ہوتا ہے۔ اپنے دل کے کسی روزن سے اندر جھانکے گا۔ وجود و جدان کی ٹوہ لیتا رہے گا۔ روشنی اور روح کی جاسوسی کرے گا۔ ادھر سے تسلی نہ ہوا تو اپنے اردگرد شروع کر دے گا' یہاں کچھ خاطر خواہ نظر نہ آئے تو کائنات اور خدا کی خدائی کو ٹٹولتا پھرے گا۔ عرش فرش' لوح و قلم' مکاں لامکاں' ہست الست' ہر جگہ تانکا جھانکی کرے گا۔ کرکٹ کے گیند اور فٹ بال کی مانند ہر وقت' گرفت و رفت' نرم و سخت۔ نگاہوں ٹھوکروں کی زد میں بھی رہتا ہے۔ یہاں' کبھی وہاں۔ اس کے نصیب میں پکا چھپکی' لڑھکنا' اڑنا' ٹھہرنا' مل کھانا ہی لکھا ہوتا ہے۔

● جلوتِ نقش و مثال' محشرِ عزم و خیال۔۔۔۔!

کھیلنے والے کھیل کر چلے گئے تھے اور مجھے اس گیند کو لانے کے لئے چھوڑ گئے جو میں ہی

سنگلوں والے کے آستانے کی چاردیواری کے اندر کہیں پڑی ہوئی تھی۔ کیسی خوش نصیب گیند تھی جو ایک درویش کے اندر جھانکا لگانے کے لئے اڑ کر وہاں پہنچ گئی۔ اب میں اس چاردیواری کے واحد دروازے کے باہر کھڑا سوچ رہا تھا کہ اندر داخل ہونے کا کیا وسیلہ ہو؟ گیند کا اندر جھانکا لگانا اتفاق تو تھا ہی مگر مجھ مذبذب کے بھاگوں تو جیسے چھینکا ٹوٹا تھا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا جیسے کوئی گنہگار فرشتوں کی آنکھ سے بچ نکل کر جنت کے دروازے تک پہنچ گیا ہو اور اب اس کا واحد مسئلہ صرف اندر داخل ہونا ہو۔ وہ باہر کھڑا بڑا دماغ لڑا رہا ہے مگر فی الحال کوئی قابل عمل ترکیب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔ دروازہ دم سا نکلے بڑا اور بڑی مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ وہی دیسی سی کنڈی لگ رہی تھی جو دروازہ مقفل کرنے کے علاوہ کھٹکھٹانے کے کام بھی آتی ہے۔ اب میں دروازے میں سے کوئی روزن تلاش کر رہا تھا کہ کچھ تو نظر آئے کہ "درِ دولت" کے اندر کون سی جنت تھی؟ پوست کی درپٹی کے کاریگر اک دریچی دکھائی پڑی آگے بڑھ کر آنکھ دھرنے کا جتن کرتے ہوئے جونہی دروازے پہ ہاتھ دھرا اگلی کی پٹ چرچراتے پٹ اندر کی جانب تھوڑا سا کھسک گیا جیسے دروازہ اندر سے بند نہ کیا گیا ہو صرف بھیڑ رکھا ہو۔ ذرا سا مزید دباؤ ڈالنے سے پٹ کھلتا چلا گیا۔ اندر بڑا پاکیزہ اور مقدس سا ماحول تھا۔ ابھی وقت نہیں ہوا تھا اور اذان میں بھی دیر تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ میاں جی سورج غروب ہونے سے پہلے شہر خموشاں سے واپس اپنے آستانے پہ پہنچ جایا کرتے ہیں۔ اب میں پاؤں پہ پاؤں دھرتا ہوا ہولے سے اندر داخل ہو چکا تھا یونہی محسوس ہوا جیسے میں تمدید گری اور جس میں سے گزر کر اچانک کسی بستی پرسکون اور ازلی سے مقام پہ آ نکلا ہوں۔ باہر کی دنیا کوئی اور تھی اور یہ جہاں کچھ اور ہے۔ پیچھے دروازے کا پٹ بھیڑتے ہوئے میں چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اب میں تو تعمیر مکمل سے دالان میں کھڑا تھا اور میرے سامنے کوئی بیس گز کے فاصلے پہ اندازاً دو گز اونچے چبوترے پہ ستونوں پہ اٹھایا ہوا گول سا گنبد تھا۔ مگر اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ کوئی دیوار وغیرہ تو تھی نہیں۔ پانچ گول اٹھے ہوئے ستون جن پہ گنبد تھا۔ چبوترے پہ چڑھنے کے لئے فراخ سیڑھیاں بھی سامنے تھیں۔ یہ سب کچھ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے تکمیل کے دوران اچانک کسی وجہ سے بقیہ کام روک دیا گیا ہو۔ ہر جا ننگی اینٹیں اندر باہر کہیں بھی پلستر وغیرہ کا تکلف نہ تھا۔ گنبد والے چبوترے کے چاروں اطراف خالی جگہوں پہ اینٹیں روڑے بجری ریت مٹی وغیرہ اور جھاڑ جھنکاڑ کے طومار لگے پڑے تھے۔ صدر دروازے والے برآمدے اور گنبد کے علاوہ اور کوئی تعمیر یا کمرہ دکھائی نہ دیا جہاں میاں جی کی موجودگی کا گمان کیا جا سکتا ہو مگر مجھے یقین تھا کہ میاں جی یہیں کہیں موجود ہیں۔ کہاں ہیں؟ یہی کھوجنے کے لئے میری نظریں آستانے کی چاردیواری کے اندر ہر جگہ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر میں

UrduPhoto.com

سوچنے لگا کہ یہاں تو مجھے میوں جی جیسا بھلا انسان دکھائی نہیں دے رہا' اک چھوٹی سی گیند کہاں ملے گی؟ ایسی وسیع جگہ جو تعمیراتی مال مسالے' کاٹھ کباڑ اور جھاڑ جھاڑیوں سے اٹی پڑی ہو' کسی گیند کو تلاش کرنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی گھپ اندھیری کوٹھڑی میں کسی بزرگ کے چھوٹے سے گوڑ کو تلاش کرتا پھرے اور پھر اوپر سے اس راگیشری اور قت ملاپ کے اچنبھے سے تو سامنے پڑا ہوا' سیدھے لگے اور سیماب گھلا ہوا نرمہ جا پڑے۔ میں نے گیند کی گندی چھوڑی اور اس گیلانی کی گرہ پہ دھیان دیا جس نے ایک گیند کو تو دیوار کے اوپر سے اڑا کر کہیں چھپا لیا تھا اور دوسرے گیند کو اوڑ کھلا چھوڑ کر اندر بلا لیا تھا۔ سیڑھیوں کے دہرے کھڑا میں اپنے آپ ہی گنگنانے لگا.....

"کب تک سب چھپیں گی مجھ سے نیناں ملا کے"

سورج طلوع ہونے میں دیر لگے تو لگے مگر سورج غروب ہونے میں بڑی جلدی ہوتی ہے۔ غروب تمام ذرا سا تھا' کال لال کالا کالا' کجرنیوں سے ہلکی سی ادا دکھائی اور سرمگی آنچل سے گھونگھٹ کاڑھ لیا۔ بسم اللہ پڑھ کر میں نے پہلی سیڑھی پہ پاؤں رکھا۔ دوسری' تیسری' چوتھی پہ پہنچ کر میں رک گیا۔ سامنے قبرستان شروع تھا۔ سامنے [illegible] پکی اینٹوں کے تھڑے پہ مٹی کا ایک ڈھیر ہوا دیا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ قبر میاں جی کے بابا جی یا کسی بزرگ کی ہو لیکن ایسی ویرانی' تنہائی' اداسی [illegible] روایتی بزرگوں کی قبروں کی مانند یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ یوں تو قبر بھی مٹی کا ایک ڈھیر ہی ہوتی ہے۔ پھول پتی' خوشبوئیں' اگربتیاں' دیئے' چراغ' مصلے' چادر' غلاف اور کچھ دیگر لوازمات اس ڈھیر کو بزرگ کی قبر' گلدستہ مبارک یا مزار شریف بنا دیتے ہیں مگر یہاں ایسا کوئی تکلف نہیں تھا۔ نیچے ارد گرد بھی تو جا بجا مٹی کے ایسے ڈھیر تو دے لگے پڑے تھے۔ اب میں اس شش و پنج میں تھا کہ فاتحہ پڑھوں یا بھاگ لوں؟ [illegible] بیدار ارادہ اچانک میرے منہ سے نکل گیا۔

"السلام علیکم یا صاحب مزار" میں نے فاتحہ شریف کے لیے ہاتھ اٹھا لیے تھے' فوراً جواب ملا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" جیسے کئی' ان سنی سی ہوئی۔ میں سورۃ الفاتحہ پڑھ رہا تھا' اچانک مجھے جھٹکا سا لگا کہ یہ "وعلیکم السلام" کی آواز کہاں سے آئی ہے؟ اب زیر لب تو فاتحہ جاری تھی لیکن آنکھیں دائیں بائیں' سامنے کسی "وعلیکم السلام" کہنے والے کو تلاش کر رہی تھیں۔ یہ بھی خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ میرا محض وہم ہو۔ فاتحہ شریف ختم ہو گئی مگر وعلیکم السلام والا وہم یا تجسس ویسا ہی باقی تھا۔ میں قبر کی پائنتی کی طرف کھڑا تھا' پوری قبر میرے سامنے تھی۔ بڑی آہستگی سے سرہانے والے پکی اینٹوں کے تھڑے کے پیچھے سے جس پہ مٹی کا ڈھیر سا دیا پڑا ہوا تھا' سرکار میوں جی کا سر مبارک یوں ابھرا جیسے صوفے کے

آفتاب ابھرتا ہے۔ میں نے میاں جی کو پہلی مرتبہ آج سوا ہیٹ کے بغیر دیکھا۔ سر پہ سفید کاٹھی شانوں پہ ابر رحمت کی مانند اتری ہوئیں۔ دھیمی سی مسکراہٹ کا اجالا وہ پُرنور چہرے پہ لئے شفقت بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

زمین کا ماہتاب لحظہ لحظہ اوپر ابھر رہا تھا اور آسمان کا آفتاب اب بڑی عجلت سے اک جھکائی لے کر نیند چھپا گیا تھا۔ وہ مرقد کے سرہانے کی جانب کی سیڑھیوں سے چبوترے پہ تشریف لے آئے۔ جسم پہ وزنی زنجیریں اور پاؤں کی آہنی بیڑیاں دیکھتے ہی میں کانپ سا گیا۔ نگاہیں جھک کر ان کے قدموں سے لپٹ گئی تھیں۔ ہاتھ ناف پہ بندھے ہوئے ہلکا سا جھکا ہوا سر۔ میں کہیں سے کہیں پہنچا ہوا تھا۔

انسان جب اپنے بحر ظلمات میں اترتا ڈوبتا ہے اور پھر ابھرنا سیکھ لیتا ہے اور فی نفسہٖ ان جملہ کیفیات کے جمال و کمال، انگ رنگ کی مرصعیاں اور مرشاریاں جیسے کسی حد تک آشنا ہو جاتا ہے تو پھر اس کے لئے وقت جیسے تھم سا جاتا ہے، وہ زمان و مکاں کی نظر نہ آنے والی قید و بند سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کائنات کے تمام گنتے قاعدے، قانون، اصول، طور طریقوں سے وہ جیسے مستثنیٰ سا ہو جاتا ہے۔ یہ مراقبہ بھی وجدان، گیان کی ایک کیفیت ہوتی ہے۔ اس جن اور قسموں کے علاوہ یہ وصف وظیفہ جنات، چرند پرند، نباتات، جمادات [illegible] پایا جاتا ہے [illegible] کیفیت بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ اس کائنات کی ہر تخلیق کسی نہ کسی سطح، کسی نہ کسی شکل، حالت و انداز میں اپنے خالق حقیقی کے وجدان، گیان میں آ جاتی ہے۔ مجھے اپنی جنگل خواری، صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کے دوران بارہا ایسی مخلوقات دیکھنے، ان سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مختلف وقتوں سے اور مختلف حالتوں میں معرض مراقبہ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ کئی تو ہزاروں لاکھوں برسوں سے ابھی تک مراقبوں میں ڈوبی ہوئی تھیں اور نہ جانے کب تک وہ اسی حالت میں رہیں۔ سکندریہ، بابل، نینوا، کوہ ارارات، حضرموت، سائبیریا، زنجان، جلال آباد، کوہ البرز، رے، جبل نور، جبل ثور اور مکران و قوبیہ میں کئی ایسے پتھر، چٹانیں، درخت، جانور اور انسان و جن دیکھے جو صدیوں سے حالت مراقبت میں پڑے ہوئے ہیں، گو تعداد زمانہ اور گردش لیل و نہار نے ان کی ہیئت کذائی میں ایسی عجیب و غریب سی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں کہ عام انسانی آنکھ ان کی اصل حقیقت کو پہچان نہیں سکتی۔ کائنات کو تو علیحدہ رکھئے، اس ارض کے خشکی بحر کرہ میں لاتعداد ایسی جگہیں ہیں جہاں تک ابھی انسان کی رسائی نہیں ہوئی۔ خلاء تو باہر ہے، سمندر تو دسترس میں ہے اور یہ قریب قریب سارے کا سارا ہی اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایسے ایسے عجائب، تحیر، اسرار، دفن و معدنیات، مدائن و خزائن پوشیدہ ہیں کہ انسان ان کی افادیت و اہمیت کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہے۔ انسان کی جستجو اور علم و سائنس نے اپنے

تھیں زمین کے چپے چپے کو کھنگال ڈالا ہے مگر نہیں ابھی وہی دور ہے۔ دیوار اور پہاڑ تک پہنچ کر انسان رک جاتا ہے کہ آگے راستہ بند یا ختم ہے حالانکہ اصل کھوج تو وہیں سے شروع ہوتی ہے۔ ارض تو ایک شہابیہ ہے کائنات میں اس کی حیثیت ایک ننھے سے ذرے سی ہے۔ جو ذرا سے ذرے کو بھی ابھی تک ذرہ بھر نہ سمجھ سکا اچھی طرح نہ دیکھ بھال اور جان سکا وہ بھلا اس کائنات کو کیا جانے اور سمجھے گا اور پھر اس کائنات کے آگے بھی ایسے لاتعداد عالم ہیں۔ بیت المقدس، جبل نور، جبل رحمت، جبل ثور، مدینہ شریف، نجف، جھیل سیف الملوک وغیرہ میں کئی ایسے شجر، حجر اور ستون کھڑے پڑے ہیں جو مراقبے میں اترے ہوئے جنات ہیں۔ اسکندریہ، قاہرہ، بنان و شام میں بھی ایسا کچھ بہت دیکھا۔ اسی لئے کہا گیا کہ پتھر، کنکر اور خشت (کی چھال) گوبر اور کوئلہ وغیرہ سے نجاست مت صاف کرو ان سے جنات کی غذا اور جا کا تعلق ہے۔ انسان یا جن جنہیں مراقبہ کرنے کا چسکا پڑ جاتا ہے پھر وہ باز نہیں آتے۔ جونہی کہیں موقع ملا سر جھکایا اپنے آپ میں اتر گئے۔ وہی بات کہ سویا مزا برابر ہوتا ہے۔ اگر دیکھا ہوگا کہ کوئی سویا تو پھر جاگا ہی نہیں وہیں سوتے سوتے ہی سوئے عدم مراجعت کر گیا۔

سوتے ہوئے انسان کے جسم سے اس کا نوری جسم خارج ہو جاتا ہے جس طرح کوئی ایسا شخص صبح کام پہ جاتے ہوئے اپنے کپڑے یا ہرنٹ کو اتار جاتا ہے مگر مراقبہ میں ایسا نہیں ہوتا اس حالت میں نوری جسم باہر نکل نکلتا بلکہ وہ خاکی جسم کی کثافت، دماغ کے ابلتے ہوئے فاضل فتور اور دل کی دریدہ ذہنی کو درست کرنے میں لگ جاتا ہے۔ جیسے جیسے مراقبہ میں حضوری اور لذت پیدا ہوتی جاتی ہے مراقبہ طویل ہوتا جاتا ہے۔ صلوٰۃ بھی تو مراقبہ ہی تو ہے بلکہ معراج المراقبات ہے فرق کے ساتھ کہ مراقبۃ الذات میں نماز کی طرح قرأت اور قعود و قنوت نہیں ہوتے۔ مراقبۃ الذات میں اکثر تو نہیں لیکن کبھی کبھی ایسا مقام بھی آ جاتا ہے کہ صاحب مراقبہ واپس نہیں پلٹتا بس وہیں کہیں اندر ہی لٹک جاتا ہے۔ پھر لوگ اٹھا کر نہلا دھلا اور کفنا کر دفنا دیتے ہیں جبکہ وہ طبعی موت مرا نہیں ہوتا۔ اسی لئے بڑے بڑے ریاضی، حیاتی، ارضی علمی اور درویش آبادیوں سے کہیں دور نکل کر جنگل، پہاڑ، غاروں، گپھاؤں میں مراقبہ کرتے ہیں کہ اس حالت میں اگر ان کا مراقبہ طوالت پکڑ لے (یہ طوالت سینکڑوں مہینوں، برسوں اور صدیوں پہ بھی محیط ہو سکتی ہے) تو انہیں کوئی پریشان کرنے والا نہ ہو۔ اس صورت میں ان کے خاکی جسم پہ کوئی خاص اثر نہیں پڑتا کیونکہ ان کا نوری جسم اسے سنبھالے رکھتا ہے۔ ایسا جسم سوکھ کاٹھ کر پتھر سا ہو جاتا ہے۔ برسوں صدیوں بعد صرف اس کے خلیے اور رنگت میں تبدیلی آ جاتی ہے مگر کایا تبدیل نہیں ہوتی۔ خاکی جسم کی تازگی جو پانی کی مرہون منت ہوتی ہے ختم ہو جانے سے پوست و استخوان سوکھ و خشک ہو جاتے ہیں مگر وجود اور اس کے

UrduPhoto.com

اندر وہ جہاں زندہ رہتا ہے کیونکہ اس کی غذا اور ضرورت ہوا پانی اور خوراک نہیں۔ عام لوگوں کے لئے کے لئے "سماعی غذا" یعنی کلام ہو ہی مثال سامنے ہے۔ مراقبہ کا ایک حصہ وہ بھی بہت سی قسم کے مراقبات ہیں مثلاً مراقبہ الموت مراقبہ اسم اور بھی بہت سے جن کا ذکر فی الوقت ضروری نہیں۔

میں ہر قسم کے خوف پہ دونوں ہاتھ باندھے مودب کھڑا تھا یعنی ہم مراقبے میں بیٹھ گیا تھا۔ میاں جی سامنے مراقبے کے مراحل طے کر رہے تھے اور میں جیسے گرو کے سامنے شاگرد ایسا کھڑا ہو۔ خدا جانے یہ آپ کے سامنے وہی کیفیت کتنی دیر تک قائم رہی بس مجھے صرف اتنا ہوش ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز سنائی دینے لگی۔ میاں جی فرما رہے تھے۔

"چلو وضو کر لو....."

ایک تنگ سے کنویں پہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں ایک چھوٹا سا کنواں بھی ہے جس کے دہانے پہ ایک چوبی اینٹ سی پڑی ہوئی تھی۔ اوپر لوہے کے سریے میں لکڑی کا پہیہ سا پڑا ہوا تھا۔ لکڑی کا ایک ڈول کپڑے کی ایک موٹی رسی سے بندھا ہوا تھا۔ میاں جی نے خود ہی کنویں سے پانی کھینچ کر مجھے وضو کروایا۔ ایسا ٹھنڈا میٹھا امرت سا پانی۔ میاں جی نے خود ہی فرمایا کہ پانی کھینچ کے تم ٹھنڈے پیپے بھر کر پانی پیو۔ چنانچہ [illegible] پانی کی طرح یہاں بھی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں لیکن کچھ زیادہ چوڑی اور فراخ۔ ان سیڑھیوں کی بغل کے ساتھ کچھ گہرائی میں ایک چھوٹے دروازے سے گزرتے ہوئے ہم اندر تہہ خانے میں اتر آئے۔ اللہ اللہ! یہاں تو عام سی کچھ اور تھا کسی دیئے یا روشنی چراغ کے بغیر ہی ہر چیز واضح دکھائی دے رہی تھی۔ تازہ ہوا اور سوندھی سوندھی پکی مٹی کی خوشبو نے ایک جوں فراحم کا ماحول پیدا کر رکھا تھا کہ طبیعت بشاش بشاش ہو گئی۔ گول بڑا سا تہہ خانہ دیواریں پکی اینٹوں سے اٹھائی گئی تھیں۔ اوپر یعنی تہہ خانے کی چھت بھی پختہ تھی۔ دیواروں میں کچھ روزن سے نظر آ رہے تھے جو شاید تازہ ہوا کی آمد و رفت کے لئے تھے۔ درمیان میں ایک قبر کھدی ہوئی تھی کنارے پہ نکالی ہوئی مٹی کے ڈھیر لگے تھے۔ کدال اور بیلچے بھی پاس دھرے تھے۔ قبر کے دونوں اطراف کھجوری چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ پانی کا مٹی کا کوزہ لوٹا۔ ایک آدھ مٹی کا برتن اور چند ایک پارچات بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میاں جی نے مجھے قبر کی دائیں جانب چٹائی پہ بٹھایا مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"پہلے کچھ کھا پی لو پھر کوئی اور بات ہوگی....."

انہوں نے نہ جانے کہاں سے ایک بڑا سا سیب نکالا۔ ایسا خوش نظر خوش رنگ اور فربہ سیب

"تم نے اپنی اس وقت تک کی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنی فوجی وردی میں کہیں سے ایک بڑی چاقو نکالا۔ سیب کی قاشیں کاٹ کاٹ کر بسم اللہ پڑھتے ہوئے مجھے کھلانے لگے۔ سیب کی حلاوت و شیرینی، خوشبو اور خنکی بتا رہی تھی کہ یقیناً یہ سیب اس دنیا کے کسی باغ کا ثمر نہیں اور نہ ہی ان دنوں سیب کا موسم تھا۔ ابھی تو آموں، آڑوؤں کی منڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ سیب تو کہیں دکھائے کو بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ایک عجیب سی بات یہ بھی تھی کہ اس سیب کو جیسے جیسے ہم کھاتے جا رہے تھے، ویسے ویسے ہی اس میں برکت بڑھتی جا رہی تھی۔ جب میاں جی نے محسوس کر لیا کہ پیٹ بھر چکا ہے تو انہوں نے بھی ہاتھ روک لیا۔ سیب اپنی جگہ اور میری یہ سوچ اپنی جگہ کہ یہ روشنی یہ نیم اجالا کہ زیر زمین اس اندھیری جگہ پر سب کچھ صاف صاف دکھائی دے رہا ہے۔ بظاہر کوئی چراغ بتی بھی دکھائی نہیں پڑتی۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟" میاں جی مسکراتے ہوئے فرمانے لگے۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اتنا زیادہ غور مت کیا کرو۔" وہ مجھے کھڑا کرتے ہوئے بولے۔ "گیند سنبھالو اور جلدی سے گھر جاؤ۔ گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اور ہاں کل فجر کی نماز سے پہلے تھوڑی بعد اور ظہر کی نماز سے آدھ گھنٹہ پہلے تک جب بھی چاہو یہاں آ سکتے ہو۔ آڑوؤں کھلانے کا۔"

میں نے [illegible]

"میاں جی! اجازت ہو تو ایک آدھ بات پوچھ لوں...؟"

وہ میرا بازو تھام کر مجھے اٹھاتے ہوئے بولے۔

"آؤ میں تمہیں باہر سڑک تک چھوڑ آؤں... رات ہو گئی ہے۔ یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں۔"

کھدی ہوئی قبر پہ میں ایک نظر ڈالتے ہوئے ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ چبوترے پہ چڑھ کر وہ گنبد کے نیچے والی قبر کے پاس رک گئے، کہنے لگے۔

"یہ مجازی قبر مٹی کا ڈھیر ہے، یہ زمین سے اوپر اور اندر سے خالی ہے، صرف دکھائی دینے کے لئے ہے۔ نیچے والی حقیقی زندہ قبر زمین کے اندر ہے۔" میرا ہاتھ پکڑ کر وہ پائیں کی سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے مزید فرمانے لگے۔ "ویسے مرنے کے بعد مجازی یا حقیقی دونوں قبروں کی ضرورت نہیں رہتی۔ یاد رکھنا۔"

وہ آگے مزید کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ صدر دروازہ بلکا سا کھلا کر وہ مجھے ساتھ لے کر باہر نکل آئے تھے۔ پاؤں کی چھن چھن کرتی بیڑیاں اور وزنی زنجیریں... بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"میاں جی! آپ نے اتنا بوجھ اٹھا رکھا ہے، کیا آپ کو تکلیف نہیں ہوتی...؟"

جواب میں فرمایا۔ "یہ بوجھ نہیں میرا اعزاز ہے۔ یہ میرا انعام میرے تمغے میرے لئے پھول گجرے اور گہنے ہیں۔ اسی لئے تو میں انہیں پہن کر سجا کر شہر بھر کو دکھاتے جاتا ہوں کہ دیکھو مجھے میرے بابا نے کیسے گہنے پہنائے ہیں۔" انہی باتوں میں ہم بڑی سڑک تک آ گئے فرمایا۔ "اب تم سیدھے گھر جاؤ..... فی امان اللہ انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی....."

● بدن کا بخار، روح کا خمار.....!

پھر وہی سلسلہ کہ صبح ان کی آمد سے پہلے میں اپنی گلی کے سامنے ان کے انتظار میں کھڑا ہوتا۔ ان سے پہلے ان کے "زیور گھنٹوں" کی چھن چھن مجھ تک پہنچ جاتی تھی۔ میں انہیں اونچی سڑک سے اک قلندرانہ شان سے آتے ہوئے دیکھتا۔ وہ مجھے کسی اونچے پربت سے ترائی میں اترتے ہوئے کسی مہان تپسوی کی مانند دکھائی پڑتے ہوئی کالے گیک دھیان گیان میں جیا کر جھولے سے پھر بستی کی جانب لوٹ آیا ہو۔ برابر پہنچتے تو میں قدم میں نظریں بچھا کر سلام و تحیات کی طرح بچھا دیتا۔ ان کی خفیف سی مسکراہٹ مجھے سارا دن شاداں و فرحاں رکھتی۔ شام ان کے لوٹنے کے وقت میں پھر سلام کو نیاز کے لئے موجود ہوتا۔ پھر سر پہ چڑھی رات میں رنگین ازاں کھلونوں میں سوار نجانے کیسی کیسی گلرنگ جنت نظیر وادیوں اور خوش نظر مرغزاروں میں گھومتا پھرتا۔ ایک غلطی یہ ہوئی جو میں نے محض شوبازی اور اپنی اہمیت جتانے کی خاطر محلے کے دوستوں اور گھر میں کاں کی رٹ لگا دیا کہ میاں جی کے ڈیرے میرے علاوہ کوئی اور بچہ داخل نہیں ہو سکتا اور وہاں اگر اوا گیند بھی میرے سوا کوئی اور نہیں لا سکتا اور میاں جی نے مجھے جنت کے باغ سے اگی خوشبو مغاس اور لذت والا بڑا سا سیب اپنے ہاتھوں سے کھلایا ہے۔ سیب والی بات کے علاوہ باقی ساری سنوری پہ یقین کر لیا گیا۔ بات بھی صحیح تھی کہ سیب پنجاب تو پنجاب ابھی کشمیر کامل دکھ میں بھی دستیاب نہیں تھا۔

ان ہی دنوں مجھے موسمی بخار نے آ لیا۔ دو چار روز سخت نقاہت اور نیم بیہوشی کے عالم میں گزرے۔ سمجھ بوجھ ماری گئی تھی۔ میاں جی کی جانب سے بھی تو خبر ملی ہوئی تھی۔ بخار آیا تو کمزوری اور لذت ذائقے کی بے سوادی نے ناک میں دم کر دیا۔ دلیہ کھچڑی دہی اور ایسی ہی بے ذائقہ بے لذت چیزیں کھا کھا مت ماری ہوئی تھی۔ موسمی پھل بھی زہر لگتے تھے۔ بس سارا دن گھر پلنگ پہ لیٹا رہتا یا پھر ریڈیو اخبار رسالوں سے جی بہلانے کی کوشش کرتا رہتا۔ ماں جی نے کئی بار کہا کہ کاکا! ذرا اٹھ کر باہر کا چکر لگا لو

یہ دوستوں سے موٹر میرا کہیں بھی جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ کمزوری کے بعد جیسے ہلکی سی ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ سوکھے پڑے ہوئے ہونٹ، پچکی پچک آنکھیں، اندر ہاڑوں کی ابھری ہوئی رگیں۔

پچھلے محلے سے ایک گوجری اپنے فروخت کرنے ہمارے گھر آیا کرتی تھی۔ میں دالان میں چارپائی پہ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز سا تھا۔ مجھ پہ نظر پڑتے ہی وہ میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ کچھ لمحے میری آنکھوں میں جھانکنے کے بعد وہ باورچی خانے میں ماں جی سے کسر پھسر کرنے لگی۔ میں نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ گوجری کچھ میرے ہی بارے میں ماں جی کے کان بھر رہی ہے۔ میں چارپائی سے اٹھ کر ماں جی کے پاس پہنچ گیا۔

"ماں جی! یہ ماسی گوجری مجھے یوں دیدے پھاڑ پھاڑ کر کیوں دیکھ رہی تھی؟"

ماں جی نے کہا۔

"گوجری کہہ رہی ہے کہ کاکا کہیں ڈر گیا ہے۔ کاکا جی! مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ تو جو سائیں سنگاں والے کے ڈیرے پہ گیا ہے نا، وہیں سے تجھے یہ سر لگی ہے۔ اب تو بالکل ٹھیک ہو کر ٹھیک ٹھیک ہو جائے گا۔"

گوجری نے یہ کہہ کر اپنا قندھاری انار نکالا جاتے تو اسے بھر گرم بھوسے میں دبا دیں۔ صبح نچوڑ کر اس کے رس میں چٹکی بھر سفید زیرہ پیسا ہوا ملا کر اسے پلا دیں۔ اگلے روز ہی اس کی کمزوری رفع ہو جانے کے علاوہ اس کی بھوک بھی کھل جائے گی، ہیجان کا اثر بھی جاتا رہے گا اور ڈر خوف سے بھی نجات مل جائے گی۔

جونہی میں نے قندھاری انار کا سنا تو یوں لگا کہ گوجری نے جیسے میرے دل کی بات کہہ دی ہے۔ میرے اندر سے جیسے ابل ابل کر یہ خواہش نکل رہی تھی کہ کہیں سے قندھاری انار ملے، خوب خوش رنگ، خوش اور قدرے ترش۔ یاقوتوں کے طرح ترشے ہوئے لال سرخ گلابی دانے زندگی بخش تراوٹ اور حلاوت سے بھرے ہوئے ہوں اور میں خوب جی بھر کر کھاؤں۔

بیمار کی بھی اپنی ایک الگ سی بھوک اور خواہش ہوتی ہے۔ ایسی ایسی چیز چاہے گا جو کہیں بھی دستیاب نہ ہو۔ موسمی اور متعدی بخاروں کے مریض، اکھڑتے لاوے بچے، سر پہ چڑھے ہوئے معشوق اور پیلو تھی کے بچے والی حاملہ عورت یہ چاروں "چیزیں" ہمیشہ غیب و غریب، ناقابل حصول، کمیاب اور بے موسمی چیزوں کی خواہش کا اظہار کر کے اپنے متعلقین کی محبت، برداشت اور جیب کا امتحان لیتی ہیں۔

اس قندھاری انار سے ایک حکایت یاد آ گئی جو بابا جی کی زبانی سنی تھی۔

UrduPhoto.com

● الف انار ب بیمار پ پیار.....!

باباجی فرماتے تھے کہ جس عشق یا محبت کی منزل مقصود یا انتہا عورت یا مرد ہو وہ فساد فتور اور فتنہ ہے۔ مرد عورت دونوں اک دوجے کے لئے شریک حیات یعنی میاں بیوی کے روپ میں ہی رحمت و برکت ہیں۔ اس مقدس بندھن کا مقصد و معنی ہی محبت ہے۔ جو مرد و زن اس مقدس بندھن کے بغیر ایک دوسرے سے سچے عشق و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ متوازن شخصیت و کردار کے حامل نہیں ہوتے بلکہ وہ ذہنی جنسی مریض ہوتے ہیں۔ اپنے ہر دو کو آپس میں شادی نہیں کرنی چاہئے اور اگر ایسا ہو جائے تو پھر اولاد پیدا نہیں کرنی چاہئے۔ اب آیئے حکایت کی طرف۔ کسی نیک خو، عادل و بہادر رحم دل اور بیدار دماغ فرمانروا کا انکوتا بیٹا جو ولی عہد سلطنت بھی تھا ایک ناچنے گانے والی خوبصورت عورت کی مست نگاہی کا اسیر ہو گیا۔ اسی شغل شب و صحبت میں وہ کار سلطنت سے بھی بیگانہ ہو گیا۔ ارباب نشاط کی مصاحبت اور شب و روز کی بادہ نوشی نے پوری کر دی۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ اس کا بیٹا اب بیکار ہو چکا ہے کاروبار سلطنت سنبھالنے کا اہل نہیں رہا اور کوئی نصیحت و فہمائش بھی اس پہ اثر انداز نہیں ہوتی تو اس نے [illegible] چھمن نامی عورت اور اس کے تمام قبیلے والوں سب کو ملک بدر کر دیا۔

بادشاہ اور اس کے شہزادے ان کا معاملہ تو ہاتھیوں جیسا ہوتا ہے۔ زندہ ہو یا مردہ سوا لاکھ کے۔ بادشاہ شہزادے حکمران ہوں یا معزول، مخصوص بادشاہ ہی ہوتے ہیں۔ ان کے رتبہ و مزاج و مطالبات میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ یہ احمق بدذات عیاش شہزادہ اپنا تمام جہاز متاع و مال لے کر اپنے باپ کی عملداری سے باہر نکل آیا اور ایک وسیع سے صحرا میں خیمے گاڑ دیئے خوشامدی مصاحب اور حواری ساتھ اور وہ محبوبہ دلنواز پہلو میں تھی۔ شیشہ و جام آلات موسیقی مزے دار۔ ہر روز عید اور ہر شب شب برات تھی۔ کہتے ہیں کہ مفلسی دوست، عیاشی بدکاری کے حوالے کی ہوئی جوانی۔ طوائف زادی اور دونوں ہاتھوں سے بے دریغ لٹایا جانے والا مال بہت جلد ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ جب تک مال و منال کی چکا چوند اور شہزادے میں رعب داب دم خم رہا سارے ہی وفاداری اور جانثاری کا دم بھرتے رہے۔ جونہی ذرا خرچ خرچا میں احتیاط آئی خوشامدیوں نے بھی دوسرے ٹھکانے تلاش کرنے شروع کر دیئے۔ ادھر محبوبہ دلنواز کے مزاج بھی تیور سروں کی طرح چڑھ گئے۔ وہ زمان بازاری خوب جان گئی تھی کہ اب بانسری کے لالچ بجنے کا سمے لد گیا ہے لیکن وہ یہ بھی خوب سمجھتی تھی کہ شکاری کے جال میں پھنسا ہوا پرندہ

[illegible] بے بس نہیں ہوتا جتنا کسی صاحب اقتدار و منصب کے چنگل میں جکڑا ہوا انسان ہوتا ہے اور وہ [illegible] بھی ایسا کہ جس کے لئے تخت و تاج پہ لات مار دی ہو۔ کہتے ہیں کہ جتنے بازاری عورت کے سر [illegible] ہوتے ہیں اس سے دگنے اس کے پاس چکر ہوتے ہیں۔ مکاری، عیاری، فریب، عشوہ طرازی، [illegible] بہانہ بازی، لجانے، پچھتانے اور آنکھوں پہ نچانے کے ہزار ہا رنگ ڈھنگ اس کی پوروں میں [illegible] ہوتے ہیں۔ دبنگ سے دبنگ مرد کو کاٹھ کا الو بنانے کے لئے اسے ارجائی ساعت درکار ہوتے ہیں۔ [illegible] آفت کی پرکالہ نے کمال مکاری و اداکاری سے حاملہ ہونے کا ڈھونگ رچایا اور شہزادے کو اس [illegible] پہ لگایا کہ ہمارے ہاں یقیناً اولاد نرینہ پیدا ہو سکتی ہے۔ بادشاہ سلامت اپنے پوتے کی خوشخبری سن [illegible] ہماری خطائیں معاف کر دیں گے اور ہمیں واپس راجدھانی میں بلوا کر ہماری پذیرائی فرمائیں گے۔ اس [illegible] ایک صورت ہمارے بچاؤ اور آنکھوں کے ٹھنڈک ہے۔ لیکن ... وہ "لیکن" کہہ کر خاموش ہو گئی اور [illegible] دانتوں سے کھیلنے لگی۔

شہزادے نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"اے نگین جان! اس "لیکن" کے آگے کیا ہے؟"

وہ کمال [illegible]

"شہزادے! کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے ایک فقیر کی نگاہ جو مجھ پہ پڑی تو پاس بلا کر [illegible] کہ تو ملکہ بنے گی۔ تیری کوکھ سے جو پہلی اولاد پیدا ہوگی وہ بھی اپنے وقت کی حکمران ہوگی" [illegible] کر اس نے شرماتے ہوئے شہزادے سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس فقیر کی یہ پیشین گوئی ضرور [illegible] ہوگی لیکن ..."

شہزادہ ایک بار پھر "لیکن" سن کر الجھ گیا۔ اس کی عنبریں زلفوں کے پیچ و خم میں انگلیاں پھنساتے [illegible] دوبارہ پوچھنے لگا۔ "اس "لیکن" کی گرہ کھولو اور جو من میں رکھا ہے وہ صاف صاف بولو۔"

وہ ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے بتانے لگی۔ "شہزادہ عالی! اس فقیر نے یہ بھی کہا تھا کہ جب [illegible] پیٹ پڑے تو پھر وہی کچھ کھانا جو من بھاتا ہو۔ اب کی بہو بیٹے کوئی شے لبوں تک لا کر نہیں چکھی۔ [illegible] کھانا چنا دیکھتے ہی ابکائیاں آنے لگتی ہیں۔ من بھی چاہے کہ کوئی بڑا سا سرخ انار جو خوب پکا اور [illegible] پھیلے رسیلے جو لہو دانوں سے بھرا ہوا ہو اسے کھولوں تو وہ سرخ گلاب کی۔ بند کھل اٹھے۔ میں دانہ دانہ [illegible] چوسوں۔" پھر نگاہیں جھکا کر آہستہ سے کہنے لگی۔ "مجھے تو یوں لگتا ہے پیٹ میں آپ کا شہزادہ بھی [illegible] کچھ چاہتا ہے۔" پھر بڑی لگاوٹ سے شہزادے کے پاؤں پہ سر ٹکاتے ہوئے اک ادا سے کہنے لگی۔

UrduPhoto.com

"شہزادہ عالی! کچھ بھی محنت کرو مجھے کہیں سے انار لا کر دو ورنہ میرا برا حال ہے اور زندگی بے کار ہے۔ پیٹ بھی مانگے اور پیڑ بھی....."

شہزادے نے تمام گفتگو سنی اور کچھ سوچتے ہوئے سر ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد بچے کھچے حاضر باشوں کو بلوا کر حکم دیا کہ کمال عجلت و طراری سے چاروں کھونٹ پھیل جاؤ۔ جہاں سے کہیں سے جیسے بھی بن پڑے رسیلے مٹھاس سے بھرپور خوش رنگ و خوشبودار انار تلاش کر کے لاؤ اور منہ مانگا انعام و اکرام پاؤ۔ کارندگان زمانہ دیدہ و چشیدہ نے ہاتھ باندھے التجا گزاری کہ موسم انار و انجیر تو ابھی بہت آگے ہے اور دور تک کہیں نام و نشان تک نہیں۔ سوائے یاس و حرمان اور کوئی راہ ناکامی اور کامرانی کی دکھائی نہیں دیتی۔ شہزادے نے تیور بدلتے ہوئے تلوار بے نیام کی اور نہایت نخوت و غرور سے کہا۔

"اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ کہیں صبح ہے تو کہیں شام پڑ رہی ہے۔ گرمی ہے تو کہیں سردی، کہیں تمور پکا ہے تو کدھر شتالو پکا ہے۔ ٹھیک حالی کا موقع ہے انار کی طلب شدید اور حالات کشیدہ ہیں۔ منہ دھو رکھو تو اناروں کی ڈالی لے ورنہ کہیں بھی منہ کالا کر لینا۔"

حکم حاکم مرگ مفاجات کا طوق گردن میں ڈالے چاروں طرف پھیل گئے۔ کئی دنوں کے انتظار و بے قراری کے بعد [illegible] خبر لائے کہ ہم نے کوس بطرف مشرق وہ گلزار کے دامن میں ایک بے مرو ہریالی پڑا ہوا اپنے اناروں کے باغیچے میں بیٹھا اپنے سامنے دھرے پڑے سینکڑوں اناروں سے اٹھے پکے پکے سرخ اناروں کو دبا دبا کر ان کے شیریں رس سے اپنی پیاس بجھا رہا تھا۔ ہمارا آمد کی بھنک پا کر اس نے ہمیں بھی پیٹ بھر کر رس پینے کو دیا مگر وہ اور تو کیا انار کا ایک دانہ بھی دینے پہ تیار نہ ہوا اور نہ ہی اس نے کسی لالچ یا خوف کا اظہار کیا۔ ہم نے کہا کہ بابا سینکڑوں پکے انار گرنے اور رس کے بوجھ سے پھٹے جا رہے ہیں۔ ایک آدھ دانہ ہی دے دو اور منہ مانگے دام حاصل کرو مگر وہ کسی طور پہ ایک انار کا چھلکا بھی دینے کو تیار نہ ہوا۔ ہم نے سوچا کہ اسے ہلاک کر کے تمام انار لے کر چل دیتے ہیں مگر اس نے فوراً ہمیں خبردار کر دیا کہ جو کوئی زبردستی کا ارتکاب کر کے انہیں لے جانے کا وہ مرتکب نقصان اٹھانے کا لہٰذا ہم جلد ہی نشاندہی کر کے آپ کو اطلاع دینے کی خاطر چلے آئے۔ شہزادے اور اس کی محبوبہ نے جب یہ ساری داستان سنی تو بہت خوش ہوئے جھٹ پٹ وہ چنڈالہ بولی۔

"میرے شہزادے! فوراً جاؤ اور میرے من کی مراد لے کر آؤ....."

شہزادہ اپنے مصاحبین کے ساتھ بے آرام و بے تکان منزلیں مارتا ہوا جب وہاں پہنچا تو بوڑھے

درویش کو اپنے اناروں والے باغیچے میں اس حالت میں پایا کہ آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف کھلے پھٹے ہوئے کھائے اناروں چھلکوں کے ڈھیر پڑے ہیں۔ درویش کے سامنے اب صرف ایک ہی انار پڑا تھا جسے وہ ہاتھ بڑھا کر نچوڑنے ہی والا تھا کہ شہزادہ کمال عجلت گھوڑے سے کود کر سامنے آ گیا اور عرض گزاری کہ انار کی جانب رغبت کرنے سے پیشتر میری التجا سن لی جائے۔ درویش نے ہاتھ روک کر شہزادہ کو بات کرنے کا موقع دیا۔

"درویش بابا! میرے حرم میں اولاد نرینہ کی آس بندھی ہے۔ حاملہ انار کھاتی تو جیتی ہے ورنہ کاہیں کرتی کرتی مرتی ہے۔ آپ سے بنتی ہے یہ آخری انار مجھے دان کر دیں اور اس کے عوض جو چاہیں گے ہم آپ کے چرنوں میں ارپن کر دیں گے۔"

بوڑھے انجانی لاغر درویش نے کمال بیگانگی اور بے غرضی سے شہزادے اور انار کی جانب دیکھا اور پھر بڑی متانت سے کہا۔

"میں پورا برس اپنے اس اناروں کے باغیچے کی حفاظت اور آبیاری کرتا ہوں۔ پرندوں کیڑوں مکوڑوں سے بچاتا ہوں اس لئے کہ [illegible] ہیں۔ یہ میرے سامنے دھرا انار میرا [illegible] ہے۔ میں یہ تو سمجھتا ہوں کہ اس کا رس بطور مہمانداری تمہیں پیش کروں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ انار تمہیں ساتھ لے جانے کے لئے دے دوں۔ یہ میرے طریقے اور اصول کے خلاف ہے۔"

شہزادہ ہاتھ باندھ کر بولا۔ "درویش بابا! مجھے اس انار کی کوئی ضرورت نہیں جتنی کہ اس [illegible] بے چاری کو ہے جس کے پیٹ پڑی ہوئی بھی یہی انار والی بالا بچے ہے۔ آپ تو بخیر جانتے ہیں کہ جس پیٹ پڑی زچہ ہو تو اپنی میا کو کئی نخرے کچا انار، چونا، کوئلے، مٹی تک کھلا چٹوا دیتی ہیں۔ وہ چیزیں کھانے دیکھنے کو جی چاہتا ہے جو دھرتی آکاش پہ نہ ملیں۔ بس بابا! ہم بھی ایسی ہی بپتا کے ہم میں پھنس گئے ہیں۔ ہم پہ دیا کرو۔۔۔"

بوڑھے درویش نے بڑی بے اعتنائی سے دریافت کیا۔

"حاملہ عورت تمہاری باقاعدہ بیوی ہے یا کوئی لونڈی رکھیل؟"

شہزادے نے نگاہیں جھکاتے ہوئے دھیمی سی مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"بابا! وہ بیاہتا استری نہیں لیکن من چاہی محبوبہ ہے۔۔۔"

بوڑھے لاغر درویش نے سامنے دھرے ہوئے انار کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

UrduPhoto.com

"نادان بالک! تو عجیب سی کتھا لے کر میرے پاس آیا ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ ایک اپنے اور بیٹے بیٹے سے جنم لینے والا تیرا وارث اور کل کا بادشاہ ہو؟ میرے ہاں کے انداروں کی یہی خاصیت ہے کہ جو کوئی یہ کھا لے وہ بادشاہ کو جنم دے۔ اسی لئے میں نے یہاں کے سارے انار خود ہی کھا لئے ہیں اور اگر تو ابھی چند لمحے دیر سے آتا تو یہ انار بھی میں کھا چکا ہوتا کیونکہ یہ اس موسم کا آخری دانہ تھا۔"

شہزادہ درویش کی بات سن کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ آخر بولا۔

"بابا! کیا کوئی ایسا نہیں ہے کہ یہ آخری دانہ مجھے مل جائے۔؟"

درویش نے فوراً جواب دیا۔ "ہاں۔ تمہیں میری ایک شرط ماننی پڑے گی۔"

"میں آپ کی ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔" شہزادے نے بڑے جوش سے جواب دیا۔

"لیکن وہ شرط تمہیں انار حاصل کرنے سے پہلے پوری کرنی پڑے گی۔ شرط یہ ہے کہ وہ عورت ایک مہینہ تک میرے پاس رہے گی اور یہ انار وہ یہاں آ کر کھائے گی۔ اگر تمہیں یہ شرط منظور ہو تو اس عورت کو یہاں میرے پاس چھوڑ جاؤ۔"

شہزادے کی تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ بے چینی سے درویش کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں چاہوں تو ہزاروں ایسے ہی ہاتھ سے بنا انار تمہارے پاؤں میں ڈال دوں اور اگر انکار کرے تو چاہوں تو تمہارے بڑھاپے اور اپنی ضرورت نے میرے ہاتھ باندھ دیئے ہیں۔ ویسے مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم جو دیکھتے ہو مندموڑے اس ویرانے میں رہتے ہوئے ایسی کٹھن شرط سامنے رکھو گے.....؟"

درویش نے اس کے تاؤ بھاؤ سے قطعی بے نیاز رہتے ہوئے جواب دیا۔

"آخر میں بھی تو جانوں کہ میں نے ایسی کون سی کٹھن یا ان ہونی سی بات کی ہے جو تمہیں ایسی بری لگی؟ میں نے تو تمہاری کھیل کی بات کی ہے جو تمہارے ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔ بیوی اور کھیل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بیوی کا ایک ہی مالک ہوتا ہے اور کھیل کا ہر وہ ہو سکتا ہے جو اسے پہلے والے سے زیادہ موتیوں اور مال و زر دے سکے۔ بیوی گھر کی چار دیواری میں فروزاں شمع اور آنگن میں چٹکی ہوئی چاندنی کی مانند ہوتی ہے اور طاق یا کھیل بالا خانے میں لٹکے ہوئے فانوس اور کھلے میدان میں چمکتی جھلستی دھوپ۔ کھیل تو وہ ہوتی ہے جسے منہ مانگی قیمت دے کر اپنے پاس رکھ جائے۔ تمہاری کھیل کو اگر میں تم سے زیادہ مال و دولت دکھاؤں تو تمہیں چھوڑ کر میرے پاس چلی آئے گی جیسے وہ کسی کو چھوڑ کر تمہارے ہاں پہنچ گئی تھی۔ ہاں اگر تمہیں یہ شرط منظور نہ ہو تو تم جا سکتے ہو۔"

درویش کی حقیقت آموز مگر بظاہر کڑوی کسیلی باتوں سے کسمسائے ہوئے شہزادے کو ساتھیوں نے کانا پھوسی سے مشورہ دیا کہ اس گستاخ اور بے ادب نام نہاد درویش کو تہہ تیغ کرتے ہوئے انار اٹھا کر واپس چلا جائے۔ شہزادہ انہی کے غضب میں تلوار کھینچ کر درویش کی جانب بڑھا۔ درویش بڑے تحمل و سکون سے انار دبا کر اس کا رس پیتے ہوئے شہزادے سے کہنے لگا۔

"تم مجھے ضرور قتل کرو تاکہ یہ اناروں اور شہزادوں والا سلسلہ ختم ہو۔ میں برس قبل اگر میں تمہارے باپ کو تمہاری ماں کے چاہنے پہ انار نہ دیتا اور تم پیدا نہ ہوتے تو آج مجھے یہ دن بھی دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تم بادشاہان اور شہزادگان اپنی بے جا ناجائز کرتوتوں کو فتح و ں کے ہاں دعاؤں اور آہ و زاری سے جائز کروا لیتے ہو مگر ان کا خمیازہ درویشوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ دیر مت کرو بس ایک ہی وار سے میرا سر تن سے جدا کر دو۔"

شہزادے کو جیسے سانپ سونگھ گیا وہ تلوار نیام میں واپس رکھتے ہوئے آگے بڑھا اور بولا۔

"بابا مجھے بچا لو۔ کیا میرے باپ نے بھی۔۔۔؟"

"ہاں تمہارے باپ نے بھی ایک خوبصورت طوائف کی خاطر اپنے باپ کی حکم عدولی کی تھی۔ باپ کو اپنی راہ سے ہٹاتے ہوئے اس طوائف نے اسے راتوں رات اغوا کروا کر اپنی راجدھانی سے دور ایک گہرے کنویں میں پھنکوا دیا اور خود بادشاہ کی بیٹھا اپنی رکھیل کو ملکہ بنا لیا۔ اس کی رکھیل ملکہ بننے کے تین دن بعد حمل سے ہوئی تو ملکہ نے بھی بادشاہ سے انار طلب کیا۔ وہ موسم بھی اناروں کا نہیں تھا۔ اس کے کارندے انار کی تلاش میں یہاں تک آ پہنچے اور مجھ سے انار کے طلبگار ہوئے۔ میں اس وقت ایک انار دستر خوان پہ رکھے ہوئے کھانے کی تیاری کر رہا تھا۔ میرے انکار پہ ان کے ایک سپاہی نے تلوار کے وار سے میرا ہاتھ کاٹ دیا اور انار اٹھا کر لے گئے۔ یہ دیکھو میرا بازو۔" درویش نے بازو دکھا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ "شہزادے! تمہاری میرے انار کی پیداوار ہو۔ آج تم یہ سلسلہ ختم کرو۔ میرا دوسرا ہاتھ کاٹنے کی بجائے میری گردن تن سے جدا کر دو تاکہ میں تمہارے بیٹے کو تمہیں کسی اندھے کنویں میں پھینکتا ہوا دیکھوں....."

شہزادے نے گھٹنے زمین پہ ٹیک دیئے اور روتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"بابا! سچ کہو تم کون ہو.....؟"

درویش نے اسی بے نیازی سے کہا۔

"شہزادے! پوچھتے ہو تو بتاتا ہوں کہ میں تمہارا دادا ہوں۔ کنویں میں گرنے کے بعد میں کسی

UrduPhoto.com

نہ کسی طرح باہر نکل آیا سوچا کہ اب کیا زندگی ہے۔ جب اپنی اولاد ہی دشمن ہو جائے تو پھر کسی اور سے کیا وفا کی امید؟ ۔۔۔ حال حلیہ تبدیل کیا اور یہاں پہاڑ کے دامن کو جائے پناہ جان کر بیٹھ گیا۔ پتھر کاٹ کر کچھ زمین ہموار کی۔ خدا نے میرے رزق کا سبب بنایا۔ اللہ کی قدرت سے انار کی گٹھل پھوٹ پڑی اسی دھیان لگ گیا۔ دن رات محنت کی خون جگر سے اس کی سینچائی کی۔ انتظار کیا پھر اللہ کی مہربانی سے ایسی برکت اتری ایسے انار پھوٹ پڑے جو روئے زمین پر کہیں اور نہ ہوں۔ پھر بے موسمے دنیا میں کہیں انار نہ ہوتو ادھر مل جاتا تھا ۔۔۔ خیر چھوڑ ان بیتی باتوں کو تو بھی تلوار اٹھا اور کاٹ میرا دوسرا ہاتھ اور لے جا یہ بچا کھچا انار تاکہ تیری رکھیل تیرا بچہ جنے اور تو بھی کل کلاں اسی انجام کو پہنچے جس کو تیرا باپ بھگت رہا ہے۔"

شہزادے کی بڑھی کی بند زگ کھل گئی۔ وہ تلوار پھینک کر بڑھیا کے قدموں سے لپٹ گیا اور اپنی نادانی کی معافی چاہنے لگا۔

یہ انار والی بات جو میرے متعدی بخار اور یرقان کے علاج کے لئے کسی کو جڑی نے میری ماں جی سے کی تھی کہ خوب پکا ہوا سرخ انار رات گرم بھوبھل میں دبا کر رکھ دو صبح اس کا رس نچوڑ لو اور اس میں پسا ہوا شہد زیرہ ملا کر اسے پلا دو۔ اس کی بھوک خود کھل جائے گی اور کمزوری یرقان وغیرہ بھی دور ہو جائیں ۔۔۔ [illegible] ہی تھی کہ یاد آئی تھی کہ کھانا انار چوسنے کو جی چاہنے لگا تھا۔ وہی بات کہ کالی قندھاری تک کہیں انار کا نام و نشان تک نہ تھا اسی تو تھوڑے ہی پھوٹے تھے۔ ماں جی طرح طرح کی چیزیں میرے لئے بناتیں مگر میری ایک ہی ضد کہ کھاؤں گا تو انار ہی کھاؤں گا۔ اگر زبردستی ایک آدھ لقمہ لیتا بھی تو اگلے ہی لمحے باہر نکل آتا۔ اب ماں جی بیزار ہو کر بولیں۔

"کاکا! میں تمہیں انار کہاں سے منگوا کر دوں ۔۔۔؟" پھر خود بخود ہی ان کے منہ سے نکل گیا۔

"جا اپنے میاں جی سے کہہ کہ وہ تمہیں کہیں سے انار منگوا کر دیں ۔۔۔ جب بھی تو انہوں نے تمہیں کھلایا تھا۔"

کئی روز میرے اس بیماری کی کشمکش میں بیت گئے تھے ان کا نام سنتے ہی جیسے میرے اندر ایک بجلی سی چمک گئی۔ کہاں میں کہ غسل خانے تک جانے سے بھی کہ کھڑا ہوتا ہوں تو چکر سے آنے لگتے ہیں کہاں اب کہ میں ان کا نام سنتے ہی جھٹ چھن چھن کر انہیں ملنے کے لئے تیار ہو گیا ۔۔۔ ماں جی نے مجھے ڈانٹ پلائی۔

"خبردار جو ابھی کہیں باہر گیا ۔۔۔ کمزوری سے بات تک تو ہو نہیں رہی ان کا نام سنتے ہی جھٹ

کر کس کر تیار ہو گیا ہے۔" وہ میرے آگے دلیہ اور دودھ رکھتے ہوئے کہنے لگیں۔ "پہلے یہ کھا لو پھر وہ نکلنے کا نام لینا۔"

اسی دوران میرا دوست اسلم میری خبر گیری کے لئے آ نکلا۔ وہ میری ماں جی سے کہنے لگا۔

"ماسی! یہ کام آپ میرے سپرد کریں۔ دیکھیں میں اسے کیسے کھلاتا ہوں"۔۔۔ ماں جی اندر چلی گئیں تو وہ کہنے لگا۔ "جلدی سے دو چار چمچی کھا لو میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ آج رنگ پورے کی ٹیم سے ہمارا میچ ہے۔"

"مگر میں تو تیار ہوں۔ میری حالت دیکھ! دو قدم تک تو مجھ سے چلا نہیں جاتا فیلڈنگ کیا کروں گا۔؟"

"تم پہلے کون سی فیلڈنگ کرتے ہو۔ گیند اگر میاں جی کے ڈیرے گر گیا تو اسے کون لائے گا۔ چلو آدھا دلیہ میں کھاتا ہوں اور باقی تم کھا لو۔"

جمعہ کی نماز کے بعد دو ٹیمیں میاں جی کے ڈیرے کے باہر جوہڑ کنارے جمع ہو گئیں۔ اس رنگپورے کی ٹیم نے بیٹنگ کی۔ میں حسب معمول اپنی جگہ پہ کھڑا تھا کھڑا کیا تھا بلکہ بیٹھا ہوا تھا۔ بادل نخواستہ اگر گیند میرے پاس آتی تو میں اسے اٹھا کر باؤلر کو پھینکتا۔ میری کمزور کارکردگی اور بیماری دیکھتے ہوئے انہوں نے مجھے ریٹائر کر کے وہیں بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک لمبا سا چھکا پڑا اور گیند اڑتی ہوئی احاطہ گیلانیاں یعنی میاں جی کے ڈیرے جا گری۔ اب وہاں سے کون لائے؟ مجھے مضبوط سمجھتے ہوئے کیپٹن صاحب خود ہی چار دیواری تک گئے۔ دروازہ بند تھا ایک آدھ بار کھٹکھٹایا بھی مگر جواب ندارد۔ واپس آ گئے۔ نئی گیند ڈال لی گئی۔ میں بھی کھاس پہ لیٹے لیٹے یہ ساری کارروائی سونگھ رہا تھا۔ پیاس سی محسوس ہوئی ذرا دور سامنے چوک میں ذکی پمپ لگا ہوا تھا یا پھر میاں جی کا ڈیرا تھا کسی اور تیسری جگہ پینے کا پانی میسر نہ تھا۔ میچ دیکھنے کا تو محض بہانہ تھا آیا تو میں یہاں میاں جی کی دید کے لئے تھا اور مجھے یہ بھی پتہ تھا کہ جمعہ کے روز میاں جی پیر بہاول شہید کی مسجد میں نماز ادا کر کے واپس ڈیرے پر پہنچ جاتے ہیں اتوار کو راؤنڈ نہیں لگاتے یعنی جمعہ کے روز ان کی بھی چھٹی ہوتی ہے۔ میری نگاہیں ادھر پیر بہاول شہید والے راستے پہ لگی ہوئی تھیں۔ ابھی تک انہیں نماز سے فارغ ہو کر واپس آ جانا چاہئے تھا میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ ایک اور چھکا لگا اور دوسری گیند بھی دیوار کے اندر جا گری۔ کیپٹن اور ایک کھلاڑی پھر دروازے پہ پہنچے دستکیں دینے کے باوجود دروازہ نہ کھلا تو وہ دونوں میرے پاس آئے اور دیوار پھلانگنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے انہیں منع کیا کہ یہ حرکت نہ کرنا تمہارے

UrduPhoto.com

حق میں بہتر ہوگا۔ وہ کہنے لگے کہ پھر تم جاؤ' دروازہ کھلوا لو یا دیوار پھاند کر گیندیں نکال دو۔

''اچھا' میرا ہاتھ پکڑو اور مجھے اٹھاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ میاں جی کدھر ہیں'' میں نے انہیں کہا۔ ''تم لوگ تیسری گیند سے کھیلو جب تک میں گیندیں لانے کی کوئی ترکیب سوچتا ہوں۔''

وہ مجھے ہلکا سا سہارا دیتے ہوئے دروازے تک لائے۔ میں نے دروازے کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھ میں کھڑا ہونے کی ہمت نہیں۔ تم لوگ پھر دروازہ کھٹکاؤ' ہو سکتا ہے کہ میاں جی پہلے نماز پڑھ رہے ہوں۔''

انہوں نے دروازہ زور زور سے کھٹکایا مگر جواب ندارد۔ وہ مجھے دروازے کے سامنے بیٹھا چھوڑ کر واپس گراؤنڈ میں چلے گئے۔ ادھر پیاس نے حلق میں کانٹے سے ڈال دیئے تھے۔ ہونٹ خشک' زبان لکڑ۔ ناچار اٹھا' دروازے کے پاس آیا۔ ہاتھ لگایا تو دروازے کا پٹ یوں کھل گیا۔ جیسے دروازہ میرے ہاتھ لگنے کا انتظار کر رہا ہو۔ میں نے ایک نظر گراؤنڈ میں کھیلتے ہوئے لڑکوں پر ڈالی اور خاموشی سے دبے پاؤں اندر داخل ہو گیا۔ دروازے کا پٹ بھیڑتے ہوئے میں سامنے چبوترے کی جانب چل دیا اور آہستہ آہستہ [illegible] ''السلام علیکم میاں جی۔'' کہتے ہی مجھے ''وعلیکم السلام'' کا جاں فزا جواب موصول ہو گیا۔ چند لمحے توقف کے بعد علم ہوا کہ سرہانے والی کیاریوں کے دیکھے بھالے راستے سے نیچے چھے آؤ۔ نیچے جانے والی پہلی سیڑھی پہ قدم دھرتے ہی اک روح کو تر و تازگی کر دینے والی بھینی بھینی خوشبو نے میرا استقبال کیا۔ دوسرا' تیسرا اور چوتھا پھر پانچویں قدم کے بعد جیسے میں کسی ایسی جگہ پہ آ گیا جو کسی کے نور کے ظہور سے بقعہ نور بنی ہوئی ہو۔ داخلے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جس کے ذریعے میں آج دوسری مرتبہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ کوئی روزن اور نہ کوئی کھڑکی بس ایک گول سا پختہ چھت والا کمرا جس کے درمیان نہ جانے کب سے ایک عام سی قبر کھدی ہوئی تھی' جس کی پائنتی کی جانب تین چار بے ڈھنگی سی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جو شاید اس مقصد کے لئے تھیں کہ قبر میں آسانی سے اترا اور باہر نکلا جا سکے۔ نیچے سیڑھیاں اترتے ہی مجھے میاں جی قبر میں بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے' بیٹھے ہوئے بھی وہ یوں تھے کہ ٹانگوں میں جکڑے پاؤں پھیلائے ہوئے تھے اور گلے شانوں پہ بھاری زنجیریں دائیں بائیں لٹکی ہوئی تھیں۔ دو قدم اور قریب آیا' غور سے دیکھا تو وہ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی مسکرائے اور قرآن مجید بند کر کے جھولی میں رکھ لیا۔ میں اپنے قدموں پہ بیٹھ چکا تھا۔

UrduPhoto.com

"وہاں مت بیٹھو ... آؤ نیچے آ کر میرے پاس بیٹھو ..."

انہوں نے بالکل ایسے ہی انداز میں کہا جیسے کوئی کسی کو کہے کہ ارے نیچے مت بیٹھو ادھر میرے پاس صوفے پہ بیٹھو اور میں بھی یوں شوق سے اٹھ کر ان کے قدموں کی طرف قبر میں جا بیٹھا جیسے کوئی بالک پہلی بار گھوڑے یا موٹر میں بیٹھتا ہے بیٹھا بیٹھا میں ان کے پیڑیوں میں جکڑے ہوئے پاؤں کو سینے سے لگا کر لیٹ گیا "خوف نہ ڈر ... قبر تو قبر ہوتی ہے۔ کھلی ہو یا بند مردے والی یا زندوں والی۔

"اٹھو ... تمہیں پیاس لگی تھی میں نے تمہاری پیاس کا پہلے ہی انتظام کر کے رکھا ہوا ہے ..."

قبر میں قریب دھرا کپڑے سے ڈھکا ہوا ایک مٹی کا پیالہ وہ مجھے دکھا رہے تھے۔ تازہ سرخ انارون کا کھٹا میٹھا خنک رس تھا۔ معاً مجھے ایک فقیر کی صدا یاد آ گئی ... "پی پیالہ صبر دا کوئی نہ ساتھی قبر دا" لیکن مجھے اس فقیر کی یہ صدا آج کچھ دیگر معنوں میں بھلی لگ رہی تھی۔ یہاں تو سب کچھ اُلٹ ہے یعنی چاروں چیزیں ہی موجود ہیں۔ صبر بھی' قبر بھی' ساتھ دینے والا بھی اور پیالہ بھی ... پیڑیوں والے پارسے ہوئے پاؤں کے اوپر سے انہوں نے مجھے پیالہ بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

"لو بسم اللہ ... پیاس بجھاؤ"

سرخ [illegible] انار [illegible] تسلیم کی جاتی وطراوت میں زچا بسا پیالہ جب خرمہ خرمہ تمام ہوا تو فصیل جان میں اک تازگی و توانائی کا خوشگوار سا احساس بیدار ہوا' سلسلدی اور کئی جیسے خنکی چھپا کر کہیں ملتا ہوگی۔ مجھے ہشاش اور سرخ رو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے' ارشاد فرمایا۔

"میں نے چند موٹے موٹے سرخ' خوب شیریں رس سے بھرے ہوئے انار تمہارے لئے رکھے ہوئے ہیں' شرط صرف یہ ہے کہ انہیں تم یہیں آ کر کھا سکتے ہو۔ یہ گھر لے جانے والی چیز نہیں ہیں....."

پھر خود ہی پاس پڑی کُدزی سے ایک بڑا سا انار نکالا۔ ایسا انار کم از کم میں نے اس سے پہلے نہ کبھی دیکھا تھا اور کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سرخ اور ایسا سڈول صحت مند کہ اگر اسے فوراً کھانے کے لئے کھولا نہ گیا تو یہ "وفورِ شباب" سے خود ہی پھٹ جائے گا۔ وہ مٹی کی ایک رکابی میں سرخ یاقوتوں کے تراشیدہ دانے ڈالنے لگے' چوتھائی انار کھولنے سے ہی رکابی بھرپور ہو گئی۔

"بسم اللہ' کھاؤ....."

میں مٹھی بھر کر دانے غٹ منہ میں ڈال لیتا۔ مجھے انار کھانے میں ایسا "ابا بڑا" پڑا ہوا تھا کہ میاں

جی بجائے ڈانٹنے کے خوش ہو رہے تھے۔

''خوب جی بھر کر کھاؤ۔ انار ہی کھانا چاہ رہے تھے نا۔''

آدھا انار ہی کھایا ہوگا کہ پیٹ جواب دے گیا' یوں لگا جیسے ڈھیر سارے انار ہڑپ کر لئے ہوں۔ ہاتھ' منہ' ناک' حتیٰ کہ قمیض تک سرخ عنابی رس کی رحمت سے داغ داغ ہو گئی۔

''بس.....'' میرے منہ سے خود ہی نکل گیا۔

میاں جی نے بھی مسکراتے ہوئے ہاتھ روک لیا' فرمایا۔

''اچھا' ٹھیک ہے۔ باقی آدھا میں کھا لوں گا۔'' پھر وہ مجھے دونوں گیند دیتے ہوئے فرمانے لگے۔ ''اب بھاگ جاؤ' ساتھی انتظار کر رہے ہوں گے۔''

میں گیندیں لے کر اٹھنے ہی والا تھا کہ ''ٹھک'' سی آواز آئی۔ کہنے لگے۔

''ذرا زاہد کو تیسری گیند بھی لیتے جاؤ۔'' وہ ذرا توقف سے قبر کے سرہانے کی طرف سے گیند اٹھا کر مجھے دیتے ہوئے بولے۔ ''کبھی مجھے بھی کرکٹ کھیلنا بہت پسند تھا' میں بھی یونہی چوکے چھکے لگایا کرتا تھا۔''

میں ان کی باتوں میں ایسا کھویا تھا کہ میں اس آواز کو سمجھنے کی کوشش میں پھنسا ہوا تھا کہ یہاں تہہ خانے میں باہر کہیں گیند گرنے کی آواز کیسے آئی اور گیند گرنے کے اگلے چند لمحوں میں گیند تہہ خانے کی قبر میں کیسے پہنچ گئی اور بے موسمے اناروں والا گورکھ دھندا بھی ہنوز حل طلب تھا' اور بھی کئی باتیں کہ صرف میرے ہی ہاتھ لگانے سے بند دروازہ کھل جاتا ہے۔ چوکھٹ پہ ''السلام علیکم'' کہنے کے فوراً بعد ہی وعلیکم السلام کا جواب مل جاتا ہے۔ میاں جی اگر نیچے تہہ خانے کی قبر میں ہوتے ہیں تو انہیں اوپر کسی کے آنے کی خبر اور اس کے سلام کی آواز کیسے پہنچ جاتی ہے اور پھر ان کا جواب اوپر کیسے سنائی دیتا ہے؟ یہ بہت سے سوالات تھے جو میں ان سے کرنا چاہتا تھا مگر شاید کوئی مناسب وقت نہیں مل رہا تھا یا پھر میری ہی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ مجھے کافی دیر متردد اور خاموش پا کر وہ بڑی معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھنے لگے اور شاید انہوں نے میری سوچ و بچار اور دودھ کو پہچان لیا تھا۔ قبر کی دائیں بائیں دونوں دیواروں پہ دونوں ہاتھ جما کر وہ بصد مشکل اٹھتے ہوئے بولے۔

''بیٹا! ننھے سے دماغ پہ اتنا بوجھ نہیں ڈالتے' دھیرے دھیرے سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ سمجھتے تو کچھ ابھی بھی ہو مگر ساتھ دلیل اور وجہ وقوع بھی جاننا چاہتے ہو مگر یہ تو کسی مناسب وقت پہ سمجھ میں آئے گی اور وہ وقت ابھی بہت دور ہے۔'' وہ مجھے ساتھ لے کر قبر سے باہر نکل آئے' اب گورکھ کے ہو کر فرمانے

کے۔" یہ مشت خاک انسان صرف اسی خاک قبر میں ہی آسودۂ خاطر ہوتا ہے۔ دنیا کا طمع' لالچ' حرص' اقتدار اور خواہشات کے نہ ختم ہونے والے سلسلے وسیع و عریض دنیا کو اس کے لئے بہت تنگ و تاریک جس زرہ اور چھوٹا کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی ناآسودہ تمناؤں اور طمع و حرص کے کمزور جال قابل رحم و حصول کیچیوں کی بجائے دیوہیکل دیمکوں پہ پھیلنا شروع کر دیتا ہے۔ بس یہیں اس کا انت نزاعہ ہو جاتا ہے اور جو شروع سے ہی آرزوؤں' خواہشوں' آسائیوں اور ہوس کے آزار میں خود کو نہیں پھنساتا' دنیا کو امتحان گاہ اور چند سانسوں کی عارضی زندگی کو کسی کی امانت سمجھتا ہے تو وہ پھر اپنے جسم اور اپنی روح کو مادر پدر آزاد اور اپنی مرضی کا مالک نہیں رہنے دیتا۔ وہ مجاہدوں' مشاہدوں' مراقبوں اور محاسبوں مشکلوں سے اپنے آپ کو اس قابل بناتا ہے کہ خالق جن و بشر' مالک ارض و سما اس سے راضی ہو جائے۔ یہ میرے جسم پہ لدی ہوئی بے رحم زنجیریں میرے بدن کو اللہ کے احکام میں جکڑ کر رکھتی ہیں اور مجھے احساس دلاتی ہیں کہ میں کس قفس ہستی میں ایک قیدی ہوں۔ یہ میرے پاؤں پڑی بیڑیاں مجھے بے راہروی سے روکتی ہیں۔ یہ کھدی ہوئی تیار قبر جس میں بیٹھتا اور سوتا ہوں' لیٹ کر راحت پاتا ہوں' مجھے ہمیشہ یاد دلاتی ہے کہ آخر مجھے یہیں آسودۂ خاک ہونا ہے۔ [illegible] حق محنت ادا کرنا' مقررہ وقت سے پہلے کی وعدہ وفا کرنا' ادائیگی کے بدلے ادا ہونے سے پہلے ان کا نکاح کرنا اور مرنے سے پہلے اپنی لحد تیار کر لینا ان لوگوں کا کام ہے جو متقی ہیں' اللہ سے ڈرا کرتے ہیں۔"

زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔ تینوں کمبل سنبھالے جب میں باہر نکلا تو پوری ٹیم سامنے کھڑی تھی۔ کیپٹن بولا۔

"یار! تم اندر ہی سو گئے تھے' ہم کب سے باہر کھڑے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔؟" گیند لیتے ہوئے مزید کہنے لگا۔ "یہ کیا۔۔۔ تم پہلے ڈاڈا اندر گئے تھے اور کھلتے ہوئے سرخ گلاب کی مانند مہکتے ہوئے باہر آئے ہو۔ تمہارا منہ چہرہ' ہاتھ اور کپڑے۔۔۔ اندر میاں جی سے کوئی شربت پیتے رہے ہو؟"

جب میں نے بڑے فخر سے بتایا کہ میاں جی نے مجھے ایسے بڑے بڑے سرخ رسیلے دانوں والے انار کھلائے ہیں تو سب نے مل کر میری ہنسی اڑائی کہ اتنا مجھے اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹا اور گپی کہا۔ یہی حال میرا گھر پہ ہوا' میری بات پہ کسی کو یقین نہ آیا لیکن قمیض پہ پڑے عنابی دھبوں کو ماں جی نے غور سے دیکھا تو آنکھیں پھیلا کر بولیں کہ یہ تو واقعی انار کے رس کے دھبے ہیں۔۔۔ میری میاں جی اور انار کی خوب چرچا ہوئی۔ میں نے میاں جی کے بارے میں تمام باتیں بڑھا چڑھا کر سنائی تھیں۔ گیندوں کا قبر میں خود بخود پہنچنا' میرا دروازے پر ہاتھ دھرتے ہی کھل جانا' کھلی قبر کی ساری تفصیل

اور قبر میں لیٹنے کے بارے میں بھی بتایا۔ اس کا فوری ردعمل یہ ہوا کہ میرا میاں جی کے ہاں جانا یکسر موقوف ہو گیا بلکہ کرکٹ کھیلنا تک سختی سے بند کر دیا گیا۔ چھوٹے بڑے میاں جی کے سب ہی عقیدت مند تھے۔ ان سے ذرہ سلام پہ بھی کسی کو اعتراض نہ ہوتا لیکن وہ جو میں نے کھدی قبر والا قصہ بڑھا چڑھا کر بیان کر دیا تھا اس نے گھر والے ڈر گئے۔ ان کی اپنی جگہ پہ سوچ کچھ ایسی غلط بھی نہ تھی۔ اکلوتا بچہ' وہ بھی بڑھاپے میں دعاؤں اور اللہ کے نیک بندوں کی سفارشوں اور دعاؤں سے اللہ سے لیا ہوا' ایسی جگہ پہ کوئی ماں باپ یہ کیسے چاہے گا کہ جینے کھیلنے کے دنوں میں ان کا بچہ کھلی قبروں میں جا کر لیٹے۔ میں بعد میں پچھتایا کہ یہ قبر والی بات سب کو بتا کر میں نے سنگین حماقت کا ارتکاب کیا ہے بلکہ مجھے تو کچھ بھی بتانا نہیں چاہئے تھا۔ اسی لئے تو ایسے خارق العادت اور ماورائے فطرت مشاہدات' مظاہرات اور تصرفات پردۂ اخفا میں رکھے جاتے ہیں کہ ہر ہما ہما انہیں دیکھنے سننے برداشت اور ہضم کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ زندگی اور اس کے بندھے اصولوں' سلسلوں اور عام روزمرہ کے عوامل و عواقب میں خلل واقع ہوتا ہے۔ غلطی سرزد ہو چکی تھی اب کیسر کو پینا بیکار تھا لیکن آئندہ احتیاط کا مصمم ارادہ تھا۔

میاں جی نے اس چند روزہ عارضی زندگی کی ہوتی نفی کی اور اپنے سر میں خواہشات' طمع اور حرص و ہوا کو اللہ والوں کے بارے میں رکھنے کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا اس کی بازگشت ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ قبر میں بیٹھنے اور تھوڑا سا لیٹنے کے تجربے مشاہدے نے جیسے مجھے جینے مرنے کی اک نئی جہت سے روشناس کرا دیا تھا۔ میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ جو کم پہلے جھیل لو تو جھنجھٹ ختم ہو جائے گا۔ انجام کے خیر پہ بھروسہ کر کے دائمی عزت' فلاح اور فرحت کے لئے آخری تیسری جہت کے لئے ساری عمر مسلسل ہارنا پڑے تو ہارتے جاؤ۔ مشقت' بوجھ' تکلیفیں اٹھاؤ کہ تم کل کی دائمی راحت کے لئے تیار ہو سکو۔

اس رات کئی روز نیچے دالان میں سونے کے بعد میں اوپر کوٹھے پہ کھلے آسمان تلے سونے پہ اصرار کر رہا تھا۔ ماں جی نے سمجھایا کہ ابھی تو تیری کمزوری نہیں گئی۔ اوپر اوس کھا جائے گا' خدا نہ کرے کہ پھر بیمار پڑ جاؤ۔ بہتر ہے کہ تم نیچے دالان میں ہی سو جاؤ مگر میں ضد کر کے اوپر کوٹھے پہ پڑ گیا۔ دراصل میری عجیب سی کیفیت تھی' رہ رہ کر میاں جی کی زنجیریں بیڑیاں اور قبر کی جانب دھیان بٹ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ آج میرے ارد گرد دور دور تک کوئی بھی ذی نفس موجود نہ ہو میں خود سے بھی تنہا ہونا چاہ رہا تھا۔ اکیلا ہو کر یہ محسوس کرنا چاہتا تھا کہ قبر کی تنہائی کیا ہوتی ہے کیسی ہوتی ہے۔ اس کی تنگی' تاریکی' گہری تنگی ایک جیتے جاگتے انسان کے دل و دماغ کے خیالات و احساسات پہ کیا کیا اثرات مرتب کرتی

ہے۔ یہ بوسیدہ جسم کو ٹھکانے لگانے کے لئے محض ایک گڑھا ہوتی ہے یا پھر ارواح کے عالم برزخ کی طرح یہ بھی مُردہ اجزائے اجسام کا ازقسم برزخ ہوتی ہے؟ ستاروں بھرے کھلے آسمان تلے میں بازو کے تکیے پہ سر ٹکائے لیٹ گیا۔ کسی گورستان کی طرح بڑی ڈراؤنی سی خاموشی اور اداسی چھائی ہوئی تھی ہوا جیسے کسی کے "دم آخریں" کی مانند ساکت تھی۔ کوئی دم جاتا ہے کہ میں عالم غنودگی میں اتر گیا۔ دنیا کے اردگرد چار دیواری کی صورت سختی آ رہی تھی۔ پھر جیسے قبر جیسی لمبائی چوڑائی میں پہنچ کر رک سی گئی۔ بازو ذرا کھولوں تو دیواروں سے لگیں اور پاؤں پھیلاؤں تو بھی دیواروں سے لگیں۔ پھر جیسے میں قبر آدم نیچے دھنس گیا۔ آنکھیں وا شعور و شیوز حواس بکھرتے ہوئے۔ میں قبر میں لیٹا ہوا دور اوپر سنگلاخ چوکھٹے سے سیاہ مخمل پہ کے جھلملاتے ہوئے ننھے ننھے ستارے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پھر جیسے قبر کے باقی سارا منظر ہی بدل گیا۔ وہی میاں جی کی کھلی قبر وہی خانہ وہی قبر۔ کبھی میاں جی لیٹے ہوتے ہیں اور کبھی میں قبر میں پڑا ہوا دکھائی دیتا ہوں ..... ساری رات یہی اٹل بدل ہوتا رہا۔ صبح کی اذان میرے اوپر جمی ہوئی تھیں بخار سے میرا جسم چھلک رہا تھا۔ اللہ جانے وہ کس طرح سے مجھے نیچے اتار لائیں۔ کہیں سے پھر مجھے ملکا سا ہوش آیا تو ماں جی میرے ماتھے پہ برف کی پٹیاں رکھ رہی تھیں ایک دو مرتبہ یوں بھی پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک بات پہ سب متفق تھے کہ میں میاں جی کے ڈیرے جا کر آ گیا ہوں اور یہ سارا بخار وغیرہ وہاں پہ جانے کا شاخسانہ ہے۔ ایک مصافی کالی مرچیں میرے سر سے وار کر دہکتے ہوئے کوئلوں پہ ڈال رہی تھی دوسری کچھ پڑھتے ہوئے پھونکیں مارتی جا رہی تھی۔ مجھے ذرا سکھیں پیٹاتے ہوئے دیکھ کر ماں جی بولیں .....

"کاکا ہوش کر پتر! لے ذرا شربت کا گھونٹ پی۔" وہ گلاس میرے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہنے لگیں۔ "کہا تھا اوپر اکیلا اوس میں نہ سو۔ دیکھ لے ایک سو دو بخار ہے۔"

میں نے شربت کا گلاس پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میں کچھ نہیں پیوں گا مجھے صرف انار ....."

انار والی بات ابھی آدھی میرے منہ میں تھی کہ ایک بچہ بھاگا بھاگا اندر آیا۔

"ماسی ماسی ..... باہر سنگاں والے میاں جی کھڑے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے کاکے سے ملنا ہے....."

میں یوں اٹھ کر بیٹھ گیا جیسے مجھے کسی نے بجلی کا تار چھوا دیا ہو چارپائی سے نیچے اترنے لگا تو ماں جی نے منع کر دیا۔ وہ مصافیوں کو لے کر باورچی خانے میں چلی گئیں اور وہ بچہ میاں جی کو لے کر اندر آ گیا۔ پہلے خوشبو آئی پھر پاؤں کی "پائلوں" سے جھن جھنا جھن کی جھنکار آئی۔ وہ جان بہار آیا جس نے

شب بھر مجھے مراقبہ الموت کا اسرار سکھایا۔

صاحبو! یہ سب کچھ سنانا اس لئے مقصود ٹھہرا تھا کہ میں صرف یہ عرض کر سکوں کہ قبرستان' اندھی کھلی قبریں' مقبرے' مزار' معبد و مینار میرے لئے اجنبی نہیں تھے بلکہ بچپن ہی سے میرا ان سے واسطہ اور رابطہ تھا۔

● تماشا بن جاتے ہیں تماشا دیکھنے والے.....!

میں ایک بار پھر آپ کو وہیں ابوظہبی میں' سمندر کے کنارے اس پُراسرار ہیبت ناک صدیوں پرانے روشنی کے مینار تلے لیے چلتا ہوں جو سمندر سے اونچے کنارے پر واقع تھا۔ یہاں سے آگے کٹا پھٹا میدانی علاقہ تھا۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے ٹیلے بھی نظر آتے تھے۔ ذرا دور سرسبز و عریض مرغزار' کھیت' بازے' اونچے نیچے راستے' گھاس پھونس کے ذخیرے بھی دکھائی دیتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے خوبصورت [illegible] کوئی بستی رہی ہو' بوڑھے مینار کے سامنے کئی مربعے اور دور دور تک نظر دوڑائیں تو یہی محسوس ہوتا تھا۔ بڑی بڑی چار دیواریوں کی ٹوٹی ہوئی شکستہ دیواریں' بڑے بڑے قیمتی پتھر' ہموار قطعے' کھدی ہوئی آب روئیں۔ بے شمار شواہد یہی بتاتے تھے کہ یہ کوئی آفت زدہ علاقہ ہے۔ یہاں کے ذی حیات یا تو کسی وباء سے مر کھپ گئے یا پھر انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا یا پھر وہ کہیں مراجعت کر جانے پر مجبور کر دیئے گئے۔

سمندر کنارے ایسا خوبصورت لینڈ اسکیپ جہاں صناع فطرت نے حسن و جمال کے تمام تر خوبصورت رنگ بڑی فیاضی سے بکھیرے ہوئے تھے۔ خوشگوار آب و ہوا' دلفریب نظارے۔ تاحد نظر سمندر' کھلا نیلا آسمان اور بلند و بالا فن تعمیر کے کمال و جمال کا نادر نمونہ یہ روشنی کا مینار صدیاں گزرنے کے باوجود جس کے وقار' استادگی اور حسن نظارگی میں کوئی نمایاں فرق نہیں پڑا تھا۔ چاندنی نکھر کر بڑی پُرجمال ہو گئی تھی۔ اندھیروں کے خوگر اور چاندنی کے چاہنے والے ہی جانتے ہیں کہ ان پر [illegible] کے جادو کیسے سر پہ چڑھ کر بولتے ہیں۔ شب تار کی کالی ناگن کیسے مست ہو ہو کر ناچتی ہے اور ادھر چاند کی چم چم کرتی ہوئی نقرئی چاندنی کی چمپا بائی دل و نگاہ میں کیسی کیسی چکا چوندی جگاتی ہے۔ میں بھول ہی گیا کہ میں کون ہوں' یہاں کیوں ہوں۔ اجنبی جگہ' بیگانہ ملک۔ یہ وقت بے وقتی اور وہ دو سائے جو بہر طور انسان دکھائی دیتے تھے' کون تھے جو میری سن گن پا کر غائب ہو گئے۔ کسی مزید بکھیڑے میں پڑنے سے پہلے میں

سے نماز سے فارغ ہو جانا مناسب سمجھا۔ وہیں چادر بچھا کر رب العزت کے حضور کھڑا ہو گیا اور دعا کی کہ
اے باری تعالیٰ! مجھ عاجز گنہگار کو اپنے کرم و فضل کی سائے میں رکھنا۔ میری رہبری و دستگیری فرمانا
اور شیطان مردود اور شامت سے محفوظ رکھنا۔ آمین!

فلاسک سے آدھا کپ کافی انڈیلی اور دو کریکر نکال لئے۔ ہلکا سا بیگ آسرا کر کے میں نے کندھے
سے لٹکا کر نیچے اتر آیا۔ پن ٹارچ میرے ہاتھ میں تھی احتیاط سے قدم جماتا ہوا میں سیڑھیاں اتر رہا تھا
پہلی آٹھ سیڑھیوں کے آگے ایک پتلی سی راہداری آ گئی۔ دائیں بائیں دونوں اطراف کہیں تاریکی میں گم
ہو گئی تھیں۔ یہاں اس "نئی جنگشن" پہ کھڑا اب میں سوچ میں پڑ گیا کہ کدھر جاؤں؟ دونوں طرف راہداری
تھی۔ ٹارچ کو فوکس کر کے پہلے دائیں جانب دیکھا پھر بائیں جانب۔ وہی خودرو گھاس پھونس
اور پتھر آگے راہداری گول ہے چکر میں مڑتی ہوئی نظر آئی۔ دائیں جانب یوں دکھائی دیتا تھا کہ راستہ
قدرے صاف اور استعمال میں ہے اگر نہ بھی ہوتا تو میں اپنے اصول طریقے کے مطابق اپنے سیدھے
ہاتھ ہی چلنے پہ ترجیح دیتا۔ دائیں جانب بڑھنے سے پیشتر میں نے قدرے بلند آواز میں کوئی
ہے کوئی میری آواز سن رہا ہے کہہ کر دیکھا مگر میری آواز گونج بن کر مجھ تک واپس آ گئی۔ اب
میں ٹارچ روشن کئے قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ چہار دیواری کی طاقت کا کچھ احساس ہوا لیکن تھکن نہیں
تھی صاف ہوا کا وجود تھا۔

جیسے جیسے میں آگے بڑھ رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ راہداری تنگ ہوتی ہوئی گولائی کی صورت میں
ڈھلوان ہوتی جا رہی ہے یعنی راہداری اپنے تنگ ہوتے ہوئے سے نیچے کی جانب اتر رہی ہے۔ اس سے یہ ظاہر
ہوا کہ بائیں جانب والی راہداری مینار کے اوپر جاتی ہوگی۔ میرا خیال ہے میں نے گولائی میں دو چکر
ہی پورے کئے ہوں گے کہ مجھے کھٹر پھٹر اور کسی کے چلنے گھسٹنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس کا مطلب تھا
کہ میرے آگے آگے کوئی اور بھی ہے۔ ایک چکر اور پورا ہوا تو قدرے روشنی اور سمندر کی تازہ بھیگی ہوئی ہوا
نے مجھے مزید ہوشیار کر دیا۔ اب شاید مجھے ٹارچ کی روشنی کی ضرورت نہیں رہی تھی اگلے ہی چکر کے اختتام
پہ ایک بڑا سا دروازہ نما کھلا سامنے تھا۔ سمندر کی جانب کھلتی ہوئی دو بڑی سی گول پتھریلی کھڑکیاں تھیں جن پہ
زنگ آلودہ آہنی قبضے اور زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ ان کھڑکیوں کے درمیان ایک پتھریلی چوکھٹ بھی تھی
جس کے باہر قریباً پندرہ بیس فٹ آگے سمندر کی جانب لوہے اور لکڑی کا ایک پلیٹ فارم بنا ہوا تھا جس کے
لکڑی کے تختے اور پشتے ٹوٹ چکے تھے اور اس کا کچھ حصہ ٹوٹ پھوٹ کر نیچے لٹکا ہوا تھا۔ میں اس
بے پٹ کی چوکھٹ کے پاس آ کر رک گیا۔

UrduPhoto.com

آگے سامنے سمندر تھا جو ابھی بھی بہت نیچے تھا۔ اندازہ ہوا کہ ابھی ایک آدھ اور منزل نیچے اتر ہو سکتی ہے۔ حیرانی بھی ہوئی کہ میرے آگے تخت تخت کر چلنے والے یہاں کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں میں نے کمرے کی بغل میں ایک اور راستہ کھوج لیا جو یقیناً نیچے جاتا ہوگا اور وہ سارے بھی یقیناً اسی راستے سے کہیں نیچے چلے گئے ہوں گے۔ یہ کمرا غار یا کھوہ جو کچھ بھی تھا روشنی کے بغیر کے نیچے تھا اور اسے پہاڑ تراش کر بنایا گیا تھا۔ اندر دیواروں میں جا بجا طاقیں اور خانے بنے ہوئے تھے۔ آتشی چراغ دان دیواروں پہ لگے نظر آ رہے تھے۔ ایک کونے میں پتھر کاٹ کر ایک بڑا حوض بنا ہوا تھا جو یقیناً کسی زمانے میں جب یہ غار کارآمد تھا روشنی کے لئے تیل ایندھن ذخیرہ کرنے کے کام آتا ہوگا۔ اب میں اس راستے کی جانب متوجہ ہوا جو یقیناً نچلی منزل کی طرف کھلتا تھا۔ یہاں نیچے اترنے والی سیڑھیاں قدرے کشادہ بھی دکھائی دیں۔ مارچ روشن کرنے کی یہاں بھی کوئی خاص ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ میں اب قدرے اعتماد کے ساتھ نیچے اتر رہا تھا۔ چار چکر پورے کرنے پہ میں اب ایک خاصے کشادہ سے کمرے میں موجود تھا۔ یہ کمرا بھی پہاڑ کو کھود تراش کر بنایا گیا تھا۔ سمندر کی جانب بالکل کھلا ہوا۔ اندر دو چار ٹوٹی پھوٹی کشتیاں، چپو اور ایک نوع کا ہی کیچڑ کا طوفان بپا ہوا تھا۔ جا بجا کنکر اور سمندری حشرات الارض دکھائی دے رہے تھے۔ سمندر بالکل سامنے تھا۔ یقیناً جوار بھاٹوں کے موسم میں سمندر کا پانی اس غار کے اندر تک آ جاتا ہوگا۔ سیپیاں، گھونگھے اور سمندری کیچوؤں کے بھاگنے کے نشان مارچ کی روشنی میں صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ان نشانوں کے درمیان مجھے کچھ اور بھی تازہ نشان بھی نظر آئے جیسے بہت سے انسان پاؤں پہ کھڑا ہو کر یہاں سے ابھی ابھی گزرے ہوں۔ ان دونوں جھونپڑوں کے علاوہ اور یہاں کون ہو سکتا ہے؟ اوپر تو میں نے صرف دو سائے ہی دیکھے تھے مگر یہاں تو اور بھی کچھ پراسرار سے لوگ رہتے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ لوگ کون ہیں؟ انہیں سامنے آنے میں کیا قباحت یا مجبوری ہے؟ ... انہی سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی خاطر میں ان کے گھر سے اٹھاتا ہوا باہر نکل آیا۔ تھوڑی ریت پہ پاؤں کا نشان کافی دیر تک برقرار رہتا ہے گھر سے اٹھاتا میں ایک اور غار کے دہانے پہ کھڑا تھا۔ یہ غار اس کا دہانہ بڑا تنگ تھا مجھے کسی کنویں کی طرح دکھائی دی۔ مارچ کی دھندلاتی ہوئی روشنی میں مجھے اس کے اندر کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ میں کافی دیر تک ایک پتھر پہ بیٹھا ان غریب و غریب لوگوں کے بارے میں غور کرتا رہا۔ آخر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو میں نے زور زور سے انگریزی میں پکارنا شروع کر دیا۔

"شریف لوگو! میں تمہارا دوست ہوں، مجھ سے ڈرو نہیں ... باہر نکلو اور مجھ سے ملو۔ میں

UrduPhoto.com

[illegible] علاقے اور ملک میں اجنبی ہوں۔ میں سیاحت کی غرض سے آیا ہوا ہوں۔ اتفاق یا میری لاپروائی سے مجھے یہاں کسی نہ کسی طور رات بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ مہربانی سے باہر نکلو اور مجھ سے ملو۔ اگر تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو بھی میرے قریب آؤ۔ میں مسلمان پاکستانی باشندہ ہوں۔ مجھے حکمت [illegible] روحانیت سے دلچسپی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے کسی کام آ سکوں۔ مجھے یقین ہے کہ قدرت نے مجھے یہاں صرف آپ لوگوں کی مدد اور دردمندی کے لئے بھیجا ہے۔"

یہ لمبی چوڑی تمہید یا تقریر میں نے قریب قریب چار پانچ بار ٹھیک انہی معنوں و مطالب میں [illegible] پکار کر میں اب خاموش ہو چکا تھا۔ دراصل یہ سب کچھ میں نے بطور ایکسپریمنٹ کیا تھا۔ [illegible] میں کسی سے بات کرنے کو ترس گیا ہوا تھا۔ یہ چیخ پکار بھی ذرا خود کو ایکسپوز کرنے کا ایک بہانہ تھی۔ [illegible] صدا بصحرا۔ یعنی صحرا میں کوئی صدا اندر اثر نہیں رکھتی۔ [illegible] ذرہ ذرہ سمندر صدائے [illegible] آہنگ کو کچھ اس طرح سے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ صدا بے چاری کی بے کس و بے بس [illegible] اندر اپنے آپ میں ہی گھٹ کے رہ جاتی ہے بالکل اسی طرح آج میری یہ "صدائے غار" بھی کچھ [illegible] ہے [illegible] کے جواب کا منتظر رہا۔ ناچار وہاں سے اٹھا اور وہیں پہلے والے غار کی جانب چلا آیا۔ ارادہ کر لیا کہ [illegible] اوپر چل کر ذرا مینار پہ چڑھوں گا اور گرد و نواح کا تھوڑا سا نظارہ کروں گا اور پھر واپسی کی کوئی شکل [illegible] کروں گا۔

غار میں داخل ہونے سے پہلے میں نے یونہی اپنے پیچھے نظر ڈالی جو [illegible] میں آیا تھا۔ نظر ڈالی تو [illegible] پانچ سات سیاہ چادروں میں لپٹے ہوئے انسان یا جن بھوت ڈرے ہوئے سہمے سے میری [illegible] رہے ہیں۔ مجھے متوجہ پا کر وہ وہیں اپنے قدموں پہ رک گئے۔ "یا اللہ خیر!" کہتے ہوئے میں نے اپنے اندر کی چکی ذرا تیز کر دی۔ میں ان کی جانب ذرا غور سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ جیسے ان میں سے کچھ لوگ معذور ہیں جنہیں کھڑے ہونے میں دقت محسوس ہو رہی ہے۔ ساتھیوں نے ان کو سنبھالا ہوا ہے۔ میں اپنے تئیں خوش بھی ہوا کہ چلو وہ یہاں تک تو آئے ہیں۔ اب آگے دیکھتے ہیں کہ [illegible] ہوتا ہے؟ میں انہیں اعتماد میں لینے کی خاطر پاس ہی ایک پتھر پہ بیٹھ گیا اور ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں [illegible] کے انداز میں ہاتھ سے اشارے کرنے لگا لیکن وہ تو جیسے ہر جذبے سے نابلد تھے۔ جو معذور تھے [illegible] وہیں بیٹھ گئے اور جو کھڑے تھے وہ بتوں کی طرح خاموش بے حس و بے جنبش رہے۔ اب میں اس [illegible] میں تھا کہ اگر میں یہاں سے اٹھا تو ہو سکتا ہے کہ بے چارے پھر کہیں چھپ کر جا چھپیں۔ خاص طور پر

مجھے معذور افراد کا دور دور خیال آ رہا تھا۔ دفعتاً ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا' آٹھ دس قدموں کے فاصلے پہ وہ رک گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کوئی قد آور شخص تھا' سیاہ یا براؤن رنگت کے لبادے میں وہ سر تا پا ملبوس تھا۔ ہاتھ بازو حتیٰ کہ آنکھوں کے علاوہ چہرہ بھی ڈھانپا ہوا تھا۔ اس نے قدرے ہاتھ بلند کرتے ہوئے مجھے شاید سلام کیا یا خود کو اذن کلام دیا تھا۔

''اجنبی! ہم آفت زدہ اس حال میں ہیں کہ تم کو یہاں خوش آمدید بھی نہیں کہہ سکتے' اس کے باوجود تمہاری یہاں موجودگی ہمارے لئے خوش آئند محسوس ہو رہی ہے۔ ہم یہاں کل سات افراد ہیں۔ تین خواتین اور چار مرد ایک خاتون اور دو مرد بوڑھے اور چلنے پھرنے سے قریب قریب معذور ہیں۔ ہم تمہاری یہاں آمد سے یقیناً بے خبر نہیں ہیں۔ تمہیں کسی بھی قیمت پہ یہاں نہیں آنا چاہئے تھا لیکن شاید تم یہاں کی اور ہماری آفت زدگی کی صحیح صورت حال سے واقف نہیں ہو ورنہ تم ایک لمحہ بھی یہاں رکنے کا خطرہ مول نہ لیتے.....''

وہ ذرا سی ذرا سانس درست کرنے کے لئے رکا تو میں نے فوراً سوال داغ دیا۔

''مجھے بھائی یا اخلاق اور نہیں دوست کہا تو مجھے اپنی آفت زدگی کے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گے؟''

اس نے میرے سوال پہ پیچھے اپنے دیگر ساتھیوں کی طرف مڑ کر دیکھا جیسے وہ مجھے کچھ جواب دینے کی اجازت طلب کر رہا ہو۔ ایک اور بھاری سا شخص اس کے پاس آ کھڑا ہوا' آپس میں دو چار باتیں کرنے کے بعد پہلے والا شخص کہنے لگا۔

''یہ جگہ اور اس وقت کا موسم ہم آفت زدوں کے لئے سخت تکلیف دہ ہے۔ ہمیں اجازت دو کہ ہم سب اپنے ٹھکانے پہ جائیں۔ آپ ہمارے پیچھے کچھ توقف کے بعد چلے آئیں اور سیدھے اوپر جہاں سے آپ نیچے تہہ خانے میں داخل ہوئے تھے پہنچ جائیں۔ وہاں سیڑھیوں کی دائیں طرف لکڑی کا ایک کھلا صندوق پڑا ہوا ہو گا۔ اس صندوق کے اندر سبز پتوں والی ٹہنیاں پڑی ہوں گی۔ ان پتوں کو لے کر دونوں ہاتھوں سے مسل لیں' اپنے پورے جسم' کپڑوں اور اپنے سامان پہ ہاتھ پھیریں اور کچھ پتے مسل کر اپنی جیبوں میں بھی ڈال لیں۔ آپ کچھ پتے چبا بھی سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد آپ مینار میں داخلے کا بایاں راستہ اختیار کرتے ہوئے مینار کے اوپر دوسری منزل پہ پہنچ جائیں' آپ کے اس سوال اور دیگر تمام سوالوں کا جواب آپ کو وہیں ملے گا۔ اب آپ براہ کرم چند قدم آگے سمندر کی جانب بڑھ جائیں اور اپنا چہرہ ادھر سمندر کی طرف ہی رکھیں۔ جب آپ اوپر سے گھنٹی بجانے کی آواز سنیں تو پھر آپ

UrduPhoto.com

راستے سے اوپر جا سکتے ہیں جس راستے سے آپ نیچے تشریف لائے تھے۔"

ان کی لمبی چوڑی ہدایتیں سن کر میں تو بوکھلا سا گیا کہ میں کس چکر میں پڑ گیا؟ بہر حال اب اتنا آنے کے بعد واپس پلٹنا بھی گوارہ نہ تھا۔ سمندر کی جانب منہ کر کے آگے کچھ دور تک چلا گیا۔ اتنا اندھیرا تھا میں منٹ گزر گئے۔ جانے والوں نے نہ تو لوہا بجایا اور نہ ہی کوئی اور نشانی اشارہ دکھلایا کہ میں کس طرف منہ ادھر کر لوں! ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تھی تکلیف ہوا اور بھنگروں نے میری قلفی جمانا شروع کر دی تھی۔

موسم اور سمندر آہستہ آہستہ بھیگ رہے تھے چاندنی نے اپنا ایک علیحدہ ہی تماشا لگایا ہوا تھا۔ ہوا تھی تنہائی۔ سامنے بیکراں سمندر۔ یوں لگا جیسے میں سمندر سے نکالا ہوا اور کرۂ ارض پر اتارا ہوا پہلا آدم ہوں۔ میں صدیوں سے یہیں اسی حال میں کھڑا ہوں۔ کائنات کی ہر شے نمو پذیر ہے۔ کسی کو چمک دمک جا رہی ہے تو کسی کو دھنک کے رنگوں سے سجایا جا رہا ہے۔ کہیں حسن بکھیرا جا رہا ہے تو کہیں تشنگی کی پھواریں ڈالی جا رہی ہیں۔ کہیں حسن کے چار چاند لگائے جا رہے ہیں تو کہیں عشق کے زمزمے بہائے جا رہے ہیں۔ کہیں نور کے پھیلاؤ کئے جا رہے ہیں تو کہیں ظہور کے تڑکے کئے جا رہے ہیں۔ کہیں رنگوں کی [illegible] تو کہیں نسیم و نکہت و باد صبا۔ میں اپنی فطرت کی رعنائیوں میں گم تھا کہ [illegible] کی تلی جیسی [illegible] پیچھے [illegible] کہ [illegible] وہ چار بار [illegible] کی آواز سے مجھے یقین ہو گیا کہ انہوں نے مجھے سمندر کی جانب سے منہ پھیرنے کی اجازت دے دی ہے۔ پہلے میرے دل میں آئی تھی کہ یہ پراسرار سے لوگ مجھے لچھ دے کر پھر کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔

میں بڑی احتیاط سے جھٹ پٹے سے روشنی میں پہلی منزل اور پھر وہاں سے اوپر پہنچ کر باہر نکل آیا۔ سبز پتوں ٹہنیوں والا ڈبا نما صندوق بھی نظر آ گیا۔ نیم کے پتوں جیسی سبز تازہ پتیاں ٹہنیوں سمیت مقدار میں صندوق میں موجود تھیں۔ میں نے ایک بڑی سی ٹہنی سے پتیاں علیحدہ کر کے دو ہاتھوں کے درمیان خوب رگڑیں سونگھنے سے پتا چلا کہ از قسم نیم ہی ہے۔ انتہائی تیز و تند جوہر میری ہتھیلیوں میں سمٹ کر پیدا کر گیا۔ میں نے فوراً بہت گرم پانی ہاتھ بازو جہاں جہاں تک میرا ہاتھ پہنچتا تھا خوب ملا۔ کپڑوں اور جوتے سیک لئے جوتے چشمہ ہر چیز کو اس جوہر خاص سے آشنا کر دیا۔

جب پہلی بار میں نے دو سایوں کو غائب ہوتے دیکھا تھا تو مجھے شک پڑ گیا تھا کہ اس ویرانے میں جذامیے رہتے ہیں۔ وہ موٹر سائیکل والا پاگل انہیں ایک مقررہ وقت پر ان کی ضرورت کی اشیاء پہنچانے یہاں آتا ہے۔ ایسا مخبوط الحواس ہی ایسا کام کر سکتا ہے۔ صحیح الدماغ انسان تو اس جگہ کے قریب سے نہیں پھٹکتا۔ یہ کوڑھ کے بدنصیب مریض انسانوں کی بستیوں سے کوسوں دور ویرانوں پہاڑوں کی

غاروں، کھوؤں اور زیرِ زمین رہتے ہیں۔ دنیا والے ان سے ناتا توڑنے پہ مجبور ہوتے ہیں۔ یہ کوڑھ جذام، آتشک، تپ دق وغیرہ چھوت کی بیماریاں ہیں۔ خاص طور پہ کوڑھ کی بیماری بڑی کریہہ اور غلیظ ہے۔ اعضاء کی جڑیں جوڑ اس سے متاثر ہوتے ہیں، اعضاء گل سڑ کر جھڑنے لگتے ہیں۔ تعفن آمیز پیپ اور گندہ خون سرسراتے ہوئے کیڑے، مکروہ المنظر زخم وغیرہ بدنصیب مریض کا مقدر بن جاتے ہیں۔ انسانی بستیوں، رونقوں، ہماہمیوں اور خوشیوں سے دور اس مرض کے مریض اپنے بدبو دار رستے بھرتے زخموں پہ گندی پٹیاں لپیٹے اپنی تکلیف دہ زندگی کے باقی ماندہ دن پورے کرتے ہیں۔ ان کا وقت پورا ہونے پہ انہیں دفنایا نہیں بلکہ چیلوں اور ڈاکٹروں کی طرح جلایا جاتا ہے۔ خدا کسی کو اس منحوس بیماری میں مبتلا نہ کرے۔ یہ امتحانوں اور آزمائشوں کی بڑی بڑی گہری دلدلوں میں اتار دیتی ہے۔ پیغمبر تک آزمائے گئے لیکن انہی عارضوں اور آزاروں کے لئے مسیحائی بھی اتری۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دکھی انسانیت اور خاص طور پر یہ جذامیوں، کوڑھیوں، اپاہجوں، لولوں لنگڑوں اور اندھوں کی مسیحائی، غمخواری اور دستگیری کے لئے آئے۔ انہی کو ان کے اپنوں نے ہی اپنے گھروں، بستیوں اور آبادیوں سے دور ویرانوں، قبرستانوں اور بے آباد پہاڑوں میں لا کر پھینک دیا تھا۔ ان سے محبت، قرابت کے سارے رشتے ناتے توڑ ڈالے تھے۔ ایسے میں حضرت عیسیٰ نے ان کے زخموں کو دھویا، ان کے زخموں پر پیپ کیڑوں بھرے زخموں پہ اپنا دست مسیحائی رکھا۔ انہیں جینے کا حوصلہ دیا، اپنے ہاتھوں سے کھایا، زخم دھوئے۔ سہلایا اور فرمایا کہ دکھی انسانیت کی دلجوئی، خدمت ہی انسانیت کی معراج ہے۔ بیماروں، کوڑھیوں سے دور مت بھاگو۔ انہیں منحوس اور غلیظ و متعفن جان کر ویرانوں اور پہاڑوں میں مت پھینکو۔ انہیں محبت اور قربت دو۔ ان کا معالجہ کرو، تیمارداری کے فرائض سرانجام دو۔ یہ مت خوف رکھو کہ کہیں تم بھی بیمار پڑ جاؤ گے۔ آفت زدہ علاقوں سے ہجرت مت کرو کہ تم موت سے کہیں بھی بھاگ کر نہیں بچ سکتے لیکن اس کے باوجود احتیاط کرنا اور ان کی بیماری کے منفی اثرات سے خود کو بچانا ضروری ہی نہیں بلکہ فرض بھی ہے۔

میں نے بھی احتیاطاً وہ پتیاں خوب مل رگڑ کر اپنی بساط اور عقل سمجھ کی حد تک خود کو محفوظ کر لیا تھا۔ کچھ پتیاں رومال میں لپیٹ کر اپنے ناک منہ پہ باندھ لیا اور ایک بار پھر تہہ خانے کے دروازے میں داخل ہو گیا مگر اب میں دائیں جانب نہیں بلکہ بائیں جانب مینار کے اوپر جانے والے راستے پہ ہو لیا۔ سیڑھیوں کے دو چکر کاٹ کر اب میں اوپر پہلے والی منزل کے کوں کمرے تک پہنچ گیا تھا۔ اندر نیم اندھیرے میں مناسب سی روشنی کے لئے یا شاید یہاں کی عفونت کو صاف کرنے کے لئے ایک آتشی پیالے میں کچھ جڑی بوٹیاں جلکی سی لو دے رہی تھیں، کڑوا بدبو بھرے دھوئیں نے کمرے میں ایک نامانوس سی بو پھیلا رکھی

UrduPhoto.com

تھی۔ لیمپ لیتی ہوئی مدھم سی روشنی اور دھوئیں کے دھندلے سے غبار میں مجھے وہ سارے لوگ سامنے چھت کی دیوار سے چپٹے ہوئے ٹھوس سے لگے۔ وہ دیوار کے ساتھ ختم ہوتے تھے کہ جیسے اگر میں ایک قدم اور آگے بڑھا تو وہ سارے دیوار میں چھلاوؤں کی مانند جذب ہو جائیں گے۔ وہ شخص جس سے میری پہلے بات چیت ہو چکی تھی قدرے آگے جھکا سا بیٹھا ہوا تھا۔ شاید یہ شخص ان خستہ حالوں کا ترجمان تھا۔ دروازے کے پاس کمرے کے اندر فرش پر دھرے ہوئے ایک چوبی صندوق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس شخص نے مجھے بیٹھنے کی دعوت دی۔ جب میں بیٹھ چکا تو وہ گویا ہوا۔

"ہمارے پیارے مہمان! ۔۔۔ مہمان کہتے ہوئے مجھے اک عجیب سی شرمساری محسوس ہو رہی ہے کیونکہ بصد مجبوری ہم اپنی دیرینہ روایات کے برعکس اس وقت اس جگہ اور ان حالات میں آپ کے خوش کے لئے کچھ بھی پیش نہیں کر سکتے۔ اس لئے پہلے تو میں اپنی بات کو آگے بڑھانے سے پہلے اپنا تعارف کرانا مناسب خیال کرتا ہوں ۔۔۔ میرا نام اینگلس رابرٹ ہے۔ قومیت کے لحاظ سے میں برٹش ہوں جبکہ میری ماں اسپینش اور باپ ظاہر ہے برٹش ہی تھا۔ اسے لکھنے پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ اچھی خاصی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ چاہتا تو اپنے علمی وسائل سے کسی یونیورسٹی کا سربراہ بن سکتا تھا مگر لکھنے پڑھنے اور [illegible] کے بعد وہ صرف ایک معمولی سا پادری بن کر ملک دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگا۔ آخر دور حصول تعلیم میں اس نے اپنی ایک کتاب میں لکھا تھا کہ علمی اور ارفع تعلیم کے حصول کا صحیح اور سب سے بہتر مصرف ایک صالح اور دردمند انسان کے نزدیک صرف اور صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر علمی توانائیوں کو انسانیت کی بہبود کے لئے بروئے کار لائے اور کسی تجربے معبد یا کلیسا میں بیٹھنے کی بجائے سفر و سیاحت کی صعوبتیں اٹھائے ۔۔۔ میری تعلیم و تربیت بھی میرے باپ نے اسی انداز فکر میں کی تھی۔ جب میں تعلیم حاصل کر چکا تو اس نے مجھے بھی پادری بنا کر ایک مشنری گروپ میں شامل کروا دیا اور آخری بار مجھے نصیحت کی کہ وہاں تک اور ان تک پہنچو جو کسی بھی وجہ سے تم تک نہیں پہنچ سکتے۔ بادلوں کی مانند ہمیشہ محو سفر رہو اور ہوا کی مانند سرسراتے اور اڑتے رہو اور کھنکھناتی کھنکھناتی کی طرح چھم چھم برس برس کر ان تشنہ کاموں تک پہنچ پاؤ جہاں سمندر بھی اپنی تمام تر وسعتوں اور فیاضیوں کے باوصف نہیں پہنچ پاتا ۔۔۔ بہرحال میں اس وقت نوجوانی کے دور میں اس کا یہ فلسفہ تبلیغ و تدریس تو نہ سمجھ سکا مگر بعد میں جب میں عملی صورت اس فیلڈ میں آیا تو میں خوب سمجھ اور جان پایا کہ علمی تعلیم اور بے پناہ دولت و وسائل دونوں کی معراج اور ان کا اصل مقصد و مصرف ہی یہی ہے کہ انہیں انسانیت کی بقا اور احیاء کے لئے صرف کیا جائے۔ میں نے چونکہ

UrduPhoto.com

میڈیکل کی بھی تعلیم حاصل کی ہوئی تھی اس لئے میں اکثر ان پس ماندہ ملکوں، علاقوں کو فوقیت دیتے کہ جہاں خوراک کی کمی یا موسمی وبائی بیماریوں کی وجہ سے اللہ کی مخلوق پریشان ہوتی۔ اس طرح افریقہ، ایشیا کے بہت سے ممالک میں میں نے اپنی زندگی کا ایک خاصہ حصہ گزار دیا۔ جب میرا باپ فوت ہوا تو میں اس وقت افریقہ میں تھا۔ میرے باپ نے مرنے کے بعد ترکے میں بھی وصیتیں اور نصیحتیں ہی چھوڑیں، وہ یہ کچھ نہ بھی چھوڑتا تو پھر بھی میں اپنی ذکر سے ہٹنے والا نہیں تھا۔ دکھی انسانیت کی خدمت، بیماروں لاچاروں کی تیمارداری اور بھوکوں ہوؤں کو راہ دکھانے کی عادت اور خو میرے خون میں رچ بس سی گئی تھی۔

میں اپنے باپ کی الوداعی تقاریب میں شرکت کے لئے واپس انگلینڈ آیا۔ پھر جیسے یوں ہوا کہ میرا اب کہیں بھی جانا نہ ہو سکا۔ اب تک میں کنوارہ تھا، دل میں آئی کہ چلو اب شادی ہی کر لیں مگر مجھے کوئی ایسی خاتون دکھائی نہ دی جو میرے خیالات اور حالات کے مطابق ہوتی۔ اسی دوران میں ذرا ہوا بدلی کے لئے ادھر ایشیا چلا آیا۔ کچھ عرصہ تک میں اپنی عادت کے مطابق قرب و جوار اور دور دراز کے دیہی علاقوں میں گھومتا رہا، تبلیغ کے ساتھ ساتھ بیمار دکھی انسانوں کا علاج معالجہ بھی چلتا رہا۔ خدائی رحمت و برکت کے میرے ہاتھ میں شفا بھی ہے۔ کچھ میرا طریقہ علاج، میرا جذبہ ہمدردی اور کچھ محبت و خدمت کا انداز [illegible] شفایاب ہو جاتے۔

UrduPhoto.com

انہی دنوں اتفاقاً میری ملاقات ایک آتش خاتون سے ہوئی۔ یہ عرب النسل مسلم خاتون بھی میری طرح دکھی انسانیت کی خدمت کرنے کے جذبے کے خبط میں مبتلا تھی۔ اس خاتون کا مرحوم شوہر بھی یہاں کے ایک صدیوں پرانے مسلمانوں کے قبرستان کا کیئر ٹیکر تھا جو ایک زمانہ پہلے یہاں جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ خاوند کے مرنے کے بعد اس خاتون نے اس قبرستان کے قریب ہی ایک شفاخانہ بنا لیا جہاں وہ مختلف جڑی بوٹیوں اور ماشوں سے مختلف بیماریوں کا علاج کرتی تھی۔ میں اس کے ہاں ایک جڑی بوٹی کی تلاش کے سلسلے میں پہنچا تھا۔ اس خاتون نے نہ صرف مجھے دوا تیار کر کے دی بلکہ آئندہ بھی غریبوں مسکینوں کے علاج کے لئے ہر قسم کے تعاون کی پیشکش کی۔ اب میں ایشیا میں جیسے کچھ تھک سا گیا تھا۔ یہاں کے لوگ، آب و ہوا، کھانا پینا، ماحول، پاکیزہ سے تفریح، مشاغل مجھے شاید اچھے لگے تھے یا پھر شاید یہ مسلمان خاتون تھی جسے دیکھ کر، سن اور جانچ کر مجھے شدت سے احساس ہوا کہ یہی وہ عورت ہے جو میرا آئیڈیل ہے۔ اس ایسی نیک نفس، خوش اطوار، فعال اور ہمدرد خاتون ہی میری شریک حیات ہو سکتی ہے جو میرے ساتھ میرے مشن میں میرا ہاتھ بٹا سکے۔ اب میں اکثر اس کے شفاخانے میں آنے جانے لگا۔ ایک بات میں نے شدت سے محسوس کی کہ یہ نیک خو خاتون میری عزت اور تعاون تو ضرور کرتی ہے مگر وہ

محبت سے بے تکلف ہونا یا ایک حد سے آگے بڑھنا پسند نہیں کرتی۔ وہ سر ڈھانپے رہتی اور مختلف اوقات میں اپنی نماز اور عبادت بھی نہ بھولتی۔ اس سے پیشتر میں مسلمانوں کو محض ہندوئی اور جسمانی اوقات و فخر کی حامل ایک فضول قسم کی قوم تصور کرتا تھا۔ میں نے اپنے طور اس خاتون کے قول و فعل اور طور طریقوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ میں دین اسلام اور قرآن مجید کا مطالعہ بھی کرتا رہا۔ نماز روزہ اور اسلامی شعار اور مشاغل کو بھی دیکھتا سمجھتا رہا۔ بالآخر مجھ پہ عقدہ کھلا کہ اس کائنات میں صرف اسلام قرآن اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کامل دین منبع ہدایت اور اصل رہنما ہیں۔ پاکیزگی صفائی سچائی ایمانداری محنت محبت بہادری خودداری مساوات اور ایک خدائے برتر کی عبادت اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت اسلام کے رہبر اصول ہیں۔ یہی مذہب حق اور حق ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ میں اندر سے مسلمان ہو چکا تھا میں اندھیرے سے باہر آنے کی جانب نکل آیا تھا۔ اب مجھے صرف ایسے ساتھی کی ضرورت تھی جو میرا ہاتھ تھام کر مجھے ظلمات کا احساس دلا سکے اور وہ اس ہمدرد خاتون کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟ ایک دن اس نے مجھے پاک ساز قرآن مجید پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ جس روز یہ قرآن اپنے ہاتھوں آنکھوں اور دل سے گزر کر تمہارے اندر اور دل تک آ جائے گا تو اس دن تمہاری بے حد خوشی ہوگی۔ ایک چھ ماہ بعد ہم ایک ہو گئے۔ مخلص اور مضبوط ہمسفر زندہ منزل سچا ہمدرد ایک تازہ سی سوچ و فکر اور ایک نئی ولولہ خیز امنگ پا کر میں نے دلی کشادگی سے محسوس کیا کہ اب میری بے مراد بے منزل سی زندگی کا قبلہ درست ہو گیا ہے۔

اس مادی دنیا کی حرص و ہوا سے تھوڑی دور خانقاہوں اور آبادیوں سے کہیں پرے ہم دونوں نے سادہ مگر بڑی باقاعدگی زندگی گزارنے لگے۔ ہمارے صبح و شام ماہ و سال بے سہارا لوگوں اور لاچار انسانیت کی خدمت دلنوازی اور اللہ کی اطاعت و عبادت سے تعبیر تھے۔ ہم جنگلوں پہاڑوں صحراؤں اور سمندر کے کناروں سے جڑی بوٹیاں سیپیاں موتی گھونگے سمندری جھاگ اور کائی گھاس وغیرہ چنتے رہتے۔ کاٹ چھانٹ رگڑ پیس کر ہم دوائیں مرہم لوق و لعوب اور عروق تیار کرتے رہتے جنہیں ہم دوست مندیہ روں سخت حالوں میں حسب ضرورت تقسیم کرتے رہتے۔ آج سے ٹھیک سات برس پہلے ہم میاں بیوی انہی جڑی بوٹیوں کی تلاش میں اس جگہ آ نکلے تھے ادھر ادھر گرد و نواح کے مطالب کی بے شمار جڑی بوٹیاں تھیں۔ ہم نے خوب تھیلے بھرے اور واپسی کی ٹھانی مگر اسی دوران ہم ایک اور مسئلے میں الجھ کر رہ گئے۔ ہماری چھوٹی سی پرانی ویگن اسی جگہ پہ کھڑی تھی جہاں اس پاگل سے شخص نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کی تھی۔ ہم دونوں میاں بیوی رفع حاجت کے لئے ذرا دور نالوں کی اوٹ میں نکل گئے وہاں سے

UrduPhoto.com

نیچے سمندر کے کنارے اتر گئے۔ شام سے ذرا پہلے واپس چلنے تو ہماری گاڑی سے کھانے پینے اور اوڑھنے بچھونے کے سامان کے علاوہ چند ایک اور چیزیں بھی غائب تھیں۔ اس ویرانے میں ہمارے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟ یہی سوچتے ہوئے ہم ادھر چنار کے پاس پہنچے آئے تہہ خانے کے دروازے پر کھڑے ہی تھے کہ چوروں کا سیلاب اندر سے باہر کی جانب نکل آیا۔ ہمیں یہ جاننے اور سمجھنے میں ذرا بھی مشکل پیش نہ آئی کہ نیچے کسی جگہ پر کوڑھ کے مریض موجود ہیں۔ نیچے سے آنے والی بدبو نے بھی ہمارے اندازے کے درست ہونے کی تصدیق کر دی۔ ہم دونوں میاں بیوی نیچے اترے اور پھر وہی کچھ پیش آیا جو آج تمہارے ساتھ ہو گزرا ہے۔"

چند لمحوں کے لئے ادھر سے سکوت ہوا تو میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً سوال کر دیا۔

"اے عظیم انسان! کیا تم سات برس سے ادھر ہی مقیم ہو...؟"

"ہاں" اس نے جواب دیا۔ "میں اپنی بیوی زلیخا کے ساتھ ادھر ہی رہتا ہوں... اس وقت ان قابل رحم لوگوں کی تعداد ستر سے اوپر تھی۔ ہم دونوں میاں بیوی نے اپنی زندگیاں ان آفت زدوں کی خدمت اور علاج [illegible] کرتے ہم ایسا کوئی گنہگار انسان نہیں۔ ستر افراد میں سے آج صرف یہی پانچ بدنصیب انسان باقی ہیں جن کی حالت بھی ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی مانند ہے۔ ہم نے مقدور بھر کوشش کی۔ رات کی نیند اور دن کا سکون ہر ضرورت اور حاجت ان بیماروں، لاچاروں کی تیمارداری اور علاج معالجہ پر تج دی مگر ہم دونوں صرف کوشش، دوا دارو اور دعا ہی کر سکتے ہیں۔ شفا دینا تو صرف اسی حکیم و حاکم کا کام ہے..."

وہ شاید سانس درست کرنے کی غرض سے پل کی پل خاموش ہوا تو میں نے پوچھ لیا۔

"میرے دوست! میں محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے تم بھی بیمار ہو۔ تمہاری حالت بھی مجھے دگرگوں سی دکھائی دے رہی ہے...؟"

میرے سوال پر اس نے پہلی بار بلکا سا قہقہہ لگایا پھر تھوڑا چھونکا کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ کوڑھ کے معالج کو بے پناہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایسا نامراد مرض ہے کہ علاج کرنے والا یا تیماردار خود بھی اس کا شکار ہو سکتا ہے۔ شروع شروع میں تو ہم دونوں نے قدرے احتیاط کی پھر....."

"اس کا مطلب ہے کہ تم دونوں میاں بیوی بھی اس مرض کا شکار ہو چکے ہو...؟"

وہ اپنا پورا چہرہ ننگا کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''کیا فرق پڑتا ہے ..... یہ لوگ بھی تو ہم ایسے انسان ہیں ہم بھی اگر ان ایسے ہو گئے تو کیا ہوا؟''

اس کا چہرہ دیکھ کر میری تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی ..... ناک، ہونٹ، جبڑے بالکل گل سڑ کر گر چکے تھے۔ دانت بے ہونٹ سامنے نکلے ہوئے۔ آنکھوں کے نیلے پپوٹوں اور پلکوں کے بغیر۔ سر پہ اگے ہوئے کھرنڈ اور کریہہ المنظر زخم۔ سرخ سرخ گوشت میں کھوپڑی کی سفید ہڈی نظر آ رہی تھی۔ میں یہ بتا بھی تو اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکتا تھا ..... میرے منہ سے یوں ہی نکل گیا۔

''تم انہیں اپنے شفاخانے میں لے جا سکتے تھے جہاں تم اپنی پیشہ وارانہ احتیاط کے ساتھ ان کا علاج بھی کر سکتے اور اپنی حفاظت بھی .....؟''

''ہاں ایسے ہو سکتا تھا مگر یہ لوگ ہوئی صدیوں سے پشت در پشت یہاں بوجہ رکنے پہ مجبور ہیں انہیں یہاں سے نکالنا پکڑنا ایسا آسان نہیں تھا.....''

''ٹھیک ..... یہ ان کی مجبوری ہو سکتی ہے مگر آپ تو مجبور نہیں تھے .....؟'' وہ اب ہم میرے ہمدردی کی زد پہ تھا۔

''ہم دونوں بیوی بھی یہاں کا شکار ہی تھے ہم انہیں حالت میں چھوڑ کر کہیں نہ جا سکے۔ یہ ہم میاں بیوی دونوں کا باہمی فیصلہ تھا ہم دونوں نے ان ہی کے ساتھ مرنے جینے کا فیصلہ کر لیا ..... الحمدللہ! ہم اس محل پہ پہنچنے کے بعد بھی اپنے فیصلے پہ شرمندہ نہیں۔ یہ ہماری آزمائش اور امتحان ہے۔ ہماری چند روز زندگی اگر اس بیمار کی دلجوئی اور خدمت داری میں کٹ جائے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی بھلا اور کیا ہو سکتی ہے؟..... الحمدللہ ہم سب باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ قرآن پڑھتے ہیں۔''

''نماز اور قرآن .....'' میں دہراتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ''کیا یہ سب مسلمان ہیں .....؟''

''ہاں یہ سب مسلمان ہیں.....''

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا اور مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب ہو لیا۔ اب ہم مینار کی دوسری منزل پہ تھے۔ یہاں کی تو دنیا ہی اور تھی۔ صاف ستھرا گول سا کمرا فرش پہ پرانا سا قالین۔ چند نماز رحلیں اور مصحف طاقچوں میں پندرہ کتابیں تسبیحیں اور چراغ دان ایک چراغ روشن کرتے ہوئے اس نے مجھے قالین پہ بیٹھنے کی دعوت دی بولا۔

''یہ کمرا ہماری جائے پناہ عبادت گاہ اور شفاخانہ بھی ہے۔ یہاں سے پانچ کوس پرے ایک گاؤں کا بظاہر گاؤدی سا بھلا انسان روزانہ ہمارے لئے خوراک ضروری ادویات اور دیگر سامان ضرورت

یہاں پہنچا جاتا ہے۔ اس کے بدلے میں ہم اسے کچھ وظیفہ اور بہت سی دعائیں دیتے ہیں وہ ہمارا سامان اسی کمرے میں پھینک کر باہر باہر سے ہی ہمیں برا بھلا کہتا ہوا چلا جاتا ہے یعنی ہمارے منہ نہیں لگتا۔۔۔"

"وہ بڑے بڑے چوہوں کا طوفان۔۔۔؟" اچانک یاد آنے پر میں نے چوہوں کا بھی پوچھ لیا۔

"ہاں وہ جنگلی چوہے ہمارے دوست ہیں خدا نے ان کی خوراک کا وسیلہ بھی ہمیں بنا رکھا ہے۔ اگر وہ چوہے نہ ہوں تو ہم سب برسوں پہلے مر کھپ گئے ہوتے۔۔۔ ہم دونوں میاں بیوی روزانہ تمام مریضوں کی مرہم پٹی کرتے ہیں ہمارے اور ان کے گلے سڑے جسموں اور زخموں سے اتری ہوئی پیپ اور خون بھری پٹیاں زخموں کے کھرنڈوں سے اترے ہوئے چھلکے جھری ہوئی کھال سڑا ہوا گوشت یہ ساری متعفن چیزیں ان چوہوں کی من بھاتی خوراک ہیں۔ ہر روز شام کو یہ آتے ہیں اور اپنی خوراک چن کر لے چلے جاتے ہیں۔"

"مگر یہ تو بڑا خطرناک عمل ہے ان چوہوں کے ذریعے یہ بیماری پھیل سکتی ہے۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ یہ سمندری چوہے ہیں انسانی آبادی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اصل میں یہ چوہے بھی نہیں انہیں آپ سمندری گلہریاں کہہ سکتے ہیں۔" وہ میری حیرت سے کہنے لگا۔ "میرے معزز دوست! مجھے یقین ہے کہ آپ کو خدا ہی یہاں میرے پاس بھیجے گا تاکہ میں اپنے دل کی کیفیت اور یہاں کی بیچارگی اور پر دوالی آخری منزل کا کچھ احوال سنا سکوں گا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج وہ بابرکت اور ہمدرد انسان اللہ نے یہاں میرے پاس بھیج دیا ہے۔"

"مگر وہ میں ہی کیوں کسی اور بھی تو ہو سکتا ہے؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"نہیں وہ آپ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ صرف مسلمان اور کچھ مخصوص خصوصیات کا حامل انسان ہی ہو سکتا تھا اور وہ اچھا انسان میرے سامنے موجود ہے۔"

"آپ اپنی اس بات کی وضاحت کرنا پسند کریں گے۔۔۔؟" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"میرے معزز! آپ خوب سمجھتے ہیں کہ کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی کسی بھی طور وضاحت نہیں کی جا سکتی بلکہ وہ خود ہی اپنی وضاحت اور فصاحت ہوتی ہیں۔ وہ کانوں کے سننے لائق نہیں ہوتیں وہ صرف باطنی طور پر سمجھی جا سکتی ہیں۔۔۔ آپ کا تو خود بھی تعلق روحانیت حکمت و کیمیا سے ہے کیا آپ وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ وہ نہیں ہیں جس کا مجھے انتظار تھا۔۔۔؟"

میں تھوڑا سا اس کا منہ تکنے لگا۔۔۔ وہ اپنی نشست کو قدرے آرام دہ بناتے ہوئے بتانے لگا۔

"اس ویرانے میں آپ کا پہلا قدم میری روح پہ پڑا تھا۔ اس خطۂ آفات میں کسی بھی جگہ پتھر

UrduPhoto.com

نیلے چبوترے مینار کسی دیوار یہاں تک کہ اگر کسی خود رو گھاس کی پتی پر بھی کوئی ننھی سی مکڑی بیٹھ جائے اور ہم چاہے اپنی اس سکونت میں کہیں بھی ہوں ہمیں بھنک مل جاتا ہے کہ باہر کوئی موجود ہے۔ خاموش سمندر کی مدھم سی سسکیاں اور اداس مغموم ہواؤں کی گھنی گھنی چیخوں کے سوا یہاں کسی تیسرے کی آواز سننے کا کوئی تصور نہیں۔ یہاں تو سمندری پرندے بھی اڑان بچا کر گزرتے ہیں زمینی مخلوق ادھر کی بو باس اور نحوست سے بہت پرے پرے رہتی ہے۔ کم از کم میں جب سے یہاں آیا ہوں آج پہلی مرتبہ کسی انسان کو دیکھا ہے ۔۔۔ ہم نے آپ کو مینار سے ہی ساحل کنارے آتے دیکھ لیا تھا۔ پھر آپ کنارہ چھوڑ کر اوپر یہاں آئے۔ ادھر ادھر گھومے چبوترے پر چڑھے۔ نماز ادا کی کھایا پیا۔ چوبے دیکھے پھر نیچے اترے ۔۔۔ اگر آپ وہ نہ ہوتے جس کا ہمیں انتظار تھا تو آپ سورج ڈوبنے سے بہت پہلے یہاں سے چلے گئے ہوتے....."

مجھے پھر بات کرنے کا موقع مل گیا تھا بولا۔

"میں نے جانا چاہا تھا مگر اس پاگل سے انسان نے مجھے لے کر جانا شاید مناسب نہیں سمجھا۔ پھر سوچا کہ نماز پڑھ کر اس پگڈنڈی پر ہو لوں گا جس سے وہ [illegible] نکل والا [illegible] کیا تھا۔"

وہ [illegible] ہوئے ہونٹ [illegible] اور بے چارگی بھری آنکھوں سے [illegible] کیا کوئی ہنسی کا تصور کر سکتا ہے [illegible] وہ ہنسی روک کر گویا ہوا۔

"ہاں ایسا آپ صرف کہنے کے لئے کہہ رہے ہیں ورنہ آپ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ جس کام کو سرانجام دینے کی غرض سے آپ یہاں آئے ہیں اسے انجام دیئے بغیر آپ کیسے یہاں سے جا سکتے ہیں" ۔۔۔ اچانک اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی جا کی فراخ آستینوں سے نکال باہر کئے۔ چھتر سے لٹکے ٹنڈ منڈ سے بے انگشت ہاتھ میرے سامنے تھے۔ وہ بے دھڑک بولا۔ "یہ میرے ہاتھ دیکھئے ۔۔۔ وہ بڑے ہوئے میرے اور میری بیوی کے ہاتھوں کی انگلیاں گل سڑ کر جھڑ چکی ہیں۔ اب ہاسور کہنیوں اور بازوؤں تک چڑھ آئے ہیں۔ ہمارے اس قبیلے میں صرف دو افراد ہی ایسے ہیں جن کے ناک ٹنڈ چہرے ختم ہو چکے ہیں مگر ہاتھوں کی کچھ باقیات انگلی ہیں وہی ہم سب کو کھاتے پاتے ہیں اور دیگر ہاتھوں سے کرنے والے کام کرتے ہیں۔ اب سے پہلے دو برس تک میں باقاعدہ ڈائری اور دیگر مسودات لکھتا رہا جب سے معذور ہوا تب سے یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک چھتر سے کے صندوق کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا بتانے لگا۔ "اس صندوق میں وہ سب کچھ ہے جو میں نے آج تک تحریر کیا ہے۔ میری آپ سے استدعا ہے کہ ان تحریروں کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ میرے تحریری مقالے نہ تات کے

متعلق میری ریسرچ تجربے اور تحقیقات سے یقیناً فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ آپ انہیں کسی ریسرچ سنٹر یا کسی ہسپتال کو بھی دے سکتے ہیں۔" پھر وہ صندوق کھول کر پلاسٹک کے لفافے میں لپٹا ہوا ایک پلندہ فرش پر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ ایک الگ ہدایت ہے لیکن آپ کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ اس پیکٹ کو آپ اپنے میں قیام کے دوران نہیں کھولیں گے۔ جب آپ اپنے ٹھکانے پر پہنچ پائیں تو پھر سکون سے اس پیکٹ کو کھولنے کا۔ پیکٹ کھولیں گے تو اوپر ہی ایک ہدایات نامہ دھرا ہوا ملے گا۔ اس ہدایت نامہ کے مطابق اگر آپ ان مسودات کو پڑھیں گے تو اس تمام کہانی کے رازوں اور اسراروں کو سمجھنے میں آسانی محسوس کریں گے جو اس مینار اور اس آفت زدہ جگہ سے تعلق رکھتی ہے۔ میں اپنی عدیم الفرصتی اسلامی علوم اور تاریخی پس منظر کو کما حقہ طور پر نہ جان پانے اور پُراسرار مخفی علوم تک رسائی حاصل نہ ہونے کی بنا پر اس مینار والے اسرار اور اس بلا کی آفت زدگی پر کوئی تحقیق نہیں کر سکا۔ ایک علیحدہ پیکٹ میں ایک پرانی بڑی سی چابی موجود ہے اور دروازے کے زہریلے نظام والے بے چابی کے قفل کو کھولنے کا ایک نقشہ بھی رکھا ہوا ہے اور ایک تیسرا احتیاطی نظام بھی ہے جو میں آپ کے ساتھ اوپر چل کر عملی طور پر سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

UrduPhoto.com

- مینار میں تنہا.....!

اس نے مجھے دوسرا پیکٹ کھول کر چابی نکالنے کو کہا۔ وہ آہنی چابی کو دونوں بے انگلیوں والے ہاتھوں سے تھامے ہوئے سیڑھی پہ قدم بہ قدم اوپر والی آخری منزل کی طرف چڑھ رہا تھا اور میں سہما سہما سا چابی ہدایت نامہ اور نقشہ پکڑے اندھیری رات کی گھنے جنگل میں بھٹکے ہوئے کسی معصوم مگر دلیر بچے کی طرح جو کسی صدیوں پرانے بڈھے کھوسٹ موٹے کی سی ناک والے جادوگر کے چنگل میں پھنس کر رہ گیا ہو اور خوفزدہ ہو کر اس کے پیچھے پیچھے اس کے جادو محل کے لرزاں مینارے پہ چڑھ رہا ہو۔ ازحد تین چکروں کے بعد آخر وہ بھاری بھرکم آہنی دروازہ سامنے نظر آ ہی گیا۔ اس نے مجھے قفل کھولنے کا اشارہ کیا۔ قفل کیا تھا اک جناتی مغلاق تھا۔ ٹھوس تانبے سے گھڑا ہوا یہ تالا کم و بیش پانچ کلو کا ہوگا۔ اس عجیب و غریب تالے کی دونوں جانب چابی ڈالنے والے سوراخ تھے۔ تالے کی ساخت کچھ ایسی وضع کی تھی کہ اسے کسی بھی ہتھیار یا اوزار سے توڑا یا کھولا نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے تالے کے دائیں سوراخ میں چابی داخل کی۔ چابی یوں گھومی گئی جیسے تالا اندر سے خالی ہو۔ اس نے مجھے نقشہ دیکھنے اور ہدایت

[illegible] کا اشارہ کیا۔ ہدایت پڑھنے کے بعد میں نے بائیں ہاتھ سے تالے کو تھاما اور دائیں ہاتھ سے چابی [illegible] گھمائی۔ اب کے چابی نے اندر کسی پرزے کو پکڑ لیا تھا۔ چوبارہ سیدھی سمت گھمانے پہ تالے کے اوپر [illegible] موٹا سا کیل ابھر آیا۔ میں کو انگوٹھے سے دبایا تو چابی باہر نکل آئی۔ پھر تالے کی دوسری جانب بھی کچھ [illegible] چابی باہر نکل آئی۔ دونوں سوراخوں میں دو دو بار یہی کچھ کرنے کے بعد تالے کو کہیں کچھ رحم آیا اور [illegible] نے اپنا آپ کھول دیا۔ اب اگلے قدم کے لئے پھر نقشہ اور ہدایات دیکھنی پڑیں۔ اب میں نے [illegible] کے دائیں بائیں لگے ہوئے ایک آہنی چھ گوشہ ستارے کو سیدھی جانب ایک پورا پورا چکر دے کر [illegible] کلک کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلنے کے آثار پیدا ہوئے۔ اس کے اشارہ کرنے پہ اگلی یعنی [illegible] تیسری ہدایت کی جانب توجہ مبذول کی معلوم ہوا کہ اب مجھے آہنی ستاروں کے اوپر بنے ہوئے ابھرے [illegible] سوراخوں کو باری باری پانچ پانچ مکے مارنے پڑیں گے۔ دونوں پٹ کھل چکے تھے ایک عجیب سی باس نے [illegible] استقبال کیا جسے نہ تو بدبو کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی مکمل خوشبو۔ بدبو اور خوشبو کا ایک عجیب سا امتزاج تھا۔ [illegible] سے اجالے نے اندر اس گول سے کمرے کو بڑا پراسرار سا بنا رکھا تھا۔ اندر داخل ہوئے تو معلوم ہوا [illegible] کمرے کے اوپر بھی ایک منزل یا کچھ [illegible] کمرے کی نچلی سی چھت [illegible] درمیان [illegible] بڑا سا گول سوراخ [illegible] کے اوپر جا رہا تھا۔ [illegible] ایک آہنی سیڑھی [illegible] سوراخ تک اٹھی ہوئی تھی۔ اسی کمرے کی نچلی دیوار میں ایک مضبوط آہنی کنڈے سے منسلک ایک بھاری [illegible] آلود زنجیر بھی اوپر سوراخ کے راستے کہیں پیچھے ہوئی تھی۔ اس کمرے کی دیواروں میں بھی گول گول [illegible] الماریاں موجود تھیں۔ فرش پہ کھدے کھدے چاروں اطراف [illegible] سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ [illegible] عجیب و غریب سا پرانا سامان زنجیریں صندوق چمڑے کے مشکیزے ٹوٹے ہوئے بڑے بڑے برتن اور [illegible] میں کولہو کے بیل کی مانند آہستہ آہستہ بڑے تجسس اور تردد کے ساتھ دیوار کے ساتھ ساتھ چکر [illegible] رہا تھا۔ میرا مہربان عجیب و غریب میزبان بڑی خاموشی اور بیچارگی سے دروازے کے پاس کھڑا [illegible] حرکات ملاحظہ کر رہا تھا۔ ایک چکر کاٹ کر جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے اشارے سے [illegible] سیڑھی سے اوپر جانے کو کہا۔ میرے لئے اب اوپر جانا شاید واجب ہو چکا تھا کیونکہ اوپر والا کمرا میرے [illegible] آخری اسرار تھا۔ اسے اب مجھے دیکھ ہی لینا چاہئے تھا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر سیڑھی پہ پاؤں رکھ دیا۔ [illegible] پہلا قدم اٹھانے پہ میں نے اوپر والے گول سوراخ کے اس پار جھانکا لیا تھا۔ یہاں نیچے کی نسبت [illegible] اتنی ہی قدرے زیادہ تھی۔ اوپر شیشے کا گنبد چمکتی ہوئی چاندنی اور بلندی [illegible] مزید تین قدم اٹھانے کے [illegible] میں اوپر شیشے کے گنبد والے کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ نیچے سے اوپر چڑھی ہوئی زنجیر اس وقت

UrduPhoto.com

مضبوطی سے تھامی نہ ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ میں چلا جاتا کہ پیچھے گر پڑتا کیونکہ جو منظر میری نگاہوں کے سامنے تھا اس کا فوری ردِعمل یہی ہو سکتا تھا۔

نیچے سے اوپر آتی ہوئی زنجیر کے سرے پر ایک انڈے کی شکل کا پنجرہ نما خود تھا جو ایک انسانی چہرے کو سر پہ گرفت کئے ہوئے تھا۔ یعنی انسانی سر چہرے کے مطابق اسی شکل کا شیشہ نما خود اس بدنصیب معتوب انسان کے سر چہرے پہ چڑھا کر جبڑوں کے نیچے گردن کے گرد گرفت دے کر لوہے کی رسیوں سے ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا گیا تھا۔ اس آہنی شیشے کے سر پہ تاؤ کی جگہ یہ آہنی زنجیر پیوست تھی جس کا دوسرا سرا نیچے کمرے کی دیوار میں ٹھکا ہوا تھا۔ اس آہنی ڈھانچے کے سر پہ چڑھا ہوا یہ پنجرہ نما شیشہ کچھ ایسا تھا کہ منہ کے آگے گول سا سوراخ تھا اسی طرح ناک اور کانوں کے برابر بھی سوراخ تھے جو شاید قیدی کے کھانے پینے اور سننے کی سہولت کے لئے تھے۔ موٹے موٹے لوہے کے تسموں سے بنا ہوا یہ پنجرہ کسی انتہائی ہنرمند ہاتھوں کا تیار کردہ دکھائی دیتا تھا۔ کسی صاحب کسب و کمال آہن گر نے خوب مشاق سے لوہے کا انسانی چہرہ بنایا تھا۔

UrduPhoto.com

• ننگ شاہی ملک رہا

بالکل ایسا ہی ایک چہرہ میں نے بہت عرصہ پہلے مشرقی پاکستان میں دیکھا تھا۔ سندربن کے نشیبی دلدلی علاقوں اور تاریکیوں کی گھنڈ میں لپٹے ہوئے ابروں طلسم کی مانند گھنے گہرے جنگلوں میں مسلسل چھ سات ماہ کی خجل خواری اور گدھے سواری کے بعد میں مختلف جنگلی اور دلدلی قسم کے عوارض میں مبتلا ہو کر اپنے ایک بنگالی ہندو بنیے کے ہاں کاس بازار کے علاقے کوکس بازار میں پڑا ہوا "ہائے ہائے اوئی اوئی" کر رہا تھا۔ جنگلی اور دلدلی مچھروں مکھیوں مکڑیوں آب و ہوا اور نامعقول قسم کے جنگلی اور بنگالی انداز کے خورد و نوش نے مجھے بخار یرقان نقصان اور نسیان کے عوارض میں جکڑ رکھا تھا۔ ساگ پات بھات اور مچھلی کھا کھا کر میں خود بھی کوئی مچھلی یا کچھوا یا کوئی ذات قسم کی آبی مخلوق بن چکا تھا۔ کمزوری اور نقاہت کا یہ عالم کہ بات کرنے کے لئے مجھے اپنی زبان اور دانت خود پکڑ کر ہلانے پڑتے تھے۔ آنکھوں میں پیلاہٹ کچھ یوں اتر آئی تھی کہ بنگالی مجھے چینی اور جاپانی دکھائی دیتے تھے میرا اپنا کالا لباس مجھے دھوبی کا پیلا پہناوا دکھائی دیتا تھا۔ رنگ اڑ گیا تھا۔ اس میرے بنیے پروفیسر شاعر ویدانت ویاس دھرما نے جو پکا ویدانتی تھا مجھے اپنے موروثی وید کی تیز بھدف جڑی بوٹیوں والے جوہر جو شاندے پلا پلا اور اپنے شعر سے

کا کہ اس مقام آخریں پہ لا کھڑا کر دیا ہوا تھا کہ مجھے فل الفور بجائے تمہارے قتل کر دینے کا ارادہ باندھ لینا
پڑا۔ خیر من الشمس تھا کہ اگر میں مروت سے کام لیتے ہوئے یہ انتہائی قدم اٹھانے کا سوچتا تو وہ مجھے
بوشاندوں کا بھی اثر زہر پلا پلا کر "مفعلن مفعلن فاعلان" کر دیتا اور میں بنگلہ دیش میں مشرقی پاکستان
کی موت سے موت مر گیا ہوتا اور پھر کاس بازاری تنگ و تاریک گلیوں سے نکلوں کے بیچوں بیچ کی ہوئی
ہوئی ارتھی کمداوری کے شمشان گھاٹ کی جانب جا رہی ہوتی۔ مگر وہ ذاتی ہونے کے باوصف وہ
تھت وہ پاس ہوتا ایک انتہائی خطیر قسم کا متعصب تھا وہ یقیناً مجھے دفنانے کی بجائے جلانا زیادہ پسند کرتا کہ
کم از کم جہاں پاک ہو جائے لیکن اس کی بدقسمتی اور میری خوش قسمتی کہ اس تمام تر دوڑ کی نہ مجھے ضرورت
پیش آئی اور نہ اسے اور ہم دونوں ازلی کمینے ایک دوسرے کی نگاہوں سے بچ گئے تھے۔

وہ کہیں سے خبر لایا تھا کہ پچھلے دس پندرہ سال سے باہر کی کاؤں کھیا کے لیے برقان اور سندرمی کی
تو کل کھی "بھوتی" کے کالے کے بخار کا شافی علاج کرتا ہے۔ فیس نہ کوئی نذرانہ بس دو چار روز لگاتے
تک اس کے آشرم میں رہنا پڑتا ہے۔ جل بھوجن دوا دارو پہ بھی کوئی دام نہیں پڑتے اور پھل سیوا کرنے
والے سیوک بھی کچھ طلب نہیں کرتے۔ [illegible] مسکراتے ہوئے دو پاؤں پہ چل
کر واپس آ جاتا ہے۔ [illegible] کھیا کے آشرم میں جا پڑتے ہیں۔ وہ
بھی کوئی ایسی کالی بھوتی بند ہوگا وہ بھی یہاں کوئی بھوت کرتے تم کا ہو۔ یہی سوچ کر ہمت دیاس
دو بالا کے ساتھ ہو لیا کہ کھیا بھلے کالا ناگ ہی کیوں نہ ہو اس مردوئی دیہ کے کروے کیسے ہوشاندوں
سے تو جان چھوٹے گی۔ پھر سفر [illegible] ایک ہی پگڈنڈی پیدل طے کر کے
بالآخر ہم تیسرے پہر کے اس کھیا کے کاؤں پہنچ ہی گئے۔

ایسا سرسبز اور خوشحال کاؤں مشرقی پاکستان میں کہیں کم ہی دیکھا ہوگا۔ یہاں کے باسیوں کے
تن بدن سے بھی آسودگی جھلکتی دکھائی دیتی تھی گو سفری صعوبت نے مت ماری ہوئی تھی مگر پھر بھی میں
تازہ تازہ چہرے فربہ تندرست مال مویشی صاف ستھرے گھر گھر بندھے مچھیوں سے بھرے ہوئے تالاب
اور کھیتوں میں پھلتی ہوئی طرفیاں پودے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اسی دیکھا دیکھی میں ہم کھیا کے آشرم
تک پہنچ گئے۔ یہاں بھی لیجیے اللہ والا معاملہ تھا۔ صاف ستھری عمارت چاک و چوبند خدمتگار دیا دالے
بندے "جے رام جی کی" کر کے ہم بھی دیگر دکھی مریض لوگوں میں مل کر بیٹھ گئے۔ اسی دوران
دوا کا اور مریض بھی آتے گئے۔ اگلے قریب قریب ایک گھنٹے میں آشرم کا صحن مریضوں سے بھر چکا
تھا۔ ہر مریض کے پہنچتے ہی اسے ایک بھگت کا پرچہ سا تھما دیا جاتا جس پہ اس کا نمبر ہوتا۔ میں وہاں

UrduPhoto.com

بارہوں نہ تھا۔ بیٹھے بیٹھے پاؤں کو بے حس سے ہونے لگے تو میں نے دھیرے سے پروفیسر داویا کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہ کھیاری اپنا کھوا کب اکھاڑیں گے۔۔۔ دیکھو رہے ہو کتنے لوگ جمع ہو چکے ہیں۔۔۔؟"

وہ مریضوں سے جل تھل صحن پہ اک نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"کھیاری کا کھوا یہاں آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔۔۔ باقی رہی ان مریضوں کی بات تو ان میں آدھے سے زیادہ تو محض بھوجن کے لئے ادھر آئے ہوئے ہیں۔ کچھ دان پن لینے والے ہیں اور چند ایسے بھی ہوں گے جو ہماری طرح دوا دارو کے لئے پہنچے ہوں گے۔"

پروفیسر داویا کی باتیں اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں کہ سن کر پہروں ڈوبے رہنا پڑتا ہے کہ اس بندۂ عجیب الخلقت نے کیا کہہ دیا ہے؟۔۔۔ میں بھی چند لمحے غور کرتا رہا جب کچھ سجھائی نہ دیا تو پوچھ بیٹھا۔

"اے بندۂ دانا! پہلے یہ کھوا والی بات تو سمجھاؤ کہ ان کا کھوا کیوں کسی نے نہیں دیکھا اور پھر دوسری نہ سمجھ میں آنے والی باتیں دریافت کروں گا۔"

وہ [illegible] پڑی [illegible]

"کسی بات کے لئے کوشش چاہے ہوئے بھی کل یا کل وہ اتنے جیزوں اور لوگوں کے لئے اچھا ہوتا ہے۔۔۔ کھوا والی بات کا جواب دینے کا اب وقت نہیں رہا۔ وہ دیکھو بہت چادر تانی جا رہی ہے اور کھیاری اب پردہ ڈالنے ہی والے ہیں۔ ان کے پنڈال میں پہنچتے ہی تمہیں تمہاری بات کا جواب مل جائے گا۔"

اس سے پیشتر کہ میں ایک بار پھر اس کی بات پہ غور کرتا ایک اولو پرشاد سا گول گپا قسم کا آدمی جس نے بھدرا کر رکھا ہوا تھا زور زور سے نیم کے جھاڑ سے لٹکی ہوئی کانسی کی ٹلی کھڑکانے لگا۔ لوگ باگ ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے اور اپنی اپنی نمبروں والی پرچیاں دیکھنے لگے۔ میری نظریں سامنے برآمدے میں دائیں بائیں دو ستونوں کے درمیان کھنچے ہوئے پردے پہ جمی ہوئی تھیں جس کے پیچھے ایک بڑا سا چوبی چوکا بچھا ہوا تھا۔ چوکے کے دائیں بائیں پگڑیاں باندھے دو انتہائی مستعد اور مضبوط سے کارندے بیٹھے ہوئے منتظر لوگوں کو گھور رہے تھے۔ یہ بالکل ایسا سماں تھا جیسے گاؤں گھروں میں رام لیلا کے تماشے دکھائے جاتے ہیں۔ دھونکیں کھڑکائیں نعرے شہنائیاں اور کانچ کھڑکائے جاتے۔ پھر شور اور قہقہے سنائی دیتے پھر آہستہ آہستہ پردہ سرکتا اور رام لچھمن پردے پہ نمودار دکھائی دیتے۔۔۔ پروفیسر داویا نے اچانک مجھے کہنی

سے ٹہوکا دیتے ہوئے کہا۔

"بس اب مکھیا جی درشن دینے ہی والے ہیں....."

ایک بار پھر کھڑکی اور پردے کے پیچھے کچھ سراہٹ اور جھنجھناہٹ سی ہوئی اور مکھیا جی کے پاؤں چھلکتے چلے گئے۔ پردے کے دائیں بائیں اب دو صاف ستھری تندرست عورتیں بھی آ براجی تھیں۔ ایک بار پھر "ٹن" کی آواز تھرتھرائی کانسی کی ٹلی پہ لوہے کا ہتھوڑا تھا۔ پہلے نمبر والی ایک جوان سی لڑکی تھی سامنے تنی چادر کے نیچے پڑے ہوئے کھڑکی کے چوکھٹے پہ بازو کھول کر کھڑی ہو گئی۔ دائیں طرف کی عورت نے اس سے نمبر والی پٹڑی لی اور اسے ذرا سا آگے سرکایا۔ اس کے بازوؤں کو ذرا اور کھولا اور آگے کی جانب ہلکا سا جھکایا۔ اب وہ لڑکی یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے ابھی پردے کے پیچھے سے "ٹن کا تھرتھرا" کی آواز آنے لگی اور یہ پرواز کر جائے گی۔ میں ہونٹ کاٹتے ہوئے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ پروفیسر واویلا نے میرے کان میں ہلکی سی سرگوشی کی۔

"تم نے تو کہا کہ مکھیا جی درشن دینے والے ہیں یہاں تو یہ کنیا نرت درشن کے بجائے بتا رہی ہے۔"

پروفیسر واویلا نے مجھے اپنے خدشے سے آگاہ کیا جسے میں بھی سمجھ رہا تھا۔ اب جو ان لڑکی کے بھولے سے ساتھ لڑکی تھی۔ پھر بے دلی سے بتانے لگا۔

"یہ کنیا نرت کے بجائے تاؤ نہیں بتا رہی بلکہ اپنی جوانی بتا رہی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ پھر لڑکی کی جانب متوجہ ہو گیا۔ لڑکی سنا اب اٹھ چکی تھی اب وہ سانچے پر سے رہی تھی اور دونوں بازو سیدھے کئے ہوئے تھے۔ مجھ سے پھر نہ رہا گیا۔ بڑی محبت سے پروفیسر واویلا کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے نہایت فدویانہ انداز میں عرض کی۔

"پروفیسر واویلا صاحب! نگاہیں اور نیت بے تکی ادھر اسٹیج کی جانب ہی رکھیے صرف نمونے کے طور پہ بتائیے کہ یہ دلکش ماہ جبین اور دلجو دلربا بھی فلموں میں کچھ ایسے ہی انداز میں....."

وہ میری بات کو بیچ میں ہی قطع کی طرح کاٹ کر بولا۔

"وہ ہیرو اور پبلک کو اپنی تکلیف بتا رہی ہوتی ہیں....."

میں اس کا مسئلہ سمجھ کر اب اس کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگا۔

"مہاراج! میرا مطلب یہ نہ تھا میں تو صرف اپنی معلومات کے لئے پوچھ رہا تھا۔ اچھا چھوڑیے اس بات کو مجھے صرف یہ بتائیے کہ یہ مریض کو خواہ وہ عورت ہو یا مرد یا بوڑھا سانچے میں یا کوئی جوان

کیا ہر کسی کو ایسے ہی انداز اور پوز بنا کر اپنا دکھ یا مرض بتانا بلکہ دکھانا پڑتا ہے یا کچھ مریضوں کی مکھیاں نبض آنکھیں زبان وغیرہ بھی دیکھتے ہیں؟"

ادھر لڑکی بائیں جانب کا پوز بنائے بلکی سی جھکی ہوئی کھڑی تھی پردہ دار وہ ادھر سے نظریں ہٹائے بغیر مجھے بتانے لگا۔

"خان صاحب! مکھیاں تو پردے کی دوسرے جانب بیٹھے مریض کے سائے کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس کے مرض کو پکڑ رہے ہیں یہ ان کی اپنی خاص خاندانی ویدک ہے۔ وہ صرف سایہ دیکھتے ہیں۔ نبض آنکھیں ناخن زبان یا خون پیشاب کی رنگت وغیرہ نہیں دیکھتے۔"

"سبحان اللہ!" اچانک میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "پیارے مسٹر داویا! میں نے یہاں تک تو سن بلکہ دیکھ رکھا تھا کہ آجکل ڈاکٹروں کی مختلف درجنوں اور چند اقسام نرسز و قسم سے ہم بیماریوں کا شافی علاج ہوتا ہے مگر آج کے اس "مریض دوست" کا ملاحظہ میرے لئے بہت بڑا انکشاف ہے کہ مریض کے ہاتھ بھی دیکھ کر معالج اس کے ظاہری باطنی امراض کو کھوج لیتا ہے۔"

ادھر [illegible] "پردہ سکرین" سے اترتی تو ادھر [illegible] نے اگلے نمبر سے ایک [illegible] کو پردے کی جانب بڑھتے دیکھا تو [illegible] کی طرف مڑتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں ایسا ہی ہے۔ اپنی اپنی ویدک حکمت اور طریقہ علاج ہے۔"

مسٹر داویا کا کہنا تھا کہ ادھر ہمارے ہاں تو ایسے ایسے سیانے اور ویدیاں جن کے پاس مریض کو لے جانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ ایک دن راستے تندرست پہنچا دیا کپڑا ساتھ لے جاؤ وہ کپڑے کو ملاحظہ دیکھ اور چھو کر ہی دوا دارو بتا دیتے ہیں کیا مجال جو تشخیص مرض میں کوئی فرق ہو۔ پردہ دار خواتین جو حکیموں اور ویدوں تک سے پردہ نشین ہوتی ہیں اور اپنے ہاتھ پیر کو چھونے تک نہیں دیتیں ان کی کلائی پہ بندھے ہوئے دھاگے کے اگلے سرے سے نبض سمجھ کر مرض معلوم کر لیتے ہیں۔ ایسے مہاتمش ویدی سنیاسی بھی ہیں جو محض مریض کے ہاتھ کی کسی انگلی سے تراشے ہوئے ناخن اور سر کے بال کو محض اک نظر دیکھ کر ہی اگلے شخص میں لگنے والی بیماری کی بھی خبر دے دیتے ہیں۔ اسی طرح سایہ اور پرچھائیں پڑنے والے بھی یہاں بھی موجود ہیں اور ان حکیموں کا شمار بھی انہی مہاتمشوں میں ہوتا ہے۔

نمبر دو پہ مریض بڑھنے نے بھی دو چار انگ بھاؤ دکھائے اور اتر آیا تیسرے نمبر پر ایک بوڑھی سی عورت تھی جو چلنے یا کھڑے ہونا تو کجا وہ تو ڈھنگ سے بیٹھ بھی نہ سکتی تھی۔ اسے اس کے وارثوں نے اٹھا کر وہاں تک پہنچایا اور سہارا دے کر اسے کھڑے ہونے میں مدد دی۔ اس سے اگلے نمبر پر پھر ایک بوڑھی

UrduPhoto.com

ضرورت تھی مگر اسی دوران اچانک سورج کے سامنے بادل کا ایک ٹکڑا آ جانے سے معاملہ تشخیص رک سا گیا معلوم ہوا کہ پچھلے پہر کے ڈھلتے سورج کی روشنی کا ہی سارا کھیل ہے۔ مریض پر سورج کی ترچھی کرنیں پڑتی ہیں پودے پہ مریض کا سایہ پڑتا ہے اور دوسری جانب بیٹھا ہوا کھیا سایہ ملاحظہ کر کے مرض معلوم کر لیتا ہے۔ مریض اور معالج کے مابین کسی قسم کا کوئی مکالمہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ معالج محض سائے سے مریض کی عمر تک معلوم کر لیتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے آخر میری باری بھی آ گئی۔ "یا اللہ خیر!" کہہ کر میں بھی پودے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور کھیا کے معاونین کے حکم کے مطابق میں بھی اپنے ایک انگیرے اتارتا رہا بلکہ بدلتا ہی رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ بیچارا "رقص درویش" شاید کھیا جی کو کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا ہے۔ مجھے ایسے ایسے انداز اور انگ بھاؤ بتانے پہ مجبور کیا جاتا رہا کہ جیسے میں کھیا جی کے آشرم میں نہیں بلکہ چوہدری کی ڈانس اکیڈمی میں کسی خاص ڈانس کی ریہرسل کر رہا ہوں۔ مجھے اچھا خاصا رگیدنے اور پیٹنے کے بعد کھیا جی کے ایک خاص کارندے نے مجھے انتہائی احترام سے ایک علیحدہ اور پرآسائش کمرے میں لا کر بٹھایا۔ پروفیسر داویا بھی پیچھے پیچھے چلا آیا۔ یہ کمرہ آشرم سے ہٹ کر ایک علیحدہ حصے میں واقع تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد چاروں اور بھجن کی نشیلی لذت پڑھاتے چہرے بشرے پہ ایک خاص [illegible] ایک شخص اندر داخل ہوا اور [illegible] بچھا کر بیٹھ گیا۔

"کھیا جی کی اچھا ہے کہ آپ یہاں پہ دھیان اور لگن شانت سے بیٹھیں جل پانی سے من [illegible] جائیں۔ پنڈال منڈل سمپورن ہونے پہ ملاقات ہو گی....."

یہ کہہ کر الٹے پاؤں وہ "کچھوا" سا شخص جدھر سے آیا تھا ادھر ہی نکل گیا۔

"ہائی ڈیر پروفیسر داویا! کچھ پلے نہیں پڑا۔ دوسرے مریض تو ادھر ہی برآمدے میں بٹھائے جا رہے تھے ہم سے یہ وی آئی پی سلوک.....؟"

"بھیا! تم پروفیسر داویا کے ساتھ ہو کسی ٹھوٹھے کے ساتھ نہیں۔ ہمارا سٹنگ تھوڑے سے ایسے ہی نہیں پڑتے ہیں.....!"

میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ماش کے ملیدے کی مانند زیادہ اینٹھنے کی ضرورت نہیں زیادہ گھٹنے سے ادھر میدان میں دھرنا دیئے بے نیل و مرام لنڈورے سے بیٹھے رہتے کسی نے نام تک نہ پوچھا کہ بھائیو! منہ میں کتنے دانت اور پیٹ میں کس ذات کی آنت ہے۔ کیا ادھر تمہاری وی آئی پی [illegible] دکھائی نہیں دی تھی"

"ہر بات اور کرامات کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ بس دیکھتے جاؤ آگے آگے کیا ہوتا ہے....."

بھوک پیاس سے نڈھال سا ہوتے ہوئے میں نے جواب دیا۔

"مہاراج! جب سے میں یہاں آیا ہوں بس دیکھ ہی تو رہا ہوں کچھ کھایا تو نہیں رہا۔ ہم کم از کم کچھ دیکھنے سننے کو تو تھا یہاں تو صرف تم ہی تم ہو سنتے دیکھو دیکھو اور سن کر مجھے یہ طرح کی بدہضمی ہو چکی ہے....."

وہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ تم میرے بارے میں کہہ رہے ہو.....؟"

"جی آپ ہو کچھ بھی میں نے ابھی ابھی کہا ہے اس کا مرکز آپ کی ہی ذات ہے۔ کھیاتی سے تو ابھی میرا باقاعدہ طور پہ پریچے ہوا ہی نہیں"

کھیاتی کا ایک ملازم سرکنڈوں سے بنے ہوئے ایک بڑے ٹرے نما برتن میں آدھے آدھے کاٹے ہوئے چھلکوں اور باقیوں سمیت کچے ناریل لے کر آیا جن میں پانی اور نرم نرم ملائم مدھم مدھم مہک والا گودا بھرا ہوا تھا جیسے کسی نے دودھ چاول کی ذائقہ دار کھیر بنا کر رکھی ہوئی ہو۔ ساتھ ہی پیغام تھا کہ آپ لوگ جل پان کریں رات کے کھانے کا وقت ہوا۔ اس ملازم نے کرنے کے ساتھ ہاتھ دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود ہے اشنان سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کر لیں ایک کونے کی کھٹی چارپائی پر رکھتے ہوئے بولا۔ "اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ گھنٹی بجا دیں میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

ملازم کے باہر نکلتے ہی ہم دونوں جم جم کے بھوکوں کی طرح ناریلوں کی کھیر پر ٹوٹ پڑے یہ بنگال کے ایک مخصوص علاقے کی خاص ڈش ہے۔ کچے ناریل کے گودے اور پانی میں موتے بھوت پائے جاتے ہیں کمزور اور معدے کے مریضوں کے لئے یہ مقوی مگر زود ہضم غذا کسی نعمت سے کم نہیں ہوتی غذا کی غذا اور دوا کی دوا۔ کہاں کہ کئی دنوں سے ایک مکمل لقمہ تک حلق سے نیچے نہیں اترا تھا۔ اب یہاں میں ندیدوں کی طرح ہڑپ ہڑپ کھا رہا تھا۔ کھانے کا خوب لطف لیا پھر منہ ہاتھ دھو کے ہوئے میں نے پروفیسر داویلا کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"باہر کے قرائن اور میرے بھیتر کے قرائن بتا رہے ہیں کہ کم از کم ہم آج کی رات یہیں رہیں گے....."

"لگتا تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی ہے" پروفیسر وادیا ہونٹوں کو سکیڑتے ہوئے فرش کی چٹائی پر لیٹتے ہوئے مزید بولنے لگا۔ "چلو ٹھیک ہی ہے۔ تھکاوٹ سے سر پھٹا جا رہا ہے۔ تم بھی جوتے کی جگہ پکڑ کر سیدھی کرو پھر اٹھ کر اشنان کر لینا۔ ٹھیا جی کے درشن بھی لینے ہیں۔"

سونا کیا تھا، اس آدھا پون گھنٹہ کر نکالی تھی۔ کھڑکی سے باہر دیکھا، شام اتر آئی تھی۔ دروازہ کھٹکھٹا کر وہی ملازم دھیرے سے اندر داخل ہوا اور ہاتھ باندھے سر جھکائے کہنے لگا۔

"ٹھیا جی نے پیغام بھیجا ہے، بنتی کی ہے کہ رات کا بھوجن آپ ان کے ساتھ کریں۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد آپ نہا دھو کر تیار ہو جائیں....."

اس کے الٹے قدم واپس ہوتے ہی میں نے پروفیسر وادیا سے دریافت کیا۔

"پروفیسر صاحب! یہ آپ کے ٹھیا جی کیا چیز ہیں..... دیوتا ہیں، فرشتہ ہیں یا کوئی رشی یا مہاپرش اور ان کا پردے کے پیچھے چھپ کر بیٹھنا کسی کو درشن نہ دینا یہ بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

وہ میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے غسل خانے کی جانب بڑھتے ہوئے صرف اتنا بولا۔

"ابھی دیکھتے جاؤ، ابھی آپ کو زیادہ دور نہیں۔"

[illegible] پہنے ہوئے تھے لٹکا ہوا اندر داخل ہوا۔ بندھے ہاتھ پرنام کر کے وہ آگے بڑھا اور ایک ایک دروازے کے پٹ میں کھول کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ زینوں کی ایک لمبی بارہ دری کے ہم تینوں ایک بڑے سے کمرے کے پاس رک گئے۔ وہ ہمیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے جھونپڑے کے ایک حصے میں کہیں غائب ہو گیا۔ یہاں جا بجا ناریل کے درخت، بانس اور بڑی زرسوں کی بارہ دری تھی۔ یہاں ہی ایک پختہ تالاب بھی نظر آیا جو زمین سے قدرے اونچا تھا۔ چند ایک صحتمند سے ملازم بھی آس پاس ٹہل رہے تھے۔ ہمارے کمرے کی طرح یہ جگہ بھی آشرم کی حدود سے قدرے علیحدہ تھی یعنی آشرم اور اس جگہ کے درمیان جنگل کی باڑھ اور چند جڑی بوٹیوں اور سبزیوں کے کھیت تھے۔ وہی ملازم [illegible] کی کھڑاویں اٹھائے ہماری سامنے کھڑا تھا۔

"اپنے چپل اتار کر آپ انہیں پہن لیں۔"

جس کسی نے یہ کھڑاویں کبھی نہ پہنی ہوں اس بیچارے کے لئے انہیں پہننے کا تجربہ بڑا خوشگوار نہیں ہوتا۔ یہ جوگیوں، سنیاسیوں اور گیانیوں دھیانیوں کے پاؤں کا پہناوا ہے عام آدمی کے لئے یہ محض بوجھ بلکہ [illegible] ہیں۔ مسلمان فقیروں درویشوں میں تو ان کا بالکل ہی رواج نہیں۔ یہ بڑی

UrduPhoto.com

نیم ضروری اور نیم فطرتی لگتی ہے۔ "کھٹ کھٹ" کی آواز سماعت پہ بڑی گراں گزرتی ہے۔ پاؤں تلے چھپے چپل پاؤں بندھے ہوئے ہوں اور پھر پیر کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان لکڑی کی سخت سطح بڑی ناگوار لگتی ہے جیسے شطرنج کی بساط پہ پڑے ہوئے فرضی (وزیر) کو پکڑ کر لکڑی کے موٹے تختے پہ انگوٹھے اور بڑی انگلی کے درمیان والی جگہ پہ رکھ دیا ہو۔ کھڑاویں "کھٹ کھٹ" کرتے ہم دونوں "مشنو" اس ملازم کے پیچھے پیچھے چھوٹے کے اندر چلے گئے۔

ظاہر سے باطن ہمیشہ مختلف ہوتا ہے۔ مکان باہر سے کچھ نظر آتا ہے اور اندر سے کچھ۔ اسی طرح انسان کا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ اور ہوتا ہے۔ صورت کچھ اور سیرت کچھ۔ جھونپڑا ہو یا کوئی لمبا فقیر ہوں درویشوں کی طرح یہ بھی بھیجتے ہوئے کپڑے اور گھر ہوتے ہیں۔ ان کی بے سروسامانی سادگی اور سکوت میں ہی ان کی ثروت ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں کوئی صوفی فقیر ہو یا درویش اور ہندوؤں سنیاسی جوگی یا بیراگی ہو یا کوئی بیراگن جوگن گیانی دھیانی ہو یا کوئی بھگتنی ہو یا کوئی بھگت پرمہنت ہو یا کوئی جینی پادری ان میں سے ہر ایک اپنے مالک کو جانتا پہچانتا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ کوئی اسے خدا رب مالک خدا موجود کہتا ہے۔ کوئی ایشور پرماتما بھگوان پربھو پکارتا ہے۔ کوئی وہ [illegible] اور کسی نے اسے اپنے صورت کھینچ کر ایک خط مستقیم بنا دیا۔ کسی نے اسے گول تھیک موز کر دائرہ بنا دیا اور کسی نے مستطیل مکعب مربع اور کسی نے اسے بیضوی شکل دی۔ کسی کو وہ نور پہ بجلی میں نظر آیا کہیں وہ غار حرا میں وحی کے پردے میں دکھائی دیا۔ کہیں معراج کی شب عرش کی خلوت میں جلوہ افروز ہوا۔ کسی کو برگد کے پیڑ کی گولائی سے اوپر کسی کو قدرت اور کسی کو ضرورت میں دکھائی دیا۔ کہیں وہ آگ میں چمکا کہیں وہ راکھ میں لپکا۔ کسی کی صورت دیکھ کر وہ یاد آیا اور کسی کی سیرت میں اس کا پرتو نظر آیا۔ کسی کی تحقیق میں وہ ابھرا اور کسی تحقیق میں وہ سامنے آیا۔ کسی کے طریق وصف سے وہ جھانکا اور کسی کے ہنر و کسب سے وہ ہویدا ہوا اور وہی خدا ہوا۔۔۔۔!

یہ جھونپڑا بھی اندر سے ایک چھوٹا غار سا لگتا تھا۔ فرش پہ نرسل اور نرکل کے ریشوں سے بنی ہوئی چٹائیاں بچھی تھیں۔ ایک کونے میں چندن بھل اور لوبان کی دھونی سلگ رہی تھی۔ روشنی کے ہلکے سے ایک زرد زرد قطعہ روشن تھا۔ دو چار بھدرا کئے ہوئے ملازم مستعد استادہ تھے۔ چٹائی پہ ایک کچھ سا استخوان سا بچھا ہوا تھا جس کے درمیان لکڑی کی ایک گول قاب میں نیم کی نمولیوں مٹھے کے پھول کچنار اور چند ایک ہری ہری دانتیں پڑی ہوئی تھیں۔ سامنے ذرا ہٹ کر قدرے کم روشنی میں کاٹھ کے چوکے پہ

UrduPhoto.com

ایک عجیب و غریب سی "چیز" گیروے رنگ کی چادر میں لپٹی ہوئی آسن جمائے بیٹھی تھی اور حیرت سے مجھے جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ میرے قدم رک گئے۔ میں اس پُراسرار ہستی کو دیکھنے میں ایسا مگن ہوا کہ یہ خیال بھی نہ رہا کہ مجھے قاعدے طریقے کے مطابق سلام یا پرنام کرنا چاہئے تھا۔ وہی چھتیوں جھلکتوں والا آسن۔ بایاں ہاتھ سرِ کنڈل پہ دھرا تھا اور انگلیوں میں جپ مالا تھی۔ سیدھے چوڑے شانوں پہ ایک سر بھی ہونا چاہئے تھا مگر ..... میری حیرت کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ اس کے شانوں پہ سر کی جگہ چاندی کا ایک مرتبان سا رکھا ہوا تھا۔ آنکھوں اور نتھنوں کے سامنے سوراخ سے تھے مگر ان کے آگے بھی چاندی کی موٹی سی جالی لگی ہوئی ..... اچانک بھنبھناتی ہوئی آواز ابھری جیسے کوئی ناک میں بہ دقت بول رہا ہو۔

"مجھے آپ کا سواگت کرتے ہوئے بڑا آنند ملا ہے ..... آپ بیٹھئے، جل بھوجن کیجئے۔ پھر آپ سے چنتا روگ کے بارے میں بات ہوگی ....."

اگلے چند لمحوں میں گیہوں کے پتوں اور ناریل کے پیالوں میں بھوجن پروس دیا گیا۔ دیسی چاولوں کے کچے ناریل کے دودھ اور دودھ کی پھیکی کھیر۔ کچے کیلے کے کٹے کچالو لوبیا اور مکھن کی ڈلیاں ..... اللہ کے پاک نام کی چھوٹک ماری اور بسم اللہ پڑھتے ہوئے کھانا کھایا جانے لگا۔ میرا ذہن خاموشی سے کسی حرکت اپنی تپسیا میں ڈوبا ہوا تھا۔ [illegible] کھانے سے فارغ ہوئے تو [illegible] یہی حال پروفیسر واویلا کا بھی کہ جب سے وہ اندر آیا تھا اس کی مکمل طور پہ بولتی بند تھی اور نہ ہی ہم دونوں نے آپس میں کوئی بات کی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اپنی بیماری و ماری بھول ہی چکا تھا۔ کہاں آج صبح میں اپنی کمزوری اور نقاہت سے بے حال سا وہ قدم بھی چلنے کے قابل نہ تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئیں ایک آدھ لقمہ بھی پیٹ میں اتارنے کا اہل نہ تھا اور اب چند گھنٹوں میں چاق و چوبند اور جیسے ہر آزار سے آزاد ہو گیا ہوں ..... کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک ملازم نے نہایت ادب سے دانتن بڑھاتے ہوئے دانت مانجھنے اور ہاتھ منہ دھونے کا مشورہ دیا ..... اب ہم دوبارہ اپنی نشستوں پہ بیٹھ چکے تھے۔ گکھیاتی نے بڑے دھیرج سے پروفیسر واویلا سے کہا۔

"آپ مہاراج اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ میں خان صاحب کی بیماری کے حوالے سے ان سے علیحدگی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں....."

پروفیسر واویلا ایک ملازم کے ساتھ رخصت ہوا تو گکھیاتی نے دیگر تمام اہلکاروں کو بھی باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ کاٹھ کباڑ سے خلوت نصیب ہوئی تو گکھیاتی اپنے چوکے سے اٹھ کر میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ یہاں میں نے مناسب سی روشنی میں غور سے ان کا جائزہ لیا۔ آنکھوں کے جالی بند سوراخوں

UrduPhoto.com

سے مجھے اُن کی شعلوں کی مانند دہکتی ہوئی آنکھیں بھی دکھائی دیں۔ اُن کا قد کاٹھ ظاہری شخصیت بڑی رعب داب والی تھی۔ وہ اک مہاتما کا روپ سروپ دکھائی پڑتے تھے اور مجھے یہ بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ انہیں یہاں رہنا علیحدہ کمرے میں ٹھہرانا ایسی خصوصی آؤ بھگت اور خاطر داری اور اس وقت مجھ سے علیحدگی میں ملنا یقیناً یہ سب کچھ خالی از علت نہیں۔ وہ میرے سامنے سر جھکا کر ہاتھ جوڑتے ہوئے بولے۔

''مہاراج! آپ کی آگیا ہو تو میں آپ کے چرن چھونا چاہتا ہوں۔ مجھے وشواس ہے کہ آپ مجھے نراش نہیں کریں گے۔'' اس سے پہلے کہ میں اُسے کوئی جواب دیتا کھیا جی میرے پاؤں کو چھو چکے تھے۔ ''مہاراج! مجھے آپ کا ایک مدت سے انتظار تھا۔ میرے دھن بھاگ کہ آپ یہاں پدھارے میں ویدانتی ہوں اللہ کو ایک مانتا ہوں۔ داس نہیں تھا تا پیاج نہیں لیتا ہوں بتوں کی پوجا نہیں کرتا۔ رب کے دکھی بندوں کی خدمت سیوا کرتا ہوں۔ ایک سو ایک بندے کا لنگر بھوکھن ہو حق کے نام کا ہر روز یہاں بٹتا ہے۔ آپ کے کالے کپڑے اور کھڑاؤں دیکھ کر ہی مجھے وشواس ہو گیا تھا کہ آپ ہی وہ مولا حق کے مظہر ہیں جن کا مجھے انتظار تھا۔''

میں حیران پریشان سا اس کی یہ ملی جلی باتیں سن رہا تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاندی کے پترے سے بنے ہوئے خود پر اس پُراسرار سے نقاب کو دیکھ رہا تھا جو اس کے پورے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ منہ کے آگے جالی کے سوراخوں سے اس کی آواز اس طرح خارج ہوتی تھی جیسے وہ گوشت پوست کا انسان نہ ہو کوئی روبوٹ یا کسی سائنس دان کا بنایا ہوا ایسا انسان ہو جس کا سارا دھڑ انسانی اور صرف سر مشینی ہو۔ میں اسے دیکھنے اور جاننے میں ایسا محو تھا کہ اس کے آخری ایک دو جملے میں سن ہی نہ سکا۔ وہ ہاتھ جوڑے کہہ رہا تھا۔

''مہاراج! آپ میری بنتی سن رہے ہیں نا.....!''

میں نے ہڑبڑی میں یوں ہی اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر یونہی کہہ دیا۔

''میں آپ کو کھیا جی کہوں، ویدانتی یا اچاریہ جی کہہ کر مخاطب کروں.....؟''

اُنہوں نے میرے گھٹنے چھوتے ہوئے کہا۔

''آپ مجھے اپنا سیوک اور بالک کہہ کر پکاریں.....''

میں نے بڑے آرام سے اُن کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''مہاراج! آپ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں تو خود آپ کے بالکوں جیسا

ہوں اتنی دور سے آپ کا نام اور آشرم کا بھان بھاؤ سن کر اپنی بیماری اور لاچاری کی دوا درمان لینے آیا ہوں۔ آپ جان ہی گئے ہوں گے کہ مجھے معدی بخاروں اور کالے یرقان نے بے حال کر رکھا ہے۔ ویسی انگریزی سارے علاج معالجے آزما چکا ہوں ... بنگال کی سیاحت کے لئے آیا تھا اب چھ سات ماہ سے یہیں پھنسا بیٹھا ہوں۔ کرپا کر کے میرے دکھ کا کوئی اپائے کریں تاکہ میں یہاں سے واپس اپنے گھر جا سکوں ... مجھے یہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آئی۔"

کھیاجی بڑے عجیب انداز میں ہکا سا ہنسے جیسے حلقوم، زبان، ہونٹوں یا صوتی لہروں پہ ان کا مکمل کنٹرول نہ ہو، نطقی سسٹم کہیں ڈسٹرب ہو گیا ہو۔ پھر بولے۔

"خان صاحب! آپ جب یہاں پدھارے تھے اس وقت آپ کی حالت کیا تھی اور اس وقت آپ کیسا محسوس کرتے ہیں یہ آپ خود بہتر بتا سکتے ہیں ... آپ کا علاج ہو چکا اب آپ بخاروں اور پیٹ سے چھٹکارہ حاصل کر چکے ہیں۔ آئندہ کبھی جیون میں آپ کو بخار اور پیٹ کا کشٹ نہیں ہوگا ..."

میں ہکا بکا سا اس کا یہ انکشاف سن رہا تھا قدرے ہکلا کر پوچھنے لگا۔

"آپ نے مجھ سے میرا مرض پوچھا اور نہ ہی کوئی دوا دی پھر یہ میری بیماری خود بخود کیسے دور ہو گئی ...؟"

کھیاجی نے خوب جواب دیا۔ "میں نے آپ کا مرض آپ کے پرتو سے جان لیا تھا اور ذرا تو وہ وقت کے جل بھوجن میں آپ کو کھلا دی گئی تھی ... ہاں ایک اور بات آپ نے محسوس کی ہوگی کہ آپ کو پردے کے سامنے کافی دیر تک کھڑا رہنا پڑا مختلف انگ بھاؤ بدل بدل کر آپ پرتو کے لئے پریشان بھی ہوئے۔ دراصل میں مزہ لے رہا تھا۔ آپ کے سریر کے پرتو چھایا نے ایسے ایسے بھید بھاؤ کھولے کہ میری تو بدھی ہی ماری گئی چھایا اور چھل ویدک کو بھی جیسے پسینہ آ گیا ... مہاراج! آپ کی سرل کایا بڑی مہاتو مرا تم بھید وچار ہے ... سیوک میں تو اتنا یہ بنتی کرتا ہے کہ میری یہ سنکٹ جو میرے لئے جیون روگ بن گئی ہے اس سے میرے پران چھڑائیں ..."

میں آنکھیں پلٹا کر کھیاجی کی یہ بات سمجھ میں آنے والی بھاشا اور ان کے وچار سن رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں انہیں کیا جواب دوں کس طرح سے انہیں کہوں کہ مہاراج! آپ میری جان چھوڑیں۔ میں تو یہاں اپنی کہانی لے کر آیا تھا آپ نے اپنا ناول سنانا شروع کر دیا ہے ... بات کا موقع ملتے ہی میں نے ممیانے کے سے انداز میں عرض کی۔

"کھیاجی! آپ نے جو کچھ بھی میرے بارے میں اپنی وِدیا ویدک سے سمجھا جانا ہے وہ کچھ

UrduPhoto.com

غیر محتاط سا اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہم مسلمان دراصل ایسے ایسے سیدھے چمتکاروں پہ ذرا کم ہی یقین کرتے ہیں اور جیسا کہ آپ میرے بارے میں گمان کئے ہوئے ہیں اگر واقعتاً میں ایسا ہوتا تو مجھے اپنی اس معمولی سی بیماری کے ہاتھوں ایسا پریشان ہونے کی ضرورت نہ ہوتی اور نہ ہی میں اتنی دور آپ کے چرنوں تک آنے کا کشٹ اٹھاتا وہیں بیٹھا بیٹھا کوئی اپائے لڑا کر شانت ہو جاتا۔"

چاندی کے بند پنجرے کے اندر بند پنچھی کے چہرے پہ کیسے تاثرات تھے یا آنکھوں میں کیسی کیسی بیچارگیاں اُمڈی یا ڈوبی تھیں نہیں تو کچھ اندازہ نہ کر سکا البتہ اس کی لہجے کی کسمساہٹ سے میں نے محسوس کیا کہ جیسے وہ میری اس بودی اور بلکی دلیل سے خبز بز سا ہو کر رہ گیا ہے۔ بڑی آہستگی مگر مضبوط سے لہجے میں کہنے لگا۔

"مجھے علم ہے کہ ایک اچھا مسلمان چھل کپٹ اپائے اور مخصوص مکر سے دور رہتا ہے اور آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ نرلوک منت کا سریر دھارن ہیں ... سرل آتما گیانی ہیں بڑے بڑے مہارشیوں اور دھرماتماؤں کے آپ بالک ہیں۔ کالے سرپ آپ کے سیوک اور پورنا تمائیں آپ کی مہانے میں رتی ہیں۔"

میں [illegible] سے بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"گھنیانی! آپ کی بڑی کرپا ہوتی اگر آپ میرے بارے میں ایسے شبد استعمال نہ کریں جو نہ تو میری ذات سے لگا کھاتے ہیں اور نہ مجھے شوبھا دیتے ہیں۔ آپ کی بڑی دیا ہوتی اگر آپ مجھے یہ بتا دیں کہ میں آپ کے کس کارن کا ہوں ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ کو میرے متعلق کوئی سخت قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے...."

انہوں نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"خان صاحب! مجھے آپ کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے آپ کہہ دیں کہ وہ غلط ہے اور اگر یہ سب کچھ درست ہے تو میرا انت منت آپ کے چرنوں میں ہے۔ آپ مجھے اس دیوی کے شراپ سے نکال دیں جس نے پندرہ برس سے میرے جیون کو نرگ بنا رکھا ہے۔ میں زندوں میں ہوں اور نہ مردوں میں صبح و شام نرگ کی اگنی میں بھسم ہو رہا ہوں۔ اپنے پاپ اپرادھ کے پراچشت کے لئے مجھے کوئی راہ راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ میں نے پہلے بھی بتایا کہ میں ویدانتی ہوں ایک پاپن نار پہ وشواس رکھنے والا کلکتہ میں بیٹھے سائیں صمصان باباؒ کے ہاں حاضری دینے والا خواجہ غریب نواز کے چرنوں کو چومنے والا سلطان الہند سرکار، قطب کلیر شریف، داتا ہجویری، اجودھن شریف،

UrduPhoto.com

سیون شریف میں ہر جا ہر زر کا کتا ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں مدینے والی سرکار کا غلام مولا علیؑ کا منگتا ہوں۔ آپ مجھ سے لاہوری پنجابی میں بات کریں بنگالی بھاشا بولیں۔ تلگو ملیالم کنڑی پوربی سنسکرت مدراسی انگریزی عربی اور فارسی کسی بھی بھاشا میں بات کریں۔ میں سنگیت کار اور چتر کار بھی ہوں۔ ویدانت جوتش بھی اور پتر کار بھی۔ ...!"

"پھر یقیناً آپ کا تعلق شانتی نکیتن سکول آف تھاٹ سے ہے۔" اس کے ذرا سی ذرا خاموش ہونے پہ میں نے یہ پوچھ لیا تھا۔

"ہاں۔ میں اک زمانہ گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور کے ہاں کلکتہ میں رہا ہوں۔ میرے سورگباشی پتا جی اچاریہ کشور لال اگروال کا سر سمبندھ بھی شانتی نکیتن سے تھا۔ لاہور موری دروازہ اردو بازار کے پاس ان کا اپنا چھاپہ خانہ اور ویدک کی کتابوں کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ ویدانتی ہونے کے کارن وہ بھی بس نام کے ہندو تھے ان کا ہر کام اور طور طریقے بھی مسلمانوں جیسے تھے۔ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا رسم و رواج۔ ہر جمعے پیدل راوی تک جانا واپسی پہ داتا صاحب سیس نوانا دان پن کرنا اور پھر کاروبار پہ بیٹھنا۔ تقسیم سے بہت پہلے انہوں نے بدلتے ہوئے حالات کو بھانپ لیا تھا۔ ایک مناسب سے وقت میں انہوں نے اپنے تمام کاروبار اور جائیداد کو بیچ کر یہاں بنگال میں آ قیام کر لیا۔ یہاں بھی گاؤں میں میرے ننھیال تھے۔ ایک اچھی خاصی اراضی خرید کر اپنے فارم بنائے اور دکھی انسانیت کی خدمت کے لئے یہ آشرم تعمیر کیا۔ میں نے جب بکی سی سندھ بندھ لی تو مجھے کلکتہ شانتی نکیتن میں بھجوا دیا۔ میں نے اپنی سرت دیں پہ سنجالی جوانی کی پہلی بہار بھی وہیں پہ اتری۔ اپنے پتا جی کی طرح میں بھی بڑا خوبرو اور ساجھر کی طرح کڑیل جوان تھا۔ دیوتاؤں کی طرح روشن چمکتی ہوئی بڑی بڑی کٹیلی آنکھیں لانبے لانبے قد کاٹھ پہ جچتی ہوئی گھٹاؤں سے کالے کالے بال۔ چہرہ پُر وجاہت اور منہ بول جادو۔ میرا خاندانی پس منظر اور انیاوی وسائل کی آسودگیاں بھی میرے ساتھ ساتھ تھیں۔

شانتی نکیتن میں قیام کے پانچویں برس میں ایک شبھ اور شانتی سے روشناس ہوا جس نے میرا تھلا چلن اور ادھر ودیا شالہ میں آنے کا مقصد سب کچھ اتھل پتھل کر دیا۔ وہ ایک مسلمان لڑکی شکیلہ رحمانی تھی جس کا کلکتہ کے ایک متوسط سے گھرانے سے تعلق تھا۔ وہ اپنے سکول ٹیچر بوڑھے باپ کی اکلوتی بیٹی تھی نے کلاسیکل فائن آرٹ سے جنون کی حد تک دلچسپی تھی۔ تنگدست اور قدامت پسند ماں باپ کی مخالفت کے باوجود اس نے کسی نہ کسی طرح نکیتن میں داخلہ حاصل کر لیا۔ شکیلہ جب پہلے روز کلاس میں آئی تو میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ شکیلہ اپنے نام کی طرح شکیل اور نکھی تو تھی ہی مگر اس کی سہاتا میں نوچندی کی چاندنی

UrduPhoto.com

کی مانند اک بیحد وسی نمرتا اور کومل تھی۔ میں ایک طرح سے اُس کا اُستاد بھی تھا' پرانا اور معتمد طالبعلم ہونے کے ناتے میں اکثر اُستادوں کی غیر حاضری کے دوران کلاسیں لے لیا کرتا تھا۔ میرے فارغ ہونے میں دو سال باقی تھے جبکہ وہ نئی نئی داخل ہوئی تھی۔ وہ پیدائشی طور پہ ہی نابغہ تھی' سنگ تراشی اور صرف سنگ تراشی ہی اُس کا پہلا اور آخری جنون تھا جس میں وہ مزید جلا پیدا کرنے اور مستقبل میں اس فن کو پروفیشن بنانے کے لئے ڈپلومہ حاصل کرنے یہاں آئی تھی۔ شکیلہ کو یہاں داخلہ بھی بڑی ترجیحی بنیادوں پہ ملا تھا۔ ایک تو آرٹ میں اُس نے بڑے شاندار نمبر حاصل کر رکھے تھے دوسرے اُس نے مٹی' پتھر اور دھات سے جو کچھ تخلیق کیا ہوا تھا وہ اس قابل تھا کہ اُس کے فنی' جمالیاتی اور تخلیقی پہلوؤں پہ گھنٹوں بحث کی جا سکتی تھی۔ تیسری اہم چیز اس کی مسحور کن اور دل آویز شخصیت تھی۔ وہ خود بھی کسی یونانی صنم تراش کا تخلیق کردہ کوئی ایسا شاہکار تھی جسے تراشنے مصور لینے کے بعد اکثر مصور دیوانے ہو جاتے ہیں اور یا پھر اسی شاہکار سے سر پٹک پٹک کر جان سے ہار جاتے ہیں۔ اُس کے آنے سے مجھے یوں لگا جیسے یہی ایک کمی تھی۔ میں نے جو کچھ پڑھا سیکھا اُس پہ تکمیل کی آخری مہر شکیلہ ہی لگائے گی۔

اپنی خداداد صلاحیتوں' محنت' توجہ اور بے پناہ لگن کے باعث وہ بہت جلد اپنے پرانے ساتھیوں سے بھی بہت آگے نکل گئی۔ یہاں اُس نے مجسمہ سازی میں کامیابی کے نئے پیمانے کے برعکس نئی جہتیں اور نئے اسلوب اختیار کرنا بھی جیسے اُس کی فطرت و طبیعت میں شامل تھا۔ اُس نے مجسمہ سازی اور اشکال تراشی میں ایسی ایسی نئی فنی اختراعیں' طریقے' آسانیاں اور دلچسپیاں دریافت کیں کہ اس فن و ہنر کے بڑے بڑے اُستاد اور ماہر انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔ ان ساری کامیابیوں کامرانیوں میں بہت حد تک میرا خلوص' توجہ اور محنت بھی شامل تھی۔ میں دن رات ایک مشفق اُستاد اور پُرخلوص ساتھی کی طرح اس کی ریاضت و محنت اور معاونت میں پیش پیش رہتا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ میں ہر قیمت اور ہر حالت میں اُس کے قریب رہنا چاہتا تھا۔ میری زندگی کا ہر مقصد اب اُس کی ذات پہ ہی آ کر رُک گیا تھا۔ وہ کٹر مسلمان' پانچ وقت نماز پڑھنے والی' سر اور بدن ڈھانپ کر رکھنے والی اور محرم و نامحرم کے درمیان اک واضح فرق روا رکھنے والی تھی مگر ایک مشفق اُستاد کے طور میرا احترام و عزت کرتی' نگاہیں جھکا کر اور ہر لحاظ سے ایک فاصلہ درمیان رکھ کر روا رکھنے کی عادی تھی البتہ میں اسے کسی اور نظر سے محسوس کرتا تھا۔ میرے اندر کا یہ حتمی فیصلہ تھا کہ چاہے اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ مذہب' ماں باپ' حتیٰ کہ زندگی' کچھ بھی قربان کرنا پڑے میں دریغ نہیں کروں گا۔ اگلے ڈیڑھ برسوں میں شکیلہ نے اتنا کام اور نام کر لیا کہ پورے بنگال اور ہندوستان میں اُس کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔

UrduPhoto.com

وہ شانتی نکیتن میں میرا آخری سال تھا' ٹھیک دو ماہ بعد میں یہاں سے فارغ ہو رہا تھا۔ اب میرے سامنے دو آپشن تھے۔ اگر یاں لے کر اپنے گاؤں واپس چلا جاؤں یا پھر ایک استاد کی حیثیت سے یہیں رہ جاؤں۔ ان ہی دنوں گاؤں سے اچاریہ جی کا سندیس ملا کہ پڑھائی سے فارغ ہونے کی بعد فوراً واپس پلٹو۔ وہ اب باندے رہنے لگے تھے اور پھر انہیں میرے بیاہ کی بھی چنتا تھی۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ میرے گاؤں پہنچتے ہی پتا جی نے مجھے لگن منڈپ پہ چڑھا دینا ہے جبکہ میں شکیلہ کو ہر قیمت پہ جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اتفاق سے انہی دنوں کلکتہ کی مشکل آرٹ گیلری نے شکیلہ کے فن پاروں پہ مشتمل ایک سولو نمائش کا اعلان کر دیا۔ شکیلہ اور میں چند دیگر شاگردوں کے ساتھ بے حد مصروف تھے۔ وقت کم اور کام زیادہ تھا۔ کھانا پینا' آرام' سب کچھ بھولا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نمائش کے بعد شکیلہ پھر مڑ مڑ کر نہیں دیکھے گی۔ اسے وہ سب کچھ مل جانے کا جس کی اس نے کبھی تمنا کی ہوگی جبکہ میری منزل کا ابھی کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ میری منزل ہے بھی کہ نہیں؟ یہ تو ایک طرح سے ایک ہاتھ کی تالی تھی جسے میں اپنے شور بجا رہا تھا۔ وہ مجھے استاد یعنی پتا سمان سمجھتی تھی اور میں اسے اپنی محبت کا آسمان سمجھتا تھا۔ میں اس سے کسی طور بھی اپنی محبت' چاہت کا اظہار نہیں کر پایا تھا۔ وہ اتنی معصوم اور پاکیزہ تھی کہ اس کا سامنا ہوتے ہی میں اپنے سب جذبات کی حقیقت کو بھول جاتا۔ میرے خیالات' جذبات اور ذات اظہار کو چھوڑ لیتی مگر مجھے بہرحال فوراً کچھ نہ کچھ فیصلہ ضرور کرنا تھا۔

ایک رات ہم دونوں دیر تک بیٹھے اپنے سٹوڈیو میں پتھروں کے چہرے نکال رہے تھے۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہوا' اچانک کہنے لگا کہ شکیلہ جی! ان پتھر کے چہروں میں ایک بات تو ہوتی ہے کہ یہ اپنے رنگ روپ اور رخ نہیں بدلتے۔ ہمیشہ ایک سے رہتے ہیں اور منش کا تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے چہرے کے پیچھے یا آگے کتنے اور چہرے چھپے ہوئے ہیں' نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلوص اصلی ہے یا اس کی نفرت نقلی ہے اور نہ ہی اس کی خاموشی کا یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ یہ بہتر سے بھی شانت ہے اور یہ کہ اس کا شور شرابا اس کی شوریدہ سری ہے۔ وہ ہاتھ روک کر مجھے خالی خالی نظروں تکنے لگی' پر حسب توقع وہ خاموش ہی رہی اور مٹھی کو اڑانے کے انداز میں سر جھٹک کر پھر اپنی رگڑ تگڑ میں مصروف ہو گئی۔ میں مجھے پہلی بار شدت سے احساس ہوا کہ یہ کچھ دن سے سخت' بے حس پتھروں کو اپنے پرکار ہاتھوں کے نشتر دلمس سے تراش خراش کر سماعت' جاذبیت اور تاثر تو دے سکتی ہے مگر شاید جیتے جاگتے حسیات' جذبات اور زندگی کی توانائیوں سے بھرپور کسی انسان کو ایک لمحہ بھر کی سچی خوشی نہیں دے سکتی۔ پتھروں' سنگ ریزوں اور ہتھوڑوں اوزاروں سے کھیلتے کھیلتے یہ خود بھی ایک بے روح' بے جان' بے رخ پتھر کی

طرح بے حس اور سخت ہو گئی ہوئی ہے۔ پریم چند جاؤ پریت کی ریت اور من کا میت ایسے سُندر کومل شبد شاید اب اُس کے لئے بے معنی اور بے مقصد ہو چکے ہیں۔ میں نے اب اُسے ایک دوسرے زاویے سے دیکھا۔ وہ بُری طرح مشقت میں جُتی ہوئی تھی جیسے وہ ایک تکمل فنکار نہ ہو سڑک کنارے پتھر روڑی کوٹنے والی دیہاتی وار مزدور ہو۔ میں نے اُسے مخاطب کر کے کہا کہ میں بہت دنوں سے تمہیں ایک بات کہنے کی سوچ رہا ہوں مگر کوئی ایسا مناسب سمے نہیں مل رہا تھا۔ آج اگر اجازت دو تو میں اپنے من کی کامنا کہہ دوں اور اگر تمہیں میرا کوئی شبد بُرا لگے تو بُرا سے مت کچھ کہنا مجھے چھما کرتے ہوئے تم میرے ماتھے پہ ہلکا سا دباؤ ڈال دینا میں سمجھ جاؤں گا اور اگر تمہیں میری بات بُری نہ لگے تو میرے ہونٹوں کو ہلکے سے چھو لینا۔ پھر میں نے من کڑا کر کے کہہ دیا کہ میں تمہیں اپنا جیون ساتھی بنانا چاہتا ہوں میں جیون بھر تمہاری پوجا کروں گا۔ یہ کہہ کر میں سر جھکائے ہوئے خاموش ہو گیا کہ دیکھئے میری قسمت میں ملن کی خوشیاں ہیں یا پھر برہا کے بادل؟

کئی پل کی جنموں پہ بھاری سے بیت گئے۔ میری نگاہیں نیچے پڑے ہوئے کوٹے ہوئے کانکر پتھروں سے اُلجھیں اور نہ ہی اُس کے ہاتھ میری قسمت سنوارنے یا بگاڑنے کے لیے اُٹھے۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے [illegible] جھکائے جب میرا دم سا گھٹنے لگا تو میں نے ہلکا سا سر اوپر اٹھا کر اُس کی جانب دیکھا مگر وہ تو آگے پیچھے پورب پچھم دھرتی آکاش جیسے سب سے نراش سی اپنی لگن میں یوں مگن تھی جیسے اُس نے میری بات یا تو سُنی ہی نہ ہو یا پھر غور ہی نہ کیا ہو اُسے محسوس ہی نہ ہوا ہو کہ میں نے کیا کہہ دیا ہے۔ اُس کے کانوں تک جوں تک نہ رینگی تھی۔ میں نے اُسے دوبارہ پکارا تو وہ ہاتھ روکتے ہوئے بولی۔

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا.....؟''

میں نے اُس کی ہرنی سی پھٹی پھٹی وحشت بھری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں فی الحال تو صرف یہ لفظ یعنی ''مس شفیلہ'' ہی کہے ہیں۔ پرنتو اس سے پہلے بھی کچھ کہا تھا شاید وہ آپ نے سُنا ہی نہیں۔''

اُس نے بغیر آنکھیں جھپکائے بڑا سا سر انکار میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''حیرت ہے آپ نے اس سے پیشتر بھی مجھے کچھ کہا تھا۔''

میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اپنے مجسمے کی رگڑائی میں مشغول ہو جاتی میں نے فوراً کہا۔

''ہاں میں نے بہت کچھ کہا تھا۔''

یہ کہتے ہوئے خود بخود ہی میرے منہ سے ایک لمبی سی ٹھنڈی سانس نکل گئی جیسے جال پھانسی میں پھنسی ہوئی کوئی چڑیا ہلکی سی راہ پا کر پھر سے نکل جائے۔

وہ ہٹ ہٹ پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ رہا ہو۔ وہ میرے پاؤں پہ اپنا پونا سا ہاتھ دھرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا! میری بدھی میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا۔ پلیز! کیا آپ وہ سب کچھ دوبارہ سے دُہرا سکتے ہیں؟''

میں اب ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ جواب میں یہی کہہ سکا۔

''مس شکیلہ! شاید اب میں وہ کچھ نہ کہہ سکوں بھلا جانے وہ کچھ بھی میرے منہ سے کیسے اور کیوں نکل گیا تھا۔''

وہ بولی۔ ''میرا نہیں خیال کہ کوئی بھلی اور معقول بات دوبارہ نہ دُہرائی جا سکتی ہو۔ آپ' ہاں' ہاں بات' معقول کوئی اچھی کوچا' پیارا سا شعر' سندر سا نام' خوابوں' خواب' خوشی' کچھ بھی جو زپیٹ کرنے سے کانوں کو بھلا لگے' آنکھوں میں مصری سی چمک اٹھے' ایک ایک سرشار ہو جائے۔ ایسی بات جو کرنے سے اپنا اور دوسرے کا مان بڑھ جائے' دوبارہ نہ دُہرائی جا سکتی ہو۔ پلیز! آپ من و عن وہی کچھ دوبارہ کہہ دیں۔''

وہ بچوں سی ضد کرنے لگی تو میں نے کہا۔

''مس شکیلہ! میں اسی ماہ یہاں سے فارغ ہو رہا ہوں۔ میرے پتا جی میری واپسی کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں اور مجھے یہ علم ہے کہ میرے وہاں پہنچتے ہی میرا بیاہ کر دیا جائے گا۔ گاؤں برادری کی کسی سی لڑکی سے جسے میں نے دیکھا تک نہ ہوگا۔ کلکتہ جیسے شہر اور شانتی نکیتن جیسے ودیا شالہ میں ایک لمبی مدت تک رہنے والا علم حاصل کرنے کے بعد میں شاید اب اپنے پتا جی کے وچار کے مطابق اپنی زندگی کا فیصلہ نہ کر سکوں۔ کچھ میرے اپنے بھی آدرش ہیں' کامنائیں اور خیالات ہیں۔ میں بھی اپنے پرایت بدھ اور ہندوستانی تہذیب کو ٹٹولنے کا ادھیکار رکھتا ہوں۔ میں بہت دنوں سے اپنے من میں ایک کومل سی کامنا چھپائے بیٹھا ہوں' زبان پر لاتے ہوئے ہچکچاتا رہا کہ کہیں آپ بُرا نہ مان جائیں۔ آپ کو شاید پتہ ہی ہوگا کہ پریم کے اندھے بن میں پُرش ذات پات' نفع نقصان نہیں دیکھتا' وہ تو صرف چاہ لیتا ہے اور پھر اپنی چاہ کو پانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ ہار جیت' بدنامی رسوائی' زندگی موت سے بے نیاز ہو کر وہ اپنی ہی راہ

پیا لگا رہتا ہے اور میں بھی اس ذرگھٹنا میں پھنسا ہوا ہوں۔ میں نے بھی ایک ایسی ہی سندری دیوی دیکھ رکھی ہے جسے پہلی نظر دیکھتے ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہی میرے سپنوں کی رانی ہے یہی وہ ہستی ہے جس کا ہر رنگ انگ میرا من بھاتا ہے اور اگر ہو تو صرف یہی میری جیون ساتھی ہو سکتی ہے۔ میں اس کے لئے اپنا سب کچھ تیاگ سکتا ہوں۔ وہ عمر میں مجھ سے چھوٹی اور دھرم دین میں بھی الگ ہے مگر ہم دونوں کے جیتے کا رنگ سنگ ایک جیسا ہے ہم دونوں کا پرسنگ بھی ایک ہی چلتا اور ایک ہی آدرش لئے ہوئے ہے۔''

میں نے اسے دیکھا تو وہ ہاتھ کی ہتھیلی پہ چہرے کا گلاب رکھے مجھے دیکھ بھی رہی تھی اور شاید سن بھی رہی تھی۔ مجھے پل کی پل اپنی جانب متوجہ پا کر کہنے لگی۔

''سر! آپ تو بڑے بھاگوان ہیں کہ آپ کو کوئی ایسی دیوی سمان کنیا ملی جو آپ کی من بھاوتا بھی ہے اور من کا مندر بھی۔ باقی رہی بات ذات پات اور عمر میں چھوٹے بڑے کی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو آپ دونوں کے ملاپ میں رکاوٹ بنے بلکہ میری یوجنا یہ ہے کہ آپ فوراً اس کنیا کے کانوں میں اپنی کتھا کہانی کہہ ڈالیں۔''

میں نے کہا۔ ''مصیبت یہی ہے کہ یہ سب کچھ دان دے ہے۔ یہ تو اس پہ منحصر ہی نہیں کہ میں اس حد تک [illegible] کہ اس کا دل [illegible] ہی نہ پڑ جائے آس نراس کا رہا سہا سواد بھی نہ مارا جائے۔''

''وہ ہمدردانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولی۔

''اس طرح خاموش رہنے سے بھی تو معاملہ بگڑ سکتا ہے۔ اگر اسے علم ہی نہ ہو کہ کوئی اس حد تک اسے چاہتا ہے تو وہ کوئی اچھا برا فیصلہ کیسے کر پائے گی؟ سیانے کہتے ہیں کہ نفرت اور محبت کا اظہار دشمن اور دوست سے کر دینا چاہئے اس طرح منش اپنی نظر ذات میں پارا اشخیت ہو جاتا ہے اور کچھ سیانے یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ سریر کا روگ سیانے کو من کا روگ متوا کو اور آتما کا روگ کسی اتم چاریہ کو بتا دینا چاہئے تاکہ بات بگڑنے سے پہلے کوئی اپائے کیا جا سکے۔''

وہ کسی مہا گیانی کی مانند مجھے اپدیش دے رہی تھی اور میں تجل تجل نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ناری دھیان گیان عقل سمجھ اور بدھی بدھمان کی باتیں کرتی ہوئی بڑی بھولی اور معصوم سی لگتی ہے مگر وہ تو یہ باتیں کرتی ہوئی بڑی سچی اور اچھی لگ رہی تھی میں باتیں تو کیا سن رہا تھا صرف بنر بنر اسے تکے جا رہا تھا۔ اس طرح دیکھنے سے وہ میرے سر ہو گئی جھجکتے ہوئے بولی۔

''سر! آپ یوں عجیب سی نظروں سے مجھے کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

UrduPhoto.com

میں کیا جواب دیتا' بس ایسی ہی باتیں کرتے کرتے رات اچھی خاصی بھیگ چکی تھی۔

''جیسے ابھی یہاں بھیگ رہی ہے۔'' میں نے بڑی ہوشیاری سے اُس کی چالو بات کے درمیان لقمہ لگایا تھا۔ ٹھیاجی کی باتیں مزے دار اور بہت ہی دلچسپ تھیں اور میں انہیں کسی نقطۂ عروج کی جستجو میں سن رہا تھا۔ جہاں مجھے یہ معلوم ہو سکے کہ ٹھیاجی نے مجھے یہاں کیوں روکا تھا' اُن کے چھپے اُترے چہرے کا کیا اسرار ہے اور میں اس تمام کتھا کہانی میں کہاں پہ واقع ہوا ہوں؟

''آپ شاید میری بے رنگ سی گفتگو سے بور ہو گئے ہیں۔ مجھے چھما کریں' شاید مجھے ایسی طویل بات شروع نہیں کرنی چاہئے تھی پر ہو میں بھی مجبور ہوں' جیون بھر کی کتھا پل دو پل میں تو سنائی نہیں جا سکتی۔ میں نے کئی سالوں پہ پھیلے گزرے ہوئے یہ امر کہانی چند منٹوں میں آپ کو پرب پرتیت کر دی ہے اور یہ آپ کا پرچک پرتاپ ہی ہے کہ میں نے اتنا بول بچن کر لیا ورنہ میں تو چند شبد بھی سیدھے اور سکت سے نہیں کہہ سن پاتا۔'' شاید وہ روہانسو ہو کر چپ پڑ گیا تھا۔

''ٹھیاجی! اپنی کتھا کا انت تو کہیے۔'' میں نے بڑی زسان سے کہا۔

وہ بڑے شکست سے بولے۔ ''خان صاحب! میرا انت اتم تو آپ کی کرپا پہ ہی ہوگا۔'' وہ ہاتھ باندھے [illegible]

میرے ''جی'' کہنے پہ انہوں نے بات پھر اُسی رات سے شروع کی جدھر وہ مس شکیلہ کے ساتھ بیٹھے اُسے اپنا حال دل سنا رہے تھے۔

وہ سن رہی تھی اور میں سنا رہا تھا۔ سنتے سنتے شکیلہ کو جیسے اونگھ سی آ گئی۔ خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں کے آنگن میں دھوپ اور چھاؤں کی طرح نندیا کی زتیاں بھی بڑی شتابی اور خانہ خرابی سے اُترتی ہیں' آنکھوں کے جھروکے خود بخود ہی بند ہونے لگتے ہیں۔ اپنی بات کے دوران میں نے یونہی شکیلہ کی طرف دھیان دیا تو وہ کسی معصوم بالک کی مانند نندیا کے پالنے میں مزے سے جھولنے لے رہی تھی' ہونٹوں کے آلوچے اور ٹھوڑی کا شتالو کیا کیا رنگ بہار دکھا رہے تھے۔ بھاری پپوٹوں والے نین دریچوں کے پٹ پوری طرح سے بند نہیں تھے جیسے کسی درشن پیاسے نے اپنے پیا کی دید درشن کی خاطر خود ہی ہلکے سے کھلے رکھے ہوں' بنگال کی سیاہ لانبی زلفوں نے اپنا ایک الگ سا جادو جگا رکھا تھا۔ ریگ مال ابھی تک اُس کی انگلیوں کی گرفت میں تھا اور سٹوڈیو کا ایپرن بھی گلے میں پڑا تھا۔

میں نے آہستہ سے ریگ مال کا گھسا ہوا ٹکڑا اُس کی انگلیوں سے علیحدہ کیا' اُس کا قدرے مڑا ہوا بازو سیدھا کرتے ہوئے اُسے وہیں لٹا دیا' اس بالک کی طرح جو دن بھر کھیلنے کودنے کی تھکاوٹ سے

UrduPhoto.com

ٹوٹ کر بے سدھ سا پڑ گیا ہو جو جگہ دیکھے نہ دوزخ پھر نہ بھالے۔

● مشتِ خاک آندھی کے ساتھ.....!

بچپن اور جوانی کے دن سارے موسموں، مذہبوں، بندھنوں اور ضابطوں اصولوں سے بے نیاز ہوتے ہیں اسی طرح ان کی نیند کی بھی کوئی ٹھور اور کوئی منزل نہیں ہوتی اور پھر موٹے رسیلے خمار آلود نینوں اور لانبی سیاہ زلفوں والوں کی نیند بکھارت کی بنی گوری راتوں کی طرح بھیگی سوکھی اور کھٹے میٹھے تجلی سپنوں کی تشنگی، ڈھول بجے یا تاشہ ڈھول ٹوٹے یا تاشہ ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی ... ایک حسن بیدار ہوتا ہے اور ایک حسن سوگوار۔ حسن سراپا کی طرح اک حسن گاتے گاتے ہوتا ہے۔ ایک حسن محوِ خواباں ہوتا اور ایک حسن خانہ خراباں بھی ہوتا ہے۔ ان سب میں خطرناک اور اچھے بھلے انسان کو پاگل دیوانہ اور بے خود کر دینے والا حسن "محوِ خواباں" ہوتا ہے۔ انگریزی میں اسے "سلیپنگ بیوٹی" کہتے ہیں۔ اس حسن خوابیدہ کا ایک نادر شاہکار مومی مجسمہ مادام تسو کے میوزیم لندن میں موجود ہے اور شاید اس میوزیم کی [illegible] ایک [illegible] کا نادر الوجود [illegible] بھی ہے۔

شاہی حرم سرا کی ایک پُرشکوہ حرم ناز کے حریری چھپر کھٹ پہ اک فرخندہ جمال پری تمثال تابیدہ خصال آئینہ بدن محوِ خواب ہے۔ دایاں شبک ساشمی انگلیوں والا ہاتھ سینے پہ دھرا ہے۔ سانس کے زیر و زبر سے ہاتھ بھی بلور کیطرح ہلتا دکھائی دیتا ہے۔ موتیوں بھری صراحی کی گردن اور دائیں کنپٹی کی پھڑکتی ہوئی نبض کی رگیں۔ گابے گابے گلاب کی پنکھڑی کی مانند معلوم ہوتی کپکپاہٹ کے ہوئے ہونٹ۔ چہرے کے چاند کے گرد بکھرے گیسوؤں کا پھیلا ہوا ابریشم۔ گلگوں سے گال کو بار بار چومتی ہوئی ایک شریر لٹ۔ چند منٹ دو منٹ کے بعد چہرے پہ ایک آسودہ سی مسکان کا ابھرنا اور لمبا سا سانس کھینچ کر کیف بھرے انداز میں سسکارنا جیسے وہ کوئی خوبصورت سا خواب دیکھ رہی ہو۔ دیکھنے والے پہ یہ حسن خوابیدہ کا اک ایسا گہرا تاثر چھوڑتا ہے جسے وہ مدتوں نہیں بھلا پاتا۔ اپنی فن کے باکمال ہنرمندوں نے اک موم کے مجسمے کو زندگی، توانائی، تروتازگی، حسن و جمال، ظاہر و باطنی کیفیات اور رنگ و روپ کے اتنا نزدیک کر دیا ہے کہ حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔

رات اپنے جادو کا پٹارا کھولے بیٹھی تھی اور ادھر اس جادوگرنی نے اپنے حسن خوابیدہ کے بھڑکتے شعلوں سے تنہائی کے اس جنگل میں آگ سی لگا دی تھی۔ اچھائی برائی اور محبت و نفرت کے عروج و زوال

UrduPhoto.com

میں کچھ مقامات ایسے بھی آتے ہیں کہ کبھی انسان فرشتوں کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور کبھی وہ شیطان سے آگے نکل جاتا ہے۔ نہ جانے مجھے کیا ہوا جیسے میں سب کچھ بھول گئی کہ میں کون ہوں۔ میری حیثیت عزت میرا مرتبہ مقام و حرم کرم حیا شرم ہر چیز میرے لئے جیسے اجنبی سی بن گئی تھی۔ میں اردگرد کھڑوں میں پیچھے اسی زمانہ جاہلیت کا وہ انسان نما درندہ بن گیا جس نے ابھی مشکل سے اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونا سیکھا تھا۔ مذہب رشتے ناتے انسانی اخلاق اور سماجی قدریں ابھی اس کی ضرورت نہیں بنی تھیں۔ وہ صرف جھپٹنا چھیننا لڑنا کھانا پینا سونا اور جب جی چاہا جسمانی ملاپ کرنا جانتا تھا۔ اس وقت عورت صرف عورت تھی رشتوں کے خانوں میں ابھی تقسیم نہیں ہوئی تھی اور میں اس تنہائی میں بالکل وہی مرد بن گیا جو صرف مرد ہوتا ہے۔ شوہر باپ بھائی بیٹا استاد کردار وغیرہ کی کسی روپ بندی میں نہیں ہوتا۔

میری وابستگی کی گرفت اتنی مضبوط اور اس کی بے چارگی اور کمزوری ابھی کمزور تھی کہ نہ کوئی مزاحمت ہوئی اور نہ ہی کوئی بدمزگی پیدا ہوئی۔ جس شدت اور جدت سے یہ طوفان اٹھا تھا اس سے کہیں شانتی اور سکون سے یہ گزر چکا تھا۔ نہ کہیں بجلی گری نہ آندھی اور طوفان سے کوئی درخت جڑ سے اکھڑا ہوا اٹھا نہ کہیں [illegible]۔ وہ [illegible] تھا۔ شکوہ نہ کوئی شکایت آنسو نہ کوئی [illegible]۔ وہ چپ چاپ [illegible] کے چہرے کی طرف میں دیکھتی رہی اور میں بھی خاموش تھکا سا دوسرے لمحے کو لے کر بیٹھ گیا۔ جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا گیا اس کی کام میں لگن بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں جیسے بجلیاں سی لپک رہی تھیں۔ چہرہ پسینے سے شرابور تک گلنار سا ہو گیا تھا جیسے اگلے پل پسینے کی [illegible] میں خاموشی سے اس کی پھرتیاں دیکھ رہا تھا آخر مجھ سے نہ رہا گیا میں نے کہا۔

"مس شمیلہ! پلیز شانتی سے کام کرو۔ ہمیں کوئی ایسی جلدی بھی نہیں ہے..... میری مانو تو تھوڑا سا آرام کر لو۔"

اس نے ہلکا سا مسکرا کر میری جانب دیکھا۔ پھر ایپرن کی آستین سے ماتھے اور چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولی۔

"مجھے اب تو آپ مس نہ کہیے..... اور ہاں اب ہمیں واقعی تھوڑا سا آرام کر لینا چاہئے....." وہ اٹھی اور میرے پہلو میں نیم دراز ہوتی کہنے لگی۔ "مجھے مہا کوی بیکل کی کوئی کویتا سنائیں۔ آپ کے پڑھنے کا انداز بڑا اوریجنل ہے....."

"کویتا اور اس کے.....؟"

میں نے ایک لمبی سی جمائی لیتے ہوئے کہا۔ وہ کروٹ بدل کر میرے سر پر سے چپک کر کہنے لگی۔

''کیا کوچنا اور کرگھنا کا کوئی وقت ہوتا ہے؟ ... متوا سو ہے تنگ کا دیکھو زیادتی جانے یہ تو ہوئی کوچنا ... اب تم میرا ہاتھ تھامو گے تو یہ ہوئی کرگھنا''

رات میں سویا نہ وہ ... نیند نے میرا بُرا حال کر دیا ہوا تھا اور وہ تو جیسے اب جاگ پڑی ہو۔ زبردستی جب میری آنکھیں خود ہی بند ہو گئیں تو کہنے لگی۔

''نیند آ رہی ہے.....؟''

''ہاں.....'' نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں میرے منہ سے نکل گیا۔

''مجھے تو نہیں آ رہی.....''

اس نے کہا تھا۔ میں سُنی ان سُنی کرتے ہوئے خاموش رہا۔ وہ پھر بولی۔

''عجیب مرد ہو ... جب میں سو رہی تھی تو تم نے مجھے زبردستی جگا دیا اور اب میں جاگ پڑی ہوں تو تم سو رہے ہو ... یہ جو میں آپ کو ''تم'' کہہ کر مخاطب کر رہی ہوں اس کا بُرا مت منایئے گا۔ جب درمیان سے فاصلے مٹ جائیں تو پھر تکلف درمیان میں نہیں آتا۔

میں اب بھی جان بوجھ کر خاموش رہا اور اس کی اس بات پہ غور کرنے لگا کہ ''جب عورت جاگ جائے تو پھر مرد کو نیند کیوں آنے لگتی ہے؟'' اس نے مجھے رات کا باقی حصہ بھی سونے نہیں دیا۔ اس نے بات چیت میں تکلف کی طرح باقی بھی ہر چیز کے تکلف کا لباس اُتار کر پرے پھینک دیا ہوا تھا۔ مجھے تو جیسے شکیلہ نے پاؤں سے اُکھاڑ دیا تھا۔ میں تھن منہ چھپا کر بھاگنے کی سوچ رہا تھا۔ میں نے گھگھیانے کے انداز میں اسے کہا۔

''شکیلہ! اب ہمیں تھوڑا سا آرام کر لینا چاہئے ورنہ دن بھر ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے جبکہ اگلے دو دن ہمارے لئے بڑے ہی اہم ہیں۔ تین روز بعد تمہاری نمائش.....''

میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اچانک وہ مجھے یوں جھنجھوڑنے لگی جیسے کچی بھوک میں بلی چوہے کو جھنجھوڑتی ہے پھر استہزائیہ سی ہنس کر بولی۔

''اب ہم دونوں کے لئے آرام ہی آرام ہے اور واقعی اگلے دو چار روز ہمارے لئے بہت ہی اہم ہیں ... صبح تم مسلمان ہو جاؤ گے یا جس طریقے سے تم چاہو گے ہماری شادی ہو جائے گی۔ نمائش کیا ہے وہ پھر کبھی سہی.....''

اس نے پھر ایک بار خود کو میرے پہلو میں ڈال دیا اور مجھے یوں لگا جیسے صبح یہاں سے میری

اٹھی ہی اٹھے گی۔ بھگوان جانے اس میں کوئی راکھشس آ گیا تھا یا وہ پاگل ہو گئی تھی۔ میں اس سے جان چھڑا رہا تھا اور وہ میری جان سے زندگی کا آخری قطرہ نچوڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ میری ٹانگیں لرز رہی تھیں اور فرطِ جذبات سے اس کی ناک کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔ باتھ روم کا بہانہ کر کے جو میں وہاں سے بھاگا تو اپنے آشرم پہنچ کر سانس لیا' سامان وغیرہ سمیٹا اور اپنے ایک دوست کے ہاں چلا آیا۔ دو چار اشد ضروری کام نہ ہوتے تو میں اس وقت ہی کلکتہ چھوڑ چکا ہوتا۔

کھیاری نے اپنی "داستان" جس تفصیل اور تواتر سے سنائی تھی واقعی میں اس میں کھو کر رہ گیا تھا' وہی لیڈی پیڑ لے والے جنسی ناول سا تلذذ اور مزہ۔ میں نے اس مزے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"کھیاری! آپ شکیلہ کو بال چھوڑ کر خود یہاں چلے آئے۔ وہی شکیلہ جو بقول آپ کے آپ کی آئیڈیل تھی۔ آپ نے اسے پانے کی خواہش کی تھی' اسے دل و جان سے چاہا تھا اور اس حد تک چاہا کہ اسے اپنے جسم و جان میں جذب کر لیا مگر جب وہ آپ کے جسم و جان کا حصہ بن گئی تو آپ اسے دھوکا دے کر خود بھاگ لئے۔"

کھیاری خاموشی سے سنتے رہے اور میں بولتا رہا۔ جب میں چپ ہو چکا تو وہ اک ٹھنڈی آہ کھینچتے ہوئے بولے۔

"خان صاحب! آپ تو خود بدھوان ہیں' آپ کو کچھ بتانا سمجھانا یا آپ کے سامنے کسی بات کی صفائی پیش کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر کہے۔ میں نے اس رات کی تمام وارداتیں اور جسم و جان کی ساری حالتیں کیفیتیں کھری کھری آپ کے روبرو بیان کر دیں' ان میں کہیں رتی بھر بھی اونچ نیچ نہیں۔ آپ خوب جان گئے ہیں کہ شکیلہ ناری کی کون سی قسم تھی اور اس کا بھید روپ کیا تھا؟ میں اس حقیقت سے اس کے واقف ہوا جب وہ میرے انگ لگی۔ اس نے اس رات میرے اندر اتنا زہر بھر دیا تھا کہ اگر میں فوراً وہاں سے راہِ فرار اختیار نہ کرتا تو وہیں بھسم ہو کر رہ جاتا ... میں جانتا ہوں کہ آپ کو یہ کچھ بتانا دانش نہیں ہے' آپ سب جانتے ہیں پھر بھی جب اپرادھی انسان اپنے منہ سے اپنے اپرادھ کہہ لیتا ہے تو اسے ایک طرح کی سہارتا مل جاتی ہے' اسے سکھ چین سا محسوس ہوتا ہے۔ آپ پہلے انسان ہیں جو میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔ اک جیون بیت گیا' میرے چہرے پہ یہ پتھر چڑھا ہوا ہے۔ یہاں پوری بستی میں کوئی ایسا شخص نہیں جس نے میرے کلکتہ سے آنے کے بعد میرا چہرہ دیکھا ہو۔ میرے پتا سورگباشی کا دیہانت ہوئے اک زمانہ گزر گیا۔ ہر سال ہزاروں

UrduPhoto.com

ڈکیتیاں لوگ یہاں آتے ہیں۔ میں نے اپنا سب کچھ دکھی لوگوں کی سیوا کے لئے تیاگ دیا ہے تاکہ کچھ تو میرے پاپوں کا پرائشچت ہو۔ ذرا دار ذرا کھانا پینا سب کچھ بھگوان دیتا ہے۔ لوگ مجھے دیوتا سمان سمجھتے ہیں۔ میرا چہرہ چھپانا بھی ان کے نزدیک میرا کوئی چمتکار اور تپسیا جیسا ہے۔ یہ بھولے بھالے اور اچھے لوگ کیا جانیں کہ مجھے کیا دکھ ہے اور کیسے کیسے روگ چمٹے ہوئے ہیں۔ میں کتنا پاپی اور برا ہوں۔ میں نے کیسے کیسے ایاپ کئے ہیں۔ میرے لئے یہ منحوس چہرہ چھپانا کیوں ضروری ہے اور اس چاندی کے پنجرے کے اندر کون سا پاپ پکھیرو قید ہے.....''

اس کی آواز لڑکھڑا گئی تھی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بتانے لگا۔

''میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ آشرم کی طرف سے فارغ تھا اور صرف شکیلہ اور اس کی نمائش کی خاطر وہاں رکا ہوا تھا۔ سچی بات ہے کہ میں شکیلہ کو دل سے چاہتا تھا۔ پیچھے پیچھے اس کی پوجا کرتا تھا۔ دین دھرم اور مذہبوں کے نمایاں فرق کے باوجود میں اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار تھا اور دھرم تو میرے لئے کبھی بھی اہم نہیں رہا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سارے دھرم ندی نالے جھرنوں دریاؤں آبشاروں اور سمندروں کی طرح ہیں جو انتہا میں ایک ہی اتھاہ میں جا کر مل جاتے ہیں۔ پھر بھی میں اس کی خاطر مسلمان ہونے کو تیار تھا۔ میں نے اپنا اسلامی نام بھی چن رکھا تھا عبداللہ۔ میں ذاتی طور پر بڑا صاف اور آسمان سا آدمی تھا۔ اپنی ہوس دانستہ کی خاطر کسی ناری سے بلاتکار کرنا میرے نزدیک مہا پاپ تھا۔ میں کبھی ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ خان صاحب! بھگوان جانتا ہے کہ میری ایسی کوئی خواہش یا ضرورت نہیں تھی مگر اس رات کیا ہوا کیسے ہوا میں ایسی کراہت اور دانستہ کے اندھے کنویں میں کیسے اتر گیا؟ میرا دماغ کچھ کام نہیں کرتا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی مجھے زبان سے ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ اس کا یہ رویہ بھی میرے لئے حیران کن ضرور رہا.....''

میں بیچ میں بول پڑا۔ ''کھیا جی! اس کا یہ رویہ موقع کے مطابق فیصلہ کرنے والے ایک دانشمند انسان کا رویہ تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ موجودہ صورتحال میں کسی قسم کی مزاحمت یا داد فریاد فضول ہی نہیں بلکہ لاحاصل بھی ہے۔ سو پیاز کے ساتھ سو جوتے کھانے والی بات ہوگی۔ اس قسم کے حالات میں پھنسنے والی اکثر ناریاں لاحاصل قسم کی مزاحمت اور رویہ کرتے دوسری پارٹی کو مزید تشدد اور بربریت پر اکسانے کا موجب بنتی ہیں۔ زیادتی کرنے والا ناری کی اس لاچاری کو محض ڈرامہ سمجھتے ہوئے خوب لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس کی نام نہاد مردانگی کو بڑی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ شکیلہ جان چکی تھی کہ جس دلدل نے اس کے پاؤں پکڑے ہیں وہ اسے پورا نگل کر چھوڑے گی۔ جیسے کہ سمجھدار لوگ جانتے ہیں کہ دلدل سے نکلنے کے

سے ہاتھ پاؤں چلانے والا ڈوب کر ہی رہتا ہے بلکہ بُری طرح غرق ہوتا ہے کیونکہ بے حرکت ہاتھ پاؤں مارنے سے نیچے دلدل میں خلاء اور ہوا پیدا ہو جاتی ہے جو اسے غرقاب سے اندر کھینچ لیتی ہے۔ بس ایک راستہ ہوتا ہے جس سے ایک دو فیصد بچنے کی امید ہوتی ہے۔ دلدل، دریا یا کوئی سمندر جب دیکھ کر پھنس جائے ہیں تو اپنے حواس قائم رکھو اور خود کو ڈھیلا اور نارمل کر لو۔ دماغی اور جسمانی قوتوں کو بیدار رکھو۔ اپنے پروردگار اور اچھی بُری تقدیر پہ ایمان رکھتے ہوئے خود کو بچانے کے متعلق سوچو اور اگر کوئی موقع، راستہ یا وسیلہ دکھائی دے تو کوشش کرو ورنہ ایسے مواقع پہ مدافعت کا حربہ بالکل کام نہیں آتا۔ کلیانی! شکیلہ کمزور سی چیز ہوتے ہوئے بھی وہاں ڈٹی رہی اور آپ مرد اور مضبوط ہوتے ہوئے بھی وہاں سے بھاگ آئے۔ اپنی اس چاہت اور لگن والی شکیلہ کو آپ تن اور بے آسرا چھوڑ آئے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی عورت کسی مرد کی وفا کا شکار ہو جاتی ہے تو پھر وہ بھری دنیا میں تنہا ہو جاتی ہے۔ اگر وہ مرد بھی اسے نہ کر سہارا نہ دے تو اس بے بس کا ٹھور ٹھکانہ کوئی اندھا کنواں، جھولتا ہوا رسہ، ریل کی پٹری یا ہوا کا کچ ہوتا ہے اور اگر وہ جینا چاہے تو کسی بدنام گلی بازار میں ویشیا بن کر خون اگلتی اور چیپ پیتی رہتی ہے۔ جب آپ آئے تھے تو کچھ پایا ہوا آپ وہاں سے بھاگ کر یہاں آ گئے اور شکیلہ ...

کلیانی چپکے سے ... کے کوئی سے بول رہے تھے۔

UrduPhoto.com

- زہر کہتے ہیں کسے اپنی دوا ہوتا ہے...!

خان صاحب! ایک آدھ روز میں اپنے ایک مترک کے پاس پڑا رہا تھا۔ اس دوران میں نے اپنے تمام کام نمٹا لئے تھے اور سمندر کے راستے سلہٹ جانے کے لئے ایک روز بعد کی بکنگ بھی کروا لی تھی۔ اسی روز شکیلہ کی نمائش بھی تھی۔ دوسرے دن میں ٹیکسی پہ سوار بندرگاہ کی جانب جا رہا تھا۔ آنکھیں نیچے ہلکے سے درد سے بھاری سر پیچھے ٹکائے میں سوچ رہا تھا کہ کلکتہ میں پانچ لمبے برس بتانے کے بعد آج میں کلکتہ چھوڑ رہا ہوں۔ میں نے یہاں سے کیا پایا ہے اور کیا کھویا؟ رو رو کر شکیلہ کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے ابھرتا رہا اور میں شرمندہ سا اس کے تصور سے بھی آنکھیں چرا رہا تھا۔ میں نے بند آنکھوں ہی ڈرائیور کو ذرا تیز چلنے کی ہدایت کی۔ میں جلد سے جلد کلکتہ چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ ایک مے کی خانے میرے پانچ برسوں کی کڑی محنت اور شاقی کمائی کی تربیت کو تہس نہس کر دیا تھا۔ میں جیسے اندر سے ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ مجھے اپنے مرد ہونے پہ شرم محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے آتما ہتیا کا بھی سوچا۔ اپنے آپ کو

نامراد کر دینے کا بھی خیال آیا۔ میں خود کو کوئی کڑی سزا دینا چاہتا تھا۔ ایک دم بریک چیخے اور ٹیکسی رک گئی۔ سڑک پار کرتی ہوئی کوئی بڑھیا سڑک کے درمیان پہنچ کر بڑبڑاتی تھی۔ ٹیکسی والا بڑھیا کو دو چار سنا کر آگے بڑھا تو میں نے پوچھا کہ یہ راستہ تو بڑا چکر لے کر بندرگاہ کی طرف مڑتا ہے اور یہ وہ سڑک تھی جہاں وہ آرٹ گیلری واقع تھی اور جدھر شکیلہ کی آج نمائش ہو رہی تھی۔

"یہ تم نے کون سا راستہ پکڑا ہے ...؟" میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔

"بابو جی! یہ راستہ تھوڑا سا لمبا ضرور ہے مگر شہر کی بے پناہ ٹریفک اور شور شرابے سے جان چھوٹ جاتی ہے ... آپ فکر نہ کریں میں آپ کو پندرہ منٹ میں وہاں پہنچا دوں گا۔"

موڑ مڑتے ہی نمائشی آرٹ گیلری میری سامنے تھی۔ باہر بڑے بڑے بینر لگے ہوئے تھے خوب چہل پہل تھی۔ شکیلہ کی تصویر والے بینر والے پوسٹر آویزاں تھے۔ بلا ارادہ میرے منہ سے نکل گیا کہ گاڑی کو ذرا اندر لے چلو۔ ٹیکسی پارک کرتے دس منٹ کا کہہ کر میں گیلری میں چلا آیا۔ سوچا کہ چلو جاتے ہوئے آخری بار شکیلہ کے درشن ہی کر لوں۔ اس کی پہلی نمائش ہے۔ اگر اس سے پچھلی غلطی کی معافی مانگ لوں اور نمائش کی مبارک بادی اس کی کامیابیوں کے لئے شجر کاری کا اظہار کر دوں تو کیا حرج ہے؟ خوب ... میں ہال میں داخل ہوا تو میری نظریں شکیلہ کو تلاش کر رہی تھیں۔ آخر میں نے اسے کھوج ہی لیا۔ وہ شائق نمائش کی داد پر بسکٹ نما پھول کے سنگ اپنے ایک مجسمے کے سامنے کھڑی دو چار غیر ملکی عورتوں کو ریفر کر رہی تھی۔ میں کچھ دیر ایک کونے میں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ شائق نمائش کا سارا کلکشن مشہور زمانہ مصوروں کے شاہکار نظر آ رہے تھے۔ اتفاق کہ میں کہ ابھی تک مجھ پر کسی کی نظر نہیں پڑی تھی ورنہ میں یہاں ایسے کھڑا نہ ہوتا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ شکیلہ واش روم کی جانب بڑھ رہی تھی۔ میں دو چار لمبے سے ڈگ بھرتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"شکیلہ دیوی ...!"

جیسے خود بخود ہی میرے منہ سے نکل گیا۔ وہ رکی اور پیچھے مڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔

"آپ ...؟" وہ جیسے مجھے دیکھ کر چونک سی گئی۔ پھر خود ہی میرے پاس پہنچ گئی اور مسکرا کر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا میں اب بھی دیوی ہی ہوں؟ ... مجھے یہ دکھ اور شکایت نہیں کہ آپ نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا افسوس صرف اس بات کا ہے کہ میرا واسطہ ایک نامرد سے پڑا تھا۔" اس دم اس نے میرے منہ پر تھوکا اور کہا۔ "یہ چہرہ ہمیشہ چھپا کر رکھنا۔ وہ ساری ملاحظت جو تم نے میرے پوتر سر پر ڈالی تھی میں نے تمہیں لوٹا دی ہے۔ اگر تم مجھ سے اپنا یہ چہرہ نہ چھپاتے تو اس رات

ہو ہوا وہ صرف غلطی ہوتی جس کا پرائیچت ہو سکتا تھا مگر پھر دلچسپ کر تم نے اس غلطی کو ایک جرم پاپ میں بدل دیا ہے..... ناؤ یو گٹ لاسٹ!"

وہ مجھے پورے تک زمین میں دھنسا کر سیدھا واش روم میں جا چکی تھی۔ میں پتھر کا بت سا بنا کھڑا تھا۔ شانوں پر اٹھا میرا چہرہ اور سر یوں جلنے اور سلگنے لگا جیسے سندرتن میں سپ ہی کی کی نظر ناک سی ڈنکا ناگن نے اپنے کروڑ کی ساری زہریلی پچکاری میرے منہ پہ پھونک دی ہو یوں لگا جیسے میرے چہرے کی کھال میں انگارے بھرے ہوئے ہیں یا کسی نے تیزاب بھری بالٹی میں میرے سر کو ڈبکی دے دی ہو۔ اس سے پہلے کہ میں تو شاید فوراً اپنے پاؤں باہر نکل آیا۔ ٹیکسی ڈرائیور بیڑی پی رہا تھا۔ فوراً دونوں ہاتھوں سے چھپائے میں جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ جی سر کہاں پہ آئے تو ٹیکسی ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"صاحب! یہ آپ کے چہرے کو کیا ہوا ...؟"

میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ مجھے فوراً کسی ہسپتال لے چلو۔ فوراً جلدی ... میں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ میرے [illegible] ہسپتال میں خاصی [illegible] ہسپتال پہنچ [illegible] دونوں [illegible] اس حد تک بچ گئیں کہ میں [illegible] سا کچھ دیکھ سکوں۔ ناک کی پھنک سڑ چکی تھی ہونٹ اتنے پچکے کہ پورے بھنچنے سے بھی اوپر نیچے کے دانت مسوڑوں سمیت نظر آتے رہتے۔ پھیل پھولے ابرو کان کان سب کچھ جل چکا تھا۔ کھال سکڑ کر کھنچ گئی تھی جبڑے کھلے رہتے۔ ہسپتال والوں نے [illegible] کے گرد پردے لگا دیئے تھے نرسیں اور وارڈ بوائے تک میرے قریب آنے سے بدکتے تھے اور میں خود اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ کر ڈر گیا تھا ... کسی نہ کسی طور میرے آشرم کو خبر ہو گئی وہ مجھے زبردستی لے گئے اور آشرم کے ہسپتال میں ڈال دیا۔ اب جڑی بوٹیوں اور مرہموں سے میرا علاج ہونے لگا میرے چہرے پہ تیزاب پھینکنے کی خبر آشرم میں ہر طرف پھیل چکی تھی۔ میرے شاگرد استاد اپنے پرانے بھی آئے اور نہ آئی تو شکیلہ ہی نہ آئی۔ میں نے بھی زیادہ کریدنا نہ کی اور نہ ہی کسی پہ دھماکے کرانے کا بھید کھلا۔ پھر اچانک ایک دن پتا چلا کہ دیپانت کی خبر مجھ تک پہنچی۔ اب میرا کلکتہ سے نکلنا ضروری ہو چکا تھا۔ کئی ماہ کے علاج کے بعد میں ذہنی طور پہ اس قابل ہو چکا تھا کہ اس عذاب مسلسل کے ساتھ جی سکوں۔ مایوسی سے میں نے دامن چھڑا لیا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں ہر حال میں جیوں گا زندہ رہوں گا۔ اپنے پاپ کا پرائیچت مجھے ہر حال کرنا ہے۔ اچھا ہوا کہ میں شکیلہ کے ہاتھوں اس انجام کو پہنچا۔ ہم دونوں گھائل ہوئے وہ بھیتر سے گھائل

ہوئی اور میں چھتر سے زخمی ہوا اور ام دونوں کے گھاؤ بھرنے والے نہیں تھے۔

میرے گاؤں پہنچنے سے بہت پہلے ہی میرے چہرے کے روگ کی خبر یہاں پہنچ چکی تھی۔ اب میری حالت یہ تھی کہ مرہم سے لپے پوتے کروے کے پتے میرے چہرے پہ چپکے رہتے۔ آنکھیں، ناک اور ہونٹوں والی جگہ خالی رہتی اوپر کپڑے کی تھیلی اوڑھ لیتا۔ آنکھوں کے سوراخ اور منہ کے آگے گول سی خالی جگہ بڑی عجیب سی لگتی۔ عورتیں بچے اور کمزور دل کے لوگ میرے قریب آنے سے گریز کرتے تھے میں سوائے ذاتی نوکروں کے علاوہ کسی اور سے کوئی رابطہ نہ رکھتا۔ کئی برس علاج معالجے اور ہر طرح کی کوششوں کے بعد بھی میرا چہرہ اس قابل نہ ہو سکا کہ میں خود ہی دیکھ سکوں۔ پلاسٹک سرجری اس وقت اتنی ایڈوانس اور ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ جبڑے اور باقی چہرہ کھال اور گوشت سے قریب قریب خالی ہو گیا۔ دانت دانتیں زبان تالو سب کچھ نظر آتا تھا۔ بدبو اور عفونت ایک الگ مسئلہ تھا۔ چہرے پہ کپڑے کی تھیلی اب پیپ رنگ ہو رہی تھی۔ چہرے کا تو بڑا حصہ باقی وہ بھی راس نہ آیا۔ آخر ایک مسلمان جراح کی بھنک پڑی کہ وہ خناق اور کوڑھ کے زخموں کا علاج کرتا ہے کھال ہڈیوں پہ بھی کھال گوشت پیوند لگوا دیتا ہے۔ رخت سفر باندھا ایک ملازم ساتھ لیا اور کوہسار چلا گیا۔

وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ گاؤں میں ہی سید شہید کا مزار بھی تھا جنہیں انگریزوں نے کسی ناکردہ جرم میں پھانسی لگا دیا تھا۔ یہ بزرگ جراح بھی سید تھے اور اسی شہید بزرگ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ کمال محبت و شفقت سے پیش آئے بڑی تو بہت میری پیشانی۔ میرا چہرہ دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں یہاں سے واپس مت جانا۔ ان کے ہاں بھی ایک چھوٹا سا آشرم یعنی مریض خانہ بنا ہوا تھا دور دراز سے آنے والے مریض یہیں رہتے تھے۔ جو مریض ہڈی کے زخم پھوڑے علاج معالجے میں بڑا لمبا عرصہ لیتے ہیں۔ یہ کام بڑا صبر اور طبیعت پہ بڑا جبر مانگتا ہے۔ ہر وقت گندگی بدبو خون پیپ اور کیڑوں سے واسطہ رہتا ہے۔ وہاں قیام کے دوران مجھے سید صاحب کی شخصیت کا بڑا گہرا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ میں ان کے حکم کے مطابق آشرم میں پیوست ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے مجھے آشرم سے کچھ دور ایک چھوٹی سی مسجد کے ساتھ ایک کوٹھڑی میں منتقل کر دیا۔ اس کوٹھڑی کے اندر چاولوں کی بھوسی بچھی ہوئی تھی اور اوپر چھت نہیں تھی۔ تین وقت کھانا پینا یہیں پہنچ جاتا تھا ساتھ مسجد کے وضو خانے سے ایک پتلی سی نالی تیار کروا کر اس کوٹھڑی کے اندر سے گزاری گئی تھی۔ سید صاحب کا حکم ہوا کہ پانچ وقت جب اذان ہو اور نمازی وضو کریں تو اس نالی کے پانی سے میں اپنے چہرے کو دھوؤں اور پیاس لگے تو پی بھی لوں چہرے کو نگا اور

UrduPhoto.com

کوٹھڑی کے دروازے کو اندر سے بند رکھوں۔۔۔ پورے تین چار دن میں نے بند کوٹھڑی میں گزارے تو میرے چہرے پہ گوشت اور کھال چڑھنی شروع ہو گئی۔ آئینہ تو کوئی تھا نہیں چہرہ دھوتے سے محسوس ہوتا تھا جیسے خالی گھاؤ دھیرے دھیرے بھر رہے ہیں۔

بند کوٹھڑی میں میری واحد دلچسپی صرف اذان اور وضو کے پانی کا انتظار کرتے رہنا تھا۔ اذان کی آواز مجھے ایسا سکون دیتی کہ میری آتما تک نہال ہو جاتی۔ مسجد کے صحن کا رخ میری کوٹھڑی کی جانب تھا۔ سید صاحب کے نماز پڑھنے کی آواز بھی توجہ دینے پہ سنائی دیتی تھی۔ میں نے کسی طرح دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر لیا اب میں پانچ وقت آنکھ جما کر نماز پڑھنے کا منظر بھی دیکھنے لگا۔ اگلے چند دنوں میں باقاعدہ نقل کر کے نماز بھی ادا کرنے لگا تھا یعنی رکوع سجود نمازیوں کے ساتھ ہی ادا کرتا۔ میرے اور مسجد کے درمیان صرف ایک پرانے نام سا دھرم اور ایک پتلی سی دیوار حائل تھی۔ اگلے تین ماہ بھی کسی منش نے میری صورت تک نہ دیکھی اور نہ ہی سید صاحب نے ادھر کا رخ کیا۔ سردی گرمی ساون بھادوں دھوپ بارش سب موسم اسی اصطبل سی بے چھت کی کوٹھڑی میں گزر گئے۔ نہ کوئی دوا نہ کوئی مرہم۔ ناشتے میں دلیہ دوپہر کھانے دال کا سالن جس میں خوب مرچیں اور ارنڈی کے تیل سے بگھارے ہوتے ساتھ جوار اور جو کی موٹی سی چپاتی ہوتی۔ رات کو دال کا شوربا چپاتی یا چاول۔ میرے بال بے تحاشا بڑھ گئے تھے اور چہرے پہ بھی کچھ گوشت چڑھ آیا تھا جسے میں صرف اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے ہی محسوس کر سکتا تھا۔

وہ جمعہ کا روز تھا۔ صبح کی صبح فجر کی نماز سے بہت پہلے سید صاحب میرے ملازم کے ساتھ میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر پاس مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے۔

''مہاراج! آج آپ کا کشٹ انت ہوا آپ ابھی یہاں سے تشریف لے جائیں۔ میرے بس میں صرف یہی کچھ تھا۔ آپ کے چہرے پہ کھال اور گوشت چڑھ آیا ہے لیکن آپ کے اندر کی جلن اور سڑن ہمیشہ ایسے ہی رہے گی اور چہرے کی کھال اور گوشت ہمیشہ کچے ہی رہیں گے خون اور پیپ بھی پیدا ہوتی رہے گی۔ جب تک کسی نمازی کے وضو کے پانی سے چہرہ دھوتے رہیں گے افاق محسوس ہوتا رہے گا یا وہ ناری جس کا آپ سے اپمان ہوا ہے آپ کو معاف کر دے اور آپ کے لئے دعا کرے یا کوئی نجیب الطرفین سید جو نا کتخدا یعنی کنوارہ ہو پیدائش کے سمے سر پہ سفید بالوں کی لٹ لئے پیدا ہوا ہو اور آگ کے انگاروں پہ ماتم کرنے والا ہو یا پھر کوئی مولا علیؑ کا ملنگ جو سیاہ پوش سیاہ توش اور پچھلی کایا کا سروپ ہو اور ماتھے پہ چندن کا چھت ہو۔ ایسا مہاپرش اگر آپ کو مل جائے تو آپ کا یہ روگ ختم ہو سکتا ہے کیونکہ یہ

محض سر یہ روگ ہی نہیں سراپ روگ بھی ہے....."

میں یہ سب کچھ سن کر ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ "سید صاحب! میں ایک پاپی دیوانی نادان ہوں اور آپ ایک بدھوان مسلمان ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں ذہنی اور باطنی طور پہ اسلام کے قریب ہوں۔ اس مسلم بزرگ ناری کی قربت اس مسجد اور آپ کی تھوڑی بہت صحبت سے مجھے مسلم دھرم کی بہت لگن پیدا ہوئی ہے۔ اب اس ناری سے جس کے سراپ دینے سے میری یہ حالت ہوئی ہے رابطہ کرنا بڑا مشکل امر ہے۔ اب رہی بات کسی سید کو تلاش کرنے کی تو میں یہ کسی کو نہ دکھانے کے قابل چہرہ لے کر کہاں خوار ہوتا پھروں اور پھر جو صفتیں آپ نے بیان اور نشان کی ہیں ایسے مہان اولیا سید صاحب مجھے کہاں ملیں گے؟ آپ ہی میری کوئی سہائتا کریں گے تو میں سپھل ہو سکتا ہوں ورنہ میں کسی جوگا نہیں۔ سید صاحب! میں اپنا دھرم تیاگ کر مسلمان بھی ہونے کو تیار ہوں بس آپ میری رکھشا اور سہائتا کریں۔ میں اپنا باقی جیون آپ کے چرنوں میں بیٹھ کر اور آپ کی سیوا کرتے بیتانا چاہتا ہوں۔"

سید صاحب مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔ "مسلمان ہونے کے لئے آپ اتنا جلد نہ ہوں خوب سوچ بچار اور دیکھ پرکھ کر کوئی فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ [illegible] سے پہلے [illegible] ہوں امر [illegible] بات [illegible] کی تو اس نے آپ چاہیں تو امروہہ چلے جائیں ایسے سید سرکار آپ کو وہاں مل جائیں گے اور اگر آپ ایسا بھی نہ کر سکیں یا امروہہ سے بھی کامیابی نہ ہو تو اپنے ٹھکانے پر چلے جائیں۔ کچھ عملیات لکھ دیتا ہوں ان پر عمل کریں۔ چالیس روز کے اندر اندر آپ کے پاس ایک شخص خود چل کر آئے گا بس اس کو پکڑ لیں۔ وہی آپ کے درد کا دارو ہوگا اور اگر اس دوران آپ اپنے من کی اچھیا سے مسلمان بھی ہونا چاہیں تو اسی شخص کے ہاتھ آپ کا مسلمان ہونا بہتر ہوگا....."

اتنا کہہ کر انہوں نے اپنے ایک ملازم سے کاغذ قلم اور چراغ منگوایا اور جلدی جلدی کاغذ پہ کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ چند سطریں ہی لکھی ہوں گی کہ میں نے پاؤں پکڑ لئے۔

"سید صاحب! چھ سات مہینے میں آپ کے چرنوں میں رہا ہوں اب آپ کے امر سے جا رہا ہوں۔ مجھ پہ ایک دیا اور کر دیجئے۔ میں اپنا باقی جیون ذکی یا لوگوں کی سیوا میں گزارنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس دھن پیسے کی کمی نہیں ہے مجھے اتنی اشیرباد دے دیں کہ میں دکھیوں کے لئے ایک آشرم کھول سکوں اور آپ کی طرح اپنے آپ کو ان کی سیوا کے لئے تیاگ دوں۔ بس مجھے اسی پتا پہ کچھ ایسے آشرم بھی پراپت کر دیں کہ جو ذکی میرے پاس آئے وہ سکھی ہو کر جائے....."

UrduPhoto.com

سید صاحب نے ایک کاغذ پہ کچھ لکھ کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ چند عملیات ہیں' چالیس چالیس ان پہ عمل کریں۔ اس دوران اگر وہ سیاہ پوش شخص آپ کے پاس نہ آئے تو اگلے چالیس چالیس پھر یہی عمل دہرائیں۔ پھر بھی وہ شخص نہ آئے تو پھر دہرائیں اور جب تک وہ نہ آئے' یہی عمل دہراتے رہیں....."

پھر وہ خود اٹھے۔ چند منٹوں بعد تشریف لائے تو ایک قلمی کتابچہ جو کم و بیش پچاس صفحوں پہ لکھا ہوا تھا' مجھے دیتے ہوئے فرمایا۔

"یہ چھایا ودیا کا بھید ویدک ہے' اس شاستر میں سب کچھ لکھا ہے۔ جائیے اللہ کے بندوں کی سیوا خدمت کریں۔ کسی سے کچھ لینا نہیں ہے۔ یہ فی کیول اللہ ہے' لوبھ لالچ کرو گے تو یہ ودیا ختم ہو جائے گی جیسے چڑیا اڑ جاتی ہے....."

سید صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ پہلے امروہہ جاؤ اور مطلوبہ سید صاحب کو تلاش کرو اور ہر کوشش کے باوجود بھی سید صاحب نہ ملیں تو پھر اپنے محکانے پہ پہنچ کر اس چٹ کو پڑھو جو لکھا ہے اس پہ عمل کرو اور پھر اپنے چہرے پہ چاندی کا کشتہ چڑھا کر کسی کو بھی بغیر دست دکھائے میں وہاں سے سید صاحب کی [illegible] امروہہ اور [illegible] میں نے [illegible] سے بڑی [illegible] بارگاہ کا رخ کیا۔ سر منہ چھپائے' آنکھوں پہ سیاہ عینک چڑھائے میں ہر کسی سے کسی ایسے سید صاحب کے بارے میں پوچھتا پھرا جو ان مخصوص خصوصیات کے حامل ہوں۔ کسی میں کچھ کمی اور کسی میں کچھ زیادہ امروہہ میں میری اس بات اور ایسی طلب کی دھوم مچ گئی تھی۔ کوئی مجھے دیوانہ سمجھے اور کوئی کچھ اس پندرہ روز جب میری ثوب زسوائی ہو چکی اور وہ مخصوص سید صاحب نہ ملے تو میں نے واپسی کی ٹھانی لیکن اچانک ہی ایک بزرگ سے میری ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں سے پچاس کوس ایک قصبہ منگولی شریف ہے' وہاں سادات کے گھرانے ہیں۔ وہاں چلے جاؤ۔ مزار کے مجاوروں میں ایک سید صاحب یہی خصوصیات رکھتے ہیں..... ایسا پتہ پڑتے ہی وہاں کی راہ لی۔ شام سے ذرا پہلے منگولی شریف جا اترے' سیدھے درگاہ شریف کا رخ کیا۔ وہاں تو ایک اور ہی عالم تھا۔ معلوم ہوا کہ آج سے پہلے ہی سید بشارت علی شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ وہی سید تھے جن کی تلاش میں امروہہ سے منگولی شریف کے لئے روانہ ہوا تھا۔ وہاں سے بھی میں بے نیل و مرام واپس اپنے گاؤں چلا آیا۔

گاؤں پہنچ کر میں نے سید صاحب کا دیا ہوا عملیات والا بند لفافہ کھولا تو عمل پڑھ کر میں حیران رہ گیا۔ ہر روز نادِ علی کا ورد اور مولا علیؑ کا نظر جاری کرنے کی ہدایت تھی۔ گندے ماس' ہر قسم کا نشہ' سود' پیاز

UrduPhoto.com

اور لوہے کی بھاری سے بچنے کی تاکید درج تھی۔ دوسری وذیا والی پُستک کھولی تو اسے پڑھ کر بھی میں دنگ رہ گیا۔ یہ ایسی وذیا تھی جس کا تعلق انسان کے سائے پر چھائیں سے تھا۔ تیسرے پہر اترتے ہوئے سورج کی کرنیں اور روشنی جب مخلوق کے سر پر جھک کر سفید کپڑے کے پردے پہ جو پرچھائیں چھوڑتیں بس اس سائے کو پڑھنے کی ذیک پہ ہی یہ پُستک لکھی ہوئی تھی۔ سید صاحب کے ذاتی قلم سے لکھی ہوئی یہ پُستک بڑی قیمتی اور نادر چیز تھی۔ میں نے بیک وقت دونوں پہ ہی عمل درآمد کرنا شروع کر دیا۔ کئی روز مسلسل سفر کے دوران وضو کا پانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے چہرہ نہ دھو سکا تھا' سخت بے چینی اور تکلیف کا احساس ہونے لگا تھا' چہرے پہ ورم اور خرابی سی پیدا ہو گئی تھی۔ ہمارے گاؤں کے قریب ہی دوسرے گاؤں میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی' اتنی کہ کے وہاں سے وضو کا پانی منگواتا اور چہرہ دھو لیتا۔ مولا علیؑ کا لنگر بھی جاری کر دیا اور تاولی کا ورد بھی پڑھتا سکھ دیا۔ مندر جاتا' پوجا پاٹ' پرارتھنا وغیرہ تو کبھی کا چھوٹا ہوا تھا' ہندو جاتی اور اپنے گاؤں کے پتھر پاتھوں سے بچنے کی ترکیب بھی میں نے نکالی ہوئی تھی۔ چاندی کا ایک کنٹوپ بنوایا اور سر پہ چڑھا لیا تھا۔ آنا جانا' پرچا پوجا' سبھا برادری' پریوار' اکٹھ' جنایت' مسکوٹ' سب کچھ ترک تھا۔ اپنا یہ چھوٹا سا ہی سب کچھ تھا۔ کچھ پرانے رازدار ملازم تھے جن کے ذریعے سے باہر کی دنیا سے رابطہ تھا' ویسے بھی [illegible] کچھ دیکھنے دکھانے کے قابل نہیں۔ بس یہی ایک وجہ تھی جس کی بدولت میں بچا ہوا تھا' کوئی نہ جانتا تھا کہ میں اندر سے ایک مسلمان ہوں۔ وضو کا پانی لانے میں دشواری پڑی تو میں نے خود ہی وضو کرنا شروع کر دیا' وضو ہوا تو نماز بھی آ گئی۔ اب میں پانچ وقت نماز پڑھتا تھا۔ مولا علیؑ کا لنگر بھی لوگ کھاتے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ میں نے پرچھائیوں سے علاج معالجہ شروع کر دیا۔ جو بھی آتا لنگر بھی جمع کرتا بلکہ اکثر صرف لنگر ہی کھانے آتے اور ساتھ بھی لے جاتے۔ اللہ کا کرم اور مولا علیؑ کے نام کا لنگر اور گڑ اولی والے سید صاحب کی بخشی ہوئی پرچھائیں وذیا سے جو بھی دکھی دکھیارا آتا' وہ ہنستا مسکراتا' دعائیں دیتا واپس لوٹتا۔ زندگی اک نئے بندھے ڈگر پہ چل نکلی تھی۔ پہلے چالیس روز بھی نکل گئے' وہ مولا علیؑ کا سیاہ پوش ملنگ نہ آیا۔ چالیس پھر اور گزر گئے۔ پھر [illegible] اور پھر [illegible] لیکن جتنے آنا تھا وہ نہ آیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ملنگ ضرور آئے گا۔ اسی انتظار اور کشمکش میں یہ ہوا کہ میں پکا نمازی بن گیا۔ وضو کرتا تو ایسا سکون ملتا کہ جیسے میں نے اپنے چہرے کے زخموں پہ کوئی مرہم رکھ دیا ہو۔ سید صاحب نے مجھے شیشہ دیکھنے کی سختی سے ممانعت کی ہوئی تھی' کبھی چہرہ دیکھنا چاہوں تو وہ بھی ہلکورے لیتے ہوئے پانی میں دیکھ سکتا تھا۔

گلیا جی نے اپنی کتھا کہانی سے ماحول اور مجھے ایسے باندھ رکھا تھا کہ جیسے وہ سنائے اور میں

UrduPhoto.com

۔ف لمحے کے لئے ہی یہاں پہ موجود ہوں ۔ نہ وقت کے گزرنے کا احساس اور نہ کچھ جسمانی فطری تقاضے یا بھوک پیاس ۔ ذرا سی ذرا وہ سکوت میں آئے تو میں نے بھی اپنا صدیوں سے بند منہ کھول ہی دیا۔

''مکھیا جی! اگر آپ چاہیں تو چائے وغیرہ منگوا سکتے ہیں۔ اگر آج کی شب پو پھٹنے تک میں جاگنا ہی ٹھہرا تو پھر کچھ تو ''بہر رت جگا'' ہونا چاہئے۔۔۔''

مکھیا جی نے پاس لگی ہوئی کالی کی ننھی ننھی گھنٹیوں والی ڈوری کو ہلایا۔ کچھ توقف کے بعد ایک نازی منہ سر لپیٹے ٹھوٹھت کا ڈھے بڑے ادب سے اندر داخل ہوئی اور چائے کا حکم لے کر الٹے قدم باہر نکل گئی۔ اس عورت کے باہر نکلتے ہی میں نے کہا۔

''آپ کی بچی پردہ کرتی ہے۔۔۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے مگر''

مکھیا جی نے جواب میں کہا۔ ''خان صاحب! میں نے شادی نہیں کی اور نہ ہی شاید میں اس قابل ہوں ۔ یہ ناری ان بہت سی ناریوں میں سے ایک ہے جو مستقل یہاں آ کر مجھ میں رہتی ہیں۔ یہ دھوا اناتھ زرگی بے سہارا ناریاں اور کنیائیں ہیں۔ ایسی تمام ناریاں اوٹ پردے میں رہتی ہیں کسی کو نہ کچھ خبر نہیں ہوتی۔

UrduPhoto.com

''مکھیا جی! اگر آپ کی اجازت ہو تو چائے کے آنے تک آپ کو ریلیف دینے کی خاطر میں بھی کچھ بات کروں؟ چائے پینے کے بعد آپ پھر اپنی کتھا سنیوران کر سکیں گے ۔ ویسے میرے خیال میں آپ کا باقی اتہاس کچھ یوں ہے کہ آپ بھی سیاہ پوش مولانا کے ملنے کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں آپ کی نظر میں وہ میں ہوں اور آپ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آپ کا یہ چہرے والا روگ بھی میں دور کر سکتا ہوں اور تیسرے آپ باقاعدہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ چوتھی بات میں آپ کو چائے پینے کے بعد مناسب موقع پہ بتاؤں گا ۔۔۔ اس کے علاوہ بھی آپ کلکتہ والی اس ناری شکیلہ کے بارے میں بہت کچھ کہنا اور پوچھنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔؟''

مکھیا جی میری یہ باتیں سن کر گنگ سے ہو گئے چاندی کے کنٹوپ کے پیچھے سے بس گھورے جا رہے تھے۔ میں بھی یہ کچھ کہہ سن کر ان کا ردعمل جاننے کی خاطر چپ سا ہو گیا تھا۔ پھر یوں ہی بات کا رخ بدلنے کی خاطر پوچھ بیٹھا۔

''آج آپ نے عشاء کی نماز پڑھی۔۔۔۔۔؟''

''آپ کے یہاں پدھارنے سے پہلے میں نماز سے فارغ ہو چکا تھا۔ میرے دو انتہائی با اعتماد

ملازم بھی مسلمان ہیں وہی مجھے وضو وغیرہ کرواتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ مسلمان ہو چکے ہیں.....؟"

"باقاعدہ نہیں ہمیں ویسے بھیتر سے مسلمان ہی ہوں۔ اعلان اس لئے نہیں کرتا کہ یہاں پھر سب کچھ برباد ہو جائے گا۔ یہ آشرم اجڑ جائے گا۔ یہ سینکڑوں بے سہارا دکھیارے لوگ دربدر ہو جائیں گے آس پاس کی ہندو جاتی مجھے قتل کر دے گی سنو باشی پاتی کا کلنک نام کام بدنام ہوگا اور اگر میرے دھرم چھپانے سے جانوں کا بھلا ہوتا ہے تو فساد نہیں ہوتا آگے نہیں تھی۔ جانوں کو خطرہ نہیں ہوتا تو پھر میرے وچار میں چپ رہنا ہی بہتر ہے.....!"

چھوٹے کے دروازے پہ جلترنگ سی بجی۔ ایک بارہ چودہ برس کی انوکھی سی بچی اور اس کے پیچھے پیچھے مل مرضدا جاتے ہوئے ہاتھ میں چائے کی طشتری اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ چھوٹی بچی نے آتے سے پرنام کیا۔ پھر بڑے بچے کے انداز میں لکڑی کا ایک چوکا درمیان رکھا۔ ناری چائے کی طشتری چوکے پہ رکھ کر آنے قدموں باہر نکل گئی۔ بچی نے گھیاتی کی آگیا سے بڑے پراعتماد انداز سے چائے بنانا شروع کی۔ نفیس پیالوں میں قہوہ انڈیل کر دودھ شہد اور مصری کی ڈلیاں سامنے پیش کر دیں پھر پرنام کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ [illegible] آتے جاتے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ بچی.....؟"

میرے منہ سے [illegible] جیسے خود بخود اچھل کر لبوں تک آ گئے تھے۔ گھیاتی کے پاس بھی جواب جیسے تیار پڑا تھا۔

"اس دکھیاری ناری کی ہے۔ ایک راکھشس اسے پریم کے چکر میں ڈال کر یہ پریم نرکھا دے گیا۔ یہ ناری بڑے پریم پرمت والی ہے۔ منہ سے کچھ بول نہیں بولتی اس نے اپنی زبان خود ہی بند کر لی ہوئی ہے۔ آپ چائے بنائیے ایک پیالی میرے لئے بھی....."

میں چائے بنانے میں مشغول ہو گیا۔

"آپ چائے میں شہد یا مصری.....؟"

یہ پوچھتے ہوئے اچانک جو میں نے گھیاتی کی جانب دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ انہوں نے چاندی کا کنٹوپ اتارا ہوا تھا۔ بالوں کا اک بنگل طرح ہوئی چہرہ ابھری ہوئی ہڈیوں پہ کہیں کہیں سکڑی پچکی اور تڑخی ہوئی کھال۔ نہ پلکوں پپوٹوں اور ابروؤں کے پچھلی ہوئی طرح آنکھیں جیسے آنکھوں کے

UrduPhoto.com

آنکھوں میں سرخ انگارے رکھے ہوں۔ مردے کی کھوپڑی کی طرح بھنچی ہوئی ناک اوپر بالشت کی ہلکی سی ہڈی باقی بچی تھی۔ ہونٹ غائب صرف دانت اور جبڑا موجود تھا۔ ڈھلی رات تنہائی اور بھوت پھرے کے ڈر کا ڈراؤنا سا ماحول یقیناً مجھے بے ہوش ہو کر لہرا جانا چاہئے تھا مگر میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔

''آپ کا چہرہ اب کافی حد تک بہتر ہو گیا ہے۔'' میں نے ان کی چائے میں اچھا خاصا شہد ملا دیا۔ ''یہ لیجئے چائے پیجئے.....''

کھیاتی کچھ بھی کھا پی نہیں سکتے تھے صرف چمچ سے مشروب یا گھلی ہوئی غذا حلق میں ڈال کر نیچے اتار لیتے تھے..... وہ بولے۔

''خان صاحب! آپ نے میری صورت دیکھی

میں نے پھر غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔''

کھیاتی: میں نے ایسی اور اس سے بھی کہیں گئی گزری صورتیں بہت زیادہ دیکھ چکی ہیں۔ یہ تو پھر بھی بہت اچھی صورت ہے جبکہ اس صورت کی پیشانی پر ایک نورانی دیپ بھی جل رہا ہے تو پھر یہ صورت کیسے بری ہو سکتی ہے۔ آپ اس دیپ کو بجھنے نہ دیں اللہ اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

کھیاتی ہنسک ہنسک کر رونے لگے میرے گھٹنے پکڑ کر کہنے لگے۔

''خان صاحب! مجھے تمنا و خواہش تھی کہ آپ وہی ہیں جن کے متعلق مجھے سید صاحب نے بتایا تھا اور مجھے یقین ہے کہ میرا امہربان کھیتے سے کیا ضرور وعدہ کرو گے کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں اور مجھے ہمیشہ کے لئے اپنا داس بنا کر اپنے چرنوں میں جگہ دیں۔ یہ میرا سب کچھ حاضر ہے یہیں قیام فرمائیں اور یہاں کے دکھی لوگوں کی رکھشا کریں۔''

''کھیاتی! میرے بارے میں آپ بہت زیادہ خوش گمانی سے کام لے رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں تو محض ایک آوارہ گرد منش ہوں میں کہیں ٹک یا جم کر بیٹھ نہیں سکتا۔ ہر درد اور چنتا کا وارو منش کے اپنے پاس ہی ہوتا ہے۔ آپ کے ہر دکھ اور چنتا کا علاج بھی آپ کے پاس ہی ہے میری تو کہیں بھی آپ کو ضرورت نہیں۔ اپنے آپ کو کھوجئے اپنے ارد گرد دھیان دیجئے۔ اپنی آتما کو پہچانئے آپ کو سب کچھ اپنے پاس سے ہی مل جائے گا.....'' پھر اچانک میں نے سوال کیا۔ ''آپ وضو میں ہیں؟''

''الحمدللہ میں وضو میں ہوں۔''

ماشاء اللہ کہہ کر میں نے عرض کی۔ "تو پھر آپ کی مسلمانی میں باقی جو کسر رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جاتی ہے۔ آپ ذرا آگے بڑھ کر میرے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ جائیے۔ ہاں آگے بڑھنے سے پہلے وہ گھنٹیوں والی ڈوری ہلا دیجئے تاکہ یہ جانے کے برتن درمیان سے اٹھا لئے جائیں"۔ گھنٹیاں بجتے ہی وہ بچی اور پیچھے پیچھے ماری اندر داخل ہوئیں۔ بچی نے چوکا بنایا اور ماری نے برتن اٹھنے پاؤں جانے لگیں تو میں نے دھیمی سی آواز دے کر روک لیا اور کہا۔

"برتن رکھ کر کچھ دیر کے لئے یہاں بیٹھ جائیں....."

وہ دونوں گھیاتی کی جانب دیکھنے لگیں جو اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے صاف دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ گھیاتی نے انہیں تذبذب میں دیکھتے ہوئے بڑی نرمی سے کہا۔

"آپ بیٹھ جائیے"

"اور ہاں گھیاتی! اپنے دو ملازموں کو جو مسلمان ہیں اندر بلا لیں"۔ ملازم جب آ گئے تو میں نے گھیاتی سے کہا۔ "آج آپ اللہ کے امر اور اپنی دیرینہ خواہش کے تحت باقاعدہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ جو کچھ میں پڑھتا جاؤں اسے آپ دہراتے جائیں"

اس کے بعد میں نے کلمہ پڑھا۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے فرط جذبات سے ان کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے انہیں مبارک باد دی۔

"ایک عظیم خوشی کی مبارک بھی آپ قبول فرمائیں۔ آج ابھی یہیں آپ کا نکاح بھی ہو رہا ہے۔ میں جو کچھ کہتا جاؤں وہ آپ پڑھتے جائیں"۔ اب میں ماری کی جانب مخاطب ہوا۔

"خاتون! آپ آگے آ جائیے....."

گھیاتی اور خاتون دونوں میری جانب دیدے پھاڑ پھاڑ دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ آج کیا ہو رہا ہے؟ خاتون نے لب کھولنے چاہے مگر میں نے اپنے لبوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ دونوں مسلمان ملازم بطور گواہ موجود تھے۔

قبول کے سمے جب شکیلہ رحمانی بنت مرزا عبدالشکور رحمانی کے لفظ آئے تو گھیاتی بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔ ان کی گھگھی بندھ گئی اور کھوں کی مانند کبھی مجھے اور کبھی شکیلہ کو دیکھ رہے تھے۔ نکاح بخیر ہوا تو مصری کی ڈلیاں بانٹی گئیں۔

اگلے روز جب دوسرے پہر میں نے اور پروفیسر داؤد نے واپسی کا قصد کیا۔ گھیاتی عبدالشکور صاحب سے اجازت چاہی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے انہیں دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

UrduPhoto.com

"ٹھیا جی! جس طرح آس پاس، چلتا منش کے اپنے اندر ہوتی ہے اسی طرح شکتی شانتی، ذات شکھا، پیر مرشد بھی اس کے بھیتر ہی بھید کی طرح موجود ہوتے ہیں۔ بس کھوجنے بجھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کے سب دکھوں کا علاج یہیں پہ موجود تھا۔ خدا بھی یہیں تھا، شکیلہ اور آپ کی سچی شبنم اور شہد بھی یہاں پہ موجود ہے۔ کالے شہتوت کے جلے ہوئے پتے پرانے شہد میں ملا کر شکار کئے ہوئے شیر کی ہڈی سے کھرل کر کے یہ مرہم روزانہ چہرے پہ لیپ کریں پھر قدرت کا تماشا دیکھیں۔ وضو کے پانی والا عمل جاری رکھیں۔ یاد رکھیں! وضو کرنے سے مستقل رہنے ظاہری اور سخت بیماریاں باطنی دور ہوتی ہیں۔ نمازیوں کے وضو کا پانی تمام بیرونی جلدی بیماریوں کے لئے اکسیر ہے۔"

ٹھیا جی عبداللہ میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے۔ "میں آپ کی کوئی سیوا نہیں کر سکا۔ کوئی سیوا خدمت ہو تو۔"

میں نے ان کے ہاتھوں پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیا جی! آپ کی دھرم پتنی کے دل کے طور پہ میں نے اپنا نام لکھا ہے۔ بس اس کی لاج رکھنے کا۔ اس سے زیادہ آپ کی طرف سے سیوا خدمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ میں یہاں اپنا چادری لے کر آیا۔ اللہ نے آپ کے لئے یہ جو اتنی بڑی ہوئی پیاری درگت کر دی ہے تو آپ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اب آپ یہ چہرے کا کنٹوپ اتار کر اپنی دھرم پتنی کو دے دیں۔" پھر میں نے شکیلہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹا! اللہ در گزر کرنے والوں کو بڑا اجر دیتا ہے۔ تم نے ان کی خاطر بڑا کشٹ اٹھایا ہے مگر تم نے صبر کیا اس لئے آج پھل پایا ہے۔" ٹھیا جی نے اپنا کنٹوپ اتارا اور میں نے اپنی سیاہ چادر ان کے سر پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"آج سے آپ سیاہ پوش ہو گئے ہیں۔ یہ پردہ پوش رنگ ہے علی پیا کا رنگ۔"

جب ہم رخصت ہونے لگے تو ٹھیا عبداللہ جی نے میرے کان میں کہا۔

"خان صاحب! آپ نے شکیلہ کو کیسے جانا۔ میں تو اک عرصہ قریب رہ کر بھی اسے نہ پہچان سکا؟"

"ٹھیا جی! آپ چھایا شناس ہو سکتے ہیں تو کیا کوئی کایا شناس نہیں ہو سکتا۔" میں نے کہا۔

قارئین! بات کہاں سے کہاں آ پہنچی۔ ذہن کے ساحل پہ صدیوں پرانے روشنی کے مینار کے اوپر اس لوہے کے کنٹوپ میں جکڑی ہوئی کھوپڑی سے شروع ہوا تھا۔ اس کنٹوپ کے اوپر ایک بھاری آہنی زنجیر پیوستہ تھی اور اس کا دوسرا سرا نچلی منزل کی دیوار میں جکڑا ہوا تھا۔ دراصل یہ ٹھیا جی والا واقعہ مجھے اس آہنی کنٹوپ کو دیکھ کر ہی یاد آیا تھا۔ انسان کی مختصر سی زندگی ایسے ہی اچھے برے عبرت ناک

عبرت ناک یا وقتی طور پہ متاثر کرنے والے چند ایک یا بہت سے واقعات پہ مشتمل ہوتی ہے۔ جو لوگ محدود کی بندھی گولہو کے بیل سی زندگی گزارتے ہیں یا گزارنے پہ مجبور ہوتے ہیں ان بیچاروں کے پاس کہنے سننے کو سوائے ذاتی دکھ درد یا مرنے جینے کے چند واقعات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا لیکن لاکھوں میں دو چار دانے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا رزق پانی دنیا کے ازلے ازلے پہ پڑا لکھا ہوا ہوتا ہے۔ (بعض کا تو لقمہ کے دگر عالموں میں بھی پھیلا ہوتا ہے) ان کی زندگی کی بندھی گھسی ہوئی نہیں بلکہ بکھری پھیلی اور دور دراز تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ نظر نظر نفس نفس لمحہ لمحہ قدم قدم تحت نئے واقعات تجربات اور مشاہدات سے ہمکنار و مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں اور کان ہر لمحہ کھلے اور تمام حواس ہر وقت بیدار و ہوشیار ہوتے ہیں۔ ان کے مخصوص شعور کے کیمرے میں لمحہ بہ لمحہ جزو بہ جزو واقعہ و جو منظر مقام و مکالمہ اپنی تمام تر جزئیات تفصیلات اور مفاہیم و مقاصد کے سیاق و سباق کے ساتھ ریکارڈ ہوتے رہتے ہیں۔

ایسے لوگ اپنے مخصوص طرز حیات اور انداز عمل و فکر کی بنا پر اپنی ایک علیحدہ سی پہچان اور حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ابعاد سے صاحب حال و قال لوگوں کی اپنی الگ سی دنیائیں اپنے علیحدہ سے جہان ہوتے ہیں۔ یہ اپنی طرح کی [illegible] عجیب و غریب نئی نئی اور پرت در پرت تہوں میں بیک وقت ہی رہتے ہوتے ہیں۔ دنیا کی ڈگمگاتی زمانے کے نشیب و فراز اور وقت کے ادلتے بدلتے تیور ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہی لوگ تہذیبوں تاریخوں حکمتوں اور قدیم و جدید علوم و فنون کے امین ہوتے ہیں۔

میرا تعلق بھی ایسے نابغہ روزگار اللہ کے بندوں کے غلاموں اور کفش برداروں میں ہوتا ہے۔ جہاں اپنے بزرگوں بالوں کی خوبیاں چاہئیں وہیں اس دنیا کے پیچ پیچ پہ اس قادر مطلق اللہ کریم و جلیل کی یکتائی ہوائی پاکی اور بیچگی بھی بیان کی۔ اپنے زمانہ آوارگی خوارگی اور بادیہ پیمائی کے دوران مجھے اکثر شدت سے احساس ہوا کہ میرا کہیں بھی جانا پہنچنا کبھی بھی خالی از مصلحت نہ ہوا۔ "جہاں بھی گئے داستاں چھوڑ آئے" والی بات ہی ہوئی۔ کوئی نہ کوئی حادثہ واقعہ معاملہ ہوتی ان ہونی فرد و افراد میرے منتظر ہی ہوتے۔ کوئی طاقت کوئی سسٹم مجھے زبردستی ادھر دھکیل رہا ہوتا ہے اور الحمدللہ کہ ہمیشہ میرا پہنچنا خیر و برکت پہ ہی منتج ہوا۔ ان گنت واقعات ایسے ہیں کہ میں جا کسی ارادے ضرورت یا وجہ کی ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں کوئی جانور پرندہ یا درندہ کسی مصیبت میں پھنسا ہوتا۔ اس کی مصیبت دور کرنے کے بعد احساس ہوتا کہ واہ مالک تیرے بچانے کے انداز بھی نرالے ہیں ..... ایک واقعہ سنانے کے قابل ہے۔

UrduPhoto.com

● پٹڑی، پُل اور اندھا پرندہ.....!

مجھے بچپن میں موٹر کار چلانے کا بہت شوق تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سیالکوٹ میں اگر سڑک پہ سے موٹر گزرنے کی آواز آتی یا اس کا ہارن بجتا سنائی دیتا تو سوئے جاگے بچے گھروں سے باہر سڑک پہ پہنچ جاتے۔ کار کے پیچھے بھاگتے بھاگتے دور تک چلے جاتے اور حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے۔ اس کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ اور خاص طور پر ڈرائیور کسی اور ہی دنیا کے باشندے جان پڑتے تھے۔ میں اکثر اپنی گلی کی نالی والی تھڑی پر بیٹھ جاتا دونوں بازو ہاتھ آگے کر کے خیالی اسٹیئرنگ کو تھامتا اور منہ سے موٹر چلنے کی آوازیں نکالتا ہوا سارا شہر گھوم آتا۔ ہاتھ باقاعدہ اسٹیئرنگ وہیل کو گھماتے، پاؤں ایکسیلیٹر اور بریک پہ ہوتا۔ تصور میں اسی ڈرائیونگ ہوتی۔ اصلی ڈرائیونگ کیا ہوتی ہوگی۔ اسی طرح ہم ریڑھا بھی چلایا کرتے تھے۔ سائیکل کا پرانا پہیہ یا موٹی تار کا گول چکر ہم ایک تار یا لکڑی کے ٹکڑے کے ساتھ اٹھا کر موٹر کار چلایا کرتے تھے۔ منہ سے "پوں پوں" کی آوازیں آتیں۔ موٹر کا نما سپیڈ کم زیادہ کرنا۔ کبھی کبھی ایکسیڈنٹ بھی ہو جایا کرتا تھا۔ اسی طرح ایک اور شوق بھی جھوں کی صورت تھا۔ پٹڑی کی پٹڑی پہ بغیر ادھر ادھر [illegible] کھیل تھا۔ پٹڑی پہ جانیں چل سکتا اور ہم شرط لگا کر میلوں تک چلا کرتے تھے۔ اس کھیل کا نام ہم نے "باؤنڈری" رکھا ہوا تھا۔ آس پڑوس کے لڑکوں کے ساتھ کالج والے ریلوے پھاٹک پہنچ جاتے۔

مغرب کی جانب سیالکوٹ کا اسٹیشن اور مشرق کی طرف پونڈہ تا روال اور جھوں۔ ہم شرطیں باندھ کر دونوں پٹڑیوں پہ دونوں ٹیمیں چڑھ جاتیں اور تلواڑے جھوں کی طرف ہماری باؤنڈری روانہ ہو جاتی۔ غازی پورہ اور تلواڑہ گزر کر ہم مضافات میں نالہ عیک کے پل تک اور پھر وہاں سے آگے روانہ ہوتے۔ اکثر پونڈہ پہنچ کر ہاتھ لگا کر آتے تھے اور اگر جھوں والے ٹریک پہ ہوتے تو کبھی کبھی جھوں تک بھی ہو آتے۔ یہ بچپن تھا اور یہ بچپن کے کھیل تماشے۔ زندگی آگے بڑھی اور پھر بہت دور تک نکل گئی۔ بچپن بہت پیچھے رہ گیا اور بچپن کی یادیں بھی پرانی بلیک اینڈ وائٹ تصویروں کی طرح پرانی فائلوں میں کہیں دب کر رہ گئی تھیں۔

لگ بھگ تیس برس بعد میں ایک لمبی جلاوطنی کے بعد اپنے گھر سیالکوٹ پہنچا۔ وہی پرانا گھر، وہی گلیاں بازار اور کچھ میرے وقتوں کے پرانے لوگ بھی مگر سب کچھ جیسے بدلا بدلا سا تھا۔ یقین ہی نہ آتا کہ یہ وہی گھر، گلیاں اور بازار ہیں جہاں ہمارا بچپن بیتا۔ ہم نے موٹر گاڑی چلانا سیکھا، باؤنڈری چلائی،

مرغیاں چرائیں۔ ہر چیز جانی جانی سی مگر اجنبی اجنبی بھی ... دو چار روز اسی یگانگت اور بیگانگت میں گزر گئے۔ بہت ہی لمبے عرصے بعد لوٹے تھے اداس اداس سے گھر پہ ہی پڑے رہے۔ آنے جانے اور ملنے ملانے والوں نے بھی پریشان اور مصروف رکھا ہوا تھا۔ بھرپور گرمیاں تھیں ... حبس اور لو۔ میں پچھتا رہا تھا کہ اس موسم میں ادھر کیوں آیا؟ ... ایک دوپہر تپتی گرمی سڑکیں بازار خالی۔ چیل نے گھونسلہ چھوڑ دیا ہوا تھا۔ باہر تو باہر گھروں کمروں دالانوں میں بھی چین نہیں۔ میں بھی "العطش العطش" پکارتا ہوا تھی چارپائی پہ پڑا کروٹیں بدل رہا تھا۔ اچانک ہی میں کیا آئی کہ ایک عزیز کو ساتھ لیا اور باہر نکل آیا۔ عزیز نے سوچا ہوگا کہ شاید میں باہر کوئی ٹھنڈی ٹھار شربت پینے کی نیت سے نکلا ہوں۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولا بس میرے پیچھے پیچھے نکل آیا۔ شکر دوپہر سورج سوا نیزے پہ اترا ہوا تھا۔ میرا رخ بازار کی بجائے کالکے پارک یعنی ریلوے پھاٹک کی جانب تھا۔ سر پہ ٹوپی کپڑا نہ کوئی چھتری۔ جب اس عزیز کا دماغ گرم ہوا تو ناچار پوچھ بیٹھا۔

"خان جی! ادھر کا رخ ہے؟ ... اگر کہیں دور جانا ہے تو میں گھر سے چھتری وغیرہ لے آتا ہوں یا پھر کوئی تانگہ لے لیتے ہیں ..." اس کا انداز وہ تھا کہ میں کہنے میں آ گیا کہ ہم وغیرہ کھانے جا رہے ہوں۔

"نہیں یار! بس ذرا باؤ ٹرین کھیلنے کو جی چاہ رہا ہے ..."

وہ تو بہت چھوٹا تھا اس کو باؤ ٹرین کھیل کا علم نہیں تھا۔

"باؤ ٹرین ..." اس نے دہرایا۔ "خان جی! میں سمجھا نہیں ... باؤ ٹرین تو صبح صبح ساڑھے چار بجے اسٹیشن سے لاہور جاتی ہے آپ کس باؤ ٹرین کے کھیل کا ذکر کر رہے ہیں ...؟"

ہم سڑک پہ چلنے کی بجائے گلیوں سے گزر رہے تھے۔ میں نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے باؤ ٹرین کھیل کی تفصیل بتانی شروع کی کہ کس طرح ہم ریلوے کی لائن پہ چلتے اور بغیر دائیں بائیں گرے میلوں میل چلے جاتے تھے بلکہ چونڈے پسرور جموں تک ہو آتے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح مجھے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں ...؟"

"بھائی! بتایا ہے کہ وہی باؤ ٹرین کھیلنے کو جی چاہ رہا ہے۔ اس وقت پٹری خالی ہوگی سوچا کہ بچپن کی یاد تازہ کریں اور دیکھیں سیدھی راہ پہ قدم بہ قدم چلنے کی پریکٹس کہیں بھول تو نہیں گئی ...؟"

وہ وہیں رک گیا میرا ہاتھ اپنے کاندھے سے اتارتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کے دماغ کو گرمی چڑھ گئی ہے۔ فوراً یہیں سے واپس چلیں۔ میں آپ کو ٹھنڈا ٹھنڈا صندل کا شربت پلاتا ہوں۔ غضب خدا کا، گرمی کی انتہا، سر پہ سورج قہر برسا رہا ہے نیچے زمین تپ رہی ہوئی ہے اور یہ ریلوے کی لوہے کی پٹریوں کے اوپر باؤنڈرین کھیلنے جا رہے ہیں خدا کی ماریں کی پٹریاں اس وقت آگ کا انگارہ بنی ہوئی ہیں۔ زیادہ ہی شوق ہے تو کل صبح صبح یہاں سیر کرنے کے لئے آئیں گے آپ اس وقت باؤنڈرین بھی کھیل لیجئے گا۔"

"بھائی! تم یوں کرو کہ واپس گھر چلے جاؤ۔ میں تو باؤنڈرین کھیل کر ہی آؤں گا۔ شاباش! چلو گھر بھاگو۔"

وہ کچھ کہنے لگا تو میں نے اسے روک دیا اور اسے سمجھا کر رخ گھر کی جانب موڑ دیا۔ اگلے موڑ پر جب میں نے پیچھے دیکھا تو وہ پھر میری جانب آ رہا تھا۔ میں رک گیا۔

"یار! تم گھر جاؤ۔ کیوں اس گرمی میں اپنا ناس کرنے پہ تلے ہوئے ہو۔"

میں نے اسے سمجھایا مگر وہ الٹا مجھے سمجھانے لگا۔

"خدا کی مار اس گرمی سے تپتی ہوئی پٹریوں پہ چلو گے تو پاؤں پڑ جائیں گے۔ کل صبح سورج نکلنے سے پہلے یہ شوق پورا کر لینا۔"

میں اس پاگل کو کوئی جواب دیئے بغیر پھر اپنی راہ پہ چل پڑا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ پھاٹک پہ پہنچ کر میں اس نشان پہ جا کھڑا ہوا جہاں سے ہم باؤنڈرین شروع کرتے تھے۔ اس عزیز نے شیڈ پھاٹک والے سے ایک ٹوٹی ہوئی چھتری پکڑ لی تھی۔ اب میں بسم اللہ کر کے پٹڑی پہ چڑھ گیا اور آہستہ آہستہ اپنی رفتار بڑھانے لگا۔ اترنے کو تو پٹڑی پہ چلنے کی پریکٹس نہیں تھی، وہ کبھی نیچے اور کبھی پٹڑی پہ پاؤں جما کر میرے ساتھ بھاگنے کی کوشش کرتا۔ اس کی چپل بھی پرانی اور گھسی پٹی تھی۔ نوکیلے پتھر گرم گرم لوہا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور میں ہنٹر بھاگا جا رہا تھا۔ کیا مجال ہو ایک قدم بھی "رہ شوق" میں غلط پڑا ہو۔ جیسے ٹھیلے کو دھکا لگانے والے ہوتے ہیں اور صاحب لوگ سوا بیت پہنے ٹانگیں زانو پہ رکھے اوپر گدی والے تخت پہ بیٹھے ہوتے ہیں اور سر پہ پگڑی باندھے تہبند اڑستے دھکا مزدور پٹڑی پہ بھاگ رہے ہوتے ہیں میں بھی دھکا مزدور بنا بھاگ رہا تھا مگر میرے اندر کا صاحب آرام سے بیٹھا لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پھاٹک سے اندازاً کوئی چار پانچ کوس آگے نالہ ٹیک پہ کوئی تین سو فٹ لمبا ایک آہنی پل آتا ہے۔ تھوں ٹوٹی سے نکلنے والا یہ نالہ اس پل کے کافی نیچے سے گزرتا ہے۔

انگریزوں کے زمانے کا بنا ہوا یہ پل بڑا مضبوط اور سنگل ٹریک کی پٹڑی ہے۔ ہم تو اپنی لگی بندھی

UrduPhoto.com

چال رفتار سے اس پل پہ سے بھی بے خوف و خطر گزر جایا کرتے تھے یا وہ لوگ جو اس پل کو مستقل آنے جانے کے لئے استعمال کرتے ہیں انہیں بھی کوئی خوف نہیں ہوتا مگر وہ جو اس پہ پہلی بار گزرنا چاہیں ان کے لئے بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ دھیان ان کا نیچے اور پانی پہ رہتا ہے اور ادھر اوپر لکڑی کے شہتیروں پہ قدم اٹھانے میں چوک جانے کا خطرہ موجود ہوتا ہے۔ کئی لوگ اس پل سے نیچے بھی گرے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ گزرنے والا بھی آدھا پل ہی طے کر پایا کہ ادھر سے ٹرین آ گئی۔ اب یا تو وہ پٹڑی کے نیچے کی طرف دونوں آہنی شہتیروں کے درمیان جو خلا ہے وہاں گھس کر پناہ لے اور ٹرین اوپر سے گزر جائے یا پھر نیچے چھلانگ لگا دے اس کے علاوہ جان بچانے کا کوئی تیسرا راستہ نہیں۔ میں اب اس پل کے قریب پہنچ چکا تھا پیچھے مڑ کر میں نے عزیز کو آواز دی۔

"تم اس پل پہ مت چڑھنا بس یہاں سے درختوں کے سائے میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔"

جواب میں اس نے بھی مجھے پل پہ نہ چڑھنے کا مشورہ دیا مگر میں تو اپنی رفتار سے چڑھ چکا تھا۔ دور تک کیا تھا کوئی پچاس قدم ہی آگے آیا ہوں گا کہ کان میں کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز آئی۔ آواز پہ ٹھٹکا تو پیچھے بالوں اپنی رو ہم گت سے چار انچ آگے [illegible] اپنی گت پہ لگ گیا۔ آواز [illegible] چند قدم [illegible] ہاتھوں نے اس عجیب منظر دیکھا۔ ایک نوجوان سی عورت آہنی پیچ لگی ہوئی ہے اس کی شلوار آزار بند کی جگہ سے اوپر فش پلیٹ کے موٹے سے بولٹ کے ساتھ پھنسی ہوئی تھی۔ ٹانگیں اوپر سر دھڑ نیچے۔ اس کی قمیض سر سے بالکل پیچھے جھول رہی ہے۔ چہرہ اور بچہ نظر نہیں آ رہے تھے کیونکہ قمیض اور دوپٹہ لپٹ کر نیچے لٹک رہا تھا۔ قمیض خون سے تر ہو چکی تھی اور بچے کو شاید اس نے دونوں بازوؤں سے جکڑ رکھا تھا بازو بھی دوپٹے اور قمیض کے اندر تھے۔ میں بالکل اس کے اوپر کھڑا یہ اندوہناک منظر دیکھ رہا تھا۔ اندر کی چیخ کی رفتار بڑھا دی۔ ایک نظر فش پلیٹ کے اٹکے ہوئے بولٹ پہ ڈالی جس نے دو زندگیوں کو نیچے گہرائی میں گرنے سے روکا ہوا تھا۔ پل کے اردگرد سامنے پل کی دوسری جانب کہیں بھی کوئی ذی نفس نظر نہ آیا۔ گرمی اپنے جوبن پہ سورج سر پہ کھڑا تھا۔ یہاں ریل گاڑیوں کی آمد و رفت بھی کچھ اتنی نہیں صبح و شام یا شاید پچھلے پہر لوکل گاڑیاں آتی جاتی تھیں یا پھر کبھی مال گاڑی یا پٹڑی مرمت کرنے والے اور کھلیے وغیرہ بھی کبھی کبھی دکھائی دیتے تھے ادھر عزیز مجھے کافی دیر ادھر کھڑا دیکھ کر درختوں کے سائے سے نکل کر پل پہ چڑھ آیا اور آواز دے کر پوچھا۔

"خیریت ہے؟"

"کیا تم میرے پاس آ سکتے ہو ۔۔۔؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"..... آ ہی تو رہا ہوں....."

میرے پاس پہنچ کر اسے جب معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تو وہ جز بز کرتے کرتے بچا۔ میں نے اسے وہیں پٹڑی پہ بیٹھا دیا۔

"پہلے اپنے حواس درست کرو پھر دیکھتے ہیں کہ کیا کر سکتے ہیں۔" میں نے بیٹھتے ہوئے اس ٹوٹی ہوئی عورت کو آواز دی۔ "بہن جی! آپ میری آواز سن رہی ہیں؟ ۔۔۔ گھبرائیں نہیں نیچے کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں....."

ادھر سے کوئی جواب نہ آیا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ عورت بے ہوش ہو چکی ہے یا پھر؟ ۔۔۔ اچانک کہیں سے ایک آواز آئی۔

"او بے اوپر کیا کر رہے ہو؟ ۔۔۔ آگے یا پیچھے چلے جاؤ گاڑی آنے والی ہے ۔۔۔ جلدی کرو....."

بائیں طرف درختوں کی جھنڈ میں سے پانی اٹھانے والا برتن لٹکا ہوا تھا۔ اس سے ہانکا لگا ہوا مجھے ایک آدمی نظر آیا۔ میں نے بلا سوچے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے پل پہ آنے کی التجا کی۔ وہ فوراً دو اور کسانوں کو لے کر پل پہ پہنچ گیا۔ یہاں کا منظر دیکھ کر ان کے بھی اوسان خطا ہو گئے۔ ادھر ایک اور مصیبت سر پہ آ کھڑی ہوئی۔ پیچھے سے گاڑی کی سیٹی بلند ہوئی وہاں سے پل بمشکل چار پانچ میل ہی دور ہو گا۔ اب کیا کیا جائے؟ ۔۔۔ پہلے سوچا کہ گاڑی گزر جانے پھر کچھ کریں گے مگر یہ خیال آتے ہی کہ گاڑی کی دھمک اور عورت کے اپنے وزن سے فش پلیٹ میں پھنسی ہوئی شلوار اور کہیں پھٹ گئی تو ماں اور بچہ دونوں نیچے گر جائیں گے لہٰذا گاڑی کے گزر جانے کا ارادہ بدل کر میں نے ٹرین رکوانے کا فیصلہ کیا۔

ہم پانچوں نے جلدی جلدی پل پار کر کے گاڑی کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ بہت جلد ہمیں دور سے گاڑی کا دھواں اٹھتی نظر آ گئی۔ ہم نے قمیضیں اتار کر ہلانا شروع کر دی تھیں۔ گاڑی نے جب مسلسل سیٹیاں بجانی شروع کیں تو ہمیں تسلی ہو گئی کہ انجن ڈرائیور نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ گاڑی کی رفتار کم ہوتے ہوتے ہمارے پاس پہنچ کر بالکل ہی رک گئی۔ گارڈ بھی بھاگا بھاگا آیا۔ کچھ مسافر بھی اتر آئے۔ ساری صورت حال بیان کی ہمیں انجن پہ ہی بٹھا لیا گیا۔ آہستہ آہستہ ہم پل کے کنارے پہ آ کھڑے ہوئے۔ دو چار مضبوط سے مسافر گارڈ اور ہم موقع پہ پہنچ آئے۔ دو مضبوط سے رسے باندھ کر دو آدمی نیچے

UrduPhoto.com

لگے۔ بچے کے رونے کی آواز بھی اب بند تھی۔ لگے ہوئے آدمیوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح عورت کی گرفت سے بچے کو نکالیں مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ان آدمیوں نے عورت کی کمر میں رسہ باندھا باقی آدمیوں نے بڑے آرام سے اوپر اٹھا لیا۔ چار آدمی بڑی حفاظت سے اسے اٹھا کر قدم قدم باہر لائے۔ اتفاق سے گاڑی میں ایک ڈاکٹر اور دو میڈیکل سٹوڈنٹ بھی سفر کر رہے تھے۔ عورت اور بچے کو اٹھا کر سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں گدے پر لٹا دیا گیا۔ ہم دونوں بھی ساتھ ہی سوار ہو گئے۔ چند منٹوں میں ہم سیالکوٹ کے سٹیشن پر پہنچ گئے۔

ویٹنگ روم میں عورت اور بچے کو پہنچا دیا گیا۔ عورت زندہ تھی اور بچہ سویا ہوا تھا۔ عورت کہیں پاس کے ہی گاؤں کی تھی۔ اکثر اس پل سے آتی جاتی رہتی تھی۔ آج بدقسمتی سے اس کی شلوار کا پائنچہ اس کی جوتی تلے آ گیا۔ وہ لڑکھڑا کے پل پر گری۔ دونوں ہاتھ بارہ خیر خوار بچے کو تھامے ہوئے تھے۔ وہ لڑکھڑائی اور نیچے گرتے ہی اس کی شلوار کہیں فش پیٹ میں اڑ گئی۔ قدرت نے بچانا تھا بچا لیا۔ بیہوش ہوئی سر زخمی ہو چکا تھا خون بہہ رہا تھا مگر ماتا نے اپنے بچے پر سے گرفت ڈھیلی نہ کی۔ شام چار بجے کے قریب میں اور عزیز گھر واپس آ رہے تھے۔ گرمی کا زور ابھی تک ٹوٹا نہ تھا۔ پسینے اور پیاس سے برا حال۔ عزیز کو جیسے اک چپ سی لگی ہوئی تھی۔

UrduPhoto.com

"یار! تم خاموش کیوں ہو کوئی بات کرو۔" میں نے اسے ٹوکا۔

"بات کیا کروں جان جی! آپ نے تو بات کرنے کے لائق نہیں چھوڑا۔ اچھا یہ بتائیں کیا آپ کو کوئی اشارہ ہوا تھا یا رات کو خواب میں دیکھا تھا؟"

"نہیں کچھ بھی نہیں ہوا بس ذرا باؤ ترین کھیلنے کو جی چاہ رہا تھا۔"

"باؤ ترین نہیں اچھے ترین کہیں۔" عزیز نے جواب دیا تھا۔

یہ ایک قصہ سنانے کا مقصد یہی تھا کہ کچھ لوگ پیدا ہی انہی سلسلوں کے لئے ہوتے ہیں۔ جیسے کاشتکار کا پھاوڑا اگانے کے لئے اور گورکن کا پھاوڑا دبانے کے لئے ہوتا ہے حالانکہ ہوتے تو دونوں لوہے کے پھاوڑے ہی ہیں۔ کچھ لوگ سڑکوں پر دوڑنے والی گاڑیوں کے ڈرائیور ہوتے ہیں اور کچھ فضاؤں میں اڑنے والے جہازوں کے پائلٹ۔ مقصد دونوں کا منزل پر پہنچانا ہوتا ہے۔ بس انداز طریقے، فنکشن، نیاز اور شکلیں مختلف ہوتی ہیں اور پھر اپنی اپنی ڈیوٹیاں ہوتی ہیں جو جس کا اہل ہوتا ہے اُدھر لگا دیا جاتا ہے۔

ادھر روشنی کے مینار تک بھی میں خود نہیں آیا تھا جیسے مجھے بھیجا گیا یا میں لایا گیا تھا۔ اسے کچھ کہہ

میں لیکن یہ بات طے ہے کہ میرا یہاں پہنچنا کچھ یوں ہی نہ تھا۔ اب میرے سامنے ایک انسانی ہڈیوں کا پنجر پڑا تھا' دکھائی دیتا تھا کہ سینکڑوں سالوں سے یہ خون کا ٹوں ہی پڑا ہوا ہے اسی کروٹ جس کروٹ اس کا آخری سانس نکلا ہوگا۔ اس پنجر کا دھڑ دائیں کروٹ پہ آدھا اوپر اور آدھا نیچے فرش والی سیڑھی پہ پڑا تھا۔ پاؤں اور کمر کے گرد چمڑے کی پٹیوں کے چیتھڑے اور تانبے پیتل کے بکل ابھی تک خون کے ٹوں لپٹے ہوئے تھے۔ پاؤں اور ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن جو سیاہ رنگت اختیار کر چکے تھے ابھی تک موجود تھے۔ پنڈلیوں چہرے اور بازوؤں پہ کہیں کہیں سوکھی سڑی کھال کی بانتیں بھی باقی تھیں اسی طرح سر پہ بھی کہیں کہیں بال سلامت تھے شاید یہاں کی آب و ہوا یا سمندر کے نمکیات اور انسانی دست برد سے محفوظ ہونے کی وجہ سے یہ کسی بدنصیب معتوب انسان کی ہڈیوں کا پنجر ابھی تک اپنی اصلی حالت میں یہاں پڑا ہوا تھا بلکہ میرا اپنا اندازہ تھا کہ بیچارگی اس آخری منزل پہ صدیوں سے کوئی آیا تک نہیں تھا۔ میں شاید اس انسان کے مرنے کے بعد پہلا شخص تھا جو آج یہاں پہنچا تھا۔ فرش پہ بچھی ہوئی خاکستری رنگت تین تین انچ گہری دھول اور یہاں کی ہر چیز اپنے اصلی قدرتی رنگ اور انداز میں پڑی ہوئی تھی۔ رسے' ڈول' چمڑے اور لکڑی کے بڑے بڑے ڈرم کھانے پینے کا سامان' موم کا ٹکڑا جو اب گھلا ہوا تھا کپڑے اور روشنی کے لیے جلائے جانے والے سامان۔ اگر کوئی یہاں آیا تھا تو یقیناً یہاں پہ موجود ان اشیاء کی ترتیب ایسی قدرتی اور خون کی ٹوں نہ ہوتی۔ میں نے چاہا کہ اپنے مہربان نیک خو انسان سے پوچھوں کہ یہ سب کیا ہے مگر وہ تو پیچھے تھا آگے بڑھ کر پیچھے دیکھا تو وہ بھی مجھے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس ایک مدھم سا لیمپ تھا جس کی بے جان سی روشنی میں مجھے وہ کوئی مجسمہ سا دکھائی دیا جبکہ میرے پاس میری اپنی ٹارچ تھی لیکن اوپر شیشے کی محراب میں چاندنی ایسی کھلی ہوئی تھی کہ مجھے ٹارچ روشن کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ میں نے اسے آواز دی۔

"کیا تم ذرا اوپر آ سکتے ہو.....؟"

جواب دینے کی بجائے اس نے سر ہلا کر معذرت سی کر لی' شاید وہ اپنی لاچاری کی وجہ سے زینے کی تنگ سی سیڑھی پہ چڑھنے سے معذور تھا۔ اب ٹارچ روشن کر کے میں نے پنجر کو ذرا تفصیلاً دیکھنا چاہا۔ ہاتھ پاؤں کی کھلی کشادہ سی ہڈیاں' لمبا تڑنگا قد کاٹھ' فراخ سینہ اور بڑا سا سر جو لوہے کی تیلی سلاخوں سے بنے ہوئے انسانی چہرے جیسے خدوخال والے ایک کنٹوپ میں بند تھا۔ یہ آہنی کنٹوپ اصلی چہرے سے کچھ ہی بڑا ہوگا۔ میں مزید جھکتے ہوئے غور سے کنٹوپ کو دیکھنے لگا۔ دھول گرد اتنی پڑی تھی' رومال سے دھول صاف کر کے میں نے جیب سے چاقو نکالا اور ہلکا سا کنٹوپ کو کھرچا' معلوم ہوا کہ یہ لوہا نہیں بلکہ

تانبا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مضبوط اور مردانہ قسم کے جبڑے میں ابھی پورے بتیس دانت مکمل نہیں تھے اس کا مطلب تھا کہ مصلوب قیدی ابھی جوان ہی تھا۔ ایک اگلے دانت میں سونے کی کیل لگی ہوئی دکھائی دی۔ گلے میں چمڑے کا ایک گلوبند لپٹا ہوا جو بالکل صحیح حالت میں تھا۔ اس کے چمڑے کے تسمے میں ایک دھات کی بنی ہوئی لہوتری سی لوح نظر آئی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا تو وہ جیسے میرے ہاتھ لگانے کی منتظر تھی چمڑے کے تسمے سے نکل کر میرے ہاتھ میں آ گئی۔ میں نے اسے سنبھال کر جیب میں رکھ لیا۔ اب ایک بار پھر میری آنکھیں تانبے کے اس کتبے کا جائزہ لینے لگیں جسے اسی مہارت اور ہنرمندی سے بنایا گیا تھا کہ انسانی عقل دنگ رہ جائے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے تانبے کی چپٹی ہوا ہوئی سلاخوں سے کسی انسان کا چہرہ بنا دیا ہو۔ منہ کی جگہ منہ۔ ناک آنکھیں اور کان۔ کتبے دو حصوں میں بنا ہوا تھا۔ سامنا چہرہ کانوں تک اور پیچھے گردن اور گدی کا حصہ علیحدہ بنایا گیا تھا۔ چوڑی رسیوں یا موٹے کیلوں سے دونوں حصے آپس میں پیوست کئے ہوئے تھے۔ دو کیل دائیں بائیں کھوپڑی کے پیچھے گردن پر دو کنپٹیوں کے پاس اور ایک چوتھا کیل جہاں ناپیر پیچھے حصے کے اوپر جڑی ہوئی تھی۔ ایک خاص ہنرمندی جس نے میری توجہ کو دوچند کیا ہوا تھا وہ کتبے کے دونوں حصوں کو آپس میں کیلوں سے جڑے ہوئے ہونا تھا۔ اگلے حصے کے پیچھے میں ایسے چند کتاب اور کاریگری کے نمونے پیچھے حصے کے سوراخوں میں داخل کر کے بالکل سادہ بنایا گیا تھا۔ یہ کیل تانبے کے نہیں بلکہ کسی اور پتلی سی دھات سے اس طور بنے ہوئے تھے کہ جیسے تیر کی نوک بنی ہوتی ہے۔

ویسے تو تیر کی طرح کے ہوتے ہیں۔ عربی، فارسی، ایرانی، ترکی، جاپانی اور ہندی اور بھی بے شمار شکلیں اور قسمیں ہیں۔ ہر زمانے، تہذیب اور مختلف ادوار میں انسان نے اپنے عسکری ذوق، ضرورت، حیثیت، موسمی اور جغرافیائی حساب کتاب کے مطابق تیر بنائے۔ جنگلوں میں جانوروں کے شکار اور جنگوں میں جنگی یلغاروں میں استعمال ہونے والے تیروں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ نشانہ بازی اور پیغام رسانی کے تیر مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ تیر آگ برسانے اور لگانے والے بھی ہوتے ہیں اور کچھ محض شعبدہ بازی کے کھیل تماشے دکھانے کے لئے ہوتے ہیں۔ شاعری، طعنہ زنی، ظلم و اندوہ، ہجر و فراق اور نظروں تیروں کے بھی تیر ہوتے ہیں۔ اب صرف تین قسم کے تیر عام طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایک وہ جس کی انی آم کے پتے کی طرح ہوتی ہے اس تیر کو سالم حالت میں کھینچ کر زخم سے باہر نکالا جا سکتا ہے۔ ایسے تیر سادہ بھی ہوتے ہیں اور زہر میں بجھے ہوئے بھی۔ زہر سے مراد یہ ہے کہ ایسے تیروں کی انی بھی برچھی یا نوک کو آگ میں سرخ کر کے خچر کے پیشاب میں بجھا لیا جاتا ہے۔ ایسے تیر کا زخم زندگی بھر ٹھیک

نہیں ہوتا ناسور بن کر قبر میں لے جاتا ہے۔ دوسری قسم کے تیروں کی انی اردو کے حروف آٹھ (۸) کی شکل میں ہوتی ہے۔ ایسے تیر جانب خانوں کے علاوہ عیدگاہ کے زائرین کے پیچھے چھپے ہوئے ہاتھوں، ماتھوں کے خطوں یا بازوؤں پر نظر آتے ہیں۔ جوڑوں کے آر پار ہوتا ہے چند لمحے تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں کے قدرے بھی ٹپک رہے ہوتے ہیں۔ یہ آٹھ کی شکل والے تیر بڑے خطرناک اور مہلک ہوتے ہیں۔ جہاں گھس جائیں تو پھر نکلتے وہاں سے نکالا بھی نہیں جا سکتا باہر کھینچنے پر مجروح کی جان بھی ساتھ نکال لاتے ہیں یعنی آٹھ کی شکل والی انی جان کھینچتے ہوئے گوشت، کھال اور اندر کا سازوسامان بھی باہر گھسیٹ لاتی ہے۔

کنٹوپ کے جوڑ والے سوراخوں میں یہ کل آٹھ کے ہندسے والے تیر کی انی کی طرح گھس کر لٹکے ہوئے تھے جسے نہ تو نکالا جا سکتا تھا اور نہ توڑا یا کاٹا جا سکتا تھا۔ کوئی دوا کاٹنے والی آری یا کوئی بے اوزار جوان کیلوں کو توڑ یا کاٹ سکے اس کنٹوپ پر کارآمد نہیں ہو سکتا تھا یعنی کہ ان چبھے اور کیلوں کو خطرناک حد تک نقصان پہنچائے بغیر اسے سر سے اتارنے کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سر گردن بھی۔ اب میں بازوؤں، ٹانگوں اور ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ سیدھے ہاتھ کی تیسری انگلی کی ہڈیوں میں مجھے ایک سیاہ رنگت کی انگشتری پھنسی ہوئی دکھائی دی۔ [illegible] بڑی احتیاط سے ہاتھ کے پنجے کو پکڑا [illegible] انگشتری کو پکڑ کر انگلی کی ہڈیوں سے کاٹنے کی کوشش کی۔ انگشتری تو نکل آئی مگر اس کے ساتھ پوری انگلی کی تین ہڈیاں بھی اکھڑ آئیں۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ کو ذرا ہلایا تو وہ بھی کلائی سے نکل آیا۔ [illegible] پورے پنجر کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا اور اسے یہاں سے ہٹانا یا اٹھانا عبث تھا۔ پھر کچھ سوچ کر میں سر کی جانب [illegible] تو [illegible] کنٹوپ میرے ہاتھ میں ہوٹے کے پنجرے کی طرح لٹک رہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ پنجرے میں ہوٹے کی جگہ خوفناک قسم کی کھوپڑی تھی جو دھڑ سے بڑی آسانی سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ شاید انسانی جسم میں صرف کھوپڑی ہی ایک ایسا حصہ ہے جو انسان کے مرنے کے بعد دیر تک اپنا وجود قائم رکھتا ہے۔

سر کا بڑا کا ہوا کاسہ ماتھے کی سکندر نشتی کی اجڑی ہوئی بستی آنکھیں سانگروں کے تاریک گہرے خشک گڑھے سورج مکھیوں کی سی ناک کا ٹوٹا ہوا بانسہ جبڑے کی جھرسائی سیپ کے موتیوں کی جگہ جھلسائی۔ ساحروں اور کاہنوں کے ذکر و نشتر میں کالے علم اور شیطانی علوم والوں کے لئے استعانت الٹس۔ جادو ٹونے ٹوٹکے اور جنتر منتر والوں کی خباثت خبیث۔ قدرے بھاری زنجیر گھسیٹتی اور کھوپڑی کے پنجرے کو اٹھائے میں بڑی دقت سے تنگ انتی آہنی سیڑھیوں سے نیچے اترا۔ میرا مہربان ڈاکٹر بڑا متعجب سا مجھے نیچے اترتے دیکھ رہا تھا۔ زنجیر ایک ڈھیر کی صورت میں پاؤں میں پڑی تھی جس کا دوسرا سرا میری بائیں

جانب پتھر کی دیوار میں مضبوطی سے ایک آہنی حلقے کے ساتھ پیوست تھا۔ یہ ایک ایسا مضبوط بندوبست تھا کہ انسان تو کجا ہاتھی بھی کھینچے تو توڑ نہ سکے۔ میں نے یونہی اس مہربان ڈاکٹر سے سوال کر دیا۔

''آپ بھی اوپر گئے ہیں.....؟''

میرا سوال سن کر وہ اوپر کی منزل کو دیکھنے لگا پھر بڑی کثیف اور آزردہ سی آواز میں بولا۔

''اچھے انسان! میں نے تو اس جگہ پا جہاں ہم دونوں کھڑے ہیں آج پہلی بار قدم رکھا ہے۔'' وہ میرے ہاتھ میں لگی ہوئی کھوپڑی کو تجسس بھری نظروں سے دیکھ کر کہنے لگا۔ ''لیکن مجھے اندازہ تھا کہ اس جگہ اور اوپر کیا کچھ ہے۔ کون قید ہے اس کا نام اور اس کی مصیبت اور کون سب کچھ میرے علم میں ہے۔''

''میری سمجھ سے یہ بات بالا ہے کہ آپ یہاں رہتے ہوئے اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی اوپر نہیں آئے جبکہ آپ کے پاس چابیاں بھی تھیں تالے دروازہ کھولنے کے تمام طریقوں سے بھی آپ واقف ہیں۔ آپ ہی نے مجھے کاغذ دیا تو میں اوپر پہنچا ہوں اسی طرح آپ بھی یہاں آ سکتے تھے۔''

وہ مجھے دیکھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہاں ضروری کچھ زیادہ ہے۔ میں نے بات کرنے سے بھی یہ جگہ کچھ زیادہ مناسب نہیں۔ آپ پسند فرمائیں تو نیچے چلتے ہیں.....''

اس کا معقول مشورہ سن کر میں نے ہاتھ میں لٹکے ہوئے پتھر سے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کنٹوپ اور کھوپڑی کا کیا کریں..... میرا خیال ہے کہ اسے زنجیر سے علیحدہ کئے بغیر ہم اسے اس کمرے سے باہر نہیں لے جا سکتے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں لیکن آپ اس کنٹوپ اور کھوپڑی کو یہاں سے کیوں لے جانا چاہتے ہیں؟ اگر کوئی آپ کا خاص مقصد ہے تو اس پتھر کو زنجیر سے علیحدہ کرنے کا بھی بندوبست ہو سکتا ہے۔''

اس کی اس بات کا واقعی میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا کہ میں اس پتھر سے کھوپڑی کو کیوں ہاتھ میں لٹکائے ہوئے ہوں اور اس کو یہاں سے باہر کیوں لے جانا چاہتا ہوں؟ ..... میں نے جواب دیا۔

''اسے باہر لے جانے کا کوئی خاص مقصد نہیں سوائے اس کے کہ میں ذرا اس پراسرار پُرحکمت نادر سے کنٹوپ اور اس کے اندر اس عظیم باوقار مضبوط الاعصاب و کردار کے حامل نوجوان کی انتہائی قیمتی کھوپڑی کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کنٹوپ سے منسلک کھوپڑی اور دھاگے نے مجھے

جیسے کچھ اور جکڑ لیا ہے۔ یہ میرا بازو تھام کر مجھ سے استدعا کر رہی ہے کہ صدیوں سے بھٹکتی ہوئی میری بے چین و بے قرار روح کو اس نے بے سمت اور بے منزل راستوں کے ہولوں سے نجات دلا دو۔"

میں نے آہستگی سے کنٹوپ کو فرش پر رکھتے ہوئے التجا کے لہجے میں کہا۔ "میرے عظیم دوست! اگر ممکن ہو تو جلد از جلد اس کنٹوپ کو زنجیر سے علیحدہ کر دو۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "آپ بے فکر رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھیوں میں ایک شخص اس کنٹوپ کو زنجیر سے علیحدہ کر سکتا ہے....."

کنٹوپ کو وہیں رکھ کر ہم پھر درمیانی منزل میں واپس پہنچ گئے۔ ایک تاریک سے کمرے میں وہ دیا کے ٹمٹماتے ہوئے لوگ ایک دوسرے میں گھسے ہوئے کھڑے اور نچلی نچلی سے نیلے سے ہاتھ بازو، سر اور جسم متعفن چیتھڑوں سے ڈھانپے ہوئے۔ کوڑھی کے جسم میں جان کی صرف آنکھیں ہی تو ہوتی ہیں جو بغیر بولے ہی ہر شے دوسرے کو اپنے تمام درد و رنج کی داستان سنا دیتی ہیں۔ کوڑھی کی آنکھ میں ایسا ہی کچھ ٹھہرا ہوا کرب اور بھی چبھتی ہوئی کراہیں ہوتی ہیں کہ ایک ذی حس انسان انہیں سنے بغیر ہی سن سا ہو جاتا ہے۔ اندھیرے میں دور سے [illegible] دکھائی دے رہے تھے کسی غیر محفوظ سے نیم اندھیرے [illegible] ایک دوسرے میں گتھم گتھا سے لگ رہے ہوں۔ ہمارے آنے پر ان کے درمیان ہلکی سی کھسر پھسر شروع ہو گئی تھی اور وہ اپنے لبادوں میں مزید سمٹ کر بیٹھ گئے۔ مجھے سامنے کی دیوار کے ساتھ ایک چوکی نشست پر بٹھا کر دانا نے ایک شخص کو قریب بلا کر کنٹوپ کو زنجیر سے علیحدہ کرنے کے بارے میں کچھ کہنا شروع کیا تو میں نے تنگ کاری کی معذرت چاہتے ہوئے مشورہ دیا کہ شاید یہ کام اس ایک شخص کے بس کا نہ ہو کیونکہ زنجیر انتہائی مضبوط اور کنٹوپ کے اندر کھوپڑی کی حالت انتہائی مخدوش ہے۔ میں نے خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں بے احتیاطی سے کھوپڑی اور کنٹوپ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ میں نے انہیں بڑے پیار سے کہا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو میں بھی ساتھ چلتا ہوں تاکہ انہیں اگر کسی مدد کی ضرورت پڑے تو پریشانی نہ ہو۔ شاید انہیں میرا مشورہ مناسب لگا اور وہ شخص ضروری اوزار لینے کے لئے نیچے چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ ایک بڑا سا تھوڑا لوہا کاٹنے کی ایک پرانی سی زنگ آلود آری اور ایک کند سی چھینی لے کر آ گیا۔ ہم تینوں آگے پیچھے ایک درمیانی فاصلہ رکھتے ہوئے اوپر کی منزل پر پہنچ گئے۔

ایک بات میں نے شدت سے محسوس کی کہ وہ لوگ کبھی بھی میرے نزدیک نہیں آئے۔ شروع سے اب تک دس بیس قدموں کا فاصلہ درمیان میں ضرور رکھا۔ شاید اس لئے کہ وہ ایک ایسے موذی بیماری

UrduPhoto.com

میں ہتھا تھے ہو ایک سے دوسرے تک دراز ہو جاتی ہے۔ اوپر پہنچے تو ڈاکٹر صاحب نے مجھے کہا کہ آپ صرف ٹارچ روشن کر کے کھڑکی کے پاس کھڑے ہو جائیں۔ لیمپ کی لو بڑھا کر وہ کنوئیں سے زنجیر علیحدہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ ادھر ادھر ٹہلنے کے بعد انہوں نے کنوئیں کے اوپر زنجیر کے حلقے پہ بلیڈ سے آری کے دندانے آزمانے شروع کر دیئے۔ یہ آری بھی شاید ان قدیمی آریوں میں سے ایک تھی جنہیں کبھی آریوں نے اپنی جنگی یلغاروں میں استعمال کیا ہوگا۔ ایسی آریاں کثیر المقاصد ہوتی ہیں ایک دانتا سیدھا اور ایک آڑا ہوتا ہے۔ یہ کبھی کند نہیں ہوتیں۔ جیسے جیسے بلیڈ بلیڈ استعمال کرو اتنی تیز یہ تیز اور تیکھی ہوتی ہیں۔ یہ لکڑی لوہا چمڑا پتھر کٹ جاتا ہے جانوروں اور انسانوں کو بھی تیز چھری کی طرح کاٹ سکتی ہے۔ بحری جہازرانی صحرانوردوں کو پیاس چمڑا کو رسیوں کے پاس اور کھلے ہوئے ہوا اس جنگلی پہلو اوزار کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بہت بعد اس آلہ کو جیلا کر [illegible] پیٹر والوں نے اپنا مشہور زمانہ جیک سکس نائف ایجاد کیا جس کے لمبے دستے پہ کراس کا نشان ہوتا ہے۔ یہ کبھی چالیس ہزار روپے سے لے کر چالیس روپے کی قیمت کا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ مختلف جسامتوں نمونوں اور کام مقصد کے لئے ہوتے ہیں۔ [illegible] ٹرائی آری [illegible] پتھر [illegible] کی [illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے

سے خون رستے لگا۔ اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے ایک قدم آگے بڑھا کر ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی۔

"پلیز! آپ یہ کام چھوڑ دیں اور پیچھے تشریف لے جائیں باقی کا کام میں خود کر لوں گا۔"

ڈاکٹر صاحب نے مجھے فوراً روک دیا کہنے لگے۔

"آپ بڑے مہربانی آگے نہ بڑھیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کسی بھی اچھے بڑے انجام سے بے نیاز ہو کر یہاں رکے ہوئے ہیں اور میری بیماری کی سنگینی کو جانتے سمجھتے ہوئے بھی آپ نے خود کو ہمارے درمیان موجود رکھا ہوا ہے جبکہ اس جگہ کے دو دو لوگ قریب کوئی نہیں پھٹکتا۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس جگہ صرف تین ہستیاں ہی آ سکتی ہیں۔ اللہ کا بندہ ہے یا کوئی شخص اللہ کا کوئی درویش بندہ جسے قدرت نے اعجاز مسیحائی بخش دیا ہو یا پھر ملک الموت۔ ۔۔۔ مجھے غور سے دیکھنے اور چند لمحے توقف کے بعد وہ مہربان بولا۔ "میں اور میری بیوی بھی کبھی آپ کی طرح صحت مند اور باکمال انسانیت کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ دولت اور دولت، عزت، ذات، سب عہدے ذمے تھے۔ یہاں کے کوڑھیوں، جذامیوں کی تیمارداری، علاج معالجے اور خدمت میں ایسے مگن ہوئے کہ ضروری احتیاطیں اور درمیانی فاصلے ضروری قائم رکھنے میں کوتاہی اور لاپروائی برتنے کا نتیجہ تمہارے اور آپ کے سامنے ہے۔ ہمیں اپنی زندگیوں کی کوئی پروا نہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہاں ہم اپنے اور ان کے درمیان ایک ضروری فاصلہ اور احتیاط اختیار کرتے تو شاید کچھ زیادہ دیر زندہ رہ کر اپنے مشن کو آگے بڑھا سکتے۔ اس لئے جناب! آپ وہیں کھڑے رہیں اور صرف دیکھتے رہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔"

"میرے عظیم دوست! اگر ہاتھ اور انگلیاں سلامت نہ ہوں تو انسان کے لئے ہاتھ یہ مشقت والا بھاری کام کرنے کے قابل نہیں۔ جس طرح دانت نہ ہوں تو فقط مسوڑھوں سے کھایا نہیں جا سکتا اسی طرح انگلیاں نہ ہوں تو خالی ہتھیلیوں سے کسی چیز کو پکڑا نہیں جا سکتا۔ رہی بات احتیاط اور فاصلے کی تو اس معاملے میں آپ کا کہنا بالکل درست ہے لیکن یہ تو ایک عام اور صحت مند انسان کے لئے ہے اور میں نہ تو ایک عام انسان ہوں اور نہ ہی صحت مند۔ ۔۔۔ آپ کے باہر ظاہر کوڑھ اور زخم ہیں اور میرے اندر اور باطن میں کوڑھ اور کھاؤ ہیں۔ جیسے جب بھی میں ہاتھ ڈالتا ہوں تو وہ مواد یا خرخوش پکڑنے کے لئے نہیں ڈالتا بلکہ سیاہ کے مردار کا مقدر اس کی زبان پر اور اس کے جگر کا تریاق اس کے ہونٹوں میں ہوتا ہے۔ اب آپ دونوں پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ جائیں اور اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھیں۔"

وہ تینوں ان اور پریشان سے پیچھے ہٹ کر دیوار کے پاس بیٹھ گئے۔ جب میں آگے بڑھ کر آری کو پکڑنے لگا تو ڈاکٹر صاحب پھر بولے۔

UrduPhoto.com

"خان صاحب! اس آری کو ہم نے چھوا ہے ہمارے زخموں کے خون اور پیپ سے یہ تھوڑی ہوئی ہے۔ اگر آپ اس سے یہ زنجیر کاٹنے پر ہی بضد ہیں تو مجھے اجازت دیں کہ میں اسے صاف کر دوں....."

"ڈاکٹر صاحب! آپ یہاں کس کس چیز کو صاف کریں گے ..... یہ زنجیر، دیواریں، دروازے، چیخیں۔ یہ گھاس پھونس، یہ مکڑی کے جالے۔ اس پنجرے کے صندوق اور اس کے اندر جو کچھ بھی ہے اور ان چابیوں کو جو آپ نے مجھے تھمائیں کیا آپ نے ان سب اشیاء کو نہیں چھوا؟ ..... ڈاکٹر صاحب! جب سے میں یہاں آیا ہوں میں نے ہر چیز کو اچھی طرح دیکھا بھالا اور چھوا ہے۔ میں نے یہاں کے ماحول اور آب و ہوا میں کھایا پیا ہے نمازیں پڑھی ہیں۔ آپ کے ساتھ نیچے اوپر آیا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا؟ ..... آپ فکر نہ کریں مجھے کچھ نہیں ہوگا اور اگر کچھ ہو بھی گیا تو میں سمجھوں گا کہ میں بھی آپ کے ساتھ یہیں رہ جاؤں گا۔ آپ بھی تو انسان ہیں جو کسی یہاں پہ ان دکھیوں کا درماں کرنے آئے تھے اگر میں بھی آپ کی طرح ان صابر شاکر بیمار انسانوں کی خدمت میں لگ جاؤں تو اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش بختی ہو سکتی ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے ملنے والی آزمائش میں ثابت قدم رہتے ہیں ہر طرف شکایت زبان پہ نہیں لاتے۔ ان میں بڑی اور بیماری کی شکایت نہیں کرتے ہیں اور راضی بہ رضا رہتے ہیں۔ سو ڈاکٹر صاحب! میں بھی الحمدللہ بندۂ تسلیم و رضا ہوں....."

اب میں دھیرے دھیرے کلوپ کے سر پہ وہ حلقہ کاٹ رہا تھا جس سے زنجیر پیوست تھی۔ ہاتھ کی نسوں اور صحت کی سلامتی کے باوجود مجھے اسے کاٹنے میں کافی تکلیف اٹھانی پڑی۔ زنجیر کا حلقہ کٹ گیا تو میں نے بھی اپنے آپ "الحمدللہ" کہا۔ کلوپ اٹھ کر ہم نیچے اتر آئے۔ میں نے لالٹین اور ٹارچ کی روشنی میں ایک بار پھر کھوپڑی کا مشاہدہ کیا۔ کاٹنے کی سلاخوں کے اندر دو چار بھی مجھے نظر آیا اس سے یہی اندازہ ہوا کہ کھوپڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب بھی سامنے بیٹھے کھوپڑی کو گھور رہے تھے اچانک پوچھنے لگے۔

"میرے قابل تعظیم دوست! کیا میں ایک بات دریافت کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں ..... کچھ دیر پہلے آپ نے اس کھوپڑی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ کھوپڑی ایک عظیم، وفا، مضبوط اعصاب و کردار خوبصورت نوجوان کی ہے۔ عمر اور صحت مندی کا اندازہ تو خیر دانت اور کھوپڑی کی باقیات کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے مگر کردار، خوبصورتی، وفا اور اس کی عظمت کا اندازہ آپ نے کس طرح سے اخذ کیا؟"

میں نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ شاید جانتے ہوں گے کہ ہر چیز

UrduPhoto.com

اپنے نقطہ یا مرکز کے اردگرد بھی چھوٹے چھوٹے یا بڑے بڑے غیر مرئی دائروں اور حلقوں کی شکل میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ حلقے یا دائرے محسوس ہونے والی یا غیر محسوس سی خوشبو مہک مقناطیسی اور ہلکی تیز روشنی کی لہروں یا پھر صوتی ارتعاش و آہنگ کی شکل میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جاندار یا بے جان کوئی بھی چیز اپنی اچھائی برائی خوبی و خرابی مرشت و جبلت افادیت و اقادیت کے تناظر میں ادھیانا اور بقا کی تمام منزلوں سے گزرنے کے باوجود بھی اپنے باقی ماندہ کسی سائے میں کسی نہ کسی صورت سلامت ہوتی ہے۔ معمول چاہے جان میں ہو یا بے جان عامل کے سامنے ہوتے ملتا ہے۔ جیسے پانی چوبے پہ چڑھنے سے کھوٹے لگتا ہے رنگ باتیں کرتے ہیں اور پھولوں سے خوشبو آتی ہے۔ ہر چیز ناطق رہتی ہے چاہے وہ ہونے میں ہو یا نہ ہونے میں ہو مسلسل آپ سے کچھ نہ کچھ کہتی رہتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ اسے کتنا کب اور کیسے سن پاتے ہیں؟

آپ تک جو سینہ بہ سینہ پہنچا اور جو کچھ آپ نے اپنی ڈائریوں میں لکھا مطابق جو کچھ یہاں قیام کے دوران آپ کے مشاہدے میں آیا ممکن ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ اور کمی نہ کہیں ابہام ہو مگر جو کچھ اس کھوپڑی کی بے زبانی مجھ سے بول رہی ہے وہ بالکل سچ اور صحیح ہوگا۔ میرے دوست! آپ مجھے وہ چمڑے کا تھیلا یا صندوق مرحمت فرما دیں اور مجھے بھی اجازت دیں کہ میں اپنے کچھ ساتھیوں کو یہاں لے جا سکوں اور بابا یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے میں آپ کی خدمت میں چند ایک معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اب باقاعدگی سے مینار کے سب سے اوپر والی جالی صاف کروائیں۔ اس جالی کو کسی کپڑے کے تھیلے میں بند کر کے کہیں دفن کر دیں اور اسی کمرے میں پانچ وقت با آواز بلند اذان کا اہتمام کریں۔ جو نماز پڑھنا چاہیں مل کر باجماعت پابندی سے نماز پڑھیں۔ دوسری بات یہاں کچن میں شہد کی مکھیاں اور زیتون بھی مل جاتا ہے۔ خالص شہد اور زیتون کا تیل منگوا لیں۔ عورتیں علیحدہ اور مرد الگ صبح صبح نماز سے فراغت کے بعد اپنے اپنے پورے جسموں پہ شہد اور تیل ملا کر خوب ملیں۔ پھر الگ الگ اپنے آپ کو سمندر کے کنارے کسی محفوظ جگہ جہاں سمندر کی لہریں صرف چھو کر واپس لوٹ جاتی ہوں ریت میں چھوٹے چھوٹے گڑھے بنا کر اس طرح سے لیٹ جائیں کہ سارا جسم گیلی ریت میں دفن سا ہو جائے۔ پہلے کچھ روز بڑی پریشانی اور تکلیف ہوگی۔ ننھے ننھے آبی کیڑے جسم کو کاٹیں گے یوں محسوس ہوگا کہ وہ جسم سے زخموں کو کرید رہے ہیں۔ ایک ہفتہ اگر آپ یہ تکلیف کسی طور برداشت کر پائیں تو پھر یہ سمجھ لیں کہ آپ صحت یاب ہو رہے ہیں۔ چار پانچ مہینوں میں آپ عذاب ناک بیماری سے اللہ کے فضل سے نجات پا لیں گے۔ یاد رکھیں۔ شہد اور زیتون کا تیل، سمندر کا کنارہ اور گیلی ریت میں دفن ہونا۔ میں آپ سب کو اللہ کے امر سے شفایابی کی نوید سناتا ہوں۔"

UrduPhoto.com

میں جب دوسرے روز صبح صبح واپس اپنے کاٹیج پہنچا تو زہرہ اور مادام ازابیلا منہ لٹکائے ہوئے یوں بیٹھے تھے جیسے انہیں کچھ دیر پہلے کسی عزیز کے فوت ہو جانے کی اطلاع ملی ہو۔ مجھے دیکھتے ہی جیسے ان میں جان پڑ گئی۔ مادام ازابیلا نے ناراضگی میں منہ کھول کر چند پانچ دو چار گرم گرم جملوں سے میرا استقبال کیا۔ پھر بچوں کی مانند منہ سوجا کر روٹھنے کے انداز میں ناراض ہو کر پوچھنے لگی کہ میں رات کہاں رہا؟ وہ دونوں ساری رات میرا انتظار کرتے رہے۔ ایک منٹ کے لئے بھی دونوں نہیں سوئے۔ میوزک بیٹھ کر برابر دل بہلاتے رہے۔ میرے ہاتھ میں پرانا چمڑے کا صندوق اور طوطے کا ڈھکا ہوا پنجرہ دیکھ کر ان کا تجسس بڑھ گیا۔ وہ موٹی موٹی آنکھیں پھیلا کر پوچھنے لگی۔

"یہ کاٹھ کباڑ کہاں سے اٹھا لائے ہو.....؟"

میں یہ دونوں چیزیں خاص طور پر کنٹوپ اور کھوپڑی مادام ازابیلا سے چھپانا چاہتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ پہلے ہی کھوپڑی کی بے ادبی اور مجھ سے جادو منتر کالا علم سیکھنے اور پیش گوئیاں کرنا سیکھنے چاہ رہی ہے۔ میں ابھی تک کوشش کے باوجود اس کی موٹی عقل میں عملی علوم اور نورانی علوم کا فرق بھی واضح نہیں کر سکا تھا۔ وہ روحانیت، شیطانیت سب کو ملا جلا کر صرف ایک ہی نام دے دیتی تھی یعنی بلیک میجک۔ [illegible] کے لمبی لمبی داڑھیوں، پگڑیوں والے جتنے درویش، سادھوؤں، پنڈتوں اور مسلمانوں کے نورانی ریش مولویوں، عالموں، پیروں میں کوئی فرق روا نہیں رکھتی تھی۔ ان سب لمبی اور گھنی داڑھی والوں کو بلیک میجک کا ماہر ہی سمجھتی تھی۔ اب اگر اس کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اس پنجرے میں ایک انسانی کھوپڑی بند ہے تو وہ میرا بالکل ہی ناطقہ بند کر دیتی بلکہ وہ اس کنٹوپ کو اپنے جسم میں لگا کر اپنا نام نہاد بلیک میجک اور آخر وہ پامسٹری کا دھندہ چمکاتی۔ میں اس کے سوال کو نظر انداز کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلے میں ان چیزوں کو چھپانے کے متعلق سوچنے لگا مگر جب انہیں چھپانے کی کوئی مناسب جگہ سجھائی نہ دی تو فی الحال کنٹوپ کو کپڑے میں اچھی طرح لپیٹ کر اپنے پلنگ پر سرہانے کے پاس رکھ لیا اور چمڑے کے صندوق کو پلنگ کے نیچے سرکا دیا۔ کمرے میں کپڑوں کی الماری موجود تھی مگر تالے کے بغیر اور میں پنجرے اور صندوق دونوں کو وہیں ڈھکر کر تالا لگا دیتا۔

ساری رات کا رت جگا، مغز ماری اور اعصابی تھکن الگ تھی۔ کپڑے بدلے بغیر ہی میں پلنگ پر دراز ہو گیا۔ نیند کی جھونک میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ دروازہ ہی اندر سے بند کر لیتا۔ ابھی دو منٹ سے پلک بھی نہ جھپکی تھی کہ دروازہ دھکیلتی ہوئی اندر آ گئی اور حسب دستور کالی کی گھنٹی بجا کر مجھے

UrduPhoto.com

ناشتے کی اطلاع دینے لگی۔ وہ جو کہتے ہیں کہ نیند، بھوک اور پیاس میں خود کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوتا ہے اس سے میری بالکل یہی حالت تھی۔ اگر میں نام نہاد سوردیش نہ ہوتا تو یقیناً وہ چائے کا پیالہ ہاتھوں ضائع ہو چکی ہوتی ..... طبیعت اور زبان پہ بڑی مشکل سے قابو پاتے ہوئے میں نے اس سے التجا کی۔

"مادام! اس وقت مجھے بالکل کسی ناشتے وناشتے کی حاجت نہیں بلکہ مجھے اس وقت تک بیدار کرنے کی کوشش نہ کی جائے جب تک میں خود اپنی مرضی سے بیدار ہونا نہ چاہوں۔"

وہ کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا ہی چاہ رہی تھی کہ میں نے فوراً منہ سر اچھا پ کر کروٹ بدل کر اپنا رخ کنکوپ کی جانب کر لیا۔ یعنی میں نے مادام ازابیلا کو دوسرے الفاظ میں یہ کہا کہ تم چاہو جہنم میں مجھے اس وقت سونے دو۔ یقیناً وہ بے وقوف بزعم خود بہت بڑی آمر و حسن جادوگرنی میرے اس غیر متوقع غیر مناسب برتاؤ پہ تاؤ کھاتی ہوئی پاؤں پٹختی باہر دفع ہو گئی ہوگی اور وہاں جا کر وہ دونوں میاں بیوی اپنے اپنے دھندوں پہ نکل گئے ہوں۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اب لمبی تان سکتا تھا۔

میں شاید پہلے بھی کہیں عرض کر چکا ہوں کہ اگر انسان کو نیند اور نسیان یعنی بھولنے فراموش کر دینے کی نعمتیں نصیب نہ ہوتیں تو انسان اپنی طبعی فکری تخیلی تصوراتی اور جبلی کمزوریوں کی کوتاہیوں اور تاہنجاریوں سے کب کا خودکشی کر چکا ہوتا۔ یہ نیند اور یہ بھولنے کی کیفیتوں اور وقتوں کو بھول جانے کی نعمت ہی ہمیں اس دنیا اور اس زندگی کے تقاضے کو آب حیات کی طرح غٹر غٹر پینے پہ اکساتی ہمت بندھاتی اور آس امید دلاتی ہے۔

نیند کو موت کی چھوٹی بہن کہا جاتا ہے۔ نیند کی کیفیت میں انسان بالکل ہلکا پھلکا اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز و بیزار سا ہو جاتا ہے۔ غم و اندوہ فکر و تردد اور دکھ تکلیف کی ہر کیفیت جیسے ثبات ہی پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح موت کا بھی انسان کو ہر قسم کے سود و زیاں سے آزاد کر دیتا ہے۔ سینکڑوں سال زندگی اور اس کا سارا ساز و سامان جدوجہد نفع نقصان تعلق محبتیں کشمکش عداوتیں اور نفرتیں عشق و عشوے زخم و مرہم اور ارمان غرضیکہ سب کچھ "اک دیوانے کا خواب" سا دکھائی دینے لگتے ہیں۔

نیند کسی طرح کا جسمانی مراقبہ ہے۔ جسمانی قلبی اور دماغی اعصاب کچھ دیر کے لئے سکون و سکوت چاہتے ہیں۔ عجیب سی بات ہے کہ جسم اور جملہ اعصاب کے یہ سکون اور ساکن سکوت ہوتے ہی انسان کا باطن مشتعل و مستقل ہو جاتا ہے اور اپنی اپنی بساط و بصیرت حدود و اہداف میں مصروف کار ہو جاتا ہے۔ (خیال رہے کہ یہاں باطن کی اصطلاح ذہنی شعوری اور قلبی کیفیتوں کے طور پہ استعمال کی گئی ہے)

بچے کی نیند اور ماں کی نیند مختلف ہوتی ہے۔ بچے آنکھوں کے پیچھے اور ماں آنکھوں کی پیچھے ہوتی ہیں۔ نوجوان اور بوڑھے کی نیند بھی اپنی اپنی فیلڈ میں ہوتی ہے۔ دنیادار اور دین دار کی نیند اپنے اپنے دوزخ اور اپنی اپنی جنتیں سجائے ہوئے ہوتی ہے۔

اسی طرح درماندہ عشق اور دردناک درویش کی نیند بھی اپنے اپنے وحشت انگیز اور سنگ آستاں سجائے ہوئے ہوتی ہے۔ جیسے نیند اپنی اپنی خیال اپنے اپنے اور خواب اپنے اپنے [illegible] تجلی ترو تازہ رہتیں اپنے محبوب شوہر کے استقبال کے لئے وہ تکیہ تیار کرتی ہیں اس پہ خوبصورت اشعار رنگ برنگے پھول چاند ستارے نظر آتے ہیں۔ اب تاب دل اور جدائی کا آزار تیر کا زخم ہیں۔ پہلو میں پڑا ہوا محبوب شوہر اسی تکیے پہ سر رکھ کر ساری رات دھل کے مزے لوٹتا رہتا ہے اور ادھر اپنی دل گرفتہ بھی دوہا کے پیار کی نشانی [illegible] میں اس کا نام کا زخما ہوا ہوتا ہے ساری رات تکیے سے لگائے رکھتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے چہرے دیکھتے دیکھتے جدائی کے پہاڑ جیسے دن اور صحرا جیسی لمبی چوڑی بے نم و نخل راتیں ایسے ہی گزار دیتے ہیں ان کے درمیان اگر نیند اور نسیان نہ ہوتا یہ دونوں دو دو لمحے بھی نہ جیئیں پھڑک کر مر جائیں۔

میری [illegible] بیماری [illegible] کیفیات میں کوئی ایسا نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ یوں سمجھئے کہ میں اکثر حالت بیماری میں سویا ہوا اور کہیں کھویا ہوا ہوتا ہوں۔ جسم کہیں ہوتا ہے [illegible] وجود کہیں آنکھیں بند ہوتی ہیں اور نگاہ کہیں اور لگی ہوتی ہے [illegible] جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ یوں ہی بظاہر سوتے ہوئے [illegible] جاگ رہا ہوتا ہے اندر بار کی خوب سیر ہوتی ہے۔ اپنے آپ پہ ہی خوب ہنستا ہوں پھبتیاں کستا ہوں [illegible] کبھی خود کو کاندھوں پہ اٹھائے بہت بہت دور تک نکل جاتا ہوں۔

کبھی ہوتا خود کو پنکھا جھلتا ہوں اور آنکھیں بھی ہوتا ہے کہ سویا ہوا ہوں اور باہر گھنٹی ہوئی دروازے پہ جا کر پوچھتا ہوں "کون ہے؟" جواب آیا "بابا جی سے ملنا ہے" میں نے کہا کہ بھائی وہ سو رہے ہیں۔ پھر بھی تشریف لانے کا آنے سے پہلے فون کر لیجئے گا۔ ادھر سے جواب ملتا ہے کہ بابا جی مجھے آپ ہی سے ملنا ہے اور میں کہتا ہوں "جناب بابا جی سو رہے ہیں کبھی پھر آیئے گا" وہ بے چارہ حیران پریشان سا ہو کر چلا جاتا ہے۔

مادام ازابلا کے جانے کے بعد میں خوب پاؤں پسار کر سو گیا جب تھکا ماندہ گوشت پوست آرام پانے لگا تو اندر کا "دل آرام" چپکے سے اٹھا اور پاس دھری ہوئی کتاب کی گٹھڑی کو اٹھا کر باہر نکل گیا۔

UrduPhoto.com

● لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو.....!

ابوطلحہ کا جدِ امجد ان مجاہدین میں شامل تھا جو صدیوں پہلے ہسپانیہ کے ساحل پہ اسلام کی سربلندی کا جذبہ لے کر اترے تھے۔ پیچھے وسیع و عریض ساحل پر جلتی ہوئی کشتیوں نے ان کی ناکامی اور واپسی کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہوئے تھے اور اب صرف اور صرف کامرانی ہی ان کا مقصد اور مقدر تھی۔ فتح سپین کے بعد صدیوں مسلمان اس چھوٹے سے ملک پہ حکومت کرتے رہے' ظاہر ہے کہ ہزاروں عرب نژاد مسلمان یہاں پہ موجود تھے جنہوں نے ہزاروں غیر مسلم خواتین کو دائرہ اسلام میں لا کر ان سے شادیاں کیں اور پھر نسل در نسل یہ عرب نژاد مسلمان سپین کی آبادی کا ایک حصہ بن گئے۔ تغیر کا پہیہ گھوما' وقت نے رُخ بدلا اور مسلمانوں کا اثر و رسوخ کم ہوتے ہوتے بالکل ہی ختم ہو گیا' سپین ایک بار پھر غیر مسلموں کے قبضہ اختیار میں چلا گیا۔ صدیوں سے بستے رہتے مسلمان وہاں ایک اقلیت بن کر رہ گئے۔ ان کی تاریخی عظیم الشان مسجدیں' کتب اور مخطوطات آہستہ آہستہ معبدوں' لائبریریوں' عجائب خانوں اور گرجا گھروں میں تبدیل ہو گئے۔ غیر مسلموں نے کھرچ کھرچ کر وہاں سے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے نشان مٹا دیئے۔ ان کو اپنے مذہب کا پرچار کرنے کا حق نہیں دیا گیا۔ ایسا وقت بھی آیا کہ آٹے میں نمک کے برابر بچے کھچے مسلمان اپنا مذہب اور منہ چھپائے پھرتے۔

ایسا ہی ایک اجڑا ہوا خاندان جس کا سربراہ ادھیڑ عمر ابوطلحہ تھا' تلاشِ معاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ یہاں کے مقامی عیسائی' ایسے لوگوں سے پناہ نفرت کرتے تھے جو تھے تو سپین کے باشندے مگر وہ ان عرب مجاہدوں کی اولاد تھے جو کبھی اس سرزمین پر فاتح بن کر اترے تھے اور یہاں کے لوگوں کو سرنگوں کر کے ان پر ایک لمبا زمانہ حکومت کی۔ وہ ان بچے کھچے مسلمانوں پہ دائرۂ حیات تنگ کرنے پہ تلے ہوئے تھے۔ یہ آزردہ خاطر مسلمان یہاں سے کہیں جا بھی تو نہیں سکتے تھے کہ ان کے آباؤ اجداد کی قبریں' جائیدادیں اور ان کی اپنی معاشرتی' جذباتی' تہذیبی قدروں کی جڑیں یہاں اس سرزمین میں گہری اتری ہوئی تھیں۔

ابوطلحہ فن آہن گری کا بڑا مشہور' ماہر اور باکمال ہنرمند تھا۔ یہ فن اس نے اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں حاصل کیا تھا۔ تلواریں' تیر' نیزے' بھالے' آہنی زنجیریں' اوزار' ہل' فاتحین کے لئے بیل کی گردن پہ بندھنے والی نکیریاں یا جو بھی لوہے کا کام اسے مل جاتا' وہ کر لیتا۔ ابوطلحہ کیا کرتا کہ یہ ہنر اپنے دادا سے لیا ہے۔ وہی نکلتا ہوا قد' ہاتھ پاؤں کی وہی اٹھان' وہی ذہانت و فطانت۔ اشرفی کی کھنک سا لہجہ' چیتے سی

متجسس اور تیز آنکھیں اپنی ہمت طاقت اور عمر سے بہت آگے بڑھ کر کام کرنے اور سوچنے سمجھنے کا ہنر اور سب سے بڑی بات کہ پکا نمازی اور شرم و حیا کا پیکر..... ابوطلحہ اسے لوہے کے اس کام سے نکالنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ پڑھے لکھے۔ دین و تبلیغ کی تربیت حاصل کرنے کے لئے قاہرہ جامع الازہر جائے مگر وہی کہ غریبوں اور خستہ حالوں کے ہاں صرف خواب اور خواہشیں ہی ہوتی ہیں ان کی تعبیریں نہیں ہوتیں..... بوڑھا ہونے کے لئے سر میں چاندی کے ایک بال اور جوان ہونے کے لئے چہرے پہ سونے کی ایک چھال کی کھوج ہوتی ہے۔ ابوطلحہ کے ہاں ڈھیری چاندی تھی اور ادھر احمد دینار کے ہاں بھی بہت سے سونے کے دینار آ گئے تھے چہرے پہ نوعمری کا بڑھاپا بہار دکھا رہا تھا۔ محنت کشوں رزق حلال کمانے والے تنگ دستوں کے گھروں کے بچے اور مسائل بہت جلد جواں ہو جاتے ہیں ایسے جوان کہ گھر والوں کو ان کے اٹھتے ہوئے سر دیکھ کر خوف سا آنے لگتا ہے۔

جب احمد دینار کو اپنے باپ کا جوتا بھی تنگ پڑنے لگا تو ابوطلحہ کو شدت سے احساس ہوا کہ اب شاید بیٹے کو دین اور تبلیغ کی تعلیم دلوانا اس کے لئے ممکن نہیں رہا۔ ادھر احمد دینار بھی باپ کے بڑھاپے کی ناتوانی اور غربت کی خستہ حالی کو محسوس کرنے لگا تھا۔ بڑے نامحسوس انداز سے اب اس نے اپنے پریشان حال باپ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔ آبائی پیشہ وروں کے بچوں کو ہنر سکھانے یا گرہ بنانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ وہ اپنی عمر سے چند ہی برس بڑے اپنے ملازم کیرملی کے ساتھ سارا دن کام میں جتا رہتا۔ دھونکنی دھونکتا ہوا کیرملی اپنے استاد زادے کے روشن چہرے پہ بھٹی کے شعلوں اور اڑتے ہوئے چنگاروں کا عکس دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہتا۔ احمد دینار کا تانبے کی رنگت والا کڑا جسم فراخ سینے پہ پسینے سے بھیگے ہوئے کھدر والے بانوں کے پھٹے کرتے میں بازوؤں کی ترچھی چمکتی مچھلیاں اور پرکار مضبوط ہاتھوں میں موم کی ملائمت پکڑتا ہوا سرخ تپا ہوا لوہا دھکتا رہتا۔ کام کرنے کی ایسی سچی لگن خوب سے خوب تر کی جستجو کی ایسی پکی دھن۔ احمد دینار کا کام تھا کہ وہ لوہے سے فن پارے تراشتا تھا کوئی انوکھی اور نازک سی وضع قطع کوئی مشکل ترین ڈیزائن پیچیدہ سے پیچیدہ شکل و صورت والے کل پرزے اور اوزار ہتھیار جنہیں قلم سے کاغذ پہ بنانا بھی مشکل ہوتا۔ جو مٹی اور موم سے بھی نہ بن سکیں۔ وہ اس آہن گر بچے کے ہاتھوں فولاد میں ڈھل کر شاہکار بن جاتے۔

ابوطلحہ اپنے ہونہار بیٹے کے چمکتے چلتے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اس فن آہن گری میں اس کی دلچسپی اور محنت و لگن کو محسوس کرتے ہوئے وہ اپنے طور پر کسی حد تک مطمئن بھی ہو گیا تھا کہ چلو جو قسمت میں لکھا ہے وہی سہی..... اب ویسے بھی اس کے حالات ایسے نہیں رہے تھے کہ صرف خود پہ ہی تکیہ کر کے بیٹھا رہتا۔ سو

کی خدمتی اپنی بیوی خدیجہ کی سدا روگ بیماری اور آئے دن کی بے روزگاری نے اسے اپنا آبائی مکان اور چھوٹی سی کھیتی گروی رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حالات نے نہ سنبھلنا تھا نہ سنبھلے۔ معاہدے کے مطابق گروی کی رقم واپس نہ کرنے کی پاداش میں اسے مکان اور کھیتی کی ملکیت سے دستبردار ہونا پڑا۔ یہ تو پتہ بھی ہوا کہ گروی لینے والے شخص نے اسے کچھ مزید رقم ادا کر کے مکان کا باضابطہ قبضہ حاصل کر لیا۔ ابوطلحہ نے اسی رقم سے ایک ہوائی سی تیل گاڑی بنائی۔ باپ بیٹے اور ملازم کثیر علی نے دن رات محنت کر کے اسی چار پہیوں والی تیل گاڑی کو ایک مکمل چلتے پھرتے گھر کا روپ دے دیا۔ ایک تنومند بیل اور ساتھ ایک خوبصورت سا بچھڑا۔ سدا کی روگی بیوی خدیجہ کھانا پینا کر کے عبادت میں مشغول ہو جاتی ... یہ نوخاستہ ملازم کثیر علی بھی عجیب چیز واقع ہوا تھا۔ چھ برس پہلے اس کا باپ ایک حادثے میں چل بسا تھا۔ اس کی ماں نے دوسری شادی کرتے وقت اپنا مذہب تبدیل کر لیا۔ اس کا سوتیلا باپ ایک کٹر عیسائی اور سخت متعصب شخص تھا جس نے اسے چند روز کے بعد گھر سے نکال باہر کیا اور تب سے اس کی ماں نے جو ابوطلحہ کو جانتی تھی، کثیر علی کو اس کفالت میں دے دیا اور کہا کہ ابوطلحہ! کثیر علی کا مرحوم باپ تمہارا دوست بھی تھا اور ہم پیشہ بھی۔ میں اب اس کی کفالت نہیں کر سکتی۔ تم اسے اپنا بیٹا بنا لو اور اسے آہن گری کا فن سکھا دو۔ اس کے مرحوم باپ سے میں [illegible] یہ بچہ [illegible] نہایت فرمانبردار اور محنتی تھا۔ احمد دینار کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ کھانا پینا، کام کاج، سیر تفریح، نماز روزہ، عبادت اور ہنسی مذاق، سب کچھ ساتھ تھا۔ یہ ایک دوسرے کے ندیم تھے اور ہم خیال و ہم مزاج بھی۔

چلتا پھرتا گھر ملا تو ان کی موج لگ گئی۔ خدا کی وسیع زمین پر جدھر کی ہوا اور فضا ہوتی، بیل اُدھر کا رخ پکڑ لیتا۔ جدھر سبزہ اور پانی دیکھتا، اُدھر رک لیتا۔ گاڑی کے اگلے حصے میں "اندرون خانہ" تھا اور پچھلے حصے میں ورکشاپ تھی۔ اس ورکشاپ میں لوہاروں والا پورا سامان تھا، یہاں تک کہ آگ کی بھٹی بھی اُوپر ہی بنی ہوئی تھی۔ گاڑی کے دونوں اطراف بڑے بڑے لوہے، آہنی چادریں، سریے اور اسی قبیل کا کاٹھ کباڑ لٹکا رہتا۔ جہاں جاتے لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کوئی پھیرے والا لوہار ہے۔ عموماً دیہاتی، کسان اور محنت کش لوگ ان سے اپنے زراعتی آلات وغیرہ مرمت کراتے یا بنواتے۔ بنے بنائے اوزار آلات بھی ان سے مل جاتے۔ اگر کبھی کام میں مندا پڑ جاتا تو یہ تینوں کھیتوں باڑیوں اور روزانہ اُجرت پر مزدوری کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے۔ خدیجہ بھی فرصت ملنے پر مچھلی پکڑنے کے جال بنا کرتی تھی۔

"چلتا رہے رواں دواں زندگی کا کارواں" ... کے مصداق زندگی گزر رہی تھی۔ موسم بدلتے

موسم' صبح و شام کے اندھیرے اُجالے' راستوں کے پیچ و خم' نشیب و فراز' چٹیل میدان' سرسبز مرغزار' جھیلیں' جھرنے' کھیت کھلیان اور کھلواڑے' آزردگیاں' بیماریاں' پرندوں کے چہچہے اور پھولوں کی پھلواریاں' ایسا سب کچھ زندگی کے ساتھ ساتھ ہے۔ گاڑی کے نیچے پہیے مسلسل گھوم رہے تھے۔ بیل کے سم کئی بار گھسے اور کئی مرتبہ نئے نعل بندھے۔ بچھڑا اب ایک کڑیل بیل بن چکا تھا اور زیادہ تر وہی گاڑی کے آگے جُتتا جبکہ پرانا بیل ابوطلحہ کی طرح' سویا جاگتا' مراقبے میں رہتا۔

پچھلے بت جھڑ میں ابوطلحہ کی بیوی' احمد دینار کی ماں اور کثیر علی کی مہربان مُشفق سوکھے پتے کی طرح زندگی کے شجر سے جھڑ گئی تھی۔ کانسر کاؤں کے ایک ویران سے کھلواڑے میں دفنانے کے سات دن بعد یہ پھر پہیوں پہ سوار تھے اور پہیے گھومتے رہتے ہیں' فاصلے طے ہوتے رہتے ہیں۔ بچھڑنے والے پیچھے اور ملنے والے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ چلتے چلتے ایک دن بوڑھا بیل بھی تھک گیا' ایسا گرا کہ اُٹھنے کے قابل نہ رہا تو ایک تیز جھرجھری کی زد میں آ کر وہ چھوٹے بڑے پارچوں کی شکل میں گاڑی کے اوپر چھت پہ پڑے ترپال پہ خشک ہونے کے لئے پہنچ گیا۔

اب کے خوب برسات ہوئی تھی' جل تھل موسم کی بھرمار نے بڑے بڑے خشک پیٹے پانی کر دیئے ہوئے تھے۔ [illegible] کاری ایک [illegible] کے درمیان ایسی پھنسی کہ [illegible] قدم بھر بھی آگے پیچھے سرکنا ممکن نہ رہا۔ کئی دنوں کی بارش' یخ بستہ ہواؤں کو کاٹتی ہوئی ہوائیں' موسمی اثرات سے جانور' انسان سب ہی جاں بلب ہو رہے تھے۔ خشک خوراک کی بھی کمی واقع ہو گئی تھی۔ کوئی ایسا گاؤں شہر بھی نزدیک نہیں تھا جہاں تک رسائی ممکن ہو سکے۔ اچھے موسم اور موافق حالات کے انتظار میں کئی روز سے یہیں پہ پھنسے تھے کہ ایک رات دوسرے نئے بیل نے بھی پران چھوڑ دیئے۔ اسے کہتے ہیں مرے کو مارے شاہ مدار' زمی کی روزی رزق کا آسرا بھی جاتا رہا۔ اب صرف تین جاندار باقی بچے تھے۔

جب بیل مرنے' تیسرے دن ان تینوں کو پہلا فاقہ پڑا تو مارے سے ابوطلحہ نے کثیر علی کو پاس بلا کر وصیت کی۔

"کثیر علی! اب دکھائی دیتا ہے کہ میری زندگی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گُل ہونے کو ہے۔ زندگی اور موت' عزت و ذلت' رزق روزی بے شک اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ میں نے ہر حال میں صبر کیا اور ہر سانس اللہ کا شکر ادا کیا۔ تم گواہ رہنا اور اپنے بھائی احمد دینار کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا۔"

دوسری صبح موسم اچانک کھل گیا۔ مسلسل کئی دنوں کی بادوباراں کے بعد اس صبح سورج کی کانپتی

UrduPhoto.com

شرمیلی سی کرنوں نے زندگی میں ہلکی سی تمازت بھر دی تھی۔ رات بھر بخار میں تپتے ہوئے ابوطلحہ کو جب سورج نکلنے کی خوشخبری سنانے کے لئے جگانا چاہا تو اس نے جاگنے سے انکار کر دیا۔ اس کی زندگی کا سورج نہ جانے رات کس پہر غروب ہو چکا تھا۔ میت کو غسل دینے کے لئے آس پاس پانی تو وافر تھا صرف قبر کھودنے کے لئے کہیں بھی خشک جگہ نہیں تھی اردگرد سارے کھیت تالاب جھیلیں دلدلیں بنے ہوئے تھے۔ بڑی مشکل سے گاڑی کے پچھلے حصے میں لٹا کر غسل دیا گیا وہیں میت رکھ کر جب دونوں نے آگے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو سورج پوری طرح چمک رہا تھا۔ پھر اسی سورج نے دیکھا کہ وہ نوعمر سے لڑکے کانپتے کی سردی کے باوجود پسینے میں نہائے ہوئے ایک کھیت کے کنارے ایک اونچی جگہ پہ اندھا دھند پھاوڑے چلا رہے ہیں۔ پانی میں چھپ چھپ کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں کیچڑ نکالتے ہیں تو وہاں پھر مٹی اور پانی بھر جاتا ہے۔ ایک کڑی مشقت شاقہ کے بعد وہ ایک گڑھا کھودنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک بچہ اس میں اترا تو وہ کمر تک پانی اور کیچڑ میں دھنس گیا۔ پھر سورج نظارہ کرتا ہے کہ وہ لڑکے میت کے سینے اور کمر پہ بھاری پتھر باندھتے ہیں اور گڑھے میں لٹا کر اوپر سے پتھر ڈال دیتے ہیں۔ چشم فلک نے بے چارگی درماندگی کے کئی ایسے دل گرفتہ مناظر دیکھے ہوں مگر چشم انسانیت نے یہ کچھ کم ہی دیکھا ہو گا۔

خود رو گھاس پات کھانا ہی طوفان بچوں نے کئے تھے اور انہوں نے ان تین دنوں میں ہر روز چمکتے سورج نے ہر چیز کو خشک اور خوبصورت سا کر دیا تھا مگر اب بھی کہیں کہیں پانی کی ڈلیاں دکھائی دیتی تھیں۔ اب انہوں نے قبر پہ سے پتھر نکال کر اردگرد کی مٹی بھر دی۔ وہ گزرے ہوئے کھیت کے کنارے مرے ہوئے بیل کی لاش اٹھا کر تعفن چھوڑنے لگی تھی۔ چیلیں گدھ کوے اس کے گرد منڈلانا شروع ہو گئے تھے۔ اب ان کا یہاں ٹھہرنا دوبھر ہو چکا تھا جبکہ بھاری گاڑی کو اونچے نیچے بارش سے ٹوٹے پھوٹے راستے پر دھکیلنا اب ان کے بس سے باہر تھا جسے یہاں چھوڑ کر جایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ان کی تو پوری کائنات ہی اس گاڑی پہ لدی تھی۔ یہ وہی گاڑی تھی جسے اس نے اپنے مشفق باپ اور کثیر علی کے ساتھ مل کر بڑی محنت سے تیار کیا تھا یہ اس کا گھر بھی تھا اور آنگن بھی اور سب سے بڑی بات کہ اس کے ماں باپ کی نشانی تھی۔ وہ حیران تھا کہ یہ کیسی راہ ہے جس پہ کئی دنوں سے کوئی گزرا ہی نہیں۔ درست ہے کہ موسم بڑا خراب تھا مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسانوں جانوروں نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا ہو۔ آس پاس دور دور تک کھیت ہی کھیت۔ مگر کوئی کسان یا مویشی جانور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب انہیں بڑی عجیب سی صورت حال کا سامنا تھا۔ وہ کئی دنوں سے غذائی قلت کا شکار تھے۔ ٹھوس اور متوازن غذا کے بغیر کچھ دن تو گزارے جا سکتے ہیں مگر زیادہ عرصہ نہیں کہ انسان لاغر کمزور یا پھر بیمار پڑ جاتا

ہے۔ کثیر علی کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی مگر وہ صابر شاکر اللہ کا بندہ حرفِ شکایت زبان پہ نہیں لاتا تھا۔ وہ اسے اکیلا یہاں چھوڑ کر کہیں کھانے پینے کی تلاش میں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ پہلے ذبح کیے ہوئے بیل کا نیم خشک گوشت برسات کی موسم کی وجہ سے کھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اسی کشمکش و پیچ اور کیا کرے کیا نہ کرے کی سوچ و بچار میں اس نے زندگی کے اس مایوس کر دینے والے راستے میں ایک اور رات کسی نہ کسی طور گزار دی۔

● اُس کے آنے کی کیا کہیے' اُس کے جانے کی کیا کہیے.....!

پچھلی رات وہ اپنے رازق مالک و خالق سے یہ دعا کرتے لیٹی تھی کہ اے مسبب الاسباب! ہم یتیموں بیسروں کے لئے اپنی رحمت' برکت اور رزق کے دروازے کھول دے۔ بیشک تو آزمائشوں سے گزرنے اور بھوکے ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ صبح کی نماز اور تسبیح و تہلیل کے بعد گاڑی کے پچھلے حصے میں وہ مشرق کی جانب منہ کئے ہوئے سورج کے طلوع ہونے کا مسحور کن منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی تو منظر ہوتے ہیں۔ ایک [illegible] ڈوبتے کا [illegible] ہوتا ہے [illegible] چھوٹ اور تنگ وہ دو کے گرد و غبار سے اٹا ہوا۔ طلوع کی نور افشانی کا سوندھا اور سوندھا پن اس کے تانبے کی سی رنگت والے چہرے کے روئیں پہ سنہرے کا رنگ چڑھاتے ہوئے تھے۔ کالی گوڑی کی بکل میں اس کا صاف دمکتا ہوا چہرا کسی بے عیب سے الماس کی کانی کی مانند نورانی سا غبار چھوڑ رہا تھا جیسے وہ ابھرتے ہوئی آفتاب سے یہ بات بدلے ہوئے بیٹھا ہو کہ نکلو تو سہی دیکھتے ہیں کہ کون کس سے آنکھ ملاتا ہے؟

سامنے دور تک دکھائی دیتا ہوا کچا پکا' ٹیڑھا میڑھا راستہ جہاں ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا وہاں زرد اور نارنجی رنگ اجالے ہوئے بڑا سا سورج ابھر رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اسی سورج کے سینے سے جیسے ایک سچی رنگت گھوڑا جس کی ابھرتی ہوئی ایال یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے وہ اڑن گھوڑے کے پر ہوں' وہ جیسے بہت نیچی پرواز کرتا ہوا آ رہا ہے۔ ایک سنہری غبار سا اڑتا ہوا غبار اس کے جلو میں تھا۔ کھری کنوتیوں کی لگام پکڑے سپید براق سمندر کی جھاگ کا لبادہ پہنے کوئی شعلہ رو اڑتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ پہلے تو وہ اسے نظر کا دھوکہ سمجھا' پھر کوئی جاگتی ہوئی آنکھوں کا خواب۔ لمحہ لمحہ وہ سُموں سے چنگاریاں اڑاتا ہوا اسپ تازی قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔ گھوڑے کے حقیقی وجود کا یقین آتے ہی احمد دیار چھلانگ لگا کر نیچے اتر آیا' گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن کر نیم خوابیدہ کثیر علی بھی آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ گاڑی

UrduPhoto.com

سے چند قدم اُدھر ہی نہ سے بھاگ اور آنکھوں شعلے چھوڑتا ہوا ہوائی گھوڑا اپنی پچھلی ٹانگوں پر یوں الف کھڑا ہوا کہ جیسے آگے کوئی بلور کی دیوار آ گئی ہو۔ ایک خوبصورت نوعمری لڑکی بڑی خشمگیں نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ گھوڑا تھا یا کوئی بجلی چڈوں بغلوں سے پسینہ چھلاتے نہ نتھنوں سے جھاگ اڑاتے ایک وحشی درندے کی مانند زمین پہ اپنے پاؤں پٹک رہا تھا۔ گاڑی چونکہ راستے کے عین وسط میں کھڑی تھی اس لئے سوار اور گھوڑے کا رد عمل عین منطقی تھا۔ دیہاتی سی الہڑ لڑکی بڑی چابکدستی سے پھلانگ کر گھوڑے سے نیچے اتر آئی۔ اس کے سرپٹ گھوڑا دوڑانے اور ایسے قد آور وحشی گھوڑے سے اچھل کر نیچے اترنے کے انداز سے اندازہ ہوتا تھا کہ لڑکی بڑی اچھی اور مشاق گھڑ سوار ہے وہ گھوڑے پہ بیٹھنا ہی نہیں بلکہ اڑانا بھی جانتی ہے اور اسے قابو کرنا بھی۔ لڑکی گھوڑے سے اتر کے چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر گھوڑے کو پچکارتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''تم لوگ کون ہو اور یہ چھکڑا راستے کے درمیان میں کیوں کھڑا کیا ہوا ہے.....؟'' پھر اچانک اسے جیسے یہاں مرے ہوئے بیل کی پھیلی ہوئی بدبو کا احساس ہوا ذرا آگے بڑھ کر بیل کی لاش کو دیکھتے ہوئے پھر بولی۔ ''تمہارا تو بیل مر گیا ہے.....؟''

اس نے اب تک پہلے دیکھا تھا۔ احمد دینار نے دیکھا تھا کہ وہ ایک چھلاوے کی طرح اچک کر گھوڑے پہ سوار ہو چکی تھی۔ ایک چیخ نما آواز کے ساتھ ہی گھوڑا یوں اڑا جیسے وہ ہڈیوں کا نہیں بجلیوں کا بنا ہوا ہو۔ آئی بھی وہ گئی بھی وہ لو ختم فسانہ ہو گیا۔ احمد دینار کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ یہ سب کچھ ایسی سرعت اور ڈرامائی انداز میں سرزد ہوا تھا کہ اگر وہاں پہ ٹوٹے ہوئے گھروں اور لڑکی کے پاؤں کے نشانات اور کثیر علی کی چشم دیدہ گواہی نہ ہوتی تو وہ اسے صرف ایک واہمہ ہی تصور کرتا۔ وہ دور افق میں اس چھلاوہ سی لڑکی اور ہوائی سند نیلیہ کو منظر میں تحلیل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ اچانک کثیر علی پوچھ بیٹھا۔

''یہ کون تھی.....؟''

''یہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں.....'' احمد دینار نے خواب کی سی کیفیت میں جواب دیا۔

کثیر علی احمد دینار کو یوں سراسیمہ سا دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''پہلی بار ایسی نوعمر خوبصورت اور نڈر لڑکی دیکھی جو موت کے فرشتے کی طرح گھوڑا دوڑاتی اڑاتی ہوئی یوں آئی جیسے کسی کی جان نکالنے آئی ہو اور یوں گئی جیسے کسی کی روح قبض کرنے جا رہی ہو۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا؟''

احمد دینار خالی خالی نظروں سے لڑکی کے جانے والے راستے کو تکتے ہوئے خوابناک سی کیفیت میں پھنسا ہوا بولا۔

UrduPhoto.com

''ہاں میری روح ہی تو قبض کرنے آئی تھی اور کر کے چلی گئی ... کثیر علی! اس کے گھوڑے اور اسے دیکھتے ہی بالکل یہی خیال میرے دل میں بھی ابھرا تھا۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے سورج کے سینے سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ سورج سے اس جگہ تک وہ لمحوں ساعتوں میں پہنچ گئی اور ... اور پھر وہ آنکھ جھپکتے یہاں سے بھی غائب ہو گئی۔ یقیناً یہ موت ہی تھی جو میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چلی گئی بلکہ میرے جسم سے میری جان اور روح نکال کر اپنے ساتھ لے گئی...''

کثیر علی تعجب بھری نظروں سے اپنے آقا زادے اور دوست کو دیکھ رہا تھا۔ ایسی خوفناک اور گہری باتیں اس نے آج سے پہلے کبھی احمد دینار کے منہ سے نہیں سنی تھیں ... چند لمحے وہ گنگ منگ سا کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر بات کا رخ پلٹنے کی خاطر وہ کہنے لگا۔

''اچھا بھول جاؤ اس کی بات... اب صرف یہ سوچو کہ کھائیں کیا بڑے زور کی بھوک لگی ہے...''

''کھانا پھونس اور برساتی جڑی بوٹیوں کے علاوہ یہاں اور کیا ہے جو کھایا جا سکتا ہے؟ ... توشہ دان کو دیکھو! ہو سکتا ہے کہ کچھ جو دلیے کے دانے بچے ہوئے پڑے ہوں ... پہلے میری بھوک اور پیاس تو پہلے ختم ہو چکی ہے ... احمد دینار نے نیچے زمین پر اس ہوائی سورت اور شعلہ بداماں دوشیزہ کے پاؤں کے نشان غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

کثیر علی بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم تو اب کام سے گئے۔'' پھر اس کے کاندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے مزید کہنے لگا۔ ''اچھے دوست! موسم قدرے موافق ہو گیا ہے ... تو کی کے بارے میں تو بعد میں سوچیں گے پہلے پیٹ بھرنے اور پھر یہاں سے کسی آبادی کی طرف نکلنے کا سوچو...''

احمد دینار قدرے ہوش پکڑتے ہوئے کہنے لگا۔

''چلنا تو ادھر ہی ہے جس طرف وہ میری جان نکال کر لے گئی ہے مگر اب سوچنا یہ ہے کہ اس بھاری بھرکم گاڑی کو گھسیٹنے کے لیے ایک موٹا تازہ سا بیل کہاں سے لائیں؟ ... ہم دونوں کے بس کا تو یہ روگ ہے نہیں...''

کثیر علی بولا۔ ''بیل تو بیل! یہاں کسی انسان کی صورت دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں راستے کے درمیان راہ بند کیے ہوئے کھڑے ہیں ... اچھا پہلے کچھ پیٹ میں ڈال لیں پھر گاڑی کو کسی طرح گھسیٹ کر ایک طرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں...''

گاڑی کے اندر چمڑے کے تھیلے الٹنے پلٹنے سے کچھ جو کے ستو اور خشک خوبانیاں خوش قسمتی سے

نکل آئیں۔ انہی سے راستے کا کام لے کر وہ دونوں گاڑی کو راہ سے بنانے کے جتن کرنے لگے۔ پچھلے وقتوں میں ایسی کاروان قسم کی چار پہیہ گاڑیوں کا بڑا رواج تھا۔ آپ نے اکثر امریکن کاؤبوائے قسم کی فلموں میں ایسی گاڑیاں دیکھی ہوں گی جن کے آگے دو یا دو سے زیادہ گھوڑے جتے ہوئے اور پیچھے ریڈ انڈین لگے ہوئے ہوتے ہیں مگر یہ گاڑیاں بڑی مضبوط اور سبک ہوتی ہیں' باربرداری اور مسافروں کی سواری کا کام دیتی ہیں۔ خاص طور پر میکسیکو اور دیگر پہاڑی صحرائی ریاستوں اور لمبی دشوار گزار مسافتوں پہ یہ تیز رفتار اور سبک گاڑیاں بڑی کارآمد اور آرام دہ بھی جاتی ہیں' پہلے وقتوں کے امریکہ میں تو باقاعدہ طور پر آج کی ٹرانسپورٹ کمپنیوں کی طرح کام کرتی تھیں۔ مخصوص فاصلوں پہ صحرائی ہوٹل' آرام گاہیں' چھوٹی موٹی دوکانیں اور تازہ دم گھوڑے دستیاب ہوتے تھے۔ یہ مسافر گاڑیاں تھیں مگر وہاں کے پہاڑی' صحرائی قبائل اور خانہ بدوشوں کی نقل و حرکت اور بود و باش کے لئے جو گاڑیاں ہوتی تھیں وہ کشادہ اور بھاری ہوتیں۔ یہ زیادہ تر خاندانوں کی رہائش کے کام آتیں۔ یہ چلتے پھرتے محل کہیں جنہیں کاروان کہا جاتا ہے بڑے خوبصورت' مضبوط اور بود و باش کی ہر ضرورت سے مزین ہوتے ہیں۔ گھوڑے' خچر' ٹٹو اور بیل یعنی ہر وہ جانور اس کے آگے جوتا جا سکتا ہے جو دستیاب ہو۔ اس گاڑی کے اندر خلوت خانہ' غسل خانہ' باورچی خانہ' اسٹور' خوابگاہ' ڈرائنگ روم سب کچھ ہوتا ہے۔ گھر کا زیادہ تر سامان گاڑی کی دو اطراف کے علاوہ نیچے اور چھت پہ دھرا پڑا اور لٹکا ہوا رہتا ہے۔ جب یہ کاروان رواں دواں ہوتا ہے تو بڑے رنگ آہنگ ابھرتے ہیں' بیل گھنٹیاں بج رہے ہوتے ہیں' گھنٹیاں کھڑکتی ہیں اور دفیں' طبلے' طنبوریاں بھی سنائی دیتی ہیں۔ گھر والے بیٹھے ہوئے ہیں' کھانے پکا رہے ہیں اور گھر کے ساتھ ساتھ چل بھی رہے ہیں۔

اسی کاروانوں پہ بنے چلتے چلتے جنم لیتے رہتے ہیں' بڑھتے بھی چلتے چلتے ہی چلے جاتے ہیں' چلتے چلتے ہی انہیں بس راہ کہیں دبا دفنا کر پھر آگے چل دیا جاتا ہے۔ پیار' محبت' نفرت' عشق' وحشت' سب کچھ چلتے چلتے ہوتا رہتا ہے۔ خانہ بدوش جینے مرنے کا صحیح لطف اٹھاتے ہیں اور زندگی کو دوسرے لوگوں سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہ سچے لوگ فطرت اور حقیقت کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ یہ ہر وقت حادثات' اتفاقات' مہمات اور ہنگامی حالات کی کیفیات میں رہتے ہیں اس لئے خطرناک ہر قسم کے حالات سے مقابلہ کرنے والے مہم جو ہوتے ہیں۔ روس' یورپ' امریکہ اور آسٹریلیا میں ان کے بڑے بڑے قبیلے اور خاندان ہیں۔ یہ کسی قانون اور قاعدے کلیے کو نہیں مانتے۔ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ حکومتیں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں' نہ تو یہ اعداد و شمار میں آتے ہیں اور نہ کسی ووٹنگ لسٹ میں یہ شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایشیا میں بھی ایسے قبائل موجود ہیں۔ ان کا بھی ادھر یہی حال ہے۔ میں نے ایک

UrduPhoto.com

زمانہ قریب رہ کر ان کے طرز زندگی انداز فکر ذہن ذہنیت نشو و نما کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے ساتھ لمبے لمبے سفر بھی کیے مگر شاید یہاں بھی میری مرضی اتفاق اور حالات کا دخل نہیں تھا یہی کہ جیسے یہ بھی طے شدہ تھا۔

انگلینڈ بہت چھوٹا سا ملک ہے سمندر کے بیچ ایک چھوٹا سا ٹاپو سمجھ لیں۔ کسی بھی شہر سے سمندر کی طرف رخ کر لیں تو زیادہ سے زیادہ اسی نوے میل پر سمندر دکھائی دے جاتا ہے۔ انگلینڈ کے ساحل بڑے خوبصورت اور قدرتی ہیں۔ بعض مقامات سے اگر موسم صاف ہو تو فرانس بلجیم کے ساحل بھی دکھائی دے جاتے ہیں۔ یہاں ایک بہت ہی خوبصورت اور تفریحی ساحل بلیک پول ہے تفریحی اس لئے کہا ہے کہ یہاں روایتی ساحلوں کی طرح جہاز کرائے کشتیاں بڑی بڑی گودیاں کرینیں اور سمندری پتھر لنگر وغیرہ کچھ نہیں۔ یہ خالصتاً تفریحی اور قدرتی ساحل ہے یہ کچھ کے بعد ڈرائیو اور خوبصورت لمبا چوڑا نیم دائرے کی شکل میں یہ دنیا کے بہترین ساحلوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں کی ایک نادر چیز یہاں کا بلیک پول ٹاور ہے جو قریب قریب پیرس کے ایفل ٹاور کی طرز کا ہے قد کاٹھ اور شکل میں بھی اس کا چھوٹا بھائی نظر آتا ہے۔ بڑے بڑے نفیس خوبصورت اور اعلیٰ ہوٹل کلب سوئمنگ پول نجی گھر اس دیہاس کی طرح کے [illegible] اور [illegible] مشہور و معروف تھیٹر ہیں اور [illegible] میں سے دو چار ادھر بھی ہیں جو بلیک پول کی وجہ شہرت ہیں۔ سمندر کے باوجود کشتیوں اور اسٹیمر کا چھوٹا و تفریحی یہاں نہ ہونے کے برابر ہے شاید اس کی وجہ کشتی رانی کے لئے ناموافق ساحل ہو۔ اس لئے بڑی کشتیاں اور چھوٹے ہوائی جہازوں پہ سمندر اور ساحل کی فضائی سیر کا بڑا لطف آتا ہے۔ ایک اور بڑی وجہ شہرت یہاں کا تفریحی مرکز ہے جو اتنے بڑے رقبے پہ پھیلا ہوا ہے کہ انسان ایک دن میں اسے مکمل طور پر نہیں دیکھ سکتا۔ دنیا کے چند بڑے اور بلند ترین روائلٹ ٹریکس میں ایک یہاں پہ بھی موجود ہے۔ امریکہ اور فرانس کے والٹ ڈزنی لینڈ کے بعد یہ جگہ خاصی مشہور معروف ہے۔

میری پارک شاگرد کی اقامت گاہ سے یہ لنکا شائر والا خوبصورت ساحل وہی محض ستر اسی میل ہی ہے اور موٹروے پہ یہ فاصلہ صرف گھنٹہ سوا گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے۔ میرا ایک ایند پہ کبھی کبھی ادھر جانا رہتا تھا یا ویسے ہی کبھی سویرے اندھیرے آدھی رات سنسان سڑکوں اونچے اونچے پیچ دار پہاڑی راستوں اور "بابا سمندر خان" سے باتیں کرنے دیکھنے اور چھونے محسوس کرنے کو جی چاہتا تو چپ چاپ گاڑی نکالتا اور نیلی فیلس کی پہاڑیوں پہ ڈال دیتا۔ موٹروے پہ بائی دا وے کبھی کا ٹیٹ وے ہی وے اور جن وے تو بڑے بڑے "وے" ہیں اور اگر کوئی بھولے پن سے یونہی "وے" کہہ دے تو دل و دماغ

میں بڑا ادویا پایا جاتا ہے۔ موٹروے پہ راستہ اور رات بڑا لطف کرتے ہیں' ایسے میں اگر وہی تیسرے کلمے کا سرمدی لحن چھیڑ دیا جائے تو یہ کلمہ پاک پھر بڑے اسرار کھولتا ہے' اس کا مزہ تو پھر وہی جانتا ہے جس پہ یہ کلمہ پاک کھل جائے۔

ایک رات کے آخری پہر میں ایک ایسی ہی کیفیت میں جل تھل اور غرقو غرق آنکھیں ملتا ہوا' جاگا سویا سا بلیک پول کے مشرقی حصے میں لب ساحل ایک خوبصورت سے پارک میں جو صرف بوڑھے نیم اپاہج اور ذہنی طور پہ معذور افراد کے لئے مخصوص ہے' پہنچ گیا۔ یہ میری فیورٹ جگہ تھی۔ ساحل کی گہما گہمیوں اور شور و غوغا سے بہت پرے بلیک پول کے ساحل کے آخری حصے میں ایک کنج عافیت' جیسے ذہن داروں میں درویش ہوتا ہے چپ چپ' اپنے آپ میں ڈوبا ہوا' کھویا کھویا' بالکل یونہی یہ جگہ یعنی یہ پارک بھی بلیک پول کی درویش تھی ... ہاں اللہ سبحان و تعالیٰ کی مخلوقات میں فضیلت و پس ماندگی' ہوشیاری کمزوری' گندی' گندگی موجود ہے۔ اس میں صرف اشرف المخلوقات حضرت انسان ہی نہیں بلکہ جنات اور ارواح کے علاوہ مختلف عالم و دیگر جہاں' بروج ستارے' ارض و سما' نباتات' معدنیات' حجرات' پہاڑ' صحرا' سمندر' جنگل' وادیاں' بستیاں' شہر اور پھر حیوانات' پرندے' آبی مخلوق' پھل' پھول' سبزیاں ترکاریاں' یہاں تک کہ ہر چیز میں اعلیٰ ادنیٰ' اچھا برا' خوب خراب' شاد کدا' دبنگ و درویش موجود ہیں۔

عرشوں میں عرش بریں' رسولوں میں خیر الرسل ﷺ' کتابوں میں کتاب مبین' مہینوں میں رمضان المبارک کا مہینہ' دنوں میں جمعۃ المبارک' پہروں میں رات کا آخری پہر' شہروں میں شہر مدینہ' حجرات میں عتیق جیسا گنبد' صحابہ میں علی شیر خدا جیسا اور عاشقوں میں اویس صدق و وفا بلال حبشی جیسا اور عالموں میں احمد رضا جیسا ... درندوں میں شیر' پرندوں میں شہباز اور انسان جانوروں میں گلو' گھا' بجو اور گدھ' گدھا بھی ہوتا ہے۔ فرشتوں میں قدس الامین بھی ہیں اور شیطان الرجیم بھی تھے۔ ادھر حضرت سلیمانؑ' سکندر' نمرود' فرعون اور شداد بھی تھے۔ حسینؓ بھی تھے اور یزید بھی تھا' حمزہؓ بھی اور ابوجہل بھی ... اسی طرح دنیا کی ہر چیز میں اعلیٰ اور ادنیٰ کی صفات موجود ہوتی ہیں۔ یہ ساری باتیں اٹھائے راہ آ گئیں کہ میں نے بلیک پول کے پارک کو درویش کہہ دیا ... ہاں جگہیں بھی انسانوں کی مانند بادشاہ اور درویش ہوتی ہیں' وہی فرق جو کسی شاہ کے دربار اور فقیر کے حجرے میں ہوتا ہے۔

القصہ تفریح' عیش و عشرت کے رتجگے اور آہ و فغاں شب بیداری' دونوں میں شراب و شباب کے بدمست نشے اور جذب و حجاب کے سرمدی نرور کا فرق ہے۔ پورا بلیک پول' یہاں کی عشرت گاہیں

گہری نیند دبے کاگلی میں ڈوبی ہوئی تھیں اوپر آسمان اور نیچے سمندر جاگ رہے تھے یا کچھ میری طرح بے چین و بے کل آبی پرندے ریڈیم گھڑی دیکھی اور پھر مشرق کی جانب آسمان کے کنارے پہ نظر ڈالتے ہوئے قطبی ستارے کو صبح کا سلام کیا۔ نماز سے فارغ ہوا تو تھرموس سے گرم گرم بزازیلین بلیک کافی مگ میں انڈیل کر سپ کرنے لگا۔ بلیک کافی بھی مجھے شاید اس بلیک پول کی طرح صرف لفظ "بلیک" کی وجہ سے پسند ہے۔

- تھا جو نہ خوب وہی خوب ہوا.....!

ایک بار لیڈز کی کرکٹ گراؤنڈ میں ایک پاکستانی چوکے چھکے لگانے کی پاداش میں مجھے ایک شرابی انگریز نے غصے میں "بلیک باسٹرڈ" کہہ دیا۔ میرے ساتھ چند ایک دوست بھی تھے جو فوراً مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے مگر میں نے اشارے سے انہیں روک دیا اور اس انگریز کو بڑی نرمی سے کہا۔

"پلیز دس مور....."

اس [illegible] میں نے شرارت اور [illegible] ایک بار پھر یہی جملہ کہنے کے لئے کہا۔ اس "شریف آدمی" نے پھر میری خواہش پہ بھی کچھ تیسری بار دوہرا دیا اب یہ حال کہ وہ میری خواہش بلکہ فرمائش پوری کرتے کرتے تھک آ گیا اور اٹھ کر بائیں طرف دور جا کر بیٹھ گیا وہ بڑے انہماک سے میچ دیکھنے میں مگن تھا اسی اثناء میں وسیم نے ایک اور چوکا جو لگایا تو میں نے خوشی اور وارفتگی کے عالم میں پھر تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔ اس نے اچانک میری جانب دیکھا اور "او نو" کہتے ہوئے اٹھنے لگا تو میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور کہا۔

"جنٹلمین! پلیز صرف آخری بار پھر وہی کچھ کہو....."

اس کا نشہ شاید کچھ ہلکا پڑ چکا تھا وہ بکری کی طرح ممیاتے ہوئے کہنے لگا۔

"آخر تم بار بار کیوں مجھ سے گندی گالی کہلوانے پہ اصرار کر رہے ہو؟"

میں نے اسے فوراً سا جواب دیا۔ "مجھے مزہ آتا ہے....."

"مزہ..... اس میں مزے کا کون سا پہلو ہے؟"

وہ یوں مجھے دیکھ رہا تھا جیسے میں کوئی ذہنی طور پر خسکا ہوا اس کے سامنے بیٹھا ہوں۔ میں نے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''جب تم مجھے بلیک کہتے ہو تو میں خوشی سے پاگل سا ہو جاتا ہوں ... ایک تم ہی تو مردم شناس ملے ہو جو مجھے کالا کہتے ہو ورنہ لوگ تو مجھے اجلا سمجھتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔''

وہ اب پوری طرح میری جانب متوجہ ہو چکا تھا اور نشہ بھی جیسے کہیں دور ہو گیا تھا' کہنے لگا۔

''مگر میں تو تمہیں بلیک کے ساتھ باسٹرڈ بھی کہتا ہوں' یہ لفظ تمہیں برا نہیں لگتا ... تمہیں اس لفظ کے معنی معلوم ہیں' اس گندی گالی پہ تمہارا خون نہیں کھولتا؟''

''نہیں' بالکل نہیں ...'' میں نے فضیلت سے کہا۔ ''تم نے مجھے کالا' شاید میرا لباس یا میرا ندرد کھ کر کہا ہے' اس کا مطلب ہے کہ تم خام اور باطن شناس ہو اور تم شاید یہ بھی جان گئے ہو گے کہ مجھے کالا کہلوانا پسند ہے ... باقی رہا یہ کہ تم مجھے باسٹرڈ کہتے ہو تو کوئی کسی دوسرے کو کچھ بھی کہہ سکتا ہے' یہ لفظ میں بھی تمہیں کہہ سکتا ہوں لیکن کہنے سے پہلے مجھے سوچنا چاہیے کہ مجھے کسی اچھے یا برے انسان کے لئے بغیر تحقیق' ایسے ناروا قسم کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں یا نہیں؟ ... تم شاید کسی ترنگ میں ایسا کہہ گزرے ہو یا کالوں کی سوچ کی طرح ہم ایشین' خاص طور پر یہ پاکستانی بھی تم یورپین لوگوں کی نظر میں محض عجمی ہیں جو اپنے گراؤنڈ میں ہمارے سٹیل ڈبل چوکے چھکے اور آؤٹ برداشت نہیں کر سکتے جبکہ ہم نے اپنے ملک میں اور ... آپ کا بڑی سادگی سے برداشت کیا ہے ... اور ہاں پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ گالی اسے نہیں کہتے جو حرام الولد ہو بلکہ اسے کہتے ہیں جو محسن کش اور بے حیا بیمار و مکار ہو۔ اگر یہ برائیاں تمہیں مجھ میں دکھائی دی ہیں تو مجھے باسٹرڈ کہنے میں حق بجانب ہو اور اگر نہیں تو جان لو کہ تم کسی زعم غرور' کسی احساس برتری یا پھر شراب کے نشے میں تھے اور اسی لئے ہمارے دین میں شراب پینے سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے کہ اس سے انسان اچھے برے کی تمیز' رشتوں کی پہچان اور تقدس' کہنے سننے' دیکھنے محسوس کرنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔''

وہ مجھے یوں بکا بکا سا دیکھ رہا تھا جیسے میں پہلے کوئی پتھر تھا اور اب مجھے زبان لگ گئی ہو۔ شرمندہ سا کہنے لگا۔

''جنٹلمین! آئی ایم ریئلی سوری' مجھے اپنے ان الفاظ پہ بڑی ندامت محسوس ہو رہی ہے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ تم مجھے فراخدلی سے معاف کر دو گے۔'' اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔ ''میرا نام رابرٹ کلے ہے' میں ہیون آئس اسکیٹنگ اسٹیڈیم میں گراؤنڈ منیجر ہوں۔ میں آپ سے پھر مستقبل قریب میں ایک تفصیلی ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''مسٹر کلے! میں ایک سیلانی سا انسان ہوں۔ آج یہاں اور کل کہیں اور ... باقی دی وے' میں

پوچھ سکتا ہوں کہ تم مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہو۔۔۔؟''

وہ ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تم میں ایک مخصوص سی کھچی ہوئی شخصیت دکھائی دی ہے۔ مجھے تمہارے آج کے اس عجیب و غریب برتاؤ' برداشت اور بلیک کلر سے محبت نے بڑا متاثر کیا ہے۔۔۔ تمہیں شاید اپنے الفاظ یاد ہوں' تم نے کہا تھا کہ ''ایک تم ہو جو مجھے کالا کہتے ہو ورنہ لوگ مجھے اُجلا سمجھتے ہیں'' میں یہ تو نہیں سمجھتا کہ مجھے باطنی اور روحانی علوم سے دلچسپی ہے یا ان کی کچھ سمجھ ہے لیکن میں نیپال' کھٹمنڈو' آسام' جاوا' سماٹرا میں کافی گھوما ہوں۔ سینٹ' صوفی' یوگی' ہوا لوگ مجھے بہت پُراسرار دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے آج یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تم بھی کچھ ایسے ہی ہو۔۔۔ میں تم سے مل کر کچھ سیکھنا چاہتا ہوں' مذہب اور مشرقی علوم کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔۔۔''

میں نے اُسے اپنا ٹیلیفون نمبر اور پتہ لکھواتے ہوئے کہا۔

''مسٹر کلے! آئی ایم سوری' ویکم' اگلے ہفتے تک تم کسی بھی وقت مجھے مل سکتے ہو۔۔۔''

اگلے کرسمس سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے مسٹر کلے بریڈفورڈ جامع مسجد میں باضابطہ طریقت مسلمان ہو گیا۔ میں نے اس کا اسلامی نام محمد علی زوی تجویز کیا۔ [illegible] اس کی شادی اس کی خواہش کے مطابق لیسٹر کے ایک انجانی ویلڈر [illegible] میں کر دی۔ اس کی بیوی انجانی پڑھی لکھی پردہ دار خاتون ہیں۔ دونوں میاں بیوی برسرِ روزگار ہیں' تبلیغ اور دین کے دیگر کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اب تو ماشاء اللہ ان کے بچے بھی بڑے ہو گئے ہیں۔ محمد علی زوی کو اب یہ بھی یاد نہیں کہ اس کا ماضی کیسا تھا اور کیا تھا؟ وہ تو اب اپنی آخرت سنوارنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔۔۔ دیکھا کہ کالا' عمر سنجاؤ اور نجل سبک بول سے کیسے کیسے گرانڈیل اور ژولیدہ خاطروں کو نکیل ڈالی جا سکتی ہے۔

● آذرِ احساس کی اصنام گری.....!

بات بلیک پول کی ہو رہی تھی کہ کالا ''بلیک'' کی وجہ سے یہ مجھے پسند ہے اور بلیک کافی بھی ہو میں پلاسٹک کے ایک بلیک کپ میں سپ کر رہا تھا۔ صبح صبح کا وقت' گیلی گیلی ریت' تازہ تازہ ہوا جس میں سردی کی ہلکی سی سنسناہٹ بھی شامل تھی' اس وقت بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ کافی کا آخری گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے میں اب مشرق کی جانب بڑھ گیا۔ سمندر کے پس منظر میں سُرخی آمیز اُجالا اُبھر رہا تھا۔ یونہی چلتا چلتا اب میں کافی آگے نکل آیا تھا' اس سے پیشتر میں یہاں تک کبھی نہیں آیا تھا کیونکہ آگے

ساحل قدرے خم کھا کر شمال کی جانب مڑ جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی چٹانیں اچھڑ یعنی مخروط ساحل میرے پیچھے رہ گیا تھا۔ نرم نرم گیلی گیلی ریت سے لطف اندوز ہوتا ہوا آگے بڑھا تو بائیں جانب بڑی سی غار دار چٹانوں کی دیوار نظر پڑی۔ ذرا اور آگے جا کر معلوم ہوا کہ یہ تو جیپ پول کا کاروان کیمپ ہے۔ میں شاید کہیں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یورپ امریکہ وغیرہ میں لوگوں کے اپنے ذاتی چلتے پھرتے گھر یعنی کاروان ہوتے ہیں۔ ویک اینڈ یا سالانہ چھٹیوں میں لوگ اپنے کاروان گاڑیوں کے پیچھے لگا کر ہالیڈے سپاٹ پہ پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں دل چاہا وہیں ڈیرہ جما لیا۔ اس کاروان میں بیٹھنے کھانے پینے باتھ لیٹرین بیڈ روم ہر قسم کی سہولت موجود ہوتی ہے۔ بجلی کے لئے سٹینڈ بائی جنریٹر پانی کی ٹنکیاں کیمپ پہ چلنے والا فریج وغیرہ ان کاروانوں کے لئے ایک علیحدہ گاؤں بنا ہوتا ہے اسے کاروان ویلج کہتے ہیں۔ لوگ یہاں اپنے کاروان چھوڑ کر سیر تفریح کے لئے نکل جاتے ہیں رات کو یہاں آ کر سو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ ہالیڈے کے دنوں میں ہوٹلوں کے اخراجات سے محفوظ رہتے ہیں۔

یہ بھی ایک کاروان ویلج تھا جو کافی بڑی جگہ گھیرے ہوئے تھا۔ میں دور سے اسے نظروں سے ٹٹولتا ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ اب صبح کا اجالا بھی نکھر آیا تھا۔ اب میں صحیح طور پر سمندر کے کنارے آباد شہروں میں ایک بڑی مصیبت یعنی مکھی بھی ہوتی ہے۔ صبح صبح اس کی ٹولی بھنبھناتے ہوئے سامنے چند قدم بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ خلاف توقع یہاں آج صبح ڈھنڈ کا نام و نشان تک نہ تھا ورنہ شاید میں اتنی دور تک یوں ہی منہ اٹھائے چلا نہ آتا۔ جب کاروان ویلج اچانک سامنے رہ گیا اور سمندر کے مشرقی حصہ میں سورج کے طلوع کی آگ بھی شروع ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ بائیں جانب ایک اور کاروان ویلج شروع ہو گیا ہے مگر یہ پہلے والے کے برعکس کچھ غیر منظم اور صرف چند درجن کاروانوں پہ مشتمل تھا اور یہ کاروان موٹر گاڑیوں کے پیچھے باندھنے والے نہیں تھے بلکہ یہ چار پہیوں اور آگے گھوڑے جوتنے والے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی میری دلچسپی دوچند ہو گئی میں سمندر چھوڑ کر ذرا کنارے کی جانب کھسک آیا تاکہ ذرا قریب سے انہیں دیکھوں۔

یہ جپسیوں یعنی یورپین خانہ بدوشوں کے کاروان تھے۔ صدیوں سے ان چلتے ہوئے کاروانوں پہ چلنے والے یہ لوگ بڑے پراسرار جفاکش آزاد منش اور قدرتی سے ہوتے ہیں۔ مرد اتنے گرانڈیل تنومند مشقتی اور خطرناک ہوتے ہیں جبکہ عورتیں بلا کی تیز طرار چلبلی مضبوط اور خطرے کی حد تک خوبصورت ہوتی ہیں۔ خوبصورتی تو شہروں یعنی متمدن مہذب معاشرے میں رہنے والوں میں بھی ہوتی ہے مگر ان خانہ بدوشوں کے مقابلے میں ان کی خوبصورتی بڑی مصنوعی اور غیر فطری سی ہوتی ہے جو

سامان زیبائش توجہ اور آلات وقت کی محتاج ہوتی ہے۔ یہ خانہ بدوش دوشیزائیں تو وہ اسپرائیں ہوتی ہیں جو کسی بھی آرائش کی محتاج نہیں ہوتیں۔ یہ جنگلی گلابوں' دلدلوں کے کنولوں' گھپاؤں کی جھاڑیوں کی ہیر بہوٹیوں اور سربالیں لالے کی مانند رنگ شباب بکھیرتی ہیں۔ ان پاتونا گنوں کو ان کے پھیرے ہی قابو میں رکھ سکتے ہیں' یہ اپنے قبیلے میں ہی ڈھکی چھپی رہیں تو چند دن سکون رہتا ہے اور جو باہر نکل آئیں تو ان کے حسن جہاں سوز سے اک جہاں جھلس کر رہ جاتے۔ یہ چھپی دوشیزائیں بہت کم اپنی حدود سے باہر نکلتی ہیں۔ پاک و ہند کے خانہ بدوش جنگلوں' گلیوں' سانسیوں' مصلیوں" کے برعکس ان کے مردان کے لئے کما کر لاتے ہیں۔ ان دوشیزاؤں کی صرف تین دلچسپیاں ہوتی ہیں۔ اپنے مرد کو لبھانا' پرچانا' موسیقی سے دل بہلانا اور اپنے کاروان کو نت نئے انداز میں جاتے سنوارتے رہنا اور اس کے ساتھ ہی ان میں تین زبردست قسم کی خامیاں بھی ہوتی ہیں۔ ہر وقت اپنے آپ سے بے نیاز یعنی نہائے دھوئے صفائی ستھرائی اور پہننے سے بیزار رہنا' چہرہ ہونٹوں پہ پپڑیاں جمی ہوتی ہیں' کپڑوں میں جوئیں' دنیا بھر کا کاٹھ کباڑ الجھا ہوا ہے۔ آنکھوں میں بیچ بھری ہوتی ہے۔ گریبان پھٹ کر ناف تک اترا ہوا ہے۔ لاکھ لاکھ دار کا ایک ایک انگ تنگ صفائی مانگ رہا ہے۔ موتیوں کے یاقوت ہے قیمتی ہے ڈھنڈ ڈھنڈ ہو رہے ہیں۔ دوسرے لمحہ پہ یہ دوشیزائیں پٹاری دار کھلی ہوتی ہیں اور سوائے منی کریٹ' کنکر پتھر' یہ ہر رینگنے اڑنے' اچھلنے اور چلنے والی چیز ہڑپ کر جاتی ہیں۔ سانپ کرلے بچھو' مینڈک' چوہے' خرگوش' کتوں کے بچے' مگرمچھوں کے بچے' گدھ' شکرے' اژدھوں کی بوٹی تو ان کی من پسند غذا ہے۔ چھپکلیوں کا تکا تک اور مکڑیوں کی یخنی' الغرض جو چیز سامنے یا ادھر ادھر نظر آئی' یہ اسے منہ میں ٹھونس کر جاتیں ہیں اور یہی ان کی ملکوتی خوبصورتی کا راز بھی ہے۔ تیسری ان کی کمزوری لڑنا بھڑنا ہے۔ ضروری امر ہے کہ جو ایسے ایسے "دنا مزے بھرپور" غذائیں کھائے گا پھر اسے وہ ہضم بھی تو کرے گا لہٰذا وہ آپس میں خوب لڑتی مرتی ہیں اور کہیں ادھر ادھر لڑنے مرنے کا چانس نہ ملے تو وہ ضرور اپنے خاوند سے ہی محاذ آرائی شروع کر دیتی ہیں کہ تم آج کل موٹے کیوں ہوتے جا رہے ہو' تمہاری ابھی عقل داڑھ کیوں نہیں نکلی۔ اس مہینے تم نے معمول کے مطابق میری ٹھکائی کیوں نہیں کی' اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اب مجھ سے پہلی سی محبت نہیں رہی یا تم نے اس دفعہ میری ڈھلائی کرتے ہوئے میرے بالوں سے پکڑ کر نہیں گھسیٹا' میری پسلیوں پہ ٹھوکریں صرف دو ہی ماری ہیں تو کیوں.....؟

میں ایک قدرے اونچے سے پتھر پہ کھڑا ان کے کاروان دیکھ رہا تھا۔ ان کا ایک ایک کاروان اپنی جگہ پہ ایک عجائب گھر ہوتا ہے۔ ہر کاروان اک دوسرے سے مختلف ہوگا' مختلف سے مراد ہے کہ اس

کی آرائش مختلف ہوگی۔ ہر کاروان کا اپنا اپنا نام ہوگا۔ کوئی نالہ صحرائی ہے تو کوئی گل یاسمن' تھی تو کوئی روز ویلٹ ہے۔ نیاگرا فال تو کوئی ڈریم آف سٹریم ہے۔ بلیو سنار' ہاف مون' پیکولر' نوٹ اور بلیک کیٹ' ہاؤس آف میلوڈی' کوئین آف میلوڈی' ڈریکولا ہاؤس' تاج محل وغیرہ وغیرہ۔ ہر کاروان کے آگے ماتھے پہ سینگ ٹھکا ہوا ضرور ہوگا۔ بارہ سنگھا' دو سنگھا' نیل کے سیدھے ترچھے سینگ مع آدھی کھوپڑی۔ گینڈے کا ٹھوس سینگ' ہاتھی کے دانت بھی دیکھے۔ مینڈھے کے سینگ' مگرمچھ' سمندری ہاتھی' ڈیل' ہانڈل کے خطرناک دانت' کسی کتے کی کھوپڑی ..... یہ بڑے توہم پرست اور پراگندہ باطن لوگ ہوتے ہیں' قدم قدم پہ شگون اور فال نکالنا ان کے معمولات میں ہے۔ بلا کے کھڑ سوار' چوکنے اور متعصب بھی ہوتے ہیں۔ اپنے قبیلوں کے علاوہ کہیں اور شادی بیاہ نہیں کرتے۔ ان کی عورتیں بھی اگر کہیں نکاح کر رہی ہیں تو وہ صرف پیسے کھینچنے کی خاطر۔ اپنے ہاں کے خانہ بدوشوں کی طرح ان کے مرد بھی عورتوں کو اجازت دیتے ہیں کہ اگر کوئی مشکل کا پکا گانٹھ کا ڈھیلا پھنس جائے تو جانے مت دو۔ عزت' عصمت' غیرت وغیرہ کے الفاظ یہ نہیں جانتے۔

دور سے مجھے گھوڑا ہنکانے کی آواز سی آئی' ہوا کے اوپر باگ گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا میری جانب آ رہا تھا۔ باگ گھوڑا ہوتا ہے جو دیا دور کاروان کے آگے جوتنے کے کام آتا ہے۔ بلند قامت' مضبوط جسم و اعصاب والے اس گھوڑے کے پاؤں بڑے بڑے اور مضبوط ہوتے ہیں' ٹخنے کے اوپر بالوں کی جھالر سی ہوتی ہے۔ گھڑ سواری کے لئے یہ کوئی موزوں نہیں ہوتے' تاہم ورزش کے لئے کبھی کبھار انہیں سرپٹ دوڑا لیا جاتا ہے..... سوار چوٹی نظر پڑتے ہی مجھے دو تین زبردست قسم کے جھٹکے لگے' میرے اندر جیسے سائرن بجنے شروع ہو گئے اور میں خوب جانتا تھا کہ یہ خطرے کے سائرن کب بجتے ہیں؟ ..... وہ ایک خوبصورت سی لڑکی تھی' چھبی لڑکی! لمبی سی فرغل پہنے' جھکتے ہوئے قوسیں شانوں پہ جھولتے ہوئے سنہری گیسو' تنی ہوئی گردن پہ آڑھی کاٹ دار ٹھوڑی کے اوپر ننھا سا دہانہ' نہ ہونے کے برابر ناک کے اوپر دو وحشی سی آنکھیں' کھلے گریبان سے نیم جھانکتا ہوا آفتاب شباب ..... اک قیامت تھی جو میرے سر پر کھڑی تھی۔

مرد تو مرد ہوتا ہے۔ فقیر ہو یا وزیر ہو' شاہ یا درویش' سیدھا یا تیکھی' بوڑھا' جوان یا بچہ' مردپن تو سب میں مشترک ہوتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ اپنی نظروں کی حفاظت بھی عبادت ہے' اسے جھکا کر رکھا کرو۔ نظریں ملانا یا اٹھا کر رکھنا خشونت' تکبر' جہالت اور بے ادبی کی ذیل میں آتا ہے مگر میرے جیسے چاروں کھونٹ کے کیت کے لئے تو اٹھانا' جھکانا سب برابر ہے۔ میں دیکھوں یا نہ دیکھوں' سب کچھ دکھائی دیتا ہے اور ضروری نہیں کہ انسان محض آنکھوں سے ہی دیکھے۔ لوں لوں' روم روم سے بھی نظر آتا ہے۔ اپنے

دھیانے سر جھوڑے نگاہیں جھکائے چپ چاپ قدموں سے بازار میں گزرنے والی لڑکی یا عورت (جسے اگر دیکھا جا سکتا ہو) خوب جانتی ہے کہ اسے کون کون کہاں کہاں سے اور کس کس نیت سے دیکھ رہا ہے۔ کسی محفل کسی اس کسی بھی جگہ جہاں کچھ اپنے پرائے بیٹھے ہوں وہاں بیٹھی ہوئی وہ شیزہ یا عورت لڑکی ہر کسی بھی ٹھہری ہوئی آنکھ کو محسوس کر رہی ہوتی ہے۔ ہر نظر کا پیغام بھی اس کے پاس پہنچا ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے کام گفتگو اور دھیان میں مگن ہوتی ہے۔ وہ تو اس بھی کہاں بچتے بچاتے چوری چھپے دیکھنے والی آنکھ کو بھی جانتی پہچانتی ہے جو بڑی ہوشیاری چالاکی سے اسے جانچ رہی ہوتی ہے۔ میں نے اسے دور سے آتے تو ضرور دیکھا مگر اب سر پہ کھڑی کو میں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ خواہ مخواہ صبح صبح بدمزگی ہو جائے گی۔

"ہلو مارننگ ٹیک کیئر" میں نے بڑی مشکل سے بھول کی۔

"ہلو مارننگ" ادھر سے بھی جواب آں غزل آیا وہ پھر بولی۔ "ہاؤ ڈیئر....."

اب میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"او یس ویری نائس ویدر ٹوڈے۔ تم یقیناً ادھر رہتی ہو گی؟" میں نے ادھر کاروانوں کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔

وہ چھلانگ لگا کر گھوڑے سے اتر آئی اور بالکل میرے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں ہم ادھر ہی رہتے ہیں..... اور تم؟"

"میں تو ابھی ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آیا ہوں صبح خیزی کے لئے ابھی کچھ دیر بعد واپس چلا جاؤں گا..... میں ادھر پارک شائر میں رہتا ہوں....."

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے سراپے کی جانب غور سے دیکھا۔ لمبی فرغل میں وہ کچھ یوں لگ رہی تھی جیسے چنگیز خان کے لشکر سے بچھڑ کر یہ معلوم کرتی پھرتی ہو کہ بھڑکتی آتش کا سیل رواں کہیں جاتے دیکھا ہو؟ مشکل سے پندرہ سولہ کا سن ہو گا۔ ایسا سنہری رنگ جیسے بچپن میں شگوفے اور اب جوانی میں سونا چمکتی رہتی ہو ویسی ہی رنگت کے الجھے ہوئے بے ترتیب بال جنہیں اس نے شاید اب تک روغن زیتون اور آئل لیمن لنگ کی شہد میں ڈبو کر رکھا ہوا تھا۔ چہرے پہ اک بل آویز سا بھولپن رخساروں کے سنہری غبار میں باریک باریک گلابی رنگت تل جیسے پکے ہوئے پھوٹنے پہ آمادہ لال گلابی قندھاری انار پہ ننھے ننھے چھاپ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ابھرے ابھرے بھرے بھرے رس بھریوں سے ہونٹ۔ میں نے اس خوف سے نگاہیں ہٹا لیں کہ کہیں گستاخ نگاہی سے رس بھریاں پھوٹ ہی نہ پڑیں

اور وہ گھوڑے کو پچکارتے ہوئے ساحل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتانے لگی۔

''میں ادھر کراس پوائنٹ پہ تازہ اخرابری کی بنی ہوئی آئس کریم کے مشہور پارلر کے سامنے کرائے پہ گھوڑے گدھے پر سواری کراتی ہوں سیر کرنا چاہو تو آ جانا'' پھر وہ اچک کر گھوڑے پہ بیٹھ کر کہنے لگی۔ ''ضرور آنا میں تمہارا انتظار کروں گی.....''

میں اسے ادھر گھوڑے پہ اڑتے ہوئے جاتے دیکھ رہا تھا جدھر سے میں آیا تھا۔ تب میرے ذہن میں زرد کھڑیوں اور اخرابریوں نے عجیب سیلا سا منظر بکھرا سا اور بکھر دیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ وحشی ہرنی یقیناً انہی کاروانوں کے کسی بھٹ میں رہتی ہوگی۔ سورج نے اپنی سنہری کرنوں کی جھالر میں سے ہلکا سا گلابی رنگ نکال لیا تھا۔ اب میں پھر ایک بار کاروانوں کی جانب متوجہ ہوا۔ رنگ برنگے کاروان کسی طریق سلیقے ترتیب کے بغیر ہی تھوڑے تھوڑے فاصلے پہ کھڑے تھے لیکن سب کے رخ سمندر کی طرف ہی تھے۔ ادھر سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ابھی تک ان کے پالتو چوکیداروں کی نگاہ تلاش میں نہیں آیا تھا ورنہ میرا دو سوا گت ہوتا کہ مجھے ادھر سے بھاگنے ہی نہ دیتے۔ پتھر [illegible] جو کچھ سامنے [illegible] تھا [illegible] اب [illegible] کے لئے ہو لیا۔ میرے پیچھے چلتے سورج کی کرنیں مجھے آگے کی جانب دھکیل رہی تھیں جدھر وہ پری تمثال فرخندہ جمال اڑی جا رہی تھی۔ گیلی ریت پہ میرے ادھر آنے کے نشان ہنوز برقرار تھے اب میں ان ہی نشانوں پہ قدم دھرتا ہوا واپس جا رہا تھا۔ اپنی ترنگ اور اپنے رنگ میں بیٹھے میں کبھی ریل کی پٹڑی پہ چلا کرتا تھا یا مجھے جب کسی ہوئی تار پہ چلنے کا شوق چرایا تھا.....

ہوا یوں کہ ایک دوپہر بابا جی کے قدموں میں خاک سے بنے ہوئے پڑے تھے فضا اور ماحول میں بڑی اداسی اور سنجیدگی در آئی ہوئی تھی۔ بابا جی اس وقت نیم مراقبہ کی حالت میں تھے ویسے بھی یہ وقت بابا جی کے قیلولے کا ہوتا تھا۔ ہم دو چار حاضر بیٹھے دم سادھے ہوئے تھے کہ کہیں کھل کر سانس لینے سے بابا جی کی خلوت یا آرام میں خلل نہ پڑ جائے۔ پچھلے دنوں مجھ سے ایک دو غلطیاں سرزد ہو چکی تھیں۔ میں اندر ہی اندر چھپا ڈرا سہما بیٹھا تھا کہ دیکھیں کب پیشی پڑتی ہے اور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کبھی موقع یا خلوت نصیب ہوئی تو بابا جی سے عرض کروں گا کہ یہ ناروا پیشی دنیاداری کے ساتھ کس طرح نبھائی جا سکتی ہے؟ دو متضاد سمتوں میں بیک وقت سفر کرنا ایک کمزور انسان کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ کیچڑ اور غلاظت بھرے بازار سے گزرنا بھی ہے لیکن دامن پر چھینٹ نہ پڑے جسم بھی پلید نہ ہو اور جبیں پہ شکن بھی نہ آئے۔ یہی کچھ سوچ سوچ کر اپنے ذہن میں سوالنامے کو ترتیب دے رہا تھا کہ بابا جی پشت پہ تکیے کی ٹیک

چھوڑ کر ذرا آگے کو ہوئے' پانی طلب فرماتے ہوئے مجھ سے فرمانے لگے کہ تم نے کبھی نٹوں اور بازیگروں کا ایسا تماشا دیکھا ہوگا جس میں تنی تار پہ چھوٹا سا ٹرک یا ننھی سی ٹنکی چلتے ہیں اور پھر ایک پہیہ والی سائیکل بھی چلاتے ہیں؟ ... میں نے ادب سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں بازی گروں کے ایسے بہت کھیل تماشے اور سرکس میں بھی تنی تار پہ چلنے والے کرتب اکثر دیکھے ہیں۔ بعض تو آنکھوں پہ پٹی باندھے ہوئے' بچے احتیاطی جال کے بغیر بھی لمبی تار پہ ایک لمبا فاصلہ طے کرتے ہیں.....!"

باباجی نے ایک نظر میری جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"شاباش' تم نے بالکل ٹھیک کہا ... اتنی باریک تار پار کرنا تو کجا' انسان اتنی بلندی پہ دو فٹ چوڑے راستے پر بھی نہیں چل سکتا۔ ایسا کرنا صرف مشق' اپنا توازن بحال رکھنے کے اعتماد اور دوسری جانب سلامتی سے پار لگنے کے یقین سے ہی ممکن ہوتا ہے اور یہ مشق' یہ اعتماد اور یہ یقین ان کے اُستاد پیدا کرواتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مت دیکھو کہ تمہارے پاؤں تلے کتنی باریک تار ہے۔ تمہارے پاؤں اپنا رستہ اور جگہ خود بنائیں گے۔ تم صرف اپنے توازن اور جہاں تم نے پہنچنا ہے' وہاں پہ توجہ اور نظر رکھو۔ جونہی محسوس کرو تم ایک طرف جھک رہے ہو' فوراً دائیں جانب جھکنے سے توازن برقرار کرو۔ ایک قدم آگے بڑھا کر توازن برقرار کرلو لیکن نارکٹ سے نگاہ نہ ہٹے ورنہ جھکنے والی جانب دھڑام سے گر جاؤ گے۔ بس ایسے ہی جھکتے' سنبھلتے' ایک ایک پگ آگے بڑھاتے اپنی منزل تک پہنچ جاؤ گے۔ اس سارے کام میں مشق' سانس کا کنٹرول' اعتماد و یقین کی اصلی اور اپنے توازن پہ قابو بڑا اہم ہوتا ہے ... تنی ہوئی تار زندگی ہے' بلندی آزمائش ہے۔ دائیں دین ہے' بائیں دُنیا' سامنے آخرت اور سکھانے والا اُستاد مرشد' رہبر یا بابا' اسے تم کوئی بھی نام دے سکتے ہو۔ بس اتنا یاد رکھو کہ تم نے اپنی منزل پہ ایمان اور جان کی سلامتی کے ساتھ پہنچنا ہے۔ دائیں بائیں جھکنے پھکنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ... چھوٹی موٹی غلطی کوتاہی سرزد ہو جائے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی' بس اگلا قدم بڑھاتے ہوئے اپنے توازن کو درست کرنا ضروری ہوتا ہے۔"

میرے گال پہ ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے وہ اُٹھے اور قیلولہ کے لئے اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ بس وہ دن' میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میں نے اب ہر صورت تنی تار پہ چلنا سیکھنا ہے۔ وہ باجی نے تو محض تنی تار کا استعارہ استعمال کیا تھا' اصلی بات تو انہوں نے دین و دُنیا کو ساتھ لے کر یقین' ایمان و جان کی سلامتی کے ساتھ آگے بڑھنا' یعنی عاقبت سنوارنے کی بتائی تھی مگر میں نے حقیقت سے پہلے مجاز کی تنی تار پہ چڑھنے کی ٹھان لی تھی۔ جس دم' ساکت نظری' تخیل بندی' ارتکاز خیالی' پیغام رسانی'

تحلیل نفسی وغیرہ اور بھی بے شمار عمل عوامل ہیں جنہیں اگر انسان سیکھنا چاہے تو کئی جنم درکار ہوں مگر یہ تو جنونی اور ابنارمل لوگوں کے کام ہیں۔ دنیادار اور صحیح الحواس انسان کے لئے یہ محض تضیع اوقات کے علاوہ اور کچھ نہیں ... پہلے تو بیرے کی دیواروں پہ توازن قائم کیا۔ پھر ٹرین کی چلتی پہ گئی کئی میل دائیں بائیں بغیر گرے چلنا دوڑنا سیکھا۔ پھر دس فٹ بانس پہ چلنے پھر تیس فٹ پہ پریکٹس کی اور آخر ہم نے گرتے پڑتے رسّے' تار پہ چلنا سیکھ ہی لیا۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ ہم نے ایک مکان سے دوسرے مکان' نیچے چلتا ہوا ٹریفک کا ڈیاں' بجلی کی تاریں صرف قلم یا کنکے' چانپوں کی شرط بدلا کر تار پہ عبور کئے۔ سیالکوٹ سے سمبڑیال جاتے ہوئے محض پریکٹس کے لئے ریلوے کے ٹیلیگراف کے کھمبوں کے اوپر چڑھ جاتے' کئی کئی کھمبے اوپر دوڑتے رہتے۔ دوست یار بھی ساتھ ہوتے' وہ نیچے کھیتوں میں کسانوں کو ہماری بازی گری سے متاثر کر کے گونگو موچیاں کا جوتیں اور لگے بلاتے رہتے۔

میں اب یہاں ساحل پہ بھی اسی پریکٹس کے تحت اپنے ہی الٹے قدموں پہ سیدھے قدم رکھتا ہوا واپس جا رہا تھا۔ ٹھنڈی میں گنتی کے چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ اک دم جیسے مجھے ایمرجنسی بریک لگ گئے' میں اپنے قدموں پہ کھڑا آگے پیچھے دائیں بائیں ریت پہ کچھ تلاش کر رہا تھا۔ ابھی چھلاوہ سی لڑکی تلے ہاک گھوڑے کے [illegible] گھوڑا دوڑاتے ہوئے گئی تھی مگر اب گھوڑے کے کسی قدم کا نشان وہاں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اپنا وہم دور کرنے کی غرض سے دائیں بائیں ادھر ادھر بہت دور تک گیا مگر وہاں صرف گھونگوں' سیپ' آبی کیکڑوں' کیڑوں یا پھر میرے آنے اور جانے کے علاوہ گھوڑا تو گھوڑا' کسی پرندے کے پنجے کا بھی نشان موجود نہیں تھا۔

رات کو سمندر کنارے تک پھیل جاتا ہے اور صبح دم ہٹ جاتا ہے ساحل کی ریت ہموار ہوتی ہے۔ گیلی گیلی یکساں ریت' پڑنے والے ہر نشان کو دیر تک محفوظ رکھتی ہے اور یہاں صرف پانچ دس منٹ بعد گھوڑے کے پاؤں کے نشان یوں غائب تھے جیسے وہ زمین پہ قدم دھر کر نہیں' ہلوور کرافٹ کی طرح دو چار فٹ اونچا اڑ کر گیا ہو ... سورج اب قدرے اوپر اٹھ آیا تھا اور مجھے اس پراسرار لڑکی کے وہ الفاظ یاد آ رہے تھے کہ میں ادھر آ کس کریم پارلر کے سامنے کرائے کے گھوڑے' گدھوں پہ سواری کراتی ہوں۔ سیر کرنی ہو تو آ جانا' میں تمہارا انتظار کروں گی ... میں مسکرا دیا کہ مجھے ایسے گھوڑے' گدھوں پہ سواری کرائے گی جن کے سموں کے نشان زمین پہ نہیں پڑتے؟ ... میں نے اب پہلے شیڈول کے مطابق کہ بس ذرا ہوا خوری کے بعد واپس آ جاؤں گا' اپنا واپسی کا پروگرام ذرا موخر کر دیا کہ چلو جہاں سو من افیم وہاں سوا من اور سہی' اب تو گھڑیا گدھا سواری کے بعد ہی واپس جائیں گے' وہ بھی اگر گدھے گھوڑے کے سم

UrduPhoto.com

زمین پہ ٹک گئے تو ورنہ دیکھیں گے کہ یہ کیسے گھوڑے گدھے ہیں جن کے ملوور کرافٹ میں روٹر رائس کا انجن فٹ ہے جو ان کے پاؤں زمین پہ ٹکنے نہیں دیتا۔

بلیک پول اب دھیرے دھیرے جاگ رہا تھا۔ ساحل کی جانب بہت سے لوگ آ رہے تھے۔ میں مزے سے آہستہ آہستہ چلتا ہوا ناور تک آ گیا۔ ناور کے نیچے ایک خوبصورت سے کافی بار سے ڈٹ کر ناشتہ کیا اور پھر اخبار بغل میں داب کر سمندر رخ ایک بنچ پہ آ کر بیٹھ گیا۔ دس پندرہ منٹ بعد میں نے ہلکی سی نسنی محسوس کی یعنی نیند اور تھکاوٹ اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ اس سے پیشتر کہ زبردستی آنکھیں بند ہو جاتیں اور میں اسی بنچ پہ کہیں سو پڑ جاتا فوراً اٹھا اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ آ کر لیٹ گیا۔ جب تھکاوٹ اور نیند کی بھرمار سے انسان نیند کی گود میں پہنچ جاتا ہے تو اسے جگانے والا کوئی نہیں ہوتا تب وہ اسی وقت جاتا ہے جب اگلی پچھلی ساری نیندوں کی سرپرائی ہو جاتی ہے۔ میرے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ جب آنکھ کھلی تو سورج نصف النہار پہ پہنچ چکا تھا۔ گھڑی پہ وقت دیکھا تو دو بجا رہی تھی یعنی ظہر کی نماز میں پندرہ بیس منٹ باقی تھے۔ گاڑی دبائی اور پانچ چھ منٹ میں مسجد پہنچ گیا۔ اس زمانے میں بلیک پول میں ایک پاکستانی ریسٹورنٹ کے نہایت ہی دیانتدار مالک نے اپنے ریستوران کے ایک حصے کو مسجد کی شکل دے رکھی تھی۔ [illegible] ہوئی [illegible] ہوئی [illegible] بنائی [illegible] چلو الحمدللہ! مسجد برائے نام اور نماز پڑھنے والے بھی بنائی ہی تھی۔ مسلمان تو ہیں یہی کافی ہے۔ اسی بنگالی کے ریسٹورنٹ سے کھانا کھایا۔ میں نے پھر اسی جگہ گاڑی لا کر کھڑی کر دی۔

بازار مارکیٹیں ساحل اور تفریحی مراکز انسانوں سے بھر چکے تھے۔ سورج بھی آج خوب چمک رہا تھا اور سامنے سمندر بھی خوب جھلک کرتے ہوئے تھرکتے مچلتے سیماب کی طرح دیکھنے والوں کی نگاہوں کو چکاچوند کر رہا تھا۔ ساحلوں پہ ہوا میں تندی اور فضا میں خنکی سی ہوتی ہے جو بڑا مزہ دیتی ہے اور اگر ساتھ چمکتی دھوپ اور کھلا موسم بھی شامل ہو جائیں تو پھر سیر و تفریح کا لطف دوآتشہ نہیں بلکہ سہ آتشہ ہو جاتا ہے اور آج یہ سب کچھ تھا۔ میں گاڑی سے باہر نکل کر کافی دیر تک لوگوں کی چہل پہل اور موسم کی خوش سامانیوں سے محظوظ ہوتا رہا۔ پھر آنکھوں پہ سیاہ چشمہ اور سر پہ پی کیپ ڈال کر میں زیرو پوائنٹ آئس کریم پارلر کی جانب بڑھ گیا جو یہاں سے خاصے فاصلے پہ تھا۔

میں نے غور کیا کہ ہر گہری گپت سی چیز کے ساتھ گھوڑے گدھے کا کسی نہ کسی طور تعلق ضرور رہا ہے۔ اکثر پیغمبروں اماموں قطبوں اور غوثوں ولیوں کے تذکرہ احوال میں ان دونوں جانوروں کا بھی مناسب سا ذکر ملتا ہے۔ ان کے علاوہ مجاہدوں غازیوں درویشوں فقیروں صوفیوں اور مجذوبوں کی

UrduPhoto.com

بار برداری اور سواری میں بھی شامل رہے ہیں۔ اسی تعلق و مناسبت کے حوالے سے گھوڑے کو انتہائی زیرک، اعلیٰ و افضل چوپایہ اور گدھے بے چارے کو صابر و شاکر، محنتی اور جفاکش غریبوں محنت کشوں کا ساتھی سمجھا جاتا ہے۔ الہامی کتابیں انبیا کی جنگ و جدل کی تاریخ، حق و باطل کے معرکے، ایرانی، تورانی، رومی، آشوری، سامری، بابلی، ساسانی، آریائی، مصریوں، آریاؤں کے بعد ماضی قریب کے ہندو، دیومالائی، کلیسائی اور اسلامی تہذیبوں اور عروج و زوال میں گھوڑا نمایاں نظر آئے گا۔ معراج النبیؐ میں پیش ہونے والی سواری براق، جو گھوڑے سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی تھی وہ بھی ازقسم گھوڑا ہی تھی۔ جناب امیرؑ کا گھوڑا، اسی طرح بے شمار گھوڑے جیسے نیزہ اور سیزر کے گھوڑے، فریدوں، رستم و سہراب کے رخش، سکندر اعظم کا سفید لیپو، سلطان کا فرس، صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قاسم کے تاریخ ساز باوفا گھوڑے۔ ملکہ الزبتھ ثانی کے گھوڑے، آغا خان کے گھوڑے دنیا بھر میں نظیر والے زرداری کی ایک وجہ شہرت بھی گھوڑے ہی تھے۔ اسی طرح اور بے شمار گھوڑے مشہور ہوئے۔ بچ پچاڑا، بابا گورو نانک، گرو نیا امرداس، رام داس، ارجن دیو، ہرگوبند، ہرراے، ہرکرشن، تیج بہادر، گوبند سنگھ کے مقدس گھوڑے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے مشہور گھوڑی اور ریس جیت کر مونگ پھلی کھانے والے اور پاگل پا نظر آنے والے گھوڑے۔ اپنے مرزا جٹ بھی گھوڑی پہ سوار ہو کر ہی ظاہر ہوئے تھے۔ ہندوستان کے ایک فرمانروا نے بھاگتے ہوئے اپنا گھوڑا دریا میں اتار دیا تھا اور مرشد کو کہنا پڑا کہ

ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

خضر گھوڑے اور بسا اوقات یہ گھوڑے سرکار بہاؤالدین بخاری المعروف گھوڑے شاہ اور نخو سائیں اور ہم ایسے گدھے۔ ساری بڑیاں تڑوائیں، کھال ادھڑوائی مگر گھوڑا آئی گدھے کے گدھے ہی رہے۔

وہ طور شامل مجھے دور ہی سے گھوڑوں اور گدھوں کے جلو میں کھڑی نظر آ گئی مگر شاید اس نے مجھے مجھ سے بھی پہلے دیکھ لیا تھا کیونکہ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ مجھے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ بہرحال میں قریب آیا تو وہ بھی آگے بڑھتے ہوئے میرے پاس پہنچ گئی اور پہنچتے ہی بولی۔

"خوب سوئے، عبادت کی۔ فش کری، چپاتیاں اور دال چاول کھائے اور اب آئے ہو؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم نے سچ کہا اور سچ تمہارے منہ سے بھلا بھی لگتا ہے۔ لیکن اور خوب سچ کہو کہ ادھر انسانوں اور حیوانوں کے درمیان..... تم؟"

سُنی ان سُنی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''گھوڑے پہ بیٹھو گے یا گدھے پہ.....؟''

''جس کسی پہ بیٹھاؤ گی بیٹھ جاؤں گا مگر ''

''آگے کہو ...؟'' مجھے لکاوٹ سے گھورتے ہوئے بولی۔

''مگر اس جانور کے پاؤں کم از کم زمین پر پڑنے چاہئیں ہوا میں نہیں ...''

میں نے دیکھا کہ چار پانچ جیسی لڑکے اور کچھ لڑکیاں اور ایک آدھ بوڑھا بھی وہاں موجود تھے۔ یہ لڑکے اور لڑکیاں بھاڑا لے کر بوڑھے مرد کو تھما دیتے اور خود گھوڑے یا گدھے کی لگام پکڑ کر سوار کو ساحل کی سیر کروانے نکل جاتے۔ یہ اب بھاڑے پہ منحصر تھا کہ سیر مختصر ہے یا لمبی؟ ... اس زہرہ وش نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کسی اجنبی زبان میں ایک بوڑھے لڑکے سے کچھ کہا' وہ گیا اور گھوڑوں گدھوں میں سے ایک گھوڑا نکال کر لے آیا۔ عجیب چتکبرا سا گھوڑا تھا' دیکھنے میں تو گھوڑا ہی لگتا تھا مگر شاید وہ کچھ اس سے زیادہ بھی تھا۔ آنکھیں جیسے کوئی انسان دیکھ رہا ہو۔ تنومند ایسا کہ کوئی پیشہ ور پہلوان ہو۔ گھوڑے کے جسم بلکہ اس کی اپنی ایک مخصوص بو باس ہوتی ہے وہ بھی نہیں تھی۔ ایک جداگانہ سی خوشبو یا پھر بو ایسی کہ [illegible] بیٹھنے والی کا جی درست کر رہی تھی۔

''چلو اوپر بیٹھو ... میں تمہیں آج سیر کراؤں گی''۔

شاید یہ وہی گھوڑا تھا جس پہ وہ سواری کرتے ہوئے صبح صبح مجھے ملی تھی۔

''مجھے روایتی خانہ بدوشوں کے کاروان دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ ایسے گھر جو بیلوں کے ساتھ کہیں بھی مستقل ٹھکانہ نہیں کرتے' ان کے نیچے گول متحرک مضبوط پہیے زندگی کے مظہر ہیں۔ منظر اپنے' موسم اپنے' فضا اپنی' ہوا اپنی' خوشی اپنی' خواب اپنے ... پھیلی ہوئی زمین ان کا آنگن' کشادہ آسمان ان کی چھت' سورج ستارے ان کے روشن چراغ۔ مرغزاروں اور گلزاروں کی خوشبوئیں اور نکہتیں ان کا سنگھار۔ شفق ان کی سرخی' افق ان کا غازہ اور شب تار ان کی کاجلوں کی سیاہی ...''

جب میرے الفاظ ختم ہو گئے تو میں نے اس نابغہ خصائل کی جانب دیکھا۔ وہ تحسین و آفرین بھری نگاہوں سے مجھے گم صم سی دیکھ رہی تھی' بولی۔

''تم تو شاعری بھی کر لیتے ہو؟''

''ہاں' ماحول بن جائے تو بودا آدمی بھی شاعری کرنے لگتا ہے۔''

"چلو پاؤں رکھو اور اوپر بیٹھو۔"

"شکریہ ... مجھے گھوڑے پہ چڑھنا اور گدھے سے اترنا خوب آتا ہے۔"

وہ ٹھٹھا جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو میں اگلے سمے گھوڑے پہ سوار تھا۔ گھوڑا خود بخود اپنے لگے بندھے روٹ پہ چل نکلا۔ ساحل پہ ایسا اژدحام تھا کہ راستہ ڈھونڈنا مشکل پڑ رہا تھا' ایسے میں کون دیکھتا یا کیا نظر آتا کہ پاؤں کے نشان ریت پہ پڑ رہے ہیں یا نہیں؟ ... کچھ اور آگے نکلے تو میں نے اس سے کہا۔

"چاہو تو لگام مجھے دے سکتی ہو اور چاہو تو....."

ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ چشم زدن میں وہ میرے پیچھے گھوڑے کی چوڑی پیٹھ پہ لگامیں تھامے کھڑی تھی اور گھوڑے نے سرعت حساب سے رفتار چھوڑ دی تھی۔ آپ نے سرکس میں گھوڑے کی پیٹھ پہ کھڑی لیڈی دیکھی ہوگی' گھوڑا سرپٹ بھاگ رہا ہوتا ہے اور وہ بازو پھیلائے بڑے آرام و اعتماد سے کھڑی ہوتی ہے۔ یہ سارا پرفیکٹ بیلنس اور خود اعتمادی کا کھیل ہے لیکن یہ سمندر کا ساحل تھا' کسی سرکس کا پنڈال نہیں تھا جو وہ ایسے کرتب دکھاتی مگر یہ ایسی سرعت اور نظر بندی سے ہوا کہ مجھے آنکھوں آنکھ کچھ دکھائی اور سجھائی نہ دیا [illegible] اپنے کاندھوں کی طرف تھا۔

مجھے سری نگر کی ڈل میں کھڑے' بہتے ہوئے' لہریے لیتے ہوئے راج ہنسوں کی مانند کروٹیں اٹھاتے وہ شکارے بھی یاد آ گئے جو کسی محنت کش' غریب' خستہ حال کشمیری کی جھونپڑی بھی ہیں۔ کسی کا مکان' گھر' کوٹھی' بنگلہ' بنگلہ' دور محل بھی ہیں۔ تھری' فور' فائیو سٹار ہوٹل' ریسٹورنٹ' سنیک بار' فاسٹ فوڈ' آئس پارلر' کلب' کیسینو اور ٹینس کورٹ بھی ہیں۔ میلوں گہرے پانیوں کے سینے پہ تیرتے ہوئے یونانی اور پرانی تہذیب کی چوٹی تعمیراتی قدروں کے نادر نمونے دیکھ کر انسانی عقل ششدر رہ جاتی ہے۔ مجھے کئی بار سری نگر کی اس ڈل کے تیرتے ہوئے "فائیو سٹار ہوٹلوں" میں قیام کا اتفاق ہوا جو اکثر مغلوں کے بنائے نشاط باغ' شہر اور حضرت بل شریف کی درگاہ کے درمیان سفر کرتے رہتے ہیں۔ ان میں دنیا بھر کی تمام دستیاب سہولتیں موجود ہیں۔ ان کا ماحول بالکل وہی راجے مہاراجوں کے محلات جیسا ہی ہے۔ ویسی ہی خواب گاہیں' نشست گاہیں' طعام اور تفریح کرنے کے کمرے' راہداریاں' خدام' گردشیں' نشیمنیں' جھروکے' فوارے' حمام' مشاطہ گاہیں اور ویسے ہی مشاطائیں اور ویسے ہی کورنش بجاتے ہوئے خدام' کنیزیں' ماما کیں' گانے دار اور فراش وارولی۔ استقبالیہ لاؤنج کے ایک مخصوص حصے میں ان معزز مشہور زمانہ لوگوں کی تصاویر اور تعریفی سرٹیفکیٹ آویزاں ہیں جو ماضی میں یہاں فروکش ہوئیں۔ ان میں بڑے بڑے

ملکی و غیر ملکی سیاستدان، صنعتکار، فلمسٹار اور فلمی ہیروئن اور دیگر حاتی اور مذہبی ہستیاں شامل ہیں۔ انہی دل کے پانیوں سے دریائے تجسم نکلتا ہے۔ اب جب کبھی میں دریائے تجسم کے پل سے گزرتا ہوں تو سری نگر کی ڈل کے پانیوں، کشتیوں اور مکینوں کو سلام بھیجتا ہوں۔

آپ کو کافی سمجھا چکا ہوں، مناسب یہی ہے کہ اب ہم واپس وہیں چلتے ہیں جہاں تیج راستے احمد دینار اور کیشو علی کا کاروان کھڑا ہے۔ دراصل بات ہی کاروان سے شروع ہوئی تھی کہ کاروان کیا چیز ہے اور اس کی خانہ بدوشوں کی نظر میں کیا کچھ اہمیت ہوتی ہے۔ میری پریشانی یہ ہے کہ جب بات سے بات ختم لے لیتی ہے تو میں پھر اس نوزائیدہ بات کو لاوارث چھوڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا اور نہ ہی میں کسی نومولود معصوم کے ساتھ نظر اندازی کا ایسا ہارڈ اسٹوک ہوتا دیکھ سکتا ہوں۔ جب تک میری بات سے بات کا پیدا ہونے والا "بچہ" قدرے سنبھل نہیں جاتا میں پہلی والی بات کے قریب نہیں آتا، اسے میری مجبوری یا کمزوری سمجھ لیں۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی کہ احمد دینار اور کیشو علی ناشتے سے فارغ ہو کر اب کاروان کو تیج راستے سے ہٹا کر ذرا کنارے پر لانے کا جتن کرنے لگے تاکہ اگر کوئی گاڑی یا سواری ادھر سے گزرنا چاہے تو اسے کوئی پریشانی یا دقت نہ ہو۔ پہیوں کے نیچے کچھ اینٹیں رکھ کر کب کا سوکھ چکا تھا لیکن مسلسل کھڑے رہنے سے پہیے [illegible] بن گئے تھے۔ آگے پیچھے سے جانے لگانے کی بہت دیر تک کوشش میں ناکامی کے بعد وہ ہانپتے ہوئے اسی کے سائے میں بیٹھ گئے کہ یہ کام اکیلے ان دونوں کے بس کا نہیں تھا۔ تھوڑی دیر ستانے اور غور و خوض کے بعد احمد دینار کیشو علی کا بازو پکڑے اپنے مرحوم والد کی قبر پر آ کر بیٹھ گیا۔ جو کچھ دونوں کو آتا تھا اور یاد تھا پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی تقلید میں ہاتھ اٹھا کر اپنی والدہ اور والد کی مغفرت کی دعا مانگی، اپنے اللہ سے اس آزمائش سے سرخرو ہونے کی التجا کی۔ قدرے ہلکے پھلکے ہو کر وہ دونوں اٹھے گاڑی سے پہیے نکال کر پہلے کسی طرح گڑھا کھود کر مردہ بیل کو ٹھکانے لگایا، پھر کاروان کے پہیوں کے نیچے سے پھنسی ہوئی مٹی نکالنی شروع کی۔ کچھ دیر کے بعد انہیں اپنے سیدھے رخ سے کچھ آوازیں اور اترتے ہوئے پرندے دکھائی دیئے۔ وہ ہاتھ روک کر ذرا آگے بڑھتے ہوئے دیکھنے لگے کہ کون ہے جو اس چھوٹے ہوئے راستے پر چلا آ رہا ہے؟ وہ کچھ مزید آگے بڑھ آئے جب دونوں اطراف درمیانی فاصلہ کم ہوا تو دونوں مشکوک الحال مسافروں نے حیرت سے دیکھا کہ پاؤں سوار ایک خوبصورت سی نوجوان بیلوں کی جوڑی اپنے درمیان رکھے ہوئے بڑی سرعت سے ان کی جانب بڑھتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ فرط جذبات سے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں کہ آخر اللہ کریم نے ان بیچاروں آفت زدوں کی فریادوں

UrduPhoto.com

کو سن لیا تھا۔

آنے والوں نے مسکراتے چہروں اور نہایت پروقار انداز سے بیان کیا کہ ہم یہاں سے اک خاصے فاصلے پہ تلمیذ بوک کی جاگیر کے فرستادے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی خودمختار جاگیر ہے اور جس جگہ آپ ابھی کھڑے ہیں یہ علاقہ بھی اسی جاگیر کا حصہ ہے۔ اس جاگیر کے بلند مرتبت جاگیردار فرمنگس بوک نے آپ کے لئے یہ تازہ دم بیلوں کی جوڑی اور ناشتے کے لئے توشہ بھیجا ہے اور ہمیں پابند کیا ہے کہ ہم آپ کو باسہولت ان کی بارگاہ تک پہنچائیں۔ پیغام دینے والا توشہ دان ان کی جانب بڑھاتے ہوئے مزید کہنے لگا کہ میرا نام فوریکھ لی ہے میں اس چارزکی دستے کا کمانڈر ہوں۔ آپ ناشتے سے فارغ ہوں اتنے میں ہم کاروان کو دیکھتے ہیں۔ توشہ دان تھام کر وہ دونوں ایک کنارے پہ بیٹھ گئے۔ گرم گرم تھے اور بھنے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو نے انہیں بے صبرا سا کر دیا تھا۔

کئی دنوں کی مسلسل فاقہ مستی کے بعد آج یہ پرتکلف توشہ نصیب ہوا تھا۔ چمڑے اور نمدے کے توشہ دان میں کھانا ایسا گرم تھا جیسے ابھی ابھی چولہے سے اترا ہو۔ اس سے پہلے کہ منہ میں رکھتے وہ لقمہ اٹھائے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے کہ حلال ہے یا حرام کھا لیں یا نہ کھائیں؟ فوراً ہی اسی شخص نے کاروان کے آگے بیٹھے ہوئے کہا۔

"آپ اطمینان سے ناشتہ کریں اس طعام میں کوئی ایسی چیز شامل نہیں ہے جو بحیثیت مسلمان آپ نہ کھا سکیں....."

پھر تو وہ کھانے پہ جیسے ٹوٹ پڑے۔ ایسا لذیذ کھانا کئی دنوں بعد جو نصیب ہوا..... خوب پیٹ بھرنے کے باوجود بھی توشہ دان میں ابھی بہت سا طعام موجود تھا۔ فراغت کے بعد وہ بھی ان مہربانوں کے ساتھ کاروان کو پیچھے سے نکالنے پہ جت گئے۔ خاصی تگ و دو کے بعد وہ ان کے ساتھ معلوم منزل کی جانب روانہ ہو لیے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے موسم اور اردگرد کا ماحول خوبصورت ہوتا جا رہا تھا۔ سرسبز فصلوں، پھلوں، سبزیوں سے بھرے ہوئے کھیت، درختوں کے ذخیرے، دیہاتی طرز کے کشادہ کشادہ خوبصورت مکان اور انہیں دیکھ دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھوں سے خوش آمدید کا اظہار کرتے ہوئے کشادہ جبیں، صحت مند لوگ، پھلوں سے لدے، مویشی چراتے۔ مزید آگے بڑھے تو ایک دم وہ جیسے کسی گنجان خوشحال سے قصبے میں پہنچ گئے ہوں۔ مختلف پیشہ ور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف نظر آئے۔ ہوا اور فضا میں سمندر کی مخصوص خوشبو اور نمی سے محسوس ہوتا تھا کہ سمندر کہیں بہت ہی نزدیک ہے۔ آگے آگے چار گھڑ سوار اور پیچھے پیچھے وہ کاروان پہ سوار پوری بستی سے گزر گئے مگر ابھی تک کہیں رکنے کی نوبت

UrduPhoto.com

نہیں آئی تھی۔ آگے پھر میدان اور کھیت سے آ گئے۔ دور ایک پکی سی چار دیواری کی اوٹ میں ایک چھوٹا سا مکان دکھائی دیا۔ یہ سب شاید اسی طرف جا رہے تھے۔ اس لئے گھوڑے روکتے ہی احمد دینار نے بھی کاروان روک لیا۔ وہی بارعب شخص نیچے اتر کر ان کے پاس آیا۔

"یہ جگہ آپ کے لئے مختص ہے۔ آپ اور ان بیلوں کی ہر ضرورت کی چیز اندر موجود ہے۔ ایک خدمت گار بھی آپ کو مہیا کر دیا جائے گا۔ آپ جب تک چاہیں اس جاگیر میں مہمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں اور اگر آپ یہاں صرف اپنی دلچسپی اور ذاتی مفاد کی خاطر اپنا آہن گری کا کام کسی بھی سطح پر کرنا چاہیں تو آپ کو مکمل آزادی ہوگی۔ اس کے لئے ضرورت کی اشیاء آپ کو یہاں دستیاب ہو جائیں گی..... اور ہاں ہمارے جلیل القدر مالک و جاگیردار فرخشن بوک ہر پندرہ روز اپنے محل میں اپنی رعایا، مہمانوں اور دیگر خاص خاص لوگوں کو شرف باریابی بخشتے ہیں۔ ملنے والے مہمانوں کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ حشمت مآب فرخشن بوک سے اظہار وفاداری اور استواری کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق نذر گزاریں اور ان کے شایان شان الفاظ و انداز میں اظہار ممنونیت و تشکر کرنا پسند کریں۔"

وہ دونوں اپنے کاروان میں بیٹھے ان چاروں نوجوانوں کو واپس جاتے دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ نہ تو ان کا [illegible] ان کا یوں [illegible] میں آنا ہے۔ [illegible] بیلوں کی جوڑی رہنے کے لئے یہ کشادہ علیحدہ مہمان خانہ۔ کام کرنے کی سہولت۔ کام کاج کے لئے ملازم۔ گھر کا پورا سازو سامان اور [illegible] جاگیردار سے ملاقات کے وقت نذر گزارنا اور اس کی شان میں قصیدے پڑھنا وغیرہ۔ جب دونوں کے پلے کچھ نہ پڑا تو وہ بیلوں کو ہنکا کر چار دیواری کے اندر لے آئے۔ ایک مناسب سی جگہ درختوں کے نیچے انہوں نے کاروان کھڑا کر کے بیلوں کو کھول کر باڑے میں دھکیل دیا۔ ان کے لئے چارہ گھاس وہاں پہلے سے ہی موجود تھا۔ پانی کی ناند آگے سرکا کر دونوں سادہ سے مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ پہاڑی تراشیدہ پتھروں سے بنے ہوئے دو چھوٹے چھوٹے کمرے نہانے دھونے کے لئے علیحدہ جگہ دالان اور پیچھے خاصا وسیع باغ جس میں بہت سے ثمر بار درخت استادہ تھے۔ کمروں میں فرشوں پہ چٹائیاں تکیے اور موٹی موٹی چادریں۔ کھانا پکانے کی جگہ دالان کی ایک کونے میں تھی۔ پکانے کے برتن چولہا اور گھر کا پورا سامان وہاں موجود تھا۔ کھیر علی سے نہ رہا گیا بولا۔

"برادر! یہ سب کچھ میری سمجھ سے باہر ہے۔ ہم ناداروں خستہ حالوں کے ساتھ ایسا اپنائیت اور خلوص بھرا سلوک؟ اگر کچھ تمہارے پلے پڑا ہو تو مجھے بھی سمجھاؤ؟"

احمد دینار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک منڈیر پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بھائی! اللہ مسبب الاسباب ہے اس نے ہمارے رزق پانی کا وسیلہ پیدا کر دیا ہے۔ اب ہاتھ سے محنت مشقت کریں گے کمائیں گے اور کھائیں گے۔ ہم کوئی بھیک منگے تو ہیں نہیں جو ان کے در پہ پڑے مفت کی روٹیاں توڑیں گے ۔۔۔ اور ہاں بھائی کثیر علی! ذرا یہ تو بتاؤ کہ کل کلاں اگر ہمیں جاگیردار صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا تو ہم انہیں نذر میں کیا پیش کریں گے؟''

کثیر علی نے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے کہ یہ تم مجھ سے بہتر جانتے ہو ۔۔۔ یہ سامنے کاروان کے اندر ہمارا سب کچھ دھرا پڑا ہے جو ہم دونوں کا دیکھا بھالا ہے۔ کپڑے لتے، تو شکلیں، چند ایک چیزیں اور چوب کے صندوق۔ اور ازاید حسن اور فاتو تم کا بہت سا کاٹھ کباڑ اس کے علاوہ اگر کوئی نادر اور نفیس چیز یہاں موجود ہو تو بتاؤ ۔۔۔؟''

''ہاں یہ سب کچھ جو تم نے گنوایا ہے سب کاٹھ کباڑ ہی تو ہے مگر چند ایک چیزیں نادر و نفیس ہی نہیں بلکہ بہت ہی قیمتی، نایاب اور مقدس بھی ہیں جیسے اللہ کی کتاب عظیم، مصلے اور تسبیحیں جن پہ ہمارے مرحومین کے سجدوں، ہاتھوں انگلیوں کے نشان اور ان کے جسموں کی خوشبو رچی بسی ہے۔ وہ روغن زیتون سے خوب روشن ہونے والا چراغ جس کی پاکیزہ سی روشنی میں میری ماں مجھے گود میں لئے قرآن پاک کی تلاوت کرتے سنتی تھی۔ ہمارے اوزار اور آلات، اونٹ کی کھال، چمڑے کی وہ ٹوکری، ہتھوڑے، سندانیں، چھینیاں اور اونٹ کے چمڑے کا وہ توبڑا جس میں میلا کچیلا پانی پڑا رہتا ہے اور ہم سرخ لوہے کو نقش کرتے ہیں۔ وہ چاند تارہ جسے میں نے اپنے باپ سے چھپ کر بغیر کسی کی مدد لئے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا اور پھر میری ماں نے بڑے فخر سے میرے باپ کو دکھاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ دینار کی پہلی کاوش ہے۔ دیکھو کیسا خوبصورت اور نوک پلک سے درست چاند تارہ بنایا ہے۔ میرا بیٹا ایک دن تم سے بھی زیادہ ہنرمند ہوگا۔ انشاء اللہ ۔۔۔ میرے باپ نے میری محنت اور ہنرمندی کو سراہتے ہوئے مجھے شاباش دی تھی اور چاند تارے کو کاروان کے ماتھے کا جھومر بنا کر سجا دیا تھا ۔۔۔ کثیر علی! دیکھا تم نے کہ کیسی کیسی ہوا مقدس اور قیمتی چیزیں، یادیں اور خوشبوئیں یہاں اس کاروان میں موجود ہیں۔''

کثیر علی نے احمد دینار کے کاندھے پہ دلجوئی کی خاطر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے جو بھی کہا بالکل سچ کہا اور میں نے بھی صحیح کہا تھا کہ تم مجھ سے بہتر جانتے ہو ۔۔۔ یہ بات بھی تم یقیناً مجھ سے بہتر جانتے ہو گے کہ یہ ساری مہربانیاں اسی شفقت و نیک خو لڑکی کی جانب سے ہیں جو آج صبح ہی صبح ہمیں رحمت کا فرشتہ بن کر سر راہ ملی تھی ۔۔۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو ۔۔۔؟'' احمد دینار نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بھائی! ذرا دھیان دو تو ساری بات تمہاری سمجھ میں آ جائے گی۔ وہ لڑکی جو کہیں سے بھی آ رہی تھی اس راستے سے گزرتے ہوئے اس نے ہمیں اس کسمپرسی کے حال میں دیکھا کہ ہم خراب موسم اور گردش حالات کے مارے ہوئے یہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ باپ بھی مر گیا اور بغل بھی زندگی اور گاڑی کھینچنے والے دونوں ہی ہم نوعمر بچوں کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ فاقے بھی کڑی دھوپ کی طرح اترے ہوئے ہیں اور اس ویرانے میں ہم بے یار و مددگار پڑے ہوئے ہیں تو وہ نیک دل لڑکی مزید وقت برباد کئے بغیر وہاں سے اڑتی ہوئی یہاں پہنچی اور فوراً ہمیں ضروری امداد پہنچوائی۔ اب اگر میری بات قرین قیاس دکھائی نہ دے تو بات کرو.....؟"

احمد دینار بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس نوعمر یتیم لڑکے کی ذہانت سے بھرپور باتیں سن رہا تھا جس کی ماں اسے ان کے سپرد کر کے اس کی پرورش سے دستبردار ہوئی تھی اور جسے زمانہ کے سرد گرم نے اس چھوٹی سی عمر میں بڑے بڑے تلخ و شیریں تجربوں کے پلوں کے نیچے سے بہتے ہوئے پانی کی مانند گزار دیا تھا۔ احمد دینار نے متانت سے کہنے لگا۔

"اس میں کوئی اور بات؟"

"ہاں..... وہ لڑکی اس جاہ پر اکیلی ہی ہے یا پھر ہمیں یہاں نہیں ہونی۔ مگر یہ لڑکی مسلمان ہے یا پھر مسلمانوں کو قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔"

کثیر علی یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور انتظار کرنے لگا کہ اب دیکھیں احمد دینار کیا جواب دیتا ہے یا ان باتوں کا اس پر کیا ردعمل ہوتا ہے۔ بہت سا وقت دونوں کے درمیان چپ چاپ گزر گیا۔ احمد دینار اس سے نظریں ہٹا کر اور خلاؤں میں گھورنے لگا تھا اور کثیر علی ایک تنکے سے زمین کریدنے لگا۔ اچانک احمد دینار نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اور کچھ آگے.....؟"

اسے کثیر علی کی باتوں سے سکون مل رہا تھا یا وہ چاہ رہا تھا کہ اس لڑکی کے بارے میں سنتا رہے۔ کثیر علی سنی ان سنی کرتے ہوئے خاموش ہی رہا۔ احمد دینار سے جیسے رہا نہ گیا وہ پھر بولا۔

"بھائی! اس کے آگے کچھ ہے یا تمہاری بات ختم سمجھوں.....؟"

کثیر علی مسکرایا پھر کہنے لگا۔

"ہاں صرف ایک بات آخری رہ گئی ہے مگر وہ بھی کر دوں تو بہتر ہے....."

"وہ بھی کہہ ڈالو بھائی! کہ باقی کے ساتھ دم بھی نکل جائے....."

UrduPhoto.com

"برا تو نہیں مانو گے.....؟" کثیر علی نے اسے شرارت بھری نظروں سے تولتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم مجھ سے ایسی توقع رکھتے ہو اور پھر کون سی ایسی بات ہوئی جو تم مجھے کہو گے اور میں برا مان جاؤں گا؟..... جلدی کہہ ڈالو....."

"وہ..... یعنی میرا مطلب ہے کہ وہ لڑکی تمہاری ذات سے کچھ دلچسپی سی لیتی محسوس ہوتی ہے اب تم اسے میرا وہم ہی کہہ لو کہ مجھے تم بھی اسی مرض میں مبتلا دکھائی دیتے ہو.....؟" کثیر علی جیسے ڈرتے ڈرتے بولا۔

"کھودا پہاڑ نکلا چوہا" یہی بات تھی جسے تم کہتے ہوئے جھجک رہے تھے..... بھائی! پہلی بار آپس میں ملنے والے ایک دوسرے کو جاننے کے لئے آپس میں دلچسپی تو لیتے ہی ہیں اس طرح ایک دوسرے کو سمجھنے جاننے میں مدد ملتی ہے..... ویسے کثیر علی! بات کا بتنگڑ بنانا اور بال کی کھال اتارنا تو کوئی تم سے سیکھے۔ گھاس پھونس اور پرخچے اکٹھے کر کے طرح طرح کی باتیں بنا کر اڑانا اور دوسرے کے دل کو جوڑنا تمہیں خوب آتا ہے لیکن ایک بات ہے کہ تم نے اس بات کے علاوہ جو باتیں کہی ہیں وہ مجھے بھی درست معلوم ہوتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس لڑکی کا مرہون منت ہے۔"

احمد [illegible]

"مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ بہت جلد ہمیں جاگیردار کے سامنے پیش ہونا پڑے گا..... اب صرف یہ سوچو کہ ہم گلدستہ کون سا پیش کریں گے۔ ویسے بھی جس کی ملکیت میں ہمارے ساتھ ایسا کریمانہ سلوک ہوا ہے ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اس کی مہربانیوں کو ذرا اچھی طرح پیش کریں۔"

کثیر علی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"بالکل درست مگر حاضری اور کچھ نذر گزرانے کے لئے ہمیں اس وقت فوری طور پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پہلے دو چار روز اپنی تھکن اور کسلمندی دور کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اس جگہ کو اپنی ضرورت کے مطابق کوئی شکل بھی دے لیتے ہیں۔ آگ کی بھنی سان نعمت دیگر سامان اور از پانی کی ہانڈی وغیرہ بناتے ہیں اور پھر جب جسم ٹھکانا اور دماغ ذرا سکون پکڑیں تو پھر سوچیں گے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟..... ان لوگوں کو بھی پتا ہے کہ ہم پریشان اور تھکے ہوئے ہیں پانچ سات روز سے پہلے وہ بھی ہمیں نہیں چھیڑیں گے....."

سارا دن وہ اپنے اس نئے ٹھکانے کو اپنی ضرورت، سوچ اور بساط کے مطابق ٹھیک ٹھاک کرتے رہے۔ لیپ پوتی چنائی کر کے ایک کونے میں آگ کی بھٹی بنائی پتھروں کو جما کر اوپر دو منزلیں اٹھا لیں۔ زمین

کو ہموار کر کے چھوٹے چھوٹے پتھروں کا فرش تیار کر دیا۔ اپنے کاروان سے آہن گری کا متعلقہ سامان اتار کر مناسب جگہوں پہ رکھا' پھر باورچی خانے میں موجود کھانے پینے کے سامان سے ہلکا پھلکا کھانا تیار کیا' بیل کو چارہ ڈالا اور رات ابھی ایسی گہری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ تھکن سے چور فرش پہ نرم نرم گھاس کے بچھونے پہ ڈھے سے گئے۔ شیر علی تو کمر لگاتے ہی گی ہو گیا تھا لیکن احمد دینار! ۔۔۔ اس کا جسم تو شاید آرام پکڑ گیا ہو مگر دل و دماغ اور ستارہ سی تابندہ آنکھیں جاگ رہی تھیں جیسے ان کے دھڑکنے' کھلنے اور جاگنے کا سماں اب لگا ہو۔

یہ خواب گاہ بھی بستی کی دیگر گھر گھر دیدوں کی طرح قبہ نما تھی۔ پرانے ہسپانیہ میں بھی ایسی قبہ نما آماجگاہیں اکثر نظر آتی تھیں۔ اب بھی یہ انداز تعمیر ہو چستان' ایران کے مضافات اور بصرہ' سکندریہ کے نواح اور ترکی کے سرحدی علاقوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس طرز تعمیر میں چھت پہ لکڑی' لوہے یا سیمنٹ کے شہتیر نہیں ڈالے جاتے بلکہ مسجد کے گنبد کی طرح گولائی میں اینٹ پہ اینٹ یا پتھر پہ پتھر بڑھاتے ہوئے گول اٹھی ہوئی قبہ نما چھت تیار کر دی جاتی ہے۔ یہ چھت انتہائی مضبوط اور گرم و سرد آب و ہوا میں معتدل رہنے والی ہوتی ہے اور نہ ہی موسموں کے اثرات سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی ہے۔

یہ کمرا ۔۔۔ اور پر تکلف تھا اور احمد دینار کے تخیل سے نقش و نگار بھی بنے ہوئے تھے۔ دیوار کے طاق پہ روغن زیتون سے روشن چراغ کی اتری ہوئی لو جب قریب سمندر کی چنچل ہوا کے کسی شریر جھونکے سے کپکپا سی اٹھتی تو پھر جیسے کمرے کے اندر سوئے جاگے سایوں اور دھندلکوں کے سارے سائبان پھڑپھڑانے لگتے' در و دیوار پہ لرزہ اور چوبی ستون کا سایہ کسی ڈگمگاتے ہوئے مستول کی مانند ڈانواں ڈول ہونے لگتا۔ اس کے سر کے نیچے ہلکی ہلکی سی بھینی بھینی مہک والی خواب آور شامی گھاس کا تکیہ تھا جس پہ صرف سر ٹکانے اور چند ایک ہموار سی سانسیں لینے کی شرط ہوتی ہے' لیٹنے والا لمحوں میں نیند کی پرکیف اور پرسکون وادیوں میں اتر جاتا ہے مگر یہاں تو احمد دینار کھلے مے خانوں سی آنکھیں کھولے کانپتے لرزتے اور جھولے کھاتے ہوئے سایوں کا تماشا دیکھنے میں مگن تھا۔

مکان خالی ہو تو جن بھوت آ جاتے ہیں۔ پیٹ خالی ہو تو انسان دین دنیا' اخلاق قانون' حرام حلال' اچھائی برائی سے بیزار ہونے لگتا ہے۔ دل و دماغ خالی ہو تو شیطان آ ہسرام کرتا ہے اور جب کوئی انسان نیند سے خالی خالی آنکھیں لئے ہوئے دکھائی دے تو جان لینا چاہئے کہ وہ کسی کے انتظار میں ہے یا پھر کسی بیار بیوپار میں ہے۔ اسے اپنی اس موجودہ کیفیت کا صحیح اندازہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ تو اس قبیل کا بندہ نہیں تھا ۔۔۔ دنیا کے سارے عاشق یا اس راستے کے راہی فطرتاً بڑے شرمیلے' شریف الطبع'

بیدرد جفاکش اور بھولے بھالے واقع ہوئے ہیں۔ پیار و یار' ہجر و وصال کی لذتوں اور عہد و پیماں کی بندشوں سے بہت دور مگر کیا کہیے کہ یہی لوگ دنیائے عشق میں بڑی بڑی داستانیں چھوڑ گئے۔ بادشاہ' شہزادے' ولی عہد' امیر وزیر' سلاطین اس وادیٔ عہد و وفا میں اترتے ہی رہے ہیں لیکن غلاموں' اسیروں' جنگجوؤں' ہنرمندوں و معاش کشوں اور خانہ زاد پروردوں میں بھی بڑے بڑے "عشق دانے" یکتا و یافت ہوئے۔ یعنی آنکھ اور دل لڑنے اور ٹھٹکنے سے پہلے ذات پات' اوقات اور آغاز انجام نہیں دیکھے جاتے' بس اپنے آپ ہر چیز سے بے نیاز و بے لحاظ یہ کام ہو جاتا ہے۔ "لچک نہ دیکھے سانتا' تے عشق نہ دیکھے ذات" والی بات ہوتی ہے۔

یہ احمد یار بھی صبح جب سے وہ مدزولی تھی' ایک لمحہ کے لئے بھی اسے اپنی آنکھوں اور خیالوں سے ہٹا نہیں سکا تھا۔ جونہی اس پری جمال کا تصور ذرا دھندلا پڑتا' وہ پھر دید کر کر اس کے روشن اور ملکوتی حسن کو اپنے دماغ میں اجال لیتا۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے وہ خوش خصال اسی کے جسم و جاں کا ایک انوت اٹک رہی ہو۔ اس سے کوئی ایسا راہ و رہا ہے جو آپس میں مشترک ہو۔ اس کو دیکھنے سے پہلے وہ جو بھی تھا گویا اسے علم تھا کہ نہیں اس کے بغیر تو کچھ بھی نہیں۔ نیند' سکون' بھوک' پیاس' آرام' چین' جیسے سب کچھ بے معنی اور بے کار سے ہو کر رہ گئے ہوں۔ جب انسان خود لذتی کا عادی یا خوگر ہو جاتا ہے تو پھر اسے کسی خارجی ذات کے حوالے سے کوئی بھی راحت و لذت مزہ نہیں دیتی خواہ وہ خود لذتی جنسی' جسمانی ہو یا بطونی اور روحانی ہو۔ کسی اندرونی چوٹ کی ہو یا کسی ٹوٹے ہوئے سنگوٹ کی ہو۔ کسی کی یاد یا کسی گلا گھونٹی ہوئی فریاد کی ہو کہ خیالی پلاؤ پکانا' احمقوں کی جنت کی سیر' شیخ چلی کے خواب' بے ثمر خواہشوں آرزوؤں کے گلزار کھلانا اور دشمنوں مخالفوں' دولت مندوں کو تہہ تیغ کرنا' انہیں اپنے تلوے چاٹتے ہوئے دیکھنا' اس قسم کی تمام خود لذتیاں عاشقوں' بے روزگاروں' بے ہمت و جرأت' بے وسائل' جنسی اور نفسیاتی مریضوں' ملنگوں' نام نہاد صوفیوں' نشیوں کو بڑا شاد کام رکھتی ہیں۔ جیسے کہ ہیچکری' انسان خود بخود ہنستا' مسکراتا' منہ بسورتا' لپکتا' جھپکتا رہتا ہے یہ مقدور نہ ہو تو پھر کسی بھی سامنے والی چیز کو نشانہ بنا کر تاڑتا رہتا ہے' بظاہر بے حس و حرکت مگر اس کی اندر معرکہ آرائی جاری رہتی ہے۔ جو عملاً نہیں کر سکتا یا نہیں کر پاتا' اس طرح وہ خیالوں اور تصور میں کر کے اپنے آپ کو خوش کر لیتا ہے۔ یہی خود لذتی کہلاتی ہے جس کے ڈانڈے آگے بڑھ کر خود پسندی یعنی نرگسیت سے جا ملتے ہیں۔

نئی جگہ' نیا قیام' نئی لذت' نیا تجربہ ... وہ بھول ہی گیا کہ ابھی کچھ روز پہلے اس کے ماں باپ کے بعد دیگرے اسے چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے گئے۔ اس نے کیسی بے چارگی اور کسمپرسی کے کیسے کیسے

شب و روز بسر کئے۔ درختوں کے پتے اور کھیتوں کی گھاس پھل کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی مگر کیا کہیے کہ اس پری وش کے حسن جہاں سوز نے اسے چشم زدن میں ان تمام تمنیوں اور اعصاب شکن محرومیوں کے احساس سے بیگانہ کر دیا تھا جنہیں وہ عام حالات میں شاید مدتوں فراموش نہ کر پاتا۔ جانئے کہ یہ اعجاز آنکھ لڑنے اور دل کے بھڑنے کا ہی تو ہو سکتا ہے۔ کروٹیں بدل بدل وہ ہار چکا تھا۔ بائیں جانب کیچڑ میں گھوڑے کدھے بیٹھ کر سویا ہوا تھا' اسے دیکھتے ہی وہ فوری کروٹ بدل لیتا۔ دائیں جانب شاید سمندر تھا' ہلکی ہلکی خنک ہوا اس کے گال تھپتھپانے لگتی۔ شاید باہر چاند بھی اوپر اٹھ آیا تھا' نرم نرم چاندنی کا احساس ہوتے ہی وہ کھل سا کھڑکی کے پاس اٹھ آیا۔ ادھ کھلی کھڑکی پوری کھول کر اب وہ باہر صحن میں کھلی ہوئی چاندنی کا نظارہ کرنے لگا۔ سمندری کونجوں کی ڈار صحن اس کی سر کے اوپر سے پرواز کرتی ہوئی شاید سمندر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہولے سے دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں نکل آیا تھا۔ دور کھڑے ہنکالی کرتے ہوئے بیل نے اس کی آمد کو محسوس کرتے ہوئے ہولے سے ہنکارہ بھرتے ہوئے اسے سلام پیش کیا اور اپنی گردن میں پڑی ہوئی کانسی کی گھنٹیوں سے ہلکا سا جلترنگ بجا کر اسے اس وقت باہر صحن میں نکلنے پر شاباش دیا تو احمد دیار مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ گیا' فرط سے پچکارتے ہوئے پیار سے اس کے کوہان کو سہلانے لگا۔

UrduPhoto.com

کھلے صاف آسمان پہ تیرتے ہوئے بادلی گالوں جیسے ابر پارے ایک عجیب سا منظر پیش کر رہے تھے۔ گو یہ جگہ بستی کے خاصی ہٹ کر تھی' لیکن چاندنی کے ملگجے اجالے میں وہ کافی دور تک دیکھ سکتا تھا۔ ایک دوسرے سے مناسب فاصلے پہ بنے ہوئے کشادہ اور خوش نظر مکانات' باغیچے' مویشی باڑے' کھیت کھلیان' ذخیرہ کو کھڑیاں' صاف ستھرے راستے' دور سے یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی نمائشی مثالی گاؤں' بستی یا پھر کسی خوابوں کی سرزمین کی جانب آ نکلا ہو جہاں سکون ہی سکون ہے' طمانیت اور انبساط کا دور دورہ ہے۔ جہاں قدرت' فطرت' اخلاق و محبت اور شرافت و انسانیت کی بنیادی بہبود و برکات کی خوشبوؤں کی حکمرانی ہے۔ زمین کے دفینے' آسمان کے نگینے اور سمندر کے خزینے یہاں کے مکینوں پہ مہربان ہیں۔ وہ بھی کچھ ایسا ہی محسوس کرتا اور دیکھتا ہوا صحن سے باہر نکل آیا۔ سوئی ہوئی زمین' اونگھتے ہوئے آسمان اور جاگتے ہوئے سمندر' قدرت کی ملی جلی مہکاروں نے اسے بے خود سا کر دیا تھا۔

یہ تو کوئی مجھ سے پوچھے یا ان شب خیزوں اور شب بیداروں سے جو بیداری رات کو ہوتے ہیں۔ پھر وہ ان راستوں پہ نکلتے ہیں جہاں اندھیرے' خاموشیاں' ویرانیاں' تنہائیاں' حادثات' اسرار' سماعی اور

افلاکی خیر و شر کی قوتیں، نسا چرا شب روئیں، ملکوت پریت، جنات، حشرات الارض اور آفاق الافلاک قدم قدم ان کے منتظر اور نظر نظر ان کے مقابل ہوتے ہیں۔ راتوں کو جاگنے اور مصروف عمل رہنے والے چوکیدار، روئی، کتے، روشنی اور عابد شب زندہ دار کے پاس اندیشہ ہائے شبوروزیاں، ظاہر و پنہاں، حال و مآل اور توضیح زمین و آسمان کا کوئی تکلف و تردد نہیں ہوتا۔ ان کی قریب کوئی چیز نہیں آتی اور یہ ہر چیز کے سر پہ پہنچ جاتے ہیں۔ ان کو زمین و آسمان کی وہ "چیزیں" بھی دکھائی دیتی ہیں جو اور کسی کو دکھائی نہیں دیتیں۔ (استثنیٰ کے ساتھ.....)

اُسے یوں لگا گویا وہ اس بھری بستی میں اکیلا ہی اس کے جاگ رہا ہو باقی تمام سوئے ہوئے ہوں۔ کوئی پرندہ، جگنو، پتھر، مکھی یہاں تک کہ کوئی کتا بلی تک اُسے راستے میں کہیں دکھائی نہ دیئے اور نہ ہی اُسے معلوم تھا کہ وہ کس راہ پہ آ نکلا ہے؟ بس وہ ایک نیند میں چلنے والے مریض کی مانند نہ اٹھائے ہوئے اس راستے پہ ہو لیا جو اس کے گھر کے سامنے کسی نامعلوم جانب نکلا ہوا تھا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد اُسے احساس ہوا کہ وہ کہیں سمندر کے قریب پہنچ چکا ہے۔ سمندر کی شوریدہ موجوں کا شور بھی اور فضا میں سمندر کی مخصوص خوشبو کی اور تاریکی نے اُسے ہلکا سا پیدا کر دیا۔ راستہ آگے کچھ چڑھائی سی آ گئی، راستہ کشادہ مگر پتھریلا سا تھا۔ ایک مکمل موڑ کاٹنے کے بعد وہ اوپر ایک بڑے سے سرسبز میدان میں آ نکلا تو چاند عین اس کے ماتھے کے سامنے جگمگا رہا تھا اور بہت پرے نیچے پر ہیبت گہرا سبز پانی سمندر قالین کی مانند بچھا ہوا تھا۔ ابھی وہ منظر سے آنکھ بھی اٹھا نہ پایا تھا کہ ترکی بکل کے بچے کو نمدے کی مانند ایک عظیم الجثہ تازی گھوڑا خوفناک آواز میں ہنہناتا ہوا اس کے سامنے آ نکلا۔ وہ ایسا سربلند گھوڑا کہ احمد دیار کا سر اس کے سینے سے کچھ ہی نیچے رہ گیا۔ اس کی اگلی دونوں ٹانگیں پوری ایک منزل اوپر کا احاطہ کئے تھیں، یوں تھا کہ گویا گھوڑا سامنے چاند سے پھلانگ کر چشم زدن میں زن سے اس کے سامنے آ نکلا ہو۔ وہ یکبارگی کئی قدم پیچھے ہو لیا۔ دیوہیکل تازی نے اگلے پاؤں پٹخے تو دھمکی سی ایک بار پری پھلانگتی ہوئی اس کے روبرو تھی۔ کاکلوں کا اسودی ابریشم اس کے سینے سراپے پہ غبار کی مانند اُمڈا پڑا تھا، چمڑے کا چست لباس جیسا کہ سرکس کی بازی گر لڑکیاں پہنتی ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک شمشیر بُراں تھی۔ ایسی شمشیر شمشیر زنی کی مشق میں یا پھر کہیں گھڑ سواری کی تیز رفتاری میں اسپ زیر زانو کو ہنکارنے اور زقندانے میں کام آتی ہے۔ وہ مسکراتی ہوئی ایک ادائے دلبری کے ساتھ ایک قدم اور آگے بڑھ آئی اتنا آگے کہ اس کے نتھنے سے سنسناتی ناک کے پھڑپھڑاتے نتھنوں سے تارکس بلکے سے ہلتا ہوا بھی محسوس ہو رہا تھا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم یہاں ضرور آؤ گے۔" آنکھیں جھپکائے بغیر اچانک اس نے کہہ دیا تھا۔

"میرا نام پازہ کا نوک ہے یہاں کے جلیل القدر جاگیردار فرینکس نوک کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ میرا مہربان باپ اس لحاظ سے دنیا کا بدنصیب انسان ہے کہ وہ آنکھوں سے اندھا، منہ سے گونگا اور کانوں سے بہرہ ہے۔" وہ یکدم پلٹ کر چاند کی جانب دیکھتے ہوئے پھر بولنے لگی۔ "میں ہی اس کی آنکھیں، زبان اور کان ہوں بلکہ میں ہی اس کا دماغ، طاقت اور آخری امید بھی ہوں۔" وہ قدم سمندر کی طرف بڑھ کر پھر بتانے لگی۔ "یہاں سے چالیس فرلانگ پرے سمندر کے بیچ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جہاں کا حکمران میرا چچازاد ہے جو بڑا مکار، عیاش، ضدی اور جنگجو ہے۔ وہ ہماری اس جاگیر پر اپنی حریصانہ نظریں جمائے بیٹھا ہے۔ وہ مجھے اپنی ملکہ بنا کر یہاں کی ہر چیز پر قبضہ کرنا چاہتا ہے مگر۔" وہ بجلی کی سی سرعت سے اس کے روبرو کھڑی ہو کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر الفاظ چباتے ہوئے کہنے لگی۔ "مگر میں اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہونے دوں گی۔" پھر یکدم جیسے اسے دورہ پڑا وہ ہوا میں شمشیر زنی کرنے لگی گویا کئی شمشیر زنوں میں گھری ہوئی ہے اور ایسے میں وہ اکیلی ان سے نبرد آزما ہو کر یکے بعد دیگرے سب کو تہہ تیغ کرنے کے بعد وہ اچانک بائیں ہاتھ سے نوک پکڑے ہوئے شمشیر بُراں کا دائرہ سا بنا کر احمد دینار کی جانب دیکھتے ہوئے قہر آلود لہجے میں کہنے لگی۔ "میں اس پاگل کتے کی آنکھیں سب سے پہلے اس طرح نکالوں گی۔"

UrduPhoto.com

پھر ایک خوفناک چیخ اس کے منہ سے نکلی اور گھوڑا یوں ہنہنا کر اچھل کر بھاگا گویا اس نے اندھیرے میں بھوت دیکھ لیا ہو مگر وہ خود احمد دینار کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے وہیں کھڑی تھی اور شمشیر بُراں بھی نیم دائرے کی صورت کھنچی ہوئی اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھی جوں ہی گھوڑے نے آدھا دائرہ اندھا دھند بھاگتے ہوئے پورا کیا اور دائیں جانب برابر پہنچا ہی تھا کہ بغیر ادھر دیکھے کھنچی ہوئی شمشیر کی نوک اس نے چھوڑ دی۔ شمشیر تڑپ کر اچھلی اور اپنے ہی زور پر گھوڑے کی جانب لپکی۔ اگلے ہی لمحہ وہ گھوڑے کی بائیں آنکھ سے دائیں آنکھ کے پار تھی۔ شمشیر کا دست قبض نہ ہوتا تو تیر کی طرح دوسری جانب سالم ہی نکل جاتی۔ بدمست گھوڑا اپنی روش اور زور میں بہت دور تک بھاگتا چلا گیا۔ اسے تو احساس تک بھی نہ ہوا ہوگا کہ ایک لمحہ میں اپنے مالک سے نکلوا چکا ہے اور اب وہ اندھیرے میں اندھا بھاگ رہا تھا۔ آخر وہ بہت آگے روشنی کے مینار کے قریب ایک پتھریلی دیوار سے ٹکرا کر ڈھے گیا۔ احمد دینار کے تو دانتوں تلے پسینہ آ گیا۔ وہ ہنوز اسے دیکھ رہی تھی جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ بہت سا گھنٹہ اسی وقت ان دونوں کے درمیان آ کھڑا ہوا تھا۔ احمد دینار اس کی عسکری تربیت کا کمال دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ وہ اک سراپا قیامت، آتش فشاں پہاڑ اور کانپتی کڑکتی بجلی سی بنی سامنے کھڑی تھی اور کچھ دیر پہلے جو

کچھ بھی اس نے اپنے بارے میں مختصر سا بتایا تھا اسے سن کر اور اس کے ارادے خیالات اور یہ گھوڑے کی آنکھیں بغیر دیکھے نشانہ باندھے نکالنے اور تلوار پھینکنے کی مشاقی اور اس کی پھرتی نے احمد دینار کو خاصا متاثر کیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان ابھی تک خاموشی کی اتھلی سی دھند تنی ہوئی تھی شاید دونوں ہی ایک دوجے کے بارے میں اپنی اپنی کھچڑی پکا رہے تھے۔ اچانک اسی تنہائی کا ایک اور تازہ دم گھوڑا منہ میں وہی شمشیر پکڑے سرپٹ بھاگتا ہوا آیا اور بڑی آہستگی اور تمیز سے سر جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا شمشیر پہ تازہ تازہ خون کے نشان موجود تھے۔ پارو کا نے گھوڑے کی جانب بغیر دیکھے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ سے شمشیر لے لی اسی کی ایال سے خون صاف کرتے ہوئے پیارے گھوڑے کو پچکارا پھر اس کے ماتھے اور تھوتھنی پہ ہاتھ پھیرتی ہوئے احمد دینار سے پوچھنے لگی۔

''تمہارے کاروان کے ماتھے پہ ایک خوبصورت سا چاند تارہ سجا ہوا ہے۔''

احمد دینار فوراً بول اٹھا۔ ''ہاں وہ چاند تارہ میں نے بنایا ہے۔ آہن گری سیکھنے کے بعد جو چیز میں نے سب سے پہلے بنائی تھی وہ یہی چاند تارہ تھی۔ میری مرحوم ماں نے میرے ننھے ننھے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا تھا کہ میرا فرزند بہت بڑا آہن گر بنے گا اور اپنا کام میں ایسے ایسے نمونے بنائے گا جو پہلے کسی نے نہ بنائے ہوں۔''

''احمد دینار! تمہاری ماں نے تمہارے متعلق بالکل صحیح پیش گوئی کی تھی تم واقعی آہن گری میں ایسے نادر نمونے تخلیق کرو گے کہ آنے والے زمانے میں بھی تمہارا نام یاد رکھا جائے گا۔''

''آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔؟'' احمد دینار اس کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران ہوتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

وہ شمشیر پر اس کو دونوں ہاتھوں سے تولتے ہوئی بتانے لگی۔

''تمہارا نام چاند تارا کے نیچے لکھا ہوا تھا جس پہ میری اچانک نظر پڑ گئی تھی پھر یہ کہ چاند تارہ کے ساتھ اسی کا نام ہی ہو سکتا ہے جس نے اسے تخلیق کیا ہو۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ عربی پڑھنا جانتی ہیں.....؟''

''ہاں میں یقیناً عربی پڑھ سکتی ہوں بلکہ لکھ اور گا سکنے لائق بول بھی سکتی ہوں کیونکہ میری ماں مسلمان تھی۔ خیر تم اس وقت اس بات کو چھوڑو اور مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنی سکونت گاہ پسند آئی اور یہاں کسی چیز کی کمی تو محسوس نہیں ہوئی؟ یہاں کا موسم معتدل زمینیں زرخیز لوگ محبت کرنے والے ہنس مکھ اور یہاں کا جاگیردار مہربان ہے۔''

UrduPhoto.com

قدرے رنجیدہ اور سنجیدہ سے احمد دیار نے جواب میں کہا۔

''آپ بھی اپنے مہربان باپ کی طرح مہربان ہیں۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ آپ میری پیشہ وارانہ ہنرمندی کی وجہ سے میری قدردان بھی ہیں اور جس عجلت' عزت محبت سے آپ نے ہم مصیبت زدوں کی اعانت فرمائی اور ہمیں سہارا دیا' اس کے لئے ہم ہمیشہ آپ کے احسان مند رہیں گے اور تہہ دل سے یہ تہیہ کئے ہوئے ہیں کہ محنت ہنر' جسم جان' جس طرح سے بھی بن پڑے ہم آپ کی اطاعت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھیں اور ہمارا شمار آپ کے ادنیٰ سے جانثاروں میں ہو۔''

پازو کا احمد دیار کی مہر و وفا' اخلاق و ملاطفت کی خوشبو سے مہکتی ہوئی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی' وہ دل ہی دل میں بڑی خوش ہو رہی تھی کہ اسے احمد دیار کو کھوجنے اور پھر پہچاننے میں شمہ بھر بھی غلطی نہیں ہوئی' یہ یقیناً وہی تھا جسے اس نے کئی بار اپنے خواب میں دیکھا۔ بچپن سے لے کر اب تک اس نے ہمیشہ ایک ہی خواب دیکھا' اتنی بار اور ایسا کہ اب اسے دیکھنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ جیسے اس کے نصیبوں میں صرف ایک ہی خواب لکھ دیا گیا تھا۔ بہت بڑا جنگل جس میں درخت' پہاڑ' جانور' جھاڑیاں' ندی نالے' پھل پھول' پتے' کانٹے' گھاس پھونس' پرندے' چرندے' درندے سب کچھ لوہے کا ہے۔ ندی نالوں میں بہتا ہوا پانی' پتے' پھل پھول' پرندے' چرندے' درندے سب لوہا ہی لوہا۔ اس جنگل کے درمیان ایک آتش فشاں لوہے کا پہاڑ ہے جس کے دہانے سے گرد و غبار کے غلیظ بادل سے اٹھتے رہتے ہیں' چاند سورج کی کرنیں اور گرم ہوائیں بھی لوہے کے ذرات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس جنگل میں اس کے علاوہ ایک نوجوان ہے جو گوشت پوست کا بنا ہوا ہے لیکن وہ بھی آہن گر ہے۔ خدا جانے کہاں سے اس نے لکڑی اکٹھی کر کے ایک بڑا سا خوبصورت اور مضبوط رتھ بنایا ہوا ہے۔ اس رتھ کے آگے ماتھے پہ چاند ستارہ سجا ہوا ہے اور ساتھ کلمہ شریف بھی لکھا ہوا ہے۔ یہ نوجوان چاہتا ہے کہ آتش فشاں زندہ ہونے سے پیشتر ہی وہ اس رتھ پہ سوار ہو کر اس آہنی جنگل سے کہیں بہت دور نکل جائے۔ اس کے پاس رتھ کے آگے جوتنے کے لئے بیل نہیں ہیں۔ وہ ہر بار اسے بیلوں کی جوڑی دیتی ہے اس شرط پہ کہ وہ اسے بھی اس لوہے کے جنگل سے نکال کر لے جائے مگر جونہی وہ بیلوں کی جوڑی' رتھ کے آگے جوتتا ہے' بیل فوراً لوہے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ جتنوں سے ایک اور جوڑی بیلوں کی تیار کرتی ہے مگر سب کے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔ غرضیکہ یہ کام وہ صدیوں سے کر رہی ہے۔ یہی خواب وہ اک نہ ٹوٹنے والے تسلسل سے دیکھ رہی تھی جس کی تعبیر شاید اسے احمد دیار کی صورت میں نظر آئی۔ احمد دیار کے ساتھ اس کی یہ مہربانی بھی شاید اسی خواب پریشاں کی شاخسانہ تھی۔ اس نے صبح سے لے کر ایک گھنٹہ پہلے تک اپنے

UrduPhoto.com

خاص کارندوں سے کئی بار بیلوں کی حالت کی تصدیق کروائی تھی کہ بیل کہیں لوہے میں تو تبدیل نہیں ہو گئے؟ احمد دینار اس کی مسلسل خاموشی سے خوف زدہ سا ہو کر التجا بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

''شہزادی صاحبہ! اگر اس خستہ حال اور بے علم و بے ادب سے کوئی لفظ گستاخی کی ذیل میں نکل گیا ہو تو میں معافی کا خواستگار ہوں.....''

وہ پاس ادب میں جواب کے انتظار میں سرنگوں سا ہو گیا۔ ایک لمبا سا وقفہ خاموشی پھر درمیان میں آ کھڑا ہو گیا تھا۔ جب پازوکا اپنے خواب کے حصار و اثر سے باہر نکلی تو احمد دینار سراپا سپاس و نیاز بنا سامنے کھڑا تھا۔ اس نے کیا کچھ پازوکا سے کہا' شاید پازوکا نے کچھ نہیں سنا تھا۔ وہ اب اسے کسی اور زاویہ نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا کسی تناور شاہ بلوط کی طرح قد نکلتا ہوا قد' عربی النسل ہونے کے ناتے ملیح رنگت' روشن روشن واضح سے خدوخال' مختصر بالے سیاہ بال' اکھڑی بھوئی گردن پہ مضبوط جبڑا' چھریرا سا مگر مضبوط کاٹھی کا جسم' آنکھوں میں سیہ موتیوں کی سی آب اور فراخ فروزاں ماتھے پہ اقبال مندی کی تب و تاب۔ بالکل وہی خواب والی دھواں دھواں خدوخال۔ یہ کچھ تصور میں آتے ہی وہ ہلکے سے مسکرا دی۔ احمد دینار نظریں جھکائے یوں کھڑا تھا جیسے وہ اپنے کسی کردہ یا ناکردہ جرم کی سزا سننے کے لئے قاضی القضاۃ' مطلق العنان حکمران کے سامنے بحیثیت بادشاہ اپنی تلوار کی شمشیری دھار پہ دھرے منتظر کھڑا ہو۔ پازوکا کو شاید اس کی یہ ادا پسند آ گئی تھی۔

ادائیں بھی بڑے بڑے نخرے' ان ہونیاں' تماشے اور چمتکار دکھاتی ہیں۔ جیسے کہتے ہیں نا' کہ دل آنے کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں۔ دل آیا گدھی پہ تو پری کیا چیز ہے۔ من کی موج اور مرضی کی کھوج' مال اچھا ہو تو قیمت نہیں دیکھی جاتی۔ عشق نہ دیکھے جات اور بھوک نہ بھالے بھات' راجے کی فقیر کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ سات ضلعوں کا مالک ڈومنی پہ دل ہار بیٹھتا ہے' سات گھروں کی رانی چمار کے گھر میں چلی جاتی ہے۔ کوئی ہیر اچاٹ لیتی ہے تو کوئی زہر پی لیتی ہے۔ شکنتلا تو کوئی میرا' کوئی لیلیٰ' سسی تو کوئی سوہنی' گل نکی تو کوئی ہیر۔ اس طرح مردوں میں بھی بڑے بڑے ذی جاہ و حشمت بہادروں' ناموروں اور کچھ معمولی سے لوگوں نے اس میدان عشق میں بڑے بڑے معرکے سر کئے اور تاریخ یا داستانوں میں اپنے نام سنہری حروف سے لکھوائے۔ یہ سارے کارنامے اور تماشے اسی ''دل آنے'' کے ہیں اور یہ دل کم بخت ضروری نہیں کہ کسی اچھی' قیمتی اور خوبصورت چیز پہ ہی آئے۔ یہ کھوٹی چیزیں' انتہائی بدصورت عورت اور چوڑا کو نشی' پھکڑ اور بے حد غلیظ اور کم ذات پہ بھی آ لگتا ہے۔ بس موقع محل' وقت کی گردش' اسے کی مناسبت و موافقت' موڈ' ماحول اور مقدر کی پذیرائی و رہبائی پہ موقوف ہے۔

UrduPhoto.com

عالمانِ جمالیات اور علم الاجسام و اصنام کے بڑے بڑے ماہرین علم الابدان و اعضاء کے اچھے اچھے ناقد و مبصرین جمال و کمال آرائش و زیبائش کے نامور سمجھے ہوئے اہل نظر و فکر کوئی بھی آج تک خوبصورتی یا بدصورتی کی کماحقہ تعریف نہیں کر پایا۔ ایشیائی ممالک میں خوبصورتی خوش پیکری اور جاذبیت کی تعریف و تکمیل کچھ اور ہے اور یورپین ممالک میں کچھ اور جبکہ افریقین ممالک میں قطعی کچھ اور۔ کہیں رنگ روپ اور ناک نقشہ کو اہمیت دی جاتی ہے اور کہیں شمشاد قامتی اور فربہی کو اولیت دی جاتی ہے۔ کہیں سیاہی دلنشین ہے تو کہیں میدہ ملیدہ رنگت پسندیدہ ہے۔ انھیں نیچی ہونٹ گردن ناک نقشہ سیدھا کمر کولہے ہاتھ پاؤں۔ ہر قوم و ملک حسن و خوبصورتی کے معاملہ میں اپنا ذوق جمال رکھتے ہیں۔ افریقہ میں کالی شارٹ موٹے موٹے ہونٹ باہر نکلے ہوئے دانت بے ڈھبے سے ہاتھ پاؤں اور ناٹکا پت سیدھا اعلیٰ ترین معیار حسن کے مظہر ہیں۔ جاپانی چینی اور یا تھائی ان ممالک میں معدوم سی ناک نہ دکھائی دینے والی آنکھیں بچوں کی مانند ہاتھ پیر بونا قد پاپی پت سیدھا گھر گھر استھن کی عورتوں کو حسین سمجھا جاتا ہے۔ انگلی اسپین سوئٹزرلینڈ میں کشیدہ قامتی سیاہ دراز زلفیں بھاری سیدھا معدوم سی کمر تیز طرار کیب ریب کرنے والی رقص و سرور کا ذوق رکھنے والی خواتین کو پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ انگلینڈ جرمنی فرانس ڈنمارک وغیرہ میں دھان پان [illegible] رقص کی دلدادگی معیار حسن ہے۔ روسی بلاک میں فروغ ریوٹیکل نفاست و نجابت سے محروم صابر اور تھوڑی عورتوں کو قابل فخر و چاہت سمجھا جاتا ہے۔ اب آیئے موجودہ عرب بلاک میں قرآن کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ قبیح قامتی آزاد خیالی نسوانیت و شہوانیت سے بھرپور عورتیں بھاری بھاری جل تھل اعضاء قوا و دانی لانبی لانبی سیاہ چشم و گیسو زولیدہ جمال و اقبال والی جو کالے لمبے خشخش بھرے مرکشن سگریٹوں کے دھوئیں کے مرغولے مردوں کے چہروں پہ اگلیں جن کی بوٹی بوٹی پھڑکے ایسی عورتیں ان کی نظر میں اپسرائیں ہوتی ہیں۔ بنگال میں لمبے لمبے بالوں سوکھی سڑی چرخ کانٹے لانبے نیچوں والی دھان پان سی بچے پیدا کرنے کی محنت اور مزدوری میں مشقت پسند کرنے والی عورت کو پسند کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں رقص و موسیقی میں طاق چھیل چھبیلی کنگنوں میں بیباک بڑے گھرانے اور نئے زمانے کی ماڈرن لڑکی کو کھرا مال سمجھا جاتا ہے اور پاکستان میں چار بھائیوں کی اکلوتی بہن کو بہتر سمجھا جاتا ہے جس کا ایک بھائی کویت دوسرا دوبئی تیسرا نیویارک اور چوتھا کسٹم یا پولیس میں ہو۔ سوکالی اور ایک سو ایک جوتا کھا کر بھی "جی بسم اللہ" کہے اور خاوند سے آدھی رات کو گھر آنے پہ یہ بھی نہ پوچھے کہ تمہارے منہ میں سونف خوشبو والا پان اور الائچی کیوں ہوتی ہے؟ علاوہ ازیں تیرہ تاس اور پچھلے کٹس ناپ کی خواتین کو بھی بڑی تحسین

UrduPhoto.com

نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

پاکستان میں اکیلی دوکیلی زمین مربعے یا جائیداد والی ہر قسم کی معذور یا معذور کی بیوہ طلاق عورتوں کو اعلیٰ ترین حسین و جمیل سمجھا جاتا ہے۔ معیار حسن صرف جہیز جہیز اور جہیز ہے اور جہیز کے بغیر شرافت اور نجابت یا خدا خوفی انتہا درجہ کی بدصورتی گردانی جاتی ہے۔ اس کا اندازہ کھانے پکاتے ہوئے تیل کے چھینٹے بچوں سمیت نہر میں کودنے چوہے مارنے والی گولیاں کھانے اور دارالامان ایدھی سنٹر یا گل خانے آنے جانے والیوں سے ہوتا ہے۔

بات سے بات نکلی تھی کہ دل آنے کے واقعات بھی نرالے ہوتے ہیں۔ ذات پات امیری غریبی خوبصورتی بدصورتی لحاظ بے لحاظ کی کیونکر پڑا کا دیوتا اپنا نشانہ تاک کر تیر چلا دیتا ہے اور پھر رومیو جولیٹ علی مجنوں شیریں فرہاد وامق عذرا سوہنی مہینوال ہیر رانجھا وغیرہ کی داستانیں جنم لیتی ہیں۔ میں بھی اپنی اس عارضی زندگی میں کئی نیک واقعات کا چشم دید ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسے عشق و محبت کے قصے واقعات لکھنے یا پھر دہرانے کے قابل ہوتے ہیں کیونکہ ایسا کچھ ہر دور زمانے شہر گلیوں محلوں میں ہوتا رہتا ہے۔

دو مخالف جنس عورت مرد جہاں بھی ہوں وہاں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ آنکھوں جذبات تو اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ تعجب وہاں ہوتی ہے جہاں بظاہر دل لگانے یا نظر کی چوٹ کھانے کی گنجائش سرے سے ہوتی ہی نہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ کتنی لہرائے گی کیا بچھڑے گی کیا؟ لیکن کبھی کبھی اور کہیں کہیں یہ ان ہونیاں بھی ہو کر رہتی ہیں۔ بلکہ بڑے دھماکے سے ہوتی ہیں۔ پھر سب کچھ دیکھ کر یہ کہنا ہی پڑتا کہ واقعی عشق اندھا ہوتا ہے۔

پچھلے صفحات میں آپ کراچی کے بازار حسن کی ایک پتلی سی گلی میں اس بظاہر طوائف کا مختصر سا احوال پڑھ چکے ہیں جس کے دو بیٹے تسلیم اور رضا صوفی نور دین المعروف بابا نور جہاں کے پاس کام کرتے تھے۔ اس خاتون نے مجھے ایک ڈیرہ دارنی نمود خورنی نائیکہ کی جھڑک کے کونے پہ لگے نل سے پانی پینے سے روک دیا تھا اور اشارے سے اپنے پاس بلا کر نہ صرف پانی پلایا بلکہ کولر بھیج کر مجھے اپنے پلنگ پہ بٹھا کر پیار کیا۔ میرا ماتھا چوما مجھ سے باتیں کیں۔ پھر دو روپے دیئے۔ تسلیم اور رضا کے متعلق بتایا بابا کو سلام بھیجا۔ پچھلی جانب صحن کے برآمدے میں اس کا اپاہج شوہر اپنی بیوی کے گاہکوں کے آمد و رفت اور آمدنی پہ نظر رکھے بے حس و حرکت چارپائی کی پٹی سے لگا پڑا رہتا تھا۔ گاہک کے آنے جانے میں ذرا دیر لگ جاتی تو وہ ادھر ہی پڑے پڑے سے کولر پیٹتا اور مادر زاد گالیوں سے اپنی بیوی کی گوشمالی کرتا ہے۔

UrduPhoto.com

جو تیرا حکم ہو جو تیری رضا ہو.....!

بہت برس ہوئے کہ پٹیالے کے بازار حسن کے ایک شاندار بالا خانے کے پچھواڑے خانہ زادوں کی رہائش گاہ کی ایک تنگ سی کوٹھڑی میں ایک کلونسی ہوئی مدقوق سی مسمان دایہ نصیبو بھی رہتی تھی۔ یہیں ایک اور ایک کوٹھڑی میں روشنی خان بھی رہتا تھا۔ چھیل چھبیلا سا روشنی خان اسی بالا خانے میں پھول ہار گجرے تورتی کی خدمت اور حویلی بالا خانے کے تمام کمروں غلام گردشوں ڈیوڑھیوں دریچوں اور صحن نشین کی فراشوں کے علاوہ بوسے گھرانے کی چراغ بتی بھر فانوس کی تیل تھیں پہ مامور تھا جبکہ سدا کی بدنصیبو نصیبو پاؤں دابنے والی دایہ تھی۔ ناچ مجرے کے بعد جب نوچیاں لڑکیاں پور پور تھکن سے انگ انگ ڈھیلا کر کے بے سدھ پڑ جاتیں تو نصیبو سب کی باری باری ہاتھ پاؤں [illegible] تیل سے مالش مٹھی چاپی یا پھر اسہانے بیٹھ جاتی۔ اول تو اگلی صبح دن چڑھے تک اسے فرصت ہی نہ ملتی اور اگر نصیب ہو بھی جاتی تو پھر اسے بڑی بی بائی یعنی اس ڈیرے کی مالکہ پریم رس کور کے کوہ ہمالیہ سے جسم پہ پڑی تمام بگی بچی تانیاں بروئے کار لانی پڑتیں۔ ذرا ہاتھ ڈھیلا پڑتا [illegible] بڑی بی بائی کی زوردار مالک اس چھوکری کی پسلیاں پلستر کر کے رکھ [illegible] پریم رس کور جیسے اس کی جان کے پیچھے پڑی رہتی تھی۔ اچھی بھلی شکل صورت تو اس عظیم صناع اور سب سے مصور کی مشیت ہے اگر یہ کلونسی ہوئی چیچک زدہ تھی تو اس میں نصیبو کا کیا دوش! پریم رس کور اس کو اکثر اپنی دھاڑ پہ رکھتی۔

"نصیبو کلموہی! شکل چھپا کر رکھا کر مجھ سے تیرے ماتھے کی لکیروں میں میری ناڑیوں کا چین نہ ہوتا تو کبھی کا تجھے بھگتو بھنگی کو بخش دیا ہوتا۔"

اس بدنصیب کا نام نصیبو پتا نہیں کس منہ جلے نے رکھ دیا تھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس کے ماں باپ کون تھے وہ کہاں پیدا ہوئی تھی؟ تو یہ سیوا سنگھ کا مہندرا بردہ فروش اسے کچی عمر میں پریم رس کور کے ہاں بیچ گیا تھا۔ اس وقت چہرہ صاف تھا نقش نوکیلے اور انگ سنگ کھلا کھلا سا دکھائی پڑتا تھا۔ ڈیرہ داری مالکہ کی شفقت پہ سارے نہرے لڑکیوں بالیوں نوچیوں کے ہی ہوتے ہیں اور جو بساط پہ نہیں ہوتے وہ غلام گردشوں ڈیوڑھیوں بند دروازوں کے باہر تھڑوں گلیوں میں تاش کھیلتے ہوئے مٹھیوں پہ کوڑیاں کرتے ہوئے طبلہ سارنگی سازوں کی دوکانوں پہ حقے سے شغل کرتے ہوئے یا پھر مرلی باجوں کی دوکانوں پہ بڑے بڑے باجوں میں شور بجاتے ہوئے ہوتے ہیں۔ مندا بھلا تو نکڑوں پہ گاہک پھانستے رہتے ہیں یا پھر طوائف کی بساط پہ مرد سازندوں استادوں کی صورت دھرے ہوتے ہیں۔

اس زمانے میں پچیس چاندی کے روپے بڑی خطیر رقم تھی مگر ڈیرہ دارنی خوامخواہ تو بہت ہوشیار قمار باز ہوتی ہے وہ سمجھداری سے داؤ لگاتی ہے۔ اگر کبھی ہارتی ہے تو کسی بھی جیت کے لئے اور جیت تو جیت ہوتی ہے لیکن اس کے ہارنے میں بھی اک جیت کا سوا ہوتا ہے۔ ڈیرہ دارنی نے سمجھداری سے نصیبو پہ داؤ لگایا تھا مگر نصیبوں کو کیا کہیئے کہ دو برس بعد نصیبو کو چیچک نے آ لیا۔ اچھا خاصا صاف شفاف چہرہ ان گنت داغوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔ چیچک دانے کالی مکئی کے دانوں کی مانند چہرے پہ لٹکنے لگے۔ ناک کے دائیں پہ ایک موٹا سا دانہ ایسا بیٹھا کہ اچھے خاصے ستواں ناک کی ریزہ مار کر رکھ دی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر پریم رس کو ہلکی سی مایوسی ضرور ہوئی مگر وہ خوامخواہ ہی کیا جو بگڑتی ہوئی صورت حال کو اپنے حق میں سیدھا نہ کر سکے!۔۔۔ اس نے اسے اوپر والے کاموں پہ لگا دیا اور یہ ٹھان لی کہ جب تک چلے چلاؤ پھر کسی ضرورت مند عقل اور آنکھ کے اندھے کے پاس اونے پونے کر اپنے دامن جان کم کرے گی۔ آواز میں دبدبہ اور رچاؤ ہو تو میراثنوں اور ڈومنیوں کی شکت میں چلا دیتی مگر آواز کے معاملے میں بھی نصیبو ہندو پنڈت رام کے شیام کے بے سرے اور کھریدر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔

اس بگڑا بگڑی میں پندرہ سولہ کے سن میں وہ آ پہنچی۔ خوبصورتی اور بدصورتی اپنی جگہ مگر آمد شباب کی بھینی بھینی مہک ہر صورت ہی ہر لڑکی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اندھی ہونی کی خوبصورتی چہرے سے تعلق نہیں رکھتی یہ تو محسوسات اور خون کے سرخ ذرات کی بیشی سے تعلق رکھتی ہے جو انسان کی جبلت کے اندر چھپے ہوئے ایک وحشیانہ سے احساس تفریح سے متعلق ہے۔ بچپن کی خوشبو نومری کی خوشبو سہاگ کی خوشبو جامہ عورت کی خوشبو بچہ اور آنکھ کی خوشبو اور پھر پاک دامنی کی دیدہ زیبی کی بھی اپنی خوشبو بدبو ہوتی ہے جسے ہر آدمی سونگھ اور محسوس نہیں کر سکتا۔ جس طرح سمجھدار سیانی عورتیں اپنا پیٹ چھپاتی پھرتی ہیں اسی طرح باعفت باحیا دوشیزائیں اپنی اٹھتی ہوئی جوانی کی مہک چھپاتی پھرتی ہیں۔۔۔ ڈھیلے کپڑے اجاڑ چہرہ ماتھا بارہ سنگار ہنسنا نہ مسکرانا کوٹھے اور کھڑکی میں کھڑا ہونا بیوقوف مگر کیا کہیئے کہ یہ شباب کی دبی ہوئی چنگاریوں کی تپش اور تمازت کبھی کسی چھپی نہیں رہتی۔ اس ہلکی ہلکی آنچ کو انسان تو انسان جانور پرندے تک محسوس کر لیتے ہیں۔ کتوں اور بلیوں اسی گھر کے آنگن میں بیٹھتی ہیں۔ کبوتر اور کوے کم بخت اسی گھر کے دریچوں اور منڈیروں پہ زیادہ اترتے اور قیلولہ کرتے ہیں۔ سورج کی کرنیں ڈوبتے سمے کھلے چاندنی چاندنی گندی گندی کی چیچک سات ستاروں کا جھرمٹ سرشام ابابیلوں کے پرے کے پرے اسی مکان کو تاکتے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں۔ چھابڑی والے اور گلی والے اسی گھر کے سامنے اپنے گلے صاف کرتے ہیں۔ ڈاکیا خط ہو نہ ہو مگر وہ دوپہر پہ ضرور ہانکا

UrduPhoto.com

لگانے کا کہ بی بی جی! آج کوئی خط نہیں۔ جوان اور گلخوبیوں والے رشتہ دار تواتر سے آنا جانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس گھر بچوں کو نیوش پڑھنے والا بی کا مکا سخوا نہ بھی لئے لئے آفتہ شبو لوشن فرائی کرتا رہتا ہے اور آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ ساری گھکھڑا اور سیاپے اس گھر میں دوشیزگی کی خوشبو پھیلنے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ بدنصیبوں دخت حالوں تنگ دستوں پہ جوانیاں بھی کافر اور کروے دھوئیں کی طرح آتی ہیں۔ کسی بھی غریبوں بدحالوں کی جھونپڑی کنڑی یا بستی میں چلے جائیں۔ ہر گھر میں آگ لگی ہوئی یا کم از کم کڑواڈھواں اٹھتا ہوا ضرور آپ کو متوجہ کرے گا۔

نصیبو کو جب پہلے پہلے کچے دن لگے تو حویلی بالا خانے پر جلد بجھی ہوئی بجھی کی بساند پھیل چکی تھی اور وہ کوئی نہ دس میں پہنچی پھر رہی تھی۔ سوائے بڑی بی کے کوئی بھی نہ جان سکا کہ یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے؟ ڈیرے کی رسم روایت کے مطابق بتاتے بتاتے کہ تب پتا چلا کہ نصیبو بھی خیر سے جوان ہوگئی ہے۔ اس کی کوئی پہ دن آتا ہے تو باقاعدہ ڈیرے پہ جشن بپا ہوتا ہے۔ تتلیاں اور بریانی کی دیگیں اترتی ہیں۔ ڈھب رنگ و راگ اور ناچ گانے کے جلسے ہوتے ہیں۔ ڈیرے کی دوشیزگی روایت کے تحت چاہے کی تھی بھی بیاہ دی گئی جو اس ذات کا اعلان تھی کہ کوئی بھی دولہا جیسے آ کے اس کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے۔

UrduPhoto.com

- چراغ تلے اندھیرا.....!

روشنی خان کا اصل نام روشن خان تھا۔ یہ ریاست کپورتھلہ کے شاہی بازار کی پیداوار تھا۔ جیسا کہ اس بازار اور ان لوگوں کی ریت ہے کہ لڑکیوں کو تو دھندے پہ لگا دیا جاتا جبکہ طوائفوں کے لڑکوں کا مستقبل بڑا مخدوش ہوتا ہے۔ اکثر طبلہ سارنگی پہ بیٹھ جاتے ہیں لیکن تماش بینوں پہ یہ ظاہر نہیں ہونے دیا جاتا کہ یہ ناچنے یا گانے والی اس کی بہن ماں یا بیٹی ہے۔ اگر یہ نہ کریں تو پھر ان کی دلالی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اپنے رواج و ریت کے مطابق کاروبار سے پیشہ نہیں کروایا جاتا البتہ ان ہی کی بیٹیوں کی نسل میں تھیں ضرور ڈال دی جاتی ہیں۔ روشن خان کو روشنی خان سب سے پہلے بڑی بی بی پریم رس کورنے کا نام دیا چل سو چل۔ وہ روشنی خان ہی مشہور ہو گیا۔ ڈیرے پہ اس کا کام دھندا بھی فانوس قندیلیں شمعیں روشن کرنا تھا۔ پھول پتی ہار گجرے کا شغل تو یہ صرف اپنا خرچہ نکالنے کے لئے کرتا تھا۔ بڑی بی بی پریم رس کورنے اسے ناچ کے سے تار و میلے میں ایک نواب کے گانے بجانے کے جلسے میں دیکھ لیا تھا۔

اس کی تمکنت چاندی کے ورق جیسی جوانی کی چاشنی چوٹ لوٹ ہونٹوں پہ نرم نرم کھڑی مونچھیں اور سانولے سے چہرے میں۔ اندر وہ کسی کا پیراہن پہنے وہ کسی ریاست کا راجکمار جیسا تھا۔ گو بڑی بی بی کی ادھیڑ عمری گنٹھیا کا سے بیمار روگ اور پھیلا ہوا آتش وتوش وغیرہ کسی قسم کے جسمانی یا جذباتی معرکے کے قابل نہیں ہو سکتے تھے پھر اس کے مقابل روشنی خان بالکل بلوگزا سا تھا لیکن پھر وہی بات کہ دل آنے کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ ہوا سے دل دے بیٹھی تھی اور کسی نہ کسی طور اپنے ساتھ پٹیالہ لے آئی۔ کھل کر عشق جمانے کی نہ تو عمر تھی اور نہ ہی اس کا مرتبہ اور حیثیت اس کی اجازت دیتی تھی اور پھر وہ سب ہی جانتے تھے کہ پریم رس کو روشنی خان کو زکیل رکھا ہوا ہے۔ بظاہر وہ اسے خوب ڈانٹتی بڑا بھلا کہتی اور ایک فاصلے پر رکھتی مگر وہ شاید اپنی نظر پہ قابو نہ رکھنا جانتی تھی اس کے دیکھنے میں اکثر صاف محسوس ہوتی تھی۔ روشنی خان بظاہر حویلی کے ایک کمرے میں رہتا تھا جہاں دیگر کمروں میں نصیبو کے علاوہ دوسرے سارندے استاد ڈھولے اور ملازم پیشہ بھی رہتے ہوتے تھے مگر یہ سب کو معلوم تھا کہ رات پاؤں دبانے کے بہانے روشنی خان کہاں ہوتا ہے؟ خیر اس دنیا میں ایسی ہوتیاں اور ان ہوتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس انقلاب زمانہ کی دنیا میں ہر فرد صرف اپنے کام اور دام سے مطلب رکھتا ہے یہ ایک دوسرے کے معاملات میں دخل ذرا کم ہی دیتے ہیں کیونکہ [illegible]

UrduPhoto.com

اس ڈیرے میں کام کے صرف تین چار ہی مسلمان دانے تھے۔ روشنی خان نصیبو ایک سارنگی نواز استاد ڈلارے خان اور ایک پکھاوجی عمدہ خان آگرے والا باقی تمام ہندو یا دو چار مشکول بڑی بی بی پریم رس کو رکھی جاتی تھے۔ یہ سارا عملہ اپنے اپنے حساب سے اپنا اپنا دلیہ کرتے تھے۔ مسلمان اپنا کھانا پینا علیحدہ کرتے ان کی رسوئی نصیبو کرتی تھی۔ ان چاروں مسلمانوں کا رہنا سہنا بھی دوجوں سے علیحدہ تھا۔ استاد ڈلارے خان اور عمدہ خان حاجی نمازی اللہ توبہ کرنے اور پاکی پلیدی کا خیال رکھنے والے تھے۔ جب سے نصیبو کو کچے دن لگے دونوں نے اس کے ہاتھ کا پکا کھانا بند کر دیا تھا..... ایک دوپہر روشنی خان نصیبو کے پاس بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اچانک بولا۔

"نصیبو! تجھے نتھ تو خوب جچی ہے اب تو بڑی بڑی اور سندر بھی لگنے لگی ہے۔"

نصیبو ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"نصیبو بڑی بڑی لگے یا سندر دکھے نتھ ڈالے یا ماتھے میں سیندور بھرے وہ اپنے نصیبوں کی کالک کو دھو نہیں سکتی....."

روشنی خان لقمے والا ہاتھ روکتے ہوئے بولا۔

"یہ تو کیسے کہہ سکتی ہے' نصیبوں کی بند پوٹلی تو کسی نے کھول کر نہیں دیکھی!" تو ایسی مایوسی کی اور ذہنی کر دینے والی باتیں مت کیا کر۔ تو اچھی طرح جانتی ہے کہ نتھ کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ دیکھتی جا' بس اب جلد ہی تیرے نصیب کھلنے والے ہیں....."

وہ زہر خندہ سی کہنے لگی۔ "ہاں میں جانتی ہوں۔ اس نتھ نے میرا بند نصیب کیا کھولنا ہے' اب مجھے اپنی قبر کا کھلا منہ ضرور دکھائی دے رہا ہے۔ روشنی خان تو بھی اور میں بھی جانتی ہوں کہ میرا اختر اس بازار اور حویلی میں نہیں ہوتا۔ بڑا اکھوں ساکھوں ساا ک منظر میرے حافظے کے کسی کونے میں سمٹا ہوا پڑا ہے۔"

وہ دور خلاؤں میں دیکھتی ہوئی کہنے لگی۔

"ہمارا ایک آنگن تھا' پیپل اور کائیں تھیں۔ میرے ابا اور اماں' ایک ہماری بوڑھی سی دادو ہوتی تھی۔ میں اپنے ابا کے کندھے پہ سوار میلہ دیکھنے آئی تھی۔ ایک چھوٹی سی مسجد تھی' مجھے پاس بٹھا کر ابا نماز پڑھ رہے تھے۔ میں میٹھے باجرے کے لڈو کھا رہی تھی کہ کچھ چڑیاں آس پاس آ کر منڈلانے لگیں۔ میں لڈو توڑ توڑ کر انہیں باجرہ کھلا رہی تھی۔ اسی دوران چادر پہنے ایک شخص باہر دروازے پہ آیا۔ اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پہ ایک [illegible] مجھے [illegible] لے کر کہا۔ میں سرکتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ اس منہ دھانپے شخص نے چورہ میری ہتھیلی پہ اور اپنی چادر میرے سر پہ ڈال دی۔ بس! کہانی ختم ہے..... اور ہاں' یہ ساری بات آج پہلی بار میں نے تمہارے سامنے بیان کی ہے اس لئے کہ ایک تو تم مسلمان ہو' دوسرے یہ کہ شاید پھر مجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع نہ ملے..... میں ایک اللہ کے متقی بندے کے گھر اس کے لئے رحمت بن کر پیدا ہوئی اور اللہ کے گھر سے ہی اس سے بچھڑ گئی' اس وقت میں اتنی کم سن تھی کہ مجھے نہ تو باپ کا نام کا پتہ تھا اور نہ ہی گاؤں یا علاقے کی پہچان تھی۔ بارہ تیرہ برس میں نے یہاں بڑی بی بی کے ہاں پاؤں پڑ لیں دا ہے' گالیاں جھڑکیاں اور کوسنے سنتے سنتے گزار دیئے۔ میرا نام نصیبو بھی شاید بڑی بی بی نے رکھا تھا۔ بڑی بی بی نے میرے ساتھ جیسا بھی سلوک کیا سو کیا مگر ایک بہت بڑی نیکی بھی کی کہ اس نے مجھے گندے دھندے پہ نہیں لگایا۔ ایک دفعہ کہا تھا کہ جیسی بھی ہے' مسلمان بچی ہے۔ یہ اس جوگی کی نہیں' اسے تو کسی درگاہ پہ بٹھا دینا چاہئے۔ کوٹھے پہ بیٹھنے کی یہ چیز نہیں....."

"مگر اب یہ نتھ...؟" روشنی خان نے ان کھایا نتھ واپس تھالی میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں' یہ نتھ اسی لڑکی کو پہنائی جاتی ہے۔ جس کے دام کھرے کرنے ہوتے ہیں"

"نصیبو! تم نے اپنی کتھا سنا کر مجھے بلا دیا ہے اور یہ یاد دلا کر کہ میں ایک مسلمان بھی ہوں مجھے موت سے ڈرا دیا ہے۔ تم تو جانتی ہو کہ میں بھی اسی ماحول کی پیداوار ہوں۔ یہیں کا پروردہ ہوں۔ میں ایک طوائف کی ناجائز اولاد ہوں۔ میرا باپ ایک انتہائی دولت مند خوبصورت اثر و رسوخ والا مگر عیاش انسان تھا۔ مجھے آج یہ بتاتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے کہ وہ مسلمان تھا جبکہ میری ماں ہندو تھی۔ تم جانتی ہو بلکہ سب جانتے ہیں کہ بڑی بی بی جو مجھ سے تیس برس بڑی ہے مجھے دھکیل رکھا ہوا ہے۔ ان کے اجالے میں مجھے ہوتے مارتی ہے اور رات کی تنہائی میں میرے تلوے چاٹتی ہے۔ وہ در پردہ میری ہر ضرورت اور عیاشی کا خیال رکھتی ہے مگر میں اپنی زندگی اور بڑی بی بی کے اولو پوپو سے بیزار ہو چکا ہوں۔ اب میں شرافت، محنت اور عزت کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

روشنی خان کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ٹھہرے ٹھہرے الفاظ میں کہنے لگا۔

"یہ آج تم نے انتہائی مایوسی اور مرنے کی باتیں کی ہیں ان سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایک پاک دامن اور کسی شریف والدین کی اولاد ہو۔ حالات اور قسمت نے تمہیں اگر اس گندگی میں لا پھینکا ہے تو ہمت اور حوصلہ سے کام لو۔ اس گندگی سے نکلنے کی کوشش کرو کیونکہ ابھی تک بہت کچھ تمہارے بس میں ہے۔ اگر یہاں کوئی بردہ فروش یہاں لا کر بیچ سکتا ہے تو کوئی نیک فروش اللہ کا بندہ تمہیں یہاں سے نکال کر بھی لے جا سکتا ہے۔"

نصیبو ایک استہزائیہ ہنسی سے بولی۔

"روشنیے! یہ جگہ تازہ صحت مند لڑکیوں سے بھرپور مزیدار چوسٹ کی منڈی ہے۔ یہاں بوٹی بوٹی الگ الگ، نس نس تول اور ٹھونک بجا کر بھاؤ لگایا جاتا ہے اور یہ سب کچھ میرے پاس نہیں۔ ہمدردی، خلوص اور انسانیت جیسے الفاظ اور جذبے بھی کسی نہ کسی مفاد و مصلحت کے تحت ہی ابھرتے ہیں۔ رنگین آب و تاب والے خوبصورت قیمتی نگینوں کے ہوتے ہوئے کوئی بھلا معمولی بے قیمت پتھر کو کیونکر پسند کرے گا.....؟"

"دنیا میں بڑے بڑے سر پھرے اور بدمغز پڑے ہیں نصیبو! ... جو ہمیشہ کھانے کا سودا ہی کرتے چلے آتے ہیں....." وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ "اگر میں ہمیشہ کے لئے یہ ہاتھ پکڑ لوں تو کیا تم چھڑانا چاہو گی.....؟"

"روشنیے! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ ... تم اپنی عمر اور قد کاٹھ دیکھو۔ میں تو ابھی سولہ برس کی بھی نہیں ہوئی ہوں....."

وہ ہنس دیا بولا۔ ''تم نے بڑی بی بی کی عمر ڈھلی ڈھلی اور رنگے ہوئے سفید بالوں کی پٹیا دیکھی ہے۔۔۔ اگر ایک قبر رسیدہ بڑھیا اپنے پوتے کی عمر کے بچے کو اپنا محبوب یا دلیل بنا سکتی ہے تو کیا ایک کھڑی عمر کا مرد ایک نوعمر لڑکی سے حق نکاح نہیں کر سکتا؟ یہ کوئی ان ہونی تو نہیں۔''

نصیبو اٹھتے ہوئے بولی۔ ''روشنی! مذاق ختم کرو۔ تم جیسے خوبصورت' طرح دار' صحت مند مرد جسے ایک سے بڑھ کر ایک جوان' حسین عورت مل سکتی ہے۔ جس کے لئے ملاقاتی کی خوبصورت سے خوبصورت عورتیں ٹھنڈی آہیں بھرتی ہوں اُسے ایک بے حیثیت' کم سن' چیچک رُو' بدصورت مریل سی چھوکری سے کیا نسبت.....؟''

''نہیں' بلکہ یوں کہو تو زیادہ صحیح ہے کہ ان موہنی روشنی پتلیوں کو تم سے کیسی نسبت؟۔۔۔ نصیبو! بُرائی' حرام' جھوٹ کیسے بھی حسین اور دلفریب یوں نہ ہوں' آخر ان کا صلہ بُرائی' رسوائی' نقصان کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اچھائی' سچ اور نیکی سے وقتی طور پر کیسے ہی نقصان اور گھاٹے دکھائی دیتے ہوں' بالآخر خیر ہی نکلتی ہے۔۔۔ ہاں' یہ ضرور سوچ اور سمجھ لینا کہ میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن مسلمان ضرور ہوں۔ اب یہ دیکھو کہ تم کسی غیر مسلم کے ہاں بکنا پسند کرو گی یا کسی مسلمان کو ترجیح دو گی جو تمہیں دل کی گہرائیوں اور چاہتوں سے چاہتا ہو۔

وہ مسکرا کر یوں بیٹھ گیا جیسے کوئی ذہین طالب علم اپنے سخت گیر استاد کے سامنے سرنگوں سا بیٹھا ہوتا ہے۔ نصیبو بہت دیر تک اُسے دیکھتی رہی۔ آخر جب وہ بھی اسی طرح سر ڈال کر بیٹھی تو روشنی خان مسکراتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔

بڑی بی بی دوپہر کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں قیلولہ کر رہی تھی کہ روشنی خان اجازت لے کر اندر داخل ہوا۔ پریم رس کو اس کی بے وقتی آمد پر خفگی تو ضرور مگر متعجب نہیں ہوئی کہ کبھی کبھار وہ کسی اچانک ضرورت کے تحت وقت بے وقت منہ اٹھائے چلا آیا کرتا تھا۔ پہلے تو وہ اسے نیند سے بوجھل نیم باز آنکھوں سے گھورتی رہی' شاید وہ اس کی اس وقت آمد کا مقصد اپنے حساب سے جاننا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی حوالاتی بارھویں حس خاص سے محسوس کیا کہ روشنی خان کے رویے کی لو آج کچھ زیادہ ہی روشن ہے۔۔۔ وہ بڑی بی بی کی فرشی نشست کے پاس خاموشی سے دم دبا کر بیٹھ گیا۔ وہ مصنوعی سے تحکمانہ انداز سے پوچھنے لگی۔

''کہو روشنی! کیا چنا آپڑی ہو اس طرح منہ لٹکائے ہوئے ہو۔۔۔؟''

''بڑی بی بی! وہ نصیبو ہے نا' وہ.....''

UrduPhoto.com

"ہاں! نصیبو ہے..... کیا ہوا اُسے.....؟"

وہ اسی انداز میں سر جھکائے ہوئے ممیایا۔ "اُسے تھپی پہنا دی گئی ہے اور میں اس کی تھپی اُتارنا چاہتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گیا تھا۔ بڑی بی بی کو جیسے پشت پہ کسی بڑے سے پتھر نے ٹانگ مار دیا ہو، وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اسے عجیب سی نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر ادھیڑ کر بولی۔

"روشنیے! تھپی اُتارنے کا مطلب تم سے اور مجھ سے زیادہ کون جانے گا؟ ..... میں نے نصیبو پہ بڑی رقم پھینکی ہوئی ہے۔ میری ڈوبی رقم نکلنے کا سمے آیا تو کمبخت تو گھر سے ہی سپولیے کی مانند نکل آیا..... ہم اپنے خانہ زادوں سے کاروباری معاملت نہیں کرتے۔" نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے پاؤں پہ رکھ کر کہنے لگی..... "ذرا میرے پاؤں دباؤ.....!"

"بڑی بی بی! اب مجھے اس خدمت سے معذور سمجھو۔ میں صرف یہاں اس وقت نصیبو کو مانگنے آیا ہوں۔"

اب تو پریم رس کور کو جیسے کسی کالے سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ اُسے اپنی آنکھوں اور کانوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ روشنی خان بھی یہ مستان و بیباک بھی ہو سکتا ہے یہ وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے طوائفانہ طور میں پوچھنے لگی۔

"کیا دام لگاتے ہو نصیبو کے.....؟"

"..... وہی جو کبھی آپ نے روشنی خان کے لگائے تھے۔"

یہ کچھ اپنے آپ ہی اس کے منہ سے نکل گیا..... جسے سن کر پریم رس کور پہ جیسے فالج کا ایک ہو گیا ہو۔ اُسے اپنا جسم سُن ہوتا محسوس ہوا۔ وہ سوچنے لگی کہ ضرورت کے کھونٹے پہ مجبوری کی زنجیر سے ہر حرام و حلال جانور کو باندھا تو جا سکتا ہے مگر اسے ہمیشہ روک کر رکھا نہیں جا سکتا..... وہ جیسے اپنے تئیں کوئی فیصلہ کر چکی تھی، وہیں سے آواز لگا کر ایک خادمہ کو بلوایا اور فوراً ہی وقت نصیبو کو طلب کیا۔ اس کے پہنچنے میں بھلا کیا دیر لگتی تھی۔ وہ سہمی ہوئی بارش میں بھیگی کبوتری کی طرح سامنے کھڑی تھی۔ دونوں کو کافی دیر سر سے پاؤں تک گھورنے کے بعد بڑی بی بی نے نصیبو سے پوچھا۔

"نصیبو! روشنیے نے تم سے کبھی کوئی بھی غیر اخلاقی حرکت کی.....؟"

وہ کپکپاتی سی آواز میں بولی۔ "غیر اخلاقی تو نہیں..... اخلاقی حرکت ضرور کی ہے۔"

بڑی بی بی نے لہجے کا پینترہ بدل کر پھر پوچھا۔ "کبھی ہم نے تمہیں کوئی غیر اخلاقی کام کرنے کے

UrduPhoto.com

لئے کہا ہو یا آمادہ کرنے کی کوشش کی ہو.....؟"

وہ اسی بے خوفی سے بولی۔ "تھپڑ ڈالنے کے علاوہ بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے ؟"

"یہ ہم کنجروں کی ریتیں اور رواج ہیں جن سے انحراف ہمارے لئے ممکن نہیں ہوتا"

بڑی بی بی نے اس کی آدھی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

نصیبو نے بھی اسی طرح ٹرت جواب دیا۔

"بڑی بی بی! ایسے ہی ہم شریفوں کی بھی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں ۔۔۔ ہم آپ کے قدموں میں زندگی تو گزار سکتے ہیں آپ کے پاؤں دھو دھو کر پی سکتے ہیں مگر ناک میں تھپڑ ڈلوا کر نہیں جی سکتے"

بڑی بی بی روشنی خان کی جانب نفرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم روشنیے کو شاید مکمل طور پہ نہیں جانتی ۔۔۔ یہ سر سے پاؤں تک کنجر ہی کنجر ہے' کنجر کوئی ذات یا قوم نہیں۔ عورت کی کمائی کھانے والا اور اس کو بے جا سر پہ چڑھانے والا کنجر ہوتا ہے۔ کنجر کی کوئی ماں بہن بیوی بیٹی نہیں ہوتی ۔۔۔ اور ہاں جسے ایک بار حرام راس آ جائے وہ پھر کبھی حلال نہیں کھاتا' اگر کبھی کھا بھی لے تو اسے اذیت لگ جاتی ہے۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا' سوچ لو ۔۔۔ یہاں رہنا ہے یا روشنیے کے ساتھ جانا ہے"

وہ ناک سے تھپڑ اتار کر اس کے قدموں میں دھرتے ہوئے کہنے لگی۔

"بڑی بی بی! آپ نے مجھے نصیبو نام دیا ہے۔ اگر میرے نصیب میں یہی روشنیے ہی لکھا ہے تو بھی میں خوش ہوں ۔۔۔ کسی اونچی ذات اور عزت دولت والے کی رکھیل رہنے سے کسی کنجر کی بیوی بننا میرے نزدیک زیادہ افضل ہے۔ وہ کنجر بیوی کو چراغ خانہ بناتا ہے یا شمع محفل' یہ اس کے اپنے اعمال ہیں"

بڑی بی بی نے توجہ اور سکون سے نصیبو کی باتیں سنیں۔ پھر وہ روشنی خان سے مخاطب ہوئی۔

"روشنیے! آج ابھی سے تمہارا اس ڈیرے سے تعلق ٹوٹا۔ تم آج سے ٹھیک سات روز بعد چند معززین کے ساتھ یہاں پہنچ جانا اور نصیبو کو بیاہ کر لے جانا ۔۔۔ اب تم جا سکتے ہو"

پریم رس کور کے یہ الفاظ روشنی خان کے کانوں کے قریب تڑ تڑی پٹاخے کی مانند پھٹے' وہ کسی گھوڑے گدھے کی طرح بدکا ضرور مگر بدحواس نہیں ہوا تھا' وہ تو یہاں کشتیاں جلا کر آیا تھا۔ اسے خوب اندازہ تھا کہ آج تخت ہے اور یا پھر تختہ۔ عشق میں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ پریم رس کور جیسی توپ عورت جس نے اک زمانے کو اپنی اداؤں' گھاتوں اور باتوں کی آڑ سے گزار دیا ہوا تھا' اس کے دانتوں سے شکار چھین

UrduPhoto.com

کرنے جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اگر بڑی بی بی پریم رس کو روشنی خان کی کانی نہ ہوتی تو وہ اسے کھڑے کھڑے دو کوڑی کا کر دیتی مگر اس زمانہ دیدہ چشیدہ ماتھے نے اس نازک موقعہ پہ بڑی دور اندیشی سے فوری فیصلہ کیا تھا اور کیوں نہ کرتی' یہ مشورہ و غور و فروش لوگ ہوتے ہی وقت شناس ہیں۔ وقت کا صحیح استعمال اور اس سے کما حقہ فائدہ حاصل کرنا کوئی ان سے سیکھے۔ یہ وقت اور موقع شناس ہی نہیں' چہرہ مہرہ اور مزاج شناس بھی ہوتے ہیں۔ انسانی فطرت' جبلت' نفسیات' جنسیات' جذباتیات۔ انسانی کمینگی' درندگی' نفرت' محبت' وفا' دغا سے جتنے یہ لوگ واقف ہوتے ہیں اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ' حقہ سے اصیل' جاہل سے عالم تک ہر قبیل کا بندہ ان کا بندۂ بے دام بن جاتا ہے۔

بڑی بی بی جان چکی تھی کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے' اب فضیحتہ کھڑا کرنے سے اپنی آب بھی جاتی ہے۔ گلی کوچے کو سنائے بغیر' عزت و بھرم سے اس کو حلق سے نیچے اتارنے میں ہی اس نے اپنا بڑا پن سمجھا۔ اس میں کچھ نام نیکی بھی تھی۔ نصیبو کی حد تک تو ٹھیک تھا مگر جب روشنیے کی جانب دھیان جاتا تو بیٹھے پہ سانپ لوٹ جاتا۔ یہ تصور کرکے کہ یہ بے وفا' ہرجائی' دغاباز اب اس کی بجائے نصیبو کا دم بھرے گا۔ اس کا کلیجہ حلق میں آ جاتا۔ کئی مرتبہ دل کے ارادے دم کئے ہوئے فیصلے پھسلتے پھسلتے رہ گئے۔ روشنیے جیسا یار طرحدار اب اس کے پاؤں دابنے والی دو ٹکے کی بیچ بازار بکاؤ ہوئی سازھے چار فٹی چھوکری کے پہلو میں ہوگا؟ یہ خیال آتے ہی وہ کلیجہ مسوس کر رہ جاتی۔ واقعی عورت چاہے بیوی ہو یا محبوبہ' رکھیل۔ اپنے مقابل کسی اور عورت کو برداشت نہیں کر سکتی البتہ طوائف کی بات الگ ہے کیونکہ وہ عام گھریلو شریف عورت کے برعکس اکثر دلداروں سے بھی کام سلٹ لیتی ہے۔ درمیانی پانچ سات دنوں کا تقاضا بھی اس نے اس موہوم سی امید کے پیش نظر رکھا تھا کہ شاید اس دوران اس کا دماغ ٹھکانے آ جائے..... کمبخت' کم ظرف جس تھل بکرا کا کل کو چھوڑ کر پایاب سی گوشتی پہ جا پڑا۔ اور کم نصیبو کا منہ نہ ماتھا' ادھر تھا کیا جو کسی کو بھاتا؟ شاید یہیں پہ کسی نے کہا تھا کہ دل آنے کے انداز نرالے ہیں..... روشنی خان یوں پلو جھاڑ کر یہاں سے نکلا جیسے وہ انگارے اگاتا اور اجالتا رہا ہو یا پھر اک لمبی قید جھیلنے کے بعد وہ آزاد ہوا ہو۔ اس کے تو چھوٹے منہ سے یہ تک نہ نکلا کہ بڑی بی بی! مجھے اپنے قدموں سے دور نہ کریں یا مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہو تو معاف کر دیں۔ اس نے جاتے سمے آداب' بندگی یا شکریہ تک نہ کہا اور نہ ہی پلٹ کر اک نظر نصیبو کی جانب دیکھا۔ پریم رس کو نفرت بھری نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"گھر کا نہ گھاٹ کا' دو ٹکے کی اوقات کا!..... نصیبو! او بد نصیبو! دیکھ لیا کانچ؟ ٹوری کی مٹی منارے پہ چڑھی۔ آستین کا سانپ..... بائے' گاڑھا اتروا کر ریشم پہنوایا' بتوں کے کھڑوے پھنکوا کر

تُکی کا مداری سیم شاہی پاؤں ڈالوائی بھٹیارے کی بیٹی دال اور چپاتی سے اُٹھا کر بریانی اور قورمے پہ بٹھایا مگر کم ذات کو عزت آسودگی راس نہ آئی ... ہائے نصیبو! تو آج سے بدنصیبو ہو گئی۔ جس طوطا چشم احسان فراموش نے میری مہربانیوں اور احسانوں کا یہ بدلہ دیا وہ تجھے جیسی ڈیڑھ تھنی بہاری بکری کا کتنے روز دودھ پیئے گا ... اری میری بات یاد رکھ تیسرے روز ہی تیرے دام کھیسے میں ڈال کر تجھے کسی قصائی کے حوالے کر دے گا۔ رو یہ پھر بیٹھی وہ تھرا اُٹھاتی ... اری بدلحاظی بدشگنی کلموہی! شگنوں کی نتھ اُتار پھینکی۔ برادری والوں کو خبر ہو جاوے تو کوئی تیرے منہ پہ نہ تھوکے۔ اب بھی وقت ہے اُٹھا اسے اور جیسے اُتاری ویسے ہی پہن ''

نصیبو نے سر اُٹھا کر اک نظر نتھ کی جانب دیکھا پھر دھاڑیں مارتی ہوئی بڑی بی بی کے پاؤں میں گر گئی ہچکیوں کے درمیان فریاد کرنے لگی۔

''بڑی بی بی! میں نے کبھی بتایا نہیں۔ میں مسلسل کئی برسوں سے ایک خواب دیکھ رہی ہوں۔ ایک بزرگ سفید داڑھی نورانی چہرہ کہیں سے آتے ہیں۔ خمیدہ کمر تھکے ہارے۔ مجھے السلام علیکم کہہ میرے سر پہ دست شفقت رکھتے ہیں پھر جیب سے ایک رومال جس میں چاندی کے دو روپے بندھے ہوتے ہیں میری جھولی میں ڈال دیتے ہیں اور ہاتھ اُٹھا کر میرے لئے دعا کرتے ہیں مگر آج یعنی پچھلی شب یہی خواب ایک چھوٹی سی تبدیلی کے ساتھ دیکھا۔ معمول کی ساری کارروائی کے بعد ان بزرگوار کی نگاہ اچانک میری نتھ پہ پڑی یہیں اُن کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہو جاتا ہے قدرے خفگی سے مجھے حکم دیتے ہیں کہ اس نتھ کو اُتار کر پھینک دے یہ تمہارے لئے نہیں۔ اسے اُتار دو اسے لوٹا دو۔ میں ہاتھ جوڑ کر عرض کرتی ہوں کہ یہ نتھ مجھے بڑی بی بی کے حکم اور ڈیرے کی ریت و رواج کے مطابق پہنائی گئی ہے۔ یہ نتھ ایک بار پہنا دی جائے تو پھر اسے وہی اُتارتا ہے جو ڈیرہ دارنی کی منہ مانگی نتھ اُتروائی ادا کرتا ہے۔ میری یہ بات شاید انہیں ناگوار گزری قدرے خفگی سے بولے کہ اتنے عرصہ سے ہم تمہیں لال رومال میں باندھ کر روپے دے رہے ہیں وہ سب اُٹھاؤ اور جو مانگے اُسے دے دو مگر یہ نتھ اُتار دو۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے اور پھر یہ رونگٹے والا معاملہ درمیان میں آ گیا ... بڑی بی بی! میں قسم کھا کر کہتی ہوں اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں بھی مسلمان ہوں اور تم بھی مسلمان ہو۔ میں نے اسے بہتیرا سمجھایا کہ تیرا میرا کوئی جوڑ نہیں۔ میں نیا نیا بدصورت سی لڑکی ہوں اور نہ ہی تیری میری عمر میل کھاتی ہے مگر وہ میری ہر بات بنس کر ٹال گیا اور آپ کے پاس چلا آیا ... ''

پریم رس کور نہ صرف بڑے انہماک اور باریک بینی سے اس کی یہ باتیں سن رہی تھی بلکہ بڑی

گہرائی میں اتر کر ان پہ غور بھی کر رہی تھی۔ خاص طور پہ خواب۔ بزرگ' نتھ اتارنے والی بات اور لال رومال میں بندھے ہوئے روپے... نصیبو تو اپنی بات کبھی کی ختم کر کے پاؤں دابنے میں جتی ہوئی تھی جبکہ پریم رس کو رشاید کہیں اور پھنسی ہوئی تھی۔ پھر وہ جیسے کوئی فیصلہ کرتے ہوئے اٹھی اور نصیبو کو اپنے ساتھ لئے ہوئے اس کی کوٹھڑی میں پہنچ گئی۔ چھوٹی سی کمرا نما کوٹھڑی میں جھلنگی سی چارپائی' دو تین ٹین کے ادھ پچکے سے صندوق' الگنی پہ لٹکے سے جھولے ملوٹھے پہناوے کے کپڑے اور ڈھیاں' دیوار پہ چمٹے ہوئے پھٹے پرانے سے کلموں' آیتوں والے کیلنڈر اور چوکھٹے میں جڑا ہوا اندھا سا شیشہ' اوپر دو چھتی پہ ایک گٹھڑی میں بندھے تو شک اور لحاف۔ تانبے کی ایک پرانی سی ناند' فرشی حقے اور پرانی دریاں وغیرہ پڑی تھیں۔ ایک کونے میں مکڑی کے ایک چوکے پہ پھٹی پرانی سی جائے نماز بچھی تھی جس کے ساتھ ایک تسبیح اور کچھ عربی کے قاعدے اور درود و ذرود کے کتابچے تھے۔ بڑی بی بی اسی مکڑی کے چوکے پہ بیٹھ کر کوٹھڑی میں موجود ایک ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگی۔ پھر قدموں میں بیٹھی ہوئی نصیبو سے اچانک پوچھ لیا۔

''خواب میں دکھائی دینے والے بابا جی جو لال رومال میں باندھ کر روپے دیتے رہے ہیں وہ کہاں رکھے ہیں.....؟''

نصیبو نے پٹ پٹا کر بڑی بی بی کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''بڑی بی بی! وہ تو خواب میں دیتے تھے کوئی سچی مچی سے لال رومال میں بندھے ہوئے روپے تو نہیں دیتے تھے..... بھولپن سے وہ کہہ رہی تھی..... ''وہ تو خواب تھا جو کئی برسوں سے مجھے ہر رات دکھائی دیتا ہے۔ ایک ساتھ ایک جیسا ہی.....''

بڑی بی بی اپنی موٹی خرانٹ آنکھوں کے برے اس کی معصوم ہرنی جیسی وحشت بھری آنکھوں میں گھسیڑتے اور نتھ والی بند مٹھی اس کے سامنے کھولتے ہوئے کہنے لگی۔

''مگر یہ نتھ تو تمہارے حقیقت میں میرے منہ پہ دے ماری ہے اور لال رومال اور اس میں بندھا ہوا مال خواب تھا؟..... واہ! کیا تمہارا خواب اور تمہارا روپوں والا لال رومال' پھر تمہارے خواب والے بزرگ' جو مال تو خواب میں دیتے ہیں اور نتھ حقیقت میں اتروا لیتے ہیں.....'' پریم رس کو اٹھتے ہوئے بولی..... ''بدنصیبو کم ذات! یہ خواب والے ڈرامے اور یہ بزرگوں والی کہانیاں ہم نے بہت سنی ہوئی اور سنائی ہوئی ہیں..... خبردار جو آج کے بعد اس کوٹھڑی سے باہر قدم نکالا' چٹیا سے پکڑ کر تمہیں مہتر کے حوالے کر دوں گی۔ تمہارے سارے خوابوں کی تعبیر وہ ایسی نکالے گا کہ تم پھر کبھی ایسے خواب دیکھنے کے قابل بھی نہ رہو گی.....''

UrduPhoto.com

نصیبو مضبوطی سے پاؤں پکڑتے ہوئے گھگھیائی۔

''بڑی بی بی! خدا کے لئے میرے خواب والے بزرگ کے بارے میں کچھ مت کہو۔ مجھے چاہو تو مجھے مہتر کے حوالے کر دو یا کتوں کے آگے ڈال دو۔ جو چاہو سلوک کرو مگر میرے خواب والے ...''

وہ پٹیا پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے بولی۔ ''میں بزرگوں ولیوں گیانیوں بھگتوں کی منتظر نہیں ہوں اور نہ ہی کسی کو جھوٹا سچا کہتی ہوں مگر یہ تم ایسی مکار چھوکریوں کے خوابوں والے بابوں بزرگوں کو نہیں مانتی ... اگر تم ایسی ہی اپنے بزرگ پہ یقین رکھتی ہو تو نکالو کھرے چاندی شاہی غیر کے روپے جو تمہیں تمہارے بزرگ نے دو روپے کے حساب سے ہر رات خواب میں دیئے ... روپے میرے ہاتھ پہ دھرو اور میں یہ نتھ تمہارے ہاتھ سے کنویں میں پھنکوا دیتی ہوں۔ پھر تم جہاں چاہو گی تمہارا پلا باندھ کر میں اپنا پلا پاک کر لوں گی ...''

نصیبو کی پٹیا لاکھ تک پریم رس کور کے ہاتھ میں تھی۔ منہ اوپر آسمان کی طرف اٹھا ہوا آنکھوں میں آنسوؤں کی جل دھارا۔ کپکپاتے خاموش سے فریاد کرتے ہوئے ہونٹ۔ خاکستری چہرے پہ کھنڈا ہوا حزن اور ملال کی سجی ہوئی ملاحت ... وہ ایک مجسمہ تھی ... کسی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اسی ٹرانس میں ... اسوہ ... قریب ہی ... مسلمانوں کے علاقے سے کسی مشوک الحال موذن کی کانپتی لرزہ لیتی ہوئی اذان کی آواز سنائی دی۔ نصیبو نے بھیگی آنکھوں سے بڑی بی بی کے چہرے کی جانب دیکھا اور کہا۔

''بڑی بی بی! بڑے سب پیر اور بزرگ کا پیغام کانوں میں پڑ گیا ہے۔ اس کی بڑائی اور یکتائی کے آگے سر جھکا لوں پھر چاہے باؤں کی جائے شدرگ پکڑ لینا ...''

بڑی بی بی نے چند لمحے اس کے الفاظ پہ غور کیا۔ ''حیّ علی الفلاح حیّ علی الفلاح'' کی صدا کے دوران ہی اس نے بال چھوڑ دیئے اور نتھ کو نماز والے چوکے پہ تسبیح کے قریب دھرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں آدھے گھنٹے میں واپس آ رہی ہوں۔ جب میں واپس پہنچوں نتھ تمہارے نتھنے میں ہونی چاہئے یا پھر چاندی کے کھنکتے چمکتے سکے نتھ کے ساتھ اس نماز کے چوکے پہ پڑے ہونے چاہئیں ...''

وہ باہر نکلی تو نصیبو وضو کرنے بیٹھ گئی۔ ایسا وضو جو کنویں نل یا بہتے دریا کے پانی سے نہیں آنکھوں سے بہتے جھرنوں سے ہوتا ہے اور یہ وضو ظاہری اعضاء سے زیادہ باطنی بدن کو منزہ کرتا ہے۔ جب وہ خوب جل تھل ہو گئی تو پاس سرک کر نماز کے چوکے پہ آ گئی ... کبھی نمازی نماز پڑھتا ہے اور کبھی نماز

نمازی کو پڑھتی ہے۔ یہ بھی کوئی ایسی ہی نماز تھی۔ نہ قیام وقعدہ کی خبر اور نہ ہی سجدہ وسلام کا خیال۔ بس وہ سراپا عجز وفریاد اور اک نالہ آہ وبکا بنی ہوئی تھی۔ وقت کی کہانیاں دہائیاں تو حساب وکتاب والوں کے ہاں ہوتی ہیں دیوانوں کے ہاں تو وقت ذرہ کے دریدہ ذرہ دیوار کی درماندگی کی مانند ہوتا ہے۔ آیا گیا۔ بیچ سوچل۔ ٹھہرا تو ٹھہر گیا۔ وقت کی نبض ان کی کروٹ تلے دبی ہوتی ہے پہلو بدل لیا تو پہیہ گھوم گیا ورنہ وہیں وقت پتھر سل ہو جاتا ہے ..... وہ وہیں سجدے میں ڈھے سی گئی۔ وہی بزرگ آئے تھے اٹھائی اور سرخ رومال میں سو روپے بندھے ہوئے تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

"بڑی بی بی سے کہنا وہ چھتی پہ تانبے کی ہانڈی کے اندر بھی روپے پڑے ہیں۔ جبھی ضرورت ہو نکال لینا ....."

بڑی بی بی جب آئی تو بند مٹھی میں وہی تھے اور کھلے منہ میں [illegible] ..... نصیبو تو دونوں بندھے ہاتھوں پہ گال ٹکائے بے مندھی نیم کھلے منہ سے رال ٹپکائے جیسے نیند کے راوی پار اتری ہوئی ہو۔ ایسی حالت میں دیکھتے ہی بڑی بی بی کا پارہ چڑھ گیا وہ ٹھوڑی ہلاتے ہوئے بولی۔

"حرام خور مکار! تجھ میرے منہ مار کر بھاگ آئی ہے اور کیسے نیند کا ڈرامہ رچا کر بیٹھی ہے۔ ٹھہر تو ذرا تجھے مزہ چکھاتی ہوں۔"

اس نے ہنٹر منگوانے کے لئے ملازم کو آواز دی۔ نصیبو ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بڑی بی بی کو دیکھ رہی تھی۔ خواب والے بزرگ کی زیارت، سو روپے والی رومال کی پوٹلی اور وہ چھتی پہ پڑی تانبے کی ہانڈی والی بات اور تجھ اٹھا کر لے جانے والا منظر یہ سب کچھ ایک دل پذیر خوشبو کی مانند وہ محسوس کر رہی تھی ..... وہ اب مسکرانے لگی ادھر ملازم چمڑے کا ہنٹر لے کر آ پہنچا تھا۔ بڑی بی بی ہنٹر ہراتے ہوئے خونبار نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"چھنال! اب دیکھتی ہوں کہ تو یہ نتھ کیسے نہیں پہنتی ....."

بڑی بی بی نے ہنٹر لہرایا اور ادھر نصیبو پیچھے ہٹ کر اپنی کمر ننگی کرتے ہوئے بولی۔

"بڑی بی بی! آج خوب اپنے دل کی بھڑاس نکال لو۔ میری چمڑی ادھیڑ ادھیڑ کر ہڈیاں ننگی کر ڈالو میں اف تک نہیں کروں گی مگر مارنے سے پہلے میری ایک چھوٹی سی بات ضرور سن لو ..... وہ یہ کہ اگر نتھ وہاں پھینکنے کی وجہ سے مجھے یہ سزا دی جا رہی ہے تو میں بے قصور ہوں اور اگر کوئی اس کے علاوہ میرا قصور ہے تو میں حاضر ہوں میری کھال ادھیڑ ڈالو....."

بڑی بی بی نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے ایک زور کا ہاتھ جڑ ہی دیا ہنٹر لہرا کر معصوم

UrduPhoto.com

کی معدوم سی کمر کو چاٹ گیا۔ ایک ٹھنڈی ٹھنڈی سی چیخ اور بنٹر کی تڑاخ سی گونج نے جیسے ایک بھونچال سا سماں پیدا کر دیا۔ نصیبو کو ہر چیز گھومتی اور لرزتی ہوئی محسوس ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے وہ چہک کر بولی۔

"بڑی بی بی! بڑا ہی سواد آیا ہے۔ ایک اور ذرا زور سے....."

اس نے اپنا کرتہ ذرا اور اوپر سرکا دیا۔ بڑی بی بی نے بنٹر سمیٹ کر مارنے کے لئے پھر اٹھانا چاہا تو جیسے بازو نے اٹھنے سے انکار کر دیا ہو بازو تولے ہوئے بدن کی طرح بے حس سا لٹکا ہوا تھا۔ وہ حیران اور پریشان سی اپنے بازو کو حرکت دینے کی کوشش کر رہی تھی مگر بازو شاید بے حس ہو چکا تھا۔ نصیبو نے جھکا ہوا سر اوپر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ بڑی بی بی اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں بازو کو پکڑے ہوئے وہیں نھوسا بھری بوری کی طرح تھپ سی ہو گئی۔ ملازم کو کہا کہ میری نس پہ نس چڑھ گئی ہے جلدی سے میرے بازو کو اوپر نیچے ہلاؤ۔ نصیبو اٹھی اور بڑی بی بی کے بازو کو سہلانے لگی بولی۔

"بڑی بی بی! بالک ہو۔ جو چاہو سو کرو۔ تمہیں زیبا ہے مگر قصور پہ بگڑو تو بات بھی ہے۔ بے قصور پہ ظلم اللہ کو پسند نہیں۔"

بڑی بی بی نے اسے دھتکارتے ہوئے کہا۔ "ہٹ کلموہی! چور بھی خبر بھی۔ مجھی سے مکاری اور مجھی کو سبق۔ [illegible] بار میرے [illegible] پلا آئی اور الٹی مجھے انصاف اور ظلم کا سبق دینے [illegible]۔"

نصیبو بولی۔ "بڑی بی بی! میں تو نماز کے چوکے سے ایک لمحے کے لئے بھی ادھر ادھر نہیں ہوئی اور آپ مجھے اپنے کمرے تک جانے کا کہہ رہی ہیں..... اگر میری بات کا یقین نہیں تو یہ قرآن شریف پڑا ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں باہر نہیں نکلی۔"

"تو پھر یہ نتھ میرے منہ پہ کون مار کر گیا ہے..... کوئی جن یا تمہارا وہ خواب والا بزرگ.....؟"

نصیبو نے بازو سہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "جن کا تو مجھے پتہ نہیں البتہ وہ بزرگ..... ہو سکتا ہے کہ یہ کام انہوں نے ہی کیا ہو کیونکہ آپ کے جانے کے بعد وہی میرے پاس آئے تھے۔ نتھ چوکے سے اٹھا کر بولے کہ یہ تمہارے کے لئے نہیں۔ یہ چاندی کے پورے سو روپے رکھے ہیں۔ جو مانگتے ہیں انہیں دے دو اور یہ بھی کہا کہ اگر اور بھی چاہئے ہوں تو اوپر تاپے کی ناند سے نکال لیں....."

پریم رس کور ہاتھ لہراتے ہوئے بولی۔ "بخشو بی بی میں لنڈوری ہی بھلی..... تم نکھندی مجھے سو روپلی دو گی اور میں نکھندی تمہارے سو روپوں سے اپنے ایک سو ایک گھاٹ پورے کروں گی....."

وہ پھر نتھ نماز کے چوکے پہ دھرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں جا رہی ہوں' بازو کو دبوا کر پھر لوٹوں گی ... فیصلہ کر رکھیو۔''

نصیبو بڑے ادب سے بولی۔ ''بڑی بی بی! فیصلہ تو بزرگ کر گئے ہیں ... وہ تکیے کے نیچے آپ کے لئے چاندی کے روپے رکھے پڑے ہیں' گن لیجئے ... بزرگ نے کہا تھا' سرخ رومالوں میں بندھے ہوئے تیرے ہر روز کے دو دو روپے بھی اوپر تانبے کی نانڈ میں جمع ہیں۔ مانگنے والے کا سو روپے سے رکھیو نہ بھرے تو اوپر بھری نانڈ کا منہ کھول دینا.....''

چوکھٹ پھلانگتی ہوئی پریم رس کور یوں رکی گویا کسی نے اس کی کمر سے بندھی ہوئی رسی کھینچ لی۔ وہ اسے اور کبھی تکیے کو دیکھنے لگی۔ بالآخر کچھ سوچتے ہوئے اندر آئی' میلا چیکٹ تکیہ اٹھایا اور چونکتے ہوئے یوں ایک قدم پیچھے ہٹ آئی گویا وہاں سرخ بانات کی چاندی کے کھرے سکوں سے بھری ہوئی نعظر پوٹلی نہ ہو' کسی کا سرخ لہو سے لت پت تازہ تازہ کٹا ہوا کلیجہ ہو۔ اس کے تنگ تنگ ماتھے پہ ننھے ننھے پسینے کے ستارے سے چمکنے لگے' آنکھیں جیسے چندھیا سی گئی ہوں۔ تکیہ اٹھائے وہ گویا پتھر سی ہو گئی' جوں ہی گئی کہ جس ہاتھ بازو سے اس نے تکیہ اٹھایا ہوا ہے' تھوڑی دیر پہلے وہ بازو ناکارہ سا ہو گیا تھا۔ تکیہ پرے چارپائی پہ پھینک کر اس نے سرخ بانات کی پوٹلی کو بڑی آہستگی اور احتیاط سے اٹھایا۔ وزنی پوٹلی نے اسے باور کرا دیا تھا کہ اس میں [illegible] پوٹلی کھولتے ہوئے اسے چارپائی کی چادر پہ الٹ دیا۔ چمکتے کھنکتے ہوئے نقرئی سکے گویا تازہ بہ تازہ نئے نئے ٹکسال سے ڈھل کر لائے گئے ہوں۔ ایک روپے کو انگلیوں سے کچکچایا اور ہاتھ کی انگلی انگوٹھے سے ٹھن ٹھنکا کر دیکھا تو سو فیصد اصل کھری تھولی چاندی تھی۔ اب اس نے اپنی سدا کی کھوٹی کانچی کی طرف دیکھا جو کبھی بڑی بی بی' کبھی سرخ بانات پوٹلی اور کبھی چاندی کے کھرے ٹھہرو شاہی روپوں کو دیکھ رہی تھی۔

''بیٹھو !''

پریم رس کور نے خود چوکے پہ بیٹھتے ہوئے' اسے سامنے چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اب جیسے اس کے چڑھے ہوئے سر اتر آئے تھے' لہجے کی تلخی اور ترشی جیسے حلاوت بھری شیرینی میں شیر و شکر ہو گئی تھی۔ بار بار روپوں' پوٹلی اور نصیبو کو دیکھتی پھر جیسے کچھ کہنا بھی چاہ رہی ہو لیکن الفاظ ساتھ نہ دے رہے ہوں ... ملازم کو دو گلاسوں میں شربت لانے کا کہہ کر وہ پھر نظر باندھے نصیبو کو دیکھنے لگی۔

''بڑی بی بی! آپ بار بار مجھے اس طرح سے کیوں دیکھ رہی ہیں ...؟''

اب جیسے پریم رس کور کو الفاظ مل گئے ہوں' بولی۔

''نصیبو! میں تمہیں دیکھ دیکھ کر سوچ رہی ہوں کہ تم کتنی خوش نصیب ہو اور میں کیسی بدنصیب

اور بڑی ہوں کہ تم جیسی نیک، دیوی سمان اللہ کی بندی کو کتنا غلط سمجھا۔ کیسے کیسے ظلم و ستم کیے۔ گالی گلوچ کی، ہاتھ مارے، بالوں سے کھینچا اور تو اور تمہارے بزرگ بابا کے بارے میں گستاخیاں کیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ میری بھی کہیں گنتی ہوگی، میں بھی کہیں بخشی جاؤں گی۔۔۔؟"

ملازم شربت والے گلاس رکھ کر باہر نکلا تو پریم رس کور نے اٹھ کر اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ نصیبو کو نماز والے چوکے پہ بٹھایا اور خود اس کے پاؤں میں بیٹھ کر اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ اب جو چھما چھم شروع ہوئی تو دونوں کو برسات کر لیا۔ ہچکیوں میں کہہ رہی تھی۔

"بیٹی! مجھ گنہگار اپرادھن کو معاف کر دو۔ اور اپنے بزرگ سے بھی معافی دلا دو۔ میں ایک گندی گالی عورت کے نام پہ کلنک کا ٹیکا۔ بیٹی! میری زبان تو تجھے بیٹی کہنے کے قابل بھی نہیں۔ دیکھ تو اس بات کی تو شاباش ہے کہ میں نے تجھے کبھی بدکاری پہ نہیں اکسایا۔ اس پہ بھی عقل بدھ ماری گئی جو میں نے تجھے نوکرانیوں کو بیٹیوں کی طرح ناک کی نوک پہ رکھا۔"

نصیبو کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، کیا نہ کرے؟ الفاظ نہیں مل رہے تھے بڑی مشکل سے اتنا کہہ پائی۔

"بڑی [illegible] آپ نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ میرے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہیں کی۔"

یہ اس زمانے کی بات ہے جب چاندی کا ایک روپیہ بہت بڑی دولت ہوا کرتا تھا۔ دھڑی دھیلا پائی۔ پیسہ ٹکا آنہ دمڑی کا دور تھا۔ ضرورت ایک چھوٹے سکے سے پوری ہو جاتی تھی۔ روپے کی حیثیت تو بہت اوپر کی تھی۔ تانگہ اور بزاز تو کسی دھنوان کے پاس ہی ہوا کرتے تھے اور لکھ پتی کوئی لاکھوں میں ایک ہوتا تھا۔ سو روپے کی پوٹلی بہت بڑی رقم تھی۔ بڑی بی بی نے بسم اللہ پڑھ کر باندھ کے پوٹلی نصیبو کی جھولی میں ڈال دی اور بولی۔

"بیٹی! مجھے معاف کر۔ یہ سب کچھ تیرا ہے۔ میری کمائی روپیہ پیسہ جائز اور حلال نہیں۔ تو اللہ والی ہے۔ آج سے تیرا کھانا پینا بھی اس دن سے بند۔ پانچ روز کسی طرح کاٹ۔ پھر جو تیرے نصیب۔۔۔ میرا مشورہ ہے کہ رقیے کا دھیان چھوڑ۔ وہ بھی اور نشے باز ہے۔ زندگی بھر تیرا تو ذکر دہرا نہیں کیا۔ جوا، تاش، گنجفہ، چوسر کا رسیا۔۔۔ ہتھے پہ حرام کی نہر لگی ہے۔ حرام کاری اس کا پیشہ ہے۔ اس کی جوانی، خوبصورتی اور لچے دار باتیں اس کا خطرناک ہتھیار ہیں۔ بڑی بڑی ملٹ ماتھے والی طوائفوں، کسبیوں کو ناکے لگا چکا ہے۔ اب پچھتانے سے کیا فائدہ؟ اس حرام خور نے میرا بڑھاپا بھی خراب کر دیا ہے۔ اس نے میں بیٹی

UrduPhoto.com

سمجھ کر تمہیں مشورہ دیتی ہوں کہ اس لپاٹے کے چکر میں مت پڑو۔ اللہ کے اچھے اچھے بندے ہیں۔ کسی نیک شریف اور غیرت مند انسان سے جڑو گی تو عزت آبرو سے رہو گی۔ یہ مرد ذات عورتوں کی کمائی اور برائی کھانے والا! میرے منہ میں خاک۔ یہ تو کل کلاں تمہیں بھی برائی میں دھکیلنے سے گریز نہیں کرے گا۔"

"بڑی بی بی! یہ فیصلے تو اوپر ہوتے ہیں۔ ویسے اچھائی کو برائی اور برائی کو اچھائی میں بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آپ خود اپنی مثال ہیں۔ پہلے آپ کا رویہ کیسا تھا اور اب کیا ہے؟" اگر انسان خود اندر سے مضبوط اپنی نیت کوشش پہ مطمئن ہو اپنے مالک کی مرضی و رضا کو اپنا مقدر ماننے والا ہو تو پھر اسے جو کچھ بھی ملے جیسا بھی ملے جو بھی ہو گزرے اس پہ شاکر اور خوش رہنا چاہئے۔ میں نے ہاں کہہ دی ہے روشنے کو ہاں بھی بتا دیا گیا ہے۔ اب میرے مقدر۔۔۔؟"

روشنی خان اور نصیبو کے نکاح سے پہلے ہی پریم رس کو مصروف ہو کر اپنے تمام کام دھندے سے تائب ہو چکی تھی۔ چند روز چکی میں کر اپنے لئے معمولی سا لباس بنوایا باقی تمام جائیداد اور مال و زر حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ چکی کی محنت کے تین کپڑے چار اور دھے وہ پیالہ سے نکل گئی۔ خواب والے بزرگ نے اپنے ہاتھ سے مسلمان کر کے اسے اجرت دی۔ وہ چکی والی تانبے کی ناند لیکن دیگ جو اس کی نانی نے دی تھی اسے حکم ملا کہ وہاں پہنچی وہاں ایک گاؤں سرسائی کے ناخدا کے میں ڈیرہ جمایا کھانا پینا کپڑا ضرورت کی ہر چیز تھی کہ روپیہ پیسہ بھی اسی تانبے کی ناند سے نکلتا رہا۔ روز کے سینکڑوں میں نذر تقسیم ہوتا تھا مگر ناند میں کبھی کمی نہ آئی۔ مائی سداورت کے نام سے مشہور ہوئی۔ تقسیم ہند کے دوران ہندو مسلم فساد میں چند نامعلوم قسم کے بلوائیوں نے مائی جی کو مسلمانوں کی "دیوی" سمجھ کر بلوائی کر ڈالا۔ مال و دولت کے لالچ میں ناند کو الٹا پلٹا مگر سوائے خون کے اور کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ ان کم بختوں نے مائی جی کے جسم کے ٹکڑے اسی ناند میں ڈال کر نہر میں بہا دیئے۔

روشنی خان اور نصیبو کی شادی انتہائی سادگی سے سرانجام پائی۔ کپڑے لتے زیور اور دیگر سامان کھانا پینا تمام چھوٹے بڑے اخراجات اسی خرچ بانات والی پوٹلی اور تانبے کی ناند کے اندر کے خزانے سے ہوئے تھے۔ بڑی بی بی نے اپنی ناجائز کمائی سے ایک آنہ بھی خرچ نہیں کی تھی۔ اسی ناند سے خاصی رقم نکال کر کالج منڈی کے ایک اچھے علاقے میں دو منزلہ مکان خرید کر دیا۔ روشنے کو ایک اچھی خاصی رقم کاروبار کے لئے دی۔ مکان کے نیچے روشنے نے پان تمباکو کی دوکان کھول لی۔ لکھنؤ، مراد آباد، دہلی اور کانپور کے خیمے زعفرانی، شیریں، نوش، مشکی، لوکے، راہے۔ غرض کہ طرح طرح کے کشیدن، چشیدن تمباکو، پتے، گلوریاں۔ پیچوان، سرخابے، مقیاں، اگردان، بخورے، اگالدان، آفتابے اور چاندی کے

دست پناہ۔ کوئلوں' موتی گیری اور کستورہ کوبری کے انگور ڈلے' سب کچھ فروخت ہونے لگا۔ روشنیے کی جاں سوزی' محبوبانہ گفتگو' التفات' نرگسیت اور وجاہت و طرحداری نے بڑے گل کھلائے۔ صاف ستھری' مشک و عنبر اور خمیروں سے مہکتی خوبصورت رنگین روشنیوں سے جھلملاتی ہوئی دوکان کیا تھی' ایک آئینہ خانہ' گوشۂ تسکین و طرب تھا۔ ایک دو ملازموں کی شکل میں خوبرو نوجوان ملازم بھی رکھ لئے..... روشنیے کی تو جیسے زندگی ہی بدل گئی تھی اور نصیبو کو تو وہ اب خوش نصیبو کہنے لگا تھا۔ اب دوکان نیچے اور اوپر گھر تھا۔ دیگر تمام خرمستیاں' دوستیاں' کمینوں اور سفلوں کی صحبت یاریاں' تاش شطرنج اور نشے کی بازیاں' سب کی سب جیسے بھی تھیں ہی نہیں۔ ادھر پریم نگر کی حویلی اجڑ کر پھر آباد ہو چکی تھی۔ اب وہاں کوئی آگرو کی باقی آبادی تھی۔ اختر یوسف یا بلبل' اب روشنیے کے لئے سب برابر تھا۔

سانولی سلونی چنچل ناری' مہین سی نصیبو اب ایسی کھل کر نکھری کہ چھب ہی بدل گئی' وقت زدی ایسی تھول کی کلی کی مانند کھل گئی کہ جس پری کے آبی الف سارنگی کی لہو ہوٹ کی جاپ پڑنے لگی۔ لکشمی ایسی مہربان ہوئی کہ نوٹ کے من بھاؤ کا روشنیے' دنوں میں نہال چند ہو گیا..... موسم بہار ہو تو گھنے بھی کونپلیں دکھائی دیتے ہیں' پتہ پتہ پیار کے پرچم کی مانند لہراتا نظر آتا ہے۔ دھوکیں' خوابناک دھندلکا پن دھن لیتے ہیں' اندھیرے [illegible] اور [illegible] کی خیدہ گردنیں بھی بڑی تمکنت و تفاخر سے تنی ہوتی ہیں۔ واقعتاً یہ سب کیفیتیں تنی تار کی طرح ہوتی ہیں جن کے تڑک سے ٹوٹ جانے کا دھڑکا ہر دم لگا رہتا ہے۔ ذرا سی کے اک تارے کی واحد تار ہمیشہ ضرورت سے ذرا کم ہی تنی یا پھر دانستہ ڈھیلی ڈھالی رکھی جاتی ہے۔ اسی لئے اس کی ایک ہی "ترنگ" ہوتی ہے' ایک ہی رنگ اتنے ہوتا ہے۔ سورنگی (سارنگی) یا ستار (ستار) کی طرح الف لیلیٰ کی ہزار داستانیں نہیں ہوتیں' صرف اک کھڑا الف ہی ہوتا ہے اور جو پورے حروف تہجی میں واحد مجرد اور متکلم ہوتا ہے جیسے الف اللہ' احمد' ال م میں مجرد اور متکلم ضمیر۔ اپنے اپنے فہم کی بات ہے' مجھے تو آل محمد بھی "ال م" متکلم اور متذکر دکھائی دیتی ہے۔

بات تھی کہ روشنیے کی تار تنی ہوئی تھی' اتنی تنی کہ بیدی کی مانند بس رہا تھا مگر ذرا روش صفت' اللہ کی گائے' اک تارے کی طرح ڈھیلی ڈھالی سی اک تار تھی' ساون جھلی نہ بھادوں ہری۔ دنیاداری میں تیرہ تین کی رائی اتنی ہو جائے کہ نہ تین کی۔ تن پہ چکا چوند آئی ہو سو آئی ہو پر من اور بھادوں میں وہی مسکینی اور عاجزی جیسے چار چوٹ کی سہہ کر ابھی کسی عقوبت خانے سے نکلی ہو۔ اوپر کے کام کاج اور اس کی نگہداشت' نگاہ داری کے لئے دو دو ماہیں موجود تھیں۔ مگر جب سے روشنیے کو گھر میں پاؤں بھاری ہوئے

کی مٹھی سی سُن سُن لگی تھی تب سے اس نے نصیبو کو سختی سے کام کاج سے منع کر دیا تھا کہ اللہ دے رہا ہے آرام کرو۔ من چاہا کھاؤ پیو۔ موج اڑاؤ مگر ایک بات یاد رکھنا کہ مجھے پیاری سی بچی چاہئے ..... وہ اس انوکھی خواہش کا کیا جواب دیتی کہ لوگ بیٹا مانگتے ہیں یہ بچی کی شدید خواہش کر رہا تھا۔ بار بار کی تکرار سے تنگ پڑتے ہوئے آخر اس نے ایک دن کہہ ہی دیا۔

"روشنیے! من چاہیاں کرنا اگر انسان کے اپنے بس میں ہو تو اس دنیا کا نظام دو دن بھی نہ چلے۔ انسان صرف سوچ سکتا ہے چاہ سکتا ہے خواہشیں پال سکتا ہے مگر ہوتا وہی ہے جو وہ قادر مطلق چاہتا ہے۔ اسی کو ہی تقدیر یا مقدر کہتے ہیں۔ جو بھی ہمارے مقدروں میں ہوگا وہ ہمیں مل جائے گا۔"

مگر روشنیے کا تو صرف نام روشنی خان تھا ویسے ہی جیسے کسی کا نام علم دین ہو اور ضروری نہیں کہ وہ عالم فاضل بھی ہو۔ نورٌ علیٰ نور اور کالا بھجنگ بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ روشنی خان بھی دراصل ظلمتی تھی اور باطنی طور پہ اندھیرا ہی اندھیرا تھا مگر چہرہ مہرہ بیکر و پاؤں ہاتھ ایسے اچھے کہ دیکھا کرے کوئی فصل شباب نے انگارے سے دہکا رکھے تھے دیکھنے والوں کی نگاہیں جھلس جاتی تھیں۔ جس مخالف کے لئے ایسی کشش کہ سات بچوں کی ماں سب کو مکھیا کھلا کر اس کے پیچھے ہوئے پریم رس کور کی مثال سامنے تھی۔ اپنی پیاری بیٹی روشنیے کو اپنی اس وقت کی مکمل ادراک بھی تھی وہ خوب جانتا تھا کہ اس کے پاس اپنی جاذبیت اور پرکشش شباب کی کتنی بڑی دولت ہے اور یہ حقیقت تھی کہ پورے پٹیالہ کی تمام ڈیرہ داریاں لٹر کھاں اور ناک پہ مکھی نہ بیٹھنے دینے والی خوبرو خواتین تو چھوڑیں نقد باریاں پسریاں اس ذات یکتا پہ دل اور آنکھ رکھتی تھیں۔ ایک مشہور شاعر نے اسے یہ کہہ کر کہا کہ روشنیے! تجھ سے اگر ایک بچی مل جائے تو اپنے چار بیٹوں کا بلیدان چڑھا دوں سیر بھر پکا سونا قدموں میں رکھوں اگر ایک بار میری سیڑھیوں چڑھ آئے ..... اس تناظر میں اگر دیکھا اور سوچا جائے تو روشنیے کا مسکین سی غریب نصیبو کا شادی کے لئے ہاتھ تھامنا اور پریم رس کور جیسی دھڑلے کی ڈیرہ دارنی جس کا وہ منظور نظر رکھیل تھا سے ٹکر لینا اور سب سے بڑی بات کہ اس بازار سے نصیبو کو ایک چھدام خرچ کئے بغیر بیاہ کر لے جانا ساتھ ہزاروں کا جہیز بھی اٹھوا لانا سمجھ میں نہیں آتا جبکہ حرام الولد اس بازار اور ماحول کے پروردہ نشاط پیشہ حضرات میں غیرت و حمیت اخلاق جرأت اور دلاوری وقار کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔

نصیبو اس کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی اور جو نہیں جانتی تھی وہ پریم رس کور نے بتا دیا تھا۔ یہ شخص کسی بھی لحاظ سے اس کا اہل نہیں تھا اس کے باوجود نصیبو بارضا و رغبت اس کے ساتھ مناکحت پہ راضی ہو گئی اور اب اس کے بچے کی ماں بھی بننے والی تھی۔ یہ سب کچھ بظاہر بڑا عجیب و غریب اور ان ہونا

سا لگتا ہے مگر ایسا نہیں۔ یہ تو ازل سے یونہی ہوتا آیا ہے۔ اچھائی میں برائی برائی میں اچھائی۔ غلط میں صحیح اور صحیح میں غلط۔ نیکی بدی اصل خطا یہ سب کچھ صرف ہمیں ضابطے اور قطار میں رکھنے کے لئے ہیں۔ ہمیں اس درمیانی فرق اور ہلکی سی حد بندی سمجھانے کے لئے وضع کی ہوئی اکائیاں ہیں۔ ایک بہت ہی طویل (یا چند لمحوں کی) بظاہر زندگی طے کرنے کے بعد یہ نکتہ ہلکا سا سمجھ میں آیا کہ بے حسی اور بے حسی بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جتنی علم یا عقل ہے۔ نیکی اچھائی سچائی عقلمندی بہادری حیا وفا کردار اور خاندان و نسب وغیرہ یہ سب کچھ محض اصطلاحیں اور اکائیاں ہیں تاکہ ہم باہمی فرق و تفاوت کو ظاہر کر سکیں۔ قدرت کے اصولوں طریقوں اور قانونوں کو دیکھیں۔ ہر چیز کو ایک ضد کے ساتھ پیدا فرمایا۔ کسی کو ظاہر کیا اور کسی کو پردہ دے دیا۔ حضرت انسان ہی کو لیں عجیب مجموعہ تضاد ہے۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ لاکھوں میں ایمان دکھانے اور اعزی دینے کے لئے جھوٹ بولنے۔ کبھی شعلہ کبھی شبنم پتھر کبھی ہیرا زہر کبھی تریاق بزدل کبھی بہادر۔ چار کتابیں پڑھ کر سینہ پھلا دے تو مسیحا کہلائے اور کوئی چار کلو کے فاقے کو ٹالنے کے لئے کسی کی معمولی سی جیب یا کسی کا پیٹ کاٹ لے تو جیب کترا اور قاتل کہلائے۔ یہی پیٹ و جسم جس میں دو لیٹر پیشاب دو اڑھائی لیٹر گندگی پیپ کیڑے مکوڑے گلی سڑی آلائشیں غدودیں حرام مغز حرام خون اور پتہ نہیں کیا کچھ ہے۔ یہی بدبو میں اور غلاظت [illegible] پڑے ہیں اور ہم بڑے صاف ستھرے پاک منزہ ہیں۔ کیا کیا بے ایمانیاں شرارتیں استادیاں اور بڑی بڑی ترکیبیں اور تماشے ہمارے دماغ میں ایجاد ہوتے ہیں مگر ہم نیک پارسا اور مخلص ہیں۔ دل میں کیا کیا اصنام اور بت دھرے ہوتے ہیں کیسے کیسے وسوسے اور خیالات جنم لے رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح آنکھیں کان لب ہاتھ پاؤں پورا انسانی نظام ہی اچھائی برائی نیکی گناہ سچ جھوٹ انسانیت کمینگی حلال حرام پاکی پلیدی کی حدوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہر سرخ صالح خون کی وریدوں کے ساتھ نیلے رنگ کی رگ حرام خون کی دوڑتی ہے جیسے نیکی کی دو قسمیں سرخ اور کالی۔ تازہ خون کی اور استعمال شدہ خون کی اور ... ہر صالح طیب خوش نظر خوش وقت تازہ اور لذیذ غذا تعلق سوچ فکر سفر رویے روایات اصول قانون رشتے اور راستے اپنی ضد کی طرف لوٹتے ہیں۔ بظاہر ایک بڑا آدمی جب ہدایت پکڑتا ہے تو ولی اللہ بن جاتا ہے۔ چور سے قطب بنا راہزن سے ولی بنا غلام کا بادشاہ بنا گندے کا سربراہ بن جانا ... اسی طرح بڑے بڑے ذی جاہ و ذی شان بڑے بڑے عالم دین پرہیزگار اور ولی جب قعر مذلت میں گرے تو ایسے بری طرح گرے کہ ان کا نام و نشاں بھی باقی نہ رہا۔

اس طولانی تمہید سے یہ ظاہر ہوا کہ کبھی کسی کو برا نہ کہو البتہ اس کے اعمال کو برا یا غلط کہو

عین واجب ہے۔ کسی کو بنچ کلرک اور پیشے کے لحاظ سے بھی کبھی چھوٹا اور کھوٹا نہ سمجھو۔ رنگ روپ قد کاٹھ
بدا عضائی عقل سمجھ بوجھ اور ذات پات کی بناء پر بھی کسی سے نفرت نہ کرو کہ ایسے دونوں میں اکثر
صاحب حال و جاہ و جمال ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی کی صورت ذات عزت و شہرت حسب و نسب اور
رتبہ و مقام دیکھ کر بے جا خوش ہو کر اس کی خوشامد کرنی چاہئے کہ ایسے لوگ اکثر بڑے چھوٹے ہوتے
ہیں۔ انہی افراد میں بیشتر چور ڈاکو اسمگلر بلیک کرنے والے منشیات فروش شرابی کبابی جواری ہوتے
ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ پریم رس کو کیا تھی اس کا قیاس کیا تھا۔ اس نے کیسی اوباشی میں وقت گزارا
تھا اور کیسی بدمعاشی اور عیاشی کی زندگی بسر کر رہی تھی مگر ایک انسان پان کی معویہ اور مدقوق چیچک رو
کسبیوں کی ٹھوکروں میں بیٹھ کر ان کے پاؤں دابنے والی ماجی ہی لڑکی نے ایک قبر کر چھال کی زندگی کا
رخ بدل کر رکھ دیا۔ اس لڑکی کے پاس صرف صبر برداشت [illegible] نماز والے چوکے کی
استعانت تھی۔ اس کی غریب صابر و شاکر ہوں نے کہیں سے تسلیم و رضا کے کلمے کو سمجھایا تھا۔ انسانی رابطہ
صرف کر لینے کے بعد اس تسلیم و رضا کی پتلی نے اپنی اس بچی کو اپنے مالک کے سپرد کر دیا تھا۔ پھر اس
نے ہر تہجد کی نماز پہ وظیفہ ترتیم اپنا ورد بنا لیا۔ اپنی ایک چھوٹی سی بے اعتباری کی درخواست بھیج دی اس
کسی اچھے موقع پہ [illegible] اپنی [illegible] ہوئی معلوم ہوا کہ جب کسی
ایک کی راہنمائی ہوتی ہے تو ساتھ کئی اور بھی فیض پاتے ہیں۔ جیسے قرآن ایک حفظ کرتا ہے تو گرد بخشے کئی
جاتے ہیں۔ شادی ایک کی ہوتی ہے خوش دوسرے اور زردہ پلاؤ کئی اڑاتے ہیں۔ قوالی کسی ایک کے ہاں
ہوتی ہے مگر سنتے بہت سے ہیں۔ [illegible] کی وجہ سے پریم رس کو سیدھی روشنی کی زندگی کا رخ بدلا اور
اب تو اس قطار میں ایک نئے فرد کو بھی شامل ہونا تھا لیکن وہی روشنی کی بات کہ مجھے نیچی ہی چاہئے اور وہی
کہ اگر انسانی خواہشیں اس کی مرضی کے عین مطابق پوری ہونی شروع ہو جائیں تو پورا نظام بگڑ کر
رہ جائے۔ اللہ کو سب بھول جائیں کہ خواہشیں تو خود بہ خود پوری ہو رہی ہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔
باب مدینۃ العلم حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو اپنی خواہشوں کے نہ پورا ہونے سے پہچانا۔
سب جہانوں کا مالک و خالق جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہم تو محض سوچ سکتے ہیں یا پھر خواہش کر سکتے
ہیں گڑگڑا کر مانگ سکتے ہیں۔ اب اس کی رضا کہ وہ دے یا نہ دے۔ ہر دو حالت میں راضی رہنے کا نام
تسلیم ہے یعنی اپنے مالک کی رضا پہ راضی رہنا ہی اصل بات ہے۔ بندہ سمجھے نہ سمجھے اس کی کہیں نہ کہیں
بہتری اسی میں ہی مضمر ہوتی ہے۔ پھر تسلیم نے جنم لیا یہ نام نصیبو کے بزرگ نے خواب میں رکھا تھا۔
زچہ کی سارا دن نگاہ دروازے پہ جمی رہی مگر روشنی نیچے دوکان سے اوپر نہیں چڑھا تھا۔ تین لڑکے

امرتیوں والے اس نے پچھواڑے گنیش جی کے مندر میں ہاتھی گنیش راؤ کے آگے بطور پرت پرشاد ڈلوا دیئے تھے اور شام کو وہ دوکان پہ ملازموں کو بٹھا کر مندر کی گلی نکل گیا۔

● فیروزہ اور گندہ پیروزہ.....!

بازار ابھی بجھا بجھا سا تھا۔ انسان جب اپنی کسی خواہش یا تمنا کی ناکامی پہ پریشان' اداس یا مایوس سا ہوتا ہے تو پھر اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا' جھمک جھمک کرتی روشنیاں بڑی بے نور اور اندھی سی لگتی ہیں۔ کوئی ہنسے کھلکھلائے تو بھی اچھا نہیں لگتا۔ خوشبو وحشت پیدا کرتی ہے اور اپنے بیگانے سے لگتے ہیں۔ گو بازار میں ابھی وہ چہل پہل اور رونق نہیں تھی۔ دوکانوں' دروازوں اور کھڑکیوں پہ ٹھٹ اور نہ ہی ابھی دریچوں' دروں اور بالاخانوں پہ سے ریشمی پردے پوری طرح سرکے تھے۔ آنکھوں کے ستارے اور چہروں کے چاند بھی تو ابھی نہیں نکلے تھے۔ موی بازوؤں' انگلیوں' ہاتھوں کی شمعیں فروزاں ہوتیں تو شاید بازار تماش بین' بھڑوے' بار گھروں والے بھی نکلتے۔ وہ واقف کاروں اور سابقہ ہم پیشہ دروں سے نگاہیں بچاتا ہوا امرت بائی کے کوٹھے کی سیڑھیوں پہ چڑھ آیا۔ ملازم پیشہ بھی چاندنیوں تکیوں کی سفیدیں درست کر رہے تھے کہ وہ دیوان خانہ پھلانگتا ہوا اندر شیشمیں کی جانب بڑھ گیا۔ امرت بائی کی نوچی' فیروزہ آئینے کے روبرو ایک شعلہ جوالہ بنی بیٹھی اپنے جوڑے میں جوہی کی کلیاں سجا رہی تھی' روشنیے پہ نگاہ پڑتے ہی اسے جیسے سکتہ سا ہو گیا..... یہ کیا؟..... اسے اس کا یوں آنا ایک خواب سا لگا۔ وہ تو ان بازاروں گلیوں سے ناتا توڑ کر بہت دور چلا گیا تھا اور پھر اس بازار کی سب سے چلبلی' خوبصورت' خنخنے اور زم خم والی فیروزہ کے ہاں اور وہ بھی سیدھا تیر کی طرح اندر چلا آیا تھا۔

موٹے موٹے نین' شفتالو جیسے گالوں اور رس بھرے عنابی ہونٹوں کے پیچھے نچے موتیوں جیسے دانتوں والی فیروزہ' فیروز پور کی تعلیم یافتہ طوائف زادی تھی۔ اتنی بیس کا سن' بونا سی قامت' شباب و عناب رنگت' کالی رین کی طرح سیاہ دراز گیسو۔ وہ مڑی ہوئی دراز سیاہ پلکیں اٹھاتی' جھکاتی تو متاثل کا کلیجہ بھی جھول کھا جاتا۔ خدا جانے اس بازار میں کیسے بیٹھ گئی تھی' اس کے لئے تو کسی ریاست کے ولی عہد کی چھاتی یا گود میں بیٹھنا عین واجب تھا..... روشنیے اسے ایک بیگانہ سی نظر دیکھتے ہوئے' اچھے سے بچھی ہوئی دوتی پہ ڈھیر سا ہو گیا۔ فیروزہ نے ایک مستانہ نگاہی سے اسے دیکھا' وہ کافی بدلا بدلا سا تھا۔ شباب جیسے کچھ اور نکھر آیا ہو' سادہ سا مگر قیمتی لباس..... کچھ حسین لوگ قدرتی طور پہ ہی "جامہ زیب" ہوتے ہیں' خالی نقوش

بھی بہن میں تو چھتا چھتا ہے اور وہ تو تھی ہی شہزادہ! فیروزہ اس کی غلافی آنکھوں میں مستی اور اداسی کی گنگا جمنی کیفیت بھانپ کر ہلکے سے مسکرا دی۔ طوائف کی طبیعت اور تربیت بھی نرالی ہوتی ہے۔ اس کے عشرت خانے پہ بندہ کرے یا پرندہ بھلی کرے یا بھلی بدمعاش یا بھلا مانس وہ سب کا حوالت کرتی ہے۔ وہ انسان اور مزاج شناس ہوتی ہے دلنوازی اور دلداری کا دریا نہیں بلکہ ایک سمندر ہوتی ہے۔ رجھانا بہلانا عشوؤں اور اداؤں سے دلوں میں سیندھ لگانا اس کا اصل پیشہ اور ہنر و فن ہوتا ہے۔ ان بازاروں گلیوں میں جانے والے آخر لوگ ضروری نہیں کہ عیاشی یا بدکاری کے لئے ہی جاتے ہوں اور یہ بھی نہیں کہ یہاں صرف عیاش بدکار اور جسم و ادا فروش ہی رہتے بستے ہیں بلکہ یہاں متبرک نفس نیک باکردار اور بلند و اعلیٰ اخلاق و اعمال والی ہستیاں بھی فروکش ہوتی ہیں۔ مسجدیں مدرسے امام بارگاہیں اولیاء اللہ کے مزار بھی ہوتے ہیں۔ موسیقاروں کے بڑے بڑے گھرانے اور ڈیرے ہوتے ہیں سماجی اور فلاحی بہبود کے ادارے ہوتے ہیں یہ دیکھا جائے تو ہمارے ثقافت اور فنون لطیفہ کی ساری درانتھے کے سوتے یہیں سے پھوٹتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ فیروزہ جان گئی تھی کہ یہ جان بہار اپنے دل میں کوئی غبار لئے ہوئے آیا ہے دلربائی سے پوچھنے لگی

"سلام ہو آداب تسلیم یا تسلیم؟"

وہ یہ سن کر یوں بدکا ہوا اٹھا گویا پیچھے سے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو وہ فوراً غضب سے اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ ہذیان کے انداز میں بکنے لگا۔

"وہاں بھی تسلیم اور یہاں بھی تسلیم..... مجھے نہیں چاہئے تسلیم!"

فیروزہ حیران و ششدر سی اٹھی بڑی لگاوٹ سے اس کے کندھے پہ دباؤ ڈالتے ہوئے بولی۔

"بیٹھو تو سہی تسلیم کہہ کر ہم سے ایسی بھی کیا خطا ہوئی روشنیئے جی! ہمارا مطلب تھا کہ ایسے منہ دھیائے تم آئے کہ جیسے کوئی ویرانے میں آ بیٹھے۔ ہم سامنے آئینے کی مانند دھرے بیٹھے ہیں۔ کچھ تو آداب تسلیم کیا کہ معلوم پڑے کوئی جو بھٹکا ہو جانی مدتوں بعد اس کوٹھے کی راہ لگا ہے۔"

"پھر تسلیم کیا تم تسلیم کئے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتیں؟"

وہ اس کے اجلوان شانے پہ کاٹ دار ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے چہکی۔

"اچھا اب نہیں کہتے... بولو کچھ کھاؤ گے یا کچھ پیو گے؟"

"کچھ بھی ہو مگر اس میں زہر ضرور شامل ہونا چاہئے....."

وہ اس کے کان کی بے لگی لو کو نتھ والی ناک کی چونچ سے چھوتے ہوئے بولی۔

UrduPhoto.com

"کشش زہر تیرے دشمنوں کو جو تیری قدر نہ جانیں۔ نصیبو کیسی ہے تمہاری خیریت تو ہے نا؟"

"بیٹا جنا ہے تسلیم نامہ رکھا ہے۔ میں نے اسے شروع دنوں سے کہا تھا کہ مجھے بیٹی چاہئے۔ اب بول میرا دماغ نہ بگڑے تو کیا بگڑے؟"

وہ اس کے تمہری خوشبو کا مزہ لیتے ہوئے بڑی تک میں بولی۔

"بیٹے کی مبارک ہو روشنیاں اینٹوں سے تو یہ بازار بھرے پڑے ہیں ایک نہ ہوئی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا اور پھر یہ کوئی اس کے بس کی بات تو ہوتی نہیں کہ جو چاہا وہی ہو۔ بس وہ ہو دے اس کے آگے سر تسلیم کرنا چاہئے....."

وہ اس کا سر اپنے شانے سے ہٹاتے ہوئے بولی۔

"جب میں پیدا ہوا تھا تو میری ماں نے مجھے اتنے دن بھی اپنے ہاں ٹھہرنے نہیں دیا تھا جتنے دن اس نے مجھے اپنی کوکھ میں ٹھہرا کر رکھا تھا۔ میری دائی نے مجھے ایک زور دار کھلے میں ایک چیتھڑے والے کے سپرد کر دیا تھا۔ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے تک مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میرے ماں باپ کون ہیں دوسرے اپنی طرح کے بچوں کی طرح ہی اس دایہ کو دادو کہہ کر بلایا کرتا تھا اور پھر جب میں نے قدم کا ٹھ نکال لیا تو میری ماں مجھے [illegible] ماں اپنی جوانی [illegible] ٹھہرنے دن لدا چکی تھی۔ میرے اوپر دو بہنیں پیدا ہوئی تھیں جو اب ماں کے بڑھاپے کا سہارا تھیں۔ مجھے استادوں کے سپرد کر دیا گیا جہاں میں نے مختلف ساز بجانے سیکھے۔ جب تیار ہو گیا تو بہنوں کے گھر میں سنگت کرنے لگا۔ میری ماں نے مجھے کبھی اپنا بیٹا اور بہنوں نے کبھی اپنا بھائی نہیں کہا۔ مندا ہوتا تو میں کا بک تماش بین پھانس کر لاتا۔ مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ میرا باپ کون ہے؟ ماں مرگئی تو بہنوں کی کمائی کھانے لگا۔ پھر ایک وقت آیا کہ مجھے پریم رس کو بڑے بڑے ہنر باغ دکھا کر زبردستی اپنے ساتھ یہاں لے آئی۔ میں سمجھا تھا کہ وہ مجھے ایک اچھا ساز زدہ سمجھ کر ساتھ لائی ہے یہ تو بعد معلوم ہوا کہ وہ مجھے ایک اچھا پرندہ جان کر یہاں لائی ہے۔ اور جب پرندہ کسی قفس میں قید ہو جاتا ہے تو پھر مشکل سے ہی نکلتا ہے۔ تمہیں تو معلوم ہی ہوگا کہ طوائفوں کے ملازم ان کے امیر ان کے گھر کے پالتو جانور کتے' بلیاں' طوطے' مینائیں' یہ مر کر ہی وہاں سے نکلتے ہیں' جیتے جی ساتھ نہیں چھوڑتے مگر میں کسی نہ کسی طرح بڑی بی بی کے چنگل سے نکل آیا۔ نصیبو کے بارے میں تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور نہ ہی کبھی شادی کرنے کا خیال آیا تھا۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا میں خود حیران ہوں۔ جیسے کسی نادیدہ سی طاقت نے مجھ سے یہ سب کچھ زبردستی کروا دیا ہو۔ نصیبو جو کبھی اچانک سامنے بھی آ جاتی تو طبیعت ماش کرنے لگتی تھی اچانک مجھے اچھی لگنے لگی۔ پھر ایک وقت ایسا

بھی آیا کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں اس کے بغیر ادھورا ہوں۔ میں اس کے بنا جی نہیں سکتا۔ نصیبو پہ کسی بزرگ کا سایہ بھی تھا وہ ہر شب اس کے خواب میں آ کر زیارت کراتے تھے۔ ہماری شادی میں ان بزرگ کی مرضی اور مدد بھی شامل تھی۔ بقول نصیبو یہ تسلیم نام بھی انہی بزرگ کا ہی دیا ہوا ہے لیکن مجھے بیٹا نہیں چاہئے تھا۔ میں نے بچے کو دیکھا ہے اور نہ ہی نصیبو کے پاس گیا۔ وہ کان پہ ملازموں کو بٹھا کر میں گرم گرم دماغ کے ساتھ بغیر کچھ سوچے سمجھے اس طرف نکل آیا ہوں۔"

وہ اٹھلاتے ہوئے کہنے لگی۔ "لکھتے آئے تھے کہ خوبصورت، حسین اور من موہنے لوگ اکثر بے وقوف، بے عقل اور پھوہڑ مغرور ہوتے ہیں۔ تمہاری کتھا کہانی سن کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "یہ سب غلط ہے اس کا ثبوت تم خود ہو جو نہ پھوہڑ، بے وقوف اور نہ ہی بے عقل ہو۔ ویسے یہ کچھ اگر تم نے میرے لئے کہا ہے تو بھی یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ میں کوئی ایسا خوبصورت ہوں اور نہ..."

پھر جیسے وہ جھنجھلا کر بولی۔ "اچھا اچھا تم جاؤ نصیبو تمہاری راہ دیکھ رہی ہوگی۔ اسے تسلی اور مبارک ہو تسلیم کو دیکھ کر نصیبو پیار کرو اور اسے اچھی اچھی دعائیں دو۔" پھر بالکونی میں کھڑی ہو کر سامنے طوائفوں کے چوباروں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "خوش نصیب ہو کہ تمہیں نصیبو جیسی پاک دامن اور کسی اچھے خاندان کی شریف سی بیوی ملی جس کے بھاگوں تمہیں بھی اس دلدل سے نکلنے کا موقع ملا اور اولاد نرینہ نصیب ہوئی۔ ایک تم پاگل جو بیٹی کے طلبگار ہو۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم بیٹی اس لئے طلب نہیں کر رہے کہ وہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے بلکہ صرف اس لئے طلب کرتے ہو کہ تم خود ایک طوائف بنت طوائف کے گھر پیدا ہوئے۔ تمہیں اپنے باپ کا پتہ نہیں کہ وہ کون تھا۔ ہندو، مسلمان، سکھ یا عیسائی؟ تم نے نا آسودگیوں، محرومیوں اور ماں باپ کی ممتا، شفقت کے بغیر جو زندگی گزاری بس اسی کا خوف اور اندیشہ تمہارے دماغ میں گھس کر بیٹھ گیا ہوا ہے جس کی وجہ سے تم بیٹے سے نفرت کرتے ہو۔ اب سوچنے کی یہ بات ہے کہ اگر تم کوٹھوں، بالاخانوں سے نکل چکے ہو تو پھر یہاں کی رسموں، روایتوں کو بھی بھول جاؤ اور اگر تم ابھی تک آسمان سے گر کر کھجور میں ہی اٹکے ہوئے ہو، نانی اور اماں کے پیشے قرض کو نہیں بھولے تو پھر تمہیں حسب ضرورت بیٹی کی خواہش ہی کرنا چاہئے۔ اب سوچ لو تم زندگی کے جس دوراہے پہ کھڑے ہو وہاں تمہیں صرف ایک واضح راستہ اختیار کرنا ہے۔ بیٹے والا یا بیٹی والا، قلم دوات، ہتھوڑے والا یا طبلہ سارنگی اور گھنگھروں والا، اللہ کی تسلیم و رضا والا یا طوائفوں کے مجروں کی آداب و تسلیم

CrifirPhoto.com

والا....."

"فیروزہ! میں تو تمہارے پاس اپنا غم غلط کرنے آیا تھا اور تم نے مجھے آگے سے بھاشن دینے شروع کر دیئے....."

وہ ایک ادائے دلربائی سے اپنا خوبصورت سا ہاتھ اس کے آگے لہراتے ہوئے بولی۔

"میرے ہاتھ کی تیسری انگلی کو غور سے دیکھو چھوٹی سی انگشتری میں تمہیں اک قطرہ آب زلال کی مانند سپیدی مائل نما سا فیروزہ دکھائی دے رہا ہوگا۔ اکثر فیروزے فیروزی رنگت ہی ہوتے ہیں مگر نیشاپوری فیروزوں میں ایک علیحدہ سی قسم والی فیروزوں کی بھی ہوتی ہے جو بے حد نفیس' سپیدی مائل' سکون آور' سعد' معتدل مزاج اور انتہائی سریع الاثر سم قاتل بھی ہوتے ہیں' انگلی پہ رکھا ہلکا سا ٹھوک دو اور پھر نگل لو تو کلیجہ کاٹ کر رکھ دیتے ہیں' یعنی یہ اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ اس نیشاپوری فیروزے کی طرح میں بھی فیروزہ فیروزہ پوروالی ہوں' سہاگن عورت کی توہین برداشت نہیں کر سکتی۔ نصیبو تیرے گھر میں بیوی کی حیثیت سے نہ ہوتی تو آج تیری آمد پہ بالاخانے کے دروازے بند اور دل کا دروازہ کھلا ہوتا میں نے آج تک کسی عورت کے خاوند کو بالاخانے پر قدم نہیں دیا اور کسی بے بیوی عیاش کو نچوڑنے چھیلے بغیر ریڑھیوں سے اترنے نہیں دیا اور پھر یہاں تو آمد والی نصیبو کی بات ہے۔ اس عظیم ورضا کی بندی نے مجھے ذبح کیا اور وہ اس پاکیزہ' معصوم اور مظلومہ کو جان کنی کی حالت میں چھوڑ کر یہاں اپنا جھوٹا غم غلط کرنے چلا آیا..... بدنصیب! جا' چلا جا اس خوش نصیبو کے پاس جس کے ہاں تیری دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنے کے وسیلے ہیں۔"

وہ ایک راہ کھوئی کے ہوئے صحرائی اونٹ کی مانند جہاز اکھولے ہوئے' پھیلی پھیلی آنکھوں سے اس فیروزہ پوری "چوہیا" کو دیکھ رہا تھا جس نے اس کی ساری مردانہ پان پت اتار کر اس کی ہتھیلی پہ دھر دی تھی اور اس کی نکیل اسی کو تھما کر نخلستان رخ کر دیا تھا۔ وہ جانے لگا تو آخری گرہ باندھنے کی غرض سے تبرکاً کہنے لگی۔

"جن خوش نصیبوں کے ہاں ہدایت اترنے والی ہوتی ہے نا' ان کے ہاں پہلے نیک' ستھرا اور دین دار بیویوں کی ڈولیاں اترتی ہیں اور جن بدنصیبوں کی دنیا اور دین برباد ہونے ہوتے ہیں ان کو خوبصورت' بے دید و لحاظ' دین اور شرم و حیا سے بیگانہ بازاری قسم کی زبان دراز عورت نما عفریتوں کے پیچھے لگا دیا جاتا ہے۔"

وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے سوچ رہا تھا..... میرے مولا! میں گھر کی مولویاں سے بدک کر یہاں

پہنچا تھا آگے مجھے مختیاری کمری ۔۔۔ واپسی پہ اسے یوں لگا گویا وہ کسی دھوبن کے پاس سے اپنی طبیعت صاف اور فطرت استری کروا کر آ رہا ہے۔ پچھمن داس حلوائی کی دوکان کے آگے اس کے قدم خود بخود رک گئے۔ دو لو کریاں امرتیاں بندھوا کر جب وہ اپنی دوکان کے قریب پہنچا تو راج گنج کے سپہ وہوں کی مسجد سے عشاء کی اذان بلند ہوئی ۔۔۔ "حی علی الصلوۃ" "حی علی الفلاح" ۔۔۔ دوکان پہ مٹھائی اتار کر وہ کھری بجائے مسجد کی جانب بڑھ گیا۔

معلوم ہوا کہ ہدایت جہاں سے ملتی ہوتی ہے وہیں سے ہی ملتی ہے۔ جہاں کسی پہنچے ہوئے بزرگ کی نگاہ کام نہیں کرتی وہاں کسی انتہائی گنہگار بدکار اور بڑے انسان کی بات بول کام کر جاتے ہیں۔ ماں باپ کہتے کہتے تھک ہار کر عاجز آ جاتے ہیں مگر اثر نہیں ہوتا مگر وہی بات کوئی سجن بیلی کہہ دیتا ہے تو فوراً مان لی جاتی ہے۔ بڑے بڑے قابل اور کوالیفائیڈ ڈاکٹروں معالجوں سے افاقہ نہیں ملتا اور فٹ پاتھ پہ بیٹھنے والے عطائی حکیم سے شفا نصیب ہو جاتی ہے۔ میں نے پڑھا ہے اور بارہا میرے تجربے مشاہدے میں آیا ہے کہ اچھوں نیکوں اور حاجیوں نمازیوں سے کہیں زیادہ گنہگاروں خطاکاروں اور بدکاروں کی بات میں اثر ہوتا ہے وہ زیادہ دلپذیر اور دلنشین ہوتی ہے۔ بظاہر بڑے بدمعاش اجڈ ہوتے اور شرابی کبابی لوگ اچھوں نیکوں سے کہیں بڑھ کر وفادار اور وقت پہ کام آنے والے ہوتے ہیں۔ اکثر پاپی اور نیکوں کے ہاں اپنی پاک طینتی اور دین داری کا زعم و مان ہوتا ہے اور بڑوں بدکاروں گنہگاروں کے ہاں عجز ہی عجز شرمندگی ہی شرمندگی اور ہر وقت خود پہ لعن طعن اور توبہ استغفار ہوتی ہے۔ بس یہی شرم اور خود کو مٹی مٹی سمجھنا ہی میرے اللہ کو پسند ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنے خالی پیٹ والے بیمار نہیں ہوتے جتنے کہ خوب بھرے ہوئے پیٹ والے بیمار ہوتے ہیں یا مرتے ہیں۔ اسی طرح کبھی کسی کو اپنے سے کمتر نہ سمجھو خود کو نیک اچھا عبادت گزار ولی اللہ اور دوسروں کو برا نہ کہو کہ کون جانے کوئی آج کیا ہے اور کل کیا ہوگا؟ بقول شخصے ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔

• شوق خانہ خراب نہ اجر نہ عذاب.....!

مجھے حجرات یعنی پتھروں از قسم جواہرات سے بڑا شغف رہا ہے۔ کیمیا حکمت علوم نفسی اور ارضی و سماوی استعمالی علوم و عوامل میں ان کا بے اہتمام کم و بیش ضرور دخل ہوتا ہے۔ حجرات زندہ بھی ہوتے ہیں اور مرے ہوئے بھی کچھ بذریعہ زندہ ہونے والے اور بہت سے بہت جلد مرنے والے بھی ہوتے ہیں۔

ہر دو قسم کسی نہ کسی طور فعال ضرور ہوتے ہیں۔ یہ حجرات جہاں اپنا اپنا مخصوص رنگ روپ اپنے اپنے سعد و نحس محاسن و معائب نجم اوزان و اثرات اور قدر و قیمت والے ہوتے ہیں وہیں یہ اپنے اپنے مخصوص مخفی اسرار اعدادی تنجیم فروغی و فراری اور افروزی موکلات کے حامل بھی ہوتے ہیں اور کچھ خصوصی طور پہ روحانی فیوض و برکات والے بھی ہیں۔ کئی ایک کا ذکر قرآن پاک اور احادیث میں بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ حکمت و کیمیا کی کتابوں' آسمانی صحیفوں' الواح' ویدوں' شاستروں اور دیگر کی ذرائع سے ہمیں حجرات خاص طور پہ شفاف پتھروں کی اہمیت و خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں خصوصی طور پہ ہمہ اقسام رنگ و اثرات عقیق' فیروزہ' مرجان' مروارید' سنگ ستارہ' زبرجد۔ ہیرے کی پانچ اقسام ابری' یمانی' بلوری' ازلی اور حجری۔ سنگ سلیمان' سنگ یشب' سنگ مریم اور سنگ داؤدی قابل ذکر ہیں۔

آج سے بہت برس پہلے مجھے ایک لوکٹ بنانے کے لئے بحرین کا فیروزے کی بے داغ پتھر کی ضرورت پیش آئی۔ جو حجم اور سائز میں چھوٹے مسور کے برابر ہو۔ تراش خراش سے مبرا' ابابیل کا بہا ہوا آنسو۔ ایسا قدرتی دانہ قیمتی ہی نہیں نایاب بھی ہوتا ہے۔ فیروزے کے تھوڑے میں بھی مقدر والے کے ہاتھ لگ جائے تو لگ جائے ورنہ کسی کو نہیں ملتا۔ ایسے نایاب قدرتی تراشے ہوئے بے داغ بیش قیمت والے نگینے بھی بہت کم ہیں۔ چند ایک ایسے فیروزوں کی زیارت میں نے بھی کی ہے۔ ایک دانہ ملکہ موسیقی روشن آرا بیگم کے پاس تھا جو کسی سی انگشتری میں جڑا ہوا تھا۔ بقول ان کے یہ استاد عبدالکریم خان نے انہیں انعام میں دیا تھا۔ دوسرا عشرت جہاں بیگم (بیگم ادا کارہ) کی ناک کے کوکے میں آویزاں تھا۔ وہ بھی بے حد عزیز رکھتی تھی۔ شاہنور اسٹوڈیو میں انور کمال پاشا مرحوم کی فلم ''قاتل'' کے سیٹ پہ عشرت جہاں' پاشا صاحب' فلمسٹار آزاد' نیر سلطانہ' اس کی والدہ' ایک بھوالا اس کی بھی اور بھائی نومی' صبیحہ وغیرہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ عشرت جہاں بیگم کو آج کی نسل تو کیا پرانے لوگ بھی ٹھیک سے نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا چیز تھی۔ اس کا تلفظ وقار' شاہانہ لہجہ اور رکھ رکھاؤ اس بلا کا تھا کہ بڑے بڑے راجے مہاراجے اس کی چشم التفات کے منتظر رہتے۔ اس کی گاڑیاں' محل' اسٹاف' لباس' ہیرے جواہرات اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ کسی ملکہ سے کم نہ تھے۔ اس کی تو ہوتیاں بھی قیمتی جڑاؤ سے مزین ہوتی تھیں۔ خیر بات اس کی ناک کی کیل میں جڑے ہوئے ابابیل کے آنسو یعنی اوری فیروزے کی تھی۔ جب جوانی ڈھلی' وقت نے کروٹ بدلی اور وہ پاکستان آئی تو کنزری جوانی کی طرح اس کے بچے کھچے اثاثوں میں یہ ناک کی کیل بھی تھی۔ وہ بڑے لطف سے میٹھی کھا کھا رہی تھی۔ دن کا وقت تھا اس میں شوٹنگ ہو رہی تھی۔ میرا اچانک ادھر سے گزر ہوا۔ خلیل قیصر مرحوم کے ایک اسسٹنٹ سے میری

تھی خاصی نیک سلیک تھی' اس نے مجھے اشارے سے پاس بلایا اور کہا۔

''ذرا زکو' ابھی ابھی میڈم کے ڈانس کا ٹیسٹ ہے''

وہ کراچی سے آ کر اپنی ممی اور بھائی کے ساتھ لاہور کے اسٹوڈیوز میں کام کی تلاش میں پھر رہی تھی۔ اسی دوران اچانک میری نظر ہوٹل کی کیفے کے فیروزے پہ پڑ گئی ذرا دھیان دیا تو فیروزے والے بھی نظر آ گئے۔ اب کیسی شوٹنگ اور کون سی میڈم؟ میں باؤلا سا ہو کر فیروزے پہ نظریں جما کر کھڑا ہو گیا تھا..... قارئین! یقین فرمائیں کہ اگلے ہی لمحے ہوٹل نے میری جانب گھور کر دیکھا۔ دیکھا جائے تو میرے علاوہ بے شمار لوگ وہاں کھڑے بیٹھے تھے جو سب ہی ادھر دیکھ رہے تھے مگر میرا دیکھنا شاید کسی اور قسم کا دیکھنا تھا۔ وہ سن بھی گیا تھا۔ کچی سی عمر' اس عمر میں کوئی فیروزے کو کیا جانے یا سمجھے گا اور پھر اس مخصوص فیروزے کو لیکن وہی کہ میرے ساتھ معاملہ دیگر تھا۔ بیوی کا اپنا کھانا پینا غارت ہو چکا تھا' وہ مسلسل مجھے غصے سے گھورنے جا رہی تھی۔ پھر اس نے اشارے سے مجھے اپنے پاس آنے کے لئے کہا۔ میں فوراً گھوم کر ادھر اس کے پاس پہنچ گیا' مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نام کیا ہے اور کہاں رہتے ہو.....؟''

میں شاید اس کو جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ میں بائیں طائیں کرنے میں خاموش ہو کر پھر فیروزے کو گھورنے لگا۔ زچ ہو کر کہنے لگی۔

''تم یہاں سے چلے جاؤ یا ہم یہاں سے رخصت ہو لیتے ہیں۔ تم نے میری ناک میں انگارے سے ڈھکا دیئے ہیں.....''

میں نے روکھے سے لہجے میں پوچھا۔ ''میڈم! آپ نے یہ فیروزے کی گئی کہاں سے حاصل کی؟''

یقین کریں کہ ہوٹل نے جواب دینے کی بجائے وہاں سے اٹھ کر میک اپ روم میں چلے جانے کو ترجیح دی۔ تیسرا دانہ میں نے اپنے بابا جی کی گل شبو (عطر دان) کے ڈھکنے کے اندر کی سطح پہ کھدی ہوئی ایک الواح کی بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بائے (ب) کے نقطے کی جگہ جڑا ہوا دیکھا تھا۔ اس وقت روانی میں تو کبھی پوچھنے یا بسم اللہ کے بائے کے نقطے کی جگہ یہ انوری فیروزہ کی موجودگی جاننے' سمجھنے کی جرأت نہ ہوئی تھی بعد میں جب سر پہ پڑی تو پھر ساری سمجھ میں آ گئیں۔ چوتھی اور آخری بار میں خود اس کی کھوج میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ کہاں جاتا' کہاں سے ڈھونڈتا؟ وہ جو شعر ہے کہ.....

نہ ہو طلب تو کسی در سے کچھ نہیں ملتا
جو ہو طلب تو دونوں جہاں سے ملتا ہے

UrduPhoto.com

میرے لئے ایک لوح کی تکمیل و ترتیب بے حد اہم تھی چار کھرے برس میں نے اسے ترتیب دینے اور تیار کرنے میں لگا دیئے تھے۔ اگلا برس اس کی تکمیل کے لئے بے حد سعد تھا اور اسی اگلے برس محرم میں مجھے یہ مکمل لوح لے کر موصل (عراق) ضرور پہنچنا تھا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر میں اس کی کھوج اور تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور تو کچھ نہ سوجھی میرے ایک دیرینہ کرم فرما جو ایک بہت نامور خاندانی حکیم ہیں۔ پکے پنجابی لاہوری ہیں۔ عربی فارسی اردو سنسکرت کے عالم فاضل۔ پنجاب یونیورسٹی کے پرانے گریجوایٹ مسلمانوں سے زیادہ مسلمان طرز بندہ ہیں۔ میں ان کے ہاں دہلی پہنچ گیا۔ نئی بستی نظام دین ایکس ٹینشن میں رہتے ہیں۔ بیٹیاں بیٹے اندرون ایڈوانس میں بڑے بڑے عہدوں پہ تھے۔ یہ حکیم صاحب خوب مفت دوائی سفر کرتے رہتے ہیں۔ کبھی امریکہ کبھی انگلینڈ۔ کبھی کہیں کبھی کہیں۔ دنیا بھر میں ان کے عقیدت مند اور مریض موجود ہیں جو ان کی خاندانی ویدک سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ بے حد مرنجاں مرنج مخلص اور ذات پات مذہب ملت سے دور بہت پرے ہٹ کر انسانیت کی پوجا کرنے والے! میری ان سے دوستی کی وجہ ایک تو حکمت اور کیمیا ہے۔ دوسری وجہ ان کے ایک بے حد عزیز دوست ہیں جو ممبئی کے ہیں مگر رہتے لندن میں ہیں۔ ان کا نام بھی [illegible] ہے۔ [illegible] بھی ایک وجہ دوستی ہے۔ تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں ایک ہی پرانی سے آدمی ہیں [illegible] ہوئے۔ انہوں نے بھی [illegible] ادھر کے جتنے بھی اگلے سیدھے علم ہیں گھوٹ کر پی رکھے ہیں [illegible] کی کوشش کی زیادہ مطلب لیبارٹری تجربہ گاہ دواؤں کشتوں کی فیکٹری سیارگاہ میرے جیسے پاگل دوستوں کی قیام گاہ مشاعرہ گاہ طعام گاہ وغیرہ وغیرہ ہے۔ وہ خود بھی [illegible] کے بعد حضرت نظام الدین امیر خسرو اور اسد اللہ غالب کے مزارات پہ حاضری دیتے ہیں اور ان کی مسلمان بزرگوں اور اولیاء اللہ سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ وہ باقاعدہ عرسوں اور دہلی کی تمام خانقاہی تقریبات میں بہ اہتمام شرکت کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہ مہاشے ہندو ہیں مگر ان میں ہندوؤں والی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا مرنا جینا سب مسلمانوں جیسا اور ان کے ساتھ ہے۔ میں ان کے ہاں پہنچا تو بہت خوش ہوئے کہنے لگے۔

"بڑے مناسب وقت پہ آئے ہو۔ میں [illegible] بطور ڈیرہ دون اور رانچی چلیں گے۔ کچھ مفردات اور جڑی بوٹیاں چن کر لانی ہیں اور ساتھ ساتھ شکار کی تفریح بھی رہے گی۔"

میں نے ہاتھ جوڑ دیئے کہا "مہاراج! پچھلی بار دادی اور شملہ کی تفریح سے مجھے جو ذہنی اعصابی اور مالی نقصان پہنچا تھا ابھی تک میں اس سے سنبھل نہیں پایا اور پھر اس بار میں آپ کے پاس ایک اہم کام سے آیا ہوں۔ میری رہبری فرمائیں تاکہ میں اپنی راہ پکڑوں یار زندہ صحبت باقی انشاء اللہ یہ

میسور بنگلور وغیرہ پھر کسی اچھے اور فارغ وقت جانے کا پروگرام بنائیں گے۔"

میں نے انہیں بتایا کہ مجھے ہر قیمت پر ایک اوری فیروزے کی کنی چاہئے اور وہ بھی پکی کچی۔ فٹ سمجھ گئے پوچھنے لگے۔

"کسی انگوٹھی یا جنتر کی مینڈھ میں لگانی ہے یا انگشتری میں جڑوانی ہے یا پھر....؟"

"مہاراج! مجھے ایسے ہی کسی مقصد کے لئے چاہئے....."

بولے۔ "بھائی! دہلی میں تو ہوں ہی نہیں اکٹھا کر لیں پائے البتہ اگر تم بمبئی لکھنؤ یا حیدرآباد کا چکر لگا آؤ تو شاید کچھ من لگ جائے ویسے امید نہیں۔"

میں نے یونہی کہہ دیا۔ "جے پور یا اجمیر شریف کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

وہ سر ہلاتے ہوئے بولے۔ "کچھ کہہ نہیں سکتے۔ وہ دن ہوئے ٹونک کے ایک صراف کے پاس دیکھی تھی۔ وہ کوئی پیسے والا گاہک تلاش کر رہا تھا مگر کنی تھی پکی رنگ اکل نہ بندھ چکی تھی اور آپ کو تو پکی کچی چاہئے۔ اجمیر چلے جاؤ غریب نواز سرکار سے بات کر کے دیکھو۔ شاید وہاں کوئی کام بن جائے....."

مگر بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ دہلی ہی میں مجھے ایک اور مسئلہ درپیش ہو گیا۔ بمبئی سونا چاندی نوادرات کندنی زیورات اور جواہرات کی بہت بڑی منڈی ہے۔ ہر طرح کا دیسی بدیسی مال وافر مل جاتا ہے۔ بیچنے اور خریدنے والے دونوں بمبئی کا ہی رخ کرتے ہیں۔ محمد علی روڈ چلے جاؤ۔ میرین ڈرائیو ہو ہو گیٹ وے آف انڈیا فارس روڈ ہاجی مولا بخش تالاب ٹرام باور سیدھا مارگ جوہری بازار جواہر مگر ماہم اندھیری۔ جو چاہو خریدو اور جو چاہو بیچو۔ بمبئی میں لاکھ برائیوں کی ایک برائی یہ ہے کہ یہ کراچی مدراس کولکتہ کی طرح انسان کو سر سے نہیں بلکہ پاؤں سے پکڑتا ہے یا پھر جو شہر سمندر کے کنارے آباد ہوں وہ سب ایسے ہی ہوتے ہیں اور میں کسی کو اپنے پاؤں پکڑنے یا چھونے نہیں دیتا..... ہاں تو کہہ رہا تھا کہ میں بمبئی پہنچ گیا۔ یہاں میرا قیام اکثر شکیل بانو بھوپالی کے ہاں دادر میں رہتا یا پھر محمد علی روڈ پر سیٹھ سلیمان خان سورتی کے ہاں ہوا کرتا تھا جن کا لندن سوہو میں بھی قالینوں اور نوادرات کا کاروبار ہے۔ ادھر بمبئی میں بھی میرین ڈرائیو پر ایک قیمتی الشال نوادرات کا امپوریم ہے جہاں صرف جواہرات ہیرے جواہرات کی مصنوعات نمائش اور فروخت کے لئے ہوتی ہیں۔ موتیوں سے جڑا زیورات قیمتی پتھروں کے ظروف ہاتھی دانت کے بنے ہوئے زیورات تاج محل کے ماڈل سنگ خارا اور سنگ اسود کے کیلی فون سیٹ اور دیگر آرائش اور زیبائش قیمتی سامان وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے لفظوں میں یہاں زیادہ تر غیر ملکی نوادرات

UrduPhoto.com

کے شوقین اور تاجر بڑے بڑے پاگل قسم کے دولت مند آتے ہیں جو صرف دولت خرچ کرنے کے بہانے تلاش کرتے پھرتے ہیں پچاس ہزار کی چیز کو ازحاتی لاکھ میں خرید کر فخر محسوس کرتے ہیں یا پھر ایسے لوگ جو کسی خاص چیز کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اس امپوریم میں بہت ہی خاص مال آتی تجوریوں میں ہوتا ہے جو صرف مخصوص قسم کے گاہکوں اور صاحب حیثیت لوگوں کو دکھایا جاتا ہے۔ بلاشبہ لاکھوں کروڑوں کے ہیرے جواہرات یہاں مخملیں تھیلیوں اور خوبصورت ڈبوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ میری موجودگی میں ایک دفعہ کوئی معمول قسم کے راجہ صاحب اپنی غیر ملکی بیگم کے ساتھ تشریف لائے۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ دس لاکھ روپے کی خریداری کر کے چلے بھی گئے۔ اپنے لئے انہوں نے ہیرے جڑے کف لنکس اور ان کی غیر ملکی بیوی نے اپنے لئے ہاتھی دانت کا بنا ہوا سگریٹ ہولڈر پسند کیا جس پر پنے، یاقوت اور نیلم کے نگینوں سے بنا ہوا سانپ لپٹا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ راجہ صاحب کی دونوں آنکھیں ابابیل کے آنسو رنگ پگھلے ہوئے اور فیروزوں سے جگمگا رہی تھیں۔ گو اس سانپ کی آنکھوں میں جڑے ہوئے فیروزوں کو دیکھ کر ایک زمانہ بیت گیا مگر اب بھی میرے ذہن کے کمپیوٹر میں یہ منظر محفوظ تھا۔ اب میں اسی امید پر سیٹھ سلیمان سورتی کے فرزند ارجمند سیٹھ مصطفیٰ علی سورتی کا مہمان ہوا تھا کہ شاید ان کے ہاں سے مجھے مطلوبہ [illegible] مل جائے۔

سیٹھ مصطفیٰ علی خان سے میری پرانی یاد اللہ اور نیازمندانہ تعلقات تھے۔ جس زمانے میں وہ ریڈیو پاکستان میں کمرشل تھے اکثر رات کا کھانا میرے ساتھ ہی ہوتا۔ وہ رات گئے تک میرے ساتھ ہی ہوتے اور رات میں شامل رہتے۔ ریسٹورنٹ بند ہوتا تو وہ اپنے ہوسٹل میں چلے جاتے۔ پھر یہ مراسم تب گہرے ہوئے جب انہوں نے اپنے والد سیٹھ سلیمان کی رضامندی کے بغیر اپنی ایک کلاس فیلو انگریز لڑکی سے جو میرے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی تھی شادی کر لی۔ تین سال والدین کی ناراضی رہی اور دو بچوں کی پیدائش کے بعد پھر میری ہی کوششوں سے والدین سے تعلقات بحال ہوئے تھے۔ ہم دونوں پچان تھے اور پھر ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ وہ مجھ سے کبھی کبھی دین دنیا کے معاملات اور کھیڑوں میں مشورے کی صورت میں استفادہ کر لیا کرتا تھا جبکہ ذات یعنی پتھروں سے عشق ہمارے مابین ایک مشترکہ قدر کے طور پر موجود تھا۔ شعر و شاعری کا چسکا اور جمال پسندی بھی ہماری وجہ دوستی تھی۔ ممبئی پہنچ کر ایک آدھ روز تھکن اتارنے اور رسمی گپ شپ میں گزرا پھر میں اپنا مدعا زبان پر لے آیا۔

"یار سیٹھ! میں اس بار تمہارے پاس سو فیصد اپنے مقصد اور غرض کے لئے آیا ہوں۔ مجھے ایک عدد ابابیل کا آنسو اور ایک فیروزہ چاہئے مگر کچا، ابھی اس کی جڑ نہ پھوٹی ہو۔"

UrduPhoto.com

وہ مجھے یوں تکنے لگا جیسے میں نے اس پر کوئی ایسا ہو کہ مجھے بیرے میز کی چائے گرم دار بیز سمیت ابھی اس کی پینٹ بھی نہ کھلی ہو۔ آخر میں نے پوچھ ہی لیا۔

"کیا بات ہے میری بات سن کر تم مجھے اس طرح سے کیوں گھورنے لگے ہو؟"

اس نے مجھے ایک سوال کی زد پہ رکھ لیا۔ "آپ کوئی ون تو نہیں بنا رہے؟"

چند ایک ثانیے توقف کے بعد میں نے جواب دیا۔

"ہاں بنا رہا ہوں۔ بلکہ تیار کر چکا ہوں۔ اب صرف اسی مطلوبہ فیروزے کی ضرورت ہے اسی کے لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔"

وہ ایک لمبی سی "ہوں" کر کے کچھ معنی خیز نظروں سے مجھے تولنے لگا۔ میں نے اس کے اس طرح دیکھنے سے زچ ہو کر کہا۔

"یار! کیوں مجھے پریشان کرنے پہ تلے ہوئے ہو۔ میرے ماتھے پہ کیا لکھا ہے جو مجھے اس طرح تکے جا رہے ہو؟"

وہ ہنستے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔ "خان صاحب! آپ کا ارادہ کیا ہے آپ اور کیدار نے مشہور آسٹرالوجسٹ [illegible] کی پیشگوئی [illegible] ایک مشاعرے میں شرکت کے بعد تم تینوں مشہور دست شناس میر شیم صاحب سے ملے تھے۔ کافی دیر تک آپ تینوں کے مابین کسی خاص لوگ پہ بات ہوتی رہی جسے میں سمجھنے سے قاصر تھا لیکن تمام گفتگو میں نے بڑی دلچسپی اور انہماک سے سنی تھی۔ چاند گرہن، سورج گرہن، نوچندی، سورج گرہن، چاند گرہن، کالی مردہ شتر بچہ کی کھال، زعفران، کستوری، لوبان، مچھلی کے جبڑے کی ہڈی، نرمہ الوری، فیروزہ، زرقی، لاجورد جیسے الفاظ میں نے کثرت سے سنے تھے۔ دو اڑھائی گھنٹے کی گفتگو سننے کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ اس موضوع پہ میں آپ سے خود بات کروں گا۔ نذیر چوہدری تو لندن ہی میں رہ گئے تھے دونوں باری باری ڈرائیو کرتے ہوئے واپس بریڈفورڈ آ گئے تھے۔ راستے میں اس موضوع پہ گفتگو کرنا چاہی مگر آپ برابر ٹالتے رہے کہ پھر کبھی سہی۔ مسلسل دو تین برس جستجو کے بعد میں خود ہی تنگ آ کر خاموش ہو گیا کہ جب آپ بتانا ہی نہیں چاہتے تو پھر بار بار پوچھنے سے کیا فائدہ؟ بہت عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ میں لندن آفس میں بیٹھا تھا والد صاحب اپنی دوا کی گولیاں نگل کر لیٹے ہوئے تھے۔ اچانک ایک ٹیلیفون کال آئی کوئی شخص والد صاحب سے بات کرنا چاہ رہا تھا اور یہ بتانے کے باوجود کہ سیٹھ صاحب اس وقت دوا کی غنودگی کے زیر اثر ہیں وہ شخص والد صاحب سے فوری بات کرنے پہ اصرار کرتا رہا۔ بحالت مجبوری میں نے والد

صاحب کو جھنجھوڑ کر ٹیلی فون ان کے کان کے قریب کر دیا۔ ادھر سے آواز سنتے ہی والد صاحب اچھل کر چاق و چوبند سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر نہ جانے کیا جی میں آئی کہ انہوں نے مجھے جلدی سے اپنے کمرے میں آویزاں ایک طغرا لانے کا حکم دیا جس پہ "یا رزاق یا غفار" لکھا ہوا تھا۔ میں اس طغرا کو ان کے کمرے میں جا کر طغرا اتارا اور ان کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ وہ ابھی تک اسی اجنبی شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ مجھے شدید قسم کی پریشانی لاحق ہو گئی تھی کہ آخر یہ کون شخص ہے جس کی آواز سنتے ہی والد صاحب کی سستی فوراً غائب ہو گئی ہے اور وہ سب کچھ بھول کر اس سے گفتگو میں اور بڑی خاکساری نیازمندی سے "جی جی" کر رہے ہیں۔ جب وہ گفتگو سے فارغ ہو کر ٹیلی فون بند کر چکے تو میں نے پہلا سوال ہی والد صاحب سے کیا وہ یہ تھا کہ ابا جی یہ کون تھا اور اس کو اس انداز سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی اور وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ میری گفتگو اور سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھ سے ایک قینچی اور کاغذ کاٹنے والی چھری کے طلبگار ہوئے۔ یہ چیزیں مہیا کر دینے پہ انہوں نے مجھے ایک نظر دیکھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے مجھے شوروم سے کچھ مخصوص ڈھکن لانے کے لئے کہا۔ میں سخت جھنجھلاہٹ میں دفتر سے باہر آیا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت خیالی ہوتے ہیں لیکن کیا وہ شخص ٹیلی فون طغرا اور چھری قینچی [illegible] میری بھی پہ [illegible] پہ [illegible] دیئے بغیر ادھر ادھر کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ پندرہ بیس منٹ بعد انہوں نے مجھے پھر طلب فرمایا۔ جب میں ان کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ بڑے فریش اور چاق و چوبند سے ٹیلی فون پہ بات کرنے میں مصروف تھے طغرا سامنے ٹیبل پہ رکھا ہوا تھا۔ بات ختم کرنے کے بعد وہ مجھے طغرا دیتے ہوئے بولے کہ اس کو وہیں پہ جا کر لٹکا دو۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے طغرے کو غور دیکھا تو وہ پیچھے سے کھولا گیا تھا ایک پیپر تار کر دوبارہ چپکایا ہوا تھا جیسے طغرے کو کھول کر کچھ نکالا یا رکھا گیا ہو۔ وہ نکالنے یا رکھنے والی چیز کیا ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کوئی کاغذ یا پتلی سی چیز ہی ہو سکتی تھی....."

اب مصطفیٰ علی خان قدرے قریب ہو کر کہنے لگا۔ "خان صاحب! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ وہ چمڑے یا چاندی کا ایک کاغذ کی طرح باریک ٹکڑا تھا وہ ایک لوح تھی جو "یا رزاق یا غفار" کے طغرے میں بیک کور کے اندر رکھی ہوئی تھی اور یہ بھی بتاؤں کہ ٹیلی فون پہ کون شخص تھا۔" چند ساعتیں وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "وہ پراسرار شخص آپ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔؟"

میں کھسیانی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"چلئے آپ کی اس بات پہ پھول چڑھا دیتے ہیں۔ اب آپ فرمائیے کہ اس طلائی تسبیح

سے آپ کا کیا مقصد ہے اور آپ اتنی ذرا سی کیفیت پیدا کر کے کیا کہنا چاہتے ہیں۔؟"

اب وہ ایزی ہو کر کہنے لگا۔ "کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں اس دن جان گیا تھا کہ آپ نے میرے والد صاحب کو کوئی نقش یا کوئی مقدس لوح تیار کر کے دی تھی کیونکہ کچھ عرصہ پہلے والد صاحب اپنے کاروباری مسائل میں بری طرح گھرے ہوئے تھے اور ان کی ایک ذاتی کمزوری یا خامی کی وجہ سے جہاں ہمارے کاروبار کو شدید نقصان پہنچا تھا وہاں ہمیں اخلاقی اور سماجی سطح پر بھی خاصی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ لندن سے کئی بار آپ کے پاس پہنچے اور آپ کے ساتھ ان کی لمبی لمبی نشستیں ہوا کرتی تھیں۔"

میں نے ایک ہلکے پھلکے قہقہے کے ساتھ اس کی کمر تھپکتے ہوئے کہا۔

"مائی ڈیئر شرلاک ہومز! ان تمام انکشافات میں یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ظفر کے پیچھے واقعی کوئی لوح تھی یا لوح میں نے ہی انہیں دی تھی اور ان کا میرے ہاں آنا اور لمبی لمبی نشستیں یہ سب کچھ تو میرے ساتھ روز مرہ ہوتا رہتا تھا۔ مصطفیٰ صاحب! ان فضول باتوں کو چھوڑیں اور فیروزے کے نگینے کے سلسلے میں میری مدد کریں۔"

وہ اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ "خان صاحب! وہ میرے بھیر سے ملاقات کے بعد لگ بھگ تین برس میں نے آپ کی منتیں کیں کہ مجھے کچھ لوح کے بارے میں بتائیں مگر آپ مجھے برابر ٹالتے رہے اب بھی آپ مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتے اور آپ چاہے کچھ بھی کہیں مانیں نہ مانیں وہ والد صاحب کی لوح والی بات بھی درست ہے کہ آپ نے انہیں لوح عطا کر دی تھی جس کی برکت سے والد صاحب کے کاروبار میں برکت ہوئی اور انہیں اپنی راہ روش بدلنے میں بھی مدد ملی۔ اب اصولی بات تو یہ ہے کہ ہم گھرے کاروباری لوگ آپ نے مجھے تین برس لٹکائے رکھا مگر لوح کے بارے میں بھی پلہ نہ پکڑایا والد صاحب کے معاملہ میں بھی آپ نے مجھ سے فاصلہ رکھا۔ جو سلوک آپ نے مجھ سے روا رکھا اب آپ بھی اسی کے مستحق ہیں۔ وہ چار برس گزر لینے دیں پھر سوچیں گے کہ بوتل کا آنسو اور فیروزے کی پتی تا مڑی کہاں سے ملے گی؟ ویسے مدت سے کہیں نظر نہیں پڑی ورنہ ہی کہیں بکنے بکانے کے لئے دکھائی دی۔"

میں مصطفیٰ کے اس بیٹے کی شرارت سمجھ گیا تھا۔ اس نے بھی مجھے خوب پکڑا تھا کہ اب کوئی راہ مفر میرے لئے باقی نہیں بچی تھی مگر نہیں۔ جس طرح بلی ایک داؤ چھپا کر اور ایک اچھا کھلا رکھتی ایک ٹرپ کا پتہ چھپا کر رکھتا ہے اسی طرح۔ لیکن نہیں بلکہ ایک درویش کی طرح جو کوئی بھی عمل یا بات کرنے سے پیشتر اس کے انجام کو اللہ کی مشیت سے منسلک کر دیتا ہے اندیشہ ہائے سود و زیاں سے تعلق ہو جاتا ہے

UrduPhoto.com

میں نے میطو صاحب کو پچکارتے ہوئے کہا۔

"اب تم جب مرنے مارنے پہ تل ہی گئے ہو تو ہم بھی بھر بھاری کھل جاتے ہیں ۔۔۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے والد صاحب میرے دیرینہ دوست تھے ہماری دوستی لندن کے ادبی حلقوں میں پہچان بنی تھی۔ مشتاق احمد یوسفی، ضیاء الدین، ساقی فاروقی، بخش لائلپوری، ان مرا شاہد بڑے شاعر، بقا، زہرہ نگاہ، جناب قمر رضا شہزاد، فہمیدہ ریاض، احمد ہمدانی، میر بشیر، ضیاء سرحدی، اختر عارف، کیسے کیسے نادر اور نایاب روزگار لوگ لندن میں تھے ۔۔۔ ہر روز ہر شب کہیں نہ کہیں کوئی ادبی محفل یا ثقافتی ہنگامہ ضرور بپا ہوتا تھا مشاعروں کا بھی عام رواج تھا۔ لندن اور انگلینڈ بھر میں کیا مغرب یورپ بھر میں کہیں نہ کہیں مشاعرے ادبی مذاکرے منعقد ہوتے رہتے تھے۔ ہم گاڑیاں بھر بھر وہاں جایا کرتے۔ خوب ہلا گلا رہتا اور اس طرح دیار غیر میں باہم مل بیٹھنے کے مواقع مل جاتے اور کچھ علم و ادب اور زبان کی خدمت بھی ہو جاتی تھی۔ تمہارے والد صاحب بھی خوب حصہ لیتے تھے وہ شاعر تو نہیں تھے البتہ شعر اور شاعر نواز ضرور تھے۔ یہ زخمہ سے شعر پڑھنا انہیں اچھا لگتا تھا۔ خوب داد دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے۔ انہیں اچھے شعر اور اچھے انسان کی بڑی پہچان تھی۔ لندن کی مشہور و معروف بزم ادب میں ان کے توسط سے بیشتر شاعروں کا شوروم بنا رہتا۔ وہ بڑے اعلیٰ ظرف انسان تھے۔ ہر وقت خانہ پینا ملنا ملانا اپنے بچوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ہندوستان، پاکستان سے آنے والے آئے دن شاعر، ادیب، احباب کا قیام و طعام ان کے ہاں ہی ہوتا۔ میرے ان سے مراسم نامہ و پیام سے بڑھ کر قریبی سطح تک آ پہنچے تھے۔ آپ تو اپنے والد اور بڑی ماں کے ساتھ رہتے تھے آپ کی چھوٹی والدہ میری بھی خالہ تھیں جو آپ کے والد صاحب کے ساتھ لندن میں مقیم تھیں۔ بدقسمتی سے آپ کے والد صاحب کو ریس کی عادت تھی وہ باقاعدہ لندن ریس کورس کلب کے ممبر تھے۔ ہر ہفتے اتوار کے روز سینکڑوں ہزاروں پونڈوں کی شرط تفریق کرنا ان کا روزمرہ بن چکا تھا۔

ارض و فلک کی استعانتیں ان کے حق میں جاری تھیں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی مرے ہوئے نوٹ بھی لگاتے تو وہ کمبخت جیت جاتا۔ ایک شوروم سے دو شوروم ہوئے مرسیڈیز کے ساتھ ڈیکوار اور بنٹلے بھی آ گئیں۔ مجھے یاد ہے انہی دنوں میں آپ کے والد نے سیون سیٹر کے پوش علاقے میں ایک خوبصورت فلیٹ خریدا تھا کیونکہ اس دوران انہوں نے بڑی لمبی لمبی رقمیں ریس میں جیتی تھیں ۔۔۔ ایک بات میں بتانا بھول گیا کہ آپ کے والد صاحب مجھے صرف ایک خوش گلو اور خوش کلام شاعر کی حیثیت سے ہی جانتے تھے۔ میرے دیگر مشاغل، طور طریق اور خاک نشینی و درویشی کے بارے میں وہ لاعلم تھے۔ میر بشیر جو میرے استاد بھی تھے ان سے ہمارے خاندانی مراسم سیالکوٹ سے ہی استوار

تھے۔ ان کے ہاں اکثر میرا آنا جانا رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان سے ملاقات جو بھی ہوتی تھی اس میں یہی
الٹے سیدھے علوم دیکھائیں بروج' ستارے زمین آسمان کی گردشیں ہاتھ ہتھیلیوں کے نقشے ہی زیر گفتگو
رہتے تھے۔ آپ کے والد کو کہیں بھنک پڑ گئی تھی کہ میں بھی الٹے سیدھے معاملات میں دخل رکھتا ہوں۔
ایک دن انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور ساتھ گھر لے گئے جہاں وہ اپنے دوستوں کو بھی اپنے گھر نہیں لے جاتے
تھے۔ کرایہ دار میں انہوں نے ایک مکان صرف دوستوں کے تصرف و قیام کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔
رات کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے۔

"خان صاحب! میں نے آپ کو ایک خاص چیز دکھانی ہے اسی غرض سے آج میں آپ کو
یہاں گھر لے کر آیا ہوں۔"

میں سوچ رہا تھا کہ اللہ خیر! وہ کون سی ایسی چیز ہے جسے دکھانے کے لئے مجھے بطور خاص گھر پہ مدعو کیا گیا
ہے اور وہ بھی رات کو۔ وہ ایک عام آدمی کی ہتھیلی کے برابر تین گوشہ سا والٹ کی ایک پتلی سی تختی کالے
رومال میں لپٹی ہوئی جیب سے نکال کر میرے سامنے دھرتے ہوئے کہنے لگے۔

"یہ تو جنتر مجھے متھرا کے ایک سادھو نے بطور تبرک تیار کر کے دیا ہوا ہے۔ بقول ان کے
اس جنتر کو انہوں نے بڑی ہی پیچیدہ ریاضت کے بعد تیار کیا تھا۔ اپنا سارا پرچار کرتے ہیں ہر شکروار کو
اس کے درشن کرتے ہیں اس پہ ماڑیں کا تیل چڑھاتا ہوں۔ وہ دن اور آج کا دن مجھ سے ہاں دھن
دولت کی کمی نہیں ہوئی۔ مہاراج کا یہ بھی کہنا تھا کہ جب تک یہ مہان جنتر تمہاری حفاظت میں رہے گا
لکشمی کے چمتکار اور چکا چوند سے تمہاری آنکھیں چندھیاتی رہیں گی۔ خان صاحب! آپ یقین کریں میں
ہارنے والے گھوڑے پہ بھی لگا دوں تو وہ جیت جاتا ہے۔ میرے کاروبار میں ایسی ترقی ہوئی ہے کہ میں کبھی
سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آج شکروار ہے میں نے آج خصوصی طور پہ آپ کو اس کے درشن کرانے کے لئے
تجوری سے نکالا ہے۔"

سیاہ مخمل تیل سے چپڑی ہوئی صندل کی چھوٹی سی تختی کے اوپر سفید کاغذ کی سہ گوشہ چٹی
سونا چاندی اور لوہے کی تین میخوں کے ساتھ جڑی ہوئی میری ناک کے عین نیچے کافی ٹیبل پہ رکھی ہوئی
تھی۔ میں اسے غور سے دیکھ اور پڑھ رہا تھا۔ میری ناک کے نیچے جیسے کسی نے مرے ہوئے چوہے کا
جگر نکال کر رکھ دیا ہو۔ بدبو سے میری ناک سڑنے لگی تو اپنا رومال ناک پہ رکھ لیا۔ آپ کے والد صاحب
بولے۔

"خیریت! ناک پہ رومال رکھ لیا ہے.....؟"

UrduPhoto.com

میں نے انہیں خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ کو اس جنتر سے بڑی ہوئی بدبو کے نتھنے اٹھتے ہوئے محسوس نہیں ہو رہے؟"

وہ نتھنے پھلاتے ہوئے جنتر اور پھر میری جانب دیکھتے ہوئے بولے "نہیں بالکل نہیں بلکہ مجھے تو بھینی بھینی صندل اور مارو ے کی مہک سی محسوس ہو رہی ہے۔"

میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے پھر اس منحوس جنتر کی جانب دھیان دیا۔ ایسے نحس جنتر چترے بھورے الو کے جگر کے خون سے کسی مردار کی سوکھی ہوئی کھال پر لکھے جاتے ہیں مگر یہ سفید کاغذ کی ترشول نما چترائی پر کندہ کیا گیا تھا۔ ایسے جنتر چترے لکشمی اور کالی دیوی کا پردہ جوت کر کے تیار کیے جاتے ہیں اور پھر انہیں احتیاط سے کسی سورج اور چندرما گرہن کے درمیانی عرصے کے دوران جو چاندی کی کٹتی ہوئی راتوں کو چاندنی میں رکھ کر جنتر جوت لیا جاتا ہے۔ یہ عرصہ کئی برسوں پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔ (واضح رہے کہ چاند اور سورج کے گرہن دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو انسانی آنکھ دیکھ سکتی ہے یا جن کے اثرات واضح طور پر دیکھے اور جانے جا سکتے ہیں۔ ایک قسم وہ جسے انسانی آنکھ یا آلات نہیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی عام انسان ان کے اثرات کو محسوس و معلوم کر سکتے ہیں۔ ایسے جنتر چترے نحوست، شہرت، دولت اور حاجت حاصل کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔) یہ ترشول نما جنتر جو سفید کاغذ کی چترائی پر کندہ ہوئے چاندی اور لوہے کی کیلوں سے صندل کی مخروطی لکڑی پر جڑا ہوا تھا ایک مخصوص قسم کا تھا۔ یہ صرف اور صرف شیطانی طریقے یعنی ناجائز طریقوں سے ہی دولت، شہرت میں بے پناہ اضافے کے لئے ہوتے ہیں۔ یہ انتہائی بدبودار اور کریہہ المنظر ہونے کے علاوہ مرے ہوئے کسی بوسیدہ بچھو کی طرح نظر آتے ہیں لیکن اک عجیب بات یہ ہے کہ جن کے پاس ہوتے ہیں اور جو ان کے زیرِ اثر ہوں یا جنہیں وقتی طور پر یہ استعداد پہنچا رہے ہوتے ہیں انہیں نہ تو ان سے گھن آتی ہے اور نہ ہی انہیں یہ بچھو دکھائی دیتے ہیں۔ اس منحوس جنتر چترے کی ایک بڑی خباثت یہ بھی ہے کہ یہ جس کے پاس ہوں انہیں ایمان، یقین اور اعتقاد کی دولت سے بھی دور کر دیتے ہیں۔ ہر چند کہ وقتی طور پر دولت اور شہرت میں اضافے کا باعث بھی بنتے ہیں لیکن انجام کار ان کے دسترخوان اور دست چنداں اپنی سفید کاغذی کی وش حاصل کے حالات میں شامل کر کے اسے کسی ناگہانی حادثے، خوف و ہراس یا پھر خلل دماغ میں مبتلا کر کے واصل جہنم کر دیتے ہیں۔

آپ کے والد صاحب نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"خان صاحب دیکھا آپ نے اس جنتر کا پیکار۔ میں کورس چلا جاؤں کسی کاپ کیسلو یا

کہیں دوستوں میں تاش پہ بیٹھ جاؤں ہمیشہ جیتیں بھر کر واپس لوٹتا ہوں۔ اس کرشمے والے مقدس جنتر کی زیارت کرانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ بھی کاروباری اور اقتصادی طور پہ کچھ آسودہ دکھائی نہیں دیتے۔ میرا آپ سے بھائی چارہ بھی ہے اور دوستی بھی اس ناتے اگر آپ چاہیں تو یہ جنتر تجربے کے طور پہ کچھ عرصہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے دن بھی پھر جائیں گے۔"

میں اسی معنی خیز ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ باتیں سنتے ہوئے ان کے چہرے کی جانب مسلسل ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ جب میں نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ قدرے جھنجھلا کر بولے۔

"بھئی آپ میری بات سن بھی رہے ہیں یا یونہی ٹکٹکی باندھے مجھے گھور رہے ہیں؟"

میں نے نظریں ہٹائے اور پلکیں جھپکائے بغیر نیم غنودگی کے عالم میں کہا۔

"سیٹھ صاحب! میں جس محویت سے آپ کو دیکھ رہا ہوں اس سے کہیں زیادہ توجہ اور دلچسپی سے آپ کی باتیں سنتے ہوئے کچھ سوچ بھی رہا ہوں کہ میں آپ کی اس مہربانی اور ہمدردی کا کیسے شکریہ ادا کروں جو آپ نے میرے بھلے کے لئے سوچا ورنہ کون اس مطلب پرستی اور نفسا نفسی کے دور میں کسی کی بھلائی اور اچھائی کے لئے سوچتا ہے بلکہ عملی طور پہ کچھ کرتا بھی ہے؟"

آپ نے اور آپ کے لئے ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ میرے بڑے بھائی کی طرح ہیں۔ میرے اعزہ میں آپ پہلے فرد ہیں جن سے میرے گھریلو تعلقات ہیں۔ میں آپ کے لئے مالی طور پہ بھی ہر معاونت کے لئے حاضر ہوں مگر میں آپ کی خودداری طبیعت سے بھی تھوڑا سا واقف ہوں اس لئے کبھی ایسی بات نہ کہہ سکا۔ پچھلی مرتبہ میں نے پندرہ ہزار روپے جیتے اسی طرح کسینو اور بنک جیک سے خاصی رقم ہاتھ لگی۔ یہ سب اسی جنتر پتھر کا چمتکار ہے۔"

وہ ایک شخص کے کپڑے میں اسے لپیٹ کر مجھے دیتے ہوئے بولے۔

"یہ لیجئے آپ بھی کچھ عرصہ تجربہ کر کے دیکھیں مگر کسی اور سے ذکر نہ کیجئے گا۔ یہ میری آپ کے پاس امانت ہے۔"

میں بہ دقت اس شخص جنتر کو لیتے ہوئے بولا۔

"سیٹھ صاحب! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اسے کیا کروں گا؟ ریس ہو تو میں کھیلتا نہیں سٹہ بازی سے بھی کوئی رغبت نہیں جبکہ اس کرشماتی جنتر کے اصل جوہر ہی تجربے کے کام دھندوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھئے نا! آپ کا قالینوں کا کاروبار ہے۔ جائز کاروبار جائز آمدن و منافع اس جنتر سے ہونی چاہئے نہ کہ ریس ہونے میں جو میری دانست میں جائز کمائی کی ذیل میں نہیں آتے۔"

UrduPhoto.com

وہ چند لمحے سوچتے ہوئے بولے۔ ''ہاں! یہ تو آپ کا کہنا درست ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہم لوگ جو اپنا وطن چھوڑ کر یہاں پڑے ہوئے ہیں اس کی وجہ کوئی شوق یا تفریح نہیں' مجبوری اور ضرورت ہے۔ یہاں عزت نفس کے ساتھ بہتر طریقے سے پیسہ کمایا اور بچایا جا سکتا ہے۔ چوری' ڈاکے' دھوکا فریب گناہ اور جرم ہیں مگر میں نہیں سمجھتا کہ ریس' کیسینو یا لاٹری سے میں قسمت آزمائی کرنا بھی کوئی ناجائز ذرائع کے ذیل میں آتے ہیں۔ میں نے اپنا سارا کاروبار بلکہ آکسفورڈ سٹریٹ والا نیا شوروم بھی ہی ریس اور کیسینو کی کمائی سے بنائے ہیں۔ یہ کمائی ٹیکس بچا ہے' گورنمنٹ سازشے اخبار پر سٹ کاٹ کر اسے جائز آمدن کی رسید دے دیتی ہے۔ خان صاحب! پیسہ صرف پیسہ ہے بلیک یا وائٹ نہیں ہوتا۔ یہی تو ہم میں اور ان یورپین ممالک میں فرق ہے کہ ہم حرام حلال' جائز ناجائز کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ جیسے کہ پاکستان اور ہندوستان میں ناجائز اولاد کو معاشرے میں برا دیکھا اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ بغیر شادی عورت' مرد کا اکٹھا رہنا معیوب گردانا جاتا ہے مگر یہاں ناجائز بچے قطعی کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی معاشرہ انہیں دھتکارتا ہے یا ان سے نفرت کا اظہار کرتا ہے اور نہ ہی یہاں کا قانون یا کوئی اخلاقی ضابطہ کسی مرد' عورت کو شادی کی زنجیروں میں جکڑے بغیر اکٹھے زندگی بسر کرنے سے روکتا ہے۔ شخصی آزادی [illegible] ہر [illegible] معاملات میں آزاد ہو۔ آپ کا کیا خیال ہے؟''

میں اب جانے کس انداز میں سیٹھ صاحب کی باتیں سن رہا تھا جیسے مجھ پر نیند کا غلبہ ہو۔ وہ پھر کہنے لگے۔

''میرے خیال میں آپ کو نیند آ رہی ہے۔ ٹھیک ہے آپ آرام کریں۔ صبح ملاقات ہو گی۔''

میں نے کہا۔ ''نہیں سیٹھ صاحب! آپ بیٹھئے۔ نیند ہی تو ایک چیز ہے جو اپنے ہاں نہیں آتی صبح پھانسی پہ چڑھنا ہو تو رات کے نیند آتی ہے البتہ یہ میری آنکھیں نیم سی مندھی ہوئی اور بلکا سا خمار جو دکھائی دے رہا ہے یہ آپ کی پُرکیف باتوں اور اس جنتر منتر کی وجہ سے ہے۔ میں تو یوں ہی آج تک حرام و حلال اور جائز ناجائز کے چکر میں پڑا رہا' میری تو آپ نے آنکھیں روشن کر دی ہیں۔ شکریہ سیٹھ صاحب! دوست ہو تو آپ جیسا۔ اب مجھے اجازت دیجئے' میں کنگ کراس سے آخری سرے سے گیارہ بجے والی شٹل ٹرین پکڑوں گا اور ہی صبح بریڈفورڈ پہنچ جاؤں گا۔''

وہ چونک کر پوچھنے لگے۔ ''یہ ایک دم آپ کو بریڈفورڈ جانے کی کیا سوجھی۔ ابھی سردی اور یہ رات کا وقت ہے' ایسے بھی بے آرام ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ صبح دیکھا جائے گا۔''

UrduPhoto.com

میں نے انہیں بتایا۔ "اب میرے لئے یہاں رہنا ممکن نہیں آپ کی حقیقت افروز گفتگو اور اس نایاب مہم کا کام جنتر چاہ سے میرے اندر ایسی تبدیلی آئی ہے کہ مجھے یہاں رکنا تو کجا زمین پہ پاؤں دھرنے بھی مشکل پڑ رہے ہیں۔"

بریڈفورڈ پہنچ کر آرام کرنے کے بعد جو میں نے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ میں اس جنتر کو لے کر بینگلے کی پہاڑیوں پہ چلا گیا۔ ایک پرانے درخت کی جڑ کے پاس اس جنتر کو درمیان میں پانچ انچ لمبی کیل رکھ کر ٹھونک دیا غیر انسانی چیخوں سے ذخیرہ گونج اٹھا مگر میں جانتا تھا کہ یہ دل خراش چیخیں میرے سوا کسی اور کو سنائی نہیں دیں گی۔ پھر فوری طور پہ میں نے درخت کے گرد دو دو فٹ کا فاصلہ رکھ کر پانچ حصار قائم کئے اور بغیر مڑ کر دیکھے واپس چلا آیا۔ مصطفیٰ خان صاحب یہ وہی دن تھا جس دن آپ نے مجھے ٹیلی فون پہ بتایا کہ والد صاحب کو چند غنڈوں نے مضروب کیا ہے اور ابھی لندن پہنچا ہے وہ ہسپتال میں بے ہوشی کی حالت میں ہیں۔ آپ یقین کریں کہ میں اس جنتر کو ٹھونک کر گھر پہنچا فوراً کپڑے پہن کر تیار بیٹھ گیا تھا مجھے اندازہ تھا کہ اب کسی وقت بھی لندن سے اطلاع آئی کہ آئی اور اطلاع آئی مگر لیٹ۔ خیر آپ کو یاد ہوگا کہ ہم دونوں کو ہسپتال سے اطلاع ملی تھی۔ ہم چار بجے کا وقت تھا میرے ہاتھ میں ایک اٹیچی کیس تھا جس کا پیٹ بھی تھا آپ نے ایک آدھ بار پوچھا بھی کہ یہ کیا ہے؟ یہ میرا اپنا بنایا ہوا طغرا تھا جس پہ "یا رزاق یا غفار" لکھا ہوا تھا۔ یہ وہی طغرا تھا جسے سیٹھ صاحب کے کہنے پہ آپ نے کمرے سے اٹھوا دیا تھا اور جس کے بارے میں آپ کہہ رہے ہیں کہ اس کے بیک کور میں کوئی لوح چھپی ہوئی تھی۔ ہم سیدھے ہسپتال پہنچے تھے۔ وہاں آپ کی چھوٹی والدہ، بہنیں اور سٹاف کے کچھ لوگ موجود تھے۔ پولیس اور کیسینو کا سیکیورٹی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ سیٹھ صاحب ایک لمبی رقم سمیٹ کر کیسینو سے نکلے پارک میں اپنی گاڑی تک آئے۔ وہاں پہلے سے موجود کچھ غنڈوں نے لوہے کے تھن اور چمڑے کی منڈھی ہیلٹوں سے سیٹھ صاحب پہ حملہ کر دیا۔ جیب سے رقم، چیک بک، قیمتی پین، رولیکس کی جڑاؤ گھڑی اور قیمتی انگوٹھیاں لے جھپٹ کر رفو چکر ہو گئے۔ سیٹھ صاحب کے سر کی کھوپڑی فریکچر تھی اور دو اگلے دانت ٹوٹ گئے تھے۔ اس کے علاوہ سینے اور پسلیوں پہ بھی ضربیں پڑی تھیں، انگوٹھیاں اتارتے وقت دونوں انگلیاں بھی اتر گئیں۔ جسم پہ جابجا چمڑے کی ہیلٹوں اور آہنی تھن کے نیلے نیلے لمبے نشانات بھی تھے۔ پولیس بیان لینے کے لئے بیٹھی تھی اور ساتھ کیسینو والے بھی بٹھائے ہوئے تھے مگر سیٹھ صاحب کے ہوش میں پلٹنے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ کئی تک دیگر اعزاء کو بھی ٹیلی فون کھڑکا دیئے گئے تھے۔ آپ کو یقیناً یاد ہوگا کہ آپ نے کئی بار اپنی اس تشویش کا اظہار کیا تھا کہ ابا

UrduPhoto.com

کب ہوش میں آئیں گے؟ میں نے ہر بار آپ کو تسلی دی تھی کہ اللہ سب بہتر کرے گا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ جس وقت میں جنتر کے ترشول میں ہتھوڑے سے کیل ٹھونک رہا تھا عین اسی وقت لندن میں فنڈے سیٹھ صاحب کو ٹھونک بجا رہے تھے۔ بالکل اتنی ہی ضربیں جتنی میں نے جنتر کے درمیان ٹھونکنے کے لئے کیل پہ لگائی تھیں.....''

سیٹھ مصطفےٰ علی سورتی میرے سامنے بیٹھا مجھے یوں سہما اور ٹھٹکا ہوا اپنے والد سیٹھ سلیمان سورتی مہتی والے کی ''داستانِ حسرت'' سن رہا تھا جیسے وہ انسانوں کی نہیں جنوں کی کوئی ڈراؤنی کہانی سن رہا ہو۔ اس کی آنکھیں قدرے پھیلی ہوئی باریک باریک ہونٹ ہلکے سے سیٹی بجانے کی انداز میں سکڑے ہوئے تھے اور یقیناً حلق بھی اندر سے خشک ہوگا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوا تو وہ بمشکل اپنا حلق تر کرتے ہوئے بولا۔

''خان صاحب! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں ..... آپ کو علم بھی تھا کہ جتنی چوٹیں جنتر پتر کو لگائیں گے اتنی ہی ضربیں والد صاحب کو بھی مجروح کریں گی اس کے باوجود آپ نے کیل پہ ہتھوڑے سے ضربیں لگائیں؟ ..... مجھے تو یہ سن کر تعجب ہی نہیں حیرت بھی ہو رہی ہے''

میں نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''سیٹھ مصطفےٰ علی خان صاحب! آپ کاروباری گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور کاروبار کا یہ زریں اصول بھی خوب جانتے ہوں گے کہ کاروبار میں اگر نقصان ناگزیر ہو جائے تو پھر بھی ہر حالت نقصان میں اپنے فائدے کے مواقع کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ اب دیکھئے کہ میں نے ذرہ پیش ہونے کے باوجود اپنے یعنی کہ آپ کے مفادات کو اوّل ترجیح دی۔ سیٹھ صاحب کی ذرگت میں بھی آپ کے وسیع تر مفاد کو ہی پیشِ نظر رکھا گیا.....''

سیٹھ مصطفےٰ علی خان کچھ نہ سمجھتے ہوئے نفی میں سر ہلا کر بولے۔

''میں کچھ نہیں سمجھا کہ والد صاحب کے ساتھ ایسے بیہودہ تشدد میں ہمارے وسیع تر مفاد کا کون سا پہلو پنہاں تھا.....؟''

میں نے فوراً جواب دیا۔

''دیکھئے نا اگر ایک شخص تلگو یا ملیالم زبان نہیں سمجھتا یا پھر اس نے بارہ بنکی یا بانس بریلی نہیں دیکھا سنا تو اس میں ان زبانوں یا شہروں کا قصور تو نہیں؟ ..... میرا قصور فقط یہ ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود میں نے آج تک آپ سے ان باتوں کا ذکر کرنا مناسب نہیں جانا۔ آج آپ کے مجبور کرنے پہ

UrduPhoto.com

اگر ناچیز مجھے ان باتوں پہ سے پردہ سرکانا پڑا تو گنہگار کو معاف کر دیں۔"

سیٹھ صاحب میرے کاندھے پہ ہاتھ دھرتے ہوئے بولے۔

"خان صاحب! میری باتوں کا غلط مطلب نہ لیں۔ اگر میں کسی چیز کی حقیقت اور اصلیت کو نہیں جانتا تو میرا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا عین ممکن ہے ... براہ کرم صرف دو باتیں کلیئر کر دیں۔ آپ جنتر منتر کے اوپر وہاں جنگل میں کیل پہ ضربیں لگاتے تھے تو ادھر سارے تین سو کلومیٹر پرے خندان میں والد صاحب کو چوٹیں کیوں لگتی تھیں اور دوسری بات کہ والد صاحب پہ اس نادر و انتظار میں ہمارے بچے کا کون سا پہلو مضمر تھا.....؟"

میں نے بات سمیٹنے کی غرض سے کہا۔

"سیٹھ صاحب! اگر ان باتوں کا آپ سے ذکر کرنا یا ان کی پوشیدہ مصلحت و حقیقت کو کھولنا مناسب ہوتا تو میں کبھی کا آپ کو بتا چکا ہوتا۔ یوں سمجھ لیں کہ جیسے گھروں یا سلطنتوں کے بھی بعض ایسے راز ہوتے ہیں جو گھر کے دیگر افراد یا ملک کے عوام تک کسی مصلحت کے تحت نہیں لائے جاتے... بہرحال ہلکی سی بات کھولنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ آپ کی اندر کی الجھن ختم ہو سکے۔ مذکورہ جنتر منتر آپ کے والد صاحب کو کسی [illegible] بتایا تھا کہ یہ جنتر تمہاری زندگی بدل کر رکھ دے گا۔ تم بے انتہا امیر کبیر ہو جاؤ گے دولت تمہارے گھر کی لونڈی اور شہرت تمہارے در کی داسی بن جائے گی اور یہ بات تھی بھی سو فیصد درست۔ یہ جنتر بڑی کٹھن چھپیا اور لمبے سالوں کے انتظار اور محنت کے بعد جا کر کہیں شدھ ہوتے ہیں اور پھر جو انہیں اپنے پاس حفاظت سے اور باقاعدہ ڈنڈوت کر کے رکھتا ہے اسے یہ لکشمی مایا سے نہال کر دیتے ہیں۔ بس ایک ہی عیب ہوتا ہے کہ یہ ایمان یقین اور اعتماد سے محروم کر کے صرف اور صرف دولت اور غرض کا پجاری بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ حرام حلال اچھائی برائی سب کچھ ملا جلا کر انسان کی ایک کاک ٹیل سی بنا کر پلا دیتے ہیں۔ اس جنتر کی ابھیسی استھانتیں اپنا ڈنڈوت کرنے والے کی بڑی رکھشا کرتی ہیں۔ اسے ہر سمے شیطانی کاموں میں مگن رکھ کر غیر معمولی فائدہ بھی پہنچاتی رہتی ہیں یعنی یہ قوتیں ہر وقت اس کے در پے رہتی ہیں چمٹ جاتی ہیں تاوقتیکہ وہ اسے بڑی طرح اپنے شکنجے میں جکڑ کر اسے انجام تک نہ پہنچا دیں۔ لکشمی دیوی اپنا چند روزہ چمتکار اور ریل پیل دکھا کر روپوش ہو جاتی ہے اور کالی مائی لگنے والی اپنا بلیدان پرمت کر کے پرے ہٹ جاتی ہے ... اب آپ کی پہلی بات کہ میں تھوڑا تو وہاں کیل پہ لگاتا تھا اور چوٹ لندن میں سیٹھ صاحب کو لگتی تھی۔ جب ان شیطانی قوتوں کو میں نے کیل گاڑ کر اور ان کے گرد حصار کھینچ کر مشتعل کر دیا تو وہ مجھے کوئی گزند

UrduPhoto.com

پہنچانے سے عاجز ہو کر اپنے پچھلے عامل کی طرف لوٹ گئیں اور انہیں نقصان پہنچا گئیں۔ شکر کریں کہ وہ کچھ زیادہ نقصان پہنچائے بغیر ہی اپنے زخم چاٹتی ہوئی کسی نرک میں روانہ ہو گئیں۔ دوسری بات کہ سیٹھ صاحب کی ذرکت میں ہمارے بھتیجے کا کون سا پہلو مضمر تھا؟ یہ میں بتا چکا ہوں کہ اس بلائی سے ان کی جان کا صدقہ نکل گیا تھا۔ جو بڑا نقصان کل کلاں ان شیطانی قوتوں سے سرزد ہونا تھا وہ اس معمولی نقصان سے ٹل گیا۔ آپ کی طرح ہمارے سیٹھ صاحب بھی مجھے اور میرے کسی عمل اور ردعمل کو کماحقہ سمجھ نہیں پائے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں آپ کا قصور نہیں تھا۔ ہماری سمتیں ہی الگ الگ تھیں۔ جیسے کسی جوہری اور انجینئر کی آپس میں تو ہو سکتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پروفیشن کو بھی سمجھتے ہوں۔"

مصطفےٰ علی خان میری بات پہ بولے۔

"خان صاحب! آپ نے جن باتوں پہ سے آج پردہ اٹھایا ہے یقیناً میں واقعی ان کی اصل حقیقت سے واقف نہیں تھا۔ واللہ صاحب تو شیطانی قوتوں کے چنگل میں بری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ خدا کا شکر ہوا کہ وہ بروقت کچھ نقصان کے بعد سنبھل گئے تھے ورنہ پتہ نہیں آج ہمارا کیا حشر ہوتا؟ آپ نے ابھی تک اس "بارزاق باغفار" والے ظفرے کی بابت کچھ نہیں بتایا۔ واللہ صاحب پہ غنڈوں کے حملے کے موقع پہ ظلم ہوا تھا۔ ندی نالے کے اور آپ کے ساتھ ایک پیک بھی تھا کیا وہ پیک یہی ظفرا تھا۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ اسے آپ کے دریافت کرنے کے باوجود میں نے نہیں بتایا تھا کہ یہ کیا ہے مگر یہ وہی ظفرا تھا جسے آپ ان کے کمرے سے اتار کر اپنے دفتر میں لے کر آئے تھے۔"

"۔۔۔۔اور اس کے بیک کور کے اندر کچھ اور بھی تھا؟"

سیٹھ مصطفےٰ علی خان نے فوراً نیا سوال داغ دیا تھا۔

اب میں کیا چھپاتا؟۔۔۔ فوراً کہہ دیا۔

"ہاں اس اندر نے صفائی اور والے بابرکت ظفرے کے اندر ایک لوح بھی چھپی ہوئی تھی۔۔۔ ہسپتال میں جب سیٹھ صاحب کو ہوش آیا اور وہ پولیس اور دیگر ضروری کارروائیوں سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے تنہائی میں طلب کر کے شکایت سی کی کہ آپ کو جنتر پتر دینے سے میری یہ ذرکت ہوئی اس کو علیحدہ کرنے کی دیر تھی کہ میرا مال بھی گیا اور جان پہ بھی بن گئی لہٰذا آپ مہربانی سے میرا جنتر مجھے واپس کرا دیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دی کہ آپ گھبرائیں نہیں میں آپ کے لئے "جنتر" لے کر آیا ہوں۔ پھر میں نے انہیں وہ پیک والا ظفرا پیش کرتے ہوئے کہا کہ سیٹھ صاحب! یہ ظفرا میں نے خود

ڈیزائن کیا ہے۔ اس پہ "یا رزاق" اور "یا غفار" لکھا ہے یعنی پاکیزہ رزق دینے اور خطائیں معاف کرنے والا وہی رب کریم ہے۔ انسان اپنی محنت کوشش اور ہنر و فن سے جو رزق حاصل کرتا ہے وہی پاکیزہ اور حلال ہوتا ہے چاہے وہ تھوڑا اور ضرورت سے کم ہی کیوں نہ ہو لیکن اس میں خیر برکت اور سلامتی ہوتی ہے۔ اس تھوڑے حلال پاکیزہ اور پسندیدہ رزق سے جو خون پیدا ہوتا ہے وہ صالح ہوتا ہے۔ اس خون کی چھلکی سے پھر جو اولاد پیدا ہو اس سے پھر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک اچھا انسان اور صحیح مسلمان ہوگی..... یا رزاق! یعنی وہی آپ کو سب رزق اور اپنی بہترین نعمتیں عطا کرنے والا ہے اور یا غفار! انسان خطا اور نسیان کا خوگر ہے۔ دانستہ نادانستہ اس سے خطاؤں گناہوں کا سرزد ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ یہ ازلی خطا کار ہے اور وہ رب کریم مثالی بخشش ہار ہے معاف اور درگزر کرنے والا ہے چشم پوشی کر لیتا ہے۔ میں نے انہیں ان کی وہ گفتگو یاد دلائی جو انہوں نے ایک روز پہلے یہ جنتر پتر دیتے ہوئے مجھ سے کی تھی کہ اس ملک میں پہنچ کر ہمیں صرف اور صرف پیسہ کمانا چاہیے کسی حرام حلال آئے اکٹھا کرنا چاہیے اور یہ سارے اخلاقی قانونی اور دینی شرعی ضابطے بس یونہی ہیں۔ میں نے عرض کی کہ میں اس وقت بھی آپ کو ان باتوں کا مسکت جواب دے سکتا تھا مگر میں جانتا تھا کہ اس وقت میری کوئی دلیل بھی آپ کو مطمئن اور قائل نہیں کر سکے گی۔ یہ دلیل ابھی ابھی کراچی اور زمین پہ پہنچے تھا کہ مجھے بہت جلد آپ کے ہاں واپس لندن پہنچنا ہے آپ کی ان باتوں کا جواب دینے کے لئے۔ آپ نے حیران ہو کر پوچھا بھی تھا کہ میں نے اچانک اس وقت رات کو بریڈفورڈ جانے کا فیصلہ کیوں کر لیا ہے؟ اس لئے کہ میں آپ کے لئے یہ طغرا لانا چاہتا تھا۔ یہ طغرا آپ اپنے کمرے میں وہاں آویزاں کریں جہاں سے یہ آپ کو زیادہ سے زیادہ دکھائی دیتا رہے..."

"آپ کی اس گفتگو کا والد صاحب پہ کیا ردعمل ہوا...؟"

مصطفیٰ علی خان صاحب نے پوچھا۔

"وہ گم صم سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ آنکھیں تو ان کی پہلے سے ہی سوجی ہوئی تھیں اب ذرا نم دار ہو گئیں۔ آنکھوں میں آنسو لا کر نحیف سی آواز میں بولے خان صاحب! آپ نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔ دعا فرمائیں اللہ مجھے صحت دے اور توبہ کی توفیق دے۔ میرا وہ جنتر پتر مجھے واپس لوٹا دیں۔ میں آپ کی سب باتوں کو صحیح سمجھتا ہوں لیکن اس کے باوجود نہ جانے کیوں مجھے وہم سا ہو گیا ہے کہ یہ ساری آفت آپ کو جنتر پتر دینے سے ہی مجھ پہ ٹوٹی ہے اسے دینے کے بعد مجھے یاد آیا تھا کہ اس مہا گیانی سادھو نے تاکید بھی کی تھی کہ اس جنتر پتر کو کسی کے حوالے نہ کرنا ورنہ تمہارے لئے بہتر نہ ہوگا۔ میں نے بڑے

ادب سے جواب دیا کہ واقعی آپ نے اسے خود سے علیحدہ کر کے تھوڑی سی اپنے لئے اور بہت سی اس جنتر اور اس کے نسلوں کے لئے پریشانی پیدا کر لی ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ آپ کا "جنتر پتر" عنبر اور زعفران ملا بسا کر اس طغرے کے بیک کور میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہ "یا رزاق" اور "یا غفار" کے مقدس اسماء اور "جنتر پتر" کے روحانی اثرات یعنی دونوں کی نورانی برکات سے آپ بہت جلد ظاہری باطنی طور پر صحت یاب ہو جائیں گے انشاء اللہ۔۔۔ اور کچھ متذبذب سے ہو کر کہنے لگے کہ میرے لئے ہر شعر دار کو جنتر پتر کو ناریل کا تیل لگانا اور اس کے آگے ڈنڈوت کرنا ضروری ہوتا ہے پھر درشن بھی تو کرنے ہوتے ہیں۔۔۔ میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ فکر نہ کریں میں نے اس جنتر پتر کو ہمیشہ کے لئے ایسا ڈنڈوت کر دیا ہے کہ اب اسے بار بار ڈنڈوت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ناریل کی جگہ میں نے خالص عنبر اور زعفران کا تیل اسے پراچم کر دیا ہے۔ باقی رہی اس کے درشن کی بات تو پیچھے میں نے عرض کی کہ آپ اس طغرے کو اپنے کمرے میں وہاں آویزاں کریں جہاں یہ زیادہ سے زیادہ آپ کی نظروں کے سامنے رہے۔ پہلے آپ ہر شعر دار کو درشن کرتے تھے میں نے اللہ کے امر سے آپ کے لئے روز و شب اسم کو دس بار درشن کرنے کا اہتمام کر دیا ہے تاکہ اللہ کے مقدس اسماء کی برکات [illegible] جنتر پتر کی حرکات بھی چلتی رہیں یعنی ایک پتھر وہ کالا پتھر بھی اور دودھ بھی لیکن یہ خیال رہے کہ اس مقدس جنتر کو اب آپ نے ہاتھ سے مس نہیں کرنا اور نہ ہی اسے بیک کور سے بے پردہ کرنا ہے۔ میں نے اسے عنبر و زعفران کی سات سات خوشبوؤں کی ذیلیوں میں بے پردہ کر کے ملفوف کر دیا ہے۔ اب اس پردہ دار کو بیکا کرنے سے جان کا خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے البتہ جب اس کے درشن کا سمے آئے گا تو میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔۔۔ مصطفیٰ علی خان صاحب! آپ کے والد اللہ ان کی قبر کو عنبریں رکھے انہوں نے میری باتیں بڑے غور اور دلچسپی سے سنیں۔ میرے بے حد مشکور ہوتے ہوئے کہنے لگے کہ خدا آپ کو خوش رکھے آپ نے دوستی کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ نے میرے راستے آسان کر دیئے ہیں۔ اس ناگہانی سانحہ اور آپ کی ایمان افروز گفتگو نے میری سوچ کا دھارا ہی بدل دیا ہے۔ آپ نے میرے بے حد قیمتی اور کرشماتی جنتر کو بھی اس طغرے میں خوشبوؤں میں بسا کر محفوظ کر دیا ہے میں اب اس کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کی کوشش کروں گا اور اب کبھی بھی کسی کو اس کی ہوا تک لگنے نہیں دوں گا۔ چند گھنٹوں کے لئے جدا کر کے میں نے نتیجہ بھگت لیا ہے۔۔۔"

سید مصطفیٰ علی خان پوچھنے لگے۔ "اس کا مطلب ہے والد صاحب یہی سمجھ رہے تھے کہ اس

UrduPhoto.com

حضرے کے اندر اصل جنتر چتر ہی ہے؟"

"ہاں ۔۔۔ میں نے مصلحتاً نہیں بتایا کہ اس مخصوص اور پاک جنتر چتر کا تو کلیان کر دیا ہوا ہے یہ تو ایک مقدس لوح ہے جسے اللہ کریم کے مخصوص صفاتی اسماء کو انوکھی نجوم و بروج کی سعد گردشوں کے تناظر میں چاندی کے چترے پہ نوچندی کی چاندنی میں ایک خاص وقت میں شہد روغن زیتون آب زم زم اور عرق زعفران سے نقش کیا گیا ہے۔ یہ لوح جس کی تحویل و تعمیل میں ہوگی وہ ارضی سماوی بلیات نحوس و شر شیطانی نفسانی وساوس اور دشمنوں حاسدوں کے خوف و خطرے سے محفوظ رہے گا مگر شرط یہ ہے کہ حامل لوح اکل حلال کھاتا ہو حرام و حلال اور پاکی پلیدی کا خیال رکھتے ہوئے پابند شریعت ہو ویسے بھی یہ لوح ایسی سعد اور تسخیر المقلوب ہے کہ اس سے انسان خود بخود ہی راستی نیکی اور دین کی جانب رغبت پکڑتا ہے۔"

"خان صاحب! میں کیا کہوں؟ ۔۔۔ میرے لئے آپ ہمیشہ ایک بند مٹھی کی مانند رہے ہیں اور پھر آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ کے قریب آنے والا ہر شخص ہمیشہ اس خوش فہمی میں رہتا ہے کہ صرف میں ہی خان صاحب کے زیادہ قریب ہوں میں ہی ان کو خوب جانتا سمجھتا ہوں مجھ جیسا کوئی نہیں ہے۔ آپ کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ [illegible] انسان چلتا چلا جائے تو آگے ہی نظر کرے وہ کتنا رہتا ہے آپ ہمیشہ ایسے ہی دکھائی دیتے ہیں مگر ہیں نہیں ۔۔۔ ایک کے بعد دو تین کے بعد نو پھر پورا پانچ سو دو لاکھ پھر چار پھر ازخود کرب بھی ہو سکتے ہیں ۔۔۔ میں ایک زمانہ میں آپ کے پیچھے پڑا رہا کہ مجھے اولاد کے متعلق بتائیں لیکن آپ ٹالتے رہے مگر والد صاحب کو آپ نے بن مانگے ہی دعا کر دے دی ۔۔۔ بتائیے میں آپ کے اس سلوک کو کیا نام دوں اور لطف یہ کہ آج آپ میرے پاس تشریف لائے ہیں کہ مجھے ابا جان کا آنسو اور فیروزہ چاہئے کہ اسے کسی لوح میں جڑنا ہے ۔۔۔ کیا آپ کے پاس کوئی لوح میرے لئے نہیں؟"

"آپ کے لئے ہے ۔۔۔ آپ بھی میرے دوست ہیں بلکہ دوست ابن دوست ہیں۔ میں تو آپ کا خادم ہوں....." میں نے خاکساری سے کہا۔

مصطفےٰ علی خان خوش ہوتے ہوئے بولے لگے "تو پھر میرا وعدہ رہا کہ آپ کو مطلوبہ فیروزہ مل جائے گا لیکن میرے پاس سے نہیں کہیں اور سے"

"مصطفےٰ صاحب! آپ کو لوح مجھ سے نہیں ملے گی ملے گی تو کہیں اور سے" ۔۔۔ میں نے بھی بات پہ بات مارتے ہوئے کہا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں.....؟"

"اگر آپ وہ ظفرا جو میں نے آپ کے والد صاحب کو دیا تھا اور ساتھ اپنے جواہرات جانچنے والا محدب شیشہ یہاں منگوائیں تو ساری بات سمجھ میں آ جائے گی ....." میں نے کہا۔

دو منٹ بعد وہ ظفرا میرے سامنے پڑا تھا۔ میں نے محدب شیشہ مصطفیٰ علی خان کو تھماتے ہوئے کہا۔

"ذرا غور سے "یا رزاق یا غفار" کو دیکھیں....."

وہ دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

"سبحان اللہ"..... اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ظفرا دیکھنے کے بعد اس نے محدب شیشہ پرے کرتے ہوئے کہا۔ "خان صاحب! اتنا باریک کہ انسانی آنکھ بغیر شیشے کے پڑھ ہی نہ سکے..... آپ نے یہ کیسے....."

"سیٹھ صاحب! ایسا باریک لکھنا کوئی خاص کمال نہیں ہے اس سے کئی گنا زیادہ باریک لکھا جا سکتا ہے۔ اصل کام تو سورہ یٰسین کی آیات مبارک کے پہلے حروف سے آپ کے لئے تعداد اس خوبی و ہنر سے [illegible] اگر آپ غور سے دیکھیں تو کچھ آیات مبارک کے پہلے حروف نمایاں اور ہم رنگ سے لکھے ہوئے ہیں....."

وہ پھر شیشہ لے کر غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "خان صاحب سبحان اللہ..... اتنا باریک اور ایسا نستعلیق کہ بغیر شیشے کے دیکھنے سے کوئی نہیں جان سکتا کہ [illegible] کے اندر سورہ یٰسین پورے اعراب اور صحت حرف و الفاظ کے ساتھ تحریر ہے بظاہر یہ محض رنگ نظر آتا ہے..... خان صاحب! یہ آپ کیسے....."

"سیٹھ صاحب! اللہ خوبصورت ہے وہ جمال اور حسن کو پسند کرتا ہے اور اس کی دین ہے وہ جسے بھی عطا فرما دے۔ وہ رب کائنات عظیم و کریم ہے جس نے انسان کو علم الاسماء کی حکمت اور نظام تکوین کے اسرار و رموز سکھائے اور پھر اسے انسان نے اپنی اپنی فکر کو بدیا نہ سرگرمیوں کے مطابق ان علوم و فنون اور رموز و اسرار سے تحصیل کمال کیا....."

وہ پھر آتشی شیشہ لے کر ظفرے کو دیکھتے ہوئے اچانک پوچھنے لگا۔

"خان صاحب! یہ کچھ آیات کے پہلے حروف سرخ بھی ہیں مگر زیادہ تر سبز ہیں.....؟"

"ہاں..... حروف ابجد میں سات حروف آتشی ہوتے ہیں مثلاً "ا ہ و ط ی ک ف" جبکہ فلکی بروج میں بھی کچھ برج آتشی ہوتے ہیں جیسے حمل، اسد، قوس۔ آپ کے نام کے اعدادی حروف میں

جو حروف آتشی ہیں انہیں میں نے سرخ آتشیں لکھا ہے اور جو حروف ٹھنڈی مزاج ہیں انہیں جزعظ لیا ہے۔ یعنی یہ لوح آپ کے سامنے ہے۔"

"خان صاحب! ایک بات مجھے اور یاد آئی۔ اس حادثے کے بعد والد صاحب مختلف جسمانی امراض اور کاروباری خساروں کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ جہاں دل کا عارضہ اور خفقان کا مرض لاحق ہو گیا وہیں دیوالیہ بھی ہو گیا۔ کہیں انہیں یہ وہم تو نہیں ہو گیا تھا کہ یہ سب کچھ جنتر پتر کو خود سے جدا کرنے کے کارن ہوا ہے اور کیا اس میں کسی حد تک کچھ حقیقت کا عنصر موجود ہے۔؟"

"مصطفیٰ علی خان صاحب! وہم کا تو کوئی علاج نہیں یا تو صحیح یا غلط بات انسان کے دماغ میں بیٹھ جائے تو وہ پھر مشکل سے ہی نکلتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب آپ کے والد صحت اور کاروباری مالی پریشانیوں سے بری طرح نڈھال ہو گئے تو انہوں نے مجھے لندن بلایا اور پوری صورت حال سے مجھے آگاہ کرتے ہوئے پھر اسی اپنے وہم کا اظہار کیا۔ میں پوری بات سمجھ گیا اور کہا کہ مصطفیٰ صاحب میں نے آپ کا جنتر اس طغرے کے اندر رکھ کر آپ کو واپس کر دیا ہوا ہے اور وہ طغرا آپ کے کمرے میں آویزاں ہے۔ [illegible] نے اس کے اثرات سلب کر لئے ہوں گے اسی وجہ سے میں خرابی صحت کے علاوہ پے در پے مالی خساروں سے دوچار ہو رہا ہوں۔ میں نے بات کو سمیٹنے کی غرض سے کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ وقتی فائدہ اور دین و دنیا کی سرخروئی اور سربلندی یا پھر وقتی فائدہ اور دین و دنیا کی بربادی؟ جو آپ چاہتے ہیں وہی ہو جائے گا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے بولے کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا!۔۔۔ میں نے بڑی آہستگی اور نرمی سے کہا کہ یہ کچھ سمجھنے کے لئے آپ کو بریگیڈیر کے ساتھ چلنا ہوگا۔۔۔ دوسرے روز میں انہیں وضو کرا کے ایک مخصوص تسبیح ان کے گلے میں ڈال کر انہیں پہاڑیوں میں لے گیا جہاں میں نے جنتر کو ایک پرانے درخت کے تنے کے ساتھ گاڑا ہوا تھا۔ میں نے انہیں حصار کے باہر کھڑا رہنے کی تلقین کرتے ہوئے چند کنکر دیتے ہوئے کہا کہ بائیں ہاتھ سے ایک ایک کنکر درخت کے جلے ہوئے حصے پر ماریں۔ جونہی انہوں نے کنکر پھینکا درخت بیلوں کی مانند کانپنے لگا۔ چیخیں فریادیں یوں جیسے کوئی بھوتوں سے کسی کو پیٹ رہا ہو۔ مصطفیٰ صاحب اچانک یہ چیخیں سن کر گھبرا گئے۔ میں نے فوراً کہا کہ جلدی سے دوسرا کنکر بھی ماریں۔ پھر تیسرا چوتھا۔ چوتھا کنکر مارتے ہی جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔ ہلکا ہلکا دھواں اور سڑاند سی درخت کے تنے سے اٹھنے لگی۔

صبح صبح کا وقت جاڑا جوبن پہ اور پوہ ماس کے سلسلے کی پہاڑیوں کے بغلی دنگلات میں سیتا سپاری،

صنوبر کے جھنڈوں میں صدیوں سے سوئی ہوئی پُراسرار خطرے ماحول کو پہلے سے ہی بڑا خوفناک اور ڈراؤنا سا بنا رکھا تھا۔ درخت سے اُترنے والے شور اور چیخوں سے جھاڑیوں، گھونسلوں اور شاخوں پہ جنگلی پرندوں نے رہی سہی سرگرمی نکال دی۔ سیٹھ صاحب اچھے خاصے گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے اس کے باوجود ان کے ماتھے پہ پسینہ اور جسم پہ لرزہ طاری تھا۔ وہ انتہائی خوف کے عالم میں کہنے لگے کہ مجھے فوراً یہاں سے نکال کر لے چلئے میرا دل ڈوبنے لگا ہے۔ میں نے عرض کی کہ گھبرائیں نہیں اللہ ہمارے اوپر ہے۔ آپ کے گلے میں میری ڈالی ہوئی تسبیح ہے اور آپ حصار کے باہر محفوظ کھڑے ہیں۔ انشاء اللہ ہمیں یہاں کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی۔ ابھی میں کسی چیز سے نہیں گھبراتا۔ مجھے اللہ کے سوا کسی سے کوئی خوف نہیں اور خوف باہر نہیں انسان کے اندر سے اس کی بے یقینی اور اپنے اعمال اور کالے کرتوتوں کا ہوتا ہے۔ جو تسبیح آپ کے گلے میں اور جس کا ہار آپ نے بھی قلب کے اوپر جھکا ہوا ہے اس تسبیح کی مدت لاکھوں کے حساب سے باقی یا قیوم کا ورد موجود ہے۔ اس کے امام کو کان پہ زور کر دیکھیں "باقی یا قیوم" کا ورد آپ کو سنائی دے گا۔ سیٹھ صاحب بمشکل بولے کہ یہ درخت سے دھماکوں اور بڑبڑاہٹیں اٹھنے لگی ہے اور یہ خوفناک سی آوازیں جیسے چڑیلیں اور بھوت آپس میں گتھم گتھا ہوں۔ میں نے آپ کے والد سے [illegible] مقصود ہے کہ وہ سامنے جلتے ہوئے حصے میں آپ کو ایک بڑا سا کیل ٹھکا ہوا دکھائی دے رہا ہوگا اور اس کے نیچے وہ خون آلود کھوپڑی اور کھیر کا ٹکڑا بھی نظر آ رہا ہوگا۔ یہ آپ کا جنتر پتر ہے اور یہ خوفناک آوازیں اس جنتر کے قیدی ہوتوں اور راکھشسوں کی ہیں جو کالی مائی اور کالی مائی کے سیوک رہ رہے ہیں۔ ان منحوس اور چیڈ پورے پریوار کو میں نے یہاں اس سنسان اور خوفناک جنگل میں اس درخت کے ساتھ باندھ کر مارا ہے۔ ان کو میں نے ایسا جکڑا اور پھانسا ہے کہ یہ اپنی ڈائن سینگ اور خونخوار روانت کو اکر یہاں سے بھاگ گئے ہیں لیکن کبھی کبھی یہاں پھیرا ڈال جاتے ہیں۔ جب تک ان کا دان درکار وہ آپ کے پاس موجود ہے وہ آتے جاتے رہیں گے اور آپ ان کے عتاب کا گاہے گاہے شکار ہوتے رہیں گے ... وہ جو آپ کو طغرا بنا کر دیا ہے اس کے بیک کور میں ایک میری بنائی ہوئی نوٹ موجود ہے۔ وہ آپ کو اللہ کے امر سے ان نحس اور ابلیسی قوتوں سے محفوظ رکھے گی اور آپ کو ہوئے گی۔ جب تک ان شیطانی قوتوں کا دیا ہوا ایک پیسہ بھی آپ کے پاس موجود ہے وہ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ یہ جتنا آپ کا نقصان ہو جان یا مال کا یہ سب ان کا دان دیا ہوا ہے۔ جیسے یہ آہستہ آہستہ آیا تھا ایسے ہی یہ دھیرے دھیرے جا رہا ہے۔ یہی حقیقت بتانے کے لئے آپ کو یہاں لایا۔ یہ سب کچھ لندن میں بتانا سمجھانا یا دکھانا ممکن نہ

UrduPhoto.com

تھا۔ ہاں البتہ ان چار کر آپ وہ میری لوح نکال کر دیکھ سکتے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اکلوتی اولاد مصطفیٰ علی خان کو تمام عمر ان پلید نجس چیزوں سے بچا کر رکھے گی اور آپ کے اندر صالح اور پاکیزہ خیالات و اطوار پیدا کرے گی مگر جب میں کہوں آپ اس وقت اس لوح کو نکالنے کا۔

مصطفیٰ علی خان صاحب! یہ بڑا مشکل مسئلہ تھا۔ آپ کے والد محترم کو سمجھانا اور پھر قائل کرنا کچھ ایسا آسان نہ تھا لیکن اللہ کا شکر کہ وہ حقیقت کو سمجھ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ ساری حرام جوئے اور گھوڑوں کی کمائی آہستہ آہستہ غائب ہو گئی یعنی جیسے آئی ویسے چلی گئی۔ جب سارا میل کچیل کچرا نکل گیا اور جیب جسم دونوں صاف ہو گئے تو طبع، میلان اور زندگی کا کاروبار ہر چیز میں ایک نمایاں خوشگوار اور پاکیزہ سی تبدیلی آ گئی۔ گو اب وہ پہلے سے خاصے بات نہیں تھے لیکن ایک روحانی آسودگی اور خیر و برکت کا احساس زندہ ہو گیا تھا۔ بس یہی وہ چیز تھی جو اس لوح کا اصل مقصد تھا۔ آج ایک عرصہ گزرنے بعد جبکہ آپ کے والد اور میرے دوست سید صاحب حیات نہیں ہیں مجھے آپ کے اصرار اور ضد کے آگے مجبور ہو کر یہ سارے راز و اسرار کھولنے پڑے ورنہ میں تو حسب عادت و طریق ان پہ پردہ ڈالے ہوئے تھا۔ اب آپ کی لوح ظفر کی شکل میں آپ کے پاس موجود ہے لہٰذا جس مقصد آپ مجھے انوری فیروزے کی بنی لوح دلوائیں۔"

"خان صاحب! صرف ایک بات اور لیکن وعدہ فرمائیں کہ اسے بھی صاف صاف بتائیں گے اور کوئی پردہ پوشی نہیں ہو گی۔۔۔ یہ انوری فیروزے والی لوح کس مقصد کے لئے ہوتی ہے آپ اسے اپنے لئے تیار کر رہے ہیں یا کسی اور کے لئے۔۔۔؟" وہ گھٹنے پکڑتے ہوئے بولا۔ "چلیں خان صاحب! آپ کو علم ہے کہ مجھے ان الواح کا بہت شوق اور کھوج ہے۔ میں اسے بنانا یا بنوانا نہیں چاہتا لیکن جاننا ضرور چاہتا ہوں۔۔۔ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ مجھے جو کچھ بھی بتائیں گے میں کہیں اور اس کا ذکر نہیں کروں گا۔"

میں نے مصطفیٰ علی کا ہاتھ اپنے گھٹنے پہ سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بھائی! آپ کیوں میری اتنی خوشامد کر رہے ہیں؟۔۔۔ میں کوئی پیشہ ور الواح پا زا اپنے بنانے والا نہیں ہوں اور نہ ہی اس علم و فن میں کوئی نمایاں درک رکھتا ہوں۔ میں تو بس ذرا شوقیہ شغل کے طور پہ کبھی کبھی الٹی سیدھی بنا کر ہاتھ سیدھا کرتا رہتا ہوں۔۔۔ باقی رہی بات اس انوری فیروزے والی لوح کی تو بھائی! میں اسے کسی اور کے لئے نہیں بلکہ صرف اپنے مطالعہ، مشاہدے اور تجربے کے لئے بنا رہا ہوں۔ چار برس سے اسے مکمل کرنے کے لئے دن رات کی جان گسل مشقت میں جتا ہوا ہوں اب آ کر کہیں اس

UrduPhoto.com

کے گھر بیٹھتے ہوئے دھائی دے رہے ہیں۔ اس کی آخری پوشت تھی امام الہٰ شریف کی بات (ب) کے نقطہ پہ بنانے کے لئے ابابیل کا آنسو اور فیروزے کی کئی چاہئے۔ پھر تین چار مہینے کی ایک اور مشقت کے بعد اسے مٹی آئینہ کی صندوقچی میں بند کر کے آنے والے محرم کے ایام میں موصل عراق لے کر پہنچنا ہے۔ وہاں ایک صحرائی مقام ارغون کے قریب ایک شکستہ غیر آبادی خانقاہ میں ایک سیاہ رنگت تھکتے ہوئے ایک نظر دیکھنے سے یوں لگتا ہے جیسے ریت کی دلدل میں جنگل کا اسوادی شہر غرق ہو اور اس کا صرف کوہان ہی نکلا رہ گیا ہو۔ وہاں پھر ایک غیر معینہ مدت تک کی مشقت اور قیام ہوگا تب شاید کہیں یہ لوح اپنے مستقل گھر پہ پہنچے اور یہ ہی ایک طویل محنت ثمر بار ہو جائے۔"

"خان صاحب! قطع کلامی کی معافی چاہتے ہوئے پوچھنا چاہوں گا کہ وہاں موصل کے صحرائی مقام ارغون کی اس خانقاہ میں یہ تکلف ہے کہ آپ خاص طور پہ وہاں سے جا کر اپنی اس لوح کو آئینوں کی صندوقچی میں بند کر کے گھر بٹھائیں گے۔ مزید میں اس "گھر بٹھانے" والی اصطلاح کو بھی سمجھ نہیں سکا!"

میں نے شرارت بھرے انداز میں جواب دیا۔

"[illegible] صاحب! آپ نے [illegible] کی [illegible] کو [illegible] کے [illegible] کو [illegible] کے [illegible] کی [illegible] کو [illegible] کے [illegible] کی [illegible] کو [illegible] کے [illegible] کی

کے پنجے اور سانپ کے جبڑوں کا زہر عورت کے حیض کا خون آب زلال تھور کا پانی بچے کے پیشاب وغیرہ سے مقش کی جاتی ہے۔ ایسی نحس ارواح کو پیش بٹھانے کے لئے بلی کی آنکھ وار کوئیں اور بلی بیدز بھیڑیوں کے پنجوں کے ناخن اور دانت یا چیل گھڑ باز گدھ کی چونچ تھور اور کیکر کے کانٹے مکڑی اور مرکنڈوں کے پھاٹے تیز کیل اور ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے کام آتے ہیں جبکہ سعد ارواح کے لئے مختلف خوشبوئیں عطریات اگر و بخورات چاند کی چاندنی مسجد کی پرنوائی اذان کا آہنگ وغیرہ شامل ہوتا ہے۔ ایک اور بات کہ خاص طور پر موصل کے صحرائی مقام ارغون جانا ہی کیوں ضروری ٹھہرا؟ گو یہ ادق سا مسئلہ سمجھانا بہت مشکل ہے تاہم کوشش کرتا ہوں کہ آسان فہم الفاظ اور طریقے سے آپ کو سمجھا سکوں۔

یوں سمجھیں کہ کرۂ ارض پہ کچھ جگہیں ایسی ہیں جو مخصوص قسم کی قوتوں اسرار خاصیتوں جغرافیائی اہمیتوں ارضی سماوی اور روحانی اقدار کی حامل ہوتی ہیں۔ سیدھا سا حساب ہے کہ پاس جبل نور نامی جزیرہ ہے۔ وادی سینا میں جبل طور ترکی میں جبل ارارات عراق میں موصل پاکستان میں مانسہرہ جبل سیف الملوک امریکہ کے پاس ہندوستان میں ٹرائی اینگل ٹریپ مصر میں بہاریہ ستارہ اور غزہ کے اہرام وغیرہ وغیرہ۔ بالخصوص یہ مقامات اور چند ایک اور جگہیں عالمین انس و آفاق کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ وہ پُراسرار اور [illegible] افلاک کے قریب [illegible] جبل [illegible] کے ساتھ تاب و تجلیاتی مقناطیسی اور برقیاتی حصے قائم رہتے ہیں۔ افلاکی مجموعہ بروج کے قیام و قلوب اور [illegible] کی و معقول کی سختیں اور ساختیں ان مقامات پہ مجتمع رہتی ہوتی ہیں۔ ارض کے تمام تر خزانے اور وسائل ان جگہوں کے زیر نگیں اور ہم نشیں ہیں۔ سیکھے صاحب! اس سے زیادہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ میں ان میں کئی جگہوں پہ بارہا پہنچا۔ سیاحت و قیام کے دوران بے شمار مشاہدات ایسے بھی ہوئے کہ انہیں لکھنے کے لئے جگر اور انہیں پڑھنے کے لئے اک بڑا کلیجہ چاہئے۔ یہ نوح جس پہ عرصہ چار سال سے محنت کر رہا ہوں اسے تیار کرنے کے لئے میں نے بڑی مشکل سے اپنے بابا جی سے اجازت لی تھی۔ میں نے اپنے حساب و کتاب سے اسے اٹھانے کا جو سمے نکالا تھا وہ نویں محرم ہے اور مناسب قریب ترین تخت تیاد موصل ہے۔ نجف اشرف کے پاؤں میں ارغون وہ سیاہ سا تھلتھلاتا سا ابھرا ہوا کوہان نما ٹیلہ جس پہ بانی سے اٹے رہتے ہیں اور جس کے اردگرد ہزاروں ہوئے جلے سے پُراسرار کوے منڈلاتے رہتے ہیں۔ افلاک کی گردشوں کے سارے پرتو اس کی تھلتھلاہٹ سے محسوس ہوتے ہیں اور جہاں سمے کے سامنے میں اگر لوح بیٹھ جائے تو.....''

''خدا کے لئے رکئے مت۔ جملے کو مکمل کریں..... اگر لوح بیٹھ جائے تو پھر.....؟''

مصطفےٰ علی خان نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس یہاں تک ہی کافی ہے۔ آگے بتانے سے خلق کے پر چلتے ہیں۔"

سید مصطفےٰ علی خان قدرے مایوس سے ہو کر پوچھنے لگے۔ "اور فیروز کہاں ملتا ہے۔۔۔؟"

"یہ بھی ایک بڑی گہری بات ہے اور کسی غیر متعلق فرد کے لئے اسے سمجھنا بڑا مشکل ہے۔ اگر میں آپ کو کچھ بتانے یا سمجھانے کی کوشش کروں تو سب سے پہلے یوں کہوں گا کہ لوح کا تصور لوح محفوظ سے لیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا کہ جو کچھ ہے یا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب کچھ اس پر لکھ کر محفوظ کر دیا ہوا ہے۔ ازل ابد عقل مقدمہ سزا جزا عرش اور فرش حتیٰ کہ پوری کائنات تمام عالمین کے حالات اور آغاز و انجام یہاں لکھ دیئے گئے ہوئے ہیں۔ سینہ بہ سینہ زبان در زبان اور حافظے کی مدد سے محفوظ کیا ہوا کلام و پیغام زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھنے اور آگے منتقل کرنے اور سہو و خطا سے بچانے کے لئے چمڑے، لکڑی، پتے، چھال، کاغذ اور مختلف انواع کی دھاتوں کے علاوہ پارچات، بانس، کھال اور دیگر مختلف نباتاتی مادوں کے بنائے قرطاس استعمال کئے گئے۔ اللہ کے فرشتوں، بندوں اور دیگر صلحاء، علماء و فضلاء نے اس سلسلہ وسیلہ کو علم اور دین کی تبلیغ و ترویج کے لئے استعمال کیا۔ شیطان اور بہکاوے کے لئے ہر دور میں مذہبی آلات و ہتھیار کے طور پر ماحول رکھنے کے لئے آیات قرآنی، احادیث، اسماء ربانی اور تعظیم و تقدیس آسمانی کے تعویذ، نقش، تعویذ، پرت پرتار، تکیے، چرپات، تکیے، لکھے، اکھر، آکھر، ترقیے اور زائچے الواح وغیرہ تحریر کئے جاتے رہے۔ خیر و برکت، فراوانی رزق، صحت و تندرستی، اتفاق و یگانگت، حضور و سیاحت، میلان عبادت و ریاضت، حب و رفاقت، کامرانی و تسخیر، جاہ و جلال اور جمال و جبروت کے لئے بھی یہ نوشتے لکھے اور بنائے جاتے ہیں۔ علمائے خفی و سرائت الہیات، عزائمات، کیمیات، افلاکیات، ملکوتیات اور روحانی معارف و علوم کے متبحر و ماہر اور ماورائے حقیقت اور ما بعد المدرکات کے متلاشی و متوالی اپنی ریاضت کے آڑے نقصانات و مہالک سے بچنے اور اللہ کی استعانت کے حصول کے لئے عجیب و غریب وضعیں بناتے رہتے ہیں۔ چلّے، ریاضتیں، مجاہدے اور مختلف نوع کے مراقبے بھی اسی ذیل کے سلسلے ہیں۔ رجل، اغیب، موکلات، مسخرات اور جنات کی تسخیر و تحصیل کے لئے بھی وضعیں کام آتی ہیں۔ بس سارا کام اور کمال اس کا صحیح اور درست ہونا ہوتا ہے۔ تعویذ گنڈے تو چھوٹے موٹے مولوی، نام نہاد پیر اور عامل بھی لکھ لیتے ہیں کیونکہ یہ صرف نقل اور عقل کا کام ہے۔ آگے پیچھے یا کچھ اسماء اور اعداد لکھے خانے چوکھٹے بنائے، پیٹ پاٹ چوکور کی پڑیا بنا کر تعویذ اور کہا کہ جاؤ کالا دھاگہ لپیٹ کر باندھ لو یا کہیں رکھ دو۔ سائل کو کچھ علم نہیں ہوتا کہ اس پر کیا لکھا ہے؟

UrduPhoto.com

لوح یوں نہیں ہوتی۔ یہ مولوی یا کسی چھوٹے موٹے عامل یا کسی دو نمبر پیر کے بس کا روگ نہیں۔ یہ علم ازفلاک، علم آفاق جاننے والے کامل مجنوں علوم مخفیہ و روحانیہ کے عاملوں اور عاطلوں کا وظیفہ اور کام ہوتا ہے جن کے سامنے چودہ طبق آئینے کی طرح روشن ہوں اور جن کے زیر بروز امر وہ بھی ہوئے ہوں جن کی بساط میں دیگر مخلوقات کی تسخیر و تذلیل ممکن ہو۔ جانتے کہ سر کے دائیں جانب شعور اور بائیں طرف لاشعور ہوتا ہے۔ سیدھے اور الٹے شانے پہ کرام الکاتبین کی ترتیب بھی ایسے ہی ہے۔ بعض الواح کو سینہ کے دائیں بائیں ایک انبوہ کا مظہرات اور پشت پہ حلقہ جنات ہوتا ہے اور نگاہ کے سامنے ہفت چرخ مانند خیمہ بانات تنے ہوتے ہیں اور یہ اعزاز کئی جنموں کی ریاضت و مشقت کے بعد بھی کسی قسمت والے کو حاصل ہوتا ہے۔"

سیٹھ مصطفیٰ علی خان حیرت، تجسس اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں ڈوبا ہوا بغیر آنکھیں جھپکائے میری باتیں سن رہا تھا۔ اور پلکیں نہ جھپکانے والی گفتگو سن رہا تھا اور میں بھی نہ جانے کس رو میں بہتا ہوا اس وقت ایسی ایسی باتیں بغیر کسی رکے بتا رہا تھا۔ مجھے خود پہ تعجب ہو رہا تھا کہ میں آج ایسی کیوں کر رہا ہوں؟ کہاں [illegible] آج جیسے صدیوں کے بند سوتے کھل گئے ہوں۔ میں نے سیٹھ صاحب کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب! کہاں ہیں آپ.....؟"

"ہوں..... ہاں کہتے ہوئے جیسے سوتے سے جاگے۔ حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھوں کی پتلیوں کو ایک چھرا سا دے کر سمیٹتے ہوئے کہنے لگے۔ "خان صاحب! یقین فرمائیں میں تو کسی اور جہان میں اترا ہوا تھا۔ آپ کی پراسرار اور سحر انگیز گفتگو نے مجھے تو جیسے پتھر سا کر دیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ صدیوں سے آپ کو کام ہیں اور میں ہمہ تن گوش بر آواز..... چلیے! آپ رکیے نہیں۔ کہتے جائیے اور میں سنتا جاؤں۔"

"سیٹھ صاحب! آپ کاروباری بندے اور دنیادار لوگ ہیں۔ میری باتوں پہ نہ جائیے یہ تو جادوئی جن کی سحر تاثیر پتلوں کی طرح ہیں جو سننے والوں کو اپنے سے بیگانہ کر کے گما کر رکھ دیتی ہیں۔ بس انہیں دیوانے کی بڑ جان کر لطف لیجیے اور ادھر سے سن کر دوسری طرف سے نکال دیں ورنہ آپ دو کوڑی اور ذہنی مریض کے ہو کر رہ جائیں گے..... بھلی! ہم تو ارشاد تک پہنچنے کے خواہش پکڑیں اور باقی کا آسو کہیں سے دلوائیں اور ہم اپنی راہ میں۔"

"ہوں تو ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا مگر میرے ایک سوال کا جواب ابھی تک عطا نہیں ہوا۔"

UrduPhoto.com

مصطفےٰ علی خان پھر نگاہیں میری نگاہوں میں ڈال کر کہنے لگا۔

"آپ نے خود ہی ابھی میری تعریف میں فرمایا کہ میں ایک کاروباری بندہ ہوں' وہ بھی جواہرات کا۔ ہمارے ہاں پرکھ بڑی اہمیت رکھتی ہے خواہ وہ جواہر کی ہو یا انسان کی' اور دوسری اہم چیز ہمارے ہاں بات' بول اور قول ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر ہمیں کوئی نایاب' انمول اور قدر و قیمت والی چیز نظر آ جائے تو پھر ہم اسے چھوڑتے نہیں' ہر حال میں اسے حاصل کرتے ہیں اور پھر اسے اپنی قیمت پہ کسی قدردان شوقین کو فروخت کر دیتے ہیں۔ ہم خاندانی جوہری ہیں' جوہر کو خوب پہچانتے ہیں اس لئے ہمیں دونوں پارٹیوں کو اپنے اپنے بول' قول اور بات کا خوب خیال رکھنا چاہئے ... ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ ابا قبل کا آنسو اس کی آپ کی نظر میں کیا اہمیت ہے اور یہ لوح بنانے کا مقصد کیا ہے ...؟"

میں نے اس حریص جوہری کی جانب قدرے بھاری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب! اس کا مطلب ہے کہ آپ مجھے ایک شریفانہ طریقے سے بلیک میل کر رہے ہیں ... بہرحال تو یہ بھی ہے۔ اب میں چونکہ آپ کے پاس ایک غرض لے کر آیا ہوں تو ٹھیک ہے۔ آپ جو چاہیں' سلوک کریں۔" میں نے اپنے زیرجامے کی جیب سے ایک پیکٹ نکالتے ہوئے پھر کہا۔ "اب [illegible] پیکٹ کھول کر لوح ان کے سامنے کر دی۔ "یہ ایک صدیوں پرانی لوح ہے۔ چاندی' سونا اور تانبے کی یہ بادام کی شکل' سائز والی لوح میں نے ایک ڈھانچے کی گردن سے اتاری تھی۔ ذرا غور سے دیکھیں' اس کے عین درمیان میں ایک ننھا سا سوراخ ہے جس سے کرنوں کی مانند لہریں' لکیریں سی پھیلتی پھوٹتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ گویا یہ ننھا سا سوراخ ایک سورج سے مشابہ ہے۔ اب آپ اگر محدب شیشے سے دیکھیں تو کچھ اعداد اور کچھ عربی حروف کندہ دکھائی پڑیں گے۔ ایک عام سی خالی نگاہ ڈالنے سے یہ بادام یا آم کی شکل کی طرح کا کوئی کانسی کا ٹکڑا دکھائی دیتا ہے جبکہ یہ ایک نادر اور زبردست قسم کی مقدس لوح ہے جو آج سے صدیوں پہلے کسی عربی النسل عامل نے کسی کو خیر و برکت' فتح و نصرت' کامرانی و شادمانی اور حشمت و جاہ کے لئے دی تھی۔ اگر آپ مزید غور کر کے سوراخ کو ملاحظہ فرمائیں تو پتہ چلے گا کہ اس سوراخ میں کوئی نگینہ آویزاں تھا۔ سوراخ کے اندر ایک "زنے" سی بنی ہوئی ہے اور کناروں پہ نگینہ جکڑنے کے لئے چار ابھار بھی شکستہ حالت میں موجود ہیں۔ امتدادِ زمانہ کسی حادثے' لاپرواہی یا دانستہ طور پہ نگینہ اپنے محور سے اتر گیا اور پھر اس لوح کے اثرات منفی رخ پکڑ گئے یعنی پھر یہ لوح حاملِ لوح کے لئے سعد کی بجائے نحس ثابت ہوئی۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کا احترام اور حفاظت بھی نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے مولکین ایک ایک کر

کے یہ گھر خالی کر گئے اور اس خالی گھر میں شیطانی قوتیں قبضہ جما کر بیٹھ گئیں۔

گہرے مشاہدے اور تجربے سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ لوح جو بارہ تیرہ سو سال پرانی ہے کوئی جن کو قابو کرنے کے کسی جید عامل نے تیار کی تھی اور نجدی فیروزے کی اوری کی اس کے درمیان بٹھائی گئی تھی۔ اس کی پہ اس عامل نے مشقت کر کے ایک گرہ و موکلین حاضر بھی اس لوح پہ بٹھایا تھا۔ اب میں نے بھی اس پہ بڑی مشقت کی ہے اسے دوبارہ بٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں اور اب بڑے بھائی! اس کے لئے مجھے ابابیل کا آنسو چاہیے۔۔۔"

مصطفیٰ علی خان محدب شیشے سے اس کو الٹ پلٹ کر ملاحظہ کر رہا تھا پھر ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ تو واقعی بڑی متبرک اور پرانی لوح ہے۔ سونا چاندی تانبا تینوں دھاتوں کا میل ہے۔ سبحان اللہ! اب آپ یہ فرمائیں۔ فرض کر لیتے ہیں کہ اوری فیروزے کی بھی مل گئی ہے اور آپ نے اسے اس پہ جما بھی دیا ہے..... پھر کیا ہوگا؟"

"بڑے بھائی! بس میرا آپ سے یہی قول والا معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ آپ کے صرف دو سوال تھے ان کا جواب میں نے پہلے دیا۔ اب آپ کے یہ دیگر باتیں کرنے کا مزاج پیدا ہو گیا ہے....."

میں نے لوح لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے لوح کپڑے کے رومال میں لپیٹ کر اپنی جیب میں ڈال لی بولا۔

"خان صاحب! میں آج سے آپ کا باقاعدہ شاگرد اور آپ میرے استاد۔۔۔ اب آپ مجھے لوح لکھنا بنانا اور جنانا سکھائیں گے۔ میں انشاء اللہ آپ کی خوب خدمت کروں گا۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے شوق ہے اور وہ بھی جنون کی حد تک۔۔۔ میں کوئی عامل کامل بننا نہیں چاہتا صرف شوقیہ سیکھنا چاہتا ہوں۔ اب اللہ نے میری سنی اور آپ کو میرے پاس بھیج دیا۔"

میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا ہی چاہا تو اس نے جھٹ سے میرے لبوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"نہ خان صاحب! اب آپ کچھ بھی نہیں کہیں گے۔۔۔ انشاء اللہ! یہ ابابیل کا آنسو ضرور کہیں نہ کہیں سے حاصل کر کے رہیں گے۔۔۔" وہ اٹھتے ہوئے پھر کہنے لگا۔ "ہم جوہری لوگ بات کو قول کا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"سیٹھ صاحب! باقی تو سب ٹھیک ہے لیکن یہ پیکٹ مجھے دے دیں۔ یہ بڑی خطرناک اور قیمتی

نایاب چیز ہے اسے میں اندر کی مخصوص جیب میں بڑی حفاظت سے رکھتا ہوں۔"

وہ بڑے اعتماد سے کہنے لگا۔

"آپ بالکل پُرسکون ہو جائیں ہم جوہری لوگ ایسی قیمتی اور نایاب اشیاء کی حفاظت کرنا بھی خوب جانتے ہیں۔ یہ انگوٹھی اسی وقت آپ کے سامنے بڑی تجوری میں سات حفاظتی پردوں اور آٹھ قفل پر مشتمل تالوں کی کفالت میں ہوگی۔ باقی رہی اس کے خطرناک ہونے کی بات تو سانپ پٹاری میں بند کر دیا جائے تو کیچوے سے بھی زیادہ بے ضرر ہو جاتا ہے اور آپ جیسے ارادتمند کی موجودگی میں کیسا خطرہ اور کیسی پریشانی.....؟"

میں اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

آدھی رات آئے ایسا لگتا تھا جیسے پورے گھر میں ایک قیامت سی بپا ہو گئی ہو جیسے اس گھر میں کہیں زمین سے جنات نکل آئے ہوں۔ تمام چھوٹے بڑے اور ملازمین بڑے کمرے میں دبکے سہمے سے کھڑے تھے۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میری تو اچانک آنکھ اچٹ گئی تھی کچھ کوئی دھڑ دھڑ دروازہ پیٹ رہا تھا۔ "خان صاحب خان صاحب" کی آواز آ رہی تھی۔ دروازہ کھولا تو باہر سیٹھ صاحب کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے رنگ فق اور پریشان سے لگ رہے تھے۔

"خیریت..... اس وقت یہ شور کیسا ہے اور یہ آپ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟" میں نے ان کی حالت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"خان صاحب! مجھ پر قیامت ٹوٹ گئی ہے اور آپ سو رہے ہیں؟..... میں لٹ گیا برباد ہو گیا۔ میری عمر بھر کی کمائی جائیدادوں کے تمسکات لوگوں کی امانتیں اور رہن رکھی ہوئی تمام قیمتی اشیاء اور آپ کی نوٹ سب کچھ ڈاکو لے گئے ہیں۔ آئیے میرے ساتھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔"

وہ مجھے قریب قریب کھینچتے ہوئے اپنے شب خوابی کے کمرے میں لے گئے۔ سامنے دیوار کی ساتھ پرانی بنیج قطع کی چیزوں کی ایک الماری تھی جو اپنی اصل جگہ سے ہٹی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک پرانی طرز کی بڑی سی آہنی تجوری دیوار میں چنی ہوئی دکھائی دی جس کے موٹے بھاری بھاری دروازے پٹ کھلیوں میں کھلنے والی کھڑکیوں کی طرح دو نیم کھلے ہوئے تھے۔ قفل سے دو سلاخ وقت اوپری دیوار میں گڑی ہوئی تجوری کے اندر دو ہتھے سے طاق اور چند ایک چھوٹے چھوٹے خانے جن کے تالے کھلے ہوئے تھے۔ سب خانے اس طرح سے خالی اور صاف تھے جیسے چوروں نے مال سمیٹنے کے بعد انہیں اچھی طرح کپڑے سے صاف کر دیا ہو۔ مسٹر خان کی بڑی حالت تھی میں تو دیکھتا رہا تھا مگر وہ

UrduPhoto.com

دیکھ کر ملتے سر پیٹنے لگے تھے۔

"ہائے... لوگوں کی امانتیں میرے ہیرے جواہرات سونا چاندی۔ جائیدادوں کے کاغذات۔"

"...اور میری لوح...!"

لاشعوری طور پہ میرے منہ سے نکل گیا۔ انہیں جیسے یکدم بریک لگ گئی ہو۔ وہ سسکیاں بھرتے ہوئے قہر بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔ پھر وہ شہادت کی انگلی میرے سامنے لہرانے لگے جیسے بات کرنے کا یارا نہ ہو۔ بڑی دقت اور لرزتی ہوئی آواز میں کہنے لگے۔

"ایک لوح کی وجہ سے ہی میرے والد مرحوم پہ غربت کا عذاب ٹوٹا تھا اور آج ایک دوسری لوح کی وجہ سے میری ٹیا بھی ڈوبی۔" وہ شدت جذبات و غضب سے کانپتے ہوئے کہنے لگے۔ "دونوں مرتبہ وجہ بربادی آپ ہی ہوئے ہیں۔"

پیچھے کھڑے ہوا لے بھی مجھے قہر بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اور میں اکیلا بیٹھی بلی بنا ان کے رحم و کرم پہ کھڑا تھا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ باہر سے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں اندر پہنچ گئیں۔ پولیس نے پہنچتے ہی [illegible] کی تھانہ سیشن [illegible] کی [illegible] اور گھومتی ہوئی روشنیوں میں [illegible] کے سرخ رنگ لئے بھی [illegible] رہے تھے۔ پولیس اور [illegible] دیکھ کر میں نے مصطفیٰ علی خان سے سوال کیا۔

"یہ پولیس آپ نے منگوائی ہے...؟"

وہ تنگ بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔ "اس گھر میں میرے علاوہ بھی کچھ اور لوگ رہتے ہیں۔ میں نے نہ سہی کسی اور نے ٹیلی فون کر دیا ہوگا... ویسے بھی یہاں کا ایریا انسپکٹر میرا بہنوئی سعد علی خان ہے اور اس وقت وہی باہر کھڑا ہوا پولیس پہ کسی سے بات کر رہا ہے۔"

پولیس نے آتے ہی گھر کے علاوہ پورے علاقے کی ناکہ بندی کر دی تھی۔ علاقے کے سب سے متمول، سماجی، سیاسی اور کاروباری لحاظ سے ایک سرکردہ شخصیت کے گھر واردات ہونا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ مزید یہ کہ اس گھر کا داماد علاقے کا انسپکٹر بھی ہو۔ انسپکٹر سعد علی خان سے میرا تعارف نہیں تھا۔ ہم نے اپنی کیپ اتارتے ہوئے ہاتھ میں تھامے ہوئے وہ جب "السلام علیکم" کہہ کر اندر داخل ہوا تو وہ مجھے بے حد سمارٹ، فرض شناس اور ذہین دکھائی دیا۔ خوبصورت اور مضبوط اعصاب و جسم کا مالک تھا۔ کھلے ماتھے کے ساتھ مسکراتا ہوا وہ مجھے بے حد خلیق اور مہذب بھی لگا۔ اس نے مجھے گھر والوں کے ساتھ کھڑا دیکھ کر بڑی گرم جوشی سے "ہیلو" کہتے ہوئے مضبوط سا ہاتھ ملایا پھر مصطفیٰ علی خان کی جانب ایک نظر

UrduPhoto.com

دیکھتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔

"انسپکٹر سعد علی خان۔ سادہ تھوڑی رنگین مجھی پولیس ۔۔۔ آپ کی تعریف؟"

اس نے بڑے پروفیشنل میکانکی انداز میں یہ سب کچھ بڑی سرعت سے کہہ ڈالا مگر میں تو اپنی بری عادت سے مجبور اسے اپنی ایکس ریز کے لینز میں والی نگاہوں کی زد میں رکھے ہوئے تھا۔ اس کے سوال کے جواب میں کہا۔

"آپ اپنا نام نہ بھی بتاتے تو میں آپ کو "آپ بڑے سعد ہیں" ہی کہہ کر مخاطب ہوتا۔"

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے شانے اچکا کر بولا۔ "پارڈن می میں کچھ سمجھا نہیں ۔۔۔؟"

مصطفیٰ علی خان بول پڑا۔ "سترہ برس کے گہرے تعلقات کے باوجود بھی میں انہیں نہیں سمجھ سکا تم ایک دو منٹ میں کیونکر سمجھ سکتے ہو؟ ۔۔۔ یہ ہے انگلینڈ والے دوست کرنل یحییٰ خان تیما کی بار تم سے ان کا ذکر خیر ہو چکا ہے۔ انہیں چھوڑو۔ گھر میں اتنی بڑی واردات ہوئی ہے پہلے اس کی طرف دھیان دو۔۔۔"

وہ اپنے آدمیوں کو جائے واردات تفتیش کے لئے چھوڑ کر چلے گئے۔ وہی پولیس والوں کے سوال جواب اور بال کی کھال اتارنے والے تفتیشی انداز۔ فنگر پرنٹ ایکسپرٹ اور دیگر کھوج پرکھ کے ماہرین اپنے اپنے کاموں میں جٹ گئے۔ سعد علی خان اپنے ماتحت کے ساتھ مجھے اور مصطفیٰ علی خان کو لے کر دوسرے کمرے میں الگ منڈلی جما کر بیٹھ گیا یعنی پہلی تفتیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سعد صاحب نے بتایا کہ میں نے خان صاحب سے ایک چیز لے کر اپنی بیگم کی موجودگی میں سیف کے اندر رکھی۔ پھر حسب معمول میں اپنے وقت پر سو گیا۔ خواب گاہ کی کھڑکیاں دونوں روشندان واش روم کی کھڑکی دروازہ سب اندر سے مضبوط اور مضبوط تھے۔ سونے سے پہلے خفیہ الیکٹرونک سکیورٹی سسٹم بھی آن کر دیا گیا تھا۔ خواب گاہ کے باہر بڑے دروازے اور پھر صحن کے آگے بڑا صدر گیٹ سب حسب معمول بند اور سکیورٹی سسٹم بھی چالو تھا۔ اندر اور باہر کے دونوں چاق و چوبند چوکیداروں نے بھی کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود کوئی جادوگر شب زن کو درخت کی بنی ہوئی فول پروف انٹرنس لیور چار پانچ اندر کے تالوں کے ذریعے نظام والی سیف کو کھول کر میرا سب کچھ لے اڑا اور وہ بھی یوں کہ نہ تو الیکٹرونک سکیورٹی سسٹم کو خبر ہوئی نہ ہمیں میاں بیوی کو جو چند فٹ کے فاصلے پر سوئے ہوئے تھے اور نہ ہی چوکیدار کو۔ نہ ہی ان خونخوار کتوں کو جو اجنبی چیونٹی کو بھی گھر کی حدود میں گھسنے نہیں دیتے۔ انسپکٹر کا ماتحت بڑی سرعت سے سارا بیان قلم بند کرنے کے ساتھ ساتھ ریکارڈ بھی کر رہا تھا۔ انسپکٹر نے بڑی توجہ سے

بیان سنتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ نے خان صاحب سے کون سی چیز لے کر تجوری میں رکھی تھی.....؟"

سیٹھ صاحب نے ایک نظر میری طرف دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں کہ بتاؤں یا نہ بتاؤں؟ میں نے ان کی مشکل خود ہی آسان کر دی۔

"انسپکٹر صاحب! وہ ایک مخمل کا ٹکڑا تھا جیسے آج کل کے لونڈے بالے سیاہ ڈوری کے ساتھ گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں۔"

انسپکٹر نے چند لمحے توقف کرتے ہوئے پھر سوال کیا۔

"ایک معمولی مخمل کا ٹکڑا اتنے اہتمام کے ساتھ تجوری میں رکھنے کی کوئی معقول وجہ.....؟"

سیٹھ صاحب نے پھر مجھے دیکھا' گویا کہہ رہے ہوں کہ اس سوال کا جواب بھی تم ہی دو۔ میں نے لب کھولنا ہی چاہے تھے کہ انسپکٹر نے بڑے نرم سے تحکم کے ساتھ کہا۔

"مجھے خیال ہے مناسب یہ ہوگا کہ میرے سوالوں کا جواب سیٹھ صاحب خود دیں۔ چوری یا نقب زنی کی واردات ان کے گھر میں ہوئی ہے اور آپ تو ایک معزز مہمان ہیں۔"

میں نے اثبات میں سر جھکا کر اس کے قانونی نکتے پر صاد کرتے ہوئے سیٹھ صاحب کی جانب اشارہ کیا کہ وہ جواب دیں۔

"انسپکٹر صاحب! وہ مخمل کا ایک معمولی ٹکڑا نہیں تھا بلکہ ایک قیمتی اور بہت پرانی لوح تھی۔"

"لوح....." انسپکٹر نے بھویں سکیڑتے ہوئے دہرایا۔ "یہ کیا چیز ہوتی ہے.....؟"

سیٹھ نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس سوال کا جواب یہ دیں گے کیونکہ یہ ان کی ملکیت تھی اس کے متعلق مجھ سے زیادہ یہ جانتے ہیں۔ ہاں ایک بات صاف کر دوں کہ ان کے انکار کے باوجود میں نے ہلکی سی زبردستی استعمال کر کے یہ لوح ان سے لے کر حفاظت کی غرض سے تجوری میں ڈال دی تھی۔"

انسپکٹر دیدے گھماتے ہوئے مجھے اور کبھی سیٹھ صاحب کو دیکھتے رہا۔ پھر جیسے کچھ فیصلہ کرتے ہوئے مجھ سے گویا ہوا۔

"خان صاحب! آپ لوح کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے.....؟"

"انسپکٹر صاحب! میں پہلے اپنا ہلکا سا تعارف پیش کرنا چاہوں گا..... میرا نام تو آپ جان چکے

ہیں۔ میرے اس فیملی سے بہت پرانے تعلقات ہیں۔ مصطفیٰ علی خان صاحب تو ماشاء اللہ اب بڑے ہوئے ہیں جب یہ اسٹوڈنٹ تھے تو یہ میرے پاس ہی انگلینڈ میں مقیم تھے۔ اصل دوستی میری بڑے سیٹھ صاحب مرحوم سے تھی۔ میں ایک ڈرویش آدمی ہوں۔ سائیکلوجی یعنی سائیکالوجی سائیکاٹری آسٹرولاجی کیمسٹری اور ہسٹری میرے شوق ہیں پروفیشن نہیں۔ لوح کا مطلب ہے سلیٹ جیک بورڈ یا وہ چیز جس پہ کچھ لکھا ہوا ہو۔ ویسے یہ لوح کا لفظ خاص طور پہ ان چیزوں کے لئے مستعمل ہے جن پہ بالخصوص اسماء حسنیٰ یا کوئی قرآنی آیت وغیرہ تحریر یا کندہ ہو۔ یہ چیزیں کاغذ چمڑا کوئی بھی شکل میں ہو سکتی ہیں۔ ایسا ہی ایک تعویذ بھی جو مثلث یا دائرے کی شکل کا تھا وہ مجھ سے لے کر سیٹھ صاحب نے اپنی تجوری میں رکھ دیا ہوگا۔"

"رکھ دیا ہوگا۔" یہ مطلب؟ انسپکٹر نے میری بات کی تصدیق چاہی۔

"مطلب یہ کہ انہوں نے مجھ سے لیا تھا۔ اب انہوں نے کہاں رکھا میں کاری سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اتنے میں پھر تفتیشی ماتحتوں نے انسپکٹر سے تنہائی میں بات کرنی چاہی تو معذرت چاہتے ہوئے انہوں نے [illegible]

"خان صاحب! آپ بھی کمال ہیں مگر یہ بات پکی ہے کہ اس واردات میں کسی نہ کسی طور آپ ضرور ملوث ہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ یا اس لوح کی وجہ سے ہے۔" پھر وہ لجاجت سے میرا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "خان صاحب! پولیس نے کیا کرنا ہے پتہ صرف خانہ پری کرنے کے لئے آتی ہے۔ چور ڈاکو تو قتل سرحد پار کر چکے ہوتے ہیں اور یہ ابھی تفتیش میں ہی کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ چلیں! اچھا آپ ہی کریں۔ مجھے معلوم ہے بلکہ پورا یقین ہے کہ آپ نے ہی دردیا ہے اور آپ ہی دوا دیں گے....."

"سیٹھ صاحب! آپ اپنی کسی بات پہ تو قائم رہیں۔ کچھ دیر پہلے فرما رہے تھے کہ آپ کے مارے آپ نے مرحوم والد صاحب کی بدروحی کا لفظ بھی سنا ہوں اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ مجھ سے ہی آپ کو دوا وغیرہ ملے گی.....؟"

"دیکھئے نا جس کی چوری ہوتی ہے اس کا ایمان جاتا ہے اور جو سامنے آتا ہے اسی پہ شک ہونے لگتا ہے۔ آپ سب دانا ہیں جانتے ہیں پھر بھی مجھے کہہ رہے ہیں۔"

اسی دوران انسپکٹر صاحب پیچھے پیچھے ان کا ماتحت ایک کھڑکی اٹھائے آ رہا تھا۔ اب

UrduPhoto.com

مسز مصطفیٰ علی خان سے پوچھنے لگا۔

"بھابی! اب آپ بتائیے کہ کیا انہوں نے آپ کے سامنے تجوری کھولی تھی اور وہ لوگ اندر گئی تھی.....؟"

وہ بولیں۔ "بھیا! اس تجوری کے تالے کی بھی آسانی سے نہیں کھلتے" بڑی مشقت کرنی پڑتی ہے۔ چابیوں کے دو دو سیٹ ہیں ایک سیٹ کی چابیوں سے صرف آدھے تالے کھلتے ہیں اور جب تک ہم دونوں موجود نہ ہوں یعنی چابیوں کے دونوں سیٹ نہ ہوں تجوری کھل نہیں سکتی۔ یہ تجوری کھولنے اور بند کرنے کا کام ہم دونوں نے مل کر کیا تھا۔ لوگ بھی میری موجودگی میں اندر گئی تھی۔ اور ہاں تجوری کے اندر والے اوپر کے دو خانے صرف ان کی چابیوں سے کھلتے ہیں اور نیچے والے دو خانے میری اکیلی کی چابیوں سے کھلتے بند ہوتے ہیں۔ یعنی یہ خانے ہمارے علیحدہ علیحدہ ہیں ایک دوسرے کی چابیوں سے نہیں کھلتے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہم دونوں سوئے ہوئے ہیں اور چوری ہو گئی۔ نہ الارم بجا نہ سکیورٹی سسٹم نے کام کیا۔ مزید تعجب اور حیرت کی ایک بات یہ بھی ہے کہ ہمارے کچھ اس کی الماری جسے پورا بنانے بغیر [illegible] ایک [illegible] سکیورٹی انتظام بھی ہے جو بجلی کی بجائے بیٹری سے کام کرتا ہے۔ اسے [illegible] کے بغیر اگر الماری کو سرکایا جائے تو فوراً الارم بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ خود دیکھئے وہ سسٹم آن ہے مگر الماری بغیر کوشش کے ہٹ گئی۔"

اب انسپکٹر نے [illegible] صاحب سے پوچھا۔

"بھائی صاحب! آپ اپنے تجوری والے پورے سامان کی لسٹ مجھے دیجئے....."

ان کی اہلیہ نے ایک لمبی چوڑی لسٹ ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"میں جو وقت ایسے برے وقت سے ڈرتی رہتی تھی آ گیا۔ انہیں کہا کہ اتنا سارا کچھ گھر میں مت رکھا کرو مگر....."

"بھابی! کسی نوکر یا گھر کے کسی فرد پر شک ہو تو بتائیں.....؟"

"بھیا! نوکر چاکر سارے اچھے پرانے ہوئے ہیں بڑے پرانے اور اعتماد بھروسے والے ہیں۔ رات کو اگر کوئی ہمارے کمرے تک آنا چاہے تو پانچ دروازے اور دس تالے کھولنے پڑتے ہیں۔ سب دروازوں کھڑکیوں کے پٹ اور تالے اندر سے بند تھے اور....."

"اور چوری پھر بھی ہو گئی؟" انسپکٹر نے بات اچکی اور کہا۔ "باہر سے کوئی آیا نہیں الماری بغیر الارم بجے ہٹ گئی اور تجوری چابیوں کے بغیر کھل گئی۔ میں نے الماری اور تجوری کے سارے سسٹم

کو چیک کیا ہے اور دوسرے ماہرین سے کروایا بھی ہے تالوں کو بھی دیکھا ہے مگر ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ملی کہ جس سے ہم یہ ثابت کر سکیں کہ آپ کے علاوہ کسی نے اسے سیف آف اور چابیاں لگا کر کھولا ہو لیکن ....."

جب انسپکٹر "لیکن" کہتے ہوئے چند لمحے گزر گئے اور وہ اس سے آگے نہ بڑھا تو سیٹھ صاحب نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

"لیکن کیا.....؟"

انسپکٹر نے میز کے اوپر پڑی ہوئی کپڑے کی گٹھڑی کھول کر سیٹھ صاحب کے آگے دھرتے ہوئے کہا۔

"لیکن پھر یہ سارا مال دھماکا کھولے بغیر آپ کے بیڈ کے ہوا کے نیچے چادریں تکیے رکھنے والے بیڈ دراز کے اندر کیسے پہنچ گیا.....؟"

اک بار بے ہوشی کے بعد سیٹھ صاحب ہوش میں آ چکے تھے۔ لسٹ کے مطابق سارا مال فوراً دستیاب تھا صرف ایک چیز کم تھی۔ اس کو ڈھونڈنا تھا ذلی انسپکٹر کا دماغ تھا۔ پولیس ہل ادھر ادھر رکھ کر بھول جانے کی [illegible] ملازموں کو انعام و اکرام خیر خیرات ہوتی رہی۔ اس دوران میں منہ چھپائے اپنے کمرے میں پڑا رہا۔ مصطفیٰ خان شاید شرمندگی کی وجہ سے دانستہ میرے کمرے تک نہ آئے اور نہ ہی میں ان تک گیا۔ کھانا پینا چائے ناشتہ ملازموں کے ذریعے پہنچ جاتا تھا۔ میں نے ان دو دنوں میں خوب آرام کیا۔ تھکن اتاری۔ مطالعہ اور نماز روزہ کرتا رہا لیکن کب تک؟ اس سے اگلے روز جمعرات کی صبح سیٹھ مصطفیٰ خان سر جھکائے ہاتھ باندھے اندر داخل ہوا السلام علیکم کہہ کر میرے پلنگ کے آگے مرغا بن گیا۔ اندازہ کریں۔ ملکی کا ایک سرکردہ سیٹھ اچھی خاصی سماجی سیاسی اور دینی اہمیت کا مالک باوقار شخص اگر کسی کے سامنے یا کہیں مرغا بن جائے تو کیا ہوگا؟ لوگ ہنسیں گے اور تالیاں بجائیں گے مگر یہاں تو دونوں ہی قریب قریب بوڑھے تھے۔ میں بھی مرغ کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ جب مرغے کی ٹانگیں کانپنے لگیں آگا پیچھا اوپر ہونے لگا تو میں نے ترس کھا کر کہا۔

"سیٹھ صاحب! یہ بچپنا چھوڑیں اٹھیں اور یہاں میرے پاس تشریف رکھیں۔"

مرغا نما آنکھوں سے پچھتاوے کی تھی۔ ہچکیاں لیتے ہوئے معافیاں مانگنے لگے۔

"خان صاحب! مجھے معاف کر دیں۔ مجھے خوب احساس ہوا کہ دنیا کا مال و دولت انسان کو کتنا

چھوٹا کر دیتا ہے اور خود فرض ہو جاتا ہے۔ اس کا حاصل ہونا اور اس کا کھو جانا دونوں ہی آزار جان ہوتے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے پاس مال و دولت ہے جو اس دولت جائیدادوں کے تمسکات نہیں ہوتے۔ وہ فول پروف تجوریوں، سیکورٹی کے نقوش مسلح چوکیداروں کے محتاج نہیں ہوتے اور ان کی حفاظت کی کئی زبانوں اور دولت کھوتے ہوئے کتوں کے پہرے نہیں ہوتے۔ وہ انجائنا، ہارٹ اٹیک، بلڈ پریشر اور شوگر جیسے ذہنی امراض کے مریض بھی نہیں ہوتے۔ خان صاحب اپنی درویشی کے صدقے مجھے ان کو معاف کر دیں۔ میں دو روز تک آپ سے منہ چھپاتا رہا۔ آج جمعرات ہے۔ چلئے آج ماہم شریف چلتے ہیں اور سید سرکار کے دربار میں چل کر لنگر بانٹتے اور کھاتے ہیں۔ میں نے منت مانی ہوئی تھی۔ سید سرکار کی اعانت برکت سے اللہ نے وہ کام کر دیا ہے۔"

"مصطفیٰ علی خان! واقعی اللہ نے بڑا کرم کیا۔ تمہارا بھی تمہیں اپنے گھر سے ہی مل گیا ورنہ اور جو ہوتا سو ہوتا پر تم نے میرا نقصان کر دیا تھا۔ یہ بتاؤ تم نے یہ چوری کا ڈرامہ کیوں رچایا۔ مال نکالا اور اپنے ہی گھر میں دبائے رکھ دیا۔ کہیں تم مجھے تو پھنسانا نہیں چاہتے تھے یا اپنے والد کا بدلہ لینے کی کوئی ترکیب تھی؟"

"میرے پیارے چچا جان! میں اب اپنے والد کی محبت کرنے والے بچوں کو ایسی کڑی سزائیں نہیں دیتے۔ میں سب سمجھ گیا۔ میں نے سب کچھ پا لیا۔ ماہم شریف تشریف لے چلیں وہاں میرے لئے میں درویشی قبول دیں۔ میں نے یہ دنیا چھوڑی، یہ حرص چھوڑی۔ یہ دولت یہ شہرت ہر چیز پہ لات ماری۔ اس دولت نے مجھ سے میرا بچپن، میرا اعتماد، یقین چھین لیا۔ میں نے آپ پہ بھی الزام لگانے تک بھر نظروں سے دیکھا۔ تف ہے مجھ پہ اور میری"

میں نے اسے اٹھایا، سینے سے لگا کر سامنے بٹھایا اور اندرونی جیب سے لوح نکال کر اس کے ہاتھ پہ دھر دی اور کہا۔

"مصطفیٰ علی خان! یہی اس مکمل سی لوح کا کمال ہے کہ اللہ نے تیری سوچ اور زندگی کا رخ بدل دیا ہے۔ یہ لوح میرے سینے سے لگی میرے دل کے عین اوپر دھری رہتی ہے۔ یہ آہنی تجوری میں مال و دولت کے پلندوں سانپوں کے درمیان دھرنے والی چیز نہیں۔ یہ تو دل کے دھڑکنے کے اوپر "اللہ ہو" کی جلی جلی تختی پہ قرار پاتی ہے۔ تمہیں لوحیں بنانے، انہیں سمجھنے جاننے کا جنون تھا۔ چلو سید کے دربار سے ہو کر بڑے بابا خواجہ غریب نواز کے ذریعے اجمیر چلتے ہیں اور وہیں موتی مسجد میں بیٹھ کر تمہیں وہ لوح کی نورانی لو کی روشنی میں لوح لکھنا بتائیں گے مگر تمہیں تو وہ اللہ کے امر سے ہے۔"

UrduPhoto.com

● قیام و دوام، فروغ و فروزش.....!

قارئین! اوپر پہلے والی بات کہ جہاں سے ہدایت اور فیض ملتے ہوتے ہیں وہیں سے مل کر رہتے ہیں۔ لاکھ انسان فلاریں پڑھتے مگر مدینے جانے کا ملتا تب ہی ہے جب حکم ربی ہوتا ہے۔ وہ جو چاہتے کرتا ہے۔ وہ بے پرواہ ہے۔ وہی پرانی بات کہ اچھوں سے برے اور بدوں سے اچھے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی ایک چکر جو چلتا ہی رہتا ہے۔ جہاں دن ہوتا ہے وہاں سے پھر رات نکلتی ہے۔ اندھیرے کو اجالے نگل لیتے ہیں اور ضروری نہیں کہ ایک ہمیشہ برا رہے اور ایک اچھا ہمیشہ اچھا رہے۔ یہ تو ہے امر ممکن بھوان پی مہاون کہ خاندان کبھی آدان کبھی پردان اور نصیبوں کے کھیل ہیں۔ آگ بجھ جائیں چنگاری لے آئیں۔ دان بجھے جائیں [illegible] لے آئیں۔ پہاڑ پہ چڑھے تو سروری لے آئے اور کوئی دو بوند پہ کھل اترا دے تو کوئی سجدے میں [illegible] کوا دے۔ کوئی [illegible] پہ چڑھ کر اذان سنا دے تو کوئی بند مٹھی میں کلمہ پڑھا دے۔ کوئی اپنے سارے [illegible] لکھوا دے تو کوئی دکھی آنکھ میں بے خطر لو پڑھ دے۔ کوئی [illegible] کر دے تو کوئی [illegible] چلا دے اور کوئی [illegible] آنکھیں کھول دے۔ اپنے [illegible] دیے ہوئے روپ خوب ہیں۔ کوئی رات سے نکل کر اجلی ہو گیا تو کوئی تو کری سے لوٹ کر تیری پہ آ گیا۔ کتنی بیراگی کی پیچ [illegible] آ گیا اور کوئی پھول کے [illegible] میں بند ہو گیا تو کوئی گور پہ آ گیا۔ کوئی محل سوار ہوا کوئی خار وغیلیاں میں خوار ہوا۔ یہ سب اپنے اپنے نصیب اور مقسوم ہیں۔

بات رادھیے سے آگے بڑھی تھی اس کے ہی قصے دل رفتہ سے یہ لوح والی گرہ کھلی تھی کہ اس کے دل کی گرہ ایک چھلی سی طوائف فیروزہ نے کھول دی تھی اور پھر اسی فیروزہ سے ابھی تک کے آنسو اور فیروزہ کی بات تھی جس نے مجھے ممبئی کے کھوٹے سیٹھ کی کہانی سنانے پہ اکسایا کہ کس طرح شیطانی چکروں میں پھنسا ہوا یہ خاندان محض سادھو کے دیے ہوئے جنتر کے سحر اور نحوست سے آزاد ہوا اور کس طرح ایک طوائف سے اللہ پاک نے مخالف کام لیا۔ اس نے بیٹی اور بیٹے کے رشتے بے حیائی کے کوٹھے اور عزت شرافت کی کوٹھی کے فرق کو ایسے کھلے ہی دھاڑ کر پیش کیا کہ بدقماش بدخصلت [illegible] دیوبہ مخلوق رادھیے کے ظلمت خانے میں ایک نور کی کرن سی پھوٹ پڑی اور وہ کوٹھے سے بچے [illegible] ہوئے دکان آیا۔ مٹھائی کی ڈالیاں گھر بھجوا کر اذان کی مدھر دھارا پہ بندھا ہوا مسجد میں آ پہنچا۔ مسجد کے کھلے دروازے اس اندر سلامتی لئے بیٹھے ہوئے انسان کو مسکرا کر دیکھا۔ پھر جو لگاتار مسجد جانے لگا

ہوا آتے۔ کبھی کبھی کسی کے سجدوں اور گریہ زاری کا مزہ تو کوئی اس بے نمازی سے پوچھے جسے اچانک اپنے رب کی زبوبیت اور اپنی معصیت کا ادراک ہو جائے۔ وہ اللہ اور اللہ کے بندوں سے آنکھیں چراتا ہوا ذرا ذرا محجوب سا مسجد میں یوں داخل ہوتا ہے جیسے وہ نماز کے لئے نہیں اپنے سامان کا کوئی ہوتا اٹھانے کے لئے آیا ہو۔ وہ کسی کونے میں یا سب سے پیچھے کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے تاکہ کوئی واقف کار اسے مسجد میں نہ دیکھ لے اور یہ نہ کہہ دے۔

"اوئے روشنیا! اے کی ہیر اوئے توں تے مسیت..... اللہ خیر کوئی کار روائی پاون تے نہیں آیا.....؟"

روشنیے کو تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ وہ کبھی اپنی زندگی میں کسی مسجد میں گیا بھی ہے یا نہیں؟ ..... کی نماز کا وقت تھا۔ ایک کونے میں کھڑا وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ دوسرے نمازیوں کی نقل کرتے ہوئے اس نے کسی نہ کسی طرح نماز پڑھ لی تھی مگر بعد میں دعا کے لئے اسے کسی کی نقل کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ ہاتھ اٹھائے وہ چپ چاپ کچھ ضرور مانگ رہا تھا۔ میرے خیال میں اس بھی ایک موقعہ ایسا ہوتا ہے جب بندے اور مالک کے درمیان کوئی تیسرا نہیں ہوتا۔

وہ واپس آیا تو اپنے ذہن کی تختی پر خیال چڑھا تو سب سے پہلے اسے صبیحہ کی آنکھیں نظر آئیں جو اس کی طرف تکتے تھے۔ ڈس کا پھول سی بن گئی تھیں۔ مخملی کی ڈوریاں پلنگ کے پائنتی پہ دھری تھیں۔ دری کی دیتی بھی نقش کاغذ اور پھولوں سے لدی ہوئی ..... وہ پلنگ کی پٹی پہ یوں لگا جیسے وہ پلنگ پہ نہیں خوش نصیبو کے پیٹ پہ بیٹھا ہو۔

"کیسی ہو.....؟" اس کی زبان سے خود بخود ہی نکل گیا۔

"تمہیں پہلوٹھی کا بیٹا مبارک ہو..... اپنے بیٹے کا مکھڑا نہیں دیکھو گے؟ ادھر آؤ اس کا ماتھا چومو۔ بسم اللہ پڑھ کر اس کے کانوں میں اذان کہو....."

وہ اٹھ کر پلنگ کی دوسری جانب جا کر بیٹھ گیا۔ ڈرتے ڈرتے جھجکتے ہوئے دوتی میں لپٹے ہوئے گول مٹول بچے کو دیکھنے لگا۔ صبیحہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ڈر کیوں رہے ہو؟ ..... لو اسے اٹھاؤ۔ پیار کرو اس سے باتیں کرو۔ تمہارا اپنا ہے۔ دیکھو تو سہی اس کی شکل ساری تم پہ گئی ہے۔ تم سا کھڑا ناک نقشہ ماتھا کشادہ آنکھیں....." پھر وہ سرگوشی سے انداز میں کہنے لگی۔ "تمہارے ایسا اس کا بھی سارا بدن سیاہ کالے بالوں سے بھرا ہوا ہے۔ سوچ رہی تھی کہ ایسا بچہ بڑا ہی گوبھی ہوتا ہے....." روشنیے نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بچے کو دیکھتے ہوئے

اٹھا لیا۔

چھاپے کے بعد تیسرے مہینے تقسیم کے خطے بھی ہو گئے۔ تین چار دن گئے تو اسے محسوس ہوا کہ نصیبو بی بی تو پھر بچے کی ماں بننے والی ہے اور دوکان پہ تجمن ناتھ ہیڈ ماسٹر نے بتایا کہ بہت جلد فسادی چھوٹنے والے ہیں۔ ہندوستان کا بٹوارہ ہونے والا ہے مسلمان اپنا الگ دیس مانگ رہے ہیں۔ رانجھے کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ بٹوارہ کیا ہوتا ہے لیکن بہت جلد وہ جان گیا کہ کیا ہونے والا ہے۔ ڈکاوے مارنے کی خبریں آنے لگی تھیں۔ جلتے مرتے میں جلوں۔ بڑی بڑی خبریں ایک دن پڑوسی کے مسلمانوں کے علاقے میں دو مسلمان ہندو بلوائیوں نے قتل کر دیئے تھے۔ ایک مکان اور دوکانوں کو آگ بھی لگا دی تھی۔ دوسرے دن جب چار پانچ ہندو مارے گئے اور پرتاپ آنج میں ایک دھرم شالہ کو جلا کر راکھ کر دیا گیا تو پھر کسی مسلمان قتل و غارت کی چیخ پکار نہ سنی گئی۔ رانجھا محسوس کر رہا تھا کہ دونوں طرف کے بندے روزانہ کے ہندو سکھ کاموں کے تیور ٹھیک نہیں ہیں اور یہ تو پورا علاقہ ہی ہندوؤں کا تھا۔ پھر ایک روز صبح ہی صبح اس نے تجمن ناتھ ہیڈ ماسٹر کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دو چار اخبار اس کے ہاتھ میں تھے۔

"تجمن خان ..." وہ بات کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ "حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ بڑی تعداد میں مسلمان ہجرت کر رہے ہیں۔ [illegible] ایک شاگرد کہہ رہا تھا کہ رات ایک دارو کے اڈے پہ کچھ لوگ تمہاری دوکان کو آگ لگانے اور تمہیں قتل کرنے کی باتیں کر رہے تھے۔ میری مانو تو فوراً بیوی بچوں کو لے کر یہاں سے نکل لو۔"

اتنا کہہ کر رانجھا تجمن ناتھ [illegible] جلدی سے کھسک گیا۔ اسی دن شہر میں کئی جگہوں پہ آگ لگنے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی وارداتیں ہو گئیں۔ شام سے ذرا پہلے اس کے چند ایک ہمدرد قسم کے گاہکوں نے مشورہ دیا کہ اگر اپنی اور بیوی بچے کی جان پیاری ہے تو جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل کر مسلمانوں کے علاقے میں چلے جاؤ۔ ہندو بلوائیوں کے تیور ٹھیک نہیں لگتے۔ کہ بعد میں تمہیں موقعہ نہ ملے۔ دوکان اس نے کھولی ہی نہیں تھی فوراً بیوی بچے لئے چھوٹا موٹا ضروری سامان باندھا اور مرچ پور کی جامع مسجد کے پچھواڑے تھیم پور کی گلی میں اپنے ایک پرانے جاننے والے کے ہاں آ گیا۔ اس کی بیٹھک میں جھگیاں بنانے اور مرمت کرنے کی دوکان تھی۔ یہاں پہنچنے کے دوسرے روز ہی کرفیو لگ گیا۔ اب فسادات کی آگ نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ مسلمان اپنی صدیوں پرانی جائیدادیں، کاروبار، اموال، پرکھوں کی قبریں، ہر چیز خون کی قے چھوڑ کر قافلوں کی صورت میں ہجرت کر رہے تھے۔ کچھ تو راستے میں ہی کٹ رہے تھے اور جو بچے رہتے وہ مردوں سے بھی بدتر ... پیاد تن

پاکستان دنیا کے نقشے پہ بڑے خونیں پس منظر کے ساتھ ابھرا۔ ایسے ہی ایک قافلے کے ساتھ وہ بھی خستہ حال بے سروسامان اور پورے دلوں کی پیاری لاچار پھپھو اور ننھے تسلیم علی کو گود اٹھائے ہوئے حیدرآباد پہنچ گیا۔ یہاں پہنچنے کے ٹھیک پندرہ روز بعد ایک رفیوجی کیمپ میں بڑی آزردگی اور کسمپرسی کے عالم میں ایک رات کے آخری پہر رضا علی نے ایک ننھی سی چیخ بلند کر کے اس حزن و آزمائش کی دنیا میں اپنی آمد کا اعلان کر دیا۔ یہ بڑی اعتدال جاں گسل پریشانیوں اور محرومیوں مایوسیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا دور تھا۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا ہر کوئی ایک دوسرے سے بڑھ کر ذلیل اور پریشان ۔۔۔ لڑکھڑاتے پاؤں پہ بمشکل کھڑی ہونے والی گورنمنٹ اور رفاہی اداروں کی معاونت و اعانت کی وجہ سے بمشکل سر پہ چھتوں کی چھت اور دو وقت روکھی سوکھی میسر تھی جس کی بنا پہ ان کے علاوہ لاکھوں بے گھر بیوں کا سانس اور جسم کا رشتہ جڑا ہوا تھا مگر بڑی عجلت و تعجیل سے ان بے گھروں بے آسروں کو ان کی حیثیت اور ہندوستان میں چھوڑی ہوئی جائیداد کے مطابق یہاں سے ترک وطن کرنے والے ہندوؤں کی متروکہ جائیدادوں میں بسایا بھی جا رہا تھا۔ زمین داروں کو زمینیں کارخانہ داروں کو کارخانے اسی طرح دوکانداروں کو دوکانیں اور مکانوں کو مکان کی ضرورت اور افراد خاندان کے مطابق الاٹمنٹ فراہمی کی جا رہی تھی۔ محکمہ خدمات سے کام لیتے ہوئے اور مختلف طریقوں سے اپنی اپنی جگہوں پہ قابض ہو رہے تھے۔ اس کی باری آئی تو انہیں بھی ایک دوکان والا چھوٹا سا مکان مل گیا لیکن یہ جگہ ان دونوں میاں بیوی کو پسند نہ آئی۔ بڑی گنجان سی جگہ اور گندہ علاقہ ۔۔۔ اسی دوران اچانک روشنیوں کی ملاقات اپنے ایک پرانے واقف کار سے ہوئی جو فسادات سے بہت پہلے ہی یہاں کراچی آ چکا تھا۔ یہ بھی اسی بازار کا آدمی تھا ایک بائی کے ہاں طبلہ بجاتا تھا۔ بائی جی کی بڑی بہن یہاں کراچی میں تھی اور کچھ رشتہ دار حیدرآباد کے بازار حسن میں بھی رہتے تھے۔ اسی بھلی کے مشورے پہ دونوں بچوں سمیت اسی کے ساتھ کراچی چلے آئے۔ اسی بھلی نے ایک الاٹمنٹ افسر جو اس کی بائی کے پاس آیا کرتا تھا کی معاونت سے روشنیوں کو نیپیئر روڈ بازار حسن کے قریب ایک گلی میں کسی ہندو طوائف کا دو منزلہ مکان الاٹ کروا دیا۔ خوش قسمتی کہ اس مکان میں گھر گرہستی کی ہر چیز اندر سے مل آئی۔ اسی واقف کار نے قریب ہی کوٹھے پہ ایک گانے ناچنے والی طوائف کے ہاں طبلے کو ملازم رکھوا دیا۔ اس طرح اس کے کام دھندے کی کھپت بھی نکل آئی۔ یہ سب کچھ اس کی طبیعت اور خوخصلت کے عین مطابق تھا۔

وقت گزرتا گیا اور بہت جلد زندگی اپنی روزمرہ کی ڈگر پہ آ گئی۔ جیسا ماحول محلہ محبت سخاوت اور رنگ ڈھنگ پیچھے چھوڑ کر آئے تھے اس سے کہیں سوا یہاں میسر آ گیا۔ ویسی ہی گلیاں بازار رونقیں

گھنگھروؤں، طبلوں کی آوازیں، قمقموں جیسی جگمگاتی راتیں اور اٹھلاتے ہوئے دن۔ پھلواریوں، باغوں، حکیموں اور خوشبوؤں کی دوکانیں۔ ہوئی سینہ بدقماش بدمعاش بھروسے نہ کیجئے اعتبار نہ کیجئے کا بان چنچلیاں اور رات کی رانیاں۔ دنوں میں ہی روشنیے کے دو پرانے طور طریقے اور چھپ دھج کر آنے پیچھا چھڑانا بھی مشکل لگ گیا۔ سلک رشم ہوکی الف لگ گئی اور وہی چڑی ہوئی زلفیں آنکھوں میں نیچی دھار تک مستی کی نرمی۔ نوکیلی کھڑی مونچھوں کے نیچے بھرے بھرے پان کے لاکھے سے یاقوت بنے ہوئے ہونٹ، سپید دانت جیسے سچے موتی لفظ میں بھر رکھے ہوں۔ کراچی کی سمندری آب و ہوا نے اس کے تانبے کو جیسے کھرے سونے میں بدل دیا تھا۔ سورج کی دھوپ یا کوٹھے کے بڑے کمرے کے بارہ بلبوں کے تیز و جھومروں والے فانوس کی چھلکاتی ہوئی کرنوں کی روشنی میں روشنیے کا کندنی سراپا یوں دمکتا جیسے اسے سر دیا سا کر کسی کسی نشیلی جل مچھلی نے ختم دیا ہو اور پھر ملکہ کی کوشش یا پھر قسمت کے کسی پھیر نے اسے اس کمرے اور ساغر و مینا کے کنڈل منڈپ پہ لا بٹھا دیا ہو۔

- دیں گر کشش اتنی کو زہ گرنے ...!

UrduPhoto.com

پہلے بھی کہیں عرض کر چکا ہوں کہ بدی، بدکاری، برائی، بدمعاشی، بدنگاہی اور بے نگاہی یا بازاری عورت میں بڑی کشش، خوش ذائقہ، خوش وقتی اور بظاہر بڑی اذیت نظر آتی ہے مگر انجام سوائے رسوائی، ذلت اور دین دنیا میں خرابی کے اور کچھ نہیں ہوتا اور یہ بھی میں نے خوب دیکھا کہ جو دنیا ناجائز تعلقات اور بے راہ روی کے نتیجے میں جنم لیتی ہے وہ اکثر خوبصورت، توانا و تندرست اور بے پناہ جنسی کشش کی حامل ہوتی ہے۔ دنیا بھر میں خاص طور پہ یورپ اور امریکہ میں نظر آیا کہ شوہر سے تعلق رکھنے والے انتہائی خوبصورت اور بے پناہ جنسی کشش و جاذبیت رکھنے والے افراد زیادہ تر ناجائز باپوں کی اولادیں ہوتی ہیں۔ ان کی بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ ان کے چہرے اور جسم میں جنس مخالف کے لئے بے پناہ جنسی کشش ہوتی اور ان سے انسانی راہ روی نہیں شیطانی بے راہ روی برتنے کو جی چاہتا ہے۔ ایسے افراد کے چہرے آنکھیں حیا اور مروت سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ محسن کش، بے وفا، بدلحاظ اور پرلے درجے کے کرو دیدہ ہوتے ہیں۔

دنیا بھر کے شاہی بازاروں، چراغ منڈیوں میں بیچنے والی عصمت فروش یا ناچنے گانے والی دو قسم کی عورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی طوائف کے ہاں ایسے ہی ناجائز تعلق کے بیج ہوتی ہے۔ اپنی پرورش

نانی اور ماں کی طرح وہ کوٹھے پہ ہی بیٹھے گی اور جو طوائف کے بطن سے نکاح کے نتیجے میں جنم لیتی ہے اکثر وہ بھی بالآخر طوائف ہی بنتی ہے کیونکہ طوائف کی بیٹی کو معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ وہ دو چار مرتبہ طوائف ماں کا طعنہ سن کر تنگ آ کر کوٹھے پہ آ بیٹھتی ہے یا پھر شوبز میں آ جاتی ہے۔ ہماری فلم انڈسٹری اسٹیج میں خاص طور پہ بڑے بڑے کچھ نام ایسے ہی ہیں جن کی مائیں طوائفیں اور باپ بڑے بڑے زمیندار' سیاستدان' گدی نشین' صنعتکار اور اپوزیٹ ہیں۔ کچھ تو بڑے دھڑلے اور فخر سے اپنی ولدیت بتاتی رہتی ہیں اور کچھ اپنے "بزرگوار" والد صاحب کو ساری زندگی بلیک میل کرتی رہتی ہیں اور منہ بند رکھتی ہیں۔ طوائف کی دوسری قسم میں خریدی ہوئی عورتیں' جھوٹے عشق و محبت کے چکر میں پھنسی ہوئی لڑکیاں یا پھر کسی بے غیرت' نکھٹو' بدکردار' منشیات کے عادی یا مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کی بیویاں' بیٹیاں ہوتی ہیں۔ ایسی لڑکیاں بڑی آسانی سے ایسے لڑکوں اور بردہ فروشوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں پھر انہیں اپنے چنگل میں جکڑ کر بالآخر پیشہ کرنے پہ راضی یا مجبور کر لیتے ہیں یا کچھ اغوا شدہ مال بھی ہوتا ہے جن کی منزل کوٹھا' کسی عیاش وڈیرے کی حویلی اور یا پھر کسی پوش علاقے میں پرائیویٹ کوٹھی خانہ ہوتا ہے۔ جیسے یہ نصیبو بچپن میں ایک بردہ فروش کے ہاتھوں اٹھائی گئی تھی اور پھر پیشہ ور کوٹھے والے نے خرید کر اپنے ہاں پالا پوسا جوان کیا۔ یہ تو اس کی قسمت کہ اسے بچپن چاٹ گئی اور دو ٹکے کی ہو کر رہ گئی ورنہ بڑی بی بی اب کی اسے گھنگرو پہنا چکی ہوتی۔

نصیبو حیدرآباد سے کراچی پہنچ تو گئی۔ بھرا پرا گھر بھی مل گیا' تسلیم و رضا بھی گود میں تھے۔ روشنیے بھی دھندے پہ بیٹھا ہوا تھا مگر وہ کچھ اندر سے مطمئن نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ روشنیے دن بہ دن گھر داری اور بچوں سے لاپرواہی برت رہا ہے۔ کوٹھوں کا کام ہی راتوں کا ہوتا ہے اور دن سونے اونگھنے میں گزرتے ہیں لیکن پھر بھی مرد کو رات کے کسی پہر تو گھر لوٹنا چاہئے۔ وہ اکثر راتوں کو باہر ہی رہنے لگا تھا۔ تسلیم و رضا کے درمیان مشکل سے ایک برس کا ہی تو فاصلہ تھا۔ دونوں معصوم ننھے سے بچے! ایک کو سنبھالتی تو دوجا رونے' لوٹنے پیٹنے لگتا۔ وہ خود کون سی اچھی بھلی صحتمند تھی۔ ہڈیوں کی مٹھ پیلی پھک۔ ہندوستان سے ہجرت اور دربدر کی ٹھوکروں نے اسے مزید نڈھال کر دیا ہوا تھا۔ پھر بھی وہ روشنیے کی راہ دیکھتے ہوئے' بھوکی پیاسی "اللہ والی فضل خیالیں' دیئے بیٹے تو ہی پالیں" کی لوری سناتے سناتے دونوں معصوموں کو سینے پہ لٹائے پڑی رہتی۔ کسی پہر یہ معصوم جانیں سو بھی جاتیں تب بھی یہ نیند اور بے آرامی سنگ لئے اٹکی ہوئی آنکھوں سے دروازہ دیکھتی رہتی' کان باہر گلی میں آتے جاتے کی چاپ پہ دھرے رہتے کہ کب روشنیے کے آنے کی مخصوص آہٹ اسے سنائی دے اور وہ کھانستا ہوا دروازے کے ٹکڑے پہ

پاؤں دھرے تو وہ لپک کر زنجیر اتارنے لگتا۔ کہتے ہیں کہ انتظار سے بڑھ کر کوئی اذیت اور بربریت نہیں ہوتی۔ انتظار تو آنکھوں میں خلش کے انگارے دل و دماغ میں شبہات اور وسوسوں کا دھواں پھیلا دیتا ہے اور انتظار کرنے والا تو دوہری دھار کے خنجر کی مانند اپنی آتی جاتی سانسوں کے چرکے سہتا ہوا بے درد ٹھہرے ہوئے سمے کی سولی پہ صبر کا کالا کٹھور چڑھائے لٹکا ہوتا ہے۔ نصیبو شاید یہ کچھ بھی برداشت کر لیتی لیکن ایک روحانی اذیت کا وہ مسلسل شکار تھی۔ یہ علاقہ محلے گلیاں کوچے سب اسی بازارِ حسن کا حصہ تھے۔ یہاں کا ہر گھر ہر در دروازہ طوائف کا بالاخانہ ہی سمجھا جاتا کوئی بعید از قیاس بات بھی نہیں تھی۔ کبھی کبھی رات ادھر سے گزرنے والوں میں اکا دکا اس تختے پہ بھی چڑھ آتا ادھر روشنیے گھر سے باہر ہوتا۔ دروازے پہ تختوں سے جڑی ہوئی لمبی کی پلیٹ تو کوئی پڑھا لکھا ہی پڑھ سکتا ہے وہ بھی اندھیرے میں کہ "یہ پرائیویٹ رہائشی مکان ہے" پھر اس اندھیر نگری میں کبھی پڑھے لکھے تو نہیں آتے۔ نسوں میں حرام خون اور آنکھوں میں ہوس یا دل کا نشہ تیر رہا ہو تو نیم اندھیرے میں دروازے کے درمیان لگی ہوئی یہ لمبی کی پلیٹ کون دیکھتا اس تحریر کی تحریم کرتا ہے؟ کبھی زور سے تھپ تھپ کبھی ہلکے ہلکے دستک اور کبھی سرگوشی کہ "خالی ہو تو دروازہ کھولو..... میری جان! سانس ہو یا جاگ رہی ہو؟ ..... اگر کوئی بھاری اندر ہو تو میں انتظار کر لیتا ہوں ..... اکیلے ہو تو ..... اس کو باکان کر کے رکھ دیتے۔ ایک بار زور دے کر روشنیے سے کہا بھی کہ یہ جگہ بڑی بدنام ہے ہر رات کوئی نہ کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے فقرے کستا ہے۔ مجھے اکیلے میں بڑا ڈر لگتا ہے تم بازار بند ہوتے ہی گھر آ جایا کرو مگر روشنیے کے تو جیسے کانوں جوں تک نہ رینگتی ..... وہ آلے ہاتھ لے کر کے بیٹھی ..... جیسے اسے احساس تک نہ ہو کہ وہ معصوم شیر خوار بچے اور جوان بیوی اتنے بڑے گھر میں اکیلی پڑی ہے۔ بدنام علاقہ کبھی کہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے ..... غیر متوقع طور پہ ایک روز وہ نصف شب کے قریب نشے میں چور گھر لوٹا تو نصیبو بچوں کو گود میں لئے ہوئے جاگ رہی تھی اس کے بیٹھتے ہی نصیبو نے قریب قریب روتے ہوئے شکایت کی۔

"آج رات کوئی مسلسل دروازے سے لگا دروازہ کھولنے کے لئے ضد کرتا رہا ہے اس نے دروازے کے سوراخ سے اندر روپے کا نوٹ بھی پھینکا اور کہا کہ دروازہ کھولو ایک روپیہ اور دوں گا..... خدا کے لئے گھر جلد آیا کرو ....." وہ ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑی تھی مزید کہنے لگی۔ "میرا نہیں تو ان معصوم بچوں کا ہی کچھ خیال کر لیا کرو....."

وہ تو نیند اور کچے نشے سے دیوانہ کتا بنا ہوا تھا تنک کر بولا۔

"تو ہر روز میرے آنے پہ یہی بکواس کرتی رہتی ہے کہ ہر رات لوگ دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں

مجھے بتا' اس میں خرابی کی کیا بات ہے؟ وہ پلیا لے کا شاہی بازار تھا' یہ کراچی کا شاہی بازار ہے۔ یہ گلیاں' چوبارے آتے جاتے' اترتے چڑھتے' دروازہ کھٹکھٹاتے لوگ' کچھ بھی تو نیا نہیں ہے۔'' وہ بے سُدھ سا ہوتے سمیت چارپائی پہ لمبا پڑتے ہوئے بڑی آسانی سے کہہ گزرا۔ ''اگر من چاہے تو بچوں کو پچھلے دالان میں کھلونے پہ ڈال دیا کر' زیادہ رو نہیں تو افیون کی باجرہ گولی دودھ میں بھگو کر چسا دی... اور پھر سکون سے...''

کچھ بھی نہ سمجھی میں نصیبو ماتھے پہ تیوری ڈالتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ''میں کچھ بھی نہیں...؟''

وہ اسے نیم باز آنکھوں سے دیکھتے ہوئے شیطانی مسکراہٹ سے کہنے لگا۔

''ایک آدھ روپلی کا دھندا کر لیا کر...'' پھر وہ آنکھیں موندتے ہوئے بڑبڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میری طرف سے تجھے اجازت ہے۔''

یہ سن کر نصیبو تو جیسے سکتے ہوا' دھاڑ مار کر روتی ندی اس کے منہ سے ایک لفظ تک نکلا۔ جیسے اس نے کچھ کہا ہی نہ ہو اور نصیبو نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ خاموشی سے آگے بڑھی' روشنیے کے پاؤں سے جوتے اتار کر ٹانگیں سیدھی کر کے اوپر چادر ڈال دی۔ بچوں کی جانب ایک نظر دیکھا۔ ہر ٹاٹ کو ٹھیک کیا اور مصلا بچھایا... وضو تو بنے گی۔ اللہ ہی جانے کہ وہ اس سے کیا کچھ کہتی رہی۔ پھر بولائی ہوئی آنکھیں باورچی خانے سے ایک تیز دھار بڑی سی چھری اٹھا لائی اپنے آگے سجدے کی جگہ رکھ دی' سر جھکائے قریب کچھ پڑھتی رہی۔ کچھ دیر بعد پھر اٹھی' الماری کی رحل سمیت ترجمے والا قرآن پاک اٹھا لائی' سامنے چادر بچھا کر چھری کے پاس رکھ دیا اور پھر شروع ہو گئی۔ وہ دعا مانگی' قرآن پاک اٹھا کر گود میں رکھا' بسم اللہ پڑھتے ہوئے آنکھیں بند کر کے مصحف پاک کھول کر سیدھے ہاتھ کے صفحے کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر قرآن شریف بند کر کے واپس رکھ دیا۔ ایسے میں دروازے پہ کسی نے دستک دی تو بغیر استعجاب' ذرا اس نے آگے بڑھ کر زنجیر ہٹا دی اور خود سر جھکائے کھڑی رہی۔

''السلام علیکم...!''

آنے والے نے اندر داخل ہوتے ہی پہل کی۔ اسی لمحے پچھلے اندر سے روشنیے کی آواز آئی۔

''دروازے پہ کون ہے...؟''

نصیبو نے اسی لمحہ جواب دیا۔ ''کوئی بوڑھے سے بابا ہیں...''

وہ اسی ترنگ میں کہنے لگا۔

''بخار و بخار ہوتا ہے۔ جوان بوڑھا یا بچہ' بابا نہیں ہوتا... اس سے اس وقت آٹھ آنے سے کم

مت لیو اور اتنی دودھ کی مینڈھی ... دروازہ اندر سے بند کر اور دیکھ! مجھے نہ جگائیو نیند بھاری ہو رہا ہے۔"

بزرگ اندھیرے سے قدرے روشنی میں آئے تو نصیبو کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی ... یہ تو وہی اس کے خوابوں والے بابا تھے وہی جنہوں نے تسلیم اور رضا کا نام رکھا تھا جنہوں نے تانبے کی ہانڈی روپوں سے بھری تھی اور جن کی برکت سے پریم رس کور مسلمان اور پھر دنیا چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئی تھی ... وہ کھڑے کھڑے کہنے لگے۔

"دیکھ کر جو تمہارا خاوند تمہیں حکم دے اپنے خاوند کی کبھی حکم عدولی نہ کرنا ... میں ہر روز رات کو اسی وقت آیا کروں گا۔ قرآن کھول کر ہر رات بیٹھ جایا کرو اور ہاں آج کے بعد تمہارا خاوند گھر سے باہر نہیں نکلے گا ... تسلیم و رضا کا خیال رکھنا ... جس حال میں بھی مالک رکھے اس پہ راضی اور مطمئن رہنا یہی تسلیم و رضا ہے ..." وہ دو چاندی کے کھرے چمکتے ہوئے روپے دیتے ہوئے فرمانے لگے۔ "ہر روز اسی وقت یہ ملا کریں گے ..."

وہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر عجلت سے باہر نکل گئے۔ دروازے پہ زنجیر چڑھا کر وہ پلٹی تو تسلیم نے منہ کھول لیا تھا۔ اس تک پہنچتے پہنچتے روشنیے کی سرگوشی سنائی دی۔

"[illegible] ... کچھ دودھ پانی کی بخشش تھی کی یا یونہی منہ میں گھنگنیاں ڈالے پڑی رہی؟"

بھلا وہ کیا کہتی باوا کے دو روپے اس کی طرف پھینکتے ہوئے بچوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔ چمکتے دمکتے نویں نکور چاندی کے دو روپے جیسے ابھی ٹکسال سے ڈھل کر باہر نکلے ہوں دیکھ کر اس کی تو آنکھیں کھل گئیں۔ لیتے لیتے ہی روپوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"واہ بڈھا تو بڑا دیالو نکلا اور تیری دو ہنی بھی بڑی اچھی ہوئی ..... اس دھندے میں گئے گزرے بڈھے اور بچے لونڈے جو مانگو دے جاتے ہیں اور نام بھی خراب نہیں کرتے۔ بس ایسے بھاروں کی جانب ذرا توجہ دیا کرنا ..."

وہ اللہ کی معصوم بکری تسلیم کو بیٹے سے لگائے اللہ والی کر رہی تھی اس نے شاید روشنیے کی یہ بکواس سنی ہی نہیں تھی۔ وہ روپے جیب میں اڑس کر پھر لمبا پڑ گیا ... اذان کا نور جب شبد کے قطرے بن کر اس کے کانوں میں اترنے لگا تو اس نے روشنیے کی زہر آلود باتوں گندی سوچوں اور اس کی بے راہ روی کے رویوں سے پراگندہ اپنے دل و دماغ کو صاف ساہوتا ہوا محسوس کیا۔ اٹھی اور اپنے مالک و خالق حافظ و ناصر وکیل و مجیب کے روبرو سجدہ ریز ہو گئی اور پھر شاید وہ وہیں بیٹھی بیٹھی لڑھک کر اونگھ میں چلی

گئی تھی۔

صبح کا ذرا دھیا اُجالا دالان میں آیا جاتا تھا تب اس کی آنکھ اُکھڑی۔ روشنیے چیختے ہوئے اسے آوازیں دے رہا تھا۔ ہڑبڑا کر اٹھی ادھر لپکی۔ وہ متوحش سا اپنی ٹانگوں پر زور زور سے مکے مار رہا تھا۔

''اری نصیبو! دیکھ میرا نیچے کا دھڑ ساتھ ہے کہ کسی نے کاٹ کر علیحدہ کر دیا ہے ...؟''

وہ گھبرائی ہوئی اس کی ٹانگوں اور پاؤں کو ہلانے لگی بولی۔

''روشنیے! تجھے کیا ہوا؟ تیرے پاؤں ٹانگیں سب سلامت ہیں۔ یہ دیکھ میں انہیں چھو رہی ہوں...''

وہ گردن نفی میں ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نصیبو! میری ٹانگوں کو زور زور سے ہلا دیا۔ انہیں مالش کر ان میں جان ختم ہو گئی ہے۔''

انتہائی ظالم قسم کے فالج کے حملے نے اس کی ناف سے نیچے کا دھڑ مٹی کے تودے کی طرح بے حس و بے جان کر دیا تھا۔ اب وہ اس حصے کو کوئی حرکت تو کیا ایک ہلکی سی جنبش دینے سے بھی قاصر تھا۔ وہ بچوں [illegible] پاؤں کو پکڑے چل سے مالش کر رہی تھی۔ [illegible] سورج اوپر اٹھا تو وہ سر پہ چادر کھینچے باہر دروازے تک آئی۔ نئی نئی جگہ اجنبی لوگ کسی سے جان نہ پہچان۔ سامنے والی بلڈنگ کے بھی دروازے سے کوئی ملازم پیشہ سی ادھیڑ عمر عورت باہر نکلی تو اس نے آواز دے کر اسے بلایا۔

''بوا! میرا مرد سخت ماندہ ہے۔ گھر میں کوئی بڑا بچہ بھی نہیں ... ہم لوگ نئے نئے یہاں آئے ہیں۔ کسی حکیم ڈاکٹر کی خبر ہو تو بتاؤ.....؟''

وہ بتانے لگی۔ ''ادھر باہر بازار میں دو چار ڈاکٹر حکیم تو ہیں پر ابھی بڑی سویر ہے۔ ادھر بازاروں گلیوں میں خاصا دن چڑھے دوکانیں کھلتی ہیں ...'' پھر کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگی۔ ''یہ بازو والی گلی کی نکڑ پہ دھوبی کی دوکان کے ساتھ ایک حکیم صاحب ہیں۔ ان کی رہائش بھی دوکان میں ہی ہے وہ شاید اس وقت مل جاویں گے...''

اتنا بتا کر وہ نکل گئی تو نصیبو دروازے بھیڑ کر اس کی بتائی ہوئی سمت چل دی۔ ساتھ والی گلی کی نکڑ پہ دھوبی کی دوکان کے ساتھ حکیم صاحب سرکنڈوں کے موڑھے پہ بیٹھے دائیں ہتھیلی پہ کسی دوا کی گولیاں بنا رہے تھے۔ وہ سلام کر کے اپنی بپتا بتانے لگی اور شریف النفس انسان ایک لمحہ تاخیر کئے بغیر دواؤں والا

بچے بغل میں داب ساتھ ہو لیے۔ پھر دروازہ کھولتے ہی تسلیم و رضا کے رونے کی آوازیں اس کے کانوں سے ٹکرائیں۔ وہ حکیم صاحب کو مریض دکھا کر خود دالان میں روتے ہوئے بچوں کی جانب بڑھ گئی۔ یہ وقت دونوں بچوں کے دودھ پینے کا تھا۔

روشنیے کا نچلا حصہ بے جان کیا ہوا اس کے نیچے کے حصے والی ہمت طاقت بھی گویا اس کی گویائی یا بدگوئی میں آ گئی تھی۔ وہ بے نطق بچوں اور نصیبو کو گالیاں بک رہا تھا کہ وہ ان حرامی پلوں کو اس کے سر پہ چیختا چلاتا ہوا چھوڑ کر پتہ نہیں کس یار کے ساتھ کہیں دفعان ہو گئی ہے۔

حکیم صاحب نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے نبض دکھانے کو کہا۔ آنکھیں زبان دیکھی۔ پیٹ کے مختلف حصوں پہ سوئی چبھوئی۔ رگوں پٹھوں کو دیکھا بھالا۔ معلوم ہوا کہ فالج کا حملہ ہی ہوا ہے۔ حکیم صاحب نے روشنیے کی خوفناک بدہضمی یا پھر اس کی مکروہ دولی حالت کے پیش نظر فوراً اسے بڑے ہسپتال میں لے جانے کا مشورہ دیا۔ وقتی طور پہ افاقے کے لئے اسے ایک دوا کھلا دی اور اجازت چاہی۔ تسلیم و رضا بیٹے سے چپٹے ہوئے تھے کہ جیسے ان کی ماں انہیں چھوڑ کر کہیں جا رہی ہو۔ حکیم صاحب کو جاتا دیکھ کر وہ روہانسی ہو کر کہنے لگی۔

"حکیم صاحب [illegible] یہاں آئے ہیں۔ ہمارا یہاں کوئی رشتہ دار ہے اور نہ ہی کوئی سہارا۔ میں اکیلی عورت ذات، دو معصوم بچوں کی ماں! میں انہیں کس طرح لے کر کہیں جاؤں اور اگر چلی بھی جاؤں تو ان بچوں کو کس کے حوالے کروں ...؟"

روشنیے نے پھر اپنی گالی زبان کھولی۔

"ٹن نصیبو! میں کسی ہسپتال وسپتال میں نہیں جاؤں گا ..." پھر وہ حکیم صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے تو ہی رات کو یہاں آیا تھا اور اب تو میری بیوی سے مل کر مجھے ہسپتال پہنچانا چاہتا ہے..... میں کہیں نہیں جاؤں گا، سنا....."

حکیم صاحب یہ خرافات سن کر سٹپٹا کر رہ گئے، بولے۔

"میاں! ہوش کی دوا لو..... تم یہاں نئے آئے ہو اور میں یہاں چالیس برس سے ہوں، فقیر آدمی ہوں..... تمہیں میرے اور اپنی اس نیک طینت بیوی کے بارے میں ایسی بیہودہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ خدا سے ڈرو! اپنی حالت تو دیکھو..... میری مانو تو بڑے ہسپتال چلے جاؤ۔ تمہاری موجودہ حالت بڑی خطرناک ہے....."

حکیم صاحب جان چھڑا کر بھاگ لئے۔

UrduPhoto.com

● تماشائے سخن.....!

کتاب کے پچھلے صفحوں میں آپ میری کراچی والی روداد پڑھ ہی چکے ہیں۔ صوفی نور دین المعروف نور جہاں' نیپیئر روڈ والی طوائف' تسلیم ورضا اور طوائف کی کوٹھڑی کے پیچھے والان میں پڑا ہوا اس کا مفلوج خاوند۔ آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ طوائف کون تھی؟ ممبئی کے سیٹھ مصطفےٰ علی خان اور لوح کی کہانی بھی آپ نے پڑھ لی۔ یہ لوح وہی تھی جو مجھے کبھی اچانک میں سمندر کے کنارے روشنی کے مینار کی آخری منزل میں صدیوں پرانے ڈھانچے کی گردن میں لٹکی ہوئی ملی تھی' جس کے درمیان میں سورج کے گھر والے سوراخ سے کوئی تعویذ اترا ہوا تھا۔ اب میں اس تعویذ کی تلاش و کھوج میں ممبئی سیٹھ مصطفےٰ علی خان کے ہاں مہمان تھا جہاں اسی لوح کی وجہ سے عجیب و غریب واقعات نے جنم لیا تھا۔ لوح کو سیٹھ صاحب نے زبردستی مجھ سے لے کر اپنی محفوظ ترین تجوری میں بند کر دیا تھا مگر کئی جدید ترین حفاظتی انتظامات کے باوجود بند دروازوں اور نیچے اوپر کی فول پروف تالوں کے اندر سے سارا مال متاع نکل کر سیٹھ صاحب کے سرہانے والے دراز کے اندر پہنچ گیا جسے پولیس نے برآمد کر لیا اور اس واردات کو سیٹھ صاحب نے [illegible] دیا صرف لوح کی اندرونی اسی جیب میں پہنچ گئی جہاں سے نکالی تھی۔ پولیس اس واردات کو سمجھ نہیں سکتی تھی' یہ تو میرے علاوہ مصطفےٰ علی خان اور اس کی بیگم ہی جانتے تھے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا' اسی لئے میں نے بھی سیٹھ صاحب کو لوح دینے میں کوئی زور و کد نہیں کی تھی کہ مسلمان کے موکلین خود ہی اس کی حفاظت کریں گے سو ایسا ہی ہوا۔ اب سوال اٹھتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ سات بند تالوں میں رکھی ہوئی کوئی چیز' بغیر کسی ظاہری کارروائی کے یوں باہر نکل آئے کہ نہ تجوری کھلے' آہٹ نہ آواز پیدا ہو اور نہ کوئی یا کچھ دکھائی دے اور کیا ایسی خارق الفطرت' خارق العادت اور فوق العقل وارداتیں' منصۂ شہود پہ لانے پہ کوئی ذرو لیش' صوفی' مجذوب' علم ہزیات کا جاننے والا یا کوئی علوم خفی و سماوی کا کوئی ماہر عامل یا عالم کوئی قدرت رکھتا ہے یا پھر صرف ارضی و سماوی' خفی و جلی استعانتوں سے ہی ایسے واقعات ظہور پذیر ہو سکتے ہیں؟ ..... اس کا جواب دینے سے پیشتر میں ایک بات کہنا چاہوں گا کہ یہ سب کچھ تو آج کل سائنسی طور پہ ہو رہا ہے جبکہ مندرجہ بالا تمام علوم اور قوتوں کو سائنس کماحقہ طور پہ قبول کرنے سے گریزاں ہے البتہ تحلیل نفسی' طبیعات' مافوق الطبیعیات' مابعد الفوق الطبیعیات' قوت مخیلہ' قوت ممیزہ اور قوت جاذبہ وغیرہ کی قوتوں' محرکات اور مدرکات کو تسلیم کرنے میں چنداں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ یہ سب مدلولات محض ایسے ماورائے عقل اور ماورائے فطرت

مظاہرات میں مدد ہوتے ہیں۔ اب رہی بات کہ فوری اطلاع، سفلی علوم اور خارجی استعانتوں اور دیگر مداوات سے بھی کیا یہ سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے؟ ... اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ امریکہ، روس اور یورپین ممالک کی چیدہ چیدہ یونیورسٹیوں میں یہ علوم ایک مکمل تھیسس کے طور پر پڑھائے جاتے ہیں اور ان علوم کے بڑے بڑے ماہر اور عامل و عالم موجود ہیں۔ قیافہ، مکاشفہ، رویا بینی اور تعبیری اخوذ، منتقل خیالی، غیب بینی، غیب گوئی، پیغام رسانی، نظر بندی اس کی ادنیٰ سی مثالیں ہیں۔

انسان کے اندر ایسی قوت موجود ہے جسے بیدار اور قابو کرنے کے بعد وہ ہزاروں میل دور بات کر سکتا ہے، اپنا خیال منتقل کر سکتا ہے، دیکھ اور سن سکتا ہے۔ اب دیکھئے کہ ٹیلیس، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن کے اسکی سسٹم کے ذریعے بغیر کسی درمیانی تار آپ ہزاروں بلکہ لاکھوں میل دور بات کر سکتے ہیں، دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ کوئی تحریر، تصویر، من و عن پلک جھپکنے سے پہلے منزل پر وصول کر سکتے ہیں۔ اگر تصویر، تحریر اور آواز کو ہزاروں لاکھوں میل دور کسی بھی جگہ پر بھیجا جا سکتا ہے یا کسی ہوا بند سا گنبد پیدا کر کے سمندر کی سب سے نچلی تہوں اور آسمان و فضا کی بیکراں وسعتوں اور بلندیوں سے آواز، ساکت و متحرک تصاویر، ہر نوع کی تحریریں کہیں بھی منتقل کی جا سکتی ہیں تو کسی بند تجوری سے کچھ میٹریل کچھ حرکت، چھوئے یا کھولے بغیر کیوں نہیں نکل سکتا؟ [illegible] کیمیوں، مائعات اور موجودات و عنصرات میں دیر یا بدیر یا فی الفور منتقل ہونے کی صفات ہوتی ہیں۔ جیسے پانی کو بخارات مختلف تیزابوں کو گیسیں اور متعدد معدنیات کو مرادوں، مٹی یا محلول میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور پھر انہیں اپنی اصلی حالت میں بھی واپس لانا ممکن ہے۔ یہ تو مادی اشیاء ہیں جن میں حجم، وزن اور دیگر متعدد کثافتیں بھی موجود ہوتی ہیں۔ اب رہی وہ استعانتیں اور مداوات جو فوری اور عنصری ہیں جو نہ تو کوئی معینہ حجم و وزن اور صورت و صورت رکھتی ہیں اور نہ ہی کسی کثافت و نقاہت سے آمیز ہیں انہیں کارہائے خرق الفطرت سرانجام میں کیا مداخلت پیش آ سکتی ہے۔

انسان کے دماغ، آنکھ، زبان، اعصاب میں ایسی ایسی قوتیں اور حیرت انگیز قسم کی طاقتیں پنہاں ہیں کہ انسان انہیں بروئے کار لا کر محیر العقول کارنامے انجام دیتا ہے اور دے بھی سکتا ہے کہ آپ اسے روحانی طاقت قرار دینے میں ذرہ بھر بھی تامل نہیں کریں گے جبکہ ان کا تعلق اعصاب سے ہوتا ہے نہ کہ روحانیت یا اطلاعیت سے ... میں نے آنکھ کی طاقت سے پتھر، راہ، لوہے کے موٹے کیل نیز سیسے ہوتے دیکھے، خیال کی طاقت سے انسانی فیصلے تبدیل ہوتے دیکھے، زبان کی طاقت و تاثیر سے پتھروں کو موم کی مانند نرم ہوتے دیکھا، دماغی اور ذہنی قوتوں سے بڑے کارنامہ ہائے انجام ہوتے دیکھے۔ اعصابی طاقتوں سے

وہ کام ہوتے دیکھے جو بظاہر انسان کے بس و اختیار میں نہیں۔ اب دیکھئے کہ انسان (اشرف المخلوقات) کے ساتھ سونے چاندی، جواہرات (ارضی مادیات) بھی عنصرات میں تبدیل کر کے لائے جاتے ہیں اور پھر ان عنصرات کو وہی اصل صورت و شکل واپس دے کر محیا کر دیا جاتا ہے۔ برزخ، نزول و ازل سے ارواح کو کن کن مراحل و اشکال سے گزار کر قرار امتی میں آدم کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے۔ پھر ایک وقت اسی انسانی قالب کو عنصری شکل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ مٹی مٹی میں مل جاتی ہے اور اللہ کا امر امر ہو جاتا ہے۔ ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا، آگ میں کود جانا، ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچ جانا، دور بیٹھ کر مشاہدہ کرنا یا پیغام منتقل کر دینا۔ یہی انسان، جانور اور ارضی مادی اشیاء کو اپنی خواہش کے مطابق استعمال لینا، ان پر حکم چلا دینا، یہ سب کچھ انسانی عقلی، شعوری، دماغی، احساسی، استعدادیں اور شعوری قوتیں ہیں۔ روحانیت کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ ہمالیہ پہاڑ کی وادیوں میں میں نے اپنے سادھو سنت دیکھے جو فقط انجیر سے کھی اترتی ہوئی سردی اور بارہ مہینے کی برف باری میں صرف لنگوٹی میں ننگے پنڈے پڑے رہتے ہیں۔ عام انسان اس حالت میں بیس منٹ بعد اکڑ کر فارغ ہو جاتا ہے مگر وہ بغیر کھائے پیئے، آرام، ضروریات زندگی کے بغیر بھوکے ننگے پچاس پچاس سال سے پڑے ہوئے ہیں۔ نزلہ، زکام، بخار نہ یرقان۔ [illegible]

UrduPhoto.com

کتاب کے پچھلے صفحوں میں آپ نے سائیں نور سرکار اور بابا رحمت سائیں جلیانی والے کا ذکر تو پڑھا ہوگا۔ نور سرکار تو مجذوب تھے اور صوفی رحمت سائیں سالک! ہوش اور جوش کے ایک معمولی سے فرق کے ساتھ آپس میں جڑے ہوئے۔ نور سرکار کبھی کبھی ہوش و خرد کا مظاہرہ بھی فرما دیتے تھے مگر ایسا بہت ہی کم ہوتا۔ اس زمانے میں میرا قریب قریب ہر روز کا ہی معمول تھا کہ مجھے جونہی فرصت ملتی میں گھوڑے شاہ سرکار کی راہ پر آ نکلتا۔ بابا رحمت سائیں اور نور سرکار اگر وہاں مل جاتے تو ٹھیک ورنہ ان کی تلاش میں گلی گلی کھڑا ہوتا۔ سائیں نور سرکار اکثر ریلوے شنٹنگ یارڈ یا ریل کی آہنی پل کے آس پاس یا اوپر کہیں مل جاتے۔ نور سائیں کا ریلوے سٹیشن کا ماحول مثلاً گاڑیاں، انجن، ڈبے اور قلی، مسافر وغیرہ بہت بھلے لگتے تھے۔ وہ اکثر شنٹنگ یارڈ میں کھڑی بوگیوں، مال بردار ڈبوں، انجنوں میں گھس کر بیٹھ جاتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے سو بھی جاتے یا اگر موج میں ہوتے تو آہنی پل پر چڑھ کر ریلوے پٹڑی کے نیچے آتی جاتی گاڑیوں کا تماشا دیکھتے رہتے لیکن جہاں بھی ہوتے عقیدت مندوں کا ہجوم ضرور اکٹھا ہو جاتا۔ کوئی جیبیں آگے بڑھا رہا ہے، کوئی پھل دکھا رہا ہے۔ کوئی گلے میں ہار ڈال کر خوش ہو رہا ہے تو کوئی بازو یا ٹانگیں پکڑ کر دبانا شروع کر دیتا۔ میں بھی اکثر انہی کی کھوج میں نکلتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ

گھوڑے شاہ کی مسجد میں بابا رحمت سائیں' نگو سائیں سرکار ہو میں بیٹھے تھے۔ بابا رحمت سائیں اور میں' نگو سائیں سرکار کی ٹانگیں داب رہے تھے۔ ان کی میلی کچیلی ٹانگیں اور گندے پاؤں' بڑھتے ہوئے کیلے پھٹے ناخن دیکھ کر میری طبیعت میں ہلکا سا تکدر پیدا ہوتا ہے' اگلے لمحے سرکار نے اپنا پاؤں میری گود سے کھینچ کر بابا رحمت سائیں کی گود میں رکھ دیا اور بابا رحمت سائیں نے مجھے وہاں سے اٹھ جانے کا حکم دیا۔ اس کی پاداش میں مجھے بازار میں میرے اوپر پکی ہوئی رنگ کی کھائیں گر پڑی تھیں۔ تنگ اور گندگی سے اقتر ہو کر میں ایک نل کے نیچے پہنچتا ہوں۔ وہاں کوئی آتا ہے' نل چلا کر مجھے اچھی طرح نہلاتا ہے اور میرے گیلے کپڑے اتروا کر کالے کپڑے پہننے کو دیتا ہے' آنکھوں میں سرمہ لگاتا ہے۔ وہ بابا رحمت سائیں سرکار ہوتے ہیں' اس طرح مجھے احساس دلایا جاتا ہے کہ ظاہری گندگی' باطنی پاکیزگی اور کشف کیا ہوتا ہے؟ اس کے بعد مجھے ایک تانگہ ملتا ہے جو مجھے "پیا رنگ مبارک ہو" کہتا ہے اور داتا سرکار لے جاتا ہے۔ وہاں لذیذ سا زردہ پلاؤ کھلا کر اسی تانگہ میں بٹھا کر مجھے جمنا پانی جہلم پوری کی حویلی میں لے جاتا ہے۔ یہاں کے کچھ واقعات بیان کرنے کے بعد بات سے بات نکلتی ہے اور دراز ہوتی چلی گئی ہے۔

اب [illegible] بات بیان ہو رہی تھی کہ کیا جنات' مخلوقات اور دیگر ارضی سماوی غیر مرئی استعانتوں کے علاوہ انسان کے پاس ایسی کوئی طاقت ہے کہ وہ مادہ ارضی اور مادہ در مادہ پہ اپنا کوئی حکم رکھ سکے؟ میں نے لکھا تھا کہ اس کا جواب اثبات میں ہے۔ یہ اشرف المخلوقات اسی لئے ہے کہ یہ دیگر مخلوقات پہ اللہ کی عطا کی ہوئی استعانت سے حکم رکھتا ہے۔ مخلوقات حاضر یہ و ناحاضر یہ کے علاوہ یہ مخلوقات خفیہ' مجرد' معدنیہ' مجرد' ہوائیہ پہ بھی کامل حکم حاصل رکھتا ہے۔ سائیں نگو سرکار کے حال' معاملات اور تصرفات کا چنداں ذکر اسی بات کی تائید ہے مگر اس سے پہلے ہمیں جان لینا چاہئے کہ مخلوق کسے کہتے ہیں؟

فرقان حمید میں رب العظیم نے مخلوقات کا بہت سی جگہوں پہ ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا کہ مخلوق کسے کہتے ہیں۔ جو کچھ "کن" کہنے سے معرض وجود میں آیا وہ اللہ کی تخلیق کردہ مخلوق ہے اور جو بھی کچھ مخلوق کی ذیل میں آتا ہے جاندار ہے اور جان دار کی تعریف یہ ہے کہ وہ شکل' حجم' وزن' رنگ اور تغیر رکھتا ہو۔ کائنات کی ہر ادنیٰ و اعلیٰ' خفیہ و ظاہر' شجر حجر' معدنیات' آگ' پانی' ہوا' مٹی' پھول' پتے' کانٹے' جو کچھ بھی ہے وہ جان رکھتے ہیں' بولتے ہیں' باتیں کرتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں' ہنستے مسکراتے اور برہم بھی ہوتے ہیں۔ یہ نفرت بھی کرتے ہیں اور محبت بھی۔ روزمرہ کی زندگی میں اگر ہم غور کریں' مکمل توجہ اور یکسوئی

UrduPhoto.com

سے محسوس کریں تو دیکھیں گے کہ ہمارے اردگرد کی ہر چیز ہماری توجہ' مہربانی' شفقت اور دلچسپی کی طلبگار ہوتی ہے۔ میری ساری زندگی عمل و حرکت میں گزری' سورج کے ساتھ ساتھ سفر کرتے کرتے میں زندگی کی شام تک پہنچ گیا۔ میدان' پہاڑ' صحرا' سمندر۔ زمین کے نیچے' فضا کے اوپر' سمندری تہوں میں لمبے لمبے نہ ختم ہونے والے سفر۔ انسانوں سے زیادہ میرے دوست یہی سفر' فاصلے' راستے' پتھر' سنگ میل' درخت' پھول' کانٹے' پھل' چاند' ستارے' جگنو' پرندے' چرندے' درندے' جنات' رجال الغیب' غیر مرئی مخلوقات رہے۔ ہر مخلوق کی اپنی اپنی ایک مخصوص فریکوئنسی ہوتی ہے جسے سمجھے اور جانے بغیر ان سے رابطہ یا بات چیت نہیں ہو سکتی۔ جب تک آنکھ کے قرینے پہ دیکھنے کے لئے اک مخصوص کنڈیشن لینز نہ ہو انہیں ان کی اصلی حالت اور باطنی صورت میں دیکھا نہیں جا سکتا ہے۔ بہت پیچھے اگر ہم نہ جائیں اور صرف ماضی قریب کے اپنے چند ایک بزرگوں جو کالا پانی کے اسیر رہے' قلعوں اور دیگر عقوبت خانوں میں قید رہے یا پھر مولانا آزاد' سید عطاء اللہ بخاری' مولانا ظفر علی خان' فیض' شورش کاشمیری' منڈیالوی سے بھی پوچھتے کہ چڑیاں' کوے' مکھیاں' مچھر' بچھو' کھٹمل' پاؤں کی بیڑیاں' سلاخیں' کراہتے سسکتے در و دیوار' گرتے پھیلتے سمٹتے ٹوٹتے سائے' روشنی کے لئے اندھے چراغ' بدبو دیتے ہوئے کمبل اور بوریاں' کوٹھڑیوں کی آوازیں۔ تنہائی اور [illegible] ہر کا [illegible] پہاڑ جیسے [illegible] اور صحرا جیسی بے آب و گیاہ راتیں کس طرح کاٹ لیتے تھے؟ انتظار اور اکلاپے کے تو دو چار گھنٹے ہی قیامت بن جاتے ہیں۔ کالا پانی اور کھٹمنڈو' آگرہ' رنگون' میسور' چاٹگام' لاہور' دہلی' روہتاس' پلاس' منٹگمری' اٹک' کالیاوار' راجستھان' جھانسی' جے پور' جموں وغیرہ کے قلعوں' محلوں' کنوؤں' میناروں' غاروں' جزیروں کے بندی خانوں اور عقوبت گاہوں میں پابجولاں' دست و گردن گرفتہ' کمر میں آہن کمر کس کا بوجھ اٹھائے کس طرح یہ اسیران وفا' صاحبان اقتدار و جاہ' مردان بلند نگاہ' پیکر تسلیم و رضا' چشمہ شرم و حیا' نازک خیالاں اور خوش ادا صبح و شام کے نہ ٹوٹنے والے تسلسل میں' تنہائیوں' سوچوں' خیالوں اور محرومیوں کے آسیبوں اور ناگوں سے خود کو ثابت و سالم رکھ پاتے ہوں گے؟ ۔ مگر نہیں۔ فطرت' ضرورت' صبر اور حالات و وقت کا جبر اپنے میں بڑی زبردست مدافعتی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ ان کی نگاہ اور دسترس میں جو کچھ بھی مادے' منظر' ماحول' مدارت و محرکات ہوتے ہیں وہ سب کے سب محرم و ندیم بن جاتے ہیں۔ چڑیاں' کبوتر' کوے ان کے شانوں' زانوؤں اور ہاتھوں پہ بیٹھ کر ان سے گپ شپ لڑاتے ہیں۔ چوہے' چھپکلیاں' مکھیاں' مچھر تک ان سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ ان عقوبت گاہوں اور بندی خانوں میں سانپ' بچھو اور دیگر حشرات الارض بھی موجود ہوتے ہیں۔ اکثر ان سے لپٹ کر پڑے رہتے ہیں' ساتھ سو جاتے ہیں' سامنے سے گزر جاتے

UrduPhoto.com

ہیں تمکین کیا مجال جو کسی کو ضرر پہنچا پائیں۔ دیواریں، چھت، فرش اور سلاخیں، دروازے یہ تمام چیزیں موسس و منحوا کی بن جاتی ہیں۔ قیدی ان سے مشورے لیتا ہے اپنی بقا اور ان کی فنا ہے۔ یہ مٹی، پتھر اور لوہا لکڑی بظاہر مادہ متمکن ہیں مگر بنانے والے امر الٰہی سے انہیں مادہ مستحکم اور کبھی مادہ متحسس بھی بنا پاتے ہیں۔

جب تم نہیں ہوتے پہلو میں کیا قہر کی راتیں ہوتی ہیں
دروازوں سے ٹکرا جاتے ہیں دیواروں سے باتیں ہوتی ہیں

مجذوب جب مشاہدۂ ذات میں اترا ہوتا ہے تو وہ گم صم اندر ہی اندر کسی خاموش لیکن تیز آتش فشاں پہاڑ کی مانند چپ چاپ سلگتا رہتا ہے۔ اسے اپنے گرد و پیش کی مطلق خبر و فکر نہیں ہوتی اور اندیشہ ہائے سود و زیاں سے یکسر بے نیاز و بے نیاز ہوتا ہے اور دھیرے دھیرے قندھاری انار کی طرح پکتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی پھلاں پھلنا چھلنے لگتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ بیدار ہونے والے آتش فشاں کی مانند اس کے ظاہر و باطن میں اندر ہی اندر صدیوں سے دہکتی بھڑکتی آگ اور ابلتا ہوا لاوا زبردستی اپنا راستہ بناتا ہوا باہر نکلنا شروع ہوتا ہے۔ اس آتش بجتے ہوئے لاوے میں بھی بڑی زرخیز معدنیاتی مٹی میں سے بڑے نایاب، انمول ہیرے جواہرات، پتھر اور بڑی قیمتی دھاتیں بھی باہر نکل آتی ہیں اور یہ پتھر [illegible] ہیں۔

مشاہدۂ ذات میں اترتے ہوئے مجذوب کی جب ظاہر و باطن کی تمام تر ثنائیتیں، دوئیتیں، اضافتیں، ملاقاتیں اور کثافتیں اس کی زد میں آ جاتی ہیں اور جب وہ خوب جان جاتا ہے کہ وہ کیا ہے، کیسے ہے، کہاں ہے اور کس لئے ہے تو پھر مشاہدۂ حق میں ڈوبنے کی توفیق کا طلبگار ہوتا ہے یہ جاننے کے لئے کہ وہ کون ہے، کیسے ہے، کیوں اور کس لئے ہے؟ ذات کے دروازے سے نکلنے کے بعد اگر حق کے دروازے میں داخل ہونے کی توفیق و اعزاز مل جائے تو پھر مجذوب ہر اصول و طریق، قاعدے کلیے، ثواب و پاپ کی پابندی، وقت، زمانہ، زندگی، موت اور عنصر و مادہ کی ہر آلائش و آزمائش سے فارغ ہو جاتا ہے۔ زمان و مکان کے آگے ازلوں اور ابدوں تک اس کی نگاہ کی حدود میں ہوتے ہیں۔ اس کا رابطہ براہ راست نجف اشرف، بغداد شریف کے سلطان سے قطب دوئم، مدینہ منورہ کے بیذ آقا سے ہو جاتا ہے تبھی آپ اس ساری کارروائی سے پہلے شاہ حسین کے پیر، مرشد حضرت لعل شہباز قلندر، حضرت بوعلی قلندر، حضرت بہلول دانا اور حضرت رابعہ بصری کے مدل سکول اور حضرت اویس قرنی، حضرت بلال کے ہائی سکول کے سرٹیفکیٹ اور معیاری کارکردگی کے کاغذات حضرت داتا گنج بخش، حضرت بوعلی، حضرت معین الدین چشتی، اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، گنج شکر، حضرت مسعود گنج شکر، مخدوم علاؤالدین صابر

شیخ نظام الدین اولیاء، نصیر الدین چراغ دہلوی، سید محمد گیسو دراز، شیخ بہاؤ الدین زکریا، شیخ رکن عالم، مخدوم جہانداد، جہاں گشت شیخ جلال الدین تبریزی، حضرت سلطان باہو، حضرت عبداللہ شاہ غازی، حضرت بری امام، حضرت میاں میر سرکار، حضرت شاہ جمال، حضرت بابا کھوڑے شاہ (بہاؤ الدین جھولن بخاری) کے دفتر سے جو بھی قریب پڑتا ہو تصدیق کروانے پڑتے ہیں۔

میں سکول، مکتب اور خانقاہوں کا بھگوڑا الف پڑھا نہ بائے اور بس اپنی فرمستی اور آوارگی کی عادت سے مجبور سارا سارا دن گدھے سواری کرتا رہتا۔ تھوڑا نہ کھاتا، نہ نہاتا۔ تن کی ہوش نہ من کا توش۔ پھٹا پرانا جوتا اور رومال ٹوپی سے بے نیاز جدھر منہ اٹھا چل دیئے۔ بابا رحمت سائیں تو سالک تھے اور سائیں ٹھو سرکار مہد مادر سے ہی مجذوب تھے۔

● بے بندۂ آزاد کی زندہ کرامات.....!

شاہدرہ کے قریب ایک گاؤں میں سیدوں کا ایک گھر تھا جہاں ایک جیسی شادی اللہ والی نیک سی عورت [illegible] بھاری پتھر اٹھا کر [illegible] عورت گاؤں کی بچیوں کو قرآن پاک پڑھاتی اور سینک سلائی سکھا کر اپنا وقت پورا کرتی تھی۔ اولاد نرینہ جیسی نعمت سے محروم یہ عورت بانجھ تھی۔ خاوند بھی شریف آدمی تھا اولاد کی خواہش کے باوجود وہ راضی بہ رضا سا زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ سال چھ مہینے بعد وہ چھٹی پہ گھر بھی آتا تو کوئی ایسا خوش نہ ہوتا کہ اولاد کی جو شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ طلاق بھی نہ دیتا اور دوسری شادی کی بھی نہ سوچتا کہ فوجی آدمی گھر سے زیادہ دور ہوتا ہے دو بیویوں کو آسرا دینے کا اہل نہیں ہوتا ــــ ایک بار کہیں وہ مختصر سی چھٹی پہ گھر آیا تو بیوی نے ڈرتے جھجکتے ہوئے کہا۔

"شادی! میں نے پچھلے دنوں ایک خواب دیکھا ہے۔ ایک نورانی شکل وصورت والے بہت بوڑھے بزرگ تھکے ہارے ایک گٹھڑی اٹھائے میرے پاس آئے ہیں اسی جگہ صحن میں چارپائی پہ بیٹھ کر فرماتے ہیں کہ بچی! بہت دور سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ پھر وہ مجھے گٹھڑی کھول کر مٹی کا بنا ہوا ایک خوبصورت سا گھوڑے کا بچہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ لے یہ ٹھوٹے لے! میں وہ مٹی کا کھلونا لے لیتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ ان کی گٹھڑی میں اور بہت مٹی کے خوبصورت گھوڑے پڑے ہوئے ہیں۔ میں پوچھ لیتی ہوں کہ بابا جی! یہ چھوٹا سا ٹھو؟ مجھے کوئی اور بڑا سا گھوڑا دے دیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھو تو میں

خاص طور پر تیرے لئے لایا ہوں گھوڑے تیرے لئے نہیں ہیں۔ پھر وہ پانی طلب کرتے ہیں پانی پی کر وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور رخصت ہوتے ہوئے کہتے ہیں میرا نام شیخ حسن شاہ ہے۔ یہ تو مجھے خاص طور پر ہمارے جد امجد مخدوم سید جہانیاں جہاں گشت نے دیا ہے کہ جاؤ سکینہ بی بی کو دے آؤ۔ پھر تاکید کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اسے تم ہمارے پوتے گھوڑے شاہ جھولن بخاری کے پاس لے جانا۔ اتنا کہہ کر وہ غائب ہو گئے۔"

خاوند نے خواب سن کر کہا۔ "دکھاؤ مجھے وہ نوٹ کہاں ہے؟"

بیوی بولی۔ "نوٹ تو انہوں نے مجھے خواب میں دیا تھا حقیقت میں نہیں۔"

خاوند مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ "نیک بخت! تم بھی میری طرح ہر وقت دولت کا سوچتی رہتی ہو اس لئے تمہیں بھی میری طرح اکثر خوابوں میں نوٹ، بلوغلے اور بکریوں، گایوں کے لیلے وغیرہ دکھائی دیتے رہتے ہیں۔"

بات آئی گئی ہو گئی لیکن دو دن بعد جمعرات کے دن جب ان کا پروگرام داتا سرکار کے ہاں حاضری دینے کا بنا تو سکینہ بی بی کہنے لگی۔

"داتا سرکار کی حاضری کے بعد ذرا حضرت شاہ سرکار کے دربار بھی ہو آئیں۔" پھر وہ ایک رنگین کپڑے میں لپٹا ہوا چھوٹا سا کھلونا نکال کر دکھانے لگی بولی۔ "یہ مٹی کا نوٹ میں نے بالکل ویسا ہی بنایا ہے جیسے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔"

خاوند نے مٹی کے کھلونے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ کہنے لگا۔

"نیک بخت! اگر بنانا ہی تھا تو کم از کم کسی دھنک رنگ کا تو بناتی۔ یہ نہ تو گھوڑا دکھائی دیتا ہے اور نہ اونٹ۔ یوں لگتا ہے جیسے تم نے مٹی لے کر اتنا سیدھا جو بھی بنا بنا دیا۔"

سکینہ بی بی بولی۔ "شاہ جی! دراصل دو روز پہلے جب میں نے آپ کو اپنا خواب سنایا تھا اسی دن میرے دل میں آئی میں اسی طرح کا نوٹ بنا کر آپ کو دکھاؤں کہ اسی طرح کا نوٹ میں نے خواب دیکھا تھا۔ اب مجھے مٹی کی تلاش ہوئی سوچا کہ اتنے بڑے بزرگ نے مجھے نوٹ دیا تھا ایسا نوٹ کسی عام مٹی سے نہیں بنانا چاہئے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں ایک سو ایک مرتبہ "سورۃ تین" پڑھ کر جو آٹا گوندتی ہوں اور بعد میں آٹے کا فاتحہ پانی جس مخصوص جگہ ڈالتی ہوں کھلونا بنانے کے لئے مجھے وہیں ہی سے مٹی لینی چاہئے۔ چنانچہ میں نے اسی جگہ سے تھوڑی سی مٹی لی۔ پھر ایک سو ایک مرتبہ "سورۃ تین" سے دم کئے ہوئے پانی سے اسے گوندھا ایک سو ایک مرتبہ "سورۃ تین" پڑھتے ہوئے اسے نوٹ جیسی شکل دی تاکہ خواب والے

UrduPhoto.com

بزرگ خوش ہو جائیں۔ پھر دونوں میں دو ہزار مرتبہ یہی ذکر کر کے اسے پھونکا' قرآن کے سائے میں رکھ کر اسے لٹکایا..... بس اس طرح اٹھاتے رکھتے' پھوٹتے یہی کچھ بنا ہے۔"

جمعرات کے دن داتا سرکار سے فارغ ہو کر وہ دونوں سیدھے سادے پینڈو قسم کے میاں بیوی' گھوڑے شاہ سرکار حاضری کے لئے پہنچ گئے۔ پھول پتی' اگربتیاں' ایک تیل بھرا چراغ بھی جلایا۔ رنگین خوشبو بھرے کپڑے سے نمونہ نکال کر مزار شریف کی پائنتی قدموں میں رکھ دیا۔ سکینہ بی بی بولی۔

"سرکار! اگر وہ خواب سچا ہے تو یہ نمونہ بھی بلوبہو ویسا ہی ہے۔ مجھے جو حکم ہوا میں نے پورا کر دیا۔ اب آپ جانیں' آپ کا خدا....."

اس دن کے بعد وہ ہر جمعرات یہاں حاضری اور نمونہ بدلنا نہ بھولتی تھی۔ ٹھیک دس بارہ تین دن کے بعد جب وہ ایک جمعرات اپنے خاوند کے ساتھ یہاں آئی تو سامنے کی گور میں مٹی کا ہی بنا ہوا جیتا جاگتا' ہمکتا ہوا نمونہ تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس نمونے کی مٹی اللہ خالق و مصور کی "احسن تقویم" والی مٹی تھی۔ سکینہ بی بی یہ گول مٹول نمونہ وہیں قدموں میں ڈال کر واپس لوٹنے لگی تو خاوند نے کہا۔

"نیک بخت ایسے تو نہ کر۔"

وہ نیک بخت بولی۔ "یہ وہ امانت تھی جو امانت تھی۔ شاہ جی! سرکار چلو یہ اب اپنے گھر پہنچ چکا ہے۔"

UrduPhoto.com

- کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا.....؟

اس دن میں گھر سے سیدھا کشن کی جانب آ نکلا تھا۔ پل پہ چڑھا تو آگے مولا داد لوہے کے ٹھیلے کے پاس بہت سے لوگ جمع تھے۔ مجھے وہیں کھڑک گئی تھی کہ یہ لوگوں کا مجمع نمونہ سرکار کے گرد ہی جمع ہے..... سرکار اوپر کھڑے نیچے کھڑی چم چم چمکتی ہوئی گاڑی اور سیاہ لمبے سے انجن کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اکثر لوگوں اور بچوں نے ہاتھوں میں ٹین چڑی کے بنے ہوئے انجن اور گاڑیاں پکڑی ہوئی تھیں۔ ہر عقیدت مند کی یہ کوشش تھی کہ نمونہ سائیں اس کی گاڑی یا انجن قبول فرما لیں۔ سائیں سرکار کی گاڑیوں انجنوں سے دلچسپی دیکھ کر دو چار دوکاندار قسم کے لوگوں نے پل کے اوپر ٹین پلاسٹک کی گاڑیاں انجن بھی فروخت کرنے شروع کر دیئے ہوئے تھے۔ میں بھی پاس جا کھڑا ہوا۔ سرکار لوہے کی ریلنگ میں پاؤں پھنسائے ہوئے ریلنگ کے اوپر جھک کر لوگوں سے انجن گاڑیاں لے لے کر نیچے پھینک رہے تھے۔ جس

کی انجن گاڑی سرکار لے کر نیچے پھینک دیتے' وہ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا۔ نیچے ریلوے پلیٹ فارم پہ یہ عالم کہ قلی' مسافر' مچھیوں' چھابڑیوں والے' دکاندار' ریلوے ملازمین' آپس میں چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے اوپر سے آتے کھلونوں کو دیکھ رہے ہیں۔ جس کے ہاتھ کچھ لگ جاتا' وہ بھی خود کو خوش نصیب سمجھتا۔

یہ نیچے کھڑی ہوئی گاڑی دراصل مختلف بین الاقوامی کمپنیوں کی ایک نمائشی ٹرین تھی جو شاید کراچی کوئٹہ اور لاہور سے ہوتی ہوئی پشاور لنڈی کوتل تک جا رہی تھی۔ سے نکوز چمکتے ہوئے رنگوں والے ڈبے۔ ہر ڈبہ کسی نہ کسی کمپنی کی معلومات کے لئے مخصوص تھا۔ رنگین جھنڈیاں' قمقمے' بلبلے۔ ڈبوں پہ سجے ہوئے تھے۔ اس پہ سینما بھی تھا رات کو پلیٹ فارم پہ فلمیں بھی دکھاتے تھے۔ اس ٹرین کے دو انجن تھے۔ آگے والے انجن کی شان ہی نرالی تھی بہت ہی لمبا اور کالا شیشے کا۔ دو روز پہلے یہ مخصوص ٹرین دور پہنچی تھی۔ اس کے پہنچنے سے پہلے اس کی خوب پبلسٹی ہوئی تھی۔ انگریزی سینما' انعامات' چائے سگریٹ' مفت تصویر کھینچنے کی ترغیب اور بہت سی دلچسپیوں کی وجہ سے پورا پلیٹ فارم کھچا کھچ لوگوں سے بھرا ہوا تھا جس میں مسافر کم اور تماش بین زیادہ تھے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ گاڑیاں اور انجن ٹھوس سرکاری کمزوری تھے۔ [illegible] کا [illegible] دیتا تھا کہ وہ پہروں سٹیشن پہ پہنچ کر ان سے دیدہ فائدے میں کر رہے یا یوں کہہ لیں کہ مجذوب کی اپنی موج ہوتی ہے۔ نیچے سے گزرنے والی گاڑی کے انجن کا ڈرائیور اس پل کے نیچے پہنچتے ہی وسل بجا کر ٹھوس سائیں کو خراج سلامی پیش کرتا۔ سائیں کا کار موجود ہوں یا نہ ہوں مگر سلامی پیش کرنا ایک روایت یا روٹین بن چکی تھی۔ اس زمانے میں گاڑیوں کے ڈرائیور' گارڈ' سٹیشن ماسٹر' انجینئر وغیرہ اینگلو انڈین دکھائی دیتے تھے۔ یہ ملازمتیں بڑی اونچی اور عزت والی سمجھی جاتی تھیں۔ مسلمان اکثر ان سے نیچے ملازمتوں پہ مطمئن ہوتے تھے یا پھر کوئی اعلیٰ کارکردگی کے صلے میں ترقی کر کے ڈرائیور یا گارڈ' چھوٹا سٹیشن ماسٹر بن جاتا تھا لیکن ٹھوس سرکاری سلامی اور عقیدت و عزت کے معاملے میں انگریز' اینگلو انڈین' ہندو' سکھ' عیسائی' مسلمان سب ہی ایک تھے۔ ان سب کا پختہ یقین تھا کہ سائیں سرکاری خوشی اور اجازت' مرضی کے بغیر اس سٹیشن سے کوئی گاڑی' انجن وغیرہ نہ تو جا سکتا ہے اور نہ ہی آ سکتا ہے۔ بے شمار واقعات اس ضمن میں ظہور پذیر ہو چکے تھے اور آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ سائیں کی شٹنگ یارڈ' ورکشاپ' لائف یارڈ میں گھومتے رہتے۔ نیچے والے بڑے ان کے آگے پیچھے ہوتے اور یہ سب سے بے نیاز کسی بھی ڈبے' بوگی یا انجن پہ چڑھ کر بیٹھ جاتے یا سو جاتے اب کسی کی کیا مجال کہ وہ ڈبہ یا انجن وہاں سے ہل جائے۔ جب تک سرکار موجود ہیں سب کھڑے بیٹھے انتظار کر رہے ہیں یا پھر خود ہی اٹھ کر انجن کا وسل بجا دیتے یا لیور گھما دیتے اور منہ سے چھک چھک کی

UrduPhoto.com

آوازیں نکالتے' مقصد یہ ہوتا کہ چلو انجن سنارت کرو۔ دل چاہتا تو پائیدان پہ لٹک کر "ہوئے" لیتے رہتے۔ چلتے انجن پہ ہولی سے اتر اور چڑھ بھی جاتے اور اس کے ڈرائیور کچھ کہے یا نہ کہے انجن خود ہی اترتے چڑھتے وقت دھیما ہو جاتا۔ کئی بار ایسا بھی دیکھنے کو ملا کہ سرکار کھڑے انجن کو "چھک چھک" کہتے ہوئے ٹھپے مارنے لگتے ہیں اور وہ بغیر کسی پریشر اور ڈرائیور کے سرکنے لگتا ہے۔ منہ پہ مٹھی رکھ کر "کوں کوں" کی آوازیں نکالتے ہیں تو انجن کا وسل بھی بجنے لگتا ہے۔

اس دن انٹرسٹی ٹرین کے موقع پہ بھی ایک ایسا ہی واقعہ ظہور میں آیا۔ پل پہ کھڑے کھڑے نہ جانے جی میں کیا آئی کہ لوگوں کے درمیان میں سے رستہ نکال کر نیچے پلیٹ فارم پہ آ گئے۔ تماشائی زیادہ تھے جو صرف اس ٹرین کی روانگی دیکھنے سٹیشن پہ آئے تھے اور سائیں سرکار سے واقف نہ تھے۔ سائیں سرکار سیدھے انجن کی جانب بڑھ آئے۔ بڑی دلچسپی اور محویت سے اس لمبے چوڑے خوبصورت انجن کو دیکھنے لگے۔ کبھی آگے کبھی پیچھے۔ کبھی ہاتھ لگا کر دیکھتے اور کبھی مسکرا کر تالیاں بجاتے۔ پھر اچانک اگلے پائیدان پہ پاؤں ٹکا کر اوپر چڑھ گئے اور بوائلر کے اردگرد گھومنے لگے۔ کچھ دیر بعد پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے اور عقیدت مندوں کا ہجوم بھی وہیں رکھ گیا۔ ڈرائیور بھی ہمیں ٹرین نے جرنیلی سڑک کی طرف روانہ ہونا تھا۔ ڈرائیور نے ہارن کا بٹن دبایا۔ مسلسل ہارن کی آواز سن کر سٹیشن چھوڑنے میں دس پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اینگلو انڈین ڈرائیور بڑی رعونت سے کیبن سے نکل کر ساتھ ساتھ فٹ بورڈ پہ چلتا ہوا آگے انجن کے نزدیک تک آیا اور سائیں سرکار سے کہا

"بابا! اب اتر جاؤ۔ گاڑی چلنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔"

سائیں سرکار نے بھلا کہاں کسی کی سنی تھی جو اس کی بات بھی سنتے۔ وہ ہمیشہ کی طرح بے نیازی سے ٹانگیں ہلاتے ہوئے اپنے آپ میں گم تھے۔ پاس کھڑے ہجوم میں سے ایک بزرگ بولے۔

"ڈرائیور صاحب! سائیں جی اپنی مرضی سے اترتے ہیں۔ ذرا صبر کرو انہوں نے سن لیا ہے۔"

ادھر اینگلو انڈین کا رنگ بھی چلنے کی تیاری میں تھا۔ چار پانچ منٹ پہلے وہ پوری ٹرین کو چیک کرتا ہوا انجن کی جانب آیا تو انجن کے پاس لوگوں کا ہجوم دیکھ کر ٹھٹکا۔ آگے بڑھ کر دیکھا کہ ایک ننگ دھڑنگ فقیر آگے لمبے کے پاس پاؤں لٹکائے انجن پہ بیٹھا ہے اور لوگ پاس کھڑے عقیدت سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ وہ بدمغز و اینگلو انڈین اس انٹرسٹی ٹرین کا گارڈ خوبصورت بے ٹیپ یونیفارم پر پہنے بغل میں سرخ جھنڈی' شولڈر بیلٹ میں لٹکی ہوئی چمکتی سی وسل لٹکائے ہوئے غصے سے لوگوں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھا۔ ایک نفرت بھری نگاہ سے سائیں سرکار کو دیکھا' پھر لوگوں کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

UrduPhoto.com

"یہ بابا کون ہے اس کو انجن سے نیچے اتارو..." پھر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایک منٹ کے بعد گاڑی روانہ ہو جائے گی... چلو جلدی جلدی اس کو اتارو"

اس سے پیشتر کہ کوئی جواب دیتا وہ ڈرائیور کے پاس پہنچ گیا۔ اس سے کچھ بات کر کے وہ واپس اپنے کیبن کی جانب جا رہا تھا۔ ٹھیک ایک بج کر تیس منٹ پہ گارڈ نے پہلا وسل بجایا۔ ڈرائیور نے بھی جواب میں سائیں سرکار کی جانب دیکھتے ہوئے وسل بجایا مگر وہاں سننے والا کون تھا؟... گارڈ نے سیٹی وسل کے ساتھ ہری جھنڈی بھی لہرائی۔ اب ڈرائیور کے ذہن میں یہ تھا کہ وسل بجاتے ہی یہ فقیر بابا چھلانگ لگا کر اتر جائے گا مگر وہاں تو کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ تیسری چوتھی وسل پہ جب گاڑی نہ سرکی تو گارڈ غصے سے دانت پیستے ہوئے انجن کی جانب دیکھتے ہوئے پھر ایک بار وسل بجا کر جھنڈی لہرانے لگا۔ اب ڈرائیور نے بریکیں کھول کر [illegible] والی بات تھی۔ انجن جیسے پاؤں میں جڑیں اتارے ہوئے تھا ہوا کھڑا تھا۔ سلم تیج چیک کیا۔ بریک پریشر سب چیزیں مکمل آلے درست مگر انجن حرکت کرنے سے عاجز تھا۔ گارڈ غصے میں ہڑبڑاتا ہوا انجن کی جانب آیا۔ ڈرائیور نے بتایا کہ انجن حرکت نہیں کر رہا۔ ہر چیز ٹھیک ہے سمجھ نہیں آ رہی کہ انجن کو کیا ہوا؟... گارڈ نیچے اترتے ہوئے بولا۔

"تم بابا کو اتارو میں سائیں سرکار کو رپورٹ کرتا ہوں"

ڈرائیور پھر آگے آیا اور بولا۔ "بابا! نیچے اتر جاؤ ہم جانا مانگتا ہے... گاڑی پانچ منٹ لیٹ ہو گیا ہے۔"

گارڈ جلدی دو تین مکینکوں کو ساتھ لے کر پہنچ چکا تھا۔ مکینکوں نے جب ٹھو سرکار کو آگے بیٹھے ہوئے دیکھا تو مسکرا کر گارڈ سے کہنے لگے۔

"صاحب! یہ سائیں بابا جب تک اجازت نہ دیں گے اور اتریں گے نہیں تب تک یہ گاڑی نہیں چلے گی....."

گاڑی کو لیٹ دیکھ کر گاڑی کے ساتھ سفر کرنے والے دیگر ذمہ دار افراد بھی آگے انجن کے پاس پہنچ آئے تھے اور حیرت سے سائیں سرکار کو دیکھ رہے تھے... گارڈ اور ڈرائیور مکینکوں کی یہ بات سن کر غصے سے لال پیلے ہو گئے اور لگے دھمکیاں دینے کہ وہ ان کی رپورٹ کریں گے۔ مکینک یہ دھمکی سن کر اوپر چڑھ گئے۔ ڈرائیور اور گارڈ کو ایک ایک چیز چیک کروائی اور کہا۔

"صاحب! ماؤ یہ ندا تو یہ انجن اس وقت تک ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا جب تک ٹھو سرکار اس کے اوپر موجود ہیں....."

UrduPhoto.com

گارڈ پاؤں پٹختا ہوا نیچے اترا اور اسٹیشن ماسٹر کے دفتر میں چلا گیا۔ اس نے بات کی اور وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ اسٹیشن ماسٹر یہ کہتا ہوا اس کے ساتھ انجن تک چلا آیا کہ میں سائیں سرکار سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ نیچے اتر آئیں اور گاڑی روانہ ہونے کی اجازت دیں۔ اس نے آتے ہی پہلے سلام کیا اور پھر پاس کھڑے ایک لڑکے سے ایک کھلونا گاڑی لے کر سائیں سرکار کو پیش کرتے ہوئے نیچے تشریف لانے کی درخواست کی۔ اللہ کا کرنا ہوا کہ سائیں سرکار نے کھلونا تھام کر نیچے چھلانگ لگا دی اور پھر کیا ہوا؟ ڈرائیور اور اس کے دونوں معاون نیچے گارڈ اور سائیں سرکار کے پاس کھڑے تھے انجن کا کیبن خالی تھا۔ سائیں جی کے اترتے ہی خود بخود وہ سیٹی بج اٹھا جیسے کوئی تار کھینچ کر روانہ ہونے کی آخری اطلاع دے رہا ہو۔ گارڈ، ڈرائیور اور دیگر لوگ جو سائیں سرکار سے واقف نہیں تھے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ڈرائیور کے پیروں کو چھوتے ہی انجن نے اٹھارہ انجن جیسے چنگھاڑیاں چھوڑتے ہوئے اک مہیب سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ تیزی سے گھوم گئے۔

یہ ایک الگ کہانی ہے کہ وہ گارڈ بعد میں مسلمان ہو گیا اور ریلوے کی نوکری چھوڑ کر سائیں سرکار کی نوکری میں لگ گیا۔ یہ ساری کتھا کہانی بتانے کا مقصد یہ تھا کہ جو خود کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں اللہ ہر چیز پر ان کا اختیار دے دیتا ہے۔ یہ کیا یہ ہے کہ مجذوب کی ہر بات کا مطلب اس کے منہ سے نکل ہی جاتا ہے۔ یہاں ایک مجذوب تھا اور اس کی ہر نصیحت و ہدایت پر بھی اس کی کرامت تھی کہ کھیتی کے مسئلے میں خان کی تجوری والے واقعہ میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ تو لوح کے موکلات کی واردات تھی اور اس واردات میں میری کسی مرضی کو دخل نہیں تھا لیکن یہ میرے ادراک میں تھا کہ ایسا ہو گا۔

- ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب.....!

یہ پراسرار علوم کی دنیا بھی بڑی عجیب و غریب دنیا ہے۔ دیگر قریب قریب تمام علوم کے برعکس ان مخفی علوم کا کوئی منطقی انجام مقرر نہیں ہوتا۔ کوئی اصول، کوئی قانون، طور طریق نہیں ہوتا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے کہ ان علوم کے عامل اور عالم حیران و ششدر رہنا بھول چکے ہوتے ہیں۔ ان کے روبرو کوئی سیدھا اور منتخب شدہ راستہ نہیں ہوتا۔ وہ دونوں میں ان دونیاں اور ان دونوں میں دونیاں کا لئے رہتے ہیں۔ ان کے ہاں کسی خیال، سوچ، ارادے، عمل اور انجام کی کوئی ضد نہیں ہوتی۔ یہ لوگ خوبصورت پرندوں کے جہاں میں کالے کوؤں کی طرح ہوتے ہیں جو "کیا کیا" اور "کیوں کیوں" کرتے رہتے ہیں۔

UrduPhoto.com

مجھ کالے پربت کے کاگا کے سنگ مجھی کے بھوہو سا کرکا یہ کالا یعنی مصطفےٰ علی خان دوسرے روز علی الصبح حسب پروگرام اباجل کے آنسو یعنی الوری کے فیروزے کی کھوج میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ گھڑی کوچ کے ذریعے ہم پہلے احمد آباد پہنچے وہاں ایک آدھ روز ان کی خالہ کے ہاں قیام کیا۔ رنگی بازار اور جواہر مارکیٹ کی ایک ایک جگہ چھان مارنی مگر کوئی مقصود ہاتھ نہ آیا۔ رات ٹرین پکڑی صبح اجمیر شریف اتر آئے۔ خواجہ غریب نواز کی چوکھٹ پہ بیٹھنے اور اسے تھامنے کا لطف و مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ پشتینی مجاوروں اور سجادہ نشینوں سے پرانی یاد اللہ ہے اور یہ سلسلہ خاندان یہاں بڑا بااثر اور ثروت و حیثیت والا ہے۔ باشرکت غیرے یہ اس علاقہ اور گرد و نواح میں باوقار اور بااختیار لوگ ہیں۔ میرے قیام و طعام کا انتظام مولوی وجاہت علی صاحب کی حویلی میں رہتا تھا۔ یہ مولوی صاحب بھی میرے چاہنے والوں میں سے ایک نایاب سی چیز کی حیثیت رکھتے تھے۔ بے حد مرنجاں مرنج اور زود حس۔ تینوں چہرہ بیویاں یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں جو اپنے اپنے گھروں میں تھیں۔ مولوی صاحب دربار پہ منعقد ہونے والی قوالیوں کے مہتمم تھے اور بغلی ضمنی کاروبار کے طور پہ پان میں کھانے والا قوام بنایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ پان اور قوام چبانے کے شوقین بھی تھے۔ یہ قوام وغیرہ اسی حویلی میں تیار ہوتا تھا۔ [illegible] کی خوشبو رچی بسی رہتی ہو تب کوئی چیز بو سے متنفر ہونے کے باوجود بھی لگتی اور خاص طور پہ سو کر جاگنے سے تو مشام جاں تازہ ہو جاتی۔ کافی دیر تک ایک خمار سا چھایا رہتا۔ اجمیر شریف پہنچ کر مولوی وجاہت علی کی حویلی میں ایک بار رک جانے کے بعد یہاں سے ہٹنا بڑا مشکل ہو جاتا۔ فکر کے علاوہ وہاں کے سحر کا کھانا بھی انتہائی مزیدار ہوتا اور دیسی دال تو لازماً ہوتی۔ کئی بار احساس ہوا کہ جیسے اسے بھی قوام کا بگھار لگایا جاتا ہے۔ ان سے بھی میرے مخلصانہ تعلقات کی بنیادی وجہ میرا یہی شوق خانہ خراب تھا۔ درگاہ شریف سے فارغ ہونے کے بعد میں نے مولوی صاحب کو بتا دیا تھا کہ حاضری کے علاوہ میرا یہاں پہنچنے کا دوسرا مقصد کیا ہے؟ دوسرے روز ہم تینوں اجمیر کے بازاروں میں نکل گئے۔ یہاں جواہرات اور صنعتی عمارتی قیمتی پتھروں کی بہت بڑی مارکیٹ ہے اور یہاں سے بھی بڑی مارکیٹ جے پور اور جودھ پور ہے اور ان سے بھی بڑی مارکیٹ بمبئی ہے اور اسی بمبئی سے ہم فیروزے کی تلاش میں ادھر آئے تھے۔ گلیوں بازاروں دوکانوں اور مارکیٹوں میں تجسس خواری کے بعد ہم تینوں لنڈورے بے نیل و مرام واپس لوٹ آئے کہ وہ ذرا یاب ذرۂ آفتاب صد پردۂ حجاب اور دراز لا جواب کہیں سے دستیاب نہ ہوا۔ ایک آدھ دانہ دکھائی بھی پڑا تو وہ پلپلا تھا رنگ پکڑ چکا تھا جبکہ ہمیں کچا اور از قسم اباجل کا آنسو چاہئے تھا۔ رات موتی مسجد میں

UrduPhoto.com

نماز ظہر کے بعد سیٹھ مصطفےٰ علی خان کہنے لگا کہ صاحب کچھ تو کل جمعرات کا روز ہے نیاز پکوا کر بابا کی فاتحہ دلوا دیتے ہیں۔

دوسرے دن صبح ہی صبح مولوی وجاہت علی صاحب نے خواجہ غریب نواز کی چھوٹی دیگ کا سامان خرید کر باورچیوں کے سپرد کر دیا ہوا تھا۔ جمعرات کے روز تو اضافی رونق اور برکت ہوتی ہے زائرین کی آمد و رفت میں بھی بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ جھک مٹکے مختار نہ جانے کہاں کہاں سے چلے آتے ہیں۔ بازاروں، دوکانوں، گلی کوچوں، ہوٹلوں، سراؤں میں بنا تمیز و امتیاز مسلم و غیر مسلم زائرین کے لحاظ سے لگے ہوتے ہیں۔ وسیع و عریض درگاہ شریف کے اندر باہر ایک میلے کا سا سماں ہوتا ہے۔ اردگرد علاقوں کے مسلم غیر مسلم قبائل اور خاص طور پہ کم ذات ہندوؤں، اچھوتوں، شودروں کے ہاں کے نئے شادی شدہ جوڑوں کی آمد بھی زیادہ تر جمعرات کو ہی ہوتی ہے۔ دولہا دلہن پہلے بعد میں منڈپ سے سیدھے خواجہ غریب نواز کی چوکھٹ پہ ماتھا ٹیکنے آتے ہیں۔ پھول پتی چڑھاوا چڑھا کر تبرک لے کر گھر جاتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان بھر سے گویئے قوال گانے بجانے والیاں بھی یہاں بڑی عقیدت سے چوکی دینے اور چادر چڑھانے آتی ہیں۔ خواجہ غریب نواز کے [illegible] کا [illegible] کرتے ہیں۔ سب کو نوازتے ہیں [illegible] نوازتے ہیں۔

UrduPhoto.com

میں اور مصطفےٰ علی خان ظہر کی نماز سے پہلے پہلے ہی نیاز و فاتحہ سے فارغ ہو چکے تھے اور اپنے معمول کے مطابق موتی مسجد کے باہر جو مزار شریف کی بغل میں دائیں طرف واقع ہے اپنی مخصوص جگہ پہ نماز کے لئے بیٹھ چکے تھے۔ اذان میں ابھی ذرا سی دیر تھی۔ مصطفےٰ علی خان نے بڑی دھیرج سے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"خان صاحب! آپ کو تو یاد ہی ہوگا کہ آپ نے ممبئی میں مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اجمیر شریف، موتی مسجد میں بیٹھ کر تمہیں لوح لکھنا یا تیار کرنا بتائیں گے۔ دیکھ لیجئے یہ اجمیر شریف اور موتی مسجد کا موقع محل ہی ہے۔"

میں بڑی تجزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہو سکتا ہے میں نے ایسا کچھ مذاق مذاق یا تمہیں ٹالنے کے لئے کہہ دیا ہو مگر حد ہے کہ تم ابھی تک لوح کی لکیر کو پیٹنا نہیں بھولے۔ اللہ کے بندے! کم از کم یہاں تو اس قسم کی دنیاداری کی باتیں نہ کرو۔" پھر میں نے دھیرے سے اس کا زانو دباتے ہوئے کہا۔ "خواجہ پیا برا مان جائیں گے۔۔۔"

وہ میری بات کے نہلے پہ دہلا مارتے ہوئے کہنے لگا۔

"مگر آپ بھی تو لوح کے کھیلنے کے سمندر میں یہاں آئے ہیں۔"

میں نے اس کی دلیل سے زچ ہو کر بات بناتے ہوئے کہا۔

"میں اس لوح کو اندر کی مخلوق کی بہتری اور اچھائی کے لئے ہی دوبارہ متحرک بنانے کی کوشش میں ہوں۔ اس کا کھویا ہوا بیٹل کا آنسو دوبارہ اپنی جگہ پہنچ جانے سے صدیوں پرانے تاریخی اسرار اور اس وقت کے معلوم ماہرین شخصیات، ہیئت، سرپات اور اواحات کی انداز طور طریق اور عمل و فکر کو جاننے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اگر تم نہیں جانتے تو جان لو کہ طلوع اسلام سے پہلے مصریوں، بابلیوں، اسیریوں، یہودیوں، عبرانیوں، فارسیوں، کلدانیوں، یونانیوں اور مصریوں، عربوں کی قدیم تہذیبیں موجود تھیں اور وہ اس وقت بھی ارضی، سماوی، افلاکی اور مختلف علوم میں ہم سے کئی ہزار سال اس وقت کی سائنسی معراج کے سنہری دور سے بھی کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ آج سے صدیوں پہلے ہی انہوں نے اصول علم و حکمت کی کتابیں، الواح، تصویرات، قواعد، قانون، کلیے، نظریے، مقالے، ارضی شخصیتیں، فلکیاتی تصویریں، جنتریاں، زرد، سیارے، ستاروں کے نقشے، بحر، مسافت، راستے، گھر، پولیس اور کیلنڈر وغیرہ اتنے قابل رشک ہر لحاظ سے زیادہ [illegible] تھے۔ [illegible] علم و حکمت اور نظریے [illegible] آج ہم ان کی کتابوں، ان کی تہذیبوں، ان کی زندگی، ان کی حیات، ان کے انتظام، طریقہ سے استفادہ نہیں کر رہے؟ یورپ، امریکا اور روس کی لائبریریوں، یونیورسٹیوں اور تجربہ گاہوں میں آج ان دانشوروں، محققوں، ہیئت دانوں، ریاضی دانوں، حکمت و کیمیا گروں، علم تقویم، علم افلاک کے ماہروں اور [illegible] کی کتابیں، اسپیسیں، اوصیں، سیخیے، تجربے، نظریے اور مقالے اٹھا اور نکال لئے جائیں تو ان کی لائبریریوں میں شراب، ہوس، لیڈی، بیچ لے اور شیلپیئر، آسکر وائلڈ، کیٹس، بائرن کی کتابیں بچیں اور یونیورسٹیوں میں گھوڑوں کے اصطبل کھل جائیں۔"

سیٹھ مصطفیٰ علی خان ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگا۔

"مائی باپ! مجھ نادان، کم عقل، جاہل سے غلطی ہو گئی جو لوح کی بات کر بیٹھا۔" پھر وہ اپنے کانوں کی لوؤں کو چھوتے ہوئے بولا۔ "میری توبہ، توبہ النصوح" کہ میں کبھی اپنی زبان سے لوح کے بارے میں کوئی لفظ نکالوں۔" میں نے لوح کا لفظ سنتے ہی کہا کہ آپ نے تو دنیا بھر کے علوم، تاریخ، اسرار، علم اور بڑی بڑی شخصیات اور ایسے مشکل مشکل نام جو میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ سنے ہیں۔ بتانے شروع کر دیئے ہیں۔ میرا خیال ہے شاید آپ کو یاد نہیں رہا کہ آپ اس وقت نماز کے لئے موتی مسجد کے باہر بیٹھے ہیں۔" پھر وہ دائیں بائیں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "توبہ توبہ! آپ کی باتوں

کے گنجلکوں اور سحر میں پھنس کر انسان اگر پاگل نہیں تو کسی حد تک ذہنی طور پہ کھسک ضرور جاتا ہے۔"

میں نے بھنا کر جواب دیا۔ "تم نے بھی تو اسی جگہ لوگ کی بات کی ہے!" میں نے ذرا تفصیل اور تمہید سے بات کر دی تاکہ لوگ اور اس کے متعلقہ علوم اپنے تمام تر پس منظر اور سیاق و سباق کے ساتھ اگر تمہارے علم میں آ جائیں تو اس میں کیا برائی ہے؟"

بھلا ہو کنجر کا کہ اس نے تمہید شروع کر دی ورنہ ہم دونوں نے کہیں آپس میں سینگ پھنسا ہی لئے تھے۔ نماز ظہر ختم ہوئی تو قوالوں کے طبلچی نے کھرن پہ تھپکی جما دی۔ راجستھان کا علاقہ بھی رنگ راجستھانی مٹی کی مانند بڑا گمبھیر اور پُراسرار ہے۔ یہاں کے لوگ جفاکش بہادر اپنی قدیمی صحرائی روایات پہ فخر کرنے اور انہیں زندہ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی حس مزاح بڑی تیکھی ہوتی ہے۔ پیار و محبت کے متوالے چاہت کی دھیمی دھیمی آنچ میں سلگنے والے [illegible] اور رتوں کی دل آویزیاں ان کی اٹھکیلیاں کرتیں پھر پچھلے اور جبر محسوس کرنا انہیں سہنا برداشت کرنا اور ان سے پیار کرنا کوئی ان سے سیکھے۔ اپنے مویشیوں خاص طور پہ اونٹوں اور ہتھیاروں سے یہ عشق کرتے ہیں۔ رنگت کی ملاحت میں نقش کی تیکھی زرکاری اور موسیقی کی بلاغت و صراحت ان کی فطری طور پہ وراثت ہوتی ہے۔ اس علاقے کے رہنے والے کا خواہ کسی بھی مذہب و مسلک سے تعلق ہو خواہ اپنے مذہب اور عقیدت و محبت رکھتا ہو گا۔ ہندو سکھ عیسائی کوئی بھی جو درگاہ شریف کے پاس سے گزرتا ہے عقیدت سے جھک کر پہلے سلام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے۔ کوئی کاروبار کوئی معاملہ سفر شادی بیاہ سیاحت مجھوتا خواجہ پیا کی آشیرباد منت حاضری نذر و نیاز [illegible] کے لئے اکثر جمعرات کا روز ہی مناسب یا مقدس سمجھا جاتا ہے۔ ایشیا ہی نہیں بلکہ دنیا بھر سے عقیدت مند آتے ہیں اور اپنی اپنی حرز و توفیق کے مطابق نذر نیاز کرتے ہیں۔ چھوٹی اور بڑی دیگیں چڑھی رہتی ہیں۔ بلاشبہ سینکڑوں من لنگر پکتا ہے اور ہزاروں زائرین اور مسافروں محتاجوں میں بٹتا ہے۔

نذر نیاز اور نماز سے فارغ ہو کر اب ہم دونوں قوالی پنڈال کی جانب اٹھ آئے تھے۔ عرس کے دنوں میں ملک بھر سے قوال پارٹیاں یہاں حاضری دیتی ہیں مگر عام دنوں میں مقامی درباری قوال اور گردونواح کے چھوٹے موٹے گانے بجانے والے ہی اکثر بیٹھے ہوئے ملتے ہیں۔ ان میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ہوتے ہیں بلکہ جمعرات کے علاوہ باقی دنوں میں یہی ہوتے ہیں۔ ان میں شاذ ہی کوئی قوال پارٹی اپنے چہرے مہرے لباس ساز و سامان فن حسن کلام اور ضروری افراد سے مکمل یا آراستہ ہوتی ہو ورنہ اکثر چھوٹے موٹے گویئے راگی غریب غربے پھٹی دھوتی بے سُرے باجے اور کھڑتالوں والے ہی

ہوتے ہیں۔ یہاں میں نے تین چار افراد پہ مشتمل قوالی پارٹیاں بھی دیکھی ہیں ان میں بھی ایک آدھ بچہ ہوتا۔ قوالی پنڈال میں ہم اپنی مخصوص جگہ پہ بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب چونکہ قوالی پنڈال کے منتظم تھے اور بنفس نفیس وہاں موجود ہوتے تھے لہٰذا ہمیں بھی ان کے ساتھ جڑ کر بیٹھنا پڑا۔ میں نے بیٹھتے ہی قوالوں کے لئے بچی نذر مولوی صاحب ہی کے ہاتھوں منت کرتے ہوئے قوالوں کے پاس پہنچا کر ایک نظر قوالوں کو دیکھا۔ میرے خدا یہ کیا؟ میں دیدے پھاڑے دیکھنے لگا۔ زیادہ سے زیادہ آٹھ نو برس کا ایک گھونسا ہوا سا لونڈا ایک چھوٹے سے خستہ حال باجے پہ بڑی مشاقی اور پھرتی سے کافی کلاری کی سوا کوں سی انگلیاں چلا رہا تھا اور دائیں ہاتھ پہ پندرہ سولہ کا سن لئے ایک سیاہ سی لڑکی ایسی کافی شاکالی کہ شب تار آ کر دیکھ لے تو مارے رشک کے جل بھن کر کوئلہ ہو جائے۔ دھانی رنگت کی پھٹیا اوڑھے کافی گھنا سی زلفوں کا ایک انبار وہ سنی پھٹ پھٹ دولکی کی مہارت سے کھٹک بجا رہی تھی۔

قدرت کے بھید بھی کیا عجب ہیں کہ کوئی چیز جس صورت کی صاحب ذوق و دل کو مسرت کر سکتی ہے تو وہ مرقع اور طبع پہ کسی صاحب فن کا اظہار فن ہے۔ ان آلات ضرب و نغمہ سے چیخ چیخ کر کرنے والا اگر صاحب سیرت و صورت بھی ہو تو قیامت سے پہلے قیامت کی ذلت بن جاتی ہے۔ میں اکثر ایسی کیفیات سے [illegible] تو ماشاء اللہ کر سبحان اللہ صرف چند ایک بار ہی کہا ہوگا۔ اللہ رکھا استاد ذاکر حسین استاد شوکت استاد قادری اور اس دور کے جادو کر طبلہ نواز استاد [illegible] مدت سے سبحان اللہ کہنے والے عظیم فنکار ہیں۔ ممبئی میں شکیل بانو بھوپالی کے ہاں بھوپال کا ایک بھی سنا اور دیکھا پھر لاہور کے کسی میں جشن بہاراں کے موقع پہ روشن آرا بیگم سے ان کا ایجاد کیا ہوا ایک راگ "زرتاش" سنا تھا۔ غیر وزنی مردوم کیپٹن تھے ایک نقلے سے فنکار نے طبلہ پہ نشست کی تھی۔ روشن آرا مرحومہ کو بہت سنا تھا مگر اس رات تھے آسمان کے شامیانے تلے اس کے برستے موتیوں کی بوچھاڑ میں اس طبلے والے اور اس کے فن کو دیکھا سنا اور خوب سبحان اللہ کہا۔

● راجستھان کا کالا ایلم.....!

وہ کاٹھیاوری لڑکی سیاہ چندن کے کاٹھ کا تراشا ہوا ایک مجسمہ سی لگ رہی تھی۔ میں کئی مہینوں سے ساکت تھے اس کے سر پہ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ جھکا ہوا سر، دائیں ٹانگ تلے زانو اور پنڈلی کے درمیان

اس نے ڈھولک پکڑ رکھی تھی۔ یہ بھی ڈھولک یا ڈھول بجانے کا ایک خوبصورت سا انداز ہوتا ہے اس طرح ڈھولک پہ پوری طرح گرفت رہتی ہے بے جا آگے نکلنا نہیں پڑتا۔ ڈھالی اور ڈھلی پیشانی سے آگے آنکھوں تک پڑی ہوئی تھی جیسے اس نے اپنی صورت کو قدرے لگانے کا جتن کیا ہوا ہو۔ لڑکے اور لڑکی کے درمیان پیچھے ایک بڑے سے مرد کا پیچ جیسا کا کچھ بجا رہا تھا۔ بس یہ دو یا ہوا ہو اثر ہوا میں اس کالی کلوٹی پرا ساری لڑکی کے ڈھولک بجانے کے اس دلفریب سے انگ میں ایسا مگن اور مسحور ہوا کہ مجھے "سبحان اللہ" کہنا بھی یاد نہ رہا۔ قوالی کے موقعوں پہ اپنے حال یا ایسی ہی کچھ حرکتیں اکثر دیکھنے کو ملتی ہیں کہ کسی شعر کا مضمون لے رحم کے آنکھی جا دیپ کا گانے والے کے انداز آواز کے اثر سے سامعین میں کچھ ایک بے خود سے ہو جاتے ہیں ان میں اکثر ڈرامہ کرتے ہیں اور کچھ واقعی ایسے ہو جاتے ہیں اور پھر ایسی دیکھی اور تجربے بھی سامنے آتے ہیں۔ قوالی ایسے موقعوں کی تاک میں ہوتے ہیں خوب لوگوں کو جذب و حال میں لا کر پیسے کماتے ہیں۔ میں بھی چھوٹی بڑی ریزگاری ہاتھ میں پکڑے ہوئے اس لڑکی کے سر پہ نظر ادھیرے دھیرے نچھاور کر رہا تھا جبکہ میں عام حالات میں ایسا کرنا پسند نہیں کرتا لیکن میری توجہ ہی ساری گئی تھی۔ کالا رنگ میری کمزوری اور طاقت دونوں کیفیتوں میں ہے۔ اس کالی کستوری کے [illegible] ساتھ کھڑے پیچھے نچھاور کر رہے تھے

مہاراج مورے خواجہ غریب نواج

بگڑے بنا دو سارے کاج مورے

خواجہ غریب نواج .....!"

بڑا کالا اور پیچھے معصوم بچہ دونوں کے پیچھا پیچھا کر بار بار یہی تکرار کر رہے تھے۔ پھر یوں ہوا جیسے کسی نے گرہ کھول دی۔ بات لڑکی کے کالے سراپے اور ڈھولک بجانے کے منفرد انداز سے شاید کہیں آگے نکل گئی تھی۔ کچھ ہوش ہی نہ رہا کہ کیا ہوں کہاں ہوں اور کیوں ہوں؟ روپے روپے والے نوٹ جو ڈھولک کے بار بار کرنے والے حسن کے ساتھ اک رحم سے انگلیوں کی گرفت سے نیچے گر رہے تھے ختم ہو گئے۔ میرا ہاتھ اندر والی جیب میں گیا اور بہت سارے نوٹ لئے ہوئے لوٹ آیا۔ چھوٹے بڑے بہت سے نوٹ جو میگھا کی مانند برس رہے تھے.....

"بگڑے بنا دو سارے کاج مورے غریب نواج

مہاراج مورے غریب نواج"

اب پتہ نہیں تھا کہ کس کے گلے سے کان بج رہے تھے؟ عرض کرتا چلوں کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ اکنی دونی چونی سے زائد کوئی کسی قوال کو نہیں دیتا تھا۔ بند چار روپے کا نوٹ قوال کے خون کی گردش تیز کر دیتا تھا۔ سیٹھ مصطفیٰ علی تو سیٹھ آدمی تھا اور میرے مزاج اور پس منظر سے خوب واقف اس نے تو مجھے روکنا مناسب نہ سمجھا اور نہ ہی اسے اتنی جرأت تھی مگر مولوی وجاہت علی کی تو آنکھیں پھٹ گئیں کہ ایک معمولی سی حیثیت کے سازندے سے اتنی بھاری رقم جو زیادہ سے زیادہ دو چار روپے کے لائق تھے سیکڑوں سے آگے ہزاروں تک پہنچ گئے ہیں۔ ان نے بڑے ڈھب اور نامحسوس طریقے سے مجھے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر دھیرے دھیرے پیچھے واپس کھینچتے ہوئے اپنی جگہ پر لے جا کر بٹھا دیا۔ اس سے پہلے کہ مولوی وجاہت علی ان قوال بچوں کو رخصت کرنے کے لئے اپنا مخصوص اشارہ دیتا وہ بیچارے بچے اتنے ڈھیر سارے نوٹ دیکھ کر بے خود ہو چکے تھے کہ ان بجاتے ہوئے کھینچنے کے وہیں بے سکت وحدت سی بیٹھی تھی۔ میں کوئی بے سدھ نہیں ہوا تھا کہ اتنی رقم کی خبر نہ رکھی ہو۔ اس پر بھی بابا کا "گڑے ہوا سارے کان" مورے گریب نواز" میں اٹک سا گیا تھا۔ کچھ لڑکی کی ڈھولک نوازی کا بہت بھاؤ اور کچھ اپنے کالے رنگ کی رسوائی کا بھی احساس ذرا بڑھ سا گیا تھا۔ درگاہ کے مقیمین خادموں کے دل پسند بھجن کیتے درگوں کی تھوڑی میں ڈال دیئے وہاں اب اک نئی لکیر جگے ہوئے رنگ کو چھوڑنے میں پیچھی تھی مگر اترے ہوئے رنگ اور پرندے کو پکڑنا اگر ایسا ہی آسان ہوتا تو کام مشکلیں مشکل نہ رہتیں۔ کسی معصوم بچے کی ضد کی مانند اب میرا مزہ دسواد بھی اچٹ سا گیا تھا لہٰذا میں اور مصطفیٰ علی دونوں قوالی پنڈال سے اٹھ کر وضو والے حوض کے کنارے لگے کیکر کے جھاڑ کے نیچے آ براجے۔ سر میں ہلکے ہلکے درد کا دھواں سا اٹھ رہا تھا اور آنکھیں یوں پھٹی پھٹی ہوئی تھیں کہ جیسے دیکھنے کا آرک دیکھنے سے ہو جاتی ہیں۔ مصطفیٰ علی اپنے زانو پہ میرا سر رکھے ہوئے دبا رہا تھا۔ مرہم دار آنکھیں بند۔ اماں کے چھدرے جھاڑ سے سورج کی کرنیں میرے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی تمازت پوری پوری پوروں کا دبا دبا مرہم سے پیٹنے والوں نے قمر رنگ اور پوربی انگ میں کوئی قلمبان باقی چھوڑی ہوئی تھی.....

"مورے رنگریجوا نے رنگ دی چنریا دھانی

نجم الدین اولیا، معین الدین خواجہ نے رنگ دی چنریا دھانی"

وہ دھانی چنریا والی ڈھولک نواز کالی شاکالی لڑکی پھر جیسے میری ناک کے بالے پہ آ بیٹھی۔ ناک کی جڑ یا بالے پہ بیٹھی روئی نکلتی دکھائی نہیں دیتی مگر محسوس بہت زیادہ ہوتی ہے۔ میں ایسے ہی بڑبڑایا۔

UrduPhoto.com

"یار مصطفیٰ! اسے بتاؤ....."

"میں کیسے بتاؤں؟ یہ تو ایسے بیٹھ گئی ہے جیسے کبھی کسی کی کوئی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے۔"

اس پتھروں کے پارکھ کی زبان سے خلاف توقع ایسی مرصع اور نکھی بات کان میں پڑی تو حیرت سے میری آنکھیں کھل گئیں۔ اب کیا دیکھا کہ وہ راجستھان کا "کالا ایلم" میرے پاؤں کے پاس بیٹھی تھی جبکہ اس کے دونوں ساتھی پیچھے سہمے سہمے سے بیٹھے پھٹی پھٹی جزبی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اب غور سے لڑکی کی جانب دیکھا۔ اس نے راجستھانی انداز میں ہلکا سا گھونگھٹ کاڑھ رکھا تھا جبکہ اس کی عمر ابھی گھونگھٹ نکالنے کی نہیں تھی۔ یہاں کچھ قبائل میں کنواری کنیائیں چھوٹا سا گھونگھٹ ضرور نکالتی ہیں اور کچھ قبائل میں پوتنا استریاں لمبا سا گھونگھٹ کراتی ہیں مگر یہ تو ایک بازری تھی۔ ذھانی اور ٹھنی کی گوٹ کے نیچے اس کے کانچ کے ٹکڑے جگمگاتے ہوئے نگینے دکھائی دے رہے۔ رنگ تو اجالوں اور روشنیوں میں کھلتے اور ابھرتے ہیں مگر رات اور رات کے اندھیرے تو زندگی اور زندہ رنگوں کے سارے تاثر کو اتار کے رکھ دیتے ہیں۔ سیاہ رنگ کے علاوہ سب ہی رنگ رنگوں کو اجالتے اور نکھارتے ہیں اور کالا رنگ ساتھ ملتے سارے رنگوں کو بھی اپنے جیسا کر لیتا ہے۔ اپنے جیسا کر لیتا ہے۔ شاید ہی میں نے پہلے کبھی ایسے ہی پیچھے سے شاید اس کے کندھوں کے اوپر سے ہاتھ بڑھا کر اس نے شانے کے گرد خوبصورت سے دبلے پتلے ہاتھ بڑھا کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔ میں یوں اچھلا جیسے وہ دو ہاتھ نہ ہوں دو کالے ناگ ہوں۔ وہ پیچھے سرکی ہوئی ہاتھ جوڑ بیٹھ گئی۔ ان بچوں نے بھی ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔ میں اب سنبھل کر بالکل سیدھا بیٹھ گیا۔ ایک نظر مصطفیٰ کی طرف دیکھا آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا کہ یہ سب کیا ہے؟ اس نے بھنے سے شانے اچکاتے ہوئے خاموشی کی زبان سے کہا میں کیا جانوں؟ ... چند لمحے یوں ہی خاموشی میں گزر گئے اچانک پیچھے سے لڑکے نے لڑکی کے کان میں کوئی سرگوشی کی تو لڑکی نے گھاگرے کے اندر سے ایک پوٹلی نکال کر میرے آگے رکھ دی اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

"مہاراج! ہم گریبوں کو اتنا ہی دیو جتنا ہم اپنی پھٹی چنریا کے کونے میں باندھ لیویں جتنا ہم ایک بکھت میں کھا لیویں۔" وہ میرے دیئے ہوئے روپوں کی پوٹلی کو کانپتے ہاتھوں سے مزید آگے میری طرف سرکاتے ہوئے بولی۔ "مہاراج! انھیں اپنے پاس ہی رکھ لیو کسی اور گریب حزورتمند کو دے دیو ہمکن اس کی حزورت ناہیں....."

بات کرتے سمے میں نے اس کی سفید دانت اور لال زبان کی نوک دیکھی۔ چھوٹا سا دہانہ اور

کھل آ مرے پیچھے کے حصے کی ، مند نشی سی شوری ۔ وہ میری نظروں کی تاب نہ لا کر گفتگو مزید گھٹا کرتے ہوئے سمٹ سی گئی ۔ میں اب بھی اسے کبھی بچوں اور کبھی روپوں کی پھولی ہوئی پوٹلی کو دیکھ رہا تھا۔ جب کچھ سمجھ نہ آیا تو یونہی پوچھ بیٹھا۔

"کیا! تمہارا نام کیا ہے ۔ ؟"

وہ کیا جواب دیتی اس کی بجائے پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے نے اپنا سوکھا حلق تر کرتے ہوئے جواب دیا۔

"مہاراج! یہ میری پتنی رکمنی ہے اور میں اس کا مرد راکھن ہوں ۔ یہ میرا چھوٹا بھیا روچھن ہے۔ ہم پانچ کوس پچھم شاہیر میں رہتے ہیں ۔ سکھرا کے راج از میر سرچھا کریب نواج آوت ہیں دو چار روز یہاں رہتے ہیں پھر کریب نواج کی آچھیا ہوتے کرا اپنے گھر واپس لوٹ جاویں ہیں۔"

میں آنکھیں پھاڑے گفتگو کرتے ہوئے رکمنی اور اس کے پیچھے چھپے ہوئے اس کے مرد راکھن کو دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے مصطفیٰ خان کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا وہ بھی دیدے نکالے پنچھلی برابر خاوند اور ہاشم کی بیوی کو تک رہا تھا۔ خیر یہ کوئی ایسے تعجب اور اچنبھے کی بات نہ تھی۔ ہندو پاکستان کی بہت سی جگہوں میں یہ انتہائی بے جوڑ بے تکی شادیاں کر دیتے ہیں یا پھر کسی مجبوری اور کوئی اشد ضرورت بھی آڑے آ جاتی ہوگی۔ تعلیم و تربیت حاصل کرنا تو ان لوگوں کے نزدیک محض وقت برباد کرنے والی بات ہوتی ہے اپنے موروثی کام دھندے ہی سیکھتے ہیں بلکہ یوں کہئے کہ سکھائے ہوتے ہیں وہی کئی پشتوں ایک ہی ڈگر پہ رواں دواں سی زندگی۔ پھر ان کے ہاں ماضی حال مستقبل یا پچھتاوا اور بڑھاپے کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے کوئی منتی ہوتے ہیں یہ صرف حال میں جیتے ہیں۔ ان میں صرف نظر ایک ہی ڈگر ڈھور ڈنگر اور مسلسل سفر ہوتے ہیں ۔ اچانک مصطفیٰ علی خان نے ایک مضحکہ خیز سا سوال داغ دیا۔

"تمہارا کوئی بچہ بچی ہے ۔ ؟"

راکھن نے بنا کسی تذبذب یا جھجھک کے ہوئے فوراً جواب دیا۔

"مہاراج! ہمارا رکمنی تو جنم سے ہی ہو گیا تھا پر ابھی رکمنی جوروان کر میرے ہاں آئی۔ ہم گاتے بجاتے ایک سنگ ہیں پر ابھی اکٹھے رہت نا ہیں ہیں۔۔۔"

یہ سوال جواب سن کر میں پانی پانی ہو رہا تھا۔ مصطفیٰ علی کو غور کر دیکھا اس کاروباری سیٹھ نے تو اپنے تئیں ایک سیدھا سادا سا سوال کیا تھا لیکن اس مکالمے سے یہ ثابت ہو گیا کہ رکمنی واقعی ایک مرد بچہ

UrduPhoto.com

ہے ۔ میرے دیئے ہوئے روپوں کی پوٹلی میرے سامنے ناقابل یقین ہوئی تھی۔ اسی ہوئی تجویز ان قسم دل اور دماغ دم ذکا دلا سا دان اور دام درمی وغیرہ کا واپس لینا شاید ممکن نہیں ہوتا اور نذر نیاز میں دیا ہوا واپس لینا تو کسی طور پہ بھی نہیں بنتا ۔ میں اس کشمکش میں تھا کہ ایسا کون سا طریقہ اختیار کروں جو یہ رقم انہیں قبول کرنے پہ آمادہ کر سکے۔ پھر یہ حیرت بھی کم نہیں ہوئی تھی کہ اس قبیل کے لوگ جن کی بسر اوقات ہی نذر نیاز انعام بخشش پہ ہوتی ہے اتنی بڑی رقم جو ان کی صدیوں کفالت کرتی واپس لوٹا رہے ہیں۔ بظاہر یہ کام ایسا آسان نہ تھا۔ یہ انداز فقیری بے نیازی اور ایسا کلیجہ جگرا یہ وہ سادہ صحرائی بنے جنہوں نے دلی بھوکے پہ پورا پورا اجمیر شریف بھی ابھی ٹھیک سے نہیں دیکھا ہوگا ایسا حوصلہ ایسی شان استغنا رکھتے ہیں ۔ میں نے چند ثانیے غور کرنے کے بعد پوٹلی کو لڑکی کی جانب سرکاتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ آپ لوگوں کا انعام ہے اور پھر یہ خواجہ غریب نواز کی سرکار ہے اگر سرکار ہی دلوا رہے اسے واپس کرنے سے توہین دربار کا ارتکاب ہو سکتا ہے لہٰذا تم یہ پوٹلی اٹھاؤ اور صرف کرو۔"

کشتوں کی گٹھڑی میں کوئی بخشش [illegible] پوٹلی کھولی [illegible] نما مرد پھر ہاتھ باندھے گویا ہوا۔

"مہاراج! سیکڑوں کا روپلی اور روپلی سے جیو دو لینے کا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔ کچھ خواجہ غریب نواز کا لنگر پرشاد جاتر پیت کے لئے ہوتا ہے زیادہ لے جاؤں گے تو پھر ادھر پاپ کرنے آویں گے ۔ ؟ ہم نے اپنا محنت مزدوری دو تین روپلی [illegible] ہے آپ نے دیالو کا بہت بہت دھنیہ باد ۔ ؟"

وہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر بیس نوائی کر رہا تھا۔ اب میں نے جیسے ایک اور بیشتر ابدال۔

"اچھا یہ تو بتاؤ راکھی! تمہارے ہاں عورتیں اپنے مردوں کے سامنے بھی یہ لمبا سا گھونگھٹ کاڑھتی ہیں یا صرف نوجوان پرائے منشوں کے لئے ہی ایسا کرتی ہیں؟"

ساتھ ہی سیٹھ مصطفیٰ علی نے بھی سوال داغ دیا۔" اور یہ بھی بتاؤ کہ وہ پرائے منشوں کے سامنے بولتی بھی ہیں یا کہ نہیں کیونکہ ہر بات کا جواب تم ہی دیتے ہو ۔ ؟"

راکھی تھوڑا سا سرک کر آگے بڑھ آیا اس کے ہاتھ ابھی تک اسی طرح جڑے ہوئے تھے یا پھر اس کی ایسی عادت سی بن گئی ہوئی تھی ویسے بھی وہاں کے کم ذاتوں اور طبقاتی ذات پات کے لحاظ سے ایسے چھوٹے لوگوں کا انداز ہی ایسا ہے۔ لجاجت عاجزی۔ سہما سہما سا رہنا حیثیت والوں کے آگے اکڑوں سر جھکا اور ہاتھ باندھ کر رکھنا آنکھ نیچی رکھ کر مختصر سا جواب دینا۔ دیہاتوں میں بھی ایسی خطرناک قسم کی

UrduPhoto.com

عادتیں پائی جاتی ہیں۔ سچ پوچھیں تو اس قسم کے لوگ ہی واحد تی کا جوہر ہیں جو اگلے لوگوں میں تاریخ کر خود جوتوں کی خاک سے لے رہتے ہیں۔ میری کمزوری سمجھ لیں کہ اپنے غیر معمولی عجیب و غریب اور چونکا دینے والے حالات اور واقعات میرے اندر ایک نامعلوم سی ایسی تشنگی پیدا کر دیتے ہیں۔ میں ظاہری و باطنی طور پر اندر سے ساکت ہو جاتا ہوں۔ مجھے کھٹک جاتی ہے کہ اب کہیں نہ کہیں کوئی غیر معمولی معاملہ واقعہ ضرور پیش ہونے والا ہے۔ لڑکے نے جواب دیا۔

"ہمیں کہ ہیں کہ جوتوں کے پیچھے کوئی رتن تن تو ہوتے ہیں جو ہم کو تھوڑی ہی دیر بعد چھپا دیں اور ہمیں ہمیں کوئی بات کی بڑی آمد ہو جاتی ہے۔" وہ لڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہماری جو رو کی مشکل وجہ ہی ایسی ہے جو وہ کھوکھلا پیتے رہتے ہے۔"

مصطفیٰ علی خان نے لڑکی کی جانب پھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیا کوئی ہو کم ہی ضرور ہے مگر ایسی خراب شکل کی بھی نہیں جو ہر سمے چیپ کی مالا جپتی رہے اور لمبا سا کھوکھلا پیتے پڑی رہے۔ ابھی یہ بالک ہے کوئی بڑی ہو رانی نہیں۔"

وہ [illegible] کہنے لگا۔ "[illegible] کا ان [illegible] کا کار روپ [illegible] ہے۔"

[illegible] ہے ہاتھ [illegible] کا [illegible] ہے ہائے ہائے [illegible] ایسا پیچھا [illegible] چھپے رادھے شیام اور رادھے کا شیام [illegible] کر دیا [illegible] موٹی موٹی بھاری پپوٹوں والی آنکھیں [illegible] کالے کوئلے کا تراشا ہوا [illegible] سامنے سے [illegible] تھی جیسے اسے [illegible] موجودگی [illegible] کھلونے سے کوئی سروکار نہ ہو۔ دونوں ابروؤں کے درمیان [illegible] ماتھے کے دونوں اطراف لٹکی ہوئی بالوں کی سینڈھیاں راجستھانی کٹار کی مانند غدار ناک اور دونوں نتھنوں میں موٹے موٹے چاندی کے بالی اور دائیں جانب کے بالی کے عین نیچے وہی میری تنگو اوٹنی کا آنسو اور کچے فیروزے کی تھی۔ [illegible] میل کچیل میں ایسی دبی پھنسی ہوئی کہ اگر میری نگاہ کی تیز تھی نہ اسے کرید نہ پاتی تو میں ہرگز اسے سوچ نہ پاتا۔ میرے اندر تو جیسے کل سے کھلبلی شروع ہو گئے تھے۔ میری نگاہیں اس معصوم کالی پری کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جس نے پاس ادب یا لحاظ کیا ہے ابھی تک آنکھ اٹھا کر ایک نظر بھی ہماری جانب نہیں دیکھا تھا۔ اس کے کان کی لوؤں سے چھدے ہوئے تھے چاندی کے لٹکے لٹکے موٹے اور اونٹ کی موچھوں کے بالوں کے کندل کرتے بھی رکھے تھے۔ راجستھان میں بالکی ہو یا عورت یہ روایتی اور قدرتی بارگاہ افریقی قبائل کی طرح بچپن سے ہی کرا دیا جاتا ہے۔

مجھے اس طرح لڑکی میں گم ضرور دیکھ کر مصطفیٰ علی خان نے ایک کنکر اٹھایا۔ کسی سوچ یا خیال میں

کھویا ہوا کوئی شخص کنکارے سے واپس آ جاتا ہے مگر کسی نے واقعات یا اپنی ذات کے کنویں میں ڈوبا ہوا شخص کسی کنکارے باہر نہیں نکلتا۔ مصطفےٰ علی خان جب اپنے کنکارے میری محویت توڑنے میں ناکام رہا تو اس نے میرے کندھے کو ذرا زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔

''خان صاحب! اب اس روپوں کی پوٹلی کا کیا کرنا ہے.... ؟''

میں نے سُنی ان سُنی کرتے ہوئے مصطفےٰ علی خان کی بات کا جواب دینے کی بجائے اُس سے کہا۔

''کیا ذرا میرے قریب ہو بیٹھو گے؟'' وہ اسی طرح سر جھکائے پتھر کی سِل ذرا آگے سرک آئی۔ میرے اور اس کے درمیان بازو بھر کا فاصلہ رہا ہوگا۔ میں نے بند آنکھیں جھپکے اس سے کہا۔

''اپنا ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور بائیں جانب دیکھو''

● کستورا بلی مسک پوٹ کی جھلک.....!

UrduPhoto.com

اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور میری جانب دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی کشیدہ پتلیاں سکڑتی، پھیلتی افقی ہو گئیں۔ حیرت لئے میرے سامنے میرے اس خیال کی تائید کر رہی تھیں جو اس کے قریب آنے سے میرے دل میں ابھر اٹھا کہ اس کال موشی دال میں کوئی چنا ضرور ہے جیسے میری چوپٹی ہوئی کبوتری چاچا اجیل نگر اور میں موصلی کا گا اور جس طرح میرے ذہن میں کسی نہ کسی درندے پرندے چرندے حشرات الارض مخلوق اجزا نباتات جمادات معدنیات نفلیات سے جبلی یا سرشتی طور پر مخاطب و مانوس ہے اور اسی طرح یہ کنیا بھی ایک کستورا بلی تھی۔ کستورا لومڑی، کستورا ہرنی، کستورا مرغی، کستورا مچھلی، کستورا کوئل، کستورا کوئل، کستورا خوش آہنگ چڑیا، کستورا ہفت رنگ تتلی، کستورا شب تاب، کستورا بلی، الغرض اسی طرح کستورا عورت بھی ہوتی ہے۔ ان سب ''کستورات'' میں تین اوصاف مشترک ہوتے ہیں۔ اول یہ کالی شاکالی ہوتی ہیں۔ دوم ان کی آنکھیں بڑی بڑی جھلمل جھلمل سکڑتی پھیلتی اور سفید افقی ہو جوت لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ سوم یہ نایاب ہوتی ہیں کسی قسمت والے کو کہیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ خفیہ علوم کے عاملین اور عالمین کے لئے یہ خاصے کی چیز اور نوری علوی علوم والوں کے لئے یہ سعد اور خیر و برکت آمیز ہوتی ہیں جبکہ سفلی اور ابلیسی استعانتوں کے حامل اور کالا علم کے معتقدین اور عاملین ان سعید سری صفات و اثرات والی مخلوق کو ابلیسی زر و جد سے اُلٹ پلٹ کر مکروہ اور منفی مقاصد و نیابت کے لئے استعمال

کرتے ہیں۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ کالا کبوتر، کبوتر، مرغا، مرغی، دال، بال، دھاگا، چرخا، کانٹا، کپڑا وغیرہ ان جنسوں کو اچھے برے دونوں طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ کو وہ کالی شاکالی عجیب و غریب سی بلی بھی یاد ہوگی جو کبھی جبل پور کی جنتا بلی کی پراسرار حویلی میں "میاؤں میاؤں" کی بجائے "می آئم می دائم" کرتی ہوئی مجھے اپنے ساتھ اندر لے گئی تھی وہ بھی ایسی ہی کستوری بلی تھی۔ بلی، کتا، گھوڑا، گدھا ان چاروں کی بصارت کے چار پردے ایسے ہی بنے ہوتے ہیں جو انسانوں کی آنکھوں پر عام طور پر پڑے ہوتے ہیں۔ غیر مرئی عنصری ہوائی آتشی اور افلاکی مخلوق ان کو دکھائی دیتی ہے۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ (غور کریں یاد کریں) اچانک بلیاں، کتے اکثر کسی نہ کسی نہ دکھائی دینے والی چیز سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ خود بخود بھونکنا، زور زور سے مختلف انداز سے بھونکنا، بلیوں کا درد بھری آواز میں رونا چیخنا اور کتوں کا بے چین ہو کر ادھر ادھر دوڑنا کائیں کائیں کرنا کچھ ایسا بے محل نہیں ہوتا اور اگر یہ چاروں جانور کستوری ہوں تو ان کی غیر معمولی بصارت کے علاوہ ان کی دیگر حسیات اور قوی قوت کی قدرتیں بھی چند ہوتی ہیں۔ یہ مادر زاد فطرت و عادت بھی کار اظہار پہ قدرت رکھتے ہیں۔ مخاطب ہوتے ہیں، اڑ اور تیر سکتے ہیں، انسان کی طرح گفتگو کر سکتے ہیں، اپنی جنت اور آواز تک بدل سکتے ہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام [illegible] اور رفیق بن کر ساتھ ساتھ رہے۔ کتنے کتابیں روایتیں قصے کہانیاں ان کے اذکار سے خالی نہیں۔ ان جانوروں نے امرِ الٰہی سے رہبری، حفاظت، رفاقت، یعنی ہر طرح سے بنی نوعِ انسان کی خدمت بجا لائی۔

وہ کتیا بھی جیسے چوکنی سی ہوتی تھی۔ مالک ہو یا جو اس کی کوئی باطنی اچھائی برائی کا مکمل ادراک ہوتا ہے مگر کوئی نہ کوئی محرومی کی مجبوری آڑے ہوتی ہے کہ وہ برملا اظہار نہیں کر پاتا۔ جیسے کسی انجانی گلی پر دو عادی چور کے روبرو اگر کوئی چھوٹا سا بچہ جو صرف گھر اور مسجد میں ہی پیسے لینے کی چوری پہ ہاتھ سیدھا کرتا رہا ہو آ جائے تو وہ دونوں ہی پہلی نظر میں ایک دوسرے کو پہچان جاتے ہیں اور آمنے سامنے اپنی اپنی "ہمزاد شیطان" ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے ہوتے ہیں بالکل ایسے ہی وہ بھی چندی چندی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "چندی چندی" اس لئے لکھا ہے کہ یہ چاروں جانور جو انسان کے بغیر نہیں رہ سکتے انہیں سورج کی کھلی روشنی میں بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ چراغوں اور قمقموں کی مانند یہ بھی روشنی سے بیزار ہیں یا پھر کا پاپ اگر ساتھ نہ ہو تو یہ سب ہی پکاروں اور ابابیلوں کی مانند سورج کی چکا چوند روشنی کے نرمی کے لہجے میں تبدیل ہونے تک کسی گوشۂ تاریک میں چھپے رہیں۔ اس ارتکاز کی میں وہ مجھ سے بھی دو آنکھیں آگے تھی۔ میں تو تھی ہی پرانا پاپی ایسے دل و نگاہ کے کھیل کھیل

کھیل کر مجھے تو غلطیاں پڑی ہوئی تھیں لیکن وہ کسی جیسے نگاہ نوازی میں میرے مقابلہ پر اتر آئی تھی۔ اب نہ میں آنکھ جھپکوں اور نہ وہ نظر پھیر کر۔ وہ تو تھی کسی کو رابطی! نگاہ نے فوس وہ کچھ پھیلانا اس کے لئے چنداں مشکل نہ تھا اور پھر بھی کی آنکھ کی پتلی میں جو افق ہوتی ہے وہ انسانی آنکھ کے نور نقطے کی طرح نہیں ہوتی۔ کہاں پہلے کہ وہ کھولنے تک نہ اٹھے اور کہاں کہ وہ دیکھتے ہوئے پلک تک نہ جھپکائے۔ یہ شعر یاد آیا ہے۔

شرم مانع تھی فقط بندِ قبا کھلنے تک
اس کے بعد وہ جانِ حیا ایسا کھلا ایسا کھلا

میں نے سوچا کہ بچوں سے مقابلہ اچھا نہیں ہوتا اور چاہتا تھا کہ راجستھانی خاکر راجپوت تو خیر راجپوت ہیں یہاں ان خاکروں سے کھیلنے کی تھوڑی خام سے مقابلہ بھی ٹھیک نہیں ہوتے ہیں۔ یہاں کے نا آسودہ موسم بچوں کی سفاکیاں معاشرتی سماجی خلیجیاں اور ناہمواریاں بھی ان کے حوصلوں راہوں کو متزلزل نہیں کر سکتیں اور نہ ہی ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک سکتی ہیں اور نہ ان کی اٹھی ہوئی نگاہوں کو جھکا سکتی ہیں۔ ان کی دفعہ ان کی شرط [illegible] ایک دم مجھے [illegible] میں نے [illegible] ایک [illegible] نظر آنکھیں جھپکانے یا ہٹانے اس نے مرد [illegible] کے نیچے دبائی بارہ موسم سے خالی [illegible] رحم پر ہی شروع ہوئی۔

"ز حال مسکیں مکن تغافل دورائے نینا بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ روزِ وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت منکے درائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں"

اس نے مرد [illegible] بندھا ہوا بجا نکال کر نثر پہ انگلی دھر دی اور ساتھ چھوٹے روپھن نے تالی بجا کر گلے کی رگیں پھلا لیں۔ ایسا سماں کا کلام راجستھانی لب و لہجہ غلط تلفظ مگر نثر اور مقیدت و اخلاص کی آمیزش نے ایک سماں باندھ دیا۔ کسی کے ہاں جیسے برسات کھل گئی تھی آنسو جاری تھے اس کے گھٹنے پہ [illegible] تھی تب میں نے شہادت کی انگلی اٹھا کر نگاہوں کی بندھی تار کو توڑ دیا اور اس نے دھماکے پہ [illegible] ہاتھ پھیلے ہوئے پاؤں کے اندر گھس گیا۔ وہ بائیں جانب [illegible] تھی [illegible] دائیں گھٹنے میں پڑا ہوا چاندی کا بڑا سا باقی مقیشی تارے کی طرح میرے آگے روشن تھا۔ [illegible]

ی ناک نہ پتلے سا تھا اور بھاری سا بلاق بلکہ ایک کی بجائے دو مگر دو سیاہ مدھم سا فیروزہ ناک کی سیدھی جانب ہی تھا۔ رکمنی کے یوں ڈھنے سے اس کا چھوٹا سا بالوار رکھن تھوڑا سا آگے جھک کر اس کے گال تھپتھپانے لگا۔

"اے رکمنو! سدھ پکڑ ری....."

وہ رہ دینے والی شکل بنا کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اسے تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں اس کے منہ پہ پانی کے چھپاکے مارو ابھی ہوش میں آ جائے گی۔ وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگا۔

"مہاراج! رکمنی کو کیا ہو گیا ہے.....؟"

"اسے امیر خسرو نے پکڑ لیا ہے۔ دھیرج رکھو ابھی چھوڑ دیں گے۔ بس ایک دو پانی کے چھپاکے اس کے منہ پہ مارو۔"

پاس ہی پانی کا کوزہ تھا راکھن نے پانی لے کر ایک دو چھپاکے اس کے چہرے پہ پھینکے۔ بے ہوش تو وہ نہیں ہوئی تھی بس غین ہو کر اور خسرو کو گالی کر کر ذرا گیلی ہو گئی تھی۔ نر اور نتھ جب لڑ جاتے ہیں تو اندھ [illegible] ہوتی ہے۔ منتھ [illegible] لٹکے ہوئے [illegible] خواب چشمے اور نمیدہ قامیدہ کا ورنی بھرے اپنے بدلوں دیتے ہیں پھر آنکھوں کے ڈیلوں کے ڈیلوں سے ٹپ ٹپ شروع ہو جاتی ہے۔ کسی مخصوص مفتی نتھی کو یا خوش لحن کلام پڑھنے والے پہ ہی شاذ و نادر ایسی کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب وہ کسی صاحب جذب و نظر اور نتھی و فکر کے زیر و بم کھنچ نر نر کیے اور سانسوں کا نرمنڈل ملائے بیٹھے ہو۔ پانی کا چھپاکا پڑتے ہی رکمنی نے شاید کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے۔ شاکالی نکت والے لوگوں کے ہونٹ بھی کالے شاہ ہوتے ہیں جبکہ اندر مسوڑے اور زبان سرخ ہوتی ہے ایسے لوگوں کے دانت بڑے اُجلے ہوتے ہیں سپید نیچے موتیوں کی سی آب و تاب والے اس کے دانت بھی ایسے ہی نکلے تھے مگر جب اس کی کالی زبان پہ نظر پڑی تو میں بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔ اس کی زبان "ادھام" تھی۔ ایسی زبان کا آگے نوک والا حصہ سرخ اور باقی تمام سیاہ ہوتی ہے اور ایسی زبان والے لوگوں کو ہی "کالی جیب والا" کہتے ہیں۔ عام طور پہ مشہور یہی ہے کہ ایسے لوگوں کے منہ سے اکثر بدشگونی کی باتیں ہی نکلتی ہیں۔ وہ کوئی پیشین گوئی کر دیں تو وہ سچی ہو جاتی ہے یا ان کی بددعا میں کام کر جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی زبان یا خاص جگہوں پہ کالے نشان بالوں والے مسئے خال اور تل جیسے سیاہ بالوں میں سفید بالوں کی لٹ کھوپڑی پہ بالوں کی جڑوں میں مخصوص سے بھنور پیدائشی مخلوق و تحریر دونوں ابروؤں کے درمیان رگ ہی پیدائشی دانتوں بالوں اور ایسی ہی نشانیوں والے

UrduPhoto.com

لوگ عام لوگوں سے بہت مختلف اور پُراسرار سے ہوتے ہیں۔ ان میں یقیناً کوئی نہ کوئی ماورائی خوبی یا خرابی ہوتی ہے۔ کوئی چاند گرہن کی بنگرہ میں ہوتا ہے تو کوئی سورج گرہن کے سوبھ سمیندھ میں۔ کوئی ماں کے پیٹ سے ہی افلاکی گردشوں کے گرداب میں پھنسا ہوتا ہے تو کوئی زماں و مکاں اور وقت و بے کی سوغات کسوٹی میں سما ہوا ہوتا ہے۔ کسی پہ جنات کا سایہ اور کوئی کسی نوری یا کالے اسم کا شاخسانہ ہوتا ہے۔ کسی کی دعا برکت والے اور کوئی کسی کی بد بخشش سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اچھی زرخصلت والے کستورے ہوتے ہیں اور بد بختر سے والے بد تورے ہوتے ہیں۔ کستوروں سے کستوری کی خوشبو محسوس ہوتی ہے اور بد تورے سے لپٹے ہوئے بیٹھن کی بدبو آتی ہے۔ یہی خوشبو بدبو ان کے سعد اور نحس ہونے کی ایک واضح پہچان ہے۔

یہ کنیا زنگی بہ جبلت سرشت کستورا تھی اور اس کی ادھکھلی تھی زبان اور افقی جوجوت والی آنکھوں سے یہ پتہ چلتا تھا کہ اس کی ہتھ ہڑ اس اپوچ سے چھوٹی تھی جب چندرما کو راہو نے آدھے تک پکڑ لیا تھا اسی کارن ہی اس کا شجرہ نام زنگی رتو ٹھہرا ہے۔ ایسی کنیا بڑی بھاگوان ہوتی ہے۔ جس اتنے لاتے رنگ [illegible] ہاں یہ تو ابھی [illegible] تھی اسے [illegible] پوچھا میں بند رہ کر اپنی کایا کلپ [illegible] پاس سے گزرتے ہوئے درگاہ کے ایک خادم سے تھوڑا سا لنگر منگوا کر زنگی کو اس اور چھوٹے روچھن کو کھلایا پھر پانی منگوا لی۔ کھانے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اب یہ بچے لوگ کافی سنبھل گئے ہیں زنگی نرت پکڑتے ہی پھر اپنا سا تھ گھنگھرو کھینچ کر بیٹھ گئی۔ میں نے راکھن کو اپنے قریب کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ تمہارا تمہارے پتی کیا لگتے ہیں؟ بقول اس کے اس کے پتا جی جب پورے کی محل میں تھے اب ہوکل بنا گیا ہے طبلہ بجاتے ہیں اور وہیں رہتے ہیں۔ راکھن کی ماتا کے دیہانت کے بعد انہوں نے راکھن کا گن زنگی سے کر دیا۔ راکھن کو ایک چھوٹی سی کنیا سرپل سی گانے طبلہ ڈھولک اور چند کپڑے دے کر وہ جے پور چلا گیا کیونکہ وہاں اس نے ایک چالاک عورت سے جو ایک طوائف کے ہاں پولا جوکا کرتی تھی نیوگ کر لیا تھا اور اس عورت سے اس کی ایک لڑکی بھی جنم لے چکی تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنی پتنی کے ساتھ الہ آباد شریف، تو کبھی آتا تو اپنے گاؤں کا چکر بھی کا لیتا۔ بچوں کو کچھ کھانا پینا کپڑا لتا اور دو تسلی دے کر واپس لوٹ جاتا۔ اس نے اپنے طور راکھن کا بیاہ کر کے اپنی ذمہ داری سے فراغت لے لی تھی۔ ادھر زنگی کی ماں بھی نہیں تھی بوڑھا باپ آنکھوں سے محتاج تھا۔ جب تک پاؤں پہ کھڑا رہا ان بچوں کے ساتھ گزارا کر لیتا تھا مگر جب اسے گھٹنے نے لاچار کر دیا تو وہ اپنے جھونپڑے میں پڑا کراہتا اور ناکردہ گناہوں سے کھوٹے پچھتاوے اور پشیمانیاں بناتا رہتا۔ اسے اکثر

کھانے کی اشیا بھی تھی انگوٹھی بنی ہوئی کروہ بھی پھٹ سا پڑا ہوا تھا۔ میں نے یونہی راکھن سے پوچھ لیا کہ تمہاری رکمنی دیدی میں کیا کچھ لائی؟ وہ فر فر بولنے لگا۔

''میرے اور اپنے چار جوڑے کپڑے ہوتے دو تھی رجائی دو دھیر بچھانے اور چھتے پتے' بکری' دھولک' چاندی کا کمٹ' مالا' جھانجھر اور ناکو کا بلاق۔''

پیچھے سے روچھن نے بھی ہار نقصہ دیا۔ ''دو روز بعد رکمنی کا دیہانت ہو گیا تھا۔''

راکھن اسے اپنی کہنی کے ٹھوکے سے چپ کراتے ہوئے پھر کہنے لگا۔

''مہاراج! رکمنی میرے تاؤ کی چھوری تھی ہم ایک ہی جھونپڑے میں رہتے تھے۔ میرا جب جنم ہوا تو رکمنی سات برس کی تھی مجھے گود میں ڈال کر کھیر کھلایا کرتی تھی۔''

پھر روچھن نے لقمہ دیا۔ ''اور مجھے بھی۔''

ایسی ہی باتوں سے جب یہ بچے ذرا بے تکلف سے ہوئے تو میں نے اب رکمنی کے فیروزے والے بلاق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بلاق تمہارے باپو نے دیا تھا؟''

''نہیں۔'' وہ سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔ ''یہ بلاق میری ماتا کا بلاق تھا۔ اس کا دیہانت ہوا تو باپو نے میرے گلے میں ڈال دیا.....''

''اور یہ بلاق.....؟'' میں نے اب بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ میرے سسر جی نے مجھے دیا تھا۔'' وہ اپنے کانوں کی بالیاں اور بازو کا تعل دکھاتے ہوئے بولی۔ ''.....اور یہ بھی.....''

''اچھا! اگر تمہیں پتا ہو تو بتاؤ کہ تمہاری ماتا کو یہ بلاق کس نے دیا تھا؟'' میں نے بڑی نرمی سے ایک اور سوال داغ دیا۔

''میری ماتا کو بھی یہ بلاق میرے باپو نے دیا تھا۔'' اس نے بھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے فوراً جواب دیا۔

''تم یہ کیسے جانتی ہو.....؟''

''میری ماتا نے دیہانت سے کچھ روز پہلے مجھے کہا تھا کہ جب سے تمہارے باپو نے مجھے یہ بلاق پہنایا ہے میں روتی ہوتی ہوں اسے کسی پل چین نہیں آتا ہے۔ میں جانوں کہ میں نہیں بچوں گی..... اری اس منحوس بلاق کو میرے ناکو سے اتار لے۔'' اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔

UrduPhoto.com

میں نے اس کے لمبی درشتی میں دور تک جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"پھر تم نے اسے اُتارا.....؟"

"ہاں میں نے ہاتھ سے اتارنا چاہا تو نکلنے لگی آپا میا کو بہت دکھی ہوئی تو میں نے چھوڑ دیا....."

وہ اپنی میا کی بیماری اور موت کے متعلق بہت کچھ بولتی رہی مگر میں اب اسے کانوں سے نہیں آنکھوں سے سن رہا تھا۔ اس نے تو جیسے میری آنکھوں میں اپنی سُتی آنکھوں کے بھاری پپوٹوں والے خیموں کی طنابوں کے پلیں پہنا کے کھول دیئے تھے کیا مجال ہو لمحہ بھر کے لئے آنکھ جھپکی ہو۔ میں خوب جانتا تھا کہ وہ اس طرح مجھے لے رہی ہے۔ میں اس کی سُتی کی جان اور مختصر سی انجان زندگی میں شاید پہلا مرد تھا جس نے اس کی آنکھ بھیجا تھا کا یا تھا اس کو میری آنکھوں میں اپنی سُتی چھپا یا کہ اپنی ہی کام کا یاد دکھائی پڑتی تھی آنکھوں اور شناخت کی شناوی تھی۔ میں بھی خوش کہ چلو کچھ تو کچھ دے لے۔ تپتے جھلستے صحرا میں کسی پیاسے اونٹ یا بھٹکتے ہوئے مسافر کو اگر کسی مردار اونٹ کا سڑا ہوا ڈھانچہ سر چھپانے اور اس کا بدبودار گوشت موت ٹالنے کو مل جائے تو وہ اسے بھی بہت بڑی نعمت سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ میں جو بھی تھا اس کے لئے پانی کے چشمے کا پانی تھا۔ [illegible] خواب غریب نواز اور اوپر اللہ [illegible] دیکھ رہے ہیں کہ ہم دونوں بڑی محبت سے گلے باندھے ایک دوسرے کے زیر ہوا تھے۔ راحت اور راحتیں دونوں پیچھے ہمارے ہم دونوں کو بٹ بٹ دیکھتے ہوئے کسی خوشگوار انجام کے منتظر تھے کیونکہ ہمارے درمیان ابھی رواجوں کی پرانی مسئلہ کشمیر کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ جناب مصطفیٰ خان صاحب تو خیر میرے بھیدی تھے اور جانتے تھے کہ میرے ساتھ ایسے مختصر حلقوں سے اکثر و بیشتر ہوتے ہی رہتے تھے۔ ایسی آوارہ گردیوں میں وہ بھی چپ شاہ بنے تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی وہ اپنے کاروباری پیچ سے پہلے متانت کا ماسک چڑھائے کوے اور بلی کے درمیان بندر بنے بیٹھے تھے۔ ہاں میں نے انہیں بندر کہا ہے جیسا کہ ان کا بھی حیوان بندر تھا۔ سری نگر بازار ہو یا خوبصورت عام بوڑھوں بندروں سے کہیں زیادہ شکیل و جمیل ہوتا ہے لیکن میں نے انہیں کبھی بتایا نہیں تھا۔ قول مول بندر بانٹ کاروباری ہوشیاری چالاکی چاروں کھونٹ کی کمینی چالاکی کا دیہاتی بیوی کی بندری میاں داری کی رغبت وغیرہ وغیرہ پر کبھی غور پر بحث کرنے کا ہوا تھا۔ بے ارادہ میرے منہ سے نکلا۔

"جب تم جانتی تھیں کہ یہ بلاق تمہاری میا کے لئے اچھا تھا تو پھر تم نے اسے کیوں پہنا.....؟"

وہ بولی۔ "کیا کرتی میری میا کی نشانی تھی۔ [illegible] میں ایسا ہی رواج ہے کہ

مری ماں میا کا جیور جھام کنیا پہنے یا پھر گھر کی بہو.....؟"

میں نے اس کے بلاق کو انگلی سے چھوتے ہوئے کہا۔

"اس کے اوپر اتنا میل جما ہوا ہے کہ تم اسے صاف نہیں کرتی ہو اور یہ اس کے نیچے کوئی نگینہ بھی دکھائی پڑ رہا ہے..... جانتی ہو یہ کیا ہے؟"

وہ اسی بے نیازی سے بولی۔ "ہم اسارا دیوان ہی میل کچیل ہے۔ ہمیں کسی کو پوچھنا پاچھنا نہیں ہے مہاراج! اور ہم نے ہیروں میں سیسے اور لاکھ لوہے کے پتھر کچے ہوتے ہیں۔ ہیرے پتھر نہیں ہوتے۔"

باتوں ہی باتوں میں ہمیں عصر کا وقت نکل گیا۔ آس پاس لوگ مغرب کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ میں نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔ "اچھا میا! یہ رہا آپ کا ہیرا۔ میں نے تمہاری نذر کئے تھے۔ اب یہ میرے نہیں تمہارے ہیں۔ میں انہیں واپس نہیں لے سکتا۔ بہتر ہے کہ تم انہیں اپنے پاس رکھو۔"

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ "رہنے دو مہاراج! آپ دیالو ہیں اور ہم اپنا کہا سنا پیچھے واپس ہم نے کر جاتی نہیں سکتے۔ ہمیں نے لوٹے رتن کاری ہیں۔ باقی آپ رکھیں۔"

اس نے اپنی [illegible] کا ہیرا [illegible] ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر کہا۔

"کیا میں تمہارے گاؤں آ سکتا ہوں.....؟"

رکمنی کی بچی نے اب راحن نے جواب دیا۔ "ہمارے پدھارنے [illegible] یہاں سے پانچ کوس ریڈ میر کے پاس ہے۔ بجلیاں [illegible] ہیں۔"

"ٹھیک ہے ایک دو روز میں ہم تمہارے گاؤں آئیں گے۔ رکمنی کے باپ سے بھی ملیں گے اور تمہارا گھر بھی دیکھیں گے....." میں نے کہا۔

دو دن بعد ہم دونوں راحن کے گاؤں پہنچے۔ گاؤں کیا تھا، تیس چالیس جھونپڑوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ انسانی زندگی کی تمام تر بنیادی ضرورتوں سے یکسر خالی۔ یہاں انسان نہیں صحرائی بدو بستے تھے۔ مرغیاں سے مویشی جانور آفت زدہ بیمار بیمار اور بے ڈھنگے لوگ۔ یہ سب نیچ جات کے ڈوم ڈھاری تھے۔ یہاں کے جنہیں لوگ جات اور کھاتے پیتے لوگ اپنے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیتے۔ ہم وہاں پہنچے تو گاؤں کے خاصے لوگ ہمیں دیکھنے اور دوسرے سوائت کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ ننگ دھڑنگ کالے کلوٹے بچے ڈھانچی بکریاں اور جھلاوا سے کھیلتے تھے۔ کچھ عورتیں جو سروں پہ پانی کے مٹکے اٹھائے

UrduPhoto.com

گھونگھٹ کاڑھے کہیں دور سے پانی لے کر آ رہی تھیں۔ جھونپڑوں کے باہر بیٹھے ہوئے فارغ بوڑھے جو ناریل کی چھلوں پہ دم لگا رہے تھے ہمیں دیکھتے ہی ہاتھ جوڑتے ہوئے ہمارے سواگت کے لئے آ گئے۔ سلام پرنام کرنے کے بعد ہم نے راکھی اور رکمنی کا پوچھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ کوئی جواب دیتے' راکھی اور روپھن ایک بوڑھے اندھے کو ساتھ لئے کہیں سے نکل کر ہمارے سامنے آ گئے۔ ان کے ساتھ کچھ نوجوان بھی تھے۔ راکھی نے شاید ہماری متوقع آمد کے متعلق گاؤں والوں کو پہلے سے ہی بتایا ہوا تھا' انہوں نے ہمیں ایک نسبتاً صاف ستھرے کشادہ سے جھونپڑے میں نیچے ریت پہ بچھی سرکنڈوں کی ایک چٹائی پہ بٹھایا۔ کچھ دیر بعد رکمنی بھی یہاں پہنچ گئی' راکھی اور روپھن کے ساتھ رکمنی کا اندھا باپو تو بھی تھا۔ ہمارے سامنے سرکنڈوں کے چھاج میں کچھ پھل پیش کئے گئے' جو باسی اور داغدار تھے..... وتو' ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگا۔

''مہاراج! آپ یہاں ہم گریبوں کے پاس پدھارے' آپ کا بہت بہت دھنے باد۔ باگوں نے بتایا تھا کہ آپ نے انہیں بہت سے روپے دیئے۔ مہاراج! ہم گریب چھوٹے لوگ اتنا دھن کو روپے پیسے سے جیادہ آپ کی دیا چاہئے۔ راکھی اور رکمنی نے بتایا کہ آپ بڑے دیالو' کرپالو اور اونچے منش ہیں۔ ہماری جھونپڑی بھی ٹوٹی ہوئی ہے۔ مہاراج! ہم رات کو سوتے ہیں اور نہ ہی کچھ دھنک کا کھاتے اور ادھے بے ہمیل آدمی کو کھورے رہتے ہے۔ ہماری کھری بدھی میں تو یہ آوے کہ اس کا بھوت پریت سے سمبندھ لگا ہے۔'' وہ سانس لے کر پھر کہنے لگا۔ ''آپ لوگ گریب نواز کی مانت اور چاہت والے ہیں۔ ہمارے رکمنی اور رکمنی کے لئے.....''

میں نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا۔

''بابا! میں سمجھ گیا' تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ ابھی تو ہم اجمیر شریف سے آپ کا گاؤں دیکھنے اور تم کو ملنے آئے ہیں۔ یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی' پہلے ذرا ناگیں اور دم سیدھا کر لیں۔''

انہوں نے اپنی بساط بھر خوب خاطر داری کی تھی۔ میٹھے باجرے اور بھنے ہوئے چاولوں کے لڈو' صحرائی کھٹے میٹھے گہرے سرخ رنگت والے آڑو' باسی سیب' پلپلے سے سنگترے اور چھوٹے چھوٹے کھٹے انار۔ پھر کچھ بچوں' بچیوں اور بڑوں نے اپنے اپنے انداز میں نعتیں' بھجن اور قوالیاں سنائیں۔ کھٹے دو گھنٹے کی پیٹ پیلا اور رام لیلا کے بعد جب فالتو بھیڑ چھٹی تو میں نے راکھی' روپھن اور رکمنی کو بھی بہانے سے نہلا کر باہر بھیج دیا۔ میں' سیٹھ مصطفےٰ علی اور رکمنی کا باپو ہی جھونپڑے میں رہ گئے تو میں نے اندھے انتظامات دم ڈارو کے زیادہ تو سے کہا۔

"[illegible] اب تم تینوں کے سوا اور کوئی شخص یہاں موجود نہیں۔ ہمارے پاس سے بہت تھوڑا ہے تم نے دیا تھا کے وقت سے پہلے اتنی تعریف دانش مندی ہے اس کا ان ہمارے سچ جو تم بات چیت ہو وہ کسی کی بھی سیدھی اور سچ سچ ہونی چاہیے۔ میں جو پوچھوں تم سچ سچ کہو تو تمہارے آنے کا مقصد پورا ہوگا اور نہ ہی تمہاری کہانی کسی کے لئے کچھ فائدہ ہوگا۔ یہ تو شاید تم نہیں جانتے ہو کہ رکمنی کی اجیر تم میں پھنسی ہوئی ہے اور اس کی کوئی کی کاپی کے سنگ کون سی کھپا ایک ایسا جنجال کی طرح کی ہوئی ہے۔ اگر تم میرے سوالوں کا جواب بالکل سچائی سے دو اور کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرو تو پھر شاید اس کے اپنے کی کوئی صورت نکل آئے۔"

میری یہ بات سن کر بوڑھے دانو کو تو جیسے جاڑے کا کانپنا سا لگ گیا۔ مسلسل دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے وہ بے ہوش سے ایسے کھڑا تھا اور اچھے سے ہی عجیب عجیب [illegible] بڑی مشکل سے وہ بولا۔

"مہاراج! [illegible] تو میں جڑا باہر نکل کر دم درست کر لوں اور [illegible] اس حالت میں میرے پاس [illegible] جائیں گے۔"

میں نے اس کی [illegible] حالت [illegible] کی اجازت دے دی۔ مجھے خوب اندازہ [illegible] کا حکم [illegible] اپنا [illegible] اور غلیظ کا عادی [illegible] کے بغیر کچھ اگلوانا شاید کچھ [illegible] نہ تھا۔ خول خول وہ باہر [illegible] اگلا تو میں نے کہا۔

"رکمنی کے ہاتھ پیٹ کے [illegible] پانی [illegible]"

رکمنی اونٹ کی کھال سے بنی ہوئی بے ڈھنگی سی چھاگل میں پانی لے کے ہوئے اندر داخل ہوئی تو خاصی بدلی ہوئی تھی۔ خوشحالی سے بے نیاز چہرہ بشاشت اور اطمینان ایسے اعتماد اور رونق ہو کسی اپنے سے مل کر یا اس کی موجودگی سے پیدا ہوتے ہیں۔ رکمنی نے پیالے میں پانی انڈیلتے ہوئے اس کی انگلی جو ہوت والی [illegible] چشم میری آنکھوں میں شیشے کی مینوں کی مانند کھلی ہوئی تھی اچھا [illegible] کرتے ہوئے شرمیلے میری نگاہوں سے ٹکرا کر [illegible] رکمنی نے پیالے میں جذب ہو رہے تھے۔ میں نے اسے خاموش سا ایک پیغام دیا کہ وہ گھونٹ پانی تو پی لیتے وہ گھونٹ اور [illegible] تک چلے گئی ہیں۔ جب سے وہ ملی تھی آج پہلی مرتبہ اسے بالکل سامنے [illegible] دیکھا تو اندازہ ہوا کہ اس معصوم اور [illegible] مسکراہٹ کا ایک اپنا الگ ہی حسن اور [illegible] ہوتا ہے۔ ایسی ہی معلوم ہی مسکراہٹ تھی اندر کی تہوں سے پانی کے جلوروں کی مانند یوں ہولے ہولے چہرے کی سطح پر نمودار ہوتی ہے کہ خود سمندر کو محسوس نہیں ہوتا کہ معصوم سی موج تبسم نے

UrduPhoto.com

انجانے مسکراتے ہیں یا کوئی گل کھلا دیتے ہیں۔ ایسی کھلی کھلی مسکراہٹ آمیز چہرے قفس میں اداس پرندوں کی طرح ہوتے ہیں بجھے رخشندہ خیال مسکراہٹ سے عاری چہرے شیریں مقال خوش گفتار طراوت سے سرشار تتلیوں کی مانند ہوتے ہیں اور کھلکھلاتے قہقہوں میں اڑاتے قہقہے ریزیوں کے بل کا بل بکھراتے اور قہقہوں زمزموں کے قلابے ملاتے چہرے آزادی کی نعمت قفس و گل کی محبت سے بہرہ طائروں کی طرح ہوتے ہیں۔ شاہیری خیالات کی اس نہاں سی مسکراہٹ کو میں خوب سمجھ رہا تھا۔ مٹی کا کالا سا پیالہ اسے واپس دیتے ہوئے میں نے کہا۔

"کنیا! تمہارا کنہیا کہاں ہے.....؟"

"کنیا کا کنہیا ہی جانے جسے وہ مکان ادھر کر رہے ہیں۔ ہے ویسے ہی دیوتا سے پتا کھرا تا تم ہو تمہیں سنگھاتی بھات ملت" وہ پانی والا پیالہ میرے ہاتھ سے لے کر کھڑی ہو گئی جیسے میری آرتی اتار رہی تھی۔ پھر وہ پیالے میں پانی کی چند بچی ہوئی بوندیں اپنی سیاہ خشک زبان پر چھڑکتے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگی۔ "ہے مہاراج! آپ پدھارے تو ہماری بھگتی اداس سپھل ہو گئی۔ سریر کو سکھ اور آتما کو شانتی مل گئی۔"

سیدھے سادے [illegible] طرح کنیا کو وہ بات کی چھوڑی جو منہ تک آ کے جا رہی ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

"کنیا! میں تمہارے کنہیا راجن کی بات پوچھ رہا تھا وہ کہاں ہے.....؟"

وہ دیوتا کی طرح میں سے [illegible] چھوڑتے ہوئے بولی۔ "اسے نہیں جانتے مہاراج! وہ تو ہمارا کچھ کا وارث ہے۔ ہمارے کنہیا تو ہمارے سامنے ہیں۔"

میں نے اوبتے ہوئے کہا۔ "اچھا جاؤ اپنے باپو کو یہاں لاؤ....."

"وہ تو جنگلے کے جھونپڑے میں نہ کھول کے پیوے ہے۔ ضد پہ بندھ جاوے گی تو وہیں ڈھے ڈھیر پڑ جاوے گا....."

"نہیں وہ آج ڈھیر ہونے والا کام نہیں کرے گا۔ تم جا کر اسے لاؤ۔ میں نے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔"

وہ بادل نخواستہ جھونپڑے سے باہر نکلی تو مصطفیٰ علی خان کہنے لگے۔

"خان صاحب! آپ نے اس لڑکی میں کوئی تبدیلی محسوس کی۔ مجھے تو یوں محسوس ہوا ہے جیسے وہ خود نہیں اس کے اندر سے کوئی بول رہا تھا.....؟"

UrduPhoto.com

"ہاں ۔۔۔ جب زبردستی قبضہ کرنے والے کوئی مکان یا جگہ خالی کرتے ہیں تو وہاں ہوائیں پھر سر کرنے لگتی ہیں اور دیوار سے لٹکی ہوئی تصویریں اور ماتھے میں ٹھنکے ہوئے بھوت پریت چڑیل کی پھٹکاری پہ لٹکی ہوئی متعفن لیدی کی مانند بھڑنے لگتے ہیں ایسے میں تو پشو جناور بھی اوٹھی بدھی حرکتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ بے چاری تو پھر انسان ہے ۔۔۔ ہمارے یہاں چک پڑنے سے آدھی جھونجل کو تو جھوک پڑ گئی ہے انشاء اللہ باقی بھی جاتی رہے گی۔"

وہ اچھا خاصا ڈرا ہوا تھا اندر داخل ہوتے ہی اس نے ہاتھ باندھ کر پرنام کیا اور جھوٹے میں ایک طرف پڑی پرال کے اوپر اوٹھ کے جانے کی مانند چپ سے پڑ گیا۔ رکمنی اور راکھی بھی اس کے آ جوہا ہو آپ کے بیٹھے وہ دونوں اسے سہارا دینے کی غرض سے بیٹھے ہوں ۔۔۔ میں نے وتو کے بیٹھنے کی نیت کو جانچنے کی غرض سے سوال کیا۔

"وتو جی! تم تو کاٹتے ہوئے بھی بہت اچھا ہو ۔۔۔ بچوں بالوں سے تو خیر شریف اور یہاں بھی بہت سی چیزیں اب کچھ تم بھی سناؤ ۔۔۔؟"

وہ اپنی اور بچوں کی تعریف سن کر اپنے [illegible] دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولا۔

"[illegible] اور بچوں کے اب اولاد اور بیٹی کا [illegible] بڑھ گیا ہے۔ سالو اور سریلی ساتھ اور سادھن ساتھ ہاتھ دیویں۔ وہ جو کہویں ہیں نا کہ گھمنڈ اور بڑا بول چڑیل کو نوبت بھیں اور کنڈا کرت ہیں مجھے بھی گاون بجاون اور بڑا ہوا کا گھمنڈ لے ڈوبا۔ کوم ترنی مارنے کو وہ مارے یا پھر اونچا بول مارے ۔۔۔"

تن کے تنگ مرا ہے میں تنگ نہ پایو چین
سانس نقارہ کوچ کا باجت ہے دن رین"

وہ یہ دوہا پڑھ کر زور زور سے اپنے زانو پہ مکے برساتا ہوا بھیں بھیں رونے لگا۔ میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"بھئی وتو جی! تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ تمہیں گاون بجاون اور اپنے جوبن پہ بڑا گھمنڈ تھا اور اب تمہارا یہ رونگ کا بڑا حال اسی گھمنڈ اور بڑے بول بچھ کے کارن ہے بلکہ میں جانوں تم یہ بھی کہنا چاہتے ہو کہ تمہاری اکلوتی پتری رکمنی کی جوبن پتا اور اس کا گاون بھی تمہارا یہی گھمنڈ اور کھوٹے کارم ہیں ۔۔۔ بولو میرا کہن سنت ہے یا اس میں کچھ کپٹ ہے؟"

بچوں کے بچے کچھوں کی مانند بے ڈھب آپ سے اپنے تیئں سے ٹکراتے ہوئے گھبرایا ہوا

UrduPhoto.com

بولا۔ "کیا آپ بھلا کیسے کہہ سکتے ہیں؟ آپ تو کہتے ہیں وہی سچ ہے پر تو اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت میرا مگر سے سور چھاپیں ہاتھ پچھتاوے ہوت۔"

میری پگڑی کھل کر اس کے گلے میں آ پڑی تھی۔ اب وہ زانوؤں پہ ہاتھ رکھنے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے چندیا کے بال اکھاڑنے کے درپے ہو گیا تو میں نے پھر بات کا پینترا بدل کر کہا۔

"دقول مہاپرشوں اوتاروں گیانیوں مہاتماؤں کے علاوہ اس سنسار میں میں تو یہ وہ سب ہی منش پاپی ہیں۔ منش سے جانے انجانے میں اگر اپرادھ ہو جائے تو اسے من بھیتر چھپانا نہیں چاہئے کسی سچے من ساتھی سے کھول بول لینا چاہئے جی کی چنتا اور بے کلی جاتی رہتی ہے۔ من بھاوے تو اپنی بپتا مجھ سے کہہ سن لو۔"

اٹھتی اٹھتے ہوئے آنکھوں سے دھند ہٹ گئی اور ہونٹوں کا ہلنا دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میری بات نہ صرف کانوں سے سن رہا ہے بلکہ من ہی من میں اس کا جواب تول کر بھی بول رہا ہے۔ چند لمحے سکوت کے بعد اس نے دائیں بائیں دائیں اور رکھی کو ہاتھوں سے نوازا تو میں نے دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے باہر چلے جانے کو کہا۔ جب اسے ان دونوں کے باہر چلے جانے کا یقین ہو گیا تو ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں ... کی پاپی ہوت ہے۔ کہنے کا بنا آدرنا ہوتی ہے۔"

UrduPhoto.com

- کوئی نشہ ہو بہر طور اتر جاتا ہے.....!

"مہاراج میں اپنے اپرادھوں کی کتھا بالکوں کے سامنے کیسے کہہ سکتا ہوں۔ میں جانوں کہ اب نہیں بچوں گا مجھے اذیت ہونے والا ہے۔ آپ سمت کہتے ہیں کہ من بھیتر کا وچار ترک کی اگنی بن جاوت ہے۔" وہ ہاتھوں سے نوالتا ہوا ذرا آگے سرک آیا۔ رازدارانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے بتانے لگا۔ "ہم برہمن ہمارے ذمے ... تیج تہواروں تیج تھوں درباروں پہ کاوت ہجاوت ہیں۔ ہمارے گھر قبیلے کے کچھ لوگ کانے ناچنے والی رنڈیوں کی سنگت بھی کرتے ہیں اور کچھ نرت کھیل تماشے کی منڈلیوں سنگ کار کام کرتے ہیں۔ میں بھی بچپن میں کرناٹک کی ایک نرت منڈلی کے ہاں پلا بڑھا تھا۔ میں اس بات جوان چھورو تھا ہاتھ پاؤں میں بڑی شکتی اور پھرتی تھی۔ چھپاوتی کرناٹکی نرت کے تو رے بھیل بھیل کر لوٹ جاتی تھی پر میرے ہاتھ انگلیاں اور پاؤں کمت لیتا سے بے سرے ہوتے اور ناچ میں بے نرت ... چھپاوتی باکی نرکی قائم اور سندرتا مدھرتا مایا کایا میں بھی چھل تھی۔ رانی کماریوں کی

[illegible] اور دوپہر کی ہی وقت میں وہ کوئی اپنا [illegible] تھی۔ [illegible] بھاگ [illegible] بڑے بڑے لوگوں کے ہاں بڑی بڑی محفلیں میں جاتا تھی اور تجوریاں بھر بھر روپیہ [illegible] پر اس کے [illegible] تک بھی بجوروں پہنے موتی لاکے رہتے تھے۔ راستے میں راہ سوا بجاری کی [illegible] سے [illegible] کرتے تھے۔ ایک بار [illegible] ایک [illegible] کے ہاں سے [illegible] رہے تھے کہ راہ میں ڈاکوؤں نے [illegible] ہمارے [illegible] بھی [illegible] تھے آپس کی [illegible] بھاگے ہمارے [illegible] مارے گئے۔ [illegible] چھپاوتی کو جب ڈاکو [illegible] کرنے جانے لگے تو اس بات چھپاوتی نے بجوروں کے [illegible] پہنے ہوئے تھے کسی طرح ڈاکوؤں کی نظر سے بچ کر اس نے [illegible] اور مجھے دیتے ہوئے بولی کہ یہ بالا لے اور جب تو اپنے [illegible] پہنچے تو [illegible] کے [illegible] اجمیر شریف جا کر یہ بالا سوا [illegible] والے موتی میں ڈال کر خواجہ پیا کے [illegible] والی [illegible] میں ڈال دینا۔ [illegible] بالا [illegible] میں یہ [illegible] تھی کہ بالا [illegible] میں کوئی [illegible] ہوگا۔ پھر [illegible] آ کر بالا [illegible] تو اس میں ایک [illegible] موتی [illegible] ہوا ملا اور اس کے [illegible] خون بھی [illegible] ہوا تھا جو [illegible] کرتے [illegible] چھپاوتی کے [illegible] لگ گیا تھا۔"

[illegible] وہ خاموش ہو گیا جیسے اس کی [illegible] ختم ہو گئی ہو۔ [illegible] علی خان اور میں خاموشی سے [illegible] بیٹھا رہا۔ پھر مصطفیٰ علی خان نے [illegible] پوچھا تو میں نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

"[illegible] خیال ہے کہ [illegible] ہو گا [illegible] سیدھا ہو گا۔ [illegible] میں [illegible] بتا دوں؟"

وہ [illegible] سے ہاتھ جوڑتے ہوئے [illegible] "سرکار! آپ [illegible] کر [illegible] نہیں [illegible] مجھے [illegible] ضرورت [illegible] میں آپ کی بات کا [illegible] ضرور کروں گا۔"

وہ [illegible] والوں کی طرح [illegible] اور بازو [illegible] پھیلا کر [illegible] کی سیدھ باہر نکل گیا۔ ہم دونوں اس [illegible] بڑا [illegible] کی [illegible] اچھا [illegible] کہ [illegible] کی [illegible] انسان کو کیا سے کیا کر دیتی ہے۔ [illegible] کی [illegible] میں [illegible] کا [illegible] اور آنکھوں کا [illegible] آ [illegible] دیا۔ [illegible] پہاڑ تک نظر پڑی تو احساس ہوا کہ باتوں باتوں میں [illegible] نماز کا وقت بھی [illegible] چکا تھا۔ مصطفیٰ علی خان کہنے لگے کہ اس [illegible] وقت میں [illegible] کیا [illegible] چاہئے؟ [illegible] باہر [illegible] سے [illegible] پانی کو دریافت کیا۔ وہ [illegible] جواب دینے [illegible] کی [illegible] لیا۔ تھوڑی دیر میں راستے ایک [illegible] کی [illegible] میں [illegible] پانی [illegible] [illegible] [illegible]

کی جیسا کھیوں کے سہارے اندر داخل ہو جاتا ہے کہ تشنگی کو شدید پانی بھوکے کو دال روٹی اور مسافر کو شور کھانا مل جائے تو وہ پھر حالت تساہل اور راحت کے اک عجیب سے نشے میں مبتلا ہو جاتے ہیں قوی اور دل و دماغ کے اعصاب سست اور سُن سے ہو جاتے ہیں انسان آنکھیں موند کر کہیں لیٹ جانا چاہتا ہے اور شاید ایسی کیفیات سے لطف اندوز ہونے کی خاطر آسودہ حال اور تن آسان رؤسا اشرفا کے ہاں ظہرانے کے بعد قیلولہ کا رواج ہے۔ وہ بھی حسب سابق فرش پہ تھپ سے پڑ گیا۔

"ہاں اوکھی! اب اطمینان سے اپنی بات پوری کرو۔" میں نے اسے مطمئن سا دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ نشے سے چڑھتے ہوئے بے نور پیلے چاروں طرف گھماتے ہوئے بولا۔

"کون سی بات مہاراج.....؟"

میں نے اور صفدر علی نے بیک وقت حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا کہ یہ کمبخت اتنی جلدی بھول گیا کہ وہ کچھ دیر پہلے کیا بات کر رہا تھا؟

"اوکھی! تم فیروزے والے بلاق کی بات کر رہے تھے جو تمہیں نرگی چوپاوتی کرنگی نے دیا تھا کہ اسے تم سوا لاکھ منوں میں ملا کر جمعرات کے روز خواجہ [illegible] کی دیگ میں ڈال دیا کچھ یاد پڑا؟"

میں نے لفظ "یاد" پہ زور ڈالتے ہوئے کہا تو وہ حسب عادت لیٹی ہوئی آنکھوں والے کپکپاتے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہاں مہاراج! مجھے یاد آیا ہے کہ اس بلاق پہ کھوں بھی لگا ہوا تھا۔ میرے دھوکے باز تاتے پھوپھی زاد بھائیوں کو مار پیٹ کر وہ جگہ خالی کروا کر باپو جی کو جو دیق لگا کر لے گئے۔ ہمری تو کھیتی باڑی کام کار سے چارغ ہو گئے۔ کئی روز تک تو بھوکی میں ہی نہ آیا کہ باپو جی نے بلاق کو کھوا جو گریب فوانی کے لنگر پرساد میں ڈالنے کا کہا تھا۔ جب جرا سدھ بدھ ٹھکانے لگی تو میں بلاق لے کر زمیر سرپھ چلا گیا۔ ادھر کندن باجار میں ہمری جورو کا ایک سگے والا سنار کے ہاں گہنوں کے رنگ میں اور چھوٹی پاس کی مجوری کرت ہے۔ دم بیتے کی کھاتر ادھر کا تو کا ہتھ سے نکال کر بلاق بھی دکھایا اور یہ بھی بتایا کہ اسے کھوا جو گریب فوانی کے لنگر میں منوں میں ملا کر ڈالا ہے۔ اس نے چاندی کے بلاق کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور بولا "کھوا اس کو وہاں مت ڈال۔ اس کا پچھ وچ بڑا انمول اور بھاگوان ہے پرساد کی دیگ میں ڈالے تو ہو سکتا ہے کہ سارا پرساد تھوڑا ہو جاوے۔ یہ تو نے جو پھیرہ ہے اور پتے منش نکل سلے تو وہ مر جاوے ہے۔ تو اس بلاق کے مول برابر گھی چاول لے کر دیگ میں ڈال دے اور یہ بلاق اپنی جورو کے ہاتھ ڈال دے پھر دیکھ اس بلاق کے پھیرہ ہے کے پھیرہ اور اس

بات پہ مُن نہ بھیگے تو لات لالہ کو دکھا دیتے ہیں۔ نمازلالہ چوری پرسادلو دکھایا تو اس نے خوب دیکھ پرکھ قول کر دو اوپر چالیس روپلی مول لگایا اور تنبیہ کہ سوا دو آنہ کی چاندی ہے اور باقی پیچھے وہ بے کا مول ہے۔ میں نے دینے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لالہ نے دو روپے اور بڑھائے اور پھر بڑھاتے بڑھاتے سولہ روپلی پہ آ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ لالہ مجھے لوٹ رہا ہے پیچھے وہ بے کا مول ہے۔ میں اٹھ آیا۔ وہیں باجا سے ساتھ روپلی کا تھی کر اور چاندی لے کر پرساد کے لئے دے دیا۔ مرکاؤں کھینچ کر باقی اپنی جورو کے گلے میں ڈال دیا۔"

● مخفی راز، انوکھی گھاتیں.....!

یہاں تک بیان کر کے دتو مل کو پھر ہر ایک لگ گئی تھی اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ اندھوں کانوں میں اگر ایک بصارت کی کمی ہوتی ہے تو ان کی دیگر حسوں میں حیرت انگیز اضافے بھی بہت ہوتے ہیں۔ ان کی قوت متخیلہ جاذبہ انگیز اور روح پرور ہوتی ہے۔ قوت سماعت اور حافظہ [illegible] ہوتا ہے۔ جس طرح رات کے اندھیرے اور [illegible] میں دیکھنے کی دوربینیں اور دیدہ اختراع آلات ہوتے ہیں اسی طرح ان اندھوں کے پاس بھی اپنی ایک الگ ہی سائنس ہوتی ہے۔ آنکھوں کا اندھیرا بھی کبھی ان کی راہ کی رکاوٹ نہیں بنا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر شعبہ حیات میں بادشاہی، سپہ گری، موسیقی، مصوری، نقاشی، شاعری، کتب نگاری، ڈرامہ نگاری، [illegible] کیمیا گری، [illegible] گلوکاری [illegible] کی فضا نوردی تھی کہ نشانہ بازی، ڈرائیونگ، کاشتکاری اور گھڑی سازی میں بھی اندھوں نے ایسے ایسے کارنامہ ہائے سرانجام دیئے ہیں کہ بڑے بڑے چشم والے انگشت بدنداں رہ گئے۔ میں نے بچپن میں ایک مادرزاد اندھے مصور کو مشاقی، پختگی اور اعتماد سے پورٹریٹ بناتے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ عجیب و غریب ظاہر و باطنی حسیات کا مالک نوجوان سامنے بیٹھے ہوئے ماڈل کی آواز سے اپنی انگلیوں کو حرکت دیتا تھا۔ کبھی مشکل میں پھنستا تو ماڈل سے درخواست کرتا کہ وہ اس کی ناک کی ہڈی پیشانی کے درمیان دیکھے۔ پینٹر زیر تربیت میں بیٹھے ہوئے فنکار زیادہ سے زیادہ پندرہ سے بیس منٹ میں چار لوگوں سے تصویر بنا کر کاپیک کے حوالے کر دیتا اور تصویر بھی ایسی کہ تصویر والا جیسے آئینہ دیکھ رہا ہو۔ پچھلی آنکھ کا دھبا، ابھرا ہوا ماتھا، کٹے کٹے بال اور گنتے گنتے جھریاں، پھر وغیرہ ان جانداروں کی اکثر بینائی ناقص اور کمزور ہوتی ہے۔ بعض تو دن کے اجالے میں واجبی سا بھی نہیں دیکھ سکتے لیکن قدرت نے ان کی اس کمی کو چند دیگر متبادل صلاحیتیں عطا کر

UrduPhoto.com

کے پورا کر دیا ہے۔ میکسیکو میں ایک اندھی چھپکلی پائی جاتی ہے جس کی دُم نما زبان اس کے قد سے دوگنا لمبی ہوتی ہے۔ وہ مشکل سے نظر آنے والے چھچھوندروں اور مکھیوں کا شکار کرتی ہے۔ یورپ، امریکہ کے علاوہ کوریا، تائیوان، ہانگ کانگ اور چین میں ایسی بے شمار الیکٹرونک فیکٹریاں ہیں جہاں تمام کا تمام عملہ اور کارکن اندھے اور نیم اندھے ہیں اور کام ایسے مہین اور نازک کہ آنکھوں والے بھی نہ کر پائیں۔ اندھا گٹاری ساز، پیانو نواز اور ایک آرکیسٹرا کا ماہر چینی ڈاکٹر بھی دیکھا جو اندھا ہونے کے باوجود آپریشن تھیٹر میں سامنے پڑے ہوئے مریض کے نازک حصوں میں درجنوں لمبی لمبی سوئیاں گھونپ رہا تھا۔ میں نے ہوٹل سے سری نگر تک کا خطرناک اور مشکل ترین سفر ایک ایسے نیم اندھے سکھ ڈرائیور کے ساتھ کیا جس نے کئی بوتلیں شراب بھی چڑھا رکھی تھی مگر کیا مجال کہ اٹھارہ گھنٹے کی ڈرائیونگ کے درمیان اس شرابی نے کوئی معمولی سی غلطی کی ہو اور مجھے کیسے پتہ چلا کہ وہ اندھا ہے؟ راستے میں کھانے پینے کے لئے جب ہماری بس ایک پہاڑی سرائے ہوٹل میں رکی تو بس کے کنڈکٹر نے بازو پکڑ کر اسے کھانے کے کمرے میں پہنچایا۔ کنڈکٹر سے ہی معلوم ہوا کہ استاد کو صرف پانچ فیصد دھندلا سا دکھائی دیتا ہے وہ بھی جب اس نے وہسکی پی رکھی ہو۔ اس کے انکشاف پر جب میں نے اپنا [illegible] کی اور بس میں جانے رکھنے کا عندیہ ظاہر کیا تو اس مسافر نے کہا:

"استاد اٹھارہ برس سے اسی روٹ پر بس چلا رہا ہے آج تک کسی مسافر کو ایک کی وجہ سے بھی کبھی حادثہ نہیں ہوا۔ اگر آپ نے کسی رسک کے بغیر حفاظت اور وقت پر شری نگر پہنچنا ہے تو میرا مشورہ ہے کہ اسی بس پر استاد کے ساتھ سفر کریں اور اگر وجہ کوئی اور ہے تو آپ کی مرضی۔"

یوکرائن کے ایک سرکس میں ایک روسی نشانے باز کو دیکھا جو ایک لڑکی کے سر پر رکھا ہوا سیب اپنے تیر سے چھیدتا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ نشانہ باز کو جس کی آنکھوں پر سیاہ پٹی بندھی ہوتی ایک آدمی لے کر آتا اور درمیان پنڈال میں لا کر ایک چکر دے کر اسے کھڑا کر دیتا۔ اسی طرح تین لڑکیاں جن کی آنکھوں پر سیاہ پٹیاں ہوتیں اس کے سامنے ساتھ ساتھ کھڑی کر دی جاتیں اور ان کے سروں پر بھی چھوٹے سیب رکھ دیئے جاتے۔ نشانہ باز کے ہاتھ میں تیر کمان تھما دی جاتی۔ اب نہ تو نشانہ باز نے لڑکیوں کو دیکھا اور نہ ہی لڑکیوں نے نشانے باز کو دیکھا۔ نشانہ باز کمان کے چلّے پر تیر چڑھاتا ہے کمان کھینچ کر تیر پھینکنے کے لئے تیار ہوتا ہے اور ادھر سامنے کھڑی ہوئی تینوں لڑکیوں میں کوئی ایک لڑکی "میں کہاں ہوں" کی آواز لگاتی ہے۔ نشانہ باز اسی آواز پر تیر پھینکتا ہے جو سیدھا آواز والی لڑکی کے سیب کو چھید کر ساتھ لیتے ہوئے پیچھے لکڑی کے تختے پر پیوست ہو جاتا ہے۔ مزید لطف کی بات ہے کہ آنکھوں پر موٹی سیاہ پٹی

UrduPhoto.com

بولتے ہوئے نشانہ باز سو فیصد پیدائشی اندھا ہوتا ہے۔ ہاشم میں اندھے شطرنج کے کھلاڑیوں کا ایک کلب ہے جو آپس میں شطرنج کھیلتے ہیں۔ ذرا تصور میں لائیں کہ دو اندھے کھلاڑی آمنے سامنے بیٹھے بساط پر جھکے ہوئے ہیں اور گرد تماشائی بھی بیٹھے ان کا کھیل ملاحظہ کر رہے ہیں۔ یہ تماشائی بھی سو فیصد اندھے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شطرنج کے مہرے اور بساط کے چوخانے مرچاں پا اپنے اپنے مخصوص روانہ شکل پیدا کرتے ہیں جس پر ہر دو کھلاڑی اور تماشائی جان جاتے ہیں کہ کس نے کیا چال چلی ہے۔

اندھوں کی کرکٹ، فٹ بال، کبڈی، ٹیس لیوں سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ دنیا کے بہترین قالین اور شال بافی، کوٹ ملا اور داب کا کام اندھے کرتے ہیں۔ خوبصورت ٹیس چٹائیاں، دروازوں کی چقیں، پرندوں کے پنجرے، کاغذ، سوا دیت، کلٹے، ٹوکریاں، مچھلی پکڑنے کے جال، بچوں کے کھلونے، فرنیچر، تسبیح، مصلے، کرسیاں، بید سازی یعنی بے شمار چیزیں اندھوں نے سیکھی ہوئی ہیں اور ان کے لئے باعزت روزگار کا وسیلہ ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ نشہ بازوں اور اندھوں کی ایک اپنی ہی دنیا آباد زندگی ہوتا ہے جو بڑا دلچسپ اور قابل غور ہوتا ہے۔ سچ لطف پیدا ہوتا ہے۔ چھپ کر دیکھیں اور سنیں۔ کچھ نشے بازوں حافظوں، بھکاریوں، منشیوں اور مداریوں کو کھوتے ہوئے [illegible] جھانک کر ان کی عادات و اطوار کو دیکھا جائے تو [illegible] میں اثر ہوتا یا [illegible] ان کی آپس کی باتیں سن لیتے تو میں اور میرے دوست کبھی کے اسے پیارے ہو گئے ہوتے۔ [illegible] الیوان اور بھنگ کے نشے میں [illegible] پر پانی چھینکنا ان کی حرکتوں میں شرابیں پائے رکھنا [illegible] کے ہوگرے چوبے اور پیلی ہڈیاں ان کے تہہ بندوں میں چھوڑنا ہمارا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ہم سے عاجز آ کر یہ بیچارے قبرستانوں اور مزاروں کی جالیوں میں جا کر پناہ لیا کرتے تھے مگر ہم وہاں بھی پہنچ کر انہیں پریشان کرتے۔ بڑی ہوشیاری سے نلکے چھپ کر ان کے نشے کی حالت والی حرکات دیکھا کرتے۔ ان کی نقل اتارتے۔ اسی طرح حافظوں اور دیہاتیوں سے بھی مسلسل چھیڑ چھاڑ رہتا۔ یہاں تک کہ اپنے استادوں کو بھی بخشا نہیں جاتا تھا۔

- حافظ باؤ نرین بہت کچھ تھا اللہ کی دین!

ہمارے والد صاحب کے ایک ملنے والے حافظ صاحب تھے۔ انہیں ہم "حافظ باؤ نرین" کہا کرتے تھے۔ مادر زاد اندھے، پیدا زاد ناپختہ مذہبی اور خشکی مزاج دکھائی دیتے تھے۔ ہم انہیں "باؤ نرین"

اس لئے کہتے تھے کہ ایک تو یہ ہمیشہ سفر یا گشت میں رہتے' دوسرے یہ چلتے ہوئے تیز تھے۔ خدا جانے یہ کیسے اندھے تھے' اندھوں کی تو ہیلڑ کنس کام نہیں کرتیں مگر شاید یہ اندر کی فضا' آنکھوں والے روشن اندھے تھے۔ جلالپور جٹاں کے انصاریوں میں سے تھے' پیدا ہونے کے بعد چار پانچ برس شاید وہاں رہے ہوں مگر پھر انہیں کبھی چین' سکون اور ٹھہراؤ نصیب نہ ہوا تھا۔ چل سو چل' ہر وقت پاؤں اور ٹرین پہ سوار..... پورے برصغیر میں ان کے ارادت مند اور جاننے والے موجود..... شہر بہ شہر' قصبہ بہ قصبہ اور کوچہ بہ کوچہ ان کے ٹھکانے اور ٹھور..... ہر ایک وقف کار کی کارکردگی' ظاہری باطنی معاشی حالت بلکہ اگلی پچھلی کم از کم تین چار نسلوں تک کی آگاہی رکھتے تھے۔ کسی کے گھر کھڑے کسی' وہابی کے ہاں کٹر وہابی اور اہل تشیع کی امام بارگاہ میں اثنائے عشریہ یعنی جیسا گاؤں ویسا گوبند۔ شیخوپورہ میں شیخ اور مالاکنڈ میں ملند۔ ایک سدا بہاری گاڑھے کی اچکن' جس کی بغلی اور صدری جیبیں ہر قسم کے تعویذ اور پھونکی راکھیں ہمیشہ ان کے زیب تن رہتی تھی۔ سر پہ ململ کا ایک گزی پگڑ' بائیں شانے پہ لٹکا ہوا خاکی کپڑے کا تھیلا جس میں شاید ضرورت کا سفری سامان ہوتا۔ ہاتھ میں اڑھائی چار انچ لمبے لوہے کے موٹے کیل والا مولا بخش نہ ہو تو وہ بسوں گاڑیوں میں گرمی کی دوا' گیرے کا تیر اور سمندری سیپ کا منجن فروخت کرنے والا دلوی صوفی نقشبندی مجددی اوہار شریف سیالکوٹی ہی دکھائی دیتا۔

UrduPhoto.com

ہمارے ان حافظ باذرین کا اصلی نام حافظ قاری عنایت اللہ جلالپوری تھا' اپنے آپ کو سائیں کانواں والا سرکار گجرات شریف سے فیض یافتہ کہتے تھے۔ میری چاچی کے کہنے سے بہت پہلے انہوں نے مجھے پیار سے "نوڈل کا لت" کہا تھا۔ جب بھی ہمارے ہاں آتے' اپنے تھیلے سے چورما نکال کر مجھے کھلاتے ہوئے کہتے کہ یہ سائیں کانواں والی سرکار کا تبرک ہے اپنے نوڈل کاں کے لئے..... تو ننگی ہوئی کہ بلا کے پیٹو' ہر وقت کھانے کھوتنے کا ہاڑا پڑا رہتا' باتونی بھی اور مزاقیہ بھی' ہجا کے۔ واقف کاروں اور انجانوں میں اپنی بنائے رکھنے کا ہنر انہیں خوب آتا تھا۔ جہاں پڑاؤ ڈالتے تھے' ایک تھرتھلی سی مچا دیتے۔ کسی کا کام اور جھاڑ پھونک سے علاج ہو رہا ہے تو کسی کی دماغی جسمانی کمزوری نقاہت رفع کرنے کے لئے مغزیاتی حلوہ تیار کروا رہے ہیں۔ کسی کے گھر بھر کے لوگ جڑی بوٹیوں کی کوٹ اور چھان پھٹک میں لگے ہوئے ہیں۔ کہیں کسی نومولود بچے کا قرآنی فال سے نام نکال رہے ہیں تو کسی کو ڈراؤنے خوابوں سے بچنے اور شر شیطان سے محفوظ رہنے کا نقش لکھ کر دے رہے ہیں۔ نئی نئی نعتیں سناتے اور ذرود و سلام کی محفل تو ہر روز کرواتے۔ شاید یہ سب کچھ ان کی ضرورت' عادت یا پیشہ تھا کہ دو چار روز خوب خاطر خدمت کرتے کرواتے' حلوے مانڈے اڑاتے' دعوتیں نیازیں کھا پی ڈکار کر وہ کسی اگلی چھاؤنی میں پڑاؤ ڈالنے

کے لئے روانہ ہو جاتے۔ ہندو پاک کے تمام چیدہ چیدہ عرسوں کے انعقاد کی تاریخیں انہیں سکولی بچوں میں ریاضی کے پہاڑوں کی طرح ازبر تھیں۔ دو چار روز پہلے ہی وہاں پہنچ جاتے' مہمان خصوصی کی حیثیت پیدا کر کے خوب مزے لوٹتے۔ نعتیں' واعظ' صاحب عرس کی کرامتیں برکتیں اور مجاوروں' گدی نشینوں کی خدمات کے قصیدے زوں رکھتے اور خوب مال پانی پیدا کر کے تبرکات اٹھائے' سبز چادریں باندھے واپس پلٹتے اور پھر کسی اور محاذ پہ پہنچنے کی تیاری میں لگ جاتے۔

ان کا ہمارے ہاں آنا خاص طور پہ میرے لئے بڑا باعث برکت و حرکت ہوتا' برکت سے مراد کہ مجھے ان کی کئی ایک ظاہری اور باطنی جیبوں میں ٹھنسی ہوئی میٹھی چیزیں کھانے کو ملتیں۔ مثلاً کھانے' گڈی' چھوہارے' بتاشے اور کھانڈ چڑھے ہوئے بھنے چاول۔ انہیں جہاں کہیں سے کچھ بھی تر اور خشک لنگر کی صورت میں ملتا' وہ بسم اللہ کہتے ہوئے اپنی اچکن اور اندر کرتے کی جیبوں کے تہ خانوں کے گوداموں میں پھینکتے جاتے۔ ان ہی ظاہری باطنی جیبوں میں سفر و حضر میں کام آنے والی چیزیں بھی ٹھنسی ہوتیں۔ مسواک' قینچی' پٹا' کالی لکڑی کا کنگھا' موچنا تو سامنے والی جیب میں دکھائی دیتے تھے۔ وزیر آبادی ٹکاری چاقو' قینچی' سوئی دھاگہ' آزار بند ڈالنے کا دام' کان سے میل نکالنے والی چاندی کی سلائی' ماچس' ناخن تراش' لکڑی [illegible] والا [illegible] ہوئے [illegible] ایک موٹی پڑیے میں لپٹا ہوا اندر کی جیب میں ہوتا۔ منتریاں' مختلف نوع کے لکھے ہوئے نقش' چاندی کے چھلے' گلے کے تعویذ بند' کالے ڈھاگے' مترجم قرآن' یٰسین' گنج العرش' درود تنجینہ' پنج سورہ' سلیمانی قال' سلیمانی سرے کی ڈلیاں وغیرہ واسکوٹ کی اندرونی بڑی جیب میں ہوتیں۔ اسی طرح مقدس کاغذ' عطریات کی ننھی ننھی شیشیاں' تکیئے' تسبیحیں' انگوٹھیاں' مدینے شریف کی خاک شفا' نجف اشرف کے موئے نجف کا نگینہ' بغداد شریف کی کھجوروں کی گٹھلیاں' چورن اور دیگر اسی نوع کے تبرکات سے ہر وقت لدے پھندے رہتے' حسب ضرورت یا حسب طلب ان کی زیارت بھی کرواتے اور مجبور کرنے پہ ہدیۃً عطا بھی کر دیتے تھے۔

ہمارے ہاں قیام کے دوران وہ اپنی اچکن اور کرتہ اتارنے سے گریز فرماتے لیکن انتہائی مجبوری یا شدید گرمی کی صورت میں یہ دونوں چیزیں اتار کر بڑی احتیاط سے اپنی چادر میں لپیٹ کر تکیئے کے نیچے دھر لیتے۔ روپیہ پیسہ یا کوئی قیمتی اثاثہ وہ اپنے زیریں سوکے میں رکھتے تھے جو صرف غسل یا پھر کبھی ڈھلنے کی غرض سے ہی فصیل جاں سے وقتی طور پہ جدا ہوتا تھا۔ خصوصی طور پہ ہمارے ہاں قیام کی صورت میں ہی انہیں ایسی احتیاط کی ضرورت کیوں پیش آتی تھی؟ اس کی وجہ میری ذات شریف تھی' ان کا شک خفیف اب یقین شدیدہ میں بدل چکا تھا کہ میں ان کی جیبوں سے اپنے کام کی چیزیں اڑاتا ہوں۔ اب ان کی یہ

UrduPhoto.com

حالت تھی کہ جب تشریف لاتے تھیں گھر میں موجود بچوں یا نہ ہوں دوائی پھوٹی ہوئی جیبوں کو یوں سمیٹ اور سنبھال کر بیٹھتے جیسے مرغی چیل یا بلی کتے کی موجودگی میں اپنے چوزوں کو پروں تلے سمیٹ لیتی ہے۔ جمالدرو اندھوں کی مانند ان کی آنکھوں کے ڈیلوں کے ریڈار بڑی تیزی سے دائیں بائیں اوپر نیچے حرکت میں رہتے۔ کھانا کھاتے سے گوشت کی رکابی کبابوں کی تھالی اور حلوے کی پلیٹ ان کے بازوؤں اور ہاتھوں انگلیوں کے حصار اور دسترس میں یوں آ جاتیں کہ کتنی مجال تک ادھر پر نہ مار سکتے تھے۔ کھانے کے اوپر نیت اور ہاتھ بڑی تیزی سے تیرتے رہتے کہ مبادا کوئی غنیم اوچھے وار سے کوئی بوٹی کباب اچک لے۔ اجتماعی کھانے میں حاضرین کے ہاتھ انگلیاں کسی کا سری بوٹی پستے بادام کی گن گن میں پلیٹ یا قاب کے انتہائی کناروں اور شامل طعام افراد یا فرد کی انگلیوں سے بھی ٹکرا جاتی ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ لوگوں کا بھی چکاروں ابابیلوں سانپوں بلیوں کتوں کی طرح اپنا ایک ریڈار سسٹم ہوتا ہے۔ ان کی جاذبہ اور منجذبہ سے ایسی لہریں اور شعاعیں اردگرد پھیلتی اور سکڑتی ہیں جن سے یہ آمنے سامنے اردگرد نیچے اوپر اکثر چیزوں محرکات وتحرات کو محسوس کر لیتے ہیں۔ ہوا فضا اور آواز کے زیر و بم اور تعاقبی وارتباط سے بھی بہت کچھ جان لیتے ہیں۔ بعض کو چشمے میں کے ایسے مظاہرے کرتے بھی دیکھے کہ سدھے بھی لیا کرتے ہوں گے۔ ان میں سے ایک یہ ہمارے صاحب باوقرین بھی تھے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ ان کی آمد ہمارے لئے ہمیشہ باعث طمانیت رہی۔ چکا چکاری بھری جیبوں کی پوری چکاری اور ان کی پرکشش شخصیت پرلطف طبیعت اور بذلہ سنجی کے علاوہ ایک اور خوبی یا مہربانی جو ہمیں ان کا دیوانہ بناتی تھی وہ ہمیں اپنے ساتھ کسی طرف یا بیرون شہر کسی جگہ لے کر جانا تھی۔ آوارہ گردی جو ہمارے خمیر میں رچی بسی ہوئی تھی ان کے ساتھ چلنے سے مزید نکھر کر سامنے آ جاتی۔ بظاہر ہم ان کی آنکھ یا رہبر بن کر ساتھ ہو لیتے تھے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ہمیں راستہ دکھاتے ہوئے چلتے تھے۔ ہم ان کا بایاں ہاتھ تھام لیتے تھے کہ دائیں ہاتھ میں ان کا "عصائے جلالپوری" ہوتا۔ سمجھیں کہ ہم ان کا ہاتھ تھامے سٹیشن کی طرف جا رہے ہیں۔ اب ہم شارٹ کٹ مارنے کے لئے بوچڑ خانے کا راستہ اپنانے کے لئے چوک کی دائیں جانب ان کا رخ موڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ٹھٹک کر کہتے ہیں کہ سیدھے بازار کی طرف سے چلو بوچڑ خانے کے لئے بڑے خبیث ہیں میری خوشبو دور ہی سے سونگھ لیتے ہیں اور ادھر بڑے گوشت کی بدبو بھی بہت ہوتی ہے۔ بازار میں داخل ہوتے تو بولتے کہ آگے سرکاری نلکے کے پاس گڑھا ہے بچ کر گزرنا اس میں گندہ پانی کھڑا رہتا ہے۔ آگے والے گڑھے سے بچ بچا کر گزرے تو فرمایا کہ وہ مائی بھولی کی مسجد کے آگے نانبائی بھٹی بندھی ہوئی دیکھ رہے ہو ذرا خیال سے کمبخت کی

پونچھل کی طرف دھیان رکھنا۔ میرے ساتھ تو اس کی جنے خاندانی دشمنی ہے بس ذرا اس کی پونچھل کی زد میں آنے کی دیر ہوتی ہے ایسا نشانہ باندھ کر اپنی پونچھل کا ہنر جھٹکے گی کہ سارے کپڑے گندگی اور غلاظت سے پلید کر دے گی۔ بیری والے چوک میں داخل ہوتے ہی ہاتھ کے دباؤ سے مجھے دائیں جانب ذرا کر کہتے ۔۔۔ دیکھو بابا فضلا گرم گرم پکوڑے اور دال کے لڈو نکال رہا ہے اور واقعی وہ ایسا ہی کر رہا ہوتا۔ پکوڑے اور ماش کی دال کے لڈو بندھوا کر وہ مجھے راجہ بازار کی جانب دھکیلنا شروع کر دیتے۔ مسجد سرکاری ہکا راستے کی رکاوٹیں کچے پکے راستے اونچ نیچ۔ ایک ایک دوکان سٹیشن کا ایک ایک بنچ۔ فسٹ کلاس سیکنڈ اور تھرڈ کلاس کی بوگیاں پلیٹ فارم پہ کہاں کہاں کھڑی ہوتی ہیں۔ پانی اور پولیس والوں کی بوگیاں بیت الخلاء اور چائے خانے یوں معلوم ہوتا کہ جیسے پورے ریلوے سسٹم میں ان کی عملداری ہے۔ ہر متعلقہ ملازم سے یا اللہ یا رسول کا رشتہ ہے ان کے بچوں اور گھر کے افراد تک کو پوچھیں گے۔ ٹرین کے تمام پھیری والے خوانچہ بردار ٹی ٹی ڈرائیور گارڈ ہر کوئی بندہ بے دام۔ اوکی سٹیشن پہ گاڑی دم کی دم رکی تو عنایت پانی والے کو آواز لگائی وہ پانی لے کر دوڑا آیا۔ سموسے اور برفی کھائی۔ ہیکو والے پہ شیرا چائے والا چائے لا رہا ہے۔ ایسا ہی آنی پی نعمت اور کھانے کھانے کی بھی عیش تھے جو مجھے ان کا [illegible] ان کی باتیں بھارت سوئیلدر کے انداز ایسا پختہ و بے مثال حافظہ کم ہی کہیں مشاہدے میں آیا وہ کاغذ میں مخول مخول میں ہی بڑی دلچسپی اور گہرائی سے اُن کی ان خصوصیات کا مطالعہ اور مشاہدہ کرتا رہتا اور کبھی کبھی نظر بچا کر بڑی مکاری سے اُن کو امتحان میں بھی ڈال دیتا تھا مگر وہ کمال چابکدستی سے میری ڈم پہ پاؤں رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے۔

"کوڑن کاں! تمہارے جیسا مکار، مسخرا اور چور اچکا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ بھی ہاتھ کرنے سے باز نہیں آتے پر کیا کروں تمہاری ذہانت اور فطانت مجھے بڑی پسند ہے۔ ایک اور بات کہ جب تم میرا ہاتھ تھام کر چل رہے ہوتے ہو تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنی منزل کی جانب گامزن ہوں....."

مجھے کئی بار حافظ صاحب کے ساتھ علی پور سیداں جانے کا موقع نصیب ہوا۔ اُن کی طرح مجھے بھی علی حضرت پیر سید عنایت علی شاہ کی ذات قدسیہ سے بڑی عقیدت تھی۔ حضرت صاحب بڑی محبت سے ان سے نعتیں سنتے اور سراہتے۔ اسی طرح گولڑہ شریف، پاک پتن شریف، حق باہو سرکار، سیون شریف، موہڑہ شریف، داتا سرکار، پیر مکی سرکار، حضرت شاہ جمال، سرکار مادھو لعل حسین، میاں میر، بری امام، غرضیکہ جہاں جہاں جدھر کدھر کوئی اللہ کا بندہ آسودۂ خواب ہے وہاں پہنچتے میں بھی بچہ جمورا کی طرح ساتھ

ساتھ ہوتا' اس طرح میرے ذوقِ آوارگی' اللہ والوں کے قدموں کی خاک چاٹنے کی چاٹ اور راستے راہوں' دوراہوں' سہ صدوں' چوراہوں میں بھٹکنے' ٹلنے رکنے' کھونے اور خراب ہونے کے چسکے کو بھی تقویت ملتی۔ دنیا کی نیرنگیاں' کائنات کی بوقلمونیاں' وقت زمانے کی کروٹیں' لیل و نہار کی جلوتیں۔ سورج چاند ستارے' زمین و آسمان' سمندر دریا' پہاڑ جنگل' لوگ باگ' درند پرند چرند' موسم نظارے حادثے' یہ سب کچھ گھر بیٹھے تو سمجھ میں نہیں آسکتے۔ کائنات میں کرۂ ارض کی حیثیت تو صحرائے گوبی پکو میں بنتے بگڑتے ایک چھوٹے سے ریگ ٹیلے سی بھی نہیں ہے۔ جو کوئی اپنے زیرِ پا' پاؤ بھر زمین ہی نہ دیکھ پائے وہ لم یزل کی وسیع الجہت کائنات جس میں لاتعداد عالم ہیں اور ہر عالم میں لاتعداد دنیائیں آباد ہیں' ان کا تصور کیسے کر سکتا ہے' مکاں کو سمجھے بغیر لامکاں کو کیسے امکان میں لایا جا سکتا ہے؟ ظاہری بینائی کسی بھی ہدف کو اس کی حقیقی حالت میں دیکھنے سے قاصر رہتی ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قوتِ بصر جن ظاہری عوامل اور محرکاتِ حسیہ کے تحت کام آتی ہے ان کی ترجیحات اور مدرکات وقت' موسم' حالات اور طبع طبیعت کے مطابق بدلتے رہتے ہیں اور باطنی بصارت دل اور دماغ کی بصیرت کے تحت کام کرتی ہے۔ اگر آنکھ بصارت رکھتی ہے تو دل بصیرت رکھتا ہے۔ میرے بابا جی اکثر یہ مصرعہ دہرایا کرتے تھے

UrduPhoto.com

آنکھوں میں اجالا دل میں صورت ہو پیا کے

یعنی اصل بصارت دل کی بصیرت ہے۔

بات یوں تھی کہ نابینوں کی ظاہری بصارت معدوم ہوتی ہے تو کسی نہ کسی درجہ پہ ان کی باطنی بصارت اجاگر ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی اگر محنت اور مشقت کی جائے تو بصارت کے ساتھ بصیرت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں حافظ صاحب کی اسی بصیرت کی ٹوہ میں تھا کہ وہ مجھے دیدوں سے نہ دکھائی دینے والی چیزوں کو کس آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں؟ میں محروم تماشا بس اسی کھوج میں خجل خوار ہوتا پھرتا تھا۔ موڈ' موسم اور موقع محل موافق ہوتا تو ممدوح موصوف پیدل بھی چل نکلتے یا پھر جب وہ خوب پیٹ بھر کر کھائے پیئے ہوتے تھے۔ مرغن غذاؤں کی دسترخوان پہ اپنی ایک الگ ہی بہار ہوتی ہے مگر پیٹ میں بے محابا اور بے تحاشا اترنے کے بعد جو ان پہ پڑا کار اور پھر پھار خمار آتا ہے تو وہ کوئی ندیدہ اہل معدہ ہی جانتا ہے۔ شیر' پہلوان اور حافظ' ملاں وغیرہ مشقت کام و دہن کے بعد کچھار' اکھاڑے اور حجرے مسجد سے کہیں دور قیلولے اور "پھسلولے" کے لئے نکل جاتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق ان کی بسیار خوری کے "روحملانہ" عواقب سے محفوظ رہے۔ حافظ صاحب قبلہ بس ذرا دور ہی تک نکل جاتے کہ جیسا کھانا ویسا سفرانہ۔ جہاں کھایا پیا گھان بچہ' گلھو ہو جاتا' وہیں سے واپسی ہو جاتی۔ صبح دو تین جفادری قسم کے پراٹھے'

دو دو نے دیسی انڈے اور بڑا پیالا بھر چائے کے بعد چھاؤنی میں پیر شعلہ شہید کے مزار یا باب دی پیری تک راؤنڈ لگانا ان کی ضرورت بن جاتا۔ اکثر مجھے بھی ساتھ گھسیٹ لیتے کہ بچوں کے لئے صبح کی ہوا خوری بڑی ضروری ہے سو چار و ناچار مجھے ان کا ہاتھ تھام کر ساتھ نکلنا پڑتا۔ میں شاید یہ بتانا بھول گیا کہ چلتے ہوئے ان کا سر گڑی کے پنڈولم کی مانند دائیں بائیں جھولتا رہتا۔ ہاتھی بھی مستی فراغتی میں یونہی سر کو ہلاتا رہتا ہے یا پھر ذاکر حضرات ذکر جہر و خفی میں یہی انداز اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ عقدہ تو بعد میں کھلا کہ وہ خفی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ سر کے ساتھ آنکھوں کے ڈیلے بھی گردش میں رہتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ چلتے چلتے اچانک ٹھٹک کر رک لئے یوں جیسے ذرائیور ایمرجنسی بریک لگا دیتا ہے۔ میں ہڑبڑا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتا کہ یہاں کس نے راہ ماری ہے جو اس طرح اُٹھتے قدموں پہ روک لے لی ہے۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اوپر ان کے چہرے کی جانب نگاہ کرتا جدھر کچھ ایسی تبدیلی واقع ہوتی گویا وہ کچھ دیکھ اور سن رہے ہوں۔ چند ساعتوں کے بعد وہ خود ہی میرا ہاتھ دبا کر چل پڑتے اور میں انتہائی بے بسی کی عالم میں پوچھ بیٹھتا۔

"حافظ جی! کیا ہوا...؟"

"چپ کر کے چلتا رہ۔ وہ گزر رہے ہیں۔"

"وہ کون...؟"

میں نے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ دھیمے لہجے میں میری گدی پہ دھول جماتے ہوئے کہتے۔

"وہ تیرے کچھ لگتے.....!"

● ملک الموت کی پرواز.....!

خدا جانے وہ میرے کچھ لگتے کون تھے؟ ... رنگ پورہ میں ان کا ایک عقیدت مند رہتا تھا حافظ صاحب جب سیالکوٹ تشریف لاتے تو اس کے پاس ٹھہر جاتے۔ بیچارہ ہاتھ پاؤں سے محتاج ... اوپر سے عیال داری بھی تھی۔ بس وہ خدائی ٹھہرے سے زندگی کے دن کاٹ رہا تھا ... حافظ صاحب کی بہت سی جیبوں میں ایک جیب اس تاج دین کے نام کی بھی تھی جس میں وہ اس کا حصہ جمع کرتے رہتے۔ اس روز بھی وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے اس کے ہاں جیب والی امانت پہنچانے جا رہے تھے۔ ایک انتہائی تنگ گلی سی

UrduPhoto.com

گلی کے آخر پہ اس کا ڈربا نما مکان تھا گلی ایسی تنگ اور سنگری ہوئی کہ آنے جانے والے ایک دوسرے سے مجبوری کا معانقہ کرتے ہوئے گزرتے تھے۔ گلی میں داخل ہوتے ہی حافظ صاحب نے مجھے آگے کر دیا ہم بمشکل آٹھ دس قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ اک دم انہیں ایمرجنسی بریک لگ گئی ... ان کا وہ ہاتھ جو شانے پہ رکھا تھا' تھر تھر کانپنے لگا۔ اپنا دوسرا عصا والا ہاتھ بھی میرے دوسرے شانے پہ رکھ کر انہوں نے مجھے گھسیٹ کر اپنے پیچھے کر لیا اور عجلت کے ساتھ ایک ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے گلی سے باہر نکل دائیں طرف ایک کھڑے کی آڑ لے کر کھڑے ہو گئے۔ مجھے ابھی تک انہوں نے اپنی اوٹ میں چھپا رکھا تھا۔ میں ابھی صحیح سے اس صورت حال کو سمجھ نہ پایا تھا کہ زن سے ایک کالی شاہ بھینس نتھنوں سے شعلے اور کھروں سے چنگاریاں چھوڑتی ہوئی اندر گلی سے نکلی اور گولی کی طرح ہمارے سامنے سے گزرتے ہوئے کھیتوں کی جانب چلی گئی۔ مارے خوف اور دہشت میری تو گھگھی بندھ گئی۔ بھینس تھی یا کالا شاہ گینڈا میری نگاہیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ جیسے جیسے وہ دور ہوتی جا رہی تھی' ایسے ایسے زمین چھوڑتی جا رہی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کھیتوں اور پھر درختوں کے اوپر اسی رفتار سے بھاگتی ہوئی جا رہی ہے' یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میرا منہ اور آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئیں اور دل سینے میں کسی خرگوش کی طرح پھدک رہا تھا۔ ایک اور عجیب بات کہ اس واقعہ کے دوران پھر اور لوگ اور بچے بھی گلی کے باہر اور اندر موجود تھے مگر کسی کے بھی چہرے بشرے پہ کوئی پریشانی دکھائی نہیں دے رہی تھی اور نہ ہی کسی کو بھینس کے اس طرح جگہ جگہ بھاگنے سے ادھر ادھر بھاگتے یا کسی آڑ اوٹ میں پناہ لیتے دیکھا' سب مطمئن اور نارمل تھے کہ جیسے یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر ہوا ہی نہیں۔ یونہی میں نے حافظ صاحب کی جانب دیکھا' ان کے اندر باہر کا پنڈولم حسب معمول چل رہا تھا۔ ذرا سکت سے نکلتے ہی میں نے سامنے کھڑے ایک لڑکے کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

''یار! یہ کس کی بھینس تھی جو زنہ تڑوا کر بھاگی ہے' اس تنگ سی گلی میں ایسی موٹی تازی خطرناک سی بھینس ... کوئی اس کے سامنے آ جاتا تو اس کا تو کچومر نکل جاتا...''

وہ لڑکا یوں میری اور حافظ صاحب کی جانب دیکھ رہا تھا جیسے ہم دونوں کسی پاگل خانے سے فرار ہو کر آئے ہوں اور یہاں چھپے کر کھڑے ہوں ... آخر وہ بولا۔

''اوئے' پاگل خانے! تم کس بھاگتی ہوئی بھینس کا ذکر رہے ہو؟ ... میں یہاں گھنٹے بھر سے کھیل رہا ہوں۔ نہ تو یہاں سے زنہ تڑوا کر کوئی بھینس گزری ہے اور نہ ہی اس گلی میں کسی کے پاس کوئی بھینس ہے ... گلی سے دو آدمی تو گزر نہیں سکتے' بھینس کہاں سے گزرے گی؟''

وہ لڑکا عجیب سی نظروں سے مجھے گھورتا ہوا بولا تو میں نے حافظ صاحب سے پوچھا۔

"حافظ جی یہ بھینس!..... میں نے اس وقت تو گلی میں سے کسی بھینس کو آتے نہیں دیکھا تھا آپ کو وہ بھینس کہاں سے نظر آ گئی جو آپ مجھے اس تنگ گلی سے گھسیٹ کر باہر نکال لائے؟"

چند لمحے توقف کے بعد حافظ صاحب کے منہ سے نکلا "انا للہ وانا الیہ راجعون..... نوڈل کاں! چلو ذرا بازار تک ہو آئیں....."

وہ مجھے اس طرح لئے ہوئے بازار کی جانب بڑھ رہے تھے جیسے وہ بینا ہوں اور میں نابینا وہ سیدھے شیخ برکت علی کی دوکان پہ پہنچے مکمل کفن دفن کا سامان بندھوا کر مجھ پہ لاد دیا۔

"چلو اب وہیں کالی بھینس والی گلی میں چلتے ہیں....."

یہاں پہنچتے ہی آہ و بکا کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑیں۔ تاج دین کے گھر کے باہر مرد عورتیں جمع تھے۔ حافظ صاحب کو دیکھتے ہی لوگوں نے رستہ کھول دیا۔ عصر کی نماز کے بعد حافظ صاحب نے ہی جنازہ پڑھایا۔ شام کو واپسی پہ میں نے ڈرتے ڈرتے حافظ صاحب سے پوچھا۔

"حافظ جی! وہ کالی شاہ بھینس....."

"کون سی بھینس نوڈل کاں؟"

"وہ جو تاج دین کے گھر کی طرف سے زنہ تڑوا کر بے تحاشا بھاگی چلی آ رہی تھی اور جس کی زد سے بچاتے ہوئے آپ مجھے فوراً گلی سے باہر نکال لائے تھے.....؟"

وہ کمال تحمل سے پوچھنے لگے۔ "تم نے خود اپنی آنکھوں سے اس کالی شاہ بھینس کو دیکھا.....؟"

میں نے فوراً جواب دیا۔ "جی ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے اس کالی شاہ بھینس کو گلی سے آتے ہوئے اور ادھر باہر کھیتوں کی جانب جاتے ہوئے بلکہ پھر اوپر آسمان کی جانب پرواز کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے....." وہ اپنی نرم نرم انگلیوں سے ٹٹول کر میرے منہ پہ اپنا ٹھنڈا سا ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"بس نوڈل کاں! خاموش ہو جاؤ اور کبھی کسی سے یہ بھینس والا ذکر نہ کرنا وہ ملک الموت تھا..... اور ہاں اب اس موضوع پہ کوئی سوال بھی نہ کرنا.....؟"

علی پور شریف والے حضرت پیر جماعت علی شاہ کے وصال سے ایک روز پہلے وہ مجھے علی پور شریف لے آئے تھے۔ میں بخار میں بھن رہا تھا۔ صبح ہی صبح ان کی آمد ہوئی میرے بخار کا سن کر میرے پلنگ پہ آ براجمان ہوئے۔

"السلام علیکم!..... نوڈل کاں یہ تم نے کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے؟"

UrduPhoto.com

میری بجائے میری بہن نے جواب دیا۔ "حافظ جی! کاکے کو دو روز سے سخت بخار ہے۔ یہ کھاتا پیتا بھی کچھ نہیں اور دوائی بھی نہیں لیتا....."

ٹٹول ٹٹول کر انہوں نے میری نبض دریافت کر لی تھی پھر پھولے پھولے ڈھلکے ڈھلکے پیٹ اور سینے تک آ پہنچے اور پھر پیٹ کے اوپر ہلکا سا دباؤ ڈال کر وہ میری گردن تھوڑی منہ ناک آنکھیں ماتھا اور پھر سر تک آ پہنچے۔ اندر کی جیب سے چند بڑے بڑے شیریں قسم کے اموک نکالے تھے علیحدہ کر کے اپنے منہ میں رکھ لئے چند لمحے چبانے اور نرم کرنے کے بعد شہادت کی انگلی سے میرے منہ میں ڈال دیئے اور میری ماں جی سے کہا۔

"نوڈل کاں کے کپڑے نکال لائیں ہم ابھی اسی وقت علی پور شریف جا رہے ہیں"

ماں جی نے جواب دیا۔ "یہ دو تین روز سے بخار میں پھنک رہا ہے کمزوری سے اپنے قدموں پہ تو کھڑا ہو سکتا نہیں اور آپ اسے علی پور لے جا رہے ہیں؟"

حافظ جی نے مسکرا کر فرمایا۔ "آپ کپڑے تو لائیں یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے

اموک کا [illegible] میرے حلق سے نیچے اترا [illegible] ایک سوتیں دھچکا بخار کا فور بن کر اڑ گیا۔ میں [illegible] بخار کی [illegible] حافظ صاحب نے میرے [illegible] کا شربت منگوایا آدھا گلاس خود لے کر مجھے پلا دیا۔ اس کے فوراً بعد مجھے بیت الخلاء جانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پھر منہ ہاتھ دھویا کپڑے پہنے اور علی پور شریف جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ گھر والے ہکے بکے سے ہم دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ میں ان خوش نصیبوں میں سے ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی حیات میں بھی متعدد بار قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی اور نماز جنازہ میں بھی شمولیت نصیب ہوئی۔ حافظ صاحب اپنی باطنی آنکھ سے ہر چیز کو صاف صاف دیکھ لینے پہ قادر تھے۔ میں نے کئی مرتبہ شرارت کی غرض سے حافظ صاحب کو آزمایا مگر وہ کبھی میرے چکر میں نہیں آئے بلکہ میرے چکر کو چکر دے کر انہوں نے مجھے ہی چکرا دیا۔ میں نے پہلے بھی کہیں لکھا ہے کہ مجھے چوری کی عادت تھی۔ گھر میں ہلکی پھلکی وارداتوں کے علاوہ ہمسایوں، مسجدوں اور مزاروں کے علاوہ جہاں کہیں موقع ملتا میں اپنا کام کر جاتا تھا مگر میری چوریاں ہوتی بڑی معصوم اور بے ضرر سی تھیں۔ مثلاً کھانے پینے کی چیزوں کی چوریاں۔ مرغیوں، کبوتر، سکول کی کتابیں، مسجد کے لوٹے کا تیل، مزاروں پہ پڑے ہوئے پیسے یا پھر کسی نئی فلم کے لئے گھر میں دو چار آنے کی چوری۔ اسی طرح ہم نے حافظ صاحب کو ایک آسان ٹارگٹ یا آسامی سمجھ کر دو تین بار چھانی تھی کہ چلو وقتاً فوقتاً ان پہ ہاتھ صاف کرنے کی مشق کیا کریں گے۔ مگر وہی بات کہ ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو ستر

رکھتے ہیں۔ ان کی دو آنکھیں کیا بند تھیں کہ ایک سو چالیس آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ان گنت واقعات ہیں کس کس کو لکھوں۔ ان کے پرانے جاننے والے کہتے تھے کہ ان کے پاس جنات بھی ہیں اور چھوٹے بڑے سینکڑوں ہمزاد و موکل تو ان کی پگڑی کی تہوں چغوں' سلوکے کی جیبوں' اچکن کے اندر اور شلوار کے نیفے میں دھرے پڑے رہتے ہیں۔ یہ بھی سنا کہ وہ ان جنوں ہمزادوں اور موکلوں کی اپنے انڈے سے پانی بھی کر دیتے ہیں۔ ہم بھی اس چکر میں تھے کہ کسی طرح حافظ صاحب کی خدمت سیوا کر کے ایک آدھ جن اور دو چار موکلوں سے دوستی گانٹھ کر خوب فائدہ اٹھائیں۔ دوستوں پر رعب ڈالیں' خوب روپیہ پیسہ ہو۔ جہاں دل چاہے کا جن اور موکلات کے ذریعے پہنچ جایا کریں گے۔ گمشدگان کی خبر لگانا' چوروں کا پتہ چلانا' فیل پاس ہونے کی پیشین گوئیاں کرنا۔ ویسے حافظ صاحب بذات خود بھی کسی جن یا موکل سے کم نہ تھے۔ ان کا کھانا پینا' چلنا پھرنا' نظم و نثر' مکالمات و تصرفات' قول و فعل' لہجہ کا ایسا کھرج پن' کسی انسان کا کم اور کسی جن کا زیادہ لگتا تھا۔ گھوڑے گدھے' کتے' بلیاں' گائیں بھینسیں انہیں دیکھتے ہی بدک اٹھتے تھے۔ ہوائی' آفاقی اور ارضی نادیدہ مخلوقات ان کی منتظر ہوتے ہی فوراً مکالمہ کر جاتی تھیں۔ کشف الشعور بھی تھا۔ سفر میں میرا ہاتھ ایسی مضبوطی سے پکڑتے کہ میری کمزوری یہاں تک کہ میں کسمسا کر تو دیتا۔

UrduPhoto.com

"اوئے نیکی خانے پچھانے نوں کاں' بیوقوفا' میرے ہاتھ میں ہاتھ مضبوطی سے دیا کر میں تیری بیڑی چارج رکھا کرتا ہوں۔ تیرے اور تیرے سلسلے' آل اولاد کی خوشبو دافع شر اور جہاں قدم پڑیں گے وہاں ایسی حشرات نابود ہو جائیں گے۔ یعنی قدم درویشاں زد ہے۔"

● بلیات کا جلوس' چلۂ معکوس.....!

سیالکوٹ چھاؤنی کے ذرا آگے کھروڑ سیداں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے' وہاں کے چند سادات گھرانوں سے حافظ صاحب کی یاد اللہ تھی۔ سیالکوٹ آتا ہوتا تو وہاں بھی جانا لازمی ٹھہرتا' اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اسٹیشن سے نکل کر ادھر ہی یوں رخ کر لیتے کہ مجھے کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ جب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو پتہ چلتا کہ موصوف تو کئی دنوں سے سیالکوٹ کی گمری میں پڑھارے ہوئے ہیں۔ کھروڑ سیداں کے سادات۔ ان سے روحی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ یہاں کے ایک سید زادے کا جنات و رجال الغیب سے ایک تعلق خاص تھا۔ گاؤں سے بہت پرے ہٹ کر ان کا حجرہ تھا جہاں یہ دنیا جہاں سے بے نیاز اپنے

مجاہدوں کی مخلوقوں میں بٹے رہتے تھے۔ محدود سے چند قریبی افراد کے علاوہ کوئی اور ان کے خجرے کی طرف رخ نہ کرتا کہ ادھر جنات اور ہوائی مخلوق کا پہرہ رہتا ہے۔ میں حافظ جی کا ہاتھ پکڑے یہاں کئی مرتبہ آ چکا تھا۔ لیکن جب بھی آیا دن کے اجالے میں ہی آیا اور ہمیشہ شام پڑنے سے پہلے واپس گھر پہنچ جاتا۔ حافظ جی اور شاہ صاحب اندر خجرے میں بیٹھ جاتے اور میں باہر ادھر ادھر درختوں پہ طوطوں کے انڈے بچے تلاش کرتا رہتا کیونکہ خجرے کے اندر جانے یا جھانکنے کی جرأت تھی اور نہ اجازت۔ سنیدن تھا کہ خجرے کے اندر شاہ صاحب نے بوتلوں، کنجیوں اور مرتبانوں میں جنات موکل اور شیش ناگ قید کر کے رکھے ہوئے ہیں۔

جس جگہ یہ محل وقوع تھا اس کے جنوب میں شہر اور مشرق میں چھاؤنی کا علاقہ تھا درمیان میں ایک نالہ گزرتا تھا جو چھاؤنی کی حد بندی کا کام دیتا تھا۔ خجرہ ٹیکروں، کانٹے دار جھاڑیوں کے ایک چھوٹے سے ذخیرے کے درمیان واقع تھا آبادی والے دیہہ دیہات اس جگہ سے خاصے دور دور تھے۔ یہاں تک پہنچنے کے لئے پکی پکی سڑک یا کوئی باقاعدہ راستہ بھی تو نہیں تھا چھاؤنی والے نالے کے چھوٹے سے پل کو عبور کریں تو بائیں جانب ایک پتلی سی پگڈنڈی درختوں کے سائے کی، جھاڑیوں کے درمیان سے بل کھاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس پگڈنڈی کو بہت دور درختوں کا ایک جھنڈ نظر آتا ہے۔ ایک عام رفتار سے آدھے ترچھے راستوں پہ اونچے نیچے سے بچتے سنبھلتے آخر کار پون پیدل گھنٹے میں شاہ صاحب کے ڈیرے پہ پہنچا جا سکتا تھا۔ پاس پہنچیں تو ذخیرے کے گرد خودرو کانٹے دار جھاڑیوں کی باڑ سی دکھائی دیتی ہے۔ اندر داخل ہونے کے واحد راستے کے باہر شیشم کے درخت کے موٹے تنے پہ ایک نمایاں بورڈ لٹکا نظر پڑتا ہے۔ ''آستانہ سید معصوم علی شاہ گیلانی اویسی'' ۔۔۔ یہ شارع عام نہیں بغیر اجازت ذخیرے میں داخل ہونے کی سختی سے ممانعت ہے۔ شاہ صاحب جمعرات کے روز صرف باوضو صوم وصلوٰۃ کے پابند حضرات سے بعد از نماز ظہر بوڑھ والی مسجد میں ملاقات کرتے ہیں بچوں عورتوں اور نذر نیاز لانے والوں سے معذرت۔ ان امور کی پابندی نہ کرنے والا اپنے معاملہ کا خود ذمہ دار ہوگا۔

ہم جب بھی یہاں آئے تو اپنے سوا کبھی کوئی اور نظر نہ آیا۔ کئی بار جمعرات کے روز بھی یہاں آنا ہوا تب بھی کوئی ملاقاتی یا کوئی فرد آس پاس دکھائی نہ دیا۔ عجیب پُراسرار جگہ تھی شاید اسی لئے ادھر کوئی منہ نہیں کرتا تھا۔ ذخیرے کے چاروں اطراف چار چار کھیتوں کا رقبہ بغیر کسی کھیتی باڑی کے تھا بالکل یوں جیسے یہاں دن رات گھوڑے دوڑتے رہتے ہوں۔ بھربھری نرم نرم مٹی ٹھوروں کے نشان اس قسم کی جگہ اور زمین اکثر گھوڑوں کے فارموں یا گھڑدوڑ کے میدان میں ہوتی ہے۔ جہاں زیادہ تر

UrduPhoto.com

نچڑوں گھوڑوں کی تربیت کے سلسلہ میں آمد و رفت رہتی ہے مگر یہاں بلکہ دور دور تک ہم نے کبھی کوئی گھوڑا یا چوپایہ نہیں دیکھا تھا جبکہ زمین پہ کھروں کے نشان یوں دکھائی دیتے تھے کہ جیسے ابھی ابھی اس ذخیرے کے گرد سینکڑوں گھوڑے چکر لگاتے رہے ہوں۔

وہ ایک شکر زدہ دوپہر تھی جب حافظ صاحب کا پہنچنے سے تربتر تھکے ہاتھ تھامے چھاؤنی والے پل کو عبور کر کے میں ایک شیشم کے درخت کے تلے چند لمحے ستانے کی غرض سے بیٹھا ہوا تھا۔ بھری گرمیاں اور دوپہر۔ جب سورج سوا نیزے پہ کھڑا ہوا ہو تو باہر قدم دھرنا بڑے جگرے کا کام ہوتا ہے مگر حافظ صاحب اور مجھ جیسے افلاطونی جسم دونوں باہر کے اندھوں اور اندر کے سنتوں کے لئے گرمی سردی صبح دوپہر شام یا رات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہم دونوں صدائے بیابانی اور آوارہ گرد سیاحوں کی آمد پہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم..... میں ان کا ظاہر اور وہ میرے لئے باطن تھے۔

"کاں کاں"

میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو ایک کوئی کوا عین اوپر ٹہنی پہ چونچیں کھولے وحشت سے بیٹھے ہماری جانب دیکھ رہے تھے۔ حافظ صاحب ایک اونچی ٹہنی پہ بیٹھے تھے اور میں ان کے قدموں میں قدرے نیچے [illegible] کاں کاں [illegible] اور [illegible] مضطرب سے ہو گئے۔ ان کے چہرے اور آنکھوں کے ڈیلوں کی گردش تیز ہوئی ہاتھ تھرتھر کانپنے لگا۔ نتھنے پھلا کر چھاؤنی کے پل کی جانب گھورتے ہوئے انہوں نے مجھے کھینچ کر اپنی گود میں گھسیٹ لیا تیزی سے اپنی چادر میرے چہرے اور شانوں پہ ڈالی مجھے یہ اچانک پیدا ہونے والی صورت حال کے بارے میں کچھ اندازہ کرنا بڑا مشکل ثابت ہو رہا تھا کیونکہ حافظ صاحب نے مجھے اپنی چادر کے نیچے تلے بڑی مضبوطی سے دبا کر رکھا ہوا تھا۔ ان کے جسم و اعضاء کے تشنج سے مجھے یہ سمجھنے میں کچھ دیر نہ لگی کہ یقیناً کوئی ایسی افتاد ضرور ٹوٹی ہے جس سے محفوظ و مامون رکھنے کی خاطر انہوں نے خود مرغی بن کر مجھے معصوم چوزے کی مانند اپنے پروں کی حفاظت میں چھپا لیا ہے۔ تین چار منٹ بعد مجھے محسوس ہوا کہ ان کے جسم کی سنسناہٹ قدرے مدھم اور ہاتھ بازوؤں کی گرفت بھی چنداں ڈھیلی ہوئی ہے..... انہوں نے آہستہ سے مجھے اپنی چادر کے نیچے سے یوں باہر نکالا جیسے مرغی اپنے چوزے کو چیل کی دفعان ہونے پہ مطمئن سی ہو کر باہر نکالتی ہے۔ اندھیرے سے باہر آجانے میں آتے ہی میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دائیں بائیں دیکھنا چاہا کہ چیل یا بلی کہاں ہے کدھر گئی ہے مگر دور دور تک سوائے لو کے لہراتے ہوئے سرابوں اور بگولوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ سر چھوڑتے ہوئے درخت جھلستے ہوئے کھیت اور اوپر چمکتا ہوا سورج۔ اب تو اوپر

UrduPhoto.com

درخت پہ کاں کاں کرتے ہوئے کوئی کوے بھی نہیں تھے جن کی "کاں کاں" سننے کے بعد حافظ جی نے مجھے دبوچ کر اپنے گھٹنوں پہ اوندھا کر دیا تھا۔ حلق میں جیسے کانٹے سے اُگ آئے اور زبان اکڑ کر کاٹھ ہو گئی تھی بڑی مشکل سے حلق تر کرتے ہوئے میں حافظ صاحب سے کہہ پایا۔

"حافظ جی! بڑی سخت پیاس لگی ہے....."

● لیسین کا دودھ پیاس کا مقصود.....!

میں جانتا تھا کہ پانی پیچھے پُل کے پار چھاؤنی تانگوں والے اڈے کے نل یا وہاں کسی دوکان سے مل سکتا ہے یا پھر چند کوس آگے صحرا و سیداں سے دستیاب ہو سکتا ہے اور یہ دونوں جگہیں ایسی بھی قریب نہ تھیں کہ آسانی سے پانی حاصل کیا جا سکتا۔ حافظ صاحب میری پیاس کی پریشانی سے آگاہ ہو چکے تھے بجائے کچھ کہنے یا کوئی جواب دینے کے انہوں نے بڑی محبت سے میرے چہرے اور میرے خشک پپڑی جمے ہونٹوں پہ اپنا ہاتھ مس کرتے ہوئے پھر مجھے دوبارہ کے ٹل اپنی گود میں ڈال کر اوپر چادر ڈال دی..... یا اللہ! یہ آج چادر کے میری گود کی چادر ماری ہو رہی ہے پہلے کاں کاں پہ چادر پوشی ہوئی اب پیاس پہ بھی چادر پوشی..... میں گود میں پڑا چڑا بلکا سا سمسایا۔ حافظ صاحب نے اپنی بھاری بھرکم آواز اور کبھی کا بوجھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"الحمد شریف کا شربت آیۃ الکرسی کا دودھ یا پھر سورۃ یٰسین کا آب زم زم..... بول تو ڈول کاں! کی میں تینوں پلاواں؟"

میں بہ دقت مگر بصد عجلت بولا۔ "دودھ..... مگر ٹھنڈا اور میٹھا....."

وہ اسی انداز میں بولے۔ "تو پھر جلدی سے آیۃ الکرسی سنا دو تاکہ تمہیں ٹھنڈا میٹھا اور پُرلطف اللہ کا نور پلائیں....."

حلق میں شور اور زبان پہ کانٹے اُگ ہوئے تھے آیۃ الکرسی پڑھنے کا کہاں سے یارا لاتا؟ فوراً کسی نہ کسی طرح حلق اور لب و زبان تر کر کے آیۃ الکرسی شروع کر دی۔ کبھی بچپنے میں مجھے عادت سی پڑ گئی تھی کہ دعا کے علاوہ بھی میں کوئی سورۃ یا آیت پڑھنے کے بعد "آمین" ضرور کہا کرتا تھا اسی طرح ابھی بھی میں نے شتر بشتر آیۃ الکرسی پڑھنے کے بعد زور سے "آمین" کہا تاکہ حافظ صاحب اب مجھے جلدی سے ٹھنڈا میٹھا دودھ پلوا دیں۔ اب انہوں نے ہولے سے ہاتھوں کی گرفت ہلکی کر کے میرے اوپر سے

UrduPhoto.com

چادر سرکائی میں آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے آس پاس دودھ کھوجنے لگا جو مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ اب میرا کسی نہ کسی طور مایوس ہونا ایک لازمی امر تھا میں نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا دودھ.....؟"

وہ حسب معمول اپنی آنکھوں کے ڈیلوں کو اوپر نیچے دائیں بائیں گھماتے ہوئے مسکرائے بولے۔

"تمہیں تو صبر کی اک تک نہیں گئی تلی پہ سرسوں جماتے ہو ذرا صبر تو کرو بے صبرے!"

میں بھی فوراً بولا۔ "آپ نے بھی تو مجھے جلدی سے آیۃ الکرسی پڑھنے کے لئے کہا تھا جو میں نے سنا دی۔ اب آپ بھی فوراً سے پہلے مجھے دودھ پلائیں بہت سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔"

وہ پیار سے میری سر پہ ہلکی سی چپت چپکاتے ہوئے بولے۔

"اٹھو اور جا کر وہ سامنے کیکر کے پیچھے سے دودھ اٹھا لاؤ۔"

میں اٹھا اور قدم بڑھاتے ہوئے کیکر کی جانب لپکا کیکر کے تنے کے پیچھے ایک چھوٹی سی مٹی کی روغنی صراحی نظر آئی جس پہ سرخ رنگ سے بڑے خوبصورت اور عجیب و غریب سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے ایک چھوٹی سی پیتل کی چپنی اینٹ کے اوپر دھری ہوئی تھی اور صراحی کے منہ پہ مٹی کی چپنی پہ کالے رنگ کا ایک چھوٹا سا رومال پڑا ہوا تھا۔ میں اس ویرانے میں جہاں دور دور کوئی شخص دیکھنے کو نہیں ملتا یہ نعمت باافراط یہاں کون دھر گیا ہے؟ یہ سوچتے ہوئے استعجاب سے اسے تکتا رہا پھر دو قدم آگے بڑھ کر انگلیوں کی پوروں سے اس پہ پڑے ہوئے رومال کو مس کیا سیاہ بانات کی ملائمت میں اک عجیب سی ٹھنڈک تھی۔ جب یقین ہو گیا کہ یہ واہمہ نہیں حقیقت ہے تو میں نے بڑی رسان سے رومال کو اوپر سے اٹھا لیا رومال کے ایک کونے کو دو انگلیوں کی چٹکی میں یوں پکڑ رکھا تھا جیسے وہ رومال نہ ہو زہریلا بچھو یا لس لس کرتی ہوئی کسی سیاہ ناگن کی دم ہو صراحی کے منہ پہ سے چپنی کو اٹھایا تو گاڑھے دودھ کی دو چار بوندیں چپنی کے پیندے سے ٹپک کر صراحی میں گر گئیں جس کا مطلب تھا کہ صراحی بھری ہوئی ہے۔ چپنی کے اٹھانے سے ایسی ٹھنڈ جھرجھری سی آئی جیسے میں نے برف کے ٹکڑے کو اٹھایا ہو دوسرے ہاتھ سے صراحی کو چھوا تو وہ بھی ٹھنڈی تھی دونوں ہاتھوں سے تھامے صراحی اٹھا کر حافظ صاحب کے پاس لے آیا۔

"حافظ صاحب! یہ دودھ سے لبالب صراحی کہاں سے آئی ہے اتنی ٹھنڈی ٹھار کہ جیسے ابھی ابھی اسے کوئی برف خانے سے نکال کر لایا ہو؟"

"اچھا اچھا اب باتیں نہ بناؤ اور نہ ہی کچھ پوچھ گچھ کرو آرام سے بیٹھ کر گھونٹ گھونٹ پیو

اور اللہ کا شکر ادا کرو۔"

میں نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیں پہلے آپ پئیں ..."

"نہیں پہلے تم پیو، تمہیں زیادہ پیاس لگی ہے ..."

بسم اللہ کہہ کر میں نے دونوں ہاتھوں سے کٹورا تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ بظاہر تو یہ دودھ ہی تھا۔ گاڑھا، شیریں، خوشبودار جیسے اسے انگیں معزیات اور کیوڑے میں رچا بسایا گیا ہو۔ ایسا فرحت بخش اور تسکین آور کہ کیف و لطف سے میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ ایک، دو، تین، چار۔ پھر پانچویں یا چھٹی گھونٹ پہ میں ہوش و ہوشمندی سے فارغ ہو گیا تھا۔ الوہی انبساط و الطاف اور ابدی مستی و تلذذ میں بھی ایک نمایاں فرق ہوتا ہے کہ الوہی رنگ پھیکا پڑتا ہے اور نہ ہی اس کا لطف چھوٹتا ہے۔ یہ ہر دور سرمدی ہوتا ہے جس میں اتر کر انسان "ہو" میں غرق ہو جاتا ہے۔ جبکہ نفس ابلیسی مستی و تلذذ وقتی طور پہ اور ہی خمار پیدا کرتا ہے اور جب اس خمار کا مطلع صاف ہوتا ہے تو طبیعت میں تکدر اور تنفر میں بڑا ہی پیدا ہو جاتی ہے انسان شکستگی اور مایوسی کی بجائے شرمندگی اور ندامت کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ خود پہنچی یا حافظ صاحب نے اچھی کی پتہ نہیں یاد نہ تھا۔ آنکھ کھلی تو منظر بدل چکا تھا۔

میں شاہ صاحب کے حجرے کے باہر آم کے پیڑ کے نیچے زمزم گھاس پہ بالکل گرو ہو کے لیٹا پڑا تھا۔ سہ پہر لد چکا اور شام کے سائے ابھر رہے تھے۔ اک زمانہ میں نیم وا آنکھوں سے جاگتی نیند کے مزے لوٹتا رہا۔ پرندوں کی مترنم چہچہاہٹ، شام کے پہلے پہر کی پروائی، اشجار و سبزہ کی فرحت بخش مہکار، سکوت، سکون اور تج سہانے نے اک بار پھر مجھے خما دیا ہوتا اگر ایک کالے کوے نے اپنی چونچ سے اسے موٹا سا گولہ تاک کر میری کنپٹی پہ ہدف سے مارا ہوتا۔ میں بڑبڑا کر اٹھتے ہوئے اکڑوں بیٹھ گیا، اوپر تاڑ کرتا کا تو کوا اڑ گیا۔ ادھر خواب و خمار کے پروں میں ہوا بھرنے لگی تو خرد و حواس کے قصے بھی بیدار ہو گئے ..... وہ چھاؤنی کے نالے والی پلی کے پار شیشم کے درخت کے سائے میں دم درست کرنے کے لئے بیٹھنا، پھر یک دم حافظ صاحب کا مجھے اپنی گود میں تھپیٹ کر اوپر کالی چادر کا تان دینا۔ دھڑ دھڑ، بھڑ بھڑ کی آوازیں جیسے وہ چار نہیں، سینکڑوں ہزاروں تیز رفتار خود بخود ہیلی کاپٹر نما جانوروں کا گروہ گزر رہا ہو۔ پھر شدت سے پیاس کا محسوس ہونا، اظہار کرنے پہ حافظ صاحب کا کہنا کہ الحمدللہ کا شربت، آیۃ الکرسی کا دودھ یا سورۃ یٰسین کا زمزم پیو گے؟ آیۃ الکرسی پڑھ کر دودھ طلب کرنا، پیڑ کی اوٹ میں تھپیٹ مٹی کی صراحی کا ملنا اور پھر میرا جرعہ جرعہ دودھ حلق سے نیچے اتارنا ... اور پھر پھر ...!

اب میں پوری طرح بیدار تھا۔ کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ حافظ صاحب تک کیسے رسائی ہو؟ ظاہر ہے کہ وہ کہیں اندر شاہ صاحب کے حجرے میں ہوں گے اور وہاں جانا تو ایک طرف محض سوچنے سے ہی جرأت و ارادہ کے پرخچے اڑنے لگتے ہیں۔ میں حجرے کے قریب ہو کر ٹہلنے لگا کہ شاید حافظ صاحب کو میری بھنک پڑ جائے یا پھر مجھے ہی کوئی سرا ہاتھ آ جائے تو میں عرض کروں۔ قبلہ! شام کے شامیانے کی طنابیں کھنچنی شروع ہو چکی ہیں۔ واپسی کا راستہ اندھیروں اور حشرات سے اٹا پڑا ہے۔ ہوتے ہوتے اندھیرے چل دیں تو ہم دونوں پتے پڑھنے پڑھانے اور دعا کے لئے بہتر ہوگا مگر یہاں ارادہ تھا ہوتے نہیں مل رہا تھا۔ دو چار چکر حجرے کے گرد لگاتے ہوئے حافظ آباد نہیں پہنچے تھے۔ آخر تھک کر وہیں بیٹھے چادر لپیٹے بیٹھے اور اٹھے چلے تھے۔ اوپر شام کے دھندلکے سے تھمائے آسمان پر کونجیں مرغابیاں غول در غول اپنی شب گاہوں کے راستے پر محو پرواز تھیں۔ اتنی کی دھنک کھیتوں کے پروں اور چونچوں پر آتشیں نکہت کنواری کے آنچل سے لہرا دیتے تھے۔ طلوع اور غروب کے سے سحر بری نکہت میں ہوتا ہے کہ اندھیرے دیکھتے ہی دیکھتے جگنو سے مطلع منزل میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ادھر شام سے [illegible] نظروں کے سامنے ہی [illegible] پڑنے لگتے ہیں۔ اب بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ [illegible] درخت ہلتے ہوئے آسمان سے جا لگے ہوں۔ پرندوں کا سناٹا جھینگروں نے کب کا چھیج دیئے اور زور زور سے باتوں بستیوں کے کتوں کی بھوں بھوں بھی شروع ہو گئی تھی۔ میرے اللہ! میں کہاں پھنس گیا؟ حجرے میں ایسا سناٹا اور تاریکی کہ جیسے صدیوں سے ادھر کوئی پشہ تک نہ گزرا ہو۔ حجرے کا دیہاتی قسم کا دروازہ ایسا بھاری اور خوفناک کہ چھونا تو کجا محض اس کو نظر دیکھنے سے ہی جسم میں جھرجھری سی کھنچ جائے۔ سامنے کھڑا میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ کھنکھاروں، آواز دوں۔ یہیں خاموش کھڑا رہوں یا پھر اکیلا ہی شہر واپسی کی راہ پکڑوں؟ کچھ دیر توقف کے بعد بالآخر ارادہ اور سوچ سمجھ کر میرے منہ سے دبی دبی ہوئی آواز نکلی۔

"حافظ جی! آپ کہاں ہیں؟ رات ہو گئی ہے گھر واپس بھی جانا ہے..."

وہاں کون تھا جو پلٹ کر مجھے جواب دیتا البتہ اس پرہول سیاہ سے ڈھیر کے ریگستانی اڑنے اور چلنے پھرنے والے حشرات الارض اور دیگر جانداروں نے میرے آواز کے جواب میں اپنے ردعمل کا اظہار ضرور کیا تھا۔ ایک دم جیسے پاؤں تلے زمین کو کاٹ لگ گیا ہو۔ تپ تپ طبلے سے بجنے لگے آرا چوتال اڑ اڑ کر ماتر سے بجنے لگے ہل بھی بجنے لگا۔ بالکل وہی آوازیں وہی پراسرار اور دہشت ناک سی فضا جو آج دوپہر ادھر چھاؤنی والی پلی کے پار درخت کے نیچے پیدا ہوئی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ

انہونی عفریت لفظ لفظ میرے قریب تر آتا جا رہا ہے معاً میں دروازے کے سامنے سے ہٹ کر کھڑے کی بغلی دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ میرے خدایا! کھڑے کے باہر ڈھیرے کے اردگرد سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں کالی کالی موٹی تازی بھینسیں، شعلے پھینکتی آنکھیں، دھواں اگلتے ہوئے نتھنے چنگھاڑیاں چھوڑتے ہوئے کھڑے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ پھنکارتی ہوئی ڈکرا رہی تھیں۔ یوں لگا جیسے وہ سب کی سب مجھے ہی گھور رہی ہیں کہ بچو! وہ پہر کو تو حافظ صاحب کی وجہ سے بچ گئے تھے اب بچو تو جانیں؟..... بائیں جانب مجھے رات کی رانی کی ایک جھاڑ دکھائی دی آہستہ سے پیچھے ہٹتے ہٹتے میں اس کی اوٹ میں ہو گیا۔ اب میرے سامنے تاحد نظر روشن آنکھیں ہولے ہولے چلتے ہوئے اندھیرے میں اور زیادہ چمک دار ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک موٹا تازہ بھینسا یا بھینس ادھر کھڑے کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب خیر نہیں یہ کمبخت مجھے ہی پکڑنے آ رہی ہے۔ میں نے آیۃ الکرسی پڑھنا شروع کر دی اور خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بار دو بار اور پھر جب کئی مرتبہ میں آیۃ الکرسی کی تلاوت کر چکا اور بھینس کی پکڑ سے بھی بچا رہا تو میں نے آہستہ سے ایک آنکھ کا کونا کھول کر دیکھا تو وہ بھینس میری جانب آنے کی بجائے کھڑے کے اندر چلی گئی تھی۔ بائیں! یہ کیا بند دروازہ کس نے کھولا اور اس کا اندر جانے کا کیا مقصد ہے؟ [illegible] بھینس کھڑے کے باہر [illegible] دکھائی دی وہ بھی سر جھکائے اندر چلی گئی۔ اب چل سو چل یہ بھینسوں کے اندر جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اب میں پچھلا تمام کچھ بھول کر صرف یہ سوچ رہا تھا کہ چھوٹا سا کھڑا اب تک کی بھینسیں سارم کی سالم اندر پہنچ چکی ہیں اور وہ اندر پہنچ کر کہاں سما رہی ہیں کیا کر رہی ہیں اور کیا شاہ صاحب اور حافظ صاحب اندر ہی ہیں اور اگر اندر ہیں تو وہ ان بھینسوں کو کہاں غائب کر رہے ہیں جبکہ کھڑے کا یہی ایک واحد دروازہ ہے جس کے سامنے سے ہٹ کر تھوڑی دیر پہلے میں اس جگہ رات کی رانی کے جھاڑ کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہوا تھا۔ اب میں ذرا پیچھے کھسک کر بالکل عقب میں پہنچ گیا اور وہاں سے خودرو جھاڑیوں پودوں کی آڑ لیتا ہوا ایک قدرے اونچی جگہ پہ آ گیا ادھر سے میں آسانی کے ساتھ براہ راست کھڑے کے اندر جھانک سکتا تھا۔ مگر میری یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بھینسیں دروازے کی چوکھٹ پھلانگتے ہی جیسے غائب سی ہو جاتی تھیں اور پھر یہی گنتی ٹوپ اندھیرا اتنا ہوا وہاں رہ جاتا۔ مایوس ہونے کے باوجود میں کافی دیر تک وہاں دبکا رہا۔ اب ایک نیا مشغلہ میرے ہاتھ لگ گیا تھا میں نے بھینسیں گننا شروع کر دی تھیں۔ جو گنتی سے پہلے اندر غائب ہو چکی تھیں انہیں چھوڑ کر اکٹھی بھینسیں جب گن چکا تو میری قوت برداشت جواب دے گئی۔

رات اب اپنے جوبن پہ تھی۔ ستاروں سے بھرا ہوا آسمان پیلا مدھم سا چاند بھی آسمان کے

مشرقی کنارے سے لگا پڑا تھا۔ اندھیرا ایسا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ مگر وہ جو کہتے ہیں کہ آنکھیں اور حواس جب اندھیرے کے خوگر ہو جاتے ہیں تو پھر انسان بھی سانپ بلیوں' کتوں' چمگادڑوں کی مانند سب کچھ دیکھنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ چور' چوکیدار اور جاگنے والے اندھیروں' اندھے راستوں پر دیکھنے چلنے کے عادی سے ہو جاتے ہیں۔ یہیں بیٹھے بیٹھے مجھے یاد آیا کہ صبح چلتے وقت میں نے ناشتہ کیا تھا پھر دوپہر کو صراحی والا دودھ پیا تھا۔ دوپہر اور شام کا کھانا تو کھایا ہی نہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے جب انسان کا شعور' دماغ کسی تحیر' تماشے کے حلقے میں گھن ہوتا ہے تو جسمانی ضرورتیں' تقاضے اور عوارض پس پشت پڑ جاتے ہیں۔ وہ اس وقت صرف خارج ہوتا ہے' داخل نہیں ہوتا اور دماغی نظام جسمانی اور فطری تقاضوں کو بڑی چالاکی اور مہارت کے ساتھ موخر کرتا رہتا ہے۔ یہی حال اس وقت میرا تھا کہ مجھے اپنی کسی جسمانی ضرورت یا تقاضے کا احساس تک نہ تھا۔ اب میں اچانک اٹھا اسی راستے کو دیکھتا بھالتا اسی پہلی جگہ رات کی رانی کی جھاڑ کے پاس آ کھڑا ہوا اور ادھر بھینسوں کے اندر داخل ہونے والا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے بھینسوں کو میری موجودگی کا کوئی احساس ہی نہیں یا پھر وہ میری ذات کو اپنے لئے بے ضرر سا سمجھتی ہیں۔ اپنے اسی خیال کو مزید تقویت دینے کی خاطر اب میں اوٹ سے باہر نکل کر تھوڑا سا واضح ہو کر کھڑا ہو گیا۔ [illegible] اپنے بارے میں ان کا ردعمل دیکھ لوں۔ انہوں نے میرا نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔ میں اب بالکل ہی دروازے کی بغل میں نمایاں طور پر کھڑا تھا کہ ہو سکتا ہے بھینسوں کو اندھراتے کا مرض لاحق ہو اور وہ مجھے اندھیرے میں ٹھیک سے دیکھ نہ پاتی ہوں مگر اب یہاں بھی مجھے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کہ انہوں نے مجھے کسی طور بھی ذرہ برابر اہمیت نہیں سمجھا تھا۔ کافی دیر دروازے کے پاس کھڑا انہیں کھڑے کھڑوں پہ تھرے میں داخل ہو کر منظر سے غائب ہوتے دیکھتا رہا۔ اب تک میرے معمولی انداز کے مطابق کوئی تین چار سو گرانڈیل بھینسیں اندر پہنچ کر کہیں از خود ہو چکی تھیں۔ اسی دوران اندر تھرے میں جھانکنے کی بھی سعی لاحاصل کی' اندھیرا اور بھینسوں کا تابڑ توڑ انداز میں داخل ہونا بھی مجھے کچھ دکھائی دینے میں مزاحم تھا۔ بالآخر میں نے ایک بہت بڑا رسک لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس حرکت سے میری جان بھی جا سکتی تھی مگر وہی بات کہ میری پہلے ہی کون سی حرکت یا عمل ایسا تھا جس میں جان جانے کا خطرہ موجود نہ ہوتا تھا؟ درویش نے تو اپنی خواہشوں' آسودگیوں' خوش فہمیوں اور خوش گمانیوں کی طرح اپنا سر بھی کاٹ کر اپنی ہتھیلی پہ دھرا ہوتا ہے' اسے اپنی جان جانے کا ایسا خطرہ نہیں ہوتا جیسا کہ خطرہ ذھیان جانے کا ہوتا ہے۔ دھیان ہی تو گیان ہوتا ہے' ذھیان جب دھیرج پکڑتا ہے تو گیان گپت ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوا کہ ہم اپنے بابا جی کے حضور بیٹھے ہوئے ہیں'

UrduPhoto.com

گفتگو و ارشاد کا سلسلہ جاری ہے۔ بظاہر سب ہمہ تن گوش ہیں بڑی محویت اور توجہ سے نگاہیں زوبرو ہیں۔ حاضرین کے چہروں اشکوں پر بیان و ارشاد کے اثرات منعکس ہیں کہ اچانک بابا جی نے نعرہ لگایا۔

"چپ تیرا دھیان کدھر ہے۔" اور بے دھیان پکڑا جاتا ... فرمایا۔ "بیان بھی دھیان کی محتاج ہوتی ہے دھیان اپنکا پھونا دھکا۔ جیسے گاڑی میں بے لگرا تو چل جاتا ہے بے لگرا اور بے تالہ نہیں چلتا اسی طرح ذرا بیٹھی میں طالب (مرید) اگر بے دھیانا اور بے ادب ہے تو وہ شخص جنگلی پیاز کی گانٹھ اور جنگلی بیر کی گٹھلی کی مانند ہے کہ چھلکے ہی چھلکے اور گٹھلیاں ہی گٹھلیاں ہوتی ہیں ....."

اب میں اس تاک میں تھا کہ جونہی مجھے ایک بھینس کے بعد دوسری بھینس کے گزرنے کا درمیانی وقفہ ملے تو میں یکدم گڑھے کے اندر چھلانگ دوں دیکھوں تو سہی کہ اندر کیا ہے۔ حافظ صاحب اور شادی کہاں ہیں اور یہ اتنا اور اتنا بل بھینسیں اندر بیٹھے کس گہری کھائی میں اترتی جا رہی ہیں؟

کافی دیر ادھر کھڑا میں ان کی نائٹنگ نوٹ کرتا رہا لیکن کچھ پلے نہ پڑا۔ کبھی درمیانی وقفہ بڑھ جاتا اور کبھی بالکل ہی آگے پیچھے ایک دوسری کی دموں سے بندھی ہوئی دکھائی دیتیں۔ اس صورت میں میرے لئے اندھے کھڈے میں چھلانگ لگانے والی بات تھی۔ بہرحال میں چھلانگ لگا کر اندر کودنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ [illegible] اندر جانے کے بعد [illegible] اندر جانے کی پیشکش کر رہی تھی اور میں کسی چیتے کی طرح اپنی پتلی پتلی ٹانگوں کو سمیٹے آمادۂ پیکار تھا۔ پھر آنکھیں بند کر کے میں نے اپنے اندازے کے مطابق ایک درمیانی وقفہ تلاش کر کے زقند لگا ہی دی اور وہی کہ اندازے اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں۔ میں دھڑام سے گڑھے کے اندر بیچ بیچ گوبر منہ کے بل اوندھا جا پڑا جبکہ مجھے اندر دائیں کونے میں گرنا چاہئے تھا کہ میں ان کی "کھروزد" سے محفوظ رہتا۔ اب میں ان بھینسوں کے خوفناک کھروں کے نیچے خود کو "کاٹک" ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ سر گردن پیٹھ کمر ٹانگیں کوئی جسم کا حصہ ایسا نہ تھا جو ان کے کھروں کی زد میں نہ ہو۔ آپ نے قصاب کو بغدے سے قیمہ بناتے ہوئے بارہا دیکھا ہوگا بڑی مشاقی اور پھرتی سے وہ ہاتھ پاؤں سے بھگو بھگو کر بوٹیوں کو اکٹھا کرتے ہوئے مسلسل بغدے کی ضربوں سے قیمہ بنا رہا ہوتا ہے بس یہی حشر میرے جسم کی بوٹیوں کا ہو رہا تھا اور میں کمال بیداری اور ہوشیاری سے اپنا قیمہ ہوتا ہوا محسوس کر رہا تھا بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہا تھا۔ ذرا تصور کریں کہ کسی نیچے پڑے ہوئے شخص کے اوپر سے وحشی جانوروں کا ریوڑ اسے روندتے ہوئے گزر رہا ہے اور وہ شخص صحیح سلامت بھی ہے یہ نہ سمجھ میں آنے والی بات میری سمجھ میں اس وقت آئی جب ناہنجی میں میں نے کروٹ بدل کر اٹھنے کی کوشش کی اور میں اٹھ کر بیٹھ بھی گیا اور پھر بیٹھا ہی رہا میرے اوپر سے بھینسوں کا ریوڑ گزرتا رہا۔ میں

UrduPhoto.com

اکڑوں بیٹھا ہوا خوب جائزہ لے رہا تھا یا وہ سب واہمہ تھے یا پھر میرا جسم وہ وجود اتنا مروّق و معرّا بن گیا تھا کہ وہ جانور نہ تو مجھے دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی وہ مجھ سے متصادم ہو کر کوئی نقصان پہنچا سکنے پہ قادر تھے وہ بغیر کسی مزاحمت آر پار ہو رہے تھے جیسے پانی' پانی کے لئے حرام نہیں ہوتا یا جیسے غیر مرئی انسان غیر مرئی عناصر میں اپنے سالمے توڑے بغیر شعاعوں کی مانند گزر جاتے ہیں یا یوں کہ بصارت' ہوا' پانی' فضا' فاصلہ شعاعیں' آتشی اور نوری مخلوق کو گزند پہنچائے بغیر کروڑوں نوری میل دور چمکتے چاند سورج ستاروں تک پہنچ جاتی ہے ۔۔۔ اب میں مزے سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ بازو پھیلا کر سامنے بھینسوں کی طرف کر دیئے وہ اپنے اسی وحشیانہ انداز میں ڈکراتی' پھنکارتی ہوئی میرے جسم سے گزرتی جا رہی تھیں جیسے میں سینما سکرین کے سامنے کھڑا ہوں اور سکرین پہ جنگلی بھینسیں سامنے سے بھاگتی ہوئی میری جانب آ رہی ہیں۔ کچھ دیر یہ لطف لینے کے بعد میں نے اپنا رُخ پلٹ کر اندر کی طرف کر لیا یعنی جدھر بھینسیں جا کر غائب ہو رہی تھیں۔ وہاں ایک کامل اندھیرا تھا میں چند قدم اور آگے بڑھا تھا کہ کسی منڈیر سے ٹکرا کر رُک گیا۔ ہاتھ سے ٹٹولنے پہ محسوس ہوا کہ یہ کوئی تین ساڑھے تین فٹ اونچی دائرہ نما اینٹوں کی منڈیر ہے جو ایک چھوٹے سے کنویں کے گرد بنی ہوئی تھی۔ چند لمحے میں منڈیر پہ ہاتھ ٹکائے غور کرتا رہا کہ اس کنویں کا یہاں کیا مقصد ہے۔ [illegible] بھینسوں کا ریوڑ اسی کنویں میں کود رہا ہے۔ اب میں مزید نہ رہنے کی خاطر منڈیر کے ساتھ قدم قدم آگے بڑھنے لگا اسی طرح بمشکل نصف قطر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں جیسے ایک درخت سے ٹکرایا' ٹٹولا تو وہ واقعی ایک درخت تھا۔ مگر تجربے میں درخت کا کیا کام؟ ۔۔۔ یہاں میرا رُخ بالکل دروازے کی طرف تھا یعنی جدھر سے بھینسوں کی یلغار اندر آ رہی تھی۔ غور سے دیکھا تو تجربے کے باہر جہاں تک نظر کام کرتی تھی' بھینسیں ہی بھینسیں تھیں۔ میرے خدا! کیا دنیا بھر کی تمام بھینسیں ادھر ہی اکٹھی ہو گئی ہیں؟ ۔۔۔ میں ابھی اسی بات پہ غور کر ہی رہا تھا کہ کسی نے بڑی بے تابی سے میری کلائی پکڑ کر مجھے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ نہیں' بلکہ جیسے کسی نے لپک کر بجلی کا بٹن سوئچ آن کر دیا ہو پلک جھپکتے ہی تجربہ بقعۂ نور بن گیا۔ حافظ صاحب نے مجھے یوں کلائی سے پکڑ رکھا تھا جیسے مجھے بھی چوری چوری امرود توڑنے پہ ایک مالی نے پکڑا تھا۔

- ایکشن نمرود اور امرود.....!

یہ واقعہ اس حافظ صاحب والے قصے سے پہلے کا ہے۔ سیالکوٹ کے شمال مشرق شہر کے

مضافات میں آموں جامنوں اور امرودوں کے خاصے باغات تھے۔ نارتوی کے کنارے پہ باغات اپنے خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھلوں کی وجہ سے بڑے مشہور تھے۔ ہم شرارتی اور ضدی بچوں کے لئے یہ باغات نمائروں گڑیوں' مولیوں گاجروں سے لدے پھندے کھیت' نارتوی کا اتھلا گہرا ٹھنڈا پانی' پونگ یعنی بچہ مچھلی کا شکار' بیا چڑیا کے لٹکتے ہوئے گھونسلے' ہنگلی' بوتر' فاختائیں اور ہریل طوطوں کے نیچے انڈے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھے۔ ہمارا جب بھی موڈ ماحول بنتا' سکول مسجد سے بھگوڑے ہوتے یا گھر چلے سے کسی وجہ کی بنا پہ راہ فرار اختیار کرتے تو دو چار چھ لفنگے اکٹھے ہو کر ادھر ہی کا رخ کرتے۔ پھر سارا دن دوپہر خوب لوٹ ماری' تھکن خواری اور کدھے سواری کے بعد شام کے پھیلتے سایوں میں تھکے تھکے اپنے اپنے گھروں میں چوروں کی طرح داخل ہوتے۔ کالیاں' کوٹنے' جوتے کھا پی کر روٹی بے شرموں کی مانند پھر اگلے دن کی شرارتوں کی تیاری میں لگ جاتے۔ یہی وہ کلچر ہوتا ہے جسے ماہرین نفسیات ''گولڈن ایج'' کہتے ہیں۔ جن خوش نصیبوں کا بچپن شرارتوں' آوارہ گردیوں' لڑائیوں مار کٹائیوں چوریوں چکاریوں اور گھر سے بھاگ بھگوڑیوں میں گزرتا ہے وہ اپنی آئندہ زندگی میں بڑے بھرپور انسان بنتے ہیں۔ اوائل عمری میں ہی وہ سب کچھ سیکھ جاتے ہیں جو ان کی آئندہ زندگی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ میں نے [illegible] پایا اور [illegible] میں [illegible] اور بڑھاپے میں انہیں ہی دہرا رہا ہوں۔ آج قبر کنارے بھی میں وہی کھنڈر' چٹورا' چور' کمینہ' آوارہ گرد' مکار اور مطلب پرست ہوں۔ چوری چکاری آج بھی اسی طرح ہے ڈاکہ ڈاکا ڈالنے سے آج بھی نہیں چوکتا۔ نظر بازی آج بھی چلتی ہے۔ [illegible] کسی کی دم میں [illegible] حسد رشک ... اور کسی کی پیٹھ پیچھے اچھائی برائی کہنے سننے میں آج بھی باز نہیں آتا ... ہاں تو میں بات کر رہا تھا اپنی بچپن اور امرود چوری کرنے کی پاداش پہ چوکیدار کے ہاتھوں پکڑے جانے کی۔

پنجابی کی ایک ضرب المثل ہے۔ ''اجڑیاں باغاں دے گالڑ راکھے'' پھول پھلوں کے باغ جب ثمرات سے خالی ہو جاتے ہیں تو پھر وہاں کی نگہبان' چوکیدار' راکھے کی ضرورت باقی نہیں رہتی' بیچنے زبان جب ڈگر اور دیدہ و دل جب ویران سے ویران ہو جائیں تو پھر محرومیوں' محرومیوں' پریشانیوں اور رسوائیوں کے گالڑ اس انسان کے رکھوالے بن جاتے ہیں۔ پھل پھولوں' نگہبانوں اور انسانوں سے خالی کھیت کھلیانوں' گھروں اور باغ باغیچوں میں حشرات الارض اور بلیات الافلاک قابض ہو جاتے ہیں' لنڈ چھ اور ابابیلوں کے ٹھکانے بن جاتے ہیں۔ چلے وظیفے اور عملی عملیات والے ان ویرانوں میں آ براجمان ہوتے ہیں۔ گھٹیا' عرق' ناجائز ادویات' دیسی شراب کشید کرنے والوں' جانوروں کی افزائش نسل'

UrduPhoto.com

کچرا اچھا رکھتے تھے جانوروں کی آنتوں کی تندی دوری اور دھاگے پہ ماتھا لگانے والے بھی ادھر ہو رخ کر لیتے ہیں۔ نشے پانی کی علت والے بھی ادھر آ بیٹھتے ہیں۔ غرضیکہ یہ اجڑے ہوئے باغ ذخیرے خدائی مارے محروس ہوتے ہیں ہر وہ کام جو آبادی میں یا شریف انسانوں کے سامنے نہیں ہو سکتا وہ یہاں کھلے بندوں سرانجام دیا جا سکتا ہے کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہوتا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ "اجڑے باغاں دے گیدڑ راکھے" احمد فراز کے مشہور شعر کا مصرعہ ہے۔

"بھلو اجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی"

ہمارا وہ وقت زیادہ وفا کے میدانوں میں پڑنے کا نہیں تھا۔ اس لئے ہم بچے لوگ اجڑے باغوں میں بلبلوں، کلہریوں، طوطوں، قمریوں کی نگاہوں سے اوجھل کہیں پتوں کے جھرمٹوں میں چھپے رہتے کھوجتے امرودوں کے لئے چلے جاتے تھے۔ ایسے بے موسمے اگے ہوئے امرود جن کے اوپر کوئی کوئی کھرچیاں چھائیاں پڑی ہوتیں بڑے رسیلے امر ہوتے ہیں۔ ہم بچوں کا [illegible] بے موسمے وقت میں بھی ہم اپنے مزیدے بچوں کے لئے ایک آدھ دانہ اپنے پتوں کے دامن میں ضرور چھپا کر رکھتے تھے [illegible] کی تلاش [illegible] اپنی چولی کی کسی [illegible] پہ چھپے ہوئے [illegible] ہم سب سے پہلے اس امر کی تسلی کر لیتے کہ آس پاس کوئی [illegible] تو نہیں! ہم اپنی نظری کے مطابق باغ کے درختوں یا جھنڈوں کو آپس میں تقسیم کر لیتے اور پھر اپنی اپنی قسمت محنت یا تجربہ کہیں کچھ ہاتھ بھی آ جاتا ہے کہ نہیں!

امرود کا پیڑ کوئی ایسا بلند نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی ٹہنیاں اور پھل دوسرے درختوں کی طرح سخت اور کھردری ہوتی ہے۔ بس ہم بندروں کی مانند پیڑوں پہ رہنے کا مشق کرتے رہتے بچوں کی ہڈیوں کی طرح چونکہ امرود کا پیڑ بھی بڑا کمزور ہوتا ہے اس لئے کبھی کبھار ہم میں سے کوئی بچہ ٹانگ بازو بھی توڑ لیتا ہڈی جوڑ کھسکوا لیتا۔ یہی ایک بے موسمی رت تھی کہ ہم پانچ بچے جن کا شمار محلے کے شرارتی ترین بچوں کے پلوں میں ہوتا تھا ایک بھری دوپہر ہاتھ میں اور گلے میں "شہاباں دے باغ" میں پہنچے۔ یہ باغ قصبہ پورہ سے چار کوس کے فاصلے پر ریلوے لائن کے ساتھ ایک تھوڑا سا ہٹ کر واقع تھا۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ شہر کے قریب ہونے کے باعث اس باغ میں امرودوں کا شکار ختم ہو چکا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ "شہاباں دا باغ" اوپر چھت اور نہ کوئی دیوار نہ کوئی چوکیدار نہ کوئی چوکیدار۔ یہ کوئی سیدھا سادہ تھے جنہیں اورنگ زیب کے دور حکومت میں مذہبی ہوئی سختیوں کے ایک گروہ نے باغ کر دیا

ہوئے شہید کر دیا تھا۔ مشہور تھا کہ جو کوئی جائز خواہش اور مراد کے حصول کے لئے یہاں آ کر فاتحہ پڑھے اور پھر آنکھوں پر کپڑا باندھ لے خشوع خضوع سے ایک تسبیح درود شریف پڑھ کر اٹھے اور اسی حالت میں قبر کے تعزیے پہ ہاتھ پھیر کر کسی امرود کو تلاش کرے۔ اگر تعزیے کے گرد ایک چکر میں کوئی امرود ہاتھ لگ جائے تو آنکھوں کی پٹی کھول کر امرود کھائے اور پھر اسی باغ سے امرود خرید کر بچوں میں تقسیم کرے تو اللہ کے فضل اور ان سید صاحب کی دعا وسیلے سے آنے والے کی جائز مراد پوری ہو جاتی ہے۔ امرودوں کے موسم میں یہاں بڑا رش ہوتا۔ امرودوں کی حفاظت کے لئے چوکیدار بھی ہوتے اور باغ کا ٹھیکیدار بھی یہاں جھونپڑا بنا کر بیٹھ جاتا۔ عقیدت مندوں کا آنا جانا بھی لگ جاتا اور رونقیں پھر بحال ہو جاتیں۔ اسی طرح موسم ختم ہوتے ہی ٹھیکیدار باغ کے چوکیدار اور مرادیں مانگنے والے بنجاروں کی طرح غائب ہو جاتے اور پیچھے باغ میں ویرانیاں اور خاموشیاں گھل کر رہ جاتیں۔ پھر سید صاحب رہ جاتے ہیں جن کا دل بہلانے کے لئے کبھی کبھی ہم اپنے شرارتی ٹولے کے بچے امرودوں کے لالچ میں یہاں پہنچ جاتے۔ کوئی اکا دکا مسافر راہ دیا پھر کوئی بھٹکے جانے انسانوں کا ڈسا ستایا ہوا انسان یہاں قبر میں آسودہ لیٹے ہوئے انسان کو اپنا دکھڑا سنانے پہنچ جاتا۔

یہاں [illegible] پانچویں اکھوٹے کی سی تھی۔ [illegible] سے دوسرے لڑکے بھی اپنی اپنی جگہ چندے آفتاب' چندے ماہتاب اور مکاریوں' دھوکہ بازیوں' شرارتوں' چوریوں' اسٹرا کاریوں کی استادیوں میں ماہر تھے مگر میرے آگے پھر بھی ان کی حیثیت محض بچہ بلوگروں کی سی تھی۔ میں تو جہاندیدہ "پی ایچ ڈی" کئے ہوئے تھا' کہنا مقصود یہ کہ اس قسم کی ہر واردات اور کارروائی کے پیچھے میرا ہی ماسٹر مائنڈ ہوتا یعنی میں ہی ان وارداتوں کا گروپ لیڈر تھا۔ اپنی شرارتوں' وارداتوں کے بھی ہم نے خفیہ نام رکھے ہوئے تھے۔ کارروائی سے پہلے ایک زبانی کلامی سرکلر کے ذریعے چاروں ارکان کو از قسم ایکشن وقت' جگہ اور ضروری تیاری کے متعلق مطلع کر دیا جاتا۔ مثال کے طور پہ اگر امرودوں کی کارروائی ہے تو خفیہ کوڈ ورڈ "ایکشن ٹرو ڈ" یعنی امرودوں کا ایکشن ہوتا۔ "کلری کوڈی" یہ کوڈ ورڈ مرغی کو کوڑی کی مدد سے اغوا کرنا اور پھر اسے خفیہ طور پہ پکانے کے لئے مخصوص تھا۔ "کوٹھا چھاپہ" فلم کے پہلے شو پہ بھگدڑ رش میں سینما کے اندر گھسنا تھا۔ "بورے پھاڑنا" کا مطلب رات کے وقت سڑک پہ گزرتی ہوئی بیل گاڑیوں پہ لدی ہوئی آلوؤں کی بوریاں کاٹ کر آلو چوری کرنا ہوتا۔ جنہیں ہم رات بھر محلے کے تنور پہ بیٹھے بھون بھون نمک لگا کے چٹخارے لگاتے رہتے۔ "خدا خوفی" کا کوڈ مزاروں پہ لوگوں کے ڈالے ہوئے پیسے اور مسجدوں کے لوٹوں سے تیل چرانے کے متعلق تھا۔

UrduPhoto.com

"کرو بچا" صرف اپنے حضرت استاد حافظ منا کی سربراہی میں چالیسویں محفل نعت ختم شریف قرآن خوانی کی محافل میں محض کھانے پینے اور دوستی چوٹی کے لئے شامل ہونے لگے تھے۔ اللہ معاف کرے۔ سر پہ رومال باندھے آنکھوں میں ندیدگی چھائے وضو و طہارت محض گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں کئی کئی قرآن ختم ہو جاتے۔ ایک کی جگہ تین تین صفحے اکٹھے الٹے جا رہے ہیں۔ توبہ توبہ اللہ میاں جی کے ساتھ بھی فراڈ کرنے سے حجاب نہیں آتا تھا۔ اس نادان عمر کے گناہوں کی سزا آج اس بڑھاپے میں بھگت رہا ہوں۔ ہاتھوں کی باندھی ہوئی ہونٹوں سے اور ہونٹوں کی نکالی ہوئی گرہیں آنکھوں کی پلکوں سے کھولنی پڑ رہی ہیں۔ میرا مالک و خالق میرے گناہ معاف کرے بڑا گنہگار اور خطا کار ہوں۔

"شہاں کے باغ" پہنچ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"بچو! چھوٹی موٹی کھانے پینے کی اشیاء کی چوری چکاری اور چھینا جھپٹی ہمارا شغل ہے پیشہ نہیں اسی لئے ہمیں آج کا "ایکشن نمبر ون" شروع کرنے سے پہلے شاہ صاحب کو سلام کرنا چاہئے اور پھر ان کی اجازت سے اپنا کام شروع کرنا چاہئے۔"

[illegible] نے جواب دیا کہ [illegible] ہم چاروں ایکشن کرتے ہیں تم ہمارے مربراہ اور رہنما کی حیثیت سے اپنے ہی وہاں مزار پہ جا کر سلام فاتحہ اور اجازت وغیرہ سے فارغ ہو لو ویسے بھی ہمارا وضو ہے اور نہ ہی نیت اور کپڑے پاک صاف ہیں اور پھر بھی ہمیں وہاں جانے سے خوف آتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ پیڑوں پہ چڑھ گئے اور میں اکیلا شاہ صاحب کی قبر کی جانب بڑھ آیا۔ امرودوں کے پیڑ ایک مناسب فاصلے پہ ہوتے ہیں اتنا کہ دور نظر اور درمیان میں پتلی سی پگڈنڈیاں اور روشیں ہوتی ہیں۔ بت جھڑ نے پتے پتے کا پتا مارا ہوا تھا۔ حرف الف سے شروع ہونے والے پھل اور قسم انگور امرود انار آم انجیر آلو بخارا آڑو انناس وغیرہ کے پتے جب جھڑنے پہ آتے ہیں تو شرم کے مارے لٹھ زرد ہو جاتے ہیں یوں دکھائی دیتا ہے جیسے شاخساروں پہ خون چڑھ کر جم گیا۔ پھر جب آخری پتی تو ذکر پتا لہریے لیتا ہوا زمین پہ آ رہا ہوتا ہے تو وہ کسی کی ہوئی پتنگ کے کلیجے کا کٹا ہوا ٹکڑا جا پڑتا ہے۔ ایسے ہزاروں لاکھوں کے ہوئے کلیجے میرے پاؤں تلے "کچ کچ" کر رہے تھے۔ لہو سے لتھڑے ہوئے پاؤں اٹھاتا ہوا میں ایک لمبی پگڈنڈی طے کرتا ہوا سید صاحب کے مزار تک پہنچ گیا تھا۔ "السلام علیکم" کہتے ہوئے میں نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ فاتحہ اور دعا کے بعد جی میں جانے کیا آئی کہ میں نے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پہ باندھ لیا اور پھر درود شریف کا ورد کرتے ہوئے چبوترے کو ہاتھ لگاتے ہوئے اردگرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔ چکر چیز ہی ایسے ہوتے ہیں کہ انسان چکر لگاتے لگاتے چکرا سا جاتا

ہے۔ اطراف کی سلوٹ بلوٹ ماری جاتی ہے اور ماتھے کو چوم جاتا ہے اس لئے کہ لہو اور کوئیں کے ساتھ میلے کھر کے چھروں میں چھپی ہوئی رنگ رنگین مذہب کے گرد بکھری ہوئی کھال اور اپنے کم قبیلے کی چھرا ری سے نکلے ہوئے بھائی کی قدر و قیمت اسی لئے کم ہوتی ہے کہ یہ پھرائے ہوئے ہوتے ہیں۔

بچے بچے امرودوں کی مانند بچوں کے ذہن بھی بچے بچے لالچی سے ہوتے ہیں۔ ابھی مال و زر اور جاہ و حشمت کی چکا چوند نے ان کی معصوم سی زندگی کو حرص و طمع اور لالچ و لوبھ سے زیادہ آلودہ نہیں کیا ہوتا۔ بچے کے سامنے دو چار کھٹے میٹھے یا ایک آدھ ملیحہ صورتوں کا ٹوکا ہوا امرود اور پاس ہی سوا سیر پکا سوا آدھ پاؤ اماس اور نمکین بھرے موتی رکھ دیئے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ پہلے امرودوں پر ہی پہلے ہاتھ صاف کرے گا۔ پھر اگر ہی چاہے گا تو ان "مخلوطات" کی جانب بھی دیکھ لے گا۔ اتنی بھی دیت کا پاپی اور نظروں کا تدبیہ پھر کاٹنے کے دوران اردو شریف پڑھتے ہوئے امرودوں کے متعلق سوچنے لگا کہ اگر یہاں سے فارغ ہونے کے بعد سید صاحب کی اماں وسیلے سے کچھ اچھے اچھے میٹھے میٹھے امرود مل جائیں تو مزہ آ جائے اور چار یاروں میں بھی واہ واہ بن جائے گا۔ ہاں تھا جو ایسا سوچا سید لوگ کا صلہ [illegible] اور ان صاحب [illegible] تو کیا ہی اچھا ہوتا؟ بہر حال اب تو سوچ کے پرندے دو پنکھ پھیلائے تھے اور وہ اماں کے قفس سے آزاد ہو کر اڑ چکا تھا۔ اچانک چھرا قصب کو ٹٹولنے والا ہاتھ کسی نرم نرم گول سی چیز سے مس ہوا۔ چہرے پر سے رومال ہٹا کر دیکھا تو وہ ایک چھوٹا سا گلابی رنگ امرود تھا۔ امرود تھا یا گیریاتی؟ ایک دانہ نایاب سبز گنبد چتوں کے ڈھیر کے درمیان دھرا ہوا۔ اس کی [illegible] رنگت [illegible] نگاہیں [illegible] ہو گئیں۔ چند لمحوں کی خمارگی کے بعد میں نے انتخاب و اشتیاق سے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا۔ اس امرود کی مخصوص محبت نے مجھے سرشار سا کر دیا تھا۔ فرصت تو یہ کام دہن کے لئے تھی مگر اس سے تو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ دولت صرف دیکھنے سونگھنے چھونے اور محسوس کرنے کے لئے ہے۔ پھر میں نے ڈھیر سے چتوں کو اس خیال سے ٹٹولا کہ شاید ان میں کوئی اور ایسا ہی امرود مل آئے۔ مزید اک خوشگوار سی حیرت سے دوچار ہوا جب میں نے وہاں چتوں میں چند اور امرود بھی دیکھے۔ یہ ایسے خوش رنگ اور خوش نظر امرود کہاں سے آئے انہیں یہاں کون رکھ گیا؟ میں گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگا بھلا یہاں میرے سوا اور کون ذی نفس تھا؟ میں نے چتوں سمیت امرود اٹھا کر اپنی جھولی میں بھرنے اور چند نشان اپنے چار یاروں کو تقسیم کرنے کی دیکھو میری جھولی میں جھانکو کیسے کیسے امرود میں لایا ہوں؟ ابھی مشکل چند قدم ہی بڑھائے ہوں گے کہ کرامت سی ذیت نے مجھے جیسے ایک جھٹکا دے دیا۔

UrduPhoto.com

"اوئے چوردے اگے مورا اوتھے ای کھلو جا۔"

وہیں کھڑے کھڑے میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ میرے اللہ! ایک الٹ چرچوترے پہ امرودوں والی جگہ پہ کھڑا آتشیں نظروں سے میری جانب دیکھ رہا ہے۔

حاضرات، موکلات، احزاد، رجل الغیب، دساسول، ابلاپری، پنچل چری، ملبم غیب، جن، نجوت پریت، ڈائن، خون آشام، چڑیل، چنڈال، آنکھ چھے پڑوے۔ ایسے کئی ایک نام میرے مطالعہ میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔ ایسے ہی الٹ چر بھی ایک رجعی شیطانی استعانت ہوتی ہے۔ یہ ابلیسی پیکر چاہے تو زمین سے لے کر پہلے آسمان تک ہو سکتا ہے اور کسی بھی مردہ پلید جانور کے قالب میں اپنے آپ کو ڈھال سکتا ہے۔ انسانی پیکر میں ہو تو اس کا چہرہ الٹا ہوتا ہے یعنی ماتھا، ٹھوڑی کی جگہ اور آنکھیں ہونٹوں کے اطراف میں ہوتی ہیں۔ یہ اپنے ہر کو چاروں اطراف گھما لینے پہ قادر ہوتا ہے۔ یہ عفریت اکثر و بیشتر شہداء کی قبور کے آس پاس پائی جاتی ہے۔ یہ دراصل اس ظالم بدنصیب مرے ہوئے انسان کا بگڑا ہوا نجوت ہوتا ہے جس نے کسی بھی وجہ سے صاحب مزار کو شہید کر دیا ہوتا ہے۔ شہید کی قبر پہ جب بھی کوئی فاتحہ، درود شریف یا قرآن پاک ایصال ثواب کے لئے پڑھنے آتا ہے تو اس مردود کو بڑی اذیت پہنچتی ہے ہر حرف و لفظ پہ [illegible] یہاں پہنچنے والوں کو ہراساں کر کے بھگا دے۔ میں بھی درود شریف پڑھتے ہوئے امرودوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سید صاحب کو اپنے تصرف سے میری امرودوں سے واقفیت کر دی اور میں امرود لے جا رہا تھا کہ اس نے مجھے آواز دے کر خوف زدہ کر کے روک لیا۔ ایک بیٹھ کر میں سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ لیتا، وہ میرے پلٹ جھپٹنے سے پہلے میرے سر پہ کھڑا تھا جبکہ میں نے اسے اپنی جانب بڑھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے میری سوچ سے بھی پہلے اپنے ریچھ جیسے بالوں سے بھرے بھدے ہاتھ سے میری کلائی پکڑ لی۔

بالکل ایسے ہی انداز میں میری اور کسی نے کلائی پکڑی تھی مگر اس بار میری کلائی پکڑنے والا کوئی الٹ چر نہیں تھا یہ تو اپنے پیارے حافظ صاحب تھے۔ کلائی پکڑ کر انہوں نے مجھے کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ چمٹا لیا تھا۔ روشنی سے یکدم اندھیرے میں جانے سے جیسے کچھ دکھائی نہیں دیتا اسی طرح گھپ اندھیرا اگر اچانک چندھیا دینے والی روشنی میں تبدیل ہو جائے تو انسان کو کچھ دیر کے لئے نہ تو کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ کچھ سجھائی۔ اس وقت میرا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اگرچہ روشنی ہو چکی تھی مگر یہ سب کچھ ایسی عجلت اور ڈرامائی انداز میں ہوا تھا کہ میں گرد و پیش سے ہی بے خبر ہو گیا۔ میں حافظ صاحب کے ساتھ چمٹا کھڑا تھا۔

وقت یوں جیسے تھم سا گیا ہو۔ بھینسوں کی یلغار کی وجہ سے اُفراتفری، بھونچال سی کیفیت جیسے رُک سی گئی تھی۔ جب طوفان گزر گیا تو حافظ صاحب کے ہاتھ بازوؤں کی گرفت قدرے ڈھیلی ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے موقع پا کر ان کی بغل سے یوں منہ باہر نکالا جیسے شتر بچہ بادِ سموم کے گزر لینے کے بعد عافیت کی گہری سانس لیتے ہوئے اپنی تھوتھنی نکالتا ہے۔ اور دور دور تک کہیں بھینسوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ مناسب سی روشنی میں جب آنکھیں حجرے کے اندر کا جائزہ لینے کے قابل ہوئیں تو پہلا منظر جو میری آنکھوں نے دیکھا وہ مجھے دہلا دینے کے لئے کافی تھا۔۔۔ شمشاد کا ایک جوان سال درخت جس کا ایک گھنا سا منڈیر والے کنویں کے اوپر بڑھا ہوا تھا اس کے ساتھ شاہ صاحب الٹے بندھے ہوئے کنویں کے اندر لٹکے ہوئے تھے۔ میں یہ ہولناک منظر دیکھ کر ایک بار پھر سہم کر حافظ صاحب کے ساتھ چمٹ گیا۔ چند لمحے آنکھیں بھینچنے کے بعد میں نے پھر آنکھیں کھولیں تو کنویں کی جانب دیکھا۔ وہی منظر جو ہماری سرائے پھالیہ میں ہر سال عرس کے موقع پر ہوتا تھا کہ کمائی کے دوران جس شخص کو حال آتا تھا اس کے پاؤں گھٹنوں پر موٹے کپڑے کے پٹی لپیٹ کر رسے سے اتنا بلند کر کے لٹکا دیتے تھے کہ وہ الٹا لٹکا ہوا جھول جھول کر حال کھیلتا رہتا۔ جب تک وہ تھک ہار کر شانت نہ پڑ جاتا نیچے نہ اتارا جاتا۔ [illegible] محسوس ہوتی تھی۔ پھر پاؤں کی جگہ سے رسے سے لٹکا ہوتا تو اتنے شاید یوں جھول جھول کر ملنے سے حال کھیلنے کی مہلت نصیب نہ ہوتی۔ شاہ صاحب کے ساتھ بھی یہی منظر تھا کہ وہ الٹے لٹکے ہوئے تھے مگر بالکل بے حس و حرکت جیسے کسی نے انہیں فارغ کر کے عبرت کے لئے الٹا لٹکا دیا ہو۔ [illegible] کیا ضرورت تھی جبکہ انہیں سیدھا لٹکانا زیادہ آسان اور مناسب ہو سکتا تھا؟۔۔۔ پھر میں نے دیکھا کہ حافظ صاحب مجھے اپنے سے علیحدہ کرتے ہوئے درخت سے بندھے ہوئے رسے کا دوسرا سرا ڈھیلا کر رہے ہیں۔ رسہ اپنے بندھے ہوئے بوجھ سے آہستہ آہستہ نیچے کنویں میں اترنے لگا۔ میں نے دھڑکتے دل سے ایک قدم آگے بڑھ کر منڈیر سے نیچے کنویں میں جھانکا۔ کسی ظاہری سی بتی کے بغیر ہی اندر اتنی روشنی تھی کہ میں کنویں کی اندرونی دیوار اس پر اُگے ہوئے خودرو پودے اور شاہ صاحب کا دھڑ دھیرے دھیرے نیچے کھسکتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

اچانک منظر بدلا اور صدیوں پہلے ظلم و استبداد کے اندھیروں میں مظلوم، مقہور و معتوب عوام اور قیدیوں، مجرموں کے لرزتے کانپتے تڑپتے جسم میری نگاہ کے سامنے گھومنے لگے جنہیں بالکل [illegible] رسوں سے جکڑ کر چاہِ بابل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتار دیا جاتا تھا جہاں [illegible] خوف [illegible] اذیت و موت کی [illegible]

کھولے ان کی منتظر ہوتیں اور پھر چشم فلک ان کی صورت دیکھنے کو ترس جاتی تھی ۔۔۔ یہیں اچانک مجھے یاد آیا کہ اس کنویں میں تو بیلگڑوں ہزاروں بھینسیں بھی اتر چکی ہیں وہ کہاں گئیں؟ اس کا مطلب ہے کہ اس کنویں کے اندر بھی کوئی زمان و مکان کا سلسلہ ہے جو میری نظر سے پوشیدہ ہے۔۔۔ میں مزید کچھ دیکھنے کے لئے آگے منڈیر کے اوپر جھکائی لے کر نیچے جھانکنے لگا۔ شاہ صاحب کا دھڑ اب کافی نیچے اتر چکا تھا اور حافظ صاحب ایک دو قدم پیچھے ہٹے کھڑے بڑی مستعدی سے درخت کے تنے کے گرد سے رسے کے حلقے سرکاتے جا رہے تھے۔ انہیں اس مشقت میں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ نابینا ہیں۔ کیا اندھے نابینے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ آگے جھک کر نیچے بھی جھانکتے جا رہے تھے؟ موٹے رسے جس پر وہ فٹ پھر رہی تھی ہوئی تھیں اب شاید سارا کنویں میں اتر چکا تھا اور اس کا صرف آخری سرا درخت کے تنے سے بندھا رہ گیا۔ میرے لئے یہ بات حیرت کی تھی کہ اتنی بھینسوں کے بعد شاہ صاحب کے رسے اور پتہ نہیں کہ کون کون اس کنویں میں اتر چکے ہیں۔ کنواں تھا یا جہنم زاری کی دیگ کہ کئی کٹرے کے گوشت والیں اور مصالحے پڑتے جا رہے ہیں اور کبھی خدا جانے کیا کچھ اس میں ڈالنے کے لئے باقی رہ گیا ہے؟ ۔۔۔ وحشت خاموشی اور پراسرار یت کچھ ایسے در آئی تھی کہ ابھی ایک لفظ بھی میرے منہ سے نہ نکلا تھا اور نہ ہی قبل حافظ صاحب کے پوچھنے پر بولا جا سکا تھا۔ یہاں تو سوچ و عقل اور جسم و جذبات کا وجود ہی نہیں تھا۔ یہاں تو صرف بصارت ہی بصارت یا پھر شاید کچھ بطونی بصارت و بصیرت ہو تو ہو ورنہ بصارت کام کر رہی تھی۔ اب حافظ صاحب میرے سامنے پیچھے کر کے بیٹھ گئے اور ہاتھوں سے اشارہ کرنے لگے کہ میں ان کی کمر کے گرد اپنے بازو حمائل کر کے کندھے پر سوار ہو جاؤں۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا چاہ رہے ہیں مگر میں نے پوچھ لینا ہی مناسب سمجھا۔ اب میں ان سے بات کرنا چاہ رہا ہوں مگر شاید میری حلق اظہار سے عاجز ہو چکی تھی۔ ذہن میں الفاظ موجود ہیں زبان تک آ رہے ہیں زبان حرکت بھی کر رہی ہے لیکن الفاظ صوت کی لہروں میں تبدیل نہیں ہو رہے۔ بہتیری کوشش کی مگر میری زبان شاید کچھ کہنے سننے سے قاصر ہو چکی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا گردن کے گرد بازو لپیٹ کر حافظ صاحب کی کمر پر ٹک گیا۔ انہوں نے میری پتلی پتلی ٹانگیں آپس میں اپنے پیٹ کی طرف کے اوپر اکٹھی کر کے میرے دونوں پیر ایک دوسرے میں نیچے اوپر پھنسا کر ایک دوسرے میں جکڑ دیئے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے اٹھا کر اس خطرے سے باہر بھاگنے والے ہیں مگر جب انہوں نے کنویں کی منڈیر پر چڑھ کر رسے کو تھام کر کنویں میں اترنا چاہا تو میری تو سٹی گم ہو گئی ۔۔۔ یا اللہ! یہ حافظ صاحب مجھے ساتھ لئے کہاں کود رہے ہیں؟ ۔۔۔ احتجاج کی غرض سے زبان اور ہاتھ پاؤں ہلانے چاہے مگر جیسے سب کچھ میرے کنٹرول سے باہر ہو چکا تھا۔

UrduPhoto.com

حافظ صاحب کسی گریڈ کو دیا کی مانند مجھے کمر پہ لادے گرہوں والے رسے کی مدد سے قدم قدم نیچے سرک رہے تھے اور میں باندری کے بچے کی طرح متوحش سا لکا چپٹا ہوا کبھی اوپر اور کبھی بہت نیچے اتھاہ گہرائی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حافظ صاحب سے مجھے کبھی کچھ خوف محسوس نہیں ہوا تھا مگر یہ کارروائی، یکے زمیں آج پہلی بار ان سے بدکا تھا۔ دوسرا کپڑا ملم اور آنکھوں کے ڈیلے گھماتے ہاتھ کی لاٹھی سے قدم قدم زمین کو ٹٹولتے ہوئے بوڑھے سے حافظ صاحب آج مجھے ایک مختلف انسان دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے پنڈے کی دھیمی دھیمی خوشبو اور تسکین دیتی ہوئی ہلکی ہلکی حرارت نے کنویں کی تہہ تک اترتے اترتے میرا سارا خوف و تردد تحت پتر کر دیا تھا۔ یہاں ایک اور چیز میرے انتظار تھی۔ کنواں پانی سے یکسر خالی تھا۔ ہموار زمین پہ ریت کی چھائی بچھی ہوئی تھی۔ شاہ صاحب چت بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ پاس ہی مٹی کے پیالے پانی کا گھڑا تین چار مٹی کی ہنڈیاں اور دو چار چھوٹے چھوٹے کپڑے کی چادریں۔ کنویں کی دیواروں پہ دو چار چھوٹے بڑے طاقچے بھی دکھائی دیے۔ ایک طرف مٹی کا دیا اور تیل میں لپٹا ہوا مصحف پاک بھی نظر آیا۔ دیا روشن تھا اور اس کی مدھم سی روشنی میں یہاں کی ہر چیز نمایاں تھی۔ پیچھے گھوم کر دیکھا تو دیوار میں ایک عجیب سا در بھی دکھائی دیا۔ [illegible] کا دروازہ [illegible] کی رسی [illegible] ہوا [illegible] حافظ صاحب اپنی کمر کے بوجھ سمیت شاہ صاحب کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ اپنی گردن میری گرفت سے آزاد کراتے ہوئے انہوں نے شاہ صاحب کے رسے سے جکڑے ہوئے پاؤں اپنی گود میں رکھ لئے۔ پہلے پہلے سہلاتے اور دباتے ہوئے انہوں نے رسے کی [illegible] کا [illegible] کر کے پاؤں آزاد کئے۔ پھر ٹخنوں اور پنڈلیوں پہ لپٹی ہوئی موٹے کپڑے کی پٹیاں بھی اتار کر ایک طرف رکھیں۔ کافی دیر پاؤں اور پنڈلیوں پہ ہاتھ سے مالش کرنے کے بعد انہوں نے بڑی آہستگی سے دونوں پاؤں نیچے چھائی پہ دھر دیے۔ میں بڑی دلچسپی اور تجسس سے یہ ساری کارروائی ان کے شانوں کی اوٹ سے گردن اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ اچانک حافظ صاحب میرے آگے سے اٹھے اور سامنے دیوار کے طاقچے سے کپڑے کی ایک پوٹلی اٹھا کر لائے۔ اس میں سے چند دانے سفوف نکال کر مٹی کے ایک پیالے میں ڈال کر دو گھونٹ پانی شامل کر دیا۔ پیالہ پاس دھر کر انہوں نے اب شاہ صاحب کا سر اپنے زانو پہ رکھ کر گیلے ہاتھ سے ان کے ماتھے چہرے اور آنکھوں کو تر کیا۔ دوسرے ہاتھ سے ان کے شانے دابنے لگے تھے۔ میرے جی میں یوں آئی کہ میں پاس سرک کر ان کے پاؤں سہلانے لگا۔ ہم دونوں جیسے کسی بیہوش انسان کو ہوش میں لانے کی جتن کر رہے تھے۔ ہم دونوں کی نگاہیں شاہ صاحب کے پیلے پھٹک چہرے پہ لگی ہوئی تھیں جس پہ شاید دھیرے

وجود سے زندگی کی رمق پیدا ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر ان کے لبوں کے کناروں پہ ہلکی سی جنبش دکھائی دیتے ہی حافظ صاحب نے آنکھیں لب ہلائے بغیر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ" کہا۔ عجیب بات کہ آواز مجھ تک پہنچ رہی تھی لیکن ان کے لب تک نہیں ہلے۔ اب شاہ صاحب کی آنکھوں کے بند پپوٹوں میں حرکت کی پیدا ہوئی اور چہرے کا رنگ بھی جیسے آہستہ آہستہ بدلتا جا رہا ہو۔ میرے ہاتھ ان کے پاؤں پہ تھے میں نے محسوس کیا کہ رگوں میں جیسے خون کی روانی تیز ہو گئی ہو اور جسم بھی زندگی کی حرارت پکڑتا جا رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد شاہ صاحب نے بھی لب ہلائے بغیر "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ" کہا۔ کنویں میں شاہ صاحب کی آواز کا آہنگ چھوٹی کرداب کی طرح گھومتا رہا۔ "وعلیکم السلام وعلیکم السلام وعلیکم السلام" کی بازگشت سے گونجنے لگا۔ بالکل ایسے ہی جیسے وعلیکم السلام کے کئی دیپ دیوار در آئے پیچھے دائیں بائیں مختلف سمتوں سے جاگ پڑے ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیسے ہوں یا ہے [illegible] اس کنویں اور اوپر فجر سے میں کان آنکھ زبان ذوق عقل خیالات یہ سب اعضاء اور حسیات بیکار کیوں ہو گئی ہیں یہ کون سی دنیا ہے؟ پھر یوں سمجھ میں آیا کہ جیسے ہم اپنی ظاہری ذات اور دکھائی دینے والی زمین کے باطن میں اتر آئے ہیں۔ یہاں ظاہر ختم ہو جاتا صرف باطن باقی رہتا ہے۔ جیسے چھوٹے [illegible] اور ہے۔ اندر اور بھی باطن اور [illegible] باطنی طور پہ بات کرنے کے لئے زبان وہاں اور بات سننے کے لئے کان دھرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میرا کھوجل اور شرارتی ذہن [illegible] لب ہلائے بغیر حافظ صاحب سے عرض کی۔

"قبلہ! وہ پیر کوئی [illegible] اختیار کیا تھا۔ اب رات [illegible] بڑی زوروں سے بھوک لگی ہے۔ آپ تو صاحب تصرف ہیں روحانی طور پہ پیٹ بھرا رہتا ہے لیکن میں بچہ کچا ہوں وقت پڑنے پہ۔ میرے پیٹ دنیا کی بات تو فرض دماغی سے ہی نمٹتی ہے چاہے وہ چوری کے ہی کیوں نہ ہوں۔"

درخواست بڑھا کر میں سوال کر بیٹھا کیا کہ دیکھیں کیا ظہور میں آتا ہے؟ شاہ صاحب نے پپوٹے پھیلاتے ہوئے نیم باز سی آنکھیں وا کیں۔ حافظ صاحب نے ان کی کمر کے نیچے بازو ڈال کر انہیں اپنے سینے کی ٹیک سے لگا کر بٹھا دیا اور بسم اللہ کہتے ہوئے وہی پانی والا پیالہ ان کے لبوں سے لگانا چاہا۔ شاہ صاحب نے لبوں کو جنبش دیئے بغیر الحمد اللہ کہتے ہوئے مختصر سے جملے میں فرمایا۔

"چند لمحے توقف فرمالیں تو مہربانی ہو گی....."

اسی لمحہ پاس پڑے ہوئے رسے میں حرکت ہوئی اسے جیسے کوئی اوپر سے کھینچ رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اسی رسے سے بندھی ہوئی ایک پوٹلی نیچے آئی۔ وہ ایک کدو تھی جس میں سے بھاپ نکل رہی تھی

UrduPhoto.com

کہ جیسے گرم گرم کھانا دیگچی سے نکال کر فوراً اس میں باندھ دیا ہو۔ وہ غیب سے اتری ہوئی کندوری عین میری ناک کے نیچے دھری پڑی تھی اور میں اسے یوں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ جیسے یہ کوئی جادو کی پٹاری ہو اور کوہ قاف سے کوئی جن اسے یہاں پھینک گیا ہو۔ نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو حافظ صاحب اور شاہ صاحب میری طرف دیکھ رہے تھے ان کے اذن سے میں نے کندوری کی پوٹلی کو رسے کے پھندے سے آزاد کیا۔ گرم گرم کھانے کے تصور اور کندوری سے اٹھتی ہوئی اشتہا انگیز مہک نے میرے اندر کے مدیدے ہونے کو مشتعل سا کر دیا تھا۔ اپنے آپ ہی میری زبان ہونٹوں پہ پھرنے لگی تھی۔ پھر پھرا بہت سی پیدا ہوئی تھے یقیناً حافظ صاحب نے بھی دیکھ لیا ہوگا اور اسی لئے تو انہوں نے فوراً مجھے وہ کندوری کھولنے کا حکم دیا۔ عجیب سے موٹے کپڑے کی بڑی سی کندوری جو چاروں کونوں سے ضربی گانٹھ سے بندھی ہوئی تھی۔ کھولنے پر اندر سے کھلے منہ والا مٹی کا ایک برتن برآمد ہوا۔ اس کا عجیب سی ساخت کا ڈھکن بھی سیاہی مائل مٹی کا بنا ہوا تھا۔ ڈھکن اٹھایا تو ایک خانے میں مرغی کا بھنا ہوا پورا دوسرے خانے میں دیگچی ہوئی مستورہ مچھلی تیسرے میں بگھار کے زعفرانی چاول چوتھے میں کاغذی تافتان کے چار برابر ٹکڑے [illegible] کسی فائیو سٹار ہوٹل کے [illegible] ان کے عجیب و غریب خصوصی توشہ دان میں گرم گرم تازہ تازہ مختلف اذواق کے مزیدار مدیدے کھانے نصیب ہو سکتے ہیں۔ اپنی تھیلی پہ سرسوں جمانے والی بات کہ میں نے فقط سوچا تھا اب تک نہیں ہلائے تھے اور جو مانگا چاہا وہ چشم زدن میں اسی دسترخوان کی مانند دیوار سے آ گیا۔ شاہ صاحب نے [illegible] چاولوں کا ایک لقمہ اپنے منہ میں رکھا۔ ادھر حافظ صاحب نے دعا دی اور پانی والا پیالہ شاہ صاحب کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ چاولوں کا ہلکا سا لقمہ میرے حلق سے نیچے اترا میرے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ مدیدوں کی مانند میں کھانے پہ دونوں ہاتھوں سے ٹوٹ پڑا۔ بھنا ہوا پورا مرغ، تافتان، مستورہ مچھلی، چاول جو کچھ بھی سامنے تھا آناً فاناً سب کچھ ہڑپ کر گیا۔ اس دوران میں نے ایک پل کے لئے بھی حافظ صاحب اور شاہ جی کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ یہ باریک نکتہ میں بہت پہلے ہی سے جان چکا تھا جب ہم حافظ صاحب کے ساتھ ختم قرآن، مولود شریف یا کسی دعوت چالیسویں پہ مخلص کھانے کھانے کے لئے ساتھ ہو لیتے تھے کہ جب بھی وہ چار لوگوں میں کھانے کے لئے بیٹھتے تو اپنی پوری توجہ دونوں روٹیوں پہ مرکوز رکھو۔ ادھر ادھر بالکل دھیان نہ دو۔ ذرا سی نظر بھٹکی کہ ادھر ہوئی اڑی۔ کوئی لاکھ متوجہ کرے باتوں میں لگائے آنکھوں سے گھورے۔ کسی کو دار خور اعتنا بھی نہ سمجھو۔ صاحب بنے دسترخوان کی صفائی پہ جمے رہو۔ میں یہاں اس وقت بھی اپنا یہی اصول طریقہ اختیار

UrduPhoto.com

کے ہوئے تھا۔ تو شدان کے چاروں پیندے صاف کرنے اب مجھے اس لذیذ کھانے کی تہہ جمانے کے لئے پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آنکھوں سے حافظ صاحب اور شاہ جی کی جانب دیکھا۔ حافظ صاحب نے تو شدان کے پیندے میں پانی کو تلاش کرنے کا حکم سنایا۔ پیندے میں پانی؟ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ خالی تو شدان کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو نیچے کنارے کے ساتھ ایک ابھرا ہوا پھول دکھائی دیا۔ یونہی اسے ہلکا سا دبایا تو پتلی سی شاخ سے پانی کی دھار برآمد ہوئی۔ بھئے تو شدان اٹھا کر منہ سے لگایا۔ اس ٹھنڈے میٹھے پانی کا بھی اپنا ایک الگ ہی مزا تھا۔ خوب سیر ہو کر پیا اور اس خالق و رازق کا شکر بجا لایا جو زمین کے اندر پتھر میں کیڑوں کو ان کی ضرورت کے مطابق رزق بہم پہنچاتا ہے اور جو کنوئیں کے اندر اپنے بندوں کے لئے ان کے پسندیدہ کھانے کھانوں کے وسیلے پیدا کرتا ہے۔ اسی پانی سے منہ ہاتھ صاف کئے اور اس کندوری سے ہی ٹیک لگائی۔ حافظ صاحب نے شاہ جی کا پیالہ بھر پانی میں بھیگے ہوئے سفوف والے کھا کر کنوئیں کے فرش پر بٹھا دیا تھا اور پانی کا کٹورا پانی کی کھیت کر انہیں شعوری کاوش کرنے لگے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد طبیعت میں جو آسودگی در آتی ہے اسی سے غنودگی پیدا ہوتی ہے۔ صبح کے بعد ہی کی تھکن جو تھا کہ وہ کندوری دیکھتے ہی پاؤں پھیلا کر لیٹ گئے۔ [illegible] بھاری نیند کی نیچی بھی [illegible] جو یقیناً کسی انسانی وسیلے سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ [illegible] ایک مطلق امر تھا۔ میری آنکھیں آہستہ آہستہ خود بخود بند ہونے لگی تھیں۔ [illegible] اجل کی چھوٹی بہن اور نیند کی چھوٹی بھائی ہوتی ہے۔ اس اس چھوٹی سی بھائی نے اپنے [illegible] ہاتھوں سے [illegible] کر دیا۔ میں وہی تو شدان والی کندوری سر پہ پیٹ کر کنوئیں کی دیوار سے لگ گیا۔ [illegible] بیدار ہوئے تو میں اندھیرے کی قبر میں لیٹا ہوا تھا۔ چند ثانیے اسی غم بیداری میں گزر گئے۔ پوری طرح آنکھیں کھلنے کے بعد بھی جب اندھیرا نہ چھٹا تو لاشعوری طور پہ خود بخود ہاتھوں نے چہرے پہ پڑا ہوا کپڑا اتار دیا۔ گدرائی ہوئی رات ٹھنڈی پروائی اور چڑیوں کے چہچہوں نے مجھے مکمل طور پہ بیدار و ہوشیار کر دیا تھا۔ آنکھیں کھلتے ہی جو پہلا منظر دیکھا وہ وہی شیشم کا درخت اور اس کے [illegible] صبح دم کے پرندے۔ ہلکی سی گردن اٹھا کر دیکھا تو طلوع آفتاب کا نکھرا نکھرا اجالا اک جادو سا جگاتے ہوئے تھا۔ اب میں آلتی پالتی زمین پہ ٹکا کر ذرا سا اٹھا اور کندوری کا جائزہ لیا۔ وہی جگہ تھی جہاں ایک روز پہلے یا ایک صدی پہلے میں اور حافظ صاحب بحری ذوہم میں بیٹھے ہوئے تھے اور جہاں اچانک حافظ جی نے مجھے اپنی گود میں کھینچ کر اوپر اپنی چادر ڈال دی تھی۔ دھپ دھپ جیسے جنگلی بھینسوں کا کوئی بہت بڑا ریوڑ ہمارے اوپر سے گزر رہا ہو۔ [illegible] محسوس

ہونے پہ حافظ جی نے ایک عجیب و غریب برتن میں دودھ منگوا کر پلایا تھا' پینے کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے صدیوں کی بھوک پیاس ختم ہو گئی ہو۔ انگ انگ شرار سے بھر گیا' روح تک سرشار ہو گئی تھی اور پھر پھر میں اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا تھا۔ ذرا ذہن پہ زور دیا تو یاد آیا کہ پھر میں شام ڈھلے ذخیرے کے اندر' ذخیرے سے باہر ایک گھنے درخت تلے پڑا تھا کہ اچانک زمین کانپنے لگی' دیکھا تو وہی بھینسوں کا ایک بہت بڑا اژدھام بڑی شدید طرار اور وحشت و بربریت سے دُمیں اٹھائے' منتھنوں سے دھواں اور آنکھوں سے شعلوں اگلتا ہوا ذخیرے کی جانب امڈا چلا آ رہا ہے۔ پھر میرا اندر گھسنا' حافظ صاحب کا شاہ صاحب کو کنوئیں کے اندر اتارنا' مجھے اپنی کمر پہ لاد کر نیچے لے جانا اور پھر مجھے بھوک کا محسوس ہونا۔ اوپر سے نیچے کھانا پہنچنا' کھانا کھا کر پھر پہلے کی طرح میرا بے سدھ سا ہو جانا اور اب ہوش میں آنا۔ ایک ایک منظر اور بات مجھے یاد آ گئی۔ مجھے یوں بھی لگا جیسے یہ سب کچھ محض ایک خواب تھا' حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو مگر کیا کیا جائے کہ خواب اور حقیقت بھی کبھی آپس میں ایسی گڈمڈ ہو جاتی ہیں کہ خواب کی دُم پکڑ لو تو بڑھتے بڑھتے آگے حقیقت منہ کھولے مل جاتی ہے اور اگر کبھی حقیقت کی گردن ناپ کو تو وہاں سے پیچھے بنتے بنتے خواب و خیال کے سب بنیاد پاؤں پہ پہنچ کر ہاتھ پھسل جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو یہ دونوں چیزیں دو موہے سانپ کی طرح آپس میں گتھم گتھا ہو جاتی ہیں کہ خواب و خیال کیا ہے اور حق و حقیقت کیا ہے؟..... اس لمحے میں بھی خواب و حقیقت کی اونی کندوری کے ادھڑے ہوئے دھاگے کا سرا پکڑنے اسی ادھیڑ بن میں پھنسا ہوا تھا کہ اس تمام واقعے کو محض خواب و خیال جانوں یا اسے حقیقت سمجھوں؟ خدا بھلا کرے اس توشہ دان کے گرد لپٹی ہوئی کندوری کا جسے میں نے کنوئیں کے اندر دیوار سے ٹیک لگاتے وقت اپنے سر منہ پہ ڈال لیا تھا۔ یہ موٹے کپڑے کی کندوری ابھی تک میرے شانوں پہ پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اسے ڈرتے ڈرتے اپنے ہاتھ سے مس کیا۔ ملائم سمور سا لمس میرے سارے جسم میں اک جھرجھری سی لہرا گیا۔ اس کا مطلب ہے' وہ سب کچھ حقیقت ہے جس سے میں ہو گزرا تھا..... معاً مجھے خیال آیا کہ حافظ جی کہاں ہیں؟..... ادھر ادھر دیکھا تو وہ کہیں دکھائی نہ دیئے..... کہاں جا سکتے ہیں؟..... ادھر چھاؤنی پل کی جانب نگاہ دوڑائی تو ادھر سے ایک تانگہ آتا ہوا دکھائی دیا..... ذرا اور قریب آیا تو اسی کی پچھلی نشست پہ حافظ صاحب براجمان تھے۔ تانگہ رکتے ہی میں نے "السلام علیکم" کہنے میں پہل کی اور "وعلیکم السلام" کہتے ہوئے وہ تانگے سے اتر آئے۔ یہیں مجھے احساس ہوا کہ میں اب یہاں اپنے لبوں سے بات کر سکتا ہوں جبکہ حافظ صاحب نے بھی اب اپنے منہ سے جواب دیا تھا۔

"حافظ صاحب! آپ مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے.....؟"

مسکراتے ہوئے بولے۔ "اچھا اچھا زیادہ سوال و جواب مت کرو۔ تانگے میں بیٹھو اور گھر چلو۔"

اس روز تو انہوں نے میرے کسی سوال کا کوئی جواب نہ دیا البتہ دوسرے دن جب میں انہیں باؤٹرین پہ بٹھانے کی غرض سے سٹیشن تک ساتھ گیا تو گاڑی چھوٹنے سے چند منٹ قبل میرے اصرار پہ فرمایا۔

"ڈال کاں! ایک تو تم بے صبرے ہو اور دوسرے پرلے درجے کے ضدی۔ جس چیز کے پیچھے پڑ جاؤ اسے حاصل کئے بغیر تمہیں چین نہیں آتا جبکہ ہر بات کا کوئی وقت ہوتا ہے... کل سے تمہاری "کاں کاں" سے میرے کان پک گئے ہیں۔ مختصر سی بات بتاتا ہوں مگر اس شرط کی ساتھ کہ کبھی بھی شاہ صاحب اور میری حیات میں یہ واقعہ کسی سے ذکر نہ کرنا۔"

مجھ سے وعدہ لینے کے بعد انہوں نے بتایا کہ شاہ صاحب برس میں پانچ بار چلہ معکوس کھینچتے ہیں۔ چلہ معکوس کے لئے چالیس دن یا چالیس راتیں کسی کنویں میں الٹا لٹک کر عبادت کی جاتی ہے اور ہر دن رات میں ایک لاکھ آسمانی اور ارضی بلیات و حشرات الارض کی برکت سے اس کنویں میں غرق کر دی جاتی ہیں۔ [illegible] اپنے ہاتھوں سے شاہ صاحب کو الٹا لٹکاتا ہوں اور پھر چالیس دن کے بعد آ کر خود ہی کھولتا ہوں۔"

میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"کیا میرا یہ سب کچھ دیکھنا ضروری تھا....؟"

"ہاں بہت ضروری... دیکھو گے تو جان پاؤ گے۔"

میں نے آئیں بائیں شائیں کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ اوکھے اور خطرناک کام جان کر کیا کروں گا مجھے کوئی ولی اللہ یا بزرگ تھوڑا ہی بننا ہے؟"

وہ قدرے خفگی سے بولے۔ "تو پھر تم میرے ساتھ ہر وقت لڈو پیٹے کے لئے چپٹے رہتے ہو؟"

"حافظ جی! میں تو صرف کھانے پینے کے لالچ میں۔"

انہوں نے میری گدی پہ ایک دھول جماتے ہوئے کہا۔

"او پگلی ڈال کاں! یہ تو میں حافظ منہا ہوں اور وہ بھی میرے ساتھ کھایا پیا ہوا جمعرات، ختم، مولود شریف یا کسی مردے کے قلوں کا کھانا ہوتا ہے۔ یہ تو خاص الخاص جنوں موکلوں کا کھانا ہوتا ہے اور جو خوش نصیب یہ کھانا پینا ایک بار چکھ لیتا ہے وہ پھر کسی بزرگ کو چلہ معکوس ضرور کرواتا ہے اور تم نے تو یہ

کھانا پینا تو شکل فرمائش کر کے خود منگوایا تھا۔ اب تو تم نے چلے ہوئے کروانا ہے اور خود بھی کرنا ہے۔۔۔"

یہ سن کر میرا تو خون خشک ہو گیا۔ میں خشک حلق سے صرف "حافظ صاحب" ہی کہنے پایا تھا کہ گاڑی کی روانگی کا وسل ہو گیا۔۔۔ حافظ صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

"تو دل کاں! اب کچھ نہیں ہو سکتا اب تو تمہارا کنویں میں لٹکنا لکھا جا چکا ہے۔" وہ گاڑی کے پائیدان پہ پاؤں لٹکاتے ہوئے کہنے لگے۔ "تم نے وہ چڑیا کوے کی کہانی تو سنی ہو گی جس میں ساتھ کی کھچڑی پکانے میں چڑیا بے ایمانی کر جاتی ہے اور خود ہی ساری کھچڑی چٹ کر کے ہنڈیا میں ٹک لموت کر خود چکی کے نیچے چھپ جاتی ہے۔ کوا بیچارہ صورت حال کو جان کر سخت تاؤ میں آتا ہے اور ایک لوہے کا چمٹا گرم کر کے چکی کے نیچے چڑیا کی دم کو داغتا ہے تو چڑیا شور مچاتی ہوئی باہر نکل کر کہتی ہے کہ ہائے ہائے میری دم جلی تو کوا جواب دیتا ہے "کیوں پرایا کھچڑا کھایا؟"

یہ سن کر میری تو ہوا سرک گئی۔ اب میں کیا کہتا اور کیا سنتا۔۔۔ گاڑی سرک رہی تھی میں سرکتی گاڑی کے ساتھ چل رہا تھا۔ حافظ صاحب دروازے میں ہی کھڑے تھے۔ گاڑی کی رفتار بڑھی تو "اللہ نگہبان" کہہ کر بآواز بلند فرمایا۔

"تو دل کاں! وہ کندوری والا رومال سنبھال کر رکھنا اور اپنے وعدے پہ قائم رہنا۔۔۔"

اس ملاقات کے ٹھیک سات روز بعد حافظ صاحب جمعہ کے روز صبح کی نماز ادا کرتے ہوئے آخری رکعت میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ "جوات" سائیں کا نواں والی سرکار کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ یہ لکھنا بھی شاید مناسب ہو گا کہ حافظ صاحب کے پردہ فرمانے کے سوا مہینے بعد مجھے کھروڑ سیداں سے سید معصوم علی شاہ اویسی نقشبندی سرکار کا بلاوا آ گیا تھا کہ سر ڈھانپ کر پہنچو۔ ظاہر ہے سر ڈھانپنے سے مراد یہ تھی کہ کندوری والا رومال لے کر پہنچو اور وہاں پہنچنے کا مطلب تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔

بات اجمیر شریف کی درگاہ میں گانے بجانے والی کالی کلوٹی رمی رکمنی کے اندھے باپو قوال کے اندھے پنے سے شروع ہوئی تھی کہ میں اور سیٹھ مصطفیٰ علی خان رکمنی کی دعوت پہ اس کے گوٹھ شاہلیر جاتے ہیں اور جانے کا مقصد رکمنی کی پراسرار شخصیت اور اس کی ناک میں لوری فیروزہ جڑے چاندی کے بلاق کے بارے میں جانکاری حاصل کرنا تھی۔ رکمنی کا اندھا باپو ادھر بے پوری ایک مشہور طرحدار زنگی چمپاوتی کرنا گی کا پکھاوجی تھا۔ چمپاوتی جہاں اپنے حسن و جمال، عشوہ و غمزہ اور نزاکت و نازکی میں ایک دانۂ گوہر تھی وہیں وہ اپنے اثر و رسوخ، دولت، محلوں اور حویلی چوباروں کے معاملے میں بھی ایک نمایاں شہرت رکھتی تھی۔ اسے ہیرے موتی پہننے اور جمع کرنے کا بھی جنون کی حد تک شوق تھا۔ اس نسبت سے وہ بے پوز

جودھ پور، اجمیر، احمد آباد، بمبئی اور کلکتہ مدراس کے بڑے بڑے جوہریوں اور صرافوں کی منظور نظر ٹھہری تھی۔ بڑے بڑے دولت مند سیٹھ اس کی محبت کا دم بھرتے اور اس کی چشم التفات کے منتظر رہتے تھے۔ وہ بھی اک کائیاں طوائف زادی تھی۔ مطلب کی آسامی کی گود ہری کرتی اور باقیوں کو طرح دے جاتی۔ جواہرات اکٹھے کرنے کے جنون میں اس نے بڑے بڑے بیش قیمت اور نادر لعل و جواہر جمع کئے ہوئے تھے مگر وہ جو کہتے ہیں کہ مال و دولت اور اولاد فتنہ ہے۔ اولاد پیدا کرنے کے دن نہیں تھے البتہ مال و دولت اور ہیرے جواہرات ہی اس کے لئے فتنہ ہو سکتے تھے۔ اگر خوش نظری سے دیکھا جاتا تو مال و جواہر سے کہیں بڑھ کر اس کے پاس حسن و شباب کا سرمایہ تھا مگر شاید بیش قیمت ہیرے موتیوں کی آب و تاب کے سامنے اس کے حسن و شباب کی دلپذیری ماند پڑ گئی تھی۔ وہ تو خاص و عام جلسوں مجرموں میں بھی ہزاروں لاکھوں کے قیمتی ہیروں موتیوں اور زیورات سے لدی پھندی رہتی تھی۔ راجستھان کے وسیع و عریض علاقے میں اکثر وہ صحرائی ٹھاکروں، قبیلہ بند راجپوتوں کے ہاں مدعو کی جاتی اور مخصوص محفلیں باندھ دولت سمیت کر لوٹتی۔ اس کے راجستھانی کٹاری کی دھار ناک کی دائیں طرف ایک انجانی ناگن جو نایاب اوری پتے فیروزے کا دانہ جسے اصل پارکھوں کی خاص اصطلاح میں بلاق کا آنسو کہتے ہیں چاندی کے بلاق میں جڑا ہوا تھا اور [illegible] جو [illegible] کہ ایسے ہی ایک صحرائی سفر میں چمپاوتی صحرائی ٹھاکروں کے ہتھے چڑھ گئی۔ چمپاوتی نے موقع پا کر اپنے سازندے و قوال جو اس کے بھروسے کا آدمی تھا کو اپنا فیروزے والا بلاق اتار کر دیتے ہوئے تاکید کی کہ یہ بلاق وہ اپنے پاس سنبھال کر رکھے اور اجمیر ایک مہینہ انتظار کرے۔ اگر میں واپس نہ پہنچوں تو اس بلاق کو اجمیر شریف خواجہ پیا کی پرشاد والی دیگ میں ڈال دے۔ اسے کچھ اور کہنے سننے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ڈاکو اسے مال و زر سمیت سانڈنیوں پہ ڈال کر لے گئے۔ یہ چھ سات خانہ زاد طبلے سارنگیاں اور دوسرا تام جھام اٹھائے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کسی نہ کسی طور واپس جے پور پہنچ گئے..... پھر وقت نے کسی ہرجائی اور فتنہ توز معشوقہ کی مانند انگڑائی لی، ادھر لیل و نہار نے کسی بے وفا کے تیوروں کی طرح اپنے طور بدلے اور پھر ماہ و سال کی گردشوں نے قوال کو بوڑھا ناکارہ اور اندھا کر دیا۔ وقت کی جھرری ناک میں پڑا ہوا یہ بلاق بھی میلا کچیلا اور بوسیدہ سا ہو گیا تھا ویسے بھی اس کی نظر میں اس کی اہمیت دو چار آنے کی چاندی سے زیادہ اور کچھ نہ تھی۔ بلاق کے درمیان مسور کی دال کے دانے برابر جڑا ہوا فیروزہ بھی اس کے لئے محض مکھی موم کا موتی یا کانچ کا ٹکڑا ہی تو تھا۔ اس جیسے رنگین شیشے کانچ کے گلیے اور سیپیوں کے ستارے ان کی سارنگیوں تان پوروں، مجیروں کے بچوں یا کناروں کے دستوں اور خول تانوں میں لگے جڑے

UrduPhoto.com

ہوتے ہیں۔ گھٹنے والی چمپاوتی نے معلوم نہیں کس نیت سے کہہ دیا تھا کہ اسے خواجہ پیا کی پرشاد والی دیگ میں ڈال دینا اور جب جورو نے پہنا تو اس نے سوچا' اچھا ہوا کہ یہ بھی کسی ٹھکانے لگ گیا ہے۔ غریبوں' محنت کشوں اور ذوم مصلیوں کے گھروندے کی چھتوں پہ بارہ مہینے ہی ساون کی جھڑیاں لگی رہتی ہے یعنی بھوک' پیاس' ننگ مفلسی ان کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتی۔ فیروزے والا بلاق پہن کر وہ مشکل سے دو چار روز ہی خوش رہی ہوگی' اس کے بعد چل سو چل۔ گھٹنے کے ہر چولہے کی راکھ اس کے سر پڑنی شروع ہوگئی۔ کبھی باری کا تاپ تو کبھی ہیضہ بہ ضمنی۔ ان سے جان چھوٹتی تو دمہ کھانسی کی پھانسی اسے بے حال کر دیتی۔ ایک روز بازے میں اونٹ کے آگے مردہ دھرنے گئی تو اونٹ بغلول کر رہا تھا' حلق سے گردن کی آنت غبارے کی مانند پھلانے' مستی اٹھانے وہ رکمنی کی میا کی جانب بڑھا۔ وہ کیا جانتی کہ یہ اونٹ نہیں' مرتبوں کی چھایا مرت ہے جو اس کے اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اونٹ' ہاتھی' گھوڑا' کتا' چکور' ہیرن' ڈیل' مارسیاہ' سمندر اور انسان جب بغلول کرنے لگیں تو پھر عافیت و شانت' بغلیں بجاتے ہوئے کہیں کھسک جاتے ہیں۔ بغلول کی کئی ایک قسمیں اور کیفیتیں ہیں۔ ظاہری اور خفی' ضرب جہری اور زد خفی' اضطرابی اور ذہنی' جسمانی اور روحانی' علوی و سفلی' شبہ و اشخاصی' وقائی اور عارضی و دائمی وغیرہ وغیرہ۔ خلفشار' بکاؤ' مالیخولیا' طیش' مستی' [illegible] یہ سارے عارضے ہیں مگر یہ بغلول از قسم کیفیت ہے جو جسم و جان میں قوت اور برداشت کے عدم توازن سے معرض حالت میں آتی ہے۔ وہ قوت قوی' دل و دماغ' جنس و جذبات کی بھی ہو سکتی ہے مگر میرے مشاہدے اور تجربے میں یہ بھی آیا ہے کہ حلال جانور اور فطرت سلیمہ رکھنے والے انسان و [illegible] مخصوص نوع کے رنگوں' روشنیوں' خوشبوؤں' چند ایک راگ راگنیوں' چڑھی ہوئی نسلوں' اور کچھ حجرات (پتھروں) اجرام فلکی کی گردشوں اور ان کی بوقتی چڑھتی' غروب و طلوع' تیرہ و تنویر کی مختلف کیفیتوں اور حالتوں سے بھی بغلول میں آ جاتے ہیں۔ خاص طور پہ موسیقی اور چند ایک قمری حجرات کے اثرات تو ایسے ہیں کہ زیر اثر سے کچھ بھی سرزد ہو سکتا ہے ... دتو کی جورو کو اونٹ نے بازو سے دبوچ کر دو چار جھٹکے دیئے کہ وہ جھٹکے کی مرغی کی طرح گر گئی۔ سخت کوش صحرائی عورت تھی' پر ان سے تو نہ گئی لیکن بازو لئے کھٹیا پہ ضرور پڑ گئی۔ ہلدی' پھٹکری' سینک سکائی' مالش مساج تو وہاں کام دکھائیں جہاں ہڈی ہونی میں دم خم ہو۔ وہ تو پہلے ہی ترک دھم ترک تھی' اب ہڈی بھی دو تین جگہ سے ترخ گئی تھی۔ کسی بوڑھے یا روگی اروگی کی ہڈ ہڈی ترخ یا ٹوٹ جائے تو پھر یہ کسی ویدھ حکیم کے بس کی بات نہیں رہتی۔ اکثر پھر اس معاملے کا حل ملک الموت ہی نکالتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا مگر پکے دو برس دتو کا بدیان کرنے کے بعد' دیہانت سے پہلے اس نے دتو کو اشارے سے سمجھایا کہ وہ اس کی ناک

سے یہ بلاق اتار لے۔ دکھ نے بلاق اتار کر پاس بیٹھی ہوئی زکی کو دے دیا۔ زکی کی پیچ ریشہ کی سنگی کے پانچ پیچ میرے پہ چاند گرہن کا پیچ اور آنکھوں کی جڑوں میں سیاہ کالے تل پیچ تھے اور پھر اوپر سے زکی کے اوپر سے دودھ نے اس کے تالو کے اندر کی بھی کو ہاتھ سے بجنے والے بلبلے پہ جھولتی بھاری کی طرح لٹکا رکھا تھا۔ یہ اس کے حلقوم کے کوے کے ساتھ دوسرا کوا تھا ہی کہ یہ الوری فیروزے والے بلاق نے پوری کر دی یعنی پچھندر کے گھر بندر پہلے ہی بندھے ہوئے تھے اب پچھندر نے بھی ڈیرا یہاں ڈال لیا تھا۔ کستوراجی کا سروپ اور منہ کے منگل میں اٹھائیس نیچے رتن اور ادھام تھی زبان۔ اتنے اور ایسے شبھ اور اشبھ اکٹھے ہو گئے ہوئے تھے کہ اوپچاری پوں پوں کا مربا بن گئی تھی اجمیر کی درگاہ شریف میں اس کو نتھنے اور دیکھنے سے جو میری حالت ہوئی تھی اس کا مناسب ساز کر پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اسے مزید جاننے سے اس کی ذات کی پراسراریت اور الوری فیروزے والی ساری کتھا بھی سمجھ میں آ چکی تھی۔ اب میرے لئے فیروزے کو حاصل کرنے سے کہیں زیادہ زکی کو اس کے اثرات سے بچانا ضروری ہو چکا تھا۔ زکی کی بات آگے بڑھانے سے پیشتر میں آپ کو مختصراً جرات کی بابت بتانا مناسب سمجھتا ہوں۔

UrduPhoto.com

بہت سے لوگ پتھروں کے بڑے مشتاق ہوتے ہیں کہ کون سا پتھر ان کے لئے دان ہے ان کے کام کے لئے موافق اور قسمت کے بند دروازے کھولنے کے لئے مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ دولت، عورت اور عزت و شہرت کے حصول کے لئے کام آ سکتا ہے۔ دشمنوں، بدخواہوں کے لئے تازیانہ ثابت ہو سکتا ہے۔ عام طور پہ نیلم، یاقوت، فیروزے، عقیق، پنے وغیرہ اکثر لوگوں پہنے دکھائی دیتے ہیں کہ یہ پتھر بڑے سعد اثرات کے حامل ہوتے ہیں جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو یہ عام انگلیوں ہاتھوں میں نظر آنے والے نیلم، یاقوت، لعل یا انتہائی ضیا قسم کے ہوتے ہیں جنہیں بیچنے والے بڑا بڑا چڑھا اور غلط بیانی سے کام لے کر بیچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دو نمبر پتھروں کے اثرات و کمالات بھی دو نمبر ہی ہوں گے۔ دوسری بات یہ کہ پتھروں کی بہت سی اقسام اور نسلیں ہوتی ہیں۔ اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک جیسے کہ کشمیری زعفران، گوگوشہ خوبانی اور سیب۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں بھی یہ پھل وافر پیدا ہوتے ہیں مگر کوالٹی، خوشبو اور خواص و خوبی کے لحاظ سے کشمیر کی ان نعمتوں کا کہیں جواب نہیں۔ اسی طرح گولکنڈہ کی کانوں سے جو ہیرا اور الماس نکلتا تھا اور سائبیریا افریقہ کی کانوں سے جو دستیاب ہے وہ کوالٹی کے اعتبار سے اچھا ہوتا ہے۔ یاقوت، نیلم، پکھراج، زمرد، زبرجد، زہر مہرہ وغیرہ اگرچہ پاکستان کے علاوہ بھی کئی دیگر ممالک میں پائے جاتے ہیں مگر روس، ترکی، عرب، تھائی لینڈ، افغانستان، یونان میں

اعلیٰ کوالٹی ہوتی ہے۔ سنگ مرمر کے لئے اٹلی، راجستھان، کاٹل یونان مشہور ہیں۔ یمن، ایران، ہندوستان اور عراق بھی فیروزوں، عقیقوں اور دیگر جواہرات کے لئے مشہور ہیں۔ ترکی میں دنیا کا بہترین سنگ یشب، سنگ مرمر، سنگ سیاہ، سنگ احمر ملتا ہے۔ بات فیروزے کی ہو رہی تھی۔ تجری، حسنی، حسینی، بدخشانی، ایرانی، نیشاپوری وغیرہ بہت سے نام سنے ہوں گے مگر اوری فیروزہ ایک خاص الخاص قسم اور نام ہے۔ اس پر اسرار، کمیاب اور وزن و حجم میں قلیل ترین جواہر کو ہر کوئی نہ تو جانتا ہے اور نہ پہچانتا ہے اور نہ ہی ہر کسی کی دسترس میں ہوتا ہے۔

تھائی لینڈ، انڈونیشیا، خلیج، مصر، پرتگال، چین، آئرلینڈ، ہوائی کے سیپ موتی بڑے زبردست ہوتے ہیں۔ ہانگ کانگ، برازیل، ترکی کا مرجان۔ مدراس، کوئٹہ، ہانگ کانگ، پرتگال، سیلون، عرب کا نگینہ۔ اسی طرح سنگ نجف، موئے نجف کے طرح اوری فیروزہ بھی صرف اور صرف دو جگہوں پہ ہی آنے میں نمک کے برابر کبھی کبھی دستیاب ہو جاتے ہیں اور وہ دو جگہیں عراق مقدس اور کشور ایران ہیں۔ ایک جواہر کی حیثیت سے یہ شاید کوئی ایسا قدر و قیمت کا حامل نہ ہو مگر حکمت، کیمیا اور وظیفہ ہائے علوم کی کچھ مخصوص منازل و مراتب میں اس کو بعض مرکز میں رکھنا، باندھنا یا پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جواہرات کی خصوصی روحانی خاصیت کے لئے جواہرات (پیالیاں) نوے نگینے (سفید و اودا) سنگ مریم، سنگ سلیمانی (فی شم کا ہیکل) سنگ سیاہ یا سنگ خارا (بلالی) مروارید سیاہ (بحرینی) مرجان (مدیری) سنگ بصری اور سنگ موسیٰ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام میں وہ شرف تبلیل اور تہذیب نہیں ہوا کیسے اوری فیروزے (ابابیل کے آنسو) میں ہے۔ اکواحات کی کئی اقسام و اشکال ہیں۔ مناسب ہوگا کہ میں پہلے لوح کی مناسب سی تشریح کر دوں۔ تعویذ، دعا، تختی، بازو، گلے، دہانی، آزانی، جلانی اور لکھی ہوئی تحریر ہوتی ہے۔ چند حروف، ابجد، اعداد بھی ہو سکتے ہیں۔ اشکال و خطوط، نقط و نشانات بھی ہو سکتے ہیں۔ تعویذات قرطاس کے علاوہ ہڈیوں، مٹی کی ٹھیکریوں، کپڑے اور چمڑے پہ بھی لکھے جاتے ہیں۔ ان کے مقصد جائز و ناجائز مقاصد، کوری یا ابلیسی قوتوں کی استعانت سے ورائے فطرت و منطق حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے کوئی ناجائز کام کرنا چاہتا ہے مثلاً اغوا، قتل، رشوت یا کوئی دھوکہ، بدمعاشی وغیرہ تو ظاہر ہے کہ وہ اس ضمن کے لئے کسی بدمعاش، کرائے کے قاتل، چٹے ہوئے بدمعاش یا کسی بدعنوان پولیس والے سے رابطہ کرے گا۔ کسی مذہبی عالم، عابد یا متقی کے کسی سفید پوش سے نہیں۔ بالکل ایسے ہی ہم اگر کسی غریب بیوہ یتیم کی مدد کرنا چاہیں یا کوئی ٹیوٹا، سکول، ہسپتال بنوانا چاہتے ہیں تو پھر کسی عالم، معتبر، عزت دار ایماندار سے بات کریں گے۔ جاننا چاہئے کہ تعویذات، جادو ٹونے یا

کالا اسم دونوں کا مقصد زیادہ تر کسی کو نقصان پہنچانا یا اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل ہوتا ہے۔ مذموم عمل کرنے اور کرانے والوں دونوں پہ اللہ کی لعنت پھٹکار اور شیطان رجیم کی بے بے کار ہوتی ہے۔ ایسے رواطرافے کے افراد بے ایمان' اوتر تکبر اور بدحال و بدشکل ہو کر دنیا سے ذلیل ہوتے ہیں۔ جس گھر اور دماغ میں ایک بار تعویذ دھاگے جادو ٹونے اتر آئیں وہ گھر بربادیوں کی آماجگاہ' لڑائی فساد کا میدان' بے برکتی کا نشانہ اور شیطان کا اکھاڑا بن جاتا ہے۔

● کالے کے کاٹے کا منتر بھی جنتر بھی ...!

آپ نے اکثر سنا پڑھا ہوگا کہ کئی ایک گھروں میں پتھروں کی بارش' خون کے چھینٹے اور تازے گوشت کی بوٹیاں گرتی ہیں یا پڑی ہوئی ملتی ہیں۔ خوفناک فریادیں چیخیں' بجتے ہوئے ساز اور راگوں کے تانے بانے' چیختے ہوئے مختصر اور نہ سمجھ میں آنے والے شبد سنائی دیتے ہیں۔ ایسے گھروں' جگہوں میں رہنے والے زود رنج سہمے سہمے اور کسی نہ کسی جسمانی ذہنی آزار میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ برکت' امن اور سکون نام کی کوئی چیز ان کے ہاں نہیں ہوتی۔ ہر فرد [illegible] کا شکار ہوتا ہے۔ عامل' تعویذ گنڈوں والوں اور اپنے ایسے توہم پرست رشتہ دار سے ان کے گہرے روابط ہوتے ہیں۔ دیکھا جائے تو یہی لوگ ان کی ذہنی قلبی' مالی اور روحانی بربادی کا کارن ہوتے ہیں۔ مرد کے لئے تعویذ' قبض' بواسیر کے واسطے تعویذ۔ ساس بہو کا فضیحتہ' شوہر کی بے توجہی' سوکن کا چھاپا' جھنجھٹ' دیورانی' نند' دیور کی جلن' دشمن' کاروبار کے گھاٹے' بچوں کے رشتوں میں رکاوٹیں' صحت کی خرابی' غرضیکہ زندگی کی ہر پریشانی' مشکل کا علاج ان کے ہاں تعویذ گنڈے ہیں۔ یہ جن و جنس تعویذ' گھروں کے کونوں' کھدروں' دیواروں کی دراڑوں' پلنگ تکیوں کے اندر' چولہے چکی کے نیچے' کپڑوں کی سلائی کے دوران بکرم' استر' شلوار کے پائنچے میں رکھے ہوتے ہیں۔ دودھ' چائے' کھانے میں ملائے جاتے ہیں۔ کھیر' سویاں' حلوہ اور حلیم نہاری وغیرہ تعویذ کھلانے کے مخصوص اور زود اثر ذرائع ہیں۔ ان کی دھونی دیا اور سایہ دیا جاتا ہے۔ تن کے کپڑوں' بالوں' ناخنوں کو بھی جادو ٹونے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بے علمی' جہالت' دشمنی اور ذہنی انا کی جھوٹی تسکین کی خاطر لوگ ایک دوسرے پہ جادو ٹونے کروائے ہیں۔ بڑے بڑے نذرانے دے کر عاملوں سے دوسروں کے لئے بربادیوں کے بندوبست کرواتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ وبا ایسی عام ہے کہ شاذ ہی کوئی گھر گھرانہ بچا رہ گیا ہو۔ اب آپ ہی بتائیے کہ جس گھر میں مکینوں سے کہیں زیادہ

تعویذ گنڈے وغیرہ موجود ہوں وہاں خیر و برکت، خوشی و طمانیت کا کیا کام؟ پھر انہیں گندگی خون پیپ نہ گریں تو کیا وہاں پھول برسیں گے۔ جیسی روح ویسے فرشتے!

فرمایا گیا کہ جس جگہ نماز قرآن، درود اور اللہ کا ذکر ہوتا ہو جن کے ہاں رزق حلال کی استطاعت ہو کسی کو زک پہنچانے کا فاسد خیال نہ آتا ہو۔ وہاں ایسی خباثتیں جنم نہیں لیتیں بلکہ اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں۔ آیت الکرسی، چاروں قل، تیسرا کلمہ اور درود ابراہیمی ایسے شیطانی وساوس اور سفلی مظاہرت کا حتمی توڑ ہیں۔

میں نے اپنی زندگی میں ہزاروں پڑھے لکھے معقول انسانوں کو تعویذوں گنڈوں، کالے علم کے چکروں اور عام نہاد عاملوں کے ہاتھوں برباد ہوتے دیکھا ہے۔ ہم انتہا کے توہم پرست ہیں۔ ہمارا ماحول معاشرہ ہی کچھ ایسا ہے کہ ہمیں اپنی ہر پریشانی، بیماری اور ناکامی کا علاج جادو میں دکھائی دیتا ہے۔ مزے کی بات ہے کہ ان کا بطلان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ از روئے کتاب و حدیث ثابت ہے کہ سفلی علوم، فسوں جادو ٹونے کالے علم، ڈورے، انواعیات تعویذات، دم، چھونکیں وغیرہ اپنے مسعود و نحس اثرات رکھتے ہیں۔ اگر شیطانی الرجیم کے وجود سے انکار ممکن نہیں تو اس کی ایجنسی استطاعت سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ شیطانی وساوس سے چھٹکارے اور سفلی فسوں سے نجات پانے کے لئے قرآن پاک میں ایسی آیات موجود ہیں جن کے ورد سے ان کے بد اثرات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ ثابت ہوا کہ روحانی، نفسانی وسیلوں سے ہم ابلیسی خفی عارضوں اور نجاستوں سے خود کو مامون رکھ سکتے ہیں۔ ہر چیز کا توڑ موجود ہوتا ہے۔ بیماری ہے تو اس کا علاج و شفا بھی موجود ہے۔ پریشانی ہے تو اس کا حل بھی ہے۔ الجھن کے ساتھ سلجھاؤ، انتشار کے ساتھ سجھاؤ اور بہاؤ بھی ہوتا ہے۔ آشفتگی، فرسودگی، آزردگی، مجبوری کی اوٹ میں فہمیدگی، فراست، فرحت و فراخی ہوتی ہے۔ بس اپنی اپنی کھوج و سوچ ہے کہ بندہ کہاں تک ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

میرے ہاں آنے جانے والوں ایک اخبار نویس بچے کی بیوی ایک دن سمجھ میں آنے والی بیماری میں مبتلا ہو گئی۔ جتنی بھلی وہ دو پھول سی بچیوں کی ماں چند دنوں میں سوکھ کر ببول کا کانٹا سا بن گئی۔ چڑچڑی ہونے کے علاوہ ایسی بدتمیز اور بدکلام ہو گئی کہ بات بات پہ گالی گلوچ ہو جاتی۔ اب جو نا قابل برداشت حرکت پیدا ہوئی کہ طیب غذا کی بجائے نجاست پہ منہ مارنے لگی۔ اپنی بچیوں کا بول و براز چاٹ جاتی... کوڑا دان الٹ کر گند کھانے لگتی۔ اک بدبو کراہت تھی جو اس کے بچے سے شرمائے مارتی ہوئی خارج ہوتی۔ جب حکیموں ڈاکٹروں نے بیزار ہو کر جواب دے دیا تو عاملوں پیروں سے رجوع ہوا۔ اب کیا تھا پورے گھر میں تعویذوں کی بہاری لگ گئی۔ کھانا پینا، برتن بھانڈے، بستر، کپڑے

پوشت پوچا پولہ خوشبو ہر جا تعویذ گنڈے لٹکے ہوئے تھے۔ عاملوں نے اپنے علم کے زور پر معلوم کر لیا کہ اس عورت کے سر پر میں ایک انتہائی خبیث بدروح ذہن کی بدروح حلول کر گئی ہے۔ جس کی غذا غلاظت اور گندہ خون ہے۔ جب تک وہ ذہن اس کا پیچھا نہ چھوڑے گی تب تک اس کی غذا خوراک یہی کچھ گندہ رہے گا۔ اس کا علاج انہوں نے تعویذات کے ذریعے شروع کر دیا تھا۔ اب اسے کیا کہئے کہ تعویذات کے باوجود مریضہ نے اپنی خوراک نہ بدلی بلکہ اور اضافہ ہو گیا۔

اب ایک رات یہ ہوا کہ گھر والے گہری نیند سوئے پڑے تھے اسے موقعہ جو ملا پیدل پاؤں بچاتی ہوئی اٹھتی کواڑ کھول کر باہر سڑک پر نکل آئی۔ بائیں جانب سے تین چار گھر پرے ایک خالی پلاٹ میں تانگے والے گھوڑے بندھتے تھے۔ یہ اپنی جھونک میں وہاں پہنچی گھوڑوں کے تھانوں کے آس پاس بدبو غلاظت بکھری پڑی تھی جو پاؤں میں چپکی تو ادھر ہوئی۔ کچھ دیر بعد نیچے کے جاگنے پر جب خاوند کی آنکھ کھلی تو بیوی بستر پر نہ تھی۔ ادھر ادھر دیکھتے بھالتے باہر کے دروازے پر پہنچا تو پٹ کھلے پڑے تھے۔ جب باہر نکل آیا تو بائیں جانب دیکھا پھر یونہی تو کسی اندازے سے گھوڑوں والے پلاٹ کی جانب نکل آیا۔ قریب پہنچ کر جو دیکھا تو یہ ٹھیٹھ غلاظت میں اپنا منہ صاف کر رہی تھی۔ اس طرح جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو خاوند اسے پاس لے آیا۔

سر پیٹتے وہ اپنی بیوی کی داستان غلاظت سنا رہا تھا۔ وہ بیوی جس کی گھر گرہستی ستھرے پن، دین داری اور اخلاق کو پورا خاندان سراہتا تھا۔ ماں نسرین کی آنکھ کا تارا اور خاوند کے لئے ایک قیمتی متاع تھی۔ آج وہی پورے خاندان کے لئے غلاظت کی پوٹلی اور ایک انتہائی غیر پسندیدہ فرد کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ شوہر اک عجیب قصے کا شکار وہ اس کی شریک حیات، وہ معصوم بچیوں کی ماں اور سگی ماموں زاد۔ غلاظت والی حرکت اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ صوم و صلوٰۃ والے ماں نسرین اور دیگر افراد اس سے کترانے لگے تھے۔ خوشبو وہ انتہائی غیر یقینی صورت حال کا شکار تھا۔ وہ کسی حتمی فیصلے سے پہلے سارا قصہ میرے گوش گزار کر دینا چاہتا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا "اب تم کیا چاہتے ہو؟"

جواب میں کی مانند مجھے تکتے ہوئے بولا "ہوگا تو وہی جو اللہ کو منظور ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں باقی کوئی سمجھ میں آنے والی اور بتانے لائق بیماری ہوتی تو برداشت ہو جاتی ہے۔ ہم تو شرم کے مارے کسی کو بتانے کے بھی قابل نہیں۔ خدا کے لئے کوئی روحانی علاج بتائیں کوئی تعویذ دیں؟"

میں کچھ دیر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر اچانک پوچھ بیٹھا۔

''آپ کے گھر والوں کو پیروں اور تعویذوں سے خاصی دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔''

وہ خاصا مشتعل سا ہو کر جواب دینے لگا۔ ''ہمارے ایک خاندانی پیر ہیں بڑے پیر صاحب تو پردہ فرما چکے ہیں اب ان کے صاحبزادے صاحب گدی نشین ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ان سے تعویذ یا پانی دم کرا کے لاتے ہیں۔ شفا تو اللہ دینے والا ہے ویسے ہمارا ان پر بڑا یقین ہے۔ ان کی دعا برکت اور تعویذوں سے ہمارے سارے کام ہو جاتے ہیں۔''

میں نے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

''تم میرے پاس کتنے عرصے سے آ رہے ہو؟''

''کوئی دس گیارہ برس سے۔''

''میں نے تمہیں کبھی کوئی تعویذ یا پانی دم کرنے دیا یا کسی اور کو دیتے دیکھا؟''

وہ کچھ منہ سے کچھ نہ بولے اپنا بدوانے سا سر نفی میں ہلانے لگا۔

''پھر آخر تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ میں تمہیں کوئی تعویذ دے سکتا ہوں۔''

ہڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''بابا جی! جس طرح مجھے یقین ہے کہ ایک ہستی ایسی موجود ہے جس کے روبرو ہم سب اپنی عرضیاں لے کر پیش ہوتے ہیں اور وہ ہر طرف دیکھتا اور عدد اعداد سے خوب واقف ہے اسی طرح مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ کے پیش ہوا مسئلہ خواہ وہ کیسا بھی لاینحل ہو اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔''

دل ہی دل میں اس کی فراست چالاکی کی داد دیتے ہوئے میں نے ایک سوال مزید داغ دیا۔

''برخوردار! ابھی ابھی تم کہہ چکے ہو کہ تمہارے گھر کوئی پریشانی ہو تو پیر صاحب کی دعا برکت اور تعویذ سے ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اب اس پریشانی میں پیر صاحب کی دعا برکت اور تعویذوں کو کیا ہوا؟''

وہ میرے پاؤں پکڑتے ہوئے گویا ہوا۔ ''بابا جی! اپنے پیر صاحب اور دیگر عاملوں کے تعویذ ٹوٹکے آزمانے کے بعد ہی تو میں یہاں آیا ہوں کہ یہ کام کسی لنگڑی ہتھوڑی سے نہیں بلکہ لوہار کے ہتھوڑے سے ہوگا۔''

پھر اس نے شروع سے اب تک کی تمام مرچنی کہہ سنائی کہ کس طرح بڑے بھائی کی تعویذ نواز بیوی نے جو تین عدد خوبصورت نرینوں کی ماں بنے نے میری بیوی کو تعویذوں کی راہ پر لگایا۔ میری بیوی میں دو بیٹیاں ہیں ڈاکٹر بیمار رہتی ہیں۔ جب دن رات ڈاکٹروں کے چکروں سے عاجز آ گئے۔ بڑی بھابی میری بیوی کو لے کر ایک عامل کے پاس پہنچی۔ اس خبیث نام نہاد عامل نے جانے کیا الٹا سیدھا عمل کیا

کہ میری بیوی جو پانچ وقت کی نمازی اور تہجد گزار تھی ایک ڈائن نما عورت بن کر رہ گئی۔ گھورنا، شک کرنا، خوامخواہ کی لڑائی جھگڑا اور گلی گلوچ اس کا وطیرہ بن گئے۔ ایک بھیانک تبدیلی یہ بھی آئی کہ وہ اپنی بچیوں سے بے پناہ محبت کا اظہار کرنے لگی۔ ہر وقت ان کو اپنی نگاہوں میں رکھتی۔ گھر کے دوسرے افراد اور بچوں کو قریب تک نہ آنے دیتی۔ مجھے بھی ان کے رائے نہ لگنے دیتی۔ گھر میں عجیب صورت حال پیدا ہو چکی تھی ہر فرد ایک دوسرے سے شاکی، بدظن اور الجھی الجھی سا۔ پھر ایک دن میری والدہ نے اسے نماز میں پڑھتے دیکھا۔ مجھے یقین نہ آیا لیکن یہ حقیقت تھی کیونکہ میں نے خود اسے اپنی چھوٹی بچی کی نماز میں لیتے دیکھ لیا۔ پیار محبت سے پوچھا ''یہ کیوں کرتی ہو؟'' یہ ناپاک چیزیں انسان کے لئے نہیں۔ آگے سے ٹالے ٹولے کرتی کوئی معقول جواز نہ بتاتی۔ ایک دن تنگ سے پوچھا تو بتانے لگی کہ مجھے نماز میں ناپاک چیزیں ہی خوش نما اور خوشبودار محسوس ہوتی ہیں۔ ہر عام انسانی غذا بدنما اور غلیظ دکھائی دیتی ہے۔ جب زیادہ تنگ اور کھینچا تانی کی تو منہ بند کر لیتی، بھلا بر کھلا پیا چھوٹ گیا۔ زبردستی سے زیادہ دیا تو دوڑ دوڑ کر قے کر دی۔ اب یہ حالت ہے کہ سوکھ کر ہڈیوں کی مٹھ بن گئی ہے۔ بچیاں جو پہلے ہی [illegible] ماں کی محبت اور [illegible]

چند لمحوں کے توقف کے بعد میں نے پوچھا۔ ''آپ کی بڑی بھابی جو اس کے پاس رہ کر گئی تھی۔ اس کا رویہ و سلوک کیسا ہے۔ اس سارے معاملے میں وہ کہاں ہے؟''

''بابا جی! وہ تو بہت ہی حاسد اور منافق ہے۔ اس بیماری کے بعد تو وہ جیسے لاتعلق سی ہو گئی ہے۔ کیا مجال جو وہ اپنے بچوں کو ہمارے پاس پھٹکنے دے۔ [illegible] وہ ہمارے خلاف رشتہ داروں میں بڑھا بڑھا کر باتیں بناتی ہے۔''

''اس مخاصمت کی کوئی اور وجہ.....؟''

وہ دماغ پر زور دیتے ہوئے مزید بتانے لگا۔

''میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ وہ منافق اور حاسد عورت ہے۔ وہ ہمارے آبائی مکان پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ کئی بار میرے بھائی کو اپنی پیاس بجھی ہے کہ وہ ہمیں کہیں اور منتقل کر دے۔ کبھی جھگڑا تھی کبھی کچھ کبھی کچھ۔ اس وقت بھی وہ آدھے مکان سے زیادہ پر قابض ہے اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں.....؟''

میں نے اپنے تئیں تمام معاملہ پر تو جہ دی تو معلوم ہوا کہ بڑے بھائی کی بیوی نے ایک جھوٹی عامل سے ساز باز کر کے اس معصوم نیک سیرت و صورت دیورانی پر الزام کروا دیا۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے عرض ہے کہ سفلی علوم کی بے شمار اقسام ہیں۔ ان میں بیشتر غیر مسلموں سے متعلق ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ کہ جن بنیادی عناصر و استدراجات کی اشد حاجت رہتی ہے وہ سب غیر مسلموں کے ہاں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں جبکہ کسی مسلم صاحب ایمان کو صاحبیت کا راستہ چھوڑ کر ابلیسیت کی راہ رسم اختیار کرنا پڑتی ہے۔ سفلی علوم کے لئے پلیدی نجاست کلمات کفریہ اور اشرکیہ تہدید و تجدید ابلیسیت وغیرہ ایک بنیادی پیٹ فارم کا درجہ رکھتے ہیں۔ غیر مسلم عاملوں جادوگروں کے ہاں کالا علم، ان علم، جنتر منتر، ڈھایا علم، کالی مائی کے بلیدان کا علم وغیرہ ۔۔۔ یہ بڑے خطرناک زک پہنچانے والے علم ہیں۔ ان علوم کے وار اکثر و بیشتر خالی نہیں جاتے۔ ان کی کاٹ بڑی کٹھن ہوتی ہے اور اس کے لئے بڑے لمبے حساب کتاب سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہندو، بیچھو، بھیانی، سانپی، سپیا دے، پھار، مصلی، چنگڑ وغیرہ ۔۔۔ کتے، بلے، کرلے، کوبرہ، موتے، مینڈک اور سانپ کھا جانے والی قومیں ان سفلی علوم میں ماہر تسلیم کی جاتی ہیں۔ ہر بابلی، طلسم سامری، ارضی فسوں ہیں۔

میں معاملہ کی تہہ میں پہنچ چکا تھا بس اب چکا لے رہا تھا۔ میری عجیب سی عادت ہے کہ میں چوہے بلی کا کھیل بڑے شوق سے دیکھتا بھی ہوں اور جب وہ چوہے کو کھا لیتی ہے تو اس سے مجھے کئی پہلوؤں پہ غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ میں نے اپنے اخبار کو میز پر رکھ دیا۔ وہ اپنی بیوی کا استعمال کیا ہوا کوئی کپڑا لے کر آئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ میں اس سے ہنس نہیں ملتا۔ میں کوشش کر چکا تھا مگر وہ مجھے ملنے سے کتراتی رہی۔ اس کو مجھ سے ملنا بھی نہیں چاہئے تھا۔ مل لیتی تو اس کی بیماری اور ہو چکی ہوتی۔ بہرحال اس کی استعمال کی ہوئی ایک قمیض مجھ تک پہنچ چکی تھی۔ اس کی قمیض کے مشاہدے اور مطالعے کے بعد میرے تجزیے کی تائید ہو گئی تھی۔ میں نے محض دو دن اس کا علاج کیا۔ تیسرے روز وہ ٹھیک ہو چکی تھی جبکہ اس کی جیٹھانی الٹی اسی عارضے میں مبتلا ہو گئی۔ علاج کے لئے نہ کسی تعویذ کو استعمال کیا گیا نہ کوئی دوا وغیرہ استعمال کرائی۔ صرف یہ کیا کہ میں نے اس کی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا۔ وہ عورت اپنے میکے پہنچ کر تیسرے دن ٹھیک ہو گئی۔ صرف یہ اہتمام کیا گیا کہ اسے دیسی گھی میں بنایا حلوہ ہی کھانے کو دیا جائے۔ ۔۔۔ قارئین! اس کی جیٹھانی اسے اپنے آبائی مکان سے باہر نکالنا چاہتی تھی اور یہ بھی کہ اس کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہو۔۔۔ اس خام عورت نے کسی انتہائی گندے عامل سے اس پہ ایسا عمل کروایا جو گندگی سے کیا جاتا ہے۔ میں نے محض اس ماحول سے نکال کر اسے میکے پہنچایا۔ یہاں کے سفلی اور ایسے اثرات سے نکال باہر کیا۔۔۔ اور ایک ہلکے سے نورانی عمل سے اس عورت کی سوچ کو مثبت رنگ دیا بس!

UrduPhoto.com

● رکمنی کی کوٹھا آدھے کنکر آدھے موتی...!

قارئین! ہم رکمنی کی کوٹھا اس کے جھونپڑے میں بیٹھے تھے۔ رکمنی کا بابو ہاتو مل نشے کی پینک میں اپنا بیکار سا اپنی کتھا سنا رہا تھا۔ میں جو کچھ جاننا چاہ رہا تھا وہ جان چکا اب باقی ماندہ کہانی میرے مطلب کی نہیں تھی۔ ادھر سیٹھ مصطفےٰ علی خان بار بار لہو کے دے کر مجھے احساس دلا رہا تھا کہ کے ٹی ٹرو نت دوڑی جا رہی ہے۔ واپسی اجمیر شریف کا راستہ پکڑنا آسان بھی نہیں تھا۔ راہ ہی میں سورج مہاراج کچھ دھیرج نہیں پکڑتے شام کی شہنائیاں بجنے لگتی ہیں جبکہ صبح کرنا پڑواتے ہی پہلے اشنان کر کے آکاش سنگھاسن پہ براجمان ہو جاتے ہیں۔

"یہ رکمنی راجن اور روپ کنور کہاں غائب ہو گئے؟" میں نے نشے کی رواں رواں کہانی میں رخنہ ڈالتے ہوئے یوں ہی پوچھ لیا۔ نشے میں بہکے ہوؤں میں یہ بھی ایک خرابی ہوتی ہے کہ وہ چالو ہی رہتے ہیں۔ آپ لاکھ بے زاری اور وقت کی تنگی کا اظہار کرتے رہیں وہ سنتے ہی نہیں ہیں۔ آپ تنگ پڑ کر اٹھ بھی لیں تب بھی وہ رواں دواں ہی رہتے ہیں۔ آپ [illegible] انہیں [illegible] نہیں پڑتا ہم دونوں اپنی اپنی [illegible]

"مہاراج! کیا اور چھوکرے آپ کے لئے جل بھوجن کی ساتھ کر رہے ہیں؟ ہم غریب لوگ آپ کی کچھ سیوا خدمت نہیں کر سکتے ہیں ہاں پانی حاضر ہے سیوا کرو۔"

میں نے آگے بڑھ کر [illegible] کہتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں ہاتو مل! ہم نے بہت کچھ کھا پی لیا۔ اب کسی جل بھوجن کی طلب نہیں۔ ہمیں رات پڑنے سے پہلے اجمیر شریف پہنچنا ہے اور ہاں میں جو ایک ضروری بات تم سے کرنا چاہتا تھا اس کے لئے اب وقت نہیں رہا۔" میں نے اسے کچھ تم تھماتے ہوئے مزید کہا۔ "اگر تم چاہو تو دو چار روز کے اندر مجھے اجمیر شریف آ کر ملو میں تم سے رکمنی کے بارے میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں جو تم دونوں کے حق میں بہتر ثابت ہوں گی۔"

وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہنے لگا۔ "جو حکم مالک! آپ کی مرضی۔ آپ جیسے مہان پرشوں کی کرپا ہو جائے۔" پھر میرے پاؤں چھوتے ہوئے گھگھیایا۔ "ہم آپ کے چرنوں پر تو آپ نے ہمیں سے کیا ضروری بات کرنی تھی؟ میں تو کھوجا رہے چھوری کی بات کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔ اس کی کسی سادھو سنت کا کھوج نہیں پڑا۔ یہ جس کسی کھتا میں بھی پڑی ہے پرنتو اس کی کہانی آپ کے چرنوں میں

دھری ہے اس کی تختی کا کوئی اپائے کریں مہاراج!"

میں نے اس کی یوں آزردگی اور پراتی دیکھتے ہوئے تسلی کے طور پر کہا۔

"دیکھیں! تمہاری رکھی کوئی عام سی چھوری نہیں جو اس کوٹھے میں ادھر ادھر دکھائی دے رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا پریت پرش ہے جو ایک خاص کے ایک انگ سی جیون جوتی اور ایک خاص سوچ لیتے ہوئے جنم لیتے ہیں..... ان کے جنم کے.....؟"

یہ شبد کہہ ہی پایا تھا کہ زمین و آسمان جیسے پھٹے پڑے ہوں اژدھوں کی پھنکاریں ..... جانوروں کے ڈکرانے کی آوازیں ..... چیخیں، کراہیں ..... صحرائی آندھی، جھکڑ نے چشم زدن میں پوری کوٹھی اپنے حصار میں جکڑ لی تھی جبکہ تھوڑی دیر پہلے تک اس طوفان کا دور دور تک کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ جس تختی نما میں ہم محو گفتگو تھے پھڑ پھڑانے اور اکھڑنے لگی۔ اگلے چند لمحوں میں ہم چاروں خس و خاشاک کی مانند آندھی و جھکڑ کی زد میں تھے۔ کوٹھ دانے کس حال میں تھے یہ تو ہم تب جانتے جب ہمیں اپنے حال کی خبر ہوتی؟ ..... نفسا نفسی کا عالم، کانوں میں آندھی کی سیٹیوں اور طوفان کی طراریوں کے علاوہ کچھ سنائی اور نہ ہی چند ہاتھ آگے کچھ دکھائی دیتا تھا۔ ہم پاگلوں کی طرح ہاتھ پاؤں چلاتے ادھر ادھر بولائے پھرتے رہے۔ پتہ نہیں کب اور کدھر کس سے ٹکرا کر گر پڑا۔

خاص طور پر صحرا نشینوں سے بہتر یہاں کے موسموں کے تیکھے تیوروں اور اکھڑ مزاجوں کو اور کون سمجھ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اکثر یہ لوگ بھی یہاں کی موسمی تیز و تند ہواؤں اور ہلکی زلزلوں کی شرارتوں سے عاجز آ جاتے ہیں۔ یہ متوقع آندھیاں، ندیوں کی ہوائیں، طوفان، جھکڑ اور بگولے ان کے تمام تجربوں، مشاہدوں اور اندازوں کو تلپٹ کر دیتے ہیں۔ اسی لئے کام کاج، بود و باش، آبادیوں، پہاڑوں، جانوروں، مویشیوں، جھونپڑوں، بازوں وغیرہ میں موسمی حادثات بدلتے حالات سے نبٹنے کی گنجائش رکھی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی کوئی ایسی بھی ناگہانی آفت آ پڑتی ہے جو بے پناہ جانی مالی نقصان کا باعث بنتی ہے۔

کوئی گھنٹہ بھر اس موسمی ریت کے طوفان نے ہمیں اپنی ستم خیزیوں کا تختۂ مشق بنائے رکھا۔ بے بس و بے دم، کسی کو کچھ ہوش نہ تھا کہ وہ کون ہے، کہاں ہے اور کیسے ہے ..... شوں شوں کی بھیانک آوازیں، کانپتی صدائیں، جیسے فضاؤں میں نادیدہ مخلوق آہ و بکا کر رہی ہو یا کسی انجانے سیارے کے باشندے صحرا میں اتر آئے ہوں، واویلا کر رہے ہوں۔ ناک منہ آنکھیں، بال سب ریت گرد سے اٹے پڑے تھے۔

UrduPhoto.com

کچھ دیر بعد چڑھا ابال اترنے لگا تھا۔ حواس و توازن بحال ہوتے ہوئے اندھیرے خوب گہرے ہو چکے تھے۔ چنداں دکھائی بھی دینے لگا تھا۔ صحرائی خاردار جھاڑیوں و خاشاک اور دو دو روزوں کے ہوائی انڈے ادھر ادھر اڑتے دکھائی دیتے ۔ میں باہر کہیں ریت کے ایک ڈھیر میں گھٹنوں تک دھنسا پڑا تھا۔ خدا جانے سیٹھ مصطفےٰ علی خان اور ٹوٹل کہاں تھے؟ ۔ آس پاس نگاہ دوڑائی پھر حد نگاہ تک دیکھا تو کیا کوئی اور ذی انفس بھی نظر نہ آیا۔ کچھ دور لکڑی باس کے بڑے بڑے چوب ریت میں گھسے ہوئے دکھائی دیے جو شاید کوٹھالوں کے چھوپڑوں کھمبوں کے ستون تھے۔ مزید گرد و غبار چھناتا اڑتی ہوئی ریت چلی تب کچھ مریل سی بکریاں ایک آدھ مرغی اور شتر بچے ہوا سے ہوئے کہیں سے نکل آئے۔ اب میں نے خود کو ہلا جلا کر ریت سے باہر کیا۔ کپڑے جھاڑے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے سیٹھ مصطفےٰ علی کو آواز دی ۔ جواب نہ پا کر بلند آہنگ سے پھر پکارا اب بھی وہی خاموشی سو قدمے متوجہ ہو کر میں ادھر چل دیا جدھر وہ چار چھوپڑوں کی باقیات دکھائی دیں ۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے پھر ابتر حال مرد و زن اور بچے جیسے زمین سے یک دم اگ آئے تھے۔ ان کی کھوجتی ہوئی آنکھیں اور نام لے لے کر پکارتی ہوئی زبانیں ایک عجیب سا نفسی کا ماحول پیدا کر رہی تھیں ۔ لیکن تو کوئی کارندہ حشر بپا ہو کر رہ گیا ہے۔

"زکی ۔ زکی ۔ ۔ ۔

ہاتھ لگا کے یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ میں حقیقت میں اس کے سامنے موجود ہوں۔ ہم نے مضبوطی سے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا۔

رات کے پہلے پہر کی شروعات تھیں۔ اندھیرا ابھی ایسا کہ آس پاس سہولت سے دیکھ بھی نہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا اندھیری آندھی یا طوفان جب گزر لیں اپنا غبار نکال لیں تو بعد اک عجیب سا واضح اجالا گھنڈ آتا ہے ایسی ہی کچھ کیفیت اس وقت بھی تھی..... اب ہم دونوں مسافروں کو یہاں کے مکینوں کی ڈھنڈیا پڑی ہوئی تھی کہ جیتے ہیں یا مرتے ہیں۔ یہاں اینٹوں پتھروں کے مکان پلازے تو تھے نہیں ان کے شکستہ در و دیوار ہی کہیں دکھائی دے جاتے۔ بانس بانوں' چٹائیوں کی جھگیوں جھونپڑوں کی بھلا کیا اوقات ہوتی ہے' ہلکا سا بادو باراں ہی ان کے جوڑ اکھاڑنے اور چولیں ڈھیلی کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اب آہستہ آہستہ گھرے ہوئے باسیوں کا ہجوم اکٹھا ہونے لگا۔ ہم کھلے میدان میں ان سے کٹے کھڑے تھے پر کیا مجال جو کسی نے ہماری طرف توجہ دی ہو۔ سچ ہے کہ بچا پڑنے پہ بلی بھی بچوں سے لاپروا ہو جاتی ہے ہمارے چارے ذوم ذھاری خود ہی پریشان حال تھے ہمارا کیا سہارا بنتے۔

سیٹھ [illegible] نے پوچھا۔

''جو ہونا تھا سو ہوا' اب کیا ارادے ہیں؟ اجمیر شریف پہنچنے کا کوئی بندوبست تو شاید اس وقت مشکل ہے۔''

میں نے فوراً کہا ''اور رات بھر یہاں رہنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔''

''پھر.....؟''

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ اچانک کہیں سے دکنی کا اندھا بوڑھا باپو کسی بغل بچے کی مانند نکل کر سامنے آ گیا۔ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''مالک! میں آپ دونوں کو ہی کھوج رہا تھا۔ بولیئے' آپ ٹھیک تو ہیں؟ ..... مالک! ہم غریب برباد ہو گئے۔ ہمرے کتے کچھ بھی تو نہیں رہا ..... ہم کھوش تھے آپ ادھر پدھارے ..... ہمرے بھاگ جاگ پڑنے پر اب ہمرے سنگ آپ بھی سنکٹ میں پڑے ..... ہمی چھما کر دیں' مہاراج! چھما کر دیں.....'' وہ بلک بلک آنسو بہانے لگا۔

میں نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

''وقوص! تم تو اندھے ہو اس نیم اندھیرے میں ہمیں کیسے پہچانا؟''

UrduPhoto.com

''مہاراج! ہم مچھ کو اس کی شکل سے پہچانتے ہیں۔ شکل صورت چھپائی جا سکتی ہے مگر بو باس لگائی نہیں جا سکتی۔''

''تم ٹھیک تو ہو؟ گونجھ والے جانور سب ٹھیک تو ہیں؟ رکمنی راکھن اس کا بھائی سب کہاں ہیں؟ میں ابھی کچھ دیر پہلے راکھن کو پاگلوں کی طرح رکمنی رکمنی چلاتے اس طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔''

وہ اپنے گلے میں کسی بدحواس سانپ کی مانند لپٹا ہوا سا کپڑا سر پہ پیٹتے ہوئے فکرمند سا کہنے لگا۔

''مجھے میں ابھی اس طرف انہیں کھوجتا ہوں ادھر تو سرگھٹ اور منگل جی کا مندر ہے۔ ترکھ کے دروازے کھلتے ہیں جب بھی کوئی کچھ کھتا طوبیان آتا ہے ادھر کو ہی پلٹ کر جاتا ہے۔ وہ چار مچھ جانوروں کی سریر ارتھیاں ادھر جرور پڑی ہوئے ہیں۔'' ''ہے پربھو'' کا ورد کرتے کرتے وہ اسی طرف ہو لیا جس اور ابھی بھی بھیانک سسکاریاں بیتیاں کی سنائی دے رہی تھیں۔

ہم دونوں اپنے آگے کے پیچھے مگر کانجھ کے پیچھے کو سرگھٹ اور منگل جی مندر کی جانب جاتے ہوئے دیکھنے لگے۔ سیٹھ مصطفیٰ علی خان خشک حلق تر کرتے ہوئے بکرے کی طرح ممیاتے ہوئے بولا۔

''خان صاحب! حلق میں کانٹے اگے پڑے ہیں [illegible] یہاں کے [illegible] بھی عقل بھی جاتی رہی۔ [illegible] یاد آیا [illegible] کر چھوری رکمنی بھاج بھوجن کا [illegible] جتن کر رہی ہے۔ دیکھو کہیں وہ بھوجن پر وہ سے انتظار نہ کر رہی ہو۔''

اس بھوکے سیٹھ کی ایسی ندیدی بات سن کر ناگواری آیا اور ہنسی بھی کہ یہاں سب کو اپنی اپنی جانوں کی پڑی ہوئی ہے اور اسے پیٹ پوجا کی سوجھ رہی ہے۔

میں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''یار سیٹھ! یہاں بندے بندے پہ قیامت ٹوٹی ہوئی ہے اور تمہیں بھوجن بھجیا کی سوجھ رہی ہے۔''

ابھی ہمارے درمیان یہ نوک جھونک چل ہی رہی تھی کہ ایک ہوشیار سا نوجوان سرگھٹ کی اوڑ سے ہمیں کھوجتا ہوا برآمد ہوا۔ بوکھلایا ہوا وہ ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ دینے لگا۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی ہم اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔

مٹی پتھر کے مقابلہ میں ریت یا کیچڑ میں چلنا خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔ زیادہ ریگستان کے باسیوں کے پاؤں بھی ایک خاص انداز کے ہوتے ہیں۔ شہروں کے لوگ صحرا میں آسانی سے چل پھر نہیں سکتے۔ پاؤں ایڑیاں پنڈلیاں دکھنے لگتی ہیں۔ چند قدم چلنے پہ ہی آدمی خود کو تھکا تھکا سا محسوس کرتا

UrduPhoto.com

ہے۔ ایسی ہی کچھ صورت حال ہمارے ساتھ بھی تھی۔ وہ مرد صحرائی آگے آگے اور میں قدرے عقب میں اور میرے مصنفے علی خان مجھ سے بھی کہیں پیچھے دھنسا دھنسا سا چلا آ رہا تھا جیسے اس کے پاؤں پہ بھی کے پاٹ بندھے پڑے ہوں۔

جہاں ہم پہنچے وہاں صحرائی بھیڑیا کریرا ابھا اور تھور کے جھاڑ جھڑے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ طوفان کے عفریت نے ان سخت جان جھاڑ جھنکاڑوں کو جڑ سے اکھیڑ کر تہہ و بالا کر دیا ہوا تھا۔ یہاں اندھیرا کچھ زیادہ ہی ڈراؤنا محسوس ہوا وہی شمشانوں مسانوں والی مخصوص بو باس دم دبا دینے والی گھٹن اور نحوست کا احساس.....!

وہ متوحش سا نوجوان کہیں ریت پہ بچھے ہوئے ایک ہیولے کے پاس لے جا کر کہیں غائب ہو گیا۔ اندھیرا اور گرد و غبار سے آلودہ ماحول میں کچھ سجھائی نہ پایا کہ یہ کیا ہے؟ ہیولے نے سسکیاں لیتے ہوئے اپنا سر اٹھایا تو یہ گرگ باراں دیدہ دتو تھا۔ اس کی عجیب سی کیفیت تھی۔ مجھے اپنے پاس پا کر اس نے میرے پاؤں پکڑ لئے۔

"مہاراج! میری چھوری رکمنی کو بچا لو اس کے اوپر بڑی سخت میں پھنس گئی ہے۔ اس کی جون ہوتی ہے۔"

اس بات نے توجہ بٹا کر میں نے نیچے والے ہیولے کو دیکھنا چاہا۔ اندھیرے میں کیا دکھائی دیتا؟ لیکن مجھے جاننے میں کچھ بھی دیر نہ لگی کہ یہ رکمنی ہے۔ ساتھ ہی روچھن اور راکھن بھی پڑے ہوئے تھے۔

"سب ٹھیک تو ہے؟" میں نے دتو کو تسلی دینے کی غرض سے پوچھا۔

"مہاراج! میرا من کہت تھا آج کچھ نہ کچھ ضرور ہوئے پہلے طوفان بھی آوت تھے آندھیاں بھی چلت تھیں پرنتو! جو کچھ آج ہوا وہ تو کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ دیکھیں چھوری رکمنی! بات نہ کرے ایسے جیسے پران ہار گئی ہو۔ بلاتا ہوں تو کچھ جواب نہیں دیوے۔ مہاراج! آپ تو گیانی دھیانی ہیں کوئی اپائے کرو۔ ہم یہ تو نہ کہت ہیں کہ آپ ادھر پدھارے تو یہ دکھنا بھی آئی۔ پرنتو! اگر اس چھوری کو کچھ ہو گیا تو ہمیں کبھی نہ چھوٹے گا کہ ایک مسلمان بھگت جس روز ادھر پدھارے اس دن ہماری چھوری ہمیں چھوڑ گئی۔ بس اب آپ جانو آپ کا کام! سن لیا مہاراج.....؟"

اتنا کہہ کے وہ اٹھا اور چل دیا۔ گہرے ہوتے ہوئے اندھیرے میں دیکھتے ہی دیکھتے کہیں غائب ہو گیا۔

UrduPhoto.com

سیٹھ مصطفےٰ علی خان قدرے پریشان ہو کر کہنے لگا۔

''خان صاحب! آج کا دن ہمارے لئے کچھ بھاگوان ثابت نہیں ہوا۔ دو تو مل اپنی چھوری کا مذاق ہم پہ ڈال کے چل دیا ہے۔ ہاں ذرا ان چھوروں کو تو پوچھ کر دیکھیں یہ کس حال میں ہیں؟''

''ہم بھلے چنگے ہیں۔۔۔ رکشی گری پڑی تھی ہم دونوں بھی اس کے ساتھ لپٹ کر پڑ گئے۔ یہ راکھن رکشی کا نابالغ مرد تھا اور ساتھ اس کا بھائی روچھن جو اٹھتے ہی رکشی کو ٹٹولنے لگا۔''

''لپٹ کر پڑ گئے۔۔۔ کیا مطلب؟'' میں نے وضاحتی انداز میں پوچھا۔

''مہاراج! ادھر آسمان میں بہت ڈار لگے تھے اور اندھیرا بھی۔۔۔''

رکشی زندہ تھی مگر بے ہوش۔۔۔ زندہ اور مردہ محض ٹٹ بڑا فرق ہوتا ہے۔ وہی فرق جو سوئے ہوئے اور جاگتے ہوئے انسان، جلتی آگ اور بجھی ہوئی راکھ میں ہوتا ہے۔ تارکس کو خفیف سا ہی جڑا ہوا ہو، دم کے دیپک باقی ہیں گر بجھی سی بھی سرخی گری باقی ہے تو اسے چراغ شب آخر کہا جا سکتا ہے۔ بجھا ہوا دیا نہیں کہہ سکتے۔

UrduPhoto.com

• محمل زندگی

ہست کی تار کچھ پندرہ ظاہری تجابوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ پندرہ میں سے پانچ حجاب تو ایسے ہیں جنہیں عام طور پہ لوگ جانتے ہیں مثلاً نبض، آنکھ کی پتلیاں، نقطہ پنڈلیاں، گردن کا لڑھکنا اور جسم کا ٹھنڈا پڑ جانا۔ اب پانچ حجاب اس کے آگے ہیں جن کی پہچان ذرا مشکل ہے۔ خون کا منجمد ہونا، ریڑھ کی ہڈی سے رابطہ ختم، حواس خمسہ کی معطلی، اعضائے رئیسہ کی کارکردگی کا رک جانا، حرام مغز کا پھیل کر زہر اور تعفن میں تبدیل ہونا۔ باقی پانچ حجابوں کا تعلق عام انسانوں اور پیروں سے براہ راست نہیں بالواسطہ سا ہے یعنی مادیت سے نہیں روحیت اور روحانیت سے ہے۔ ان حجابوں کے پیچھے جھانکنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔۔۔ میڈیکل سائنس یہاں چپ سادھ لیتی ہے۔ یہاں اک دوسرا جہان اور مخصوص لوگوں کا گمان شروع ہوتا ہے۔ عام طور پہ کسی کی موت کی تصدیق مستند ڈاکٹر حضرات کرتے ہیں۔ جو صرف پہلے پانچ حجابوں کے اندر جھانک کر اپنا فیصلہ سناتے ہیں مگر کچھ مخصوص طبیب بھی ہوتے ہیں جو اگلے پانچ حجابوں تک بھی چنداں رسائی رکھتے ہیں اور کہیں مخصوص حالات میں اپنے اس علم سے استفادہ کرتے ہوئے انسانیت کی خدمت کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ اکثر اموات ادھوری ہوتی ہیں اور ہم کسی مدہ زندہ انسانوں کو دفن کر دیتے ہیں۔۔۔ موت کی تصدیق کے لئے پہلے پانچ حجابوں کی گواہی کبھی کبھی ادھوری بھی رہ جاتی ہے۔ آپ نے پڑھا سنا ہوگا کہ نہلاتے' کفناتے یا دفناتے وقت مردہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بھوت بھوت کہتے ہوئے لوگ بھاگ اٹھے یا بیہوش ہو گئے۔ اکا دکا ایسا واقعہ سننے کو ملتا رہتا ہے۔۔۔ یہ وہی مردے ہوتے ہیں جن کی موت کا اعلان پہلے پانچ حجابوں کی جانچ سے ہو جاتا ہے۔۔۔ جبکہ کسی بھی وجہ سے اُن کے پہلے حجاب غلط تشخیص بتاتے ہیں لیکن وہ بعد کے دس حجابوں میں زندہ ہوتے ہیں۔ یہاں یہ جان کر تعجب ہوگا کہ پہلے دس حجابوں والی موت بھی کبھی کبھی دھوکا دے جاتی ہے۔ مردہ بعد کے پانچ حجابوں میں زندہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کامل موت پندرہ پردوں کی تصدیق پہ وارد ہوتی ہے۔ اکثر یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ مردہ مرنے کے بعد اتنے گھنٹے یا دن سنتا بھی ہے مرا نے جانے والے کو پہچانتا بھی ہے۔ اسے آسودگی یا تکلیف کا احساس بھی رہتا ہے۔ وہ قبر میں دفن ہونے کے باوجود اپنے گھر میں آتا جاتا رہتا ہے۔ بیوی بچوں کی مصروفیات پہ نظر رکھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ یہ باتیں اسی حجابوں والے قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔

مجھے کہنے دیجئے کہ اگرچہ پہلے دس پردوں سے موت تصدیق ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی یہ امکان موجود ہے کہ کامل موت واقع نہ ہوئی ہو۔ دس حجابوں کے بعد کے حجابوں کا معاملہ پھر عام ہاتھوں میں نہیں ہوتا۔۔۔ یہ تو پھر کوئی اور لوگ ہوتے ہیں؟

شاہ حسین شہادت پائن جو مرن منزاں دے گھر

سرکردہ ملامتی فقیر سرکار شاہ حسین اور آپ کے محبوب نازنین سرکار مادھو لعل حسین کا واقعہ تو آپ کو یاد ہوگا کہ مادھو لعل' جو ایک اعلیٰ مرتبت ہندو خاندان کا چشم و چراغ تھا۔۔۔ بابا جی سرکار کی محبت میں رنگا ہوا' سلوک کی منزلیں طے کر رہا تھا۔۔۔ ذات پات' رسم و رواج' عمر مقام' عزت' عزلت ہر چیز سے بیگانہ اپنے بابا کے حضور حجرے میں پڑا رہتا۔ ماں باپ' یار دوست' کنبہ برادری سب کچھ چھوٹ چکا تھا۔ کئی کئی روز بابا جی کے ہاں پڑے گزر جاتے۔ تب کہیں جا کر ماں باپ کو اپنے اکلوتے خوبصورت بیٹے کی فکر پڑی کہ بچہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔۔۔ لاکھ سمجھایا' منت سماجت کی ایک مسلمان فقیر کی محبت و موانست سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی۔۔۔ مگر یہ وہ نشہ نہیں تھا جو پند و نصیحت یا سختی و سزا سے اتر جاتا۔ جب ہر طرح سے سمجھانے' اپنی بدنامی کا بتانے کے باوجود کچھ فرق نہ پڑا تو زنجیر ڈال گھر میں بٹھا دیا۔۔۔ یہ تو شعلے کو ہوا دینے والی بات تھی۔ آپ سرکار نے کسی قسم کا احتجاج یا غصہ کھڑا کیئے بغیر' والدین کی ہر پابندی کے آگے سر ڈال دیا۔۔۔ بس کھانا پینا بند اور اُن سے بات چیت ختم کر دی۔۔۔ اب دن رات مرشد کے نام کی مالا جپتے اور

UrduPhoto.com

آنسو بہاتے رہتے۔ آخر وہ قدرتی اور ہمہ وقت کی آہ و زاری رنگ لائی۔ نقاہت اور بے سدھی نے نیم جاں کر دیا۔ آخر کار آپ اسی حالت فراق و فتوں میں بظاہر وفات پا گئے۔ والدین کے لئے یہ ایک جانکاہ صدمہ تھا اور باعث تنگ و شرم بھی کہ برہمن زادہ ایک مسلمان فقیر کی عقیدت میں جان سے گزر گیا اور کچھ اطمینان بھی کہ ذات برادری میں کچھ بھاؤ بھرم رہ گیا کہ بیٹے کی ارتھی نکال دی مگر گھر سے نکلنے نہیں دیا۔

یہ پرانا شاہدرہ تھا۔ شمشان راوی کے گھاٹ پہ تھا اور راستے میں پل۔ ادھر سے مادھو لعل کی ارتھی کا جلوس شمشان گھاٹ کی جانب آ رہا تھا اور حسن اتفاق دیکھئے یا مصلحت آفاق کہئے کہ عین اس وقت سرکار شاہ حسینؒ شاہدرہ کی طرف جا رہے تھے۔ ایک پاؤں پہ فقیر بدوش وہ جا ارتھی پہ پڑا خواب خرگوش۔ ''ایک'' اور ''ایک سو ایک'' کا آمنا سامنا جب بیچ پل کے ہوا تو ہندوؤں نے اس ملاقات کو برا شگون سمجھتے ہوئے بابا جی سے اہانت آمیز سلوک کیا اور اس افسوس ناک موت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے انہیں نقصان پہنچانے کا جتن کیا۔ ماتمی جلوس میں چند کہنہ سالہ بزرگ بھی شامل تھے ان کے منع کرنے پہ یہ معاملہ رفع دفع تو ہو گیا لیکن یہ شرط عائد کر دی کہ آپ اپنے قدموں [illegible] کی جانب واپس ہو لیں تاکہ آپ کے گزرنے سے ارتھی پہ پڑ جائیں۔ آپ نے ان اعتراضات کے جواب میں کہا۔

''پہلے یہ تو بتائیں کہ ارتھی کس کی ہے اور میری پرچھائیں سے کیسے بچا رہے ہو؟''

سرکار مادھو لعل کے عزیز و اقارب نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔

''دادا بابا دادا! اب تمہیں آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ یہ ارتھی کس کی ہے اور اس کی مرتیو کا کارن کون ہے؟ ہمارے اس معصوم بالک کی ہتیا کا کارن آپ ہیں۔ ہم اپنے بڑوں کی اچھیا کا پالن کرتے ہوئے آپ کو دیکھ نہیں سکتے۔ اب آپ کرپا کر کے آگے چلے جائیں تاکہ ہم مرگھٹ گھاٹ تک جا سکیں۔

بابا جی نے بڑی بردباری سے جواب میں کہا۔

''فقیر آپ کی کسی شرط کا پابند نہیں۔ آپ کی اپنی راہ ہے اور میرا راستہ اپنا۔ آپ نے اپنے بیٹے کے متعلق بات کی ہے کہ میں اس کی ہتیا کا کارن ہوں۔ مرا ہوا شخص کسی دوسرے شخص کو کیسے مار سکتا ہے؟ ہم تو اپنے دم سانس بھی دوجوں ضرورتمندوں کو بھینٹ کر دیتے ہیں۔''

پھر آپ نے اک بے نیازی سے ارتھی کی جانب دیکھا جسے اس کے عزیزوں نے کاندھا دے رکھا تھا..... فرمایا۔

"ذرا ارتھی کو نیچے رکھو میں بھی تو دیکھوں کہ کس کی بیٹی ہوئی ہے۔"

جلوس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کوئی بھی ان کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا بلکہ ان کو الٹی سیدھی سنانے لگے۔ اتنے میں ایک نشستیں سے تیوروں والے پنڈت نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ ہمارے دھرم کے مطابق بوم کیا ہوا مردہ کسی دوسرے دھرم چھتری کو درشن دیا جائے تو مردہ نرکھ میں رہتا ہے۔ آپ چھما کریں اور ہمارے کھوتا نہ کریں۔ اگلی درشن کی شبھ گھڑی بیتے جا رہی ہے۔"

آپ نے اک نگاہ خلا سے سامنے سورج کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔

"شبھ گھڑی تو اب آنے والی ہے۔ مجھے پیارو اور اس سارکار دین دھرم جدا جدا نہیں ایک ہی ہے۔ ہم دونوں کے لئے ایک ہی درشن ہے یہیں سورج کا سامنا ہے آپ ان کی چتا ارتھی نیچے رکھیں کوئی بھی دین دھرم مرنے جینے والوں کے درس درشن سے نہیں روکتا۔"

ماتمی جلوس میں پھر ایک بار کانا پھوسیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو بالآخر اس امر پر منتج ہوا کہ اس ضدی فقیر سے جان بچانے میں ہی عافیت ہے۔ آپ کی بات مان کر جان چھڑائی جائے۔ بوڑھوں کی اس [illegible] ارتھی نیچے رکھ دی گئی۔ آپ نے قدرے جھک کر مسکراتے ہوئے اپنے معشوق نازنین کا نگاہوں سے بوسہ لیا۔ [illegible] استادہ ہندوؤں سے پوچھا۔

"کیا یہ مر گیا ہے۔"

انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

"اچھا! اب یہ آپ کے کس کام کا ہے؟"

بوڑھے پنڈت نے جواب میں کہا۔ "مرا ہوا منش کسی کے بھی کسی کام نہیں ہوتا۔ پھر آگ اس کے پاپ جلا کر کھیان کرا دیتی ہے۔ اس طرح اس کی آتما بھی پھلی ہو کر سورگ میں سدھار جاتی ہے۔"

بابا جی نے بڑی رسان سے کہا۔ "اگر یہ آپ کے کسی کام کا نہیں اور جلا کر راکھ کر دینا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اسے حقدار کو سونپ دیں اور یہ کار ثواب اس کے اور خاص طور پر آپ اور آپ کی نسلوں کے لئے بڑا سعد ہو؟"

بابا جی نے کہنے کو تو یہ سب کچھ آسانی سے کہہ دیا مگر اس ہجوم میں جیسے کسی نے پتلی لکڑیوں کا چھتہ پھینک دیا تھا۔ ہر فرد ہانپا اور کھولا ہوا تھا۔ کچھ اس بابا کو اٹھا کر راوی میں پھینکنے کی تجویز دے رہے

UrduPhoto.com

تھے۔ کچھ اس سے لڑنے جھگڑنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ کوئی کچھ اور کوئی کچھ کہہ سن رہا تھا۔ بھلا ہو چند بوڑھوں کا جنہوں نے سارا معاملہ اپنا ہاتھ میں لے لیا اور کچھ ایسا جادو پھونکا کہ سارا ہجوم شانت پڑ گیا۔ پرانے بوڑھے سر جوڑ کر علیحدہ کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر کے صلاح مشورے کے بعد انہوں نے اپنے سب لوگوں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے بابا جی شاہ حسینؒ سے کہا۔

''مہاراج! آپ کی سنکشا پہ کان دھرتے ہوئے ہم سب نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ یہ ارتھی لے سکتے ہیں۔ اسے لے کر آپ یہاں سے چلے جائیں۔ اس کے بعد آپ کا ہم شہدرے والوں سے کوئی ناطہ نہیں۔''

بابا جی نے ارتھی پہ پڑے پھول پتے اور کفن وغیرہ کھینچ کر سے بنایا اور پنڈت کو مخاطب کر کے کہا۔

''پنڈت جی! آپ سے دشمنی والے تو اوپر سے جڑے ہوئے ہیں' یہ کیسے ٹوٹ سکتے ہیں اور آج کے بعد سے تو اور مضبوط ہو جائیں گے۔'' پھر آپ مادھو مل سرکار کے بیٹے سے مخاطب ہوئے۔ ''آپ سب نے باہمی رضامندی یہ ارتھی مجھے دے دی ہے اس پہ آپ کا کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

غمزدہ نے اثبات میں سر ہلا کر بابا جی کی بات کی تصدیق کر دی۔

اسلام [illegible] مادھو مل کا ہاتھ [illegible]

''آؤ یار! تمہارے نوں چلیے۔''

سرکار مادھو مل پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ وعلیکم السلام کہتے ہوئے اٹھے اور بابا جی کے ساتھ لاہور کی جانب چل دیئے۔ [illegible] بتاتی ہے کہ یہی عزیز و اقارب جو ارتھی اٹھا کر شمشان گھاٹ کی جانب جا رہے تھے بابا جی شاہ حسینؒ کے روحانی تصرف سے فیض یاب ہو کر مشرف با اسلام ہوئے اور انہی کی نسل سے منسلک اکثر افراد بابا جی کی مجاورت' سجادہ نشینی میں شامل رہے۔

یہ سارا واقعہ تحریر کرنے کا مقصد کچھ اور بھی تھا۔ موت برحق ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں لیکن اصل موت تو موت کا ہے جو مکمل پندرہ تاریخوں کے گزرنے کے بعد واقع ہوتی ہے جبکہ عامتہ الناس پہلے پانچ تاریخوں میں ہی فارغ سمجھے جاتے ہیں باقی دس تاریخوں کی اموات کفنانے دفنانے کے مختلف مواقع پہ واقع ہوتی ہیں مگر ان کیفیتوں کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔ وہ محض آنکھیں بند اور نبض رکنے کو ہی موت سمجھتے ہیں۔

بڑھاپے اور دیگر اعصابی و دماغی امراض میں کچھ ایسی صورتیں اور حالتیں وقوع پذیر ہو جاتی ہیں کہ من و عن سکرات سی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔ ان عوارض میں کوما' سکتہ' حبس دم اور لمبی بیہوشی وغیرہ

ہیں۔ قتل، حادثات، غرقابی، بلندی سے گرنے اور آگ، دھوئیں سے اموات بھی ایسی ہی نامکمل ہوتی ہیں ... وقوعہ پیش آنے کے بعد بھی کافی دیر تک بندہ کی جہتوں حالتوں میں زندہ رہتا ہے اور اکثر کو بچایا بھی جا سکتا ہے اس کے کئی جسمانی اور ذہنی نظام پکار پکار کر ہم سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ ہمارے ظاہری کان اس کے دماغ اور اعصاب و عضلات سے خارج ہونے والی صوتی اور مقناطیسی لہروں کو وصول کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

اللہ کے مخصوص بندے جو اعجاز مسیحائی سے بامشرف ہوتے ہیں..... بلکہ جن کی کیمیا لمس جن کے شفائی اور قلب مصطفائی ہوتے ہیں وہی زندہ اور مردہ انسانوں کے پندرہ حجابوں کے رموز جانتے ہیں۔ زندہ انسانوں میں بھی کوئی کوئی ایسے انسان ہوتے ہیں جو آخری پانچ حجابوں سے واقف ہوتے ہیں یا جو انہیں دیکھ سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اردگرد لاکھوں کروڑوں چلتے پھرتے انسانوں میں مکمل زندگی سے معمور بھی کوئی کوئی ہی ہوتا ہوگا۔

کہتے ہیں کہ اکثر مرنے والے پانچ یا آٹھ دنوں تک اپنے گھر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے اٹھنے بیٹھنے والے کمروں میں ویسے ہی آ کر بیٹھتے ہیں جیسے وہ اپنی زندگی میں اٹھتے بیٹھتے تھے۔ اپنے اہل و عیال کو دیکھتے ہیں۔ ان سے باتیں یا شکوے کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ نظریہ رکھا جائے تو ایسا اس لئے ہے کہ وہ مرنے والا ابھی مکمل موت سے ہمکنار نہیں ہوا ہوتا۔ جسم تو اک لباس کی مانند ہے۔ بوسیدہ لباس تبدیل کرتے ہیں اندر وجود موجود ہوتا ہے۔ وجود کے بھی اگر پانچ حجاب ہٹ جائیں تو بطون تو بہرطور برقرار ہوتا ہے اور پھر آخری پانچ حجاب امر الٰہی یعنی روح ہے جس کے پرواز کرنے پہ ہی مکمل موت واقع ہوتی ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ صلوٰۃ و تسلیم بھی اپنی شفائی قوت سے باذن ربی مسیحائی کرتے تھے۔ کوڑھیوں کو شفا، اندھوں کو بصارت، گونگوں کو گویائی ... یہاں تک کہ مردوں میں زندگی کی روح پھونکتے تھے۔ اللہ نے ولیوں قطبوں کو بھی ایسی حکمت و دانائی عطا فرمائی۔ ان کے علاوہ غیر مسلموں، ویدوں، سنیاسیوں، یوگیوں، منیوں اور حکیموں طبیبوں میں بھی ایسی ہی روزگار ہستیاں موجود رہیں اور ہیں، جنہوں نے مردہ تنوں میں حیات نو پھونکی۔ غیر مسلموں کے لئے یہ استدراج ہوتا ہے اور اہل علم ایمان والوں کے لئے اللہ کا کرم اور امر ہوتا ہے۔ وہ جسے چاہے، جو چاہے عطا کرے یا نہ کرے وہ بے نیاز اور علیم و خبیر ہے۔

جس طرح زیست و موت کے حجاب ہوتے ہیں بعینہٖ ان کے خوشبوئیں، بدبوئیں بھی ہوتی ہیں۔ ان کو ہر کوئی پہچان نہیں سکتا ... اللہ کریم کے نبیوں، پیغمبروں، رسولوں کے اجسام و وجود کی بھینی مہکاریاں

گویا باغِ عدن کے مہکتے ہوئے نورانی گل دستے سے کشید ہوتی ہیں۔ اسی طرح درجہ بہ درجہ خلفائے راشدین، اصحاب کبار، اولیائے کرام، اقطاب، غوث و ابدال بھی اپنی مخصوص و منتخب خوشبوئیاں رکھتے ہیں۔ آگے بڑھیں تو سالک، سائیں، صوفی، مجذوب، فقیر و درویش جن کی باطنی جہت امر کو شریعت و معرفت سے ہو اور ظاہری تصورت، صالحیت، سلامتی اور عجز پہ ان کی خوشبوئیں بھی نہایت اعلیٰ ہوتی ہیں۔ اللہ کے بندوں سے ان کی بندگی، ان کے تقویٰ اور ان کے مقامات و درجات کی مہکیں پھوٹتی ہیں۔ وہ جس راہ سے گزر جاتے ہیں اپنے پیچھے مشکباریاں چھوڑ جاتے ہیں۔ جہاں بیٹھتے ہیں، قیام فرماتے ہیں وہ جگہیں گوشۂ گلستان بن جاتی ہیں۔ غیر لگاتے ہوئے کوئی گزر جائے تو راہ عنبریں ہو جاتی ہے۔ سگریٹ کے دھوئیں لگاتا ہوا کوئی گزرے تو اس کی کھلی ہوئی بدبو طبیعت کو اوبا کر رکھ دیتی ہے۔ بداعمال، بدنیت اور بدتمیز و بے ادب کی زندگی موت دونوں بدبودار اور بدبو سے تعفن ہوتی ہیں۔ خاص تو خاص کوئی عام آدمی بھی ان کا حال غلیظ طور طریق اور جسم جیسے سے اٹھتی ہوئی غلیظ بدبو سے نہیں پہچان سکتا ہے۔ کالا علم، الٹے سیدھے جادو ٹونے اور سفلی علوم و تعویذوں والوں کی شکل و صورت پہ پھٹکار برستی ہوتی ہے۔ ان کے ڈیروں پہ اتنی سیاہی پڑی ہوتی ہے۔ بری روحوں کی تعفن کو واضح طور پہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اگر بیتوں اور [illegible] کی جاتی ہے [illegible] بدبو بھی چھپی نہیں رہتی جبکہ خوشبو کو بھی کبھی پابند حجاب نہیں کیا جا سکتا۔

رزق حلال اور حرام کی بھی اپنی خوشبو بدبو ہوتی ہے۔ اللہ کے بندے جو صاحب نگاہ اور ادا ہوتے ہیں ان سے کچھ بھی تو نہیں چھپایا جا سکتا۔ ایک بڑے صنعتکار نے پانچ ستارے والے ہوٹل میں افطار پارٹی کا اہتمام کیا۔ بڑے بڑے اہم مرتبت لوگوں کو مدعو کیا۔ دوائی کے طور اپنے علاقے کی مسجد کے امام کو بھی دعوت دے دی۔ وہ موذن، وہ امام، وہ مسجد کا خادم اور مسکین اثر رسا صد کا بندہ کہیں صاحب نگاہ بھی تھا۔ افطاری انواع و اقسام پر تکلف اور قیمتی ترین سامان خورد و نوش پہ مشتمل تھی۔ بسم اللہ ہوئی تو اس بندۂ نقد و نظر نے پیچھے سے مٹھی کھولی اور ایک معمولی سی کھجور منہ میں ڈال لی۔ باقی طعام سے ہاتھ کھینچ لیا۔ نماز کے بعد ایک معقول سے اللہ کے بندے نے انہیں معذرت پیش کرتے ہوئے روکا، پوچھا۔

"حضرت! آپ نے اپنی لائی ہوئی کھجور سے روزہ افطار فرمایا اور افطاری کے سامان سے کچھ بھی نہیں لیا، وجہ؟"

بظاہر دو رکعت کے امام، جعراتی مولوی دکھائی دینے والے بندۂ خوش کسب حال نے چند

لمحے اُس شخص کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر کمال استغناء سے جواب دیا۔

"جناب! آپ نے بھی تو اپنے گھر کے نمک سے روزہ افطار کیا تھا۔"

دونوں نے ایک دوسرے کی خوشبو سے پہچانا تھا۔ یعنی وہ سامان خورد و نوش بدبودار تھا کسبِ حلال سے نہیں تھا۔

اسی طرح ایک اور بابا جی نے دعوت میں پہلا لقمہ لیا اور منہ میں رکھنے سے پہلے ہی رکھ دیا۔ میزبان نے جرأت کر کے وجہ دریافت کی۔ بابا جی نے جواب دیا۔

"اس کھانے میں بدبو آ رہی ہے۔ سوچ کر بتاؤ کہ اس کی تیاری میں کوئی ایسی چیز تو استعمال نہیں ہوئی جو ناجائز، حرام یا مکروہ ہو؟"

پوری طرح غور و فکر کرنے کے بعد کہنے لگا۔

"بابا جی! الحمدللہ میں رزق حلال کماتا ہوں بس آج کھانے کی تیاری کے دوران نمک کم پڑ گیا جو ساتھ پڑوسی سے عاریتاً لیا تھا۔"

معلوم ہوا وہ پڑوسی ساہوکارے کا دھندا کرتا ہے۔

درویشوں، فقیروں کی بارگاہوں میں وقت کے بادشاہوں، امراء کے انبار پیش کیے۔ کسی سے کراہت آئی اور کسی سے تازہ لہو برآمد ہوا۔ کہیں سے مظلوموں کی آہیں کراہیں اُبھریں... معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کا متوکل متقی بندہ لقمہ حرام و مکروہ کی مضرت سے بچا رہے۔ خبردار رفیق! اُسے کراہت، بدبو یا کسی غیبی اشارے کے ذریعے سے بچاتے ہیں۔ اللہ کی نعمت کہ کچھ لوگ ایسے بھی دیکھے جنہیں ایسی ہی کچھ عطائیں ہوئیں کہ انہیں خود کو بھی اُن کی مطلق خبر نہ تھی۔ آپ نے اکثر ایسے عجیب و غریب قوتوں اور صلاحیتوں والے انسان دیکھے ہوں جنہوں نے انہیں حاصل کرنے کے لئے قطعی کوئی جستجو، خواہش یا شوق نہیں تھا... اچانک ہی کہیں کسی موقع پر اس کا احساس ہوا کہ اُن کے ہاں یہ صلاحیت بھی ہے۔ میں نے بڑوں کے علاوہ کئی ایسے معصوم سے بچے بھی دیکھے جو صحیح سے اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے ہیں۔ بالکل خلنڈرے بچے.... لیکن اُن کے پاس ایسی ایسی خداداد صلاحیتیں اور علم و ہنر دیکھا کہ بے ساختہ منہ سے سبحان اللہ نکل گیا۔ بے شمار مشاہدوں، تجربوں کے کھاتوں، پٹ سیاپوں، تجل خواری، کتنے کسی سے اس نتیجے پر پہنچا کہ بندہ بڑا گندہ ہے اس کے چاہنے یا جستجو سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہ مالک و خالق جسے چاہے عطا کر دے نہ علم کام آتا ہے نہ چلّے، ریاضیوں اور تسبیح منکوں یا نمازوں سے کچھ ہوتا ہے.... کالے پیلے نرخ چونے بھی محض ڈرامہ ہی ہیں۔ اگر کچھ ہے

UrduPhoto.com

تو وہ الف لام میم ہے جو تیری رضا میری تسلیم ہے۔ اللہ ہی جسے چاہے نورِ علم صالح عطا کرے۔ نورِ ایمان و ایقان سے نوازے نورِ اخلاص نورِ بندگی اور نورِ بخشے۔ صلاحیتی کے معنوں سے روشناس کرائے.....!

میں نہ پاکوں میں نہ پلیدوں میں۔ علم داروں میں نہ بے علموں میں لیکن اس مالکِ لوح و قلم نے مجھے بے حد نوازا۔ میرے ذہن کا سینہ چاک کر دیا میرے دل میں سے دریا گزار دیے۔ میری آنکھوں کو علمی آئینوں کی آب دے کر تابدار کر دیا۔ میرے تخیل کو بال و پر سوچ کو سمت۔ شعور کو شعار اور عقل میں علمی دی۔

زندگی کے راستوں پہ بے شمار مقام ایسے بھی آئے جہاں عقل و ہمت بے بس سی ہو کے رہ گئیں یوں بھی کہ ایسے محسوس ہوا کہ اب بس آگے کچھ نہیں یا شاید ہمت اندھیرا ہی اندھیرا کچھ بھی تو سجھائی نہ دے۔ اندر باہر کے سب دیے بجھنے کو ہوتے۔ کوئی ایسی روشنی پھوٹتی کہ عقل و گمان کے سب گوشے جگمگانے لگتے۔ جیسے دیکھتے سب دائرہ ادراک میں آ جاتے۔

بات کی زنجیر وہاں سے کھلی تھی جہاں سے دقوم زنگی کا پاپ زنگی کو نیم مردہ حالت میں مرگھٹ کے اندر پاتا ہے۔ پاس [illegible] پڑے ہوئے ہیں۔ [illegible] اندھیری حالت میں دقوم مجھ سے شکوہ سنج ہوتا ہے کہ میں آج ان کی گود آیا اور آج یہ طوفان بھی انہیں برباد کرنے کے لئے اُمڈ آیا جو ایسی تباہی لایا کہ پچھلے کئی لمبے عرصے سے اس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ فطری طور پہ ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ کسی کے آنے سے خوشی کی خبر ملے تو اسے بھاگوان تصور کیا جاتا ہے اور اگر کوئی ناپسندیدہ خبر ملے تو مہمان کو منحوس اور پتا نہیں کیا کیا نام دھرا جاتا ہے۔ یہ تو تھے ہی صحرائی توہم پرست لوگ۔ اور پھر یہ زنگی کو مردہ سمجھے ہوئے تھا وہ تھی بھی ایسی ہی حالت میں۔ اندھیرا اور ریگ و خاشاک ابھی تک اڑ رہے تھے پھر مرگھٹ کا ماحول بھی ایسا کہ موت کے سائے بھوت پریت کی مانند آس پاس منڈلاتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

وہ ریت میں آدھی دھنسی ہوئی تھی۔ صحرا کے تھلوں کے اندر ریت میں دھنسنا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ آندھیوں بگولے باد سموم تند و تیز ہوائیں چلتی رہتی ہیں ان کے ساتھ ریت بھی اپنے ٹھکانے بدلتی رہتی ہے۔ انسان تو کیا اونٹ تک ریت کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ مگر زنگی کے ساتھ ایسی صورت نہیں تھی۔ لگتا تھا کسی نے باقاعدہ قبر کھود کر اسے دفن کرنا چاہا مگر کسی وجہ سے وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر چلا گیا ہو۔

سیٹھ مصطفےٰ علی خان بھوکے پیٹ پہلے ہی بولایا ہوا تھا اب اس صورت حال سے بوکھلا بھی گیا ویسے تو مرگھٹ ہی کافی تھا اب جو دو تین بھی غائب ہو گئے تو سیٹھ مصطفےٰ علی خان ہکلا یا سا کہنے لگا۔

"خان صاحب! مرگھٹ کے بھوتوں نے زمنی کا کریا کرم کر دیا ہوا ہے۔ میری مانیں تو اسے چھوڑے بغیر یہاں سے نکل لینے میں ہی ہماری بہتری ہے۔" وہ مجھے ہاتھ سے تھامتے ہوئے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

قدرے ناگواری سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے میں نے کہا۔

"سیٹھ صاحب! کسی زندہ انسان کو جاگتی کی حالت میں اس منحوس مرگھٹ میں چھوڑ کر جانا میں زیب نہیں دیتا۔ اسے ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ تم اسے ریت سے نکالنے میں میری مدد کرو۔"

بادل نخواستہ اسے میرا ساتھ دینا پڑا۔ دھان پان چھلتری کیا کسی کالی بلی کا جوکی مانند ہم نے اسے ریت سے نکال باہر کیا۔ ڈرتے ڈرتے سیٹھ نے اس کے منہ ماتھے کو چھوا۔ نبض ٹٹولی۔ اپنی عقل سمجھ اور علم کے مطابق ہر طرح کی تسلی کر لینے کے بعد میرے کاندھے پہ تھوڑی ٹکاتے ہوئے بڑے گمبھیر لہجہ میں [illegible] کہنے لگا۔

"میرے حساب سے فرشتے اس کا حساب کتاب بھی لے چکے ہیں اور اس کی آتما عالم برزخ کی جانب مراجعت کر چکی ہے۔ میرے خیال میں ہمیں بھی چلنا چاہئے۔ اجمیر شریف کافی فاصلہ پہ ہے۔"

میں نے اس کی فضول گفتگو سے صرف نظر کرتے ہوئے جیب سے پن ٹارچ نکالی۔ روشن کر کے زمنی کے چہرے کو دیکھا۔ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کی ناک کے بائیں نتھنے پہ خون کا دھبہ تھا۔ غور سے دیکھا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے انوری فیروزے والا بلاق زبردستی اتارنے کی کوشش کی مگر کسی بھی وجہ سے بلاق اتار نہ پا سکا۔ اسی کھینچا کھانچی میں ناک کے سوراخ سے خون نکل آیا۔ مزید غور سے دیکھا تو بلاق کے فیروزے پہ بھی خون کا قطرہ لگا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے ٹارچ سیٹھ صاحب کو پکڑائی اور شہادت کی انگلی سے بلاق کو چھوا پھر رومال نکالا فیروزے پہ خون کے دھبے کو صاف کر ہی رہا تھا کہ فیروزہ بلاق کی لڑ سے چھوٹ کر رومال پہ لگے خون سے چمٹ گیا۔ میں نے اسی طرح رومال لپیٹ کر فیروزے سمیت اندر کی جیب میں محفوظ کر لیا۔

اس عمل کے ٹھیک سات منٹ بعد زمنی آنکھیں پٹ پٹ پھڑکاتی ہوئی میرے سامنے بیٹھی تھی جبکہ سیٹھ مصطفےٰ علی خان قدرے ہٹ کر خوفزدہ سا بیٹھا ہم دونوں کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ زمنی کا بھوت ہو اور میں اس بھوت کا دادا بھوت.....!

● شُدھ شگن کا تیج ترنگ.....!

قارئین! ٹھیک پندرہ بیس روز بعد میں اور سیٹھ مصطفےٰ علی خان میسور میں ٹھیک اُس وریائی گھاٹ کے ایک پرائیویٹ کاٹیج میں چند روز آرام کی غرض سے پڑے ہوئے تھے جدھر کمال امروہی مرحوم نے فلم "پاکیزہ" کے لئے ہاتھیوں والے مناظر فلمائے تھے۔ آرام کے علاوہ یہاں پہنچنے کا مقصد اس الوری فیروزے کو ٹھنڈا کرنا بھی تھا۔ میں اب شاید اس ٹھنڈا کرنے والے عمل کی تفصیل نہ لکھوں کیونکہ اس عمل کے دائرے سے بھی چھوٹے 'ابابیل کے آنسو' الوری فیروزے کو ٹھنڈا کرنے کا عمل ایسا تھیسیز اور جوتھوں میں جلا کر دینے والا ہے کہ عامل اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے..... ایسا ڈیلٹا' دلدل' دریا' کی ہاتھی اور سورجیہ مہاراج کے کلوم ورشن ہی کول ترنگیں..... یہ سب کچھ میسور میں ہی میسر ہیں۔

یہاں ڈرتے ڈرتے سیٹھ مصطفےٰ علی خان نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

"مری ہوئی رکمنی دوبارہ زندہ کیسے ہو گئی؟"

میرا جواب تھا۔ "وہ مری ہی کب تھی..... سانس رُکی اور آنکھیں ٹھہر جانے کا نام موت نہیں اور نہ ہی ان کے [illegible] ہاتھ پاؤں جواب اٹھا دیتے تھے..... ہمیں پہنچنے میں دیر ہو جاتی تو دوسرے جواب بھی اُٹھ جاتے۔"

"یہ مرگھٹ' بھوت' خون کا دھبہ' فیروزے والا بلاق' فیروز سب کیا ہے؟" سیٹھ نے خشک حلق تر کرتے ہوئے پوچھا۔

"سیٹھ صاحب! یہ اَدق باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ دو چار باتیں کھولنے کی جرأت کرتا ہوں اگر آپ ہضم کر سکیں۔"

رکمنی اکتھوابی کا سروپ تھی..... اس کا جنم کُنڈلی اس خاص سمے کا سگمن تھا جب سورجیہ مہاراج کا ہاتھ پڑتا ہے یعنی وہ برج آکاش سے برج سگمن پہ براجتا ہے۔ ایسے ان پن سمے کے سگمن سے اگر کوئی منش جنم لیتا ہے وہ راکھشش کا روپ ہوتا ہے۔ ناری ہو تو ناگنی کا ورودھ ہوتی ہے یعنی برباد کر دینے والی عورت..... ناگن ناری' آگن ناری' اس کنیا' برگی برگی ناریوں کی طرح یہ بھی کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ اس نے جو الوری فیروزہ یعنی ابابیل کا آنسو پہنا ہوا تھا یہ کچھ اور کل والا تھا۔ ایسا دان ہر کسی کے لئے سعد نہیں ہوتا..... بلکہ برباد کر کے رکھ دیتا ہے..... یہ فیروزہ پہلے پہل کرناٹک کی بانی چمپاوتی کی تحویل میں تھا۔ اس نے کہاں سے حاصل کیا یہ معلوم نہیں..... ڈاکوؤں کی ایک یلغار میں اس نے کہاں پھرتی سے

اتار کر اپنے پچھاوتی دتول رنگنی کے پتا کو دیتے ہوئے کہا۔

"اسے خواجہ غریب نواز کی بڑی دیگ میں ڈال دینا۔ جس کے نصیب میں ہوگا اس کے ہاں پہنچ جائے گا۔"

دتول اسے لے کر اجمیر شریف آ گیا لیکن اس کے ایک عزیز نے مشورہ دیا کہ اس پتھر کو انسانی خوراک میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اسے فروخت کر کے اس رقم سے اناج خرید کر دیگ میں ڈال دو۔ جوہری کو دکھایا تو اس نے خاصا قیمتی بتاتے ہوئے اک معقول قیمت پیش کی۔ دتول نے اس کی اہمیت کے پیش نظر بیچنا مناسب نہ سمجھا۔ اتنی رقم کا اناج خرید کر دیگ میں ڈال اور فیروزے والا بلاق اپنی چہیتی رنگنی کی میا کو بھینٹ کر دیا۔ وہ بدنصیب اسے پہنتے ہی مختلف مشکلات میں مبتلا ہو گئی۔ بالآخر وہ ایک دن اپنے اوبت کی مرمت میں آ کر پرلوک سدھار گئی۔ تب یہ پتا چلا کہ بلاق اس کی ناک سے اتر کر رنگنی کی ناک میں پہنچ گیا۔ پچھاوتی اور دتول کی چہیتی عام سی عورتیں تھیں اس فیروزے کی بجلی سی حق بھی برداشت نہ کر پائیں اور جان سے گئیں مگر یہ رنگنی تو ایک عام منش نہ تھی اس کے تو چار دن کھوٹ تھے ہوئے تھے۔ اندر باہر سے کوئی نظر کرم کی ان چھوک تھی۔ [illegible] ہر سے وہ اپنے سائے پر [illegible] اس کی [illegible] رکھشا کرتے تھے۔ جیسے کسی حکیم ہوشیار کے ہاں کستوری بڑی مخصوص جگہ اور کڑی نظر میں رکھی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ بھی ایک شکل و صورت خواص و خصیت ظاہر و باطن اور ارضی افلاکی چیزوں میں ایک خاص کی چیز تھی۔ جسے صبح کہے یہ میری ہے شام کہے وہ دونوں ایک ہیں۔ [illegible] جانے کہ میری جان ہے۔ رام کی رادھا سیتا کی سیتا ہرن شیام کی شامل۔ وہ آکاش کا گلن کنڈل۔ راجپوتانے کی رانی کنیا۔ دیبہ دھارن ایک پچھاوتی کے ہاں ہوا جیسے کسی چمار کے کنویں سے پنے کی جڑ نکل آئے۔ راگوں کے جھرمٹ میں راگنی رام کلی۔ رتنوں میں رتن کنڈل۔ کہنے کا کارن یہ کہ وہ ایک پراسرار نا قابل فہم کنیا تھی۔ میری نظر میں آ گئی اور اس کے ناک کے بلاق میں جڑا ہوا الوری فیروزہ بھی۔ جس کی تلاش میں میں نکلا ہوا تھا۔ مجھے کسی نہ کسی طریق یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ فیروزہ اس کے لئے بھاری ہے اس کی جان بھی لے سکتا ہے جیسا کہ پہلے دو جانیں اس کی نحوست کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔ ان کے چہیتے اور گھر کے سدھائے ہوئے باگھ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ جنگلی پیاز کی سڑاند کسی کے برداشت کی بات نہیں ہوتی خاص طور پہ بالک تو کسی صورت اس کی تڑپھٹ برداشت نہیں کر پاتے۔ زمین و آسمان کی کئی بلائیں نہ چڑ نجوت پریت اس کے درپے تھے۔ جبکہ یہ خواجہ پیا کے حصار میں تھی۔ ان کی گلی میں گلی ہوئی

ان کی چوکھٹ پہ ان کے گاؤں گاتی ہوئی ..... یہ ان کے پریم راوپہ بہت آگے نکل چکی تھی۔ بس یہی لگن اسے بچا گئی۔

اس دن جب وہاں تباہ کن اندھیری چلی اس سے پہلے سورجیہ کی راہ میں ایک سنگت آئی صحرا میں بھٹکتے ہوئے نساچیوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریت کے ٹیلوں سے دھوپ چھاؤں بپا کر دی۔ وہ اسے دفن کر دینا چاہتے تھے۔ کسی طرح ان تینوں چاروں کو اڑا کر مرگھٹ میں دھکیل لائے اور ریت کے انبار میں دفن کر دیا۔ کسی نہ کسی طرح وتوکل نے کوشش کر کے ان کو بچانے کی کوشش کی۔ اسی دوران اسے محسوس ہوا کہ رکمنی تو پران ہار چکی ہے تو اس نے اس کی ناک سے بلاق نکالنے کی کوشش کی مگر ہر ممکن طریقہ آزمانے کے باوجود وہ ناکام رہا۔ ایک طریقہ باقی بچا تھا کہ وہ کھینچ کر اسے علیحدہ کرے مگر وہ ایسے نہ کر سکا۔ جبکہ میں نے ہاتھ ہی لگایا تو بلاق سے فیروزہ علیحدہ ہو کر میرے رومال سے چپک گیا۔"

میں چپ ہو گیا شاید میں بھی بات کرتے کرتے تھک سا گیا تھا۔

سیٹھ مصطفیٰ علی خان نے میری جانب کچھ دیر تکنے کے بعد کہا۔

"[illegible] کے بارے میں [illegible] کیا ہوا؟"

میں نے گلس کی چھوٹی سی تھیلی سے فیروزہ نکال کر اپنی ہتھیلی پہ زندگی کی لکیر کے آخری سرے مشتری کے مکعب پہ ٹھہراتے ہوئے کہا۔

"پتھر بھی پتھر ہوتا ہے اور انسان بھی..... لیکن دونوں کے مقسوم، درجات اور تصرفات مختلف ہوتے ہیں۔ اباتل کا آنسو" لے بابا اباتل" والے کے پاس ہی پہنچا۔"

"رکمنی، راکھن، روچھن اور وتوکل کا کیا ہوا؟" سیٹھ نے پوچھا۔

"بلاق سے فیروزے کے علیحدہ ہوتے ہی رکمنی بھلی چنگی ہو گئی تھی..... تم کو یاد ہو گا۔ وہاں سے واپسی پہ دوسرے دن تم کمنی چلے آئے تھے جبکہ میں اجمیر رک گیا تھا۔ دو روز بعد میں دوبارہ ان کی کوٹھی گیا۔ اس بار میرے ہمراہ کچھ سامان بھی تھا۔ چاندی کا زیور، شادی کے پارچات، بارشنگھار کی چیزیں اور کچھ برتن بستر..... اس سامان میں راکھن، روچھن کے لئے بھی بہت کچھ تھا..... شادی کی تقریب انتہائی سادہ سی تھی۔ رکمنی دلہن کے لباس میں بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ راکھن کے تو نور ہی علیحدہ تھی۔ بڑے سے گجرے پیچھے کھلی آمد کی کھلی سا چہرہ، کاجل سے اتھری اتھری چندی چندی سی آنکھیں، کھنچا ہوا گہرا سانولا رنگ، سرخ اور پیلے انگرکھے اور پٹکے میں ازسی ہوئی خمدار کٹار میں وہ ایک بانکا سا لگ رہا تھا۔ ادھر وتوکل

UrduPhoto.com

نے خوب نشہ پانی کیا ہوا تھا مگر تھا ہوش و حواس میں۔

میں نے یونہی پوچھ لیا۔ ''وکیل! تم نے رکمنی کی ناک سے بلاق کیوں اتارنا چاہا؟''

اُس کا جیسے سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ چند ساعتیں گھورنے کے بعد پوچھنے لگا۔

''آپ کو یہ کیسے معلوم پڑا.....؟''

''منش' منہ سے بولے نہ بولے اُس کے کارکرم تو خوب بولتے ہیں۔''

وہ نظریں نیچے کیے ہوئے بتانے لگا۔ ''آپ سے کیا اوجھل کیا رہ سکتا ہے۔ من میں یہی سمایا کہ چھوری تو چھوڑ کی باقی انمول ہے۔ چمپاوتی اور چھوری کی میا کی آخری نشانی! ..... بھگوان سوگند! مجھے کوئی روپے دو کوڑے کا لوبھ نہیں ..... بس نشانی اور قیمتی سمجھ کر پاس رکھنا چاہتا تھا۔ ہم گریبن لوگاں ایسی اچھی چیج کو ایسے ہی تو نہیں پھینک سکتے ہیں نا .....!'' میرے چرن پکڑ کر مزید کہنے لگا۔ ''آپ نے رکمنی کا من اپنی بٹیا سمجھ کر کیا ہے آپ کا بہت بہت دھنیہ واد .....!''

میں نے اپنے پاؤں اُس سے چھڑاتے ہوئے جواب دیا۔

''وکیل! اس میں اپنے کیے سے کچھ بھی نہیں لیا۔ تم نے اپنے جو کچھ رکمنی کو ملے تھے اور ہاں یہ تمہاری ایک امانت ہے جس کے لئے تم سے ایک آنا لے بھی مرزا ہوا۔''

الوری فیروزے کی ڈبیا اُس کی جانب بڑھاتے ہوئے مزید کہا۔

''میری بات تم شاید ٹھیک سے سمجھ نہ پاؤ ..... یہ آبِ حیات کا آنسو فیروزہ ہے جو اپنے مزاج کے خلاف کسی فرد کے پاس قیام نہیں کرتا۔ بالکل یونہی جیسے کستوری سانپ! یہ کسی عام انسان تو کیا کسی عام سپیرے کے پاس بھی ٹھکانا نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کھوکھیریل یا جل باز میں رہتا ہے۔ یہ یا تو چندن جھاڑ سے لپٹا رہتا ہے یا پھر چھوٹی الائچی کی ٹہنیوں پہ پینگ جھولتا رہتا ہے۔ الوری فیروزہ اور زرد دھنی قیمتی بھی ہر عین الف میم کے پاس نہیں رہ سکتے ..... کسی طور اگر کوئی انہیں قابو کر لے تو پھر یہ زبردستی اُس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں مگر اس علیحدگی میں نقصان قابو کرنے والے کا ہوتا ہے ..... چمپاوتی' تمہاری پتنی اور خود تم اور رکمنی اسے صرف ایک قیمتی جواہر سمجھتے رہے۔ اس کے اچھے برے اثرات سے کوئی بھی واقف نہ تھا نتیجہ یہ نکلا' چمپاوتی بچھڑ گئی۔ رکمنی کی ماں اُونٹ کے تشدد کا شکار ہو کر مر گئی۔ اب رکمنی کی باری تھی کہ خواجہ غریب نواز نے اس کی سہائتا کی اور وہ اس کے منفی اثرات سے محفوظ رہی۔''

وکیل آنکھیں پھاڑتے ہوئے میری یہ تمام باتیں حیرت سے سن رہا تھا۔ میرے چپ ہوتے ہی وہ مجھے میرے ہاتھ ٹٹولتے ہوئے بولا۔

''مہاراج! یہ پھیروزہ! ہمارے کام کی چیز نا ہیں۔ اسے آپ خود رکھ لیں یا کسی اور کو دے دیں۔''

''دتو مل! اگر اسے تم مجھے ہی دینا چاہتے ہو تو پھر تمہیں اس کی قیمت بھی وصول کرنی پڑے گی؟''

''آپ اسے ہماری طرف سے بھینٹ سمجھیں۔ آپ نے ہمیں بہت کچھ دیا۔ کیا یہ کم ہے کہ چھوری رُکمنی کو نیا جیون ملا..... اُس کا بیاہ ہو گیا..... اُس کا اُنت سپھل ہو گیا۔''

قارئین! بڑی لمبی تمہید و تفصیل سُنانے کے بعد رُکمنی کی کتھا تمام ہوئی۔

(باب اوّل ختم ہوا)

UrduPhoto.com

کاجل کوٹھا

فکرِ فردا

© OneUrdu.com
UrduPhoto.com

© OneUrdu.com

رَبّ العالمین نے کچھ ایسی مخلوقات بھی اپنی کمال صناعی اور حکمت و مصلحت سے تخلیق فرمائی ہیں جن کو اوّلاً سمجھنا اور ان کے کار و ورُود، اَجسام و وُجود، ممات و حیات، سرشت جبلت کے متعلق کماحقہ جاننا ہی خاص طور پر انسان کے لئے اَدق کر دیا۔ آسمانی صحیفوں اور انبیاء کرام کے ذرائع سے حضرت انسان کو جو کچھ بھی معلوم ہوا اس سے شاید اس کی متجسسانہ فکر و طبع کی خاطر خواہ تسلی نہ ہو سکی۔ بس یہیں سے عُلوم خفی، رازہائے اخفا سے مخصوص منظر پر آئے۔ صانع حکیم لم یزل نے اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق سے بہت پہلے ملائکہ، جنّات اور دیگر نُوری و ناری عنصر الوجود مخلوقات تخلیق فرما دی تھیں۔ تخلیق آدم سے پیشتر کی یہ تمام مخلوقات اپنے اپنے دائرۂ کار میں محدود اور اپنی متعین مخصوص حد بندیوں میں مسدود تھیں۔ انسان سے ان کا بنیادی عنصری بُعد ہی ان میں آپس کی تفریقی ضد ہے۔

نُوری، ناری، خاکی اور عنصری مخلوقات کی ضرورتیں الگ، دُنیائیں الگ، صُورتیں، سیرتیں، خوراکیں، طبع، عُمریں سب کچھ ایک دوسرے کی نقیض ٹھہریں۔ بس یہی چیزیں تھیں جنہوں نے انسان کو اکسایا کہ وہ ان مخلوقات اور ان کے متعلقہ عُلوم کو جانے۔

خدائے سبح و قدّوس نے قرآن مجید میں اجمالاً، تفصیلاً مختصراً اور کہیں کہیں محض اشارتاً ان مخلوقات کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچائیں اور ان کے اسماء، اختیارات و خصوصیات کا ذکر فرمایا۔ انسان نے اسی قرآن اور صاحبِ قرآن کا دامن پکڑ کر اپنے تفکّر و تجسّس سے عُلوم الٰہیات میں دَرک حاصل کیا، مالک قرآن نے خود فرمایا کہ قرآن میں فکر و تجسّس کرو اور یہ بھی ارشاد ہُوا کہ ہم نے تمام مخلوقات میں سے اشرف المخلوق صرف انسان کو بنایا ——

© OneUrdu.com

● ''پیا رنگ کالا'' اور ''کاجل کوٹھا'' میری آوارگیوں، آشفتہ سریوں اور وارداتوں کی ایسی ''بُدّ'' بیتیاں اور جگ بیتیاں ہیں جو قاری کے حسب و حال، علمی، روحانی بصیرت اور ذوق و طلب کے مطابق اپنے پرت کھولتی، معنی اُجالتی ہیں۔ یہ کتابیں بے علمے، کج ذوقے، کم سوادے سلوک و معرفت کی سوجھ سلامتی کے سوتیلوں سے حجاب کرتی ہیں کہ یہ راندۂ ادب و حضور ہیں۔ اور یہ بھی طے ٹھہرا کہ ان سیاہ رُو کتابوں کو دیکھنے پڑھنے کی توفیق بھی اُسے ملتی ہے جس کے ''پی'' کا رنگ کالا ہو اور پھر یہ کھلتی بھی اُس پہ ہیں جسے کسی ''کالے'' نے کاٹ کھایا ہو۔

عاشق ہور فقیر تے ناگ کالے جناں منتراں دا کیتے نی

یہ چاروں ہی اندر باہر سے کالے ہوتے ہیں... بابا وارث شاہؒ فرماتے ہیں کہ ان چاروں کالوں سے راہ و رسم اُستوار کرنا ایک مشکل امر ہے یہ کسی کے مترنہیں ہوتے۔ اگر ان کی قربت، مجبوری یا ضرورت بن جائے تو ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے کہ اُن کی فطری مجبوریوں سے محفوظ رہتے ہوئے صرف خیر سے مستفید ہوا جا سکے۔ ●

UrduPhoto.com

Rs. 1500.00

www.sang-e-meel.com
ISBN-10: 969-35-2225-7
ISBN-13: 978-969-35-2225-9
9 789693 522259
www.sang-e-meel.net